پاکستان میں اردو کی مجلّاتی صحافت
ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی

موضوع:

پاکستان میں اردو کی مجلّاتی صحافت
ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ

از

فوزیہ ناز

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی

۲۰۱۲ء

صداقت نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ محترمہ فوزیہ ناز بنت محمد یامین نے یہ مقالہ بہ عنوان "پاکستان میں اردو کی مجلاتی صحافت، ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ" میری رہنمائی میں مکمل کیا۔ان کا مقالہ اپنے اسلوب، زبان و بیان نیز مواد و معلومات ہر اعتبار سے مکمل طور پر اور یجنل ہے۔ یہ مقالہ انھوں نے شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کی تکمیل کے لیے پیش کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود
نگراں تحقیق
و
صدر نشیں، شعبۂ ابلاغ عامہ،
جامعہ کراچی

تاریخ: نومبر ۲۰۱۲ء

یہ تحقیقی مقالہ ڈاکٹر آف فلاسفی (پی ایچ ڈی) کی ڈگری کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ شعبۂ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی کے تحت تکمیل کو پہنچا۔

ڈگری کمیٹی:۔

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

ڈائریکٹر

تاریخ منظوری:۔-----------

انتساب

میرے شریک حیات

محمد ابو ماجد ادریس کے نام

جن کے تعاون اور اصرار کی وجہ سے

مقالے کی تکمیل ممکن ہوئی

فہرست ابواب

صفحہ نمبر

ABSTRACT:.

The periodic journalism is an important branch of Journalism that aims at providing the audience with the entertainment and information along with the explanation and illustration of everyday news. In its efficacy. It encircles the over all socio-culture life. Enlightening the readers with the setting and background of events. It plays a significant role in the training and formation of public opinion.

Periodic journalism took its birth in Indo-Pak subcontinent a little before the war of Independence in 1857. However, it has now become an established field after having passed through several stages of success, and now hundreds of journalists, editors and workers and associated to it. Many magazines in this regard are produced from every part of the country performing their roles in shaping the society. Along with the social, cultural, literary and religious magazines. The magazines for women, children, sports and fine arts are also included in it.

The topic of this thesis is **"Periodic Journalism in Pakistan a historical and research based perspective"**. This research has shown that the periodic journalism was initiated in the sub-continent as a mission. Journalism in that era used promotion of literature as a tool to spread awareness and clear sightedness among the readers and to widen their mental capacity. Most of these were literary magazines that initiated a systematic struggle against poverty, illiteracy, narrow mindedness, old norms and traditions and unjust social restrictions and limitations through a living and forceful literature, and en-rooted a constructive and healthy literature in Urdu language. Hundreds of novice writers were introduced to the readers. Unfortunately, a little after the establishment of Pakistan, the literary magazines lost their significant roles. Dark rules of journalism, issues related to advertisement and publication, lack of resources, competition with the colored magazines of newspaper, absence of code of conduct and mission, ignorance with the technicalities of marketing etc.. limited the literary magazines only to the literary circles. One by one, the top literary magazines became extinct and were replaced by the social magazines and digests. In the era of mass political activities, weekly political journals also became very popular and played an important role of providing information and en-shaping opinions. Furthermore, the magazines specially related to different aspects of life also came on front. Magazines of children, women, religion, fine arts and even of sports and cooking were also produced in great number. Nowadays, the magazines seem more attractive due to their composing and publication, lay out, design, pictures and high quality paper. Although, the presence of large number of advertisement in magazines have affected their beauty and quality, but they are inevitable for the growth and sustainability of these magazines.

Below are stated some of the recommendations drawn from the findings of this research for the promotion and publication of Periodic journalism:

1. The government advertisement should be excessively provided in the magazines.
2. The owners and editors of magazines should specifically focus on the marketing and should therefore adopt new methods and techniques.
3. Nowadays the colored editions of newspaper have an edge in their competition with the magazines, therefore in order to maintain their individualism, the magazines must bring innovation to their topics and offers. Also, they must update their quality according to the modern styles, else they will fail to grab the attention of the readers.
4. Adequate salaries and monetary facilities must be provided to the workers of periodic journalism so they can concentrate more on their work. Also, new people possessing high potentials should also consider about adopting this profession.
5. The literary and cultural magazines are not usually available in markets, this problem should be focused on so that they become approachable to the readers who are keen for the literature and education.

Apart from these immediate measures, the government, civil and social bodies should focus on raising their literary rate, because without this the promotion of journalism is impossible. To possess more numbers of magazines and journals, it is important for the people in society to be educated, for it is the literate society to which journals can serve in a better way.

خلاصہ:۔

مجلّاتی صحافت، صحافت کی ایک اہم صنف ہے جس کا مقصد قارئین کو روزمرہ کی خبروں کی تشریح وتوضیح اور رہنمائی کے ساتھ ساتھ معلومات اور تفریح کی فراہمی ہے۔ اپنی اثر پذیری کے اعتبار سے یہ پوری سماجی ومعاشرتی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ مجلّاتی صحافت واقعات کے پیش منظر اور پس منظر سے آگاہ کر کے قارئین کی رائے سازی اور تربیت کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں اردو کی مجلّاتی صحافت نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کچھ عرصہ قبل جنم لیا، تاہم ترقی کی منازل طے کر کے آج یہ ایک مستحکم صنعت بن چکی ہے جس سے ہزارہا صحافی، مدیران اور کارکنان وابستہ ہیں۔ ملک کے طول وعرض سے سینکڑوں رسائل نکل رہے ہیں اور معاشرے کی صورت گری میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی کے ساتھ ساتھ عورتوں، بچوں، کھیل کود اور فنون لطیفہ کے رسائل شامل ہیں۔

زیرِ نظر مقالے کا موضوع "پاکستان میں اردو کی مجلّاتی صحافت، ایک تاریخی وتحقیقی جائزہ" ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ برصغیر میں مجلّاتی صحافت کا آغاز بطور مشن ہوا۔ اس وقت کی صحافت نے قارئین میں شعور وآگہی پیدا کرنے اور ان کی ذہنی سطح کو بلند کرنے کے لیے ترویج ادب کو ذریعہ بنایا۔ یہ بیشتر ادبی رسائل تھے جنھوں نے ایک زندہ اور جاندار ادب کی پیش کش کے ذریعے غربت وافلاس، جہالت وتنگ نظری، فرسودہ رسوم ورواج اور ناروا سماجی قیود وپابندیوں کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا اور اردو زبان میں تعمیری اور صحت مند ادب کی آبیاری کی۔ سینکڑوں نئے لکھنے والوں کو قارئین سے متعارف کرایا، لیکن بدقسمتی سے قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ادبی رسائل کا وہ کردار باقی نہ رہ سکا۔ کالے صحافتی قوانین، اشتہارات وطباعت کے حوالے سے درپیش مسائل، وسائل کی کمیابی، اخبارات کے رنگین ایڈیشنوں سے مقابلہ، ضابطۂ اخلاق اور مشن کے فقدان، رسائل سے وابستہ کارکنوں کے مالی مسائل، مارکیٹنگ کے اسرار ورموز سے ناواقفیت وغیرہ نے ادبی رسائل کو ادبی حلقوں تک محدود کر دیا۔ ایک ایک کر کے بلند پایہ ادبی رسائل دم توڑتے گئے اور ان کی جگہ سوشل میگزینوں اور ڈائجسٹوں نے لے لی۔ سیاسی گہما گہمی کے ادوار میں ہفت روزہ سیاسی صحافت بھی مقبول ہوئی اور اس نے معلومات کی فراہمی اور رائے سازی کا اہم فریضہ انجام دیا۔ پھر زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق تخصیصی نوعیت کے رسائل بھی منظر عام پر آئے ملک میں بچوں، عورتوں، مذہب، فنون لطیفہ یہاں تک کہ کھیل کود اور کھانے پکانے والے رسائل بھی کثرت سے نکل رہے ہیں۔ آج کے رسائل وجرائد کمپوزنگ وطباعت، لے آؤٹ، ڈیزائننگ، تصاویر اور عمدہ کاغذ کے استعمال کی بدولت زیادہ دیدہ زیب نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اشتہارات کی بھرمار نے ان کے حسن ومعیار کو متاثر کیا ہے مگر رسالوں کی بقاء وترقی کے لیے اشتہارات ناگزیر ہیں۔

ملک میں مجلاتی صحافت کے فروغ واشاعت کے لیے چند اقدامات جو زیرِ نظر تحقیق کا ماحصل ہیں تجویز کیے جاتے ہیں:

۱۔ رسائل کو سرکاری اشتہارات فراخ دلی سے دیئے جائیں۔

۲۔ رسائل کے مالکان و مدیران کو چاہئے کہ وہ مارکیٹنگ پر خصوصی توجہ دیں اور اس کے لیے جدید طریقے اور تکنیک اختیار کریں۔

۳۔ آج رسائل کو اخبارات کے رنگین ایڈیشنوں سے مسابقت کا سامنا ہے، لہٰذا رسائل کو اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لیے اپنے موضوعات اور پیش کش میں جدّت لانا ہوگی اور ساتھ ہی معیار کو بھی جدید دور کے انداز کے مطابق ڈھالنا ہوگا ورنہ وہ قارئین کی توجہ حاصل نہ کرسکیں گے۔

۴۔ مجلاتی صحافت سے وابستہ کارکنوں کو مناسب تنخواہیں اور مالی مراعات دی جائیں تاکہ وہ ذہنی یک سوئی کے ساتھ کام کرسکیں اور اعلیٰ صلاحیت کے حامل نئے لوگ بھی اس شعبے کو اپنانے کے بارے میں سوچیں۔

۵۔ علمی و ادبی رسائل اکثر مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس مسئلے پہ غور کیا جانا چاہئے تاکہ علم و ادب کے خواہاں قارئین کی ان رسائل تک رسائی ہوسکے۔

ان فوری نوعیت کے اقدامات کے علاوہ حکومت، شہری اداروں اور سماجی تنظیموں کو شرح خواندگی بڑھانے پر بھی توجہ دینی چاہئے کیوں کہ شرح خواندگی میں اضافے کے بغیر صحافت کا فروغ ممکن نہیں۔ رسائل وجرائد کی سرپرستی کے لیے معاشرے کے افراد کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ رسائل وجرائد بھی ایک خواندہ سماج کی خدمت بہتر طور پر کرسکتے ہیں۔

اظہار تشکر

ابتداء خداوند تعالیٰ کے نام سے جن کی عطا کردہ توفیق و وسائل نے مجھے اس لائق کیا کہ میں یہ مقالہ مکمل کرسکوں اور اس کے بعد لاکھوں درود و سلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی میں ایک ادنیٰ امتی ہوں۔

اس کے بعد میں اپنے نگراں پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود کی انتہائی ممنون ہوں جن کی رہنمائی، ذاتی توجہ، شفقت اور محبت نے تحقیق کے مراحل آسان کیے۔

میں اپنے شریک حیات جناب محمد ابو ماجد ادریس کی تہہ دل سے شکر گذار ہوں جن کی محبت، تعاون اور حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو مقالے کی تکمیل محال ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے اصرار اور یاددہانی نے یہ مقالہ مکمل کرایا۔
کیا میں اپنے بچوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے دوران تحقیق نہ صرف صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا بلکہ اپنی بساط سے بڑھ کر تعاون بھی کیا۔

میں اس تحقیق کے سلسلے میں بیدل لائبریری، مدینۃ الحکمت لائبریری، غالب لائبریری، لیاقت لائبریری، انجمن ترقی اردو، ڈاکٹر محمود حسین لائبریری، جامعہ کراچی، تیموریہ لائبریری، پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ، حکومت سندھ، اے پی این ایس ہیڈ آفس، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، سیمینار لائبریری شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، سیمینار لائبریری، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی کے لائبریرین حضرات نیز ڈاکٹر معین الدین عقیل اور سینئر صحافیوں کی بے انتہا مشکور ہوں جنھوں نے اس مقالے کے مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میری مدد و رہنمائی کی۔

ارشد علی صدیقی نے نہایت محنت اور توجہ سے مسوّدے کو کمپوز کیا۔ میں ان کی بھی شکر گذار ہوں۔

میں اپنے والدین، بھائی بہنوں اور دیگر تمام اہل خانہ کی بھی ممنون ہوں، جن کے تعاون، ہمت افزائی اور دعاؤں سے میں اس تحقیقی مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی اہل ہوسکی۔

میں اپنے شعبے کے تمام اساتذہ کرام، طلبا و طالبات اور دوست احباب کی بھی شکر گذار ہوں، جن کی دعائیں اس تحقیق کے دوران مجھ پر سایہ فگن رہیں۔

پہلا باب: اردو رسائل کے آغاز و ارتقاء کا پس منظر

پس منظر:۔

انسان جب سے دنیا میں آیا ہے، تجسس اور تلاش اس کی فطرتِ ثانیہ بنی ہوئی ہے۔ پتھر کے زمانے سے لے کر آج تک انسان کا یہ جذبہ نہیں دبا کہ وہ اپنے ہم جنسوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے۔[1] ایک زمانہ وہ تھا جب انسان غاروں میں رہتا تھا۔ زبان کی عدم موجودگی میں ابلاغ کا عمل محدود تھا۔ فرد سے فرد کے رابطے کی ضرورت نے اُسے زبان ایجاد کرنے پر مجبور کیا۔ پھر رفتہ رفتہ تحریر کے اُصول وقواعد منضبط کئے گئے اور انسان نے اپنے خیالات کو پتھر اور لکڑی پر کندہ کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ بعد میں درختوں کی چھالوں اور جانوروں کی کھالوں پر لکھنے کا رواج ہوا چنانچہ مصری خزائن میں بہت سے ایسے صحیفے موجود ہیں جو پتھر، جانوروں کی کھالوں، درختوں کی چھالوں اور ریشم کے کپڑوں پر مشتمل ہیں۔[2] چین میں ریشم کے کپڑے پر کتابت کی جاتی تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ ایک ذہین اور طباع شخص سائی لون چین کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ریشم کی کتابوں پر بہت لاگت آتی ہے میں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ پھٹے پرانے کپڑوں، درخت کی چھال اور ماہی گیری کے جالوں کو کوٹ کر گودا بنالیا جائے۔ گودے کو ہموار سطح پر پھیلایا جائے جب نمی کم ہو جائے تو اسے اچھی طرح دبایا جائے اور جب خشک ہو جائے تو اس پر کتابت کر لی جائے۔ اس طرح کاغذ کی ایجاد ممکن ہوئی لیکن چھ سو سال تک اس کے بنانے کا طریقہ خفیہ رکھا گیا۔ آخر جب چین کے کاغذ ساز کاری گر عربوں کے ہاتھ آئے تو دونوں کے تعاون سے بستہ کاغذ بننے لگا اور یہ صنعت دیس دیس میں قائم ہوگئی۔[3]

طباعت کی ایجاد:۔

طباعت کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے اور اس کی ابتداء ٹھپے کی چھپائی سے ہوئی۔ چین کے صوبہ کاسنو میں دنیا کی قدیم ترین مطبوعہ کتاب ملی۔ اس پر لکھا تھا: "اس کتاب کو "وانگ پی ایہہ" نے ۱۱ مئی ۸۶۸ء کو مفت تقسیم کرنے کے لیے چھاپا تا کہ اُس کے والدین کی یاد کو دوام حاصل ہو"[4] یورپ میں ٹھپے کی چھپائی پندرھویں صدی کے آغاز میں ہونے لگی، لیکن صرف تصاویر کے لئے الفاظ کی طباعت کا آغاز ۱۴۵۴ء میں ہوا۔ جب ایک شخص جوہان گوٹن برگ نے جرمنی کے شہر مینز میں ایک چھاپہ خانہ بنایا۔ ان سے کچھ دستاویزات چھاپیں، دوسال بعد بائبل چھاپ دی بلکہ رنگین چھپائی کا تجربہ بھی کیا۔ چھپائی کو پھیلانے میں جرمنوں نے خاص کردار ادا کیا اور انہوں نے ہی اٹلی اور فرانس میں چھاپے خانے قائم کئے۔ اس کے بعد طباعت سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ میں پہنچی اور آخر میں برطانیہ میں، جہاں ولیم کیکسٹن اِس کا بانی تھا۔ اُس نے ۱۴۷۶ء میں چھاپہ خانہ قائم کیا اور پندرہ برس کے اندر اندر ایک سو کتابیں چھاپ ڈالیں، جن میں زیادہ تر کا مصنف یا مترجم بھی وہی تھا۔

برعظیم میں طباعت کی ابتداء:۔

برعظیم پاک و ہند میں پہلا چھاپہ خانہ پرتگیزیوں نے سولھویں صدی کے وسط میں قائم کیا۔ انہوں نے ملیالم اور تامل حروف کے ٹائپ بنائے۔ ایک سو سال بعد ایک پارسی باشندے نے گجراتی رسم الخط کا ٹائپ تیار کیا۔ انگریزوں نے پہلا چھاپہ خانہ ۱۶۷۴ء میں بمبئی کے مقام پر قائم کیا۔ ایک صدی بعد کلکتہ اور مدراس میں بھی چھاپہ خانے کھل گئے۔ بنگالی، فارسی اور عربی کے ٹائپ بھی تیار کئے گئے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں اُردو کا نستعلیق ٹائپ بھی تیار کیا گیا اور ان زبانوں میں کتابیں بھی چھاپی گئیں۔ لیتھو طباعت یعنی پتھر کی چھپائی کا آغاز ۱۸۳۶ء میں ہوا اور اُردو تحریروں کے لیے اِس نے تیزی سے رواج پالیا، کیوں کہ یہ ٹائپ کی چھپائی کے مقابلے میں سستی تھی۔ برعظیم کے مسلمان حکمران عمارت سازی پہ جان دیتے تھے، لیکن انہوں نے طباعت کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ ۵

صحافت کا آغاز:۔

صحافت، دراصل لفظ "صحیفہ" سے مشتق ہے۔ صحیفہ کے لغوی معنی کتاب یا رسالے کے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحافت کا آغاز ابتدائے تحریر سے ہوگیا تھا۔ اگر چہ فی زمانہ صحافت کا اطلاق اس چھپے ہوئے مواد پر ہوتا ہے جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا رہتا ہے، لیکن یہ اپنی ابتدائی شکل میں اس قلمی مواد پر مبنی ہے، جو انسانی معاشرے، اُن کے حالات و واقعات اور دور دراز کے علاقوں کی تفصیل کا اظہار کرتا ہے اور یہی صحافت کی ابتدائی تاریخ کا ماخذ و مرجع ہے۔ ۶

صحافت کا ماخذ فرانسیسی لفظ Journal ہے۔ جس کے معنی روزنامچہ یا روزانہ کے حساب کا کھاتہ ہیں۔ انگریزی میں اِسے Journalism (جرنلزم) اور اُردو میں صحافت کہتے ہیں۔

مشہور انگریزی صحافی لیزلی سٹیفن (Leslie Stephen) کے نزدیک:

"صحافت اُن معاملات کو ضبطِ تحریر میں لاکر استفادہ کرنے کا نام ہے، جس کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے"۔

ویبسٹر تھرڈ انٹرنیشنل ڈکشنری (Websters Third International Dictionary) میں صحافت کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی ہے:

"زمانہ حال کی دلچسپیوں سے متعلق مواد کو شائع، نشر یا پیش کرنے کی غرض سے اکھٹا کرنا، کانٹ چھانٹ کر کے درست اور قابلِ مطالعہ بنانا صحافت ہے"۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب "فن صحافت" میں صحافت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"صحافت کا لفظ "صحیفہ" سے نکلا ہے۔ صحیفہ کے لغوی معنٰی ہیں، کتاب یا رسالہ، بہر حال عملاً ایک عرصۂ دراز سے صحیفے سے مراد ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے، چناں چہ تمام اخبار اور رسائل صحیفے ہیں اور جو لوگ ان کی ترتیب و تحسین اور تحریر سے وابستہ ہیں، انھیں صحافی کہا جاتا ہے اور اُن کے پیشے کو صحافت کا نام دیا گیا ہے۔"

اگر دیکھا جائے تو صحافت،طباعت سے پہلے وجود میں آچکی تھی،لیکن اُس کا روپ مختلف تھا۔شہروں میں ایسے اعلانچی موجود تھے، جو گھنٹی بجا کر یا ڈھول بجا کر لوگوں کو جمع کرتے اور انھیں تازہ ترین خبریں سنا کر پیسے، دو پیسے اکٹھے کر لیتے تھے۔ دیواروں پر چسپاں ہونے والے اعلانات بھی ایک طرح کے اخبار تھے، کیوں کہ اُن سے لوگوں کو تازہ ترین خبر مل جاتی تھی۔ اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے روم میں ایسے اخبار نویس موجود تھے، جو دارالحکومت سے دور بسنے والے امراء اور سیاست دانوں کو خبر نامے بھیجتے تھے۔ ایسے اخبار نویس تو طباعت کی ایجاد کے بعد بھی عرصے تک موجود رہے، جو تاجروں کے لیے قلمی خبر نامے مرتب کر کے بذریعۂ ڈاک بھیج دیتے تھے۔ دنیائے عرب اور برِ عظیم میں قلمی اخباروں کا نظام حکومتوں کے زیرِ سایہ چلتا تھا۔

با قاعدہ اخبارات کے اجراء سے پہلے ایسے پمفلٹوں کا بڑا رواج تھا، جن میں خبریں دی جاتی تھیں۔اب سے دو ہزار سال پہلے روم کے سب سے اہم مقام پر فورم پر ہر روز ایک اخبار "Acta Diurna" چسپاں کیا جاتا تھا، جس میں زیادہ تر سرکاری اعلانات درج ہوتے تھے،لیکن دوسری خبریں بھی دی جاتی تھیں۔ اِس طرح لوگ حالات سے باخبر رہتے تھے، بہر حال اصل معنوں میں دنیا کا پہلا اخبار "ٹی پاؤ" (محل کی خبریں) تھا، جو اَب سے ایک ہزار سال پہلے چین سے نکلا اور ۱۹۱۱ء تک "پیکن گزٹ" کے نام سے جاری رہا۔ گویا کاغذ کی ایجاد، طباعت کی ایجاد، پہلے اخبار کے اجراء، سب کا سہرا چین کے سَر ہے۔

یورپ میں صحافت کا آغاز سترھویں صدی کے شروع میں ہوا اور تیں چالیس سال کے اندر مغربی یورپ کے قریب قریب سب ملکوں سے اخبار نکل آئے۔ یہ الگ بات ہے کہ انگلستان سے صرف ایک ضمیمہ نکلا۔ یورپ کا پہلا با قاعدہ اخبار شہر آگس برگ سے ۱۶۰۹ء میں جاری ہوا۔جس کا نام "Avisa Relation Order Zettung" (اویسا ریلیشن آرڈر زیٹنگ) تھا۔ اِسی سال سٹراس بورگ (جو اَب فرانس میں شامل ہے) سے "Stras Bourg Relation" کے نام سے ایک جرمن اخبار شائع ہوا۔ان دونوں کے پرچے محفوظ ہیں۔ان دونوں اخباروں میں سارے یورپ کی خبریں چھپا کرتی تھیں۔فرانس کا پہلا اخبار " گزٹ " تھا۔ جو بعد میں " گزٹ دی فرانس " کے نام سے مشہور ہوا۔ اسے ۱۶۳۱ء میں کارڈی نل ریشلو کی سر پرستی میں جاری کیا گیا۔اٹلی کا پہلا اخبار "Sincero" تھا، جو ۱۶۴۶ء میں جنیوا کے شہر سے نکلا۔ بیلجیئم کا پہلا اخبار انٹ ورپ کے شہر سے ۱۶۱۵ء میں جاری ہوا۔ ہالینڈ میں ۱۶۲۰ء سے قبل ایمسٹرڈم کے شہر میں کچھ اخبار جاری تھے۔ اُس زمانے میں آسٹریلیا کے شہر ویانا میں بھی تین ہفت روزہ جرائد موجود تھے۔ سوئٹزرلینڈ کا پہلا اخبار ۱۶۱۰ء میں باسل کے شہر سے نکلا۔ اُس کا نام "Ordinary Wochenze Itung" تھا، جس کا مطلب ہے "عام لوگوں کا اخبار"۔

انگلستان میں صحافت کی ابتداء کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ انگریزی زبان کے اوّلین اخباروں کا اصل گہوارہ ہالینڈ کا شہر ایمسٹرڈم تھا۔ اُس زمانے میں Corantos کا رواج تھا، جنھیں ہم ضمیمہ کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اخبار صرف ایک ورق پر مشتمل ہوتا تھا، جس کے دونوں جانب خبریں چھپی ہوتی تھیں۔ ہالینڈ میں ایمسٹرڈم، دی ہیگ، الکمار اور دوسرے شہروں کے ناشر بعض اوقات ڈچ زبان کے اخباروں کو انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپ لیتے تھے اور فروخت کے لئے انگلستان بھیج دیتے تھے اور کبھی مختلف ڈچ اخباروں سے انگریزوں کی دلچسپی کی خبریں منتخب کر کے شائع کر دیتے تھے۔ اِن ضمیموں کا ایک اور غیر معمولی پہلو یہ تھا کہ ان میں سارے یورپ کی خبریں درج ہوتی تھیں، لیکن انگلستان کی ایک بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگلستان کا حکمران طبقہ یہی چاہتا تھا کہ لوگوں کو اپنے وطن کی خبریں معلوم نہ ہوں۔ ۱۶۲۲ء میں ایک ایسا ہی ضمیمہ انگلستان کے اندر بھی چھپنے لگا اور اس کی دیکھا دیکھی دیگر ضمیمے بھی وجود میں آنے لگے۔ اتنے میں ہسپانیہ کے سفیر نے حکومت سے احتجاج کیا کہ آپ کے اخباروں میں آسٹریا کے شاہی خاندان کے خلاف خبریں چھپتی ہیں۔ اِس پر حکومت نے سارے اخبار بند کر دیئے۔ یہ حکم "سٹار چیمبر" نے دیا تھا، اس کے بعد "سٹار چیمبر" ہی نے دو انگریزوں کو اکیس سال کیلئے ایک ضمیمہ نکالنے کا ٹھیکہ دے دیا، لیکن شرط یہ رکھی کہ اس میں انگلستان کی خبریں نہیں ہوں گی۔ ۱۶۴۱ء میں "سٹار چیمبر" کی تنسیخ ہوئی تو برطانیہ میں اخبار نکالنے کی آزادی ہوگئی۔

سترہویں صدی کے نصف اوّل میں صحافت کا قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ ۸

برعظیم کی ابتدائی صحافت:۔

برعظیم میں صحافت کا آغاز اُن قلمی اخباروں سے ہوا جو حکمرانوں کے عہد میں سرکاری وقائع نگار مرتب کرتے تھے۔ ان اخباروں کے ذریعے سے حکمران جان لیتے تھے کہ سلطنت کے طول و عرض میں آباد لوگ کس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ ۹ برصغیر میں جب مسلمان آئے اور انہوں نے اپنی حکومت قائم کی تو حالات معلوم کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں اپنے گماشتے مقرر کئے جو وقتاً فوقتاً اپنے علاقوں کی خاص خاص خبریں لکھ کے ارسال کیا کرتے تھے۔ ان گماشتوں کو "اخبار نویس" کہا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ مصر کے عہدِ اسلامی میں کاتب یا صاحب انشاء کیلئے بھی مؤخر الذکر لفظ استعمال ہوتا تھا۔ پھر خبر کی ترسیل کیلئے جو محکمہ قائم تھا، اس کو "برید" کہا جاتا تھا۔ اس کے سب سے بڑے عہدیدار کو "ملک البرید" یا "صاحب البرید" کہتے تھے۔ یہ دونوں محکمے بادشاہ کی معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔ اس لئے برید یا دیوان کے محکمے کو سلاطین نے ہمیشہ مضبوط بنیادوں پر استوار کیا اور خصوصی طور پر نگرانی کی اور ہمیشہ ایسے بااعتماد لوگوں کو اس محکمے میں رکھا جو کسی کی ذرا بھی رُو رعایت نہیں کرتے تھے اور صحیح صحیح خبریں بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔

علاءالدین خلجی نے جو اصلاحی کارنامے سرانجام دیئے وہ محکمہ "برید" ہی کی وجہ سے دیئے اور اُس کی جان اِسی محکمہ کی وجہ سے بچی۔ اسی طرح سکندر لودھی بھی اس محکمہ "برید" یا خبر رسانی پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتا تھا جس کی وجہ سے ملک کے کونے کونے کی خبریں اُس کو ملتی رہتی تھیں اور کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا جس کے حالات سے وہ باخبر نہ رہتا ہو۔ "سیر المتاخرین" میں طباطبائی نے لکھا ہے:

"سکندر لودھی کا محکمہ برید بھی بہت ہوشیار اور چالاک تھا۔ خبریں اس دانائی اور قابلیت سے حاصل کرتا تھا کہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ کس نے اُس کی خبر بادشاہ تک پہنچائی۔ گھر گھر کے خاص خاص واقعات و حالات بادشاہ کو پہنچ جاتے تھے۔ بعض اوقات بادشاہ بھیس بدل کر محلوں اور بازاروں میں گشت لگاتا تھا اور رعایا اور اپنے امراء کے حالات معلوم کرتا تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ کوئی جن بادشاہ کو سارا حال سنا جاتا ہے۔ کئی لوگوں کو گمان واعتماد یہ تھا کہ بادشاہ کے پاس ایک طلسمی چراغ ہے جس کو وہ روشن کرتا ہے اور جن حاضر ہو کر روئے زمین کے خاص و عام اور دوسرے ملکوں کے فرماں رواؤں کے پوشیدہ حالات بادشاہ کو لاکر دیتا ہے۔"[۱۰]

عہدِ مغلیہ میں جہاں دوسرے علوم وفنون کو ترقی ہوئی وہاں اس شعبے کو بھی مزید ترقی ملی۔ اب تاریخ کے صفحات پر "دبیر" کے ساتھ "دیوان" کا لفظ بھی نظر آنے لگا۔ جس کے افسر کو منشی، میر منشی یا کاتب کہتے تھے، لیکن خاص خبروں کی ترسیل کیلئے "وقائع نگار" یا "اخبار نویس" کے الفاظ مختص ہو گئے تھے۔ شاہانِ مغلیہ نے اپنی ذاتی دلچسپی کے سبب اِس شعبے کو اور زیادہ ترقی دی۔ خصوصاً اورنگزیب عالمگیر نے اِس نظام کو درجہ کمال تک پہنچادیا۔ اُس نے وقائع نگار یا اخبار نویس حضرات کے تقرر کے سلسلے میں اُن کے کردار کو جس طرح ملحوظ خاطر رکھا، وہ قابل ذکر ہے، اور پھر وقتاً فوقتاً جو فہمائشیں اس نے کیں، وہ محتاج بیاں نہیں۔ اس وجہ سے یہ شعبہ اتنی ترقی کر گیا۔ برصغیر میں معلومات کے یہ ذرائع ہی اصل میں صحافت کی ابتدائی شکل تھی، لیکن یہ صحافت قلمی نوعیت کی صحافت تھی اور حکمرانوں کے لیے مخصوص تھی۔ اس سے عام لوگ استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ یورپ کے اثر سے ہندوستان میں ایسی صحافت کا رواج ہوا جو عام لوگوں کی معلومات کا ذریعہ بنی اور خواص سے نکل کر عوام تک پہنچی۔[۱۱]

برعظیم میں مطبوعہ صحافت کا آغاز:۔

برعظیم میں مطبوعہ صحافت کے بارے میں ڈاکٹر طاہر مسعود اپنی کتاب ''اردو صحافت انیسویں صدی میں'' میں لکھتے ہیں:

''برعظیم میں چھاپہ خانہ وسط سولہویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے چوالیس سال قبل پہنچ چکا تھا۔ کمپنی کو ملکۂ برطانیہ نے ہندوستان سے تجارت کرنے کی سند ۱۶۰۰ء میں عطا کی اور چھاپہ خانہ پرتگالی عیسائی مبلغین کے ہمراہ

۱۵۵۶ء میں پہلی بار گوا کے ساحل پر اتارا گیا۔ نصف صدی کے آگے پیچھے پیش آنے والے ان دو واقعات نے مستقبل میں ہندوستان کے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ کمپنی کی تجارتی سرگرمی مآل کار مقامی حکمرانوں سے سیاسی اقتدار چھین لینے پر منتج ہوئی اور عیسائیت کی تبلیغ کیلئے لایا جانے والا چھاپہ خانہ اخبارات کے اجراء کے ذریعے ہندوستان میں دوررَس سیاسی، سماجی اور تعلیمی تبدیلیوں کا سبب ہوا۔ نہ صرف یہ بلکہ آخری معرکے میں برعظیم سے انگریزی اقتدار کی رخصتی میں بھی اہم ترین عامل بنا۔ چنانچہ اس خطے میں انگریزی اقتدار کا عروج وزوال اور اجرائے اخبارات کی صورت میں چھاپہ خانے کا فروغ دونوں ہی حقیقتیں باہم منسلک و مربوط ہیں، جنہیں نہ ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے۔''[۱۲]

فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ:

''سترہویں صدی میں جب مغلیہ سلطنت مستحکم تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور کو معمول کی تجارتی سرگرمی کا ایک واقعہ سمجھا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۶۵۱ء میں سرتھامس رو، مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں بہ طور سفیر آیا اور تین سال کے قیام کے دوران اس نے کمپنی کیلئے تجارتی کوٹھیاں تیار کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ جس کے بعد ہی کمپنی نے جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کے سلسلے کا آغاز کیا۔ سفید رنگت والے ان اجنبی تاجروں نے ۱۶۳۹ء میں جنوب میں ایک قطعۂ اراضی خریدا اور مدراس پریسیڈینسی کی بنیاد ڈالی۔ ۱۶۶۲ء میں جزیرۂ بمبئی، چارلس دوم کو پرتگالیوں کی طرف سے جہیز میں ملا۔ جس کو اس نے کمپنی کے نام منتقل کر دیا۔ ۱۶۹۰ء میں کلکتہ شہر قائم کیا گیا۔ سترھویں صدی کے آخر تک کمپنی ہندوستان میں کئی جگہ ساحل بحر پر اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی تھی۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر وفات پا گیا۔ اس کے جانشینوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگوں نے جے جمائے سیاسی نظام کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی کوتاہ اندیشی، سہل پسندی اور پست ہمتی کی وجہ سے مرکزی حکومت کی گرفت صوبوں پر کمزور پڑتی گئی اور وہ آزاد ہو گئے۔ ملک کے اندر دبی ہوئی سیاسی قوتیں ابھر کر سامنے آگئیں۔ مرہٹے، سکھ، جاٹ، اور روہیلے پراگندہ اور انتشار سے عبارت ماحول سے فائدہ اٹھانے لگے۔ کمپنی نے اس تفریق کو اور ہوا دی اور اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنے کیلئے میدان ہموار کر لیا۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی میں اس نے سازش اور فریب سے نواب سراج الدولہ کو بنگال میں شکست دے دی۔ اس جنگ سے کمپنی کے خالص تجارتی دور کا خاتمہ ہو گیا اور ایک وسیع ملک ہاتھ آ جانے کی وجہ سے تجارت کے ساتھ کمپنی کی حکومت کا بھی دور شروع ہو گیا۔

اٹھارویں صدی کے پہلے عشرے تک بمبئی اور مدراس میں چھاپہ خانے لگ چکے تھے، لیکن ابھی تک اس عظیم ایجاد کو اخبار نویسی کیلئے استعمال کرنے کا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اس عرصے میں مقامی زبان کا ٹائپ تیار کر کے جتنی بھی کتابیں شائع ہوئیں، وہ سب تبلیغ عیسائیت کے لئے تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس نے ۱۷۷۲ء میں بنگال کی حکومت سنبھالی،

اُن دنوں مصلحتاً عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتی تھی، کیونکہ اس میں الجھنے سے اس کے سیاسی مقصد کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ چناں چہ بنگال کے شہر کلکتہ میں پہلا چھاپہ خانہ جیمس اگسٹس ہکی نے ۱۷۷۷ء میں قائم کیا اور ٹھیکے پر کمپنی کی حکومت کے احکام واشتہار چھاپنے لگا۔ اسی دوران کمپنی کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (۱۷۷۴ء۔۱۷۸۷ء) کو حکمرانی کے لیے رعایا کی زبان سیکھنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا، چناں چہ اُس کی ہدایت پر کمپنی کے ایک محرر چارلس ولکنس (۱۷۴۹ء۔۱۷۸۷ء) نے پہلے بنگالی اور دیوناگری پھر فارسی کے نستعلیق ٹائپ ڈھالے۔ اس نے ۱۷۷۹ء میں ایک سرکاری چھاپہ خانہ بھی قائم کر دیا۔ ٹائپ کے ان حروف اور چھاپہ خانے سے سیاسی ضرورت کی لسانی کتابیں تو شائع ہوئیں، لیکن کوئی اخبار پھر بھی جاری نہیں ہوا، حالاں کہ کمپنی جس ملک سے کنٹرول کی جارہی تھی وہاں مطبوعہ اخبار نویسی کے آغاز کو پون صدی ہو چکی تھی۔ کمپنی کے ملازمین اپنی اخبار بینی کی پیاس ان اخبارات سے بجھاتے تھے جو لندن سے نو مہینے یا اس سے بھی تاخیر سے بحری جہازوں کے ذریعے ہندوستان کے ساحلوں تک پہنچتے تھے۔ فی الحقیقت بمبئی، مدراس اور بنگال میں چھاپہ خانوں کی موجودگی کے باوجود کمپنی کو کسی اخبار کے اجرا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اور نہ نجی سطح پر ایسی کسی کوشش کی حوصلہ افزائی کو وہ مناسب سمجھتی تھی، چنانچہ ۱۷۶۶ء میں جب کمپنی کے ایک ناراض ملازم ولیم بولٹس نے کلکتہ سے اخبار نکالنے کی کوشش کی تو کمپنی نے اسے بدامنی پھیلانے کے الزام میں اولین بحری جہاز سے یورپ واپس چلے جانے کا حکم سنادیا۔ کمپنی اخبارات نویسی سے خوف زدہ تھی کیونکہ اس کا دامن صاف نہ تھا، اس کے ملازمین نئی سرزمین میں پہنچ کر بدترین قسم کی بدعنوانیوں میں ملوث ہو چکے تھے اور کمپنی نے ان بدعنوانیوں سے جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ کمپنی کے ملازمین کی سرگرمیوں کا اندازہ کرناٹک کے نواب کے اِس خط سے لگایا جاسکتا ہے، جو اس نے کمپنی کے ڈائریکٹروں کو لکھا تھا۔ اس خط میں کہا گیا تھا کہ آپ کے نوکروں کا اس ملک میں کوئی کاروبار تو ہے نہیں، نہ آپ انہیں معقول تنخواہ دیتے ہیں۔ کمپنی کے عام ملازموں کو آٹھ روپے ماہوار اور کھانے کے اخراجات سمیت ۳۳ روپے ماہوار ملتا تھا۔ موسم کی سختی اور ہندوستان کی آب و ہوا بھی ان کیلئے ناسازگار تھی۔ اس کے باوجود کمپنی کی ملازمت میں ہندوستان آنے کو یہ ملازمین بے تاب رہتے تھے، کیونکہ یہاں آ کر وہ قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود نجی کاروبار کر سکتے تھے، جس کا نفع غیر معین تھا۔ پھر بھی چند ہی سال میں وہ کئی کئی لاکھ اشرفیاں کما کر واپس جاتے ہیں۔ اتنی قلیل مدت میں بغیر کسی ظاہری ذرائع کے یہ بے حساب کمائی کہاں سے آتی ہے۔ ہم اور آپ دونوں سمجھ سکتے ہیں۔

معاملہ صرف ملازمین کی بدعنوانیوں تک نہ تھا۔ کمپنی کی بالائی سطح پر جوڑ توڑ، سازشوں اور بدترین قسم کے اختلافات کا گھناؤنا کھیل شروع ہو چکا تھا۔ گورنر جنرل اور اس کی کونسل اعلانیہ ایک دوسرے سے برگشتہ تھے۔ گورنر جنرل اور مدراس اور بمبئی کی حکومتوں میں مسلسل تصادم اور چپقلش کی صورتحال تھی ان کے درمیان اہم انتظامی اور سیاسی امور پر بھی کوئی تعاون اور رابطہ نہ تھا۔ چند سال کے اندر اندر لکھ پتی اور کروڑ پتی بننے کی دُھن میں کمپنی کے اعلیٰ سول اور فوجی حکام بھی لوٹ کھسوٹ

میں غرق تھے۔ عام آسامیوں کے علاوہ بڑی آسامیوں پر غیر موزوں تقرریاں ہوتی تھیں اور ایسی بہت سی تقرریوں کو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی منظوری حاصل نہیں ہوتی تھی۔ کمپنی نے ہندوستانی حکمرانوں اور شہزادوں سے کورٹ آف ڈائریکٹرز کی منشا کے بغیر بدسلوکی کا برتاؤ شروع کر دیا تھا۔ ذی وقار ہندوستانیوں کو سزائیں اور غیر قانونی قید و بند بھی معمول بن چکے تھے۔ دوسری طرف اجناس کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں اور بدترین غذائی بحران کا سامنا تھا۔ ان حالات میں کمپنی اس بات کے لئے تیار نہ تھی کہ ان واقعات کی اطلاع کسی بھی طرح انگلستان یا یورپ یا دنیا کے کسی بھی حصے میں پہنچے۔ کمپنی کی بدمعاشیوں کی ذراسی بھی بھنک لیڈن ہال اسٹریٹ یا واٹر ہال لندن کو مل جاتی تو یہ نہ صرف کمپنی کے مفادات کیلئے ضرررساں ہوتا بلکہ کورٹ آف ڈائریکٹرز کو بھی پریشان کن صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا، چنانچہ ان خطرات کے پیش نظر وہ آزادیٔ رائے کو برداشت کرنے یا قبول کرنے کی کسی طرح روادار نہ تھی۔ اس کے برعکس وہ اخبارات کے اجراء و استقرار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ کمپنی کے وہ ملازمین جو غیر قانونی تجارت میں ملوث تھے، ابتداء میں ان کی تعداد محدود تھی لیکن جیسے جیسے ان میں اضافہ اور نجی تجارت نے کھلی لوٹ مار کی صورت اختیار کر لی تو جن لوگوں کو اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع نہ ملا وہ کمپنی کے مخالف ہو گئے۔ جب باہمی اختلافات نے شدت اختیار کی تو انگریزی رائے عامہ کو ہموار کرنے اور دلوں کا بخار نکالنے کیلئے اس محروم طبقے کو اخبار کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ہندوستان میں اولین اخبارات نکالنے کا خیال ان ہی لوگوں کو آیا جنہیں کمپنی سے کچھ شکایتیں تھیں اور جنہوں نے ان شکایتوں کو منظر عام پر لانے کے لئے اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دیئے تھے، یا جنہیں خود کمپنی نے برطرف کر دیا تھا۔ ولیم بولٹس جسے کمپنی نے بالجبر ہندوستان سے رخصت کر دیا، نسلاً ولندیزی تھا۔ کمپنی کی ملازمت میں رہتے ہوئے اُس نے نجی کاروبار کے ذریعے ۹۰ ہزار پونڈ کما لیے تھے۔ ۱۷۶۶ء میں کورٹ آف ڈائریکٹر کی نگاہوں میں معتوب ہو کر ملازمت سے مستعفی ہوا، جس کے بعد اُس نے انتقاماً کلکتہ کے کونسل ہاؤس اور دیگر مقامات پر ایک اشتہار چسپاں کیا، جس میں اس نے اعلان کیا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تلاش میں ہے جو خبر رسانی کے فن سے واقف ہو اور طباعت کے کام میں دلچسپی رکھتا ہو۔ مسٹر بولٹس نے مطلوبہ شخص کو ٹائپ اور دوسرے ضروری سامان فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی تھی جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ اخبار نکالنے کے لیے ایک تجربہ کار معاون کی تلاش میں ہے۔ اس اشتہار میں سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ مسٹر بولٹس نے انکشاف کیا تھا کہ اس کے پاس سرکاری مواد سے متعلق کچھ ایسے مسودات بھی ہیں جنہیں لوگ دیکھنا یا نقل کرنا چاہیں تو اُس کے مکان پر آسکتے ہیں۔ مسٹر بولٹس کا اشتہار کمپنی کیلئے خطرے کا الارم ثابت ہوا اور یوں اُسے ہندوستان سے بہ حسرت و یاس رخصت ہونا پڑا۔ اخبار نکالنے کی اس ناکام کوشش کے بعد چودہ سال تک سناٹا رہا اور کسی نے مسٹر بولٹس کے نقش قدم پر چلنے کی جرات نہیں کی۔'' [۱۳]

برعظیم کا پہلا مطبوعہ اخبار:۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۷۹ء میں اپنا چھاپہ خانہ قائم کیا۔اس کے اگلے ہی برس کمپنی کے سابقہ طابع (پرنٹر) جیمس اگسٹس ہکی نے جرات مندانہ بلکہ باغیانہ قدم اٹھاتے ہوئے ایک اخبار جاری کیا اور یوں ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کی بنیاد رکھ دی۔اس اخبار کا نام " ہکی بنگال گزٹ "یا" کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر "تھا۔" ہکیز گزٹ " کی اشاعت دوسو سے زائد نہ ہوسکی۔ پڑھنے کیلئے اخبار میں خبریں،اشتہار،اور شاعری کے نادر نمونے چھپتے تھے۔خبروں میں نامہ نگاروں کے مراسلات اور یورپ سے آئی ہوئی خبروں کا خلاصہ دیا جاتا تھا۔۱۴

اردو صحافت کا آغاز:۔

انگریزوں کو اس اَمر کا احساس تھا کہ برصغیر میں فارسی کی مقبولیت ختم کرنا ضروری ہے۔ابھی انگریزی کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کسی ایسی زبان کو فروغ دینا چاہتے تھے جو فارسی کی مقبولیت کو ختم کردے۔اُن کی نگاہِ انتخاب اردو پر پڑی، چنانچہ انگریزوں نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا اور اردو کے کئی ممتاز ادیب جمع کر کے آسان اردو میں کتابیں لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔۱۸۳۰ء میں ایک سرکاری حکم کے ذریعے فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کردی گئی۔انگریزوں نے یہ کوشش بھی کی کہ اردو اخبارات جاری کروائے جائیں۔اس مقصد کے لئے انہوں نے ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے ایک فارسی ہفت روزہ "جام جہاں نما" کے اردو ایڈیشن کے اجراء کا اہتمام کیا۔منشی سدا سکھ اس اخبار کے مہتمم اور مدیر مقرر ہوئے،لیکن اس خطے میں اردو زبان ابھی مقبول نہیں تھی،اس لیے قارئین نے اخبار پسند نہ کیا اور اسے فارسی زبان میں تبدیل کردیا گیا۔اردو زبان کا یہ پہلا اخبار بھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک غیر مسلم کے توسط سے جاری کیا۔اگرچہ اردو زبان کے مراکز مسلم حکمرانوں کے دربار تھے،لیکن مسلمانوں کو زوال آنے کے باعث اردو صحافت کے میدان میں بھی پہلے غیر مسلم ہی وارد ہوئے۔۱۵

اردو زبان کا پہلا اخبار:۔

"جام جہاں نما" اردو کا پہلا اخبار ہے جو ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء کو منظر عام پر آیا۔ابتداء میں یہ چھ شماروں پر مشتمل تھا۔جون ۱۸۲۲ء میں "جام جہاں نما" فارسی زبان میں نکلنے لگا۔اس کا مالک ہری ہردت اور مدیر منشی سدا سکھ لعل تھے۔"جام جہاں نما" کے اجراء سے قبل ہندوستانی زبانوں میں صرف بنگالی اخبارات جاری ہوتے تھے،اردو یا فارسی کا کوئی اخبار نہیں نکلا تھا۔"جام جہاں نما" ایک سال تک فارسی میں نکلتا رہا،اس نے کلکتہ میں مقیم انگریز آبادی اور کمپنی کے انگریز ملازمین کو حلقہ خریدار بنالیا۔اردو "جام جہاں نما" کے بعد دہلی اردو اخبار کے اجراء تک اردو کا کوئی باقاعدہ اخبار تو جاری نہیں ہوا البتہ جدید تحقیق کی روشنی میں فارسی کے ایک اور اخبار "آئینہ سکندری" نے اپنے اجراء کے بارہ سال بعد ۱۸۳۴ء میں اردو ضمیمے کا اضافہ کیا۔"جام جہاں نما" کی طرح یہ بھی ٹائپ میں چھپتا تھا۔

اردو صحافت کا پہلا دور:۔

"جام جہاں نما" (اردو) بند ہونے کے بعد "آئینہ سکندری" کے آٹھ سال تک کسی اردو اخبار کے اجراء کی نوبت نہ آسکی، تاہم ۱۸۳۰ء سے حالات اردو صحافت کے حق میں استوار ہونا شروع ہوئے۔ پہلا اہم واقعہ تو یہ تھا کہ اسی سال ایسٹ انڈیا کمپنی نے اردو کو سرکاری زبان قرار دیا۔ دوسرا یہ کہ ۱۸۳۵ء میں چارلس مٹکاف نے اخبارات پر عائد شدہ پابندیاں اور ۱۸۲۳ء کا وہ ایکٹ ختم کر دیا جو اردو صحافت کے عین آغاز میں صحافت کی نشوونما میں رکاوٹ کا باعث بنا تھا، چناں چہ اگلے برسوں میں متعدد اخبارات نکلے۔ تیسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ ۱۸۳۶ء میں لیتھو طباعت کا رواج ہوا، جس کی وجہ سے اردو کو بدوضع ٹائپ سے نجات ملی اور حکومت کا رویہ اخبارات سے ہمدردانہ ہو گیا۔ ۱۸۳۷ء میں اخبار "دہلی اردو اخبار" کے نام سے شائع ہوا۔ اُس کے مدیر مولوی باقر تھے۔ یہ اخبار چار سال تک اردو کے واحد اخبار کی حیثیت سے نکلتا رہا۔ ۱۸۴۱ء میں "سید الاخبار" جاری ہوا، جسے سید محمد خان نے شائع کیا۔ اس عرصے میں تقریباً ۱۲۱ اخبارات منظرِ عام پر آئے۔

دوسرا دور:۔

اردو صحافت کا دوسرا دور جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک ۴۳ سال کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے، صحیح معنوں میں اخبارات و رسائل کا ارتقائی دور کہلا سکتا ہے۔ جنگِ آزادی کے بعد ابتدا میں اردو اخبارات سیاسی مسائل پر بحث کرنے میں محتاط رہے، لیکن رفتہ رفتہ خوف و احتیاط جاتے رہے۔ مجموعی پالیسی کے لحاظ سے اُن کا رویہ حکومت سے وفاداری کا رہا، لیکن اہم مسائل پر عوام الناس کے مطالبات اور جذبات کی انھوں نے بھرپور ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اس دور کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ہفت روزہ اخبارات نے ترقی کر کے روزناموں کا روپ دھار لیا۔ متعدد رجحان ساز اخبارات نکلے، اخباروں کی عمریں طویل ہوئیں اور جدید اخبار نویسی کا آغاز ہوا۔ مغربی تہذیب اور مغربی تعلیم کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ تعلیمی و تاریخی مسائل سے واقفیت اور سائنسی معلومات کی مانگ بڑھ گئی اور لوگوں نے مغربی علوم میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ سیاسی فضا میں تبدیلی کا اثر زبان پر پڑا اور اخبارات عام فہم زبان استعمال کرنے کی طرف مائل ہوئے۔ اِن انقلاب آفریں تبدیلیوں میں سوامی شردھانند اور سر سید احمد خان کی اصلاحی اور تعلیمی تحریکات نے غالب کردار ادا کیا۔ "سائنٹفک سوسائٹی میگزین"، "تہذیب الاخلاق" اور "اودھ اخبار" نے اخبار بین متوسط طبقوں کے ذوق میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی۔ سیاسیات، تاریخ، تعلیم زبان اور تہذیب کے مسائل اردو اخبارات میں زیرِ بحث آنے لگے۔ پھر سر سید احمد خان کے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والے اخبارات نے مغربی تہذیب و تعلیم کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی کوششوں میں اردو اخبار نویسی کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا، جس کا سب سے بڑا علمبردار "اودھ پنچ" تھا۔ تاہم اس ارتقائی دور میں اخبارات کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بیشتر اخبارات لاہور، دہلی، لکھنو، آگرہ، علی گڑھ اور میرٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ لیکن ان اخبارات پر سر سید کا یہ قول

صادق آتا تھا کہ جس کے پاس ایک کاغذ کی مشین اور دو پتھر آ گئے، ایڈیٹر بن بیٹھا اور لگا اخبار نکالنے۔ یہ اخبارات آپس میں کینہ وحسد رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی ترقی کے درپے تھے۔ سینکڑوں اخبارات ایسے تھے جو آج نکلے اور کل بند ہو گئے۔ ۱۷

تیسرا دور:۔

اُردو کی مجلاتی صحافت کے تیسرے دور کو ہم ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس دور میں ہفت روزہ اخبارات کے بجائے رسائل کا رجحان پروان چڑھا۔ اُردو صحافت کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے انگریزی اخبارات سے پہلے تحریکِ پاکستان کے حق میں جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔ تقسیمِ برصغیر کے وقت پورے ہندوستان میں ۱۳۱ اردو ہفت روزے مسلم لیگ کے حامی تھے۔ جن میں "الفلاح"، "ہمدم" (پشاور)، "مجاہد" (ڈیرہ اسماعیل خان)، "پیسہ اخبار" (لاہور)، "الجماعت"، "ہلال پاکستان"، "نصرت" (کراچی)، "احسان"، "پاسبان"، "صادق"، "ترجمان کشمیری" (جموں)، "اصلاح"، (سری نگر)، "خادم" (پٹیالہ)، "اتحاد"، "جہاد" (کلکتہ)، "البرہان"، "الفاروق" وغیرہ معروف ہفت روزہ تھے۔ ۱۸

قیامِ پاکستان کے بعد اردو صحافت:۔

ہندو رہنما اور ہندو عوام یہ گمان رکھتے تھے کہ تمام تر مادی وسائل سے محروم پاکستان چند ماہ میں خستہ ومفلوک الحالی کا شکار ہو کر دوبارہ ہندوستان میں ضم ہو جائے گا۔ پاکستان جب وجود میں آیا تو جہاں دوسرے شعبوں میں وسائل کی عدم دستیابی مسئلہ تھی، وہیں صحافت کے میدان میں بھی یہی عالم تھا۔ مشرقی ومغربی پاکستان میں مسلمانوں کے اخبارات ورسائل کی تعداد کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ ہندو لاہور اور دوسرے اہم شہروں سے ہفتہ وار اخبارات ورسائل ہندوستان لے گئے۔ لاہور میں صرف "زمیندار"، "انقلاب"، "احسان"، "نوائے وقت"، "شہباز"، "سول اینڈ ملٹری گزٹ"، اور "پاکستان ٹائمز" رہ گئے۔ کراچی میں صرف ایک روزنامہ "ملت" بچا۔ پشاور میں خیبر میل کے علاوہ بے قاعدگی سے شائع ہونے والے "الفلاح"، "الجمعیت"، اور "سرحد" تھے۔ کوئٹہ میں "الاسلام" اور "تنظیم" میں کچھ قوت تھی۔ کراچی دارالخلافہ بنا تو "جنگ" (دہلی)، "انجام" (دہلی)، اور "ڈان" (دہلی) کراچی منتقل ہو گئے۔ انہی دنوں چند نئے اخبارات "نئی روشنی"، "انقلاب" اور "مسلمان" بھی جاری ہوئے۔ اِس کے علاوہ اور بھی نئے اخبارات جاری ہوئے لیکن زیادہ چل نہ سکے اور بند ہو گئے۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں میاں افتخار الدین نے روزنامہ "امروز" لاہور کا اجرا کیا۔ "امروز" پہلا اخبار ہے جس نے مروجہ سائز کے بجائے آج کے دور میں رائج سائز کو ۴۴ سال قبل اپنایا۔ ۱۹۹۱ء میں نواز شریف حکومت کے دور میں یہ اخبار ۴۴

سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔۱۹۵۳ء میں نسیم حجازی نے روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی کے بعد عنایت اللہ کے اشتراک سے " کوہستان" راولپنڈی جاری کیا۔

اس کے علاوہ عنایت اللہ نے ایک نیا اخبار "مشرق" جاری کیا۔ "اردو صحافت میں "مشرق" نے پہلی بار غیر ملکی خبروں کے لئے پورا صفحہ وقف کیا۔سنڈے مشرق میں چھپنے والا ہفتہ وار ایڈیشن شروع کیا۔مشرق نے ریڈرز سروس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔روزنامہ "مشرق" لاہور، پشاور، کراچی اور کوئٹہ سے بیک وقت شائع ہونے لگا۔اکتوبر ۱۹۸۱ء میں لاہور سے روزنامہ "جنگ"، جدید ترین طباعت (کمپیوٹر کمپوزنگ) کے ساتھ منظر عام پر آیا۔اس نے سب سے زیادہ "مشرق" کو متاثر کیا۔روزنامہ " آفاق" جاری ہوا۔" آفاق "لاہور کے علاوہ فیصل آباد سے بھی نکلتا تھا، جو ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا۔ روزنامہ نوائے وقت ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو حمید نظامی کی زیر ادارت شروع ہوا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو یہ ہفت روزہ بند ہو گیا۔ پھر ۲۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو روزنامہ بن گیا اور ۱۹۴۴ء سے تا حال روزنامہ کی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ روزنامہ " نوائے وقت"، اسلام اور نظریۂ پاکستان کا علمبردار ہے۔ مجید نظامی نے "ندائے ملت" کے نام سے نیا اخبار جاری کیا۔حمید نظامی کے بیٹے عارف نظامی کی زیر ادارت " دی نیشن "انگریزی اخبار جاری ہوا۔ "فیملی" میگزین کا اجراء بھی عمل میں لایا گیا اور بچوں کے لئے "پھول" کے نام سے خوبصورت رسالہ شروع کیا۔فروری ۱۹۴۷ء میں لاہور سے انگریزی روزنامہ "پاکستان ٹائمز" کا آغاز ہوا۔اس اخبار نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔اس کے ایڈیٹر فیض احمد فیض تھے۔۱۹۴۰ء میں دہلی سے شام کے وقت شائع ہونے والا مختصر اخبار اور آج پاکستان کا کثیر الاشاعت اخبار "جنگ" دہلی سے کراچی منتقل ہوا۔ روزنامہ "جنگ" آج کراچی، لاہور، راولپنڈی اور کوئٹہ کے علاوہ لندن سے بھی شائع ہوتا ہے۔۲۵ دسمبر ۱۹۹۰ء کو لاہور سے روزنامہ " پاکستان" کا اجراء ہوا۔روزنامہ "پاکستان" نے ایک نئی روایت قائم کی، اس نے پہلی مرتبہ "پاکستان" کی لوح کے ساتھ الگ صفحہ متعارف کروایا۔ قارئین کیلئے یہ ایک نیا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو روزنامہ "پاکستان" کی اشاعت اسلام آباد سے بھی شروع ہوئی۔ ضیاء شاہد نے ستمبر ۱۹۹۲ء کو لاہور، اسلام آباد اور مظفر آباد (آزاد کشمیر) سے روزنامہ "خبریں" کا اجراء کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں صحافت اور قیام پاکستان کے بعد اخبارات و رسائل کا جائزہ لینے کے بعد آج ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح اگرچہ قابلِ رشک نہیں ہے لیکن پھر بھی قیام پاکستان سے لے کر اب تک پڑھے لکھے طبقے میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔[۱۹]

اردو صحافت میں رسائل و جرائد کا ارتقاء:۔

آج اخبارات اور رسائل و جرائد کے درمیان ان کے مشتملات کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ وقفۂ اشاعت کے حوالے سے بھی واضح فرق ہے۔ یعنی وقفۂ اشاعت ہی سے اخبارات و رسائل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ روزنامے، رسالے نہیں ہوسکتے اور ہفت روزہ، ماہنامے، سہ ماہی، ششماہی اور سالنامہ مطبوعات یا اخبارات نہیں ہوسکتے۔ مگر اردو صحافت کے آغاز میں یہ کیفیت آج کی طرح واضح نہیں۔ اردو صحافت کا آغاز ہی ہفت روزوں سے ہوا تھا۔ "جام جہاں نما" اور "شمس الاخبار" وغیرہ اگرچہ اپنے مشتملات کے اعتبار سے اخبارات تھے مگر اُن کا وقفۂ اشاعت رسالوں کا سا تھا۔ اس زمانہ میں اخبار یا رسالے میں تمیز کا واضح تصور ہی ناپید تھا۔[۲۰]

رسائل و جرائد کا آغاز:۔

لفظ میگزین (رسالہ) انگریزی زبان میں سولہویں صدی کے آخر میں داخل ہوا لیکن اس زمانہ میں اس سے مراد مطبوعاتی ذریعہ (Print Medium) نہیں تھا۔ یہ اصطلاح دراصل عربی لفظ مخزن (Makbasin) سے آئی ہے جس کے معنی ہیں "ذخیرہ گاہ" چنانچہ زمانہ قدیم میں میگزین اس جگہ کو کہا جاسکتا تھا کہ جہاں مختلف اقسام کی اشیاء جمع کر کے رکھ دی جاتی تھیں۔ عمومی طور پر یہ لفظ فوجی ذخیرہ گاہوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اب بھی یہ لفظ ان فوجی عمارتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن میں دھماکہ خیز اشیاء رکھی جاتی ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں جب اولین موقتی رسالے (Periodicals) نکلنے شروع ہوئے تو اتفاقاً ان کو میگزین کہا جانے لگا۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ بھی مختلف عنوانات وموضوعات پر لکھے گئے مضامین کی "ذخیرہ گاہ" ہی ہوتی ہے۔[۲۱]

"فن صحافت" میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید مجلّاتی صحافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مجلّاتی صحافت کی اصطلاح لفظ "مجلّہ" سے وضع کی گئی ہے۔ "مجلّہ" انگریزی کے لفظ "میگزین" کا اردو ترجمہ ہے، جس کے معانی بہت وسیع ہیں۔ "میگزین" میں عموماً مندرجہ ذیل اقسام کا مطبوعہ مواد شامل ہوتا ہے۔

۱۔ روزانہ اخباروں کے میگزین سیکشن، جنہیں ہم سنڈے میگزین کا نام دیتے ہیں۔

۲۔ ہفت روزہ اخبار

۳۔ ہر قسم کے پندرہ روزہ، ماہانہ، دوماہی، سہ ماہی رسالے۔

ڈیوڈ ٹیلر (David Tylor) کہتے ہیں کہ:

"رسالہ ایک ایسی طباعت ہے جو ایک سے زیادہ کاپیوں میں چھاپی یا تیار کی جاتی ہے۔ ان شماروں کی تمیز کے لئے اس کا ایک مشترک عنوان ہوتا ہے اور ایک شمارے سے دوسرے شمارے کی تعمیر اور تسلسل یا رشتے کے اظہار کے لئے اس پر تاریخ یا نمبر دیئے ہوتے ہیں۔ اس کی تکمیل یا اختتام کا کوئی واضح عندیہ نہیں ہوتا۔"[۲۲]

اس کے علاوہ "طے شدہ وقفوں سے شائع ہونے والی مطبوعات کو مجلّہ، رسالہ یا جریدہ کہا جاتا ہے"۔ ۲۳

شاہد احمد دہلوی اپنے مقالے میں تحریر کرتے ہیں:

"رسالوں کا کام ذہنی وفکری رہنمائی کرنا ہے اگر اخبار ہمارے لئے ناگزیر ہیں تو رسالے ان سے بھی زیادہ ناگزیر ہیں کیونکہ کوئی قوم ذہنی ترقی محض اطلاعات کے بل بوتے پر نہیں کرسکتی۔ رسالے تحریر کی دنیا میں ایک متعین مقام رکھتے ہیں۔ جن میں اخبار یا تصانیف ان کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ رسالے دراصل روزانہ اخبارات اور مستقل تصانیف کے درمیان کڑیاں ہیں جو اخبارات کی سرسری اور ہنگامی واقفیت اور تصانیف کے انتظار طلب اور صبر آزما کے درمیان واقع ہیں۔ ان کا کام غور و فکر سے تخلیق یا مرتب کی ہوئی تحریرات کو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد قارئین تک پہنچاتے رہنا ہے"۔ ۲۴

رسالوں کو دراصل لندن میں استحکام نصیب ہوا۔ اسی عظیم شہر میں انہوں نے ترقی وفروغ پایا جس کی وجہ وہاں کے شائستہ اور پڑھے لکھے شہری تھے۔ جبکہ اٹھارہویں صدی میں امریکی نوآبادیات میں حالات بہت مختلف تھے۔ جس کی وجہ سے وہاں ترقی کا عمل رکا رہا۔ جیسے جیسے نئی قوم کی توسیع ہو رہی تھی، ویسے ویسے شہریت بھی آرہی تھی۔ ذرائع نقل وحمل بہتر بنائے جارہے تھے۔ اسی پس منظر میں امریکی رسائل بھی دھیرے دھیرے فروغ پانے لگے اور انیسویں صدی کے آخر ہوتے ہوتے اس سنجیدہ اور قابل قدر ذریعۂ ابلاغ کی لاکھوں امریکی قارئین تک رسائی ہوگئی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ان رسائل نے تکلیف دہ اور ناقابلِ قبول معاشرتی حالات کو عیاں کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور لوگوں کو معاشرے کی اصلاح پر اکسایا۔ ۲۵

رسالوں کی تاریخ:۔

رسالوں کی تاریخ کا آغاز ۱۷۰۴ء میں لندن سے ہوتا ہے، جب ایک چھوٹا سا رسالہ "The Review" جاری ہوا۔ یہ مختصر سا مطبوعہ کچھ پہلوؤں سے اخبار جیسا تھا۔ یہ رسالہ چار چھوٹے صفحات پر چھپتا تھا اور ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ اس وقت بھی یہ ابتدائی اخبارات سے مختلف تھا کیونکہ خبروں سے اس کا تعلق بہت کم تھا۔ اس کا اصل مطمع نظر مقامی معاملات اور قومی حکمت عملی (National Policy) پر روشنی ڈالنا تھا۔ اس زمانے میں بھی شاہ انگلستان کی حکمت عملیوں کے خلاف مضامین لکھنے والوں کو جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ "دی ریویو" کا بانی ڈینیئل ڈیفو (Danial Defoe) اپنے اس رسالے کے اجراء سے قبل یہی کچھ کر رہا تھا۔ اُس نے پہلے شمارے کیلئے نیوگیٹ کے قید خانے ہی میں بیٹھ کر لکھا جہاں وہ کلیسائے انگلستان کے خلاف تنقیدی مضامین لکھنے کی پاداش میں سزا کاٹ رہا تھا، چنانچہ رسالے کی پیدائش سیاسی آلۂ کار کے طور پر ہوئی۔ "دی ریویو" اور اس کے مقلد دیگر رسالے گویا سیاسی تبصرہ آرائی کا وسیلہ تھے۔ ان کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ اپنے قارئین کے عقائد ونظریات پر اثر انداز ہوں۔ اس کے ساتھ یہ گویا قارئین کیلئے تفریح کا

ذریعہ بھی تھے۔ ان میں بعض مضامین ادب، اخلاق اور تہذیب پر بھی ہوتے تھے، چنانچہ یہ دونوں مقاصد (سیاسی وتفریح طبع) رسالے کی بنیادی ہیئت قرار پا گئے جسے دیگر بے شمار رسالوں نے مشعلِ راہ بنایا اور یہ ہیئت آج تک برقرار ہے۔

الغرض ڈیفو اپنی رہائی کے بعد "دی ریویو" کو مزید تواتر کے ساتھ ۱۷۱۲ء تک ہفتے میں تقریباً تین بار نکالتا رہا۔ ڈیفو کا یہ مختصر مگر شاندار رسالہ فوراً ہی قابلِ تقلید مثال بن گیا اور رسالے کا تصور ایک الگ مطبوعاتی ذریعۂ ابلاغ کے طور پر جڑ پکڑ گیا۔ رچرڈ اسٹیل بھی اپنا ایک رسالہ "The Jatlee" کے نام سے شروع کر چکا تھا، جو خبروں، شاعری، سیاسی تجزیوں، فلسفیانہ مضامین اور کافی ہاؤس کی گپ شپ کا آمیزہ تھا۔ جلد ہی اسٹیل کے ساتھ جوزف ایڈیسن آن ملا اور اُن دونوں نے مل کر ایک اور رسالہ "The Spectator" جاری کیا جو جلد ہی لندن کے باشعور طبقہ کا پسندیدہ رسالہ بن گیا اور اس کی تعدادِ اشاعت ہزاروں تک جا پہنچی، تاہم اس وقت ان مطبوعات کو میگزین کا نام نہیں دیا گیا تھا۔

اصطلاح کا اطلاق:۔

۱۷۳۱ء تک ان موقتی مطبوعات (Periodicals) پر اِس (میگزین) اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوا تھا۔ ۱۷۳۱ء میں Edward Cave نے جو لندن کا ایک طابع تھا، پہلی مرتبہ لفظ "میگزین" استعمال کیا اور اپنی مطبوعہ کا نام "Gentlemen's Magazine" رکھا۔

اٹھارہویں صدی میں رسائل کی پیش رفت:۔

اٹھارہویں صدی کے وسط تک اس نئے ذریعۂ ابلاغ کے جوہر (Substance) اور وضع (Form) میں یگانگت آئی تو معاشرے میں اس ذریعۂ ابلاغ کے وظائف کی ادائیگی بے مثال تھی۔ رسائل کی وضع کاری یقینی طور پر نفع آوری ہی کے لیے کی گئی تھی مگر ان کی بقاء کا دارومدار طلب گاروں کی پیشگی چندے (Subscription) کی ادائیگی یا پھر کسی حد تک ان میں شائع ہونے والے اشتہاروں کی آمدنی پر تھا۔ رسالے کا مقصد ایسے مختلف اقسام کے مواد کے آمیزے کے ذریعے قارئین کی دلچسپی کو برقرار رکھنا ہوتا تھا، جس میں غالب مقدار سیاسی تبصروں کی ہوتی تھی، بلکہ اس میں متنازعہ موضوعات پر مباحثے، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر رائے ساز مضامین بھی شامل کئے جاتے تھے۔ ان کا ادبی معیار بلند تھا اور ان کا مثالی (Typical) قاری متمول اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اشرافیہ کا رکن ہوتا تھا۔ اس وقت تک رسائل نے ذریعۂ ابلاغ عامہ کا درجہ حاصل نہیں کیا تھا۔ مذکورہ صدی کے نصف تک انگلینڈ میں متعدد رسالے میدان میں آ گئے اور کامیابی کے ساتھ اشاعت پذیر ہونے لگے۔ اُن سب کی یہ کوشش تھی کہ مطبوعات دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائیں چناں چہ انقلاب امریکہ کے زمانے تک ہزاروں مطبوعات کہ جنھیں آج ہم میگزین کے نام سے پہنچاتے ہیں، یورپ کے بیشتر شہروں میں شائع ہونے لگیں۔[۲۶]

امریکہ میں رسائل کی ابتداء:۔

امریکہ میں رسائل کی ابتداء بینجمن فرینکلن نے ۱۷۴۱ء میں کی۔ اُس نے اپنے رسالے کا نہایت پُر اثر اور رعب دار نام رکھا:

"General Magazine & Historical Chnonicle, For all the British Plantations in America"، فرینکلن کے ایک اور مد مقابل اینڈریو بریڈفورڈ نے "The American Magazine or A Monthly View of the Political State of the British Colonies" جاری کیا۔ ابتداء میں مختلف مسائل کی وجہ سے رسائل کا اجراء اور ترقی سست رفتاری کا شکار رہی لیکن انیسویں صدی میں اس صورتحال میں معنی خیز تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ ذرائع نقل وحمل کی بہتری، آبادی میں اضافے، مذہب اور خواندگی کے فروغ کی وجہ سے رسائل کی صنعت میں بہتری آئی۔ انیسویں صدی کے وسط کے بعد رسائل وجرائد کی تعداد اور اُن کی تعداد اشاعت میں بھی اضافہ ہوا، مثلاً ۱۸۲۵ء میں سو سے کچھ کم رسالے نکل رہے تھے، جن کی تعداد ۱۸۵۰ء میں ۶۸۵ ہوئی جبکہ ۱۸۷۰ء میں ان کی تعداد ۱۲۰۰ء تک پہنچ گئی اور انیسویں صدی کے اختتام تک ان کی یہ تعداد ۵۵۰۰ تک پہنچ گئی۔ [۲۷]

انیسویں صدی میں رسالوں کا کردار:۔

انیسویں صدی میں آبادی کی نوعیت میں جو تبدیلیاں واقع ہوئیں، اُن کی وجہ سے خصوصی معلومات کی طلب نے جدید رسائل کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ عوام کو معلومات کی ترسیل رسائل کا ایک خصوصی مشن بن گیا۔ رسالہ ایک ایسا ذریعہ تھا کہ جس کے توسط سے رواں حالات، تفصیلات، خیالات وتصورات اور تجزیے، اخبارات کے ذریعے مہیا کردہ معلومات سے قطعی مختلف اور نسبتاً زیادہ عمیق انداز میں فراہم کئے جاسکتے تھے۔ رسائل ہی کے ذریعے امریکیوں نے بہت سے میلانات ورجحانات، تنازعات اور قضیوں نیز اہم مسائل سے شناسائی پائی۔

یہ پوری صدی غیر معمولی واقعات، زور رفتار تبدیلیوں نیز فکر، سیاست اور مذہب کے شعبوں میں واقعتاً اہم تحریکیوں کی صدی تھی۔ مثال کے طور پر امریکیوں کے لئے سب سے اہم واقعہ انیسویں صدی کی خانہ جنگی تھا جس نے غلامی کے مسئلے پر بحث کے دروازے کھول دیئے اس سلسلے میں ہیرٹ بچر (Harriet Beecher) کی تصنیف "انکل ٹام کا کیبن" سلسلہ وار رسالوں میں شائع ہوئی اور اس میں عوام الناس کی دلچسپی کے سبب رسالوں کی مانگ بڑھ گئی جس کی وجہ سے ان کی تعداد اشاعت میں اضافہ ہوا۔

اہم اور نمایاں یادگاروں پر مشتمل علمی مباحث نے رسالوں کے بعض عنوانات کو ایک انوکھا موضوع بنادیا۔ اس کی ایک واضح مثال ڈارون کا دھماکہ خیز اور متنازعہ نظریۂ ارتقاء ہے یعنی (Explanation of the origin of the

(species)ڈارون کے اس نظریئے پر ایک ہنگامہ خیز بحث و مباحثے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور رسالے ان مباحثوں کا اکھاڑہ بن گئے۔ جس میں دونوں جانب سے ارتقاء بمقابلہ تخلیق پر زبردست دلائل وخیالات پیش کئے جاتے تھے۔ رسالے مختلف موضوعات پر چھان بین کا کام بھی کرتے تھے۔ مثلاً مالیاتی بحران اور کساد بازاری، متنازعہ طبی انکشافات، احیائے مذہب کی عظیم تحریکیں اور مسلسل وسیع ہوتی ہوئیں سرحدیں وغیرہ۔

انیسویں صدی کے وسطی حصے میں کسی مسئلے نے معاشرے کو اتنا نہیں جھنجھوڑا جتنا معاشرے میں عورتوں کا صحیح منصب ومقام کے سوال نے۔ بہت سے رسالوں نے عورتوں کی رائے، تائید اور عورتوں کے حقوق پر براہِ راست توجہ مرکوز کی اور گرماگرم مباحثوں کو اپنے رسالوں کے صفحات کی زینت بنایا۔ یہاں تک کہ عورتوں کے لباس تک کو موضوع سخن بنایا گیا اور ہر طرف سے اعتراضات اور تنقید کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ زمانہ خانہ جنگی سے قبل ہی عورتوں کا لباس ایک متنازعہ موضوع بن چکا تھا۔ یہ سلسلہ اُس وقت شروع ہوا تھا جب ایک قانون(Amelia Bloomes) نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ عورتوں کو مروجہ بھونڈے لباس سے چھٹکارا پالینا چاہیے۔ الغرض تمام چھوٹے بڑے مسائل اور موضوعات رسالوں کی زینت بن گئے۔

انیسویں صدی کے رسالوں کی خصوصیات:۔

رسائل کی صنعت انیسویں صدی میں بارآور ہوئی یہ ایک انتہائی طاقتور صنعت تھی جو نفع میں اضافے کے لیے نئی وضعوں، نئے مخاطبین، نئی دلچسپیوں اور نئے راستوں کی پیہم تلاش میں سرگرداں تھی، اگرچہ ہزاروں رسائل اجراء پزیر ہوئے مگر ان میں سے چند کے سوا تمام بہت مختصر عرصے میں ختم ہوگئے۔

شمارہ واشاعت:۔

۷۵ برس کے عرصے میں اشاعت پذیر ہونے والے رسالوں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ ۱۸۲۵ء تک سو سے کم رسالے شائع ہوتے تھے۔ ۱۸۵۰ء تک ان کی تعداد (اخبارات کے علاوہ) ۶۸۵ ہوگئی۔ خانہ جنگی نے ان کی نشوونما کو نقصان پہنچایا مگر انیسویں صدی کے اختتام تک ان کی تعداد ۵۵۰۰ ہوگئی۔ رسالوں کی اس غیر معمولی توسیع اور نشونما کے ساتھ ہی ان کی تعداد اشاعت میں بھی اضافہ ہوا۔ ہر رسالے کی اصل تعداد اشاعت کا کوئی ریکارڈ تو موجود نہیں ہے، لیکن دستیاب اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ تعدادِ اشاعت میں اضافہ بڑی تیزی سے ہوا تھا، مثلاً ۱۷۰۰ء کے آخر میں وہ رسالہ خوش قسمت سمجھا جاتا تھا جس کے گاہک ۱۵۰۰ ہوں کیوں کہ بہت سے رسالے تو اس سے بھی کم گاہک رکھتے تھے۔ اس کے مقابلے میں "The Country Gentlemen" نامی رسالے کے گاہک ۱۸۵۸ء میں ڈھائی لاکھ تھے یہ اس وقت

کا سب سے کثیر الاشاعت رسالہ تھا۔ خانہ جنگی سے قبل کے زمانے میں "Harper's Weekly" کے گاہک ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ اُس زمانے کے دیگر رسالے تقریباً اتنی ہی تعدادِ اشاعت کے حامل تھے۔ عورتوں کے محبوب ترین رسالے "Godey's lady's Book" کی تعداد اشاعت ڈیڑھ لاکھ تھی۔ پندرہ سال کے اندر تعدادِ اشاعت میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ "Youth Companian" نامی رسالہ تین لاکھ کی تعداد اشاعت کا حامل تھا۔ قدرے ادبی نوعیت کے رسالے "Scribner's Monthly" کی تعدادِ اشاعت بھی دو لاکھ تھی۔

ہر فرد کی دلچسپی اور ذوق کا رسالہ:۔

انیسویں صدی کے آخری برسوں میں رسالوں کے ناشرین اپنے بازار کو خوب پہچان گئے تھے۔ طرح طرح کی دلچسپیوں کے حامل رسالے شائع ہو رہے تھے۔ تمام نظریات وتحاریک، فنون، دبستان فلسفہ وتعلیم، علوم، تجارت وصنعت، پیشے و بیوپار، اہم تنظیمی ادارے، مشاغل وتفریحات کا احاطہ رسائل میں ہو رہا تھا۔ بالالفاظ دیگر اگر اخبارات اپنے قارئین کو روزمرہ کی مختلف اقسام کی معلومات فراہم کرتے تھے، تو اس معاملے میں وہ ان لوگوں کیلئے بالکل بے کیف تھے، جو کسی خاص نکتہ یا موضوع میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس پر سیر حاصل مواد کے طالب ہوتے تھے۔ یہ کام رسالے بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ صدی کے اختتام تک رسالوں کی دنیائی الواقع متنوع ہوگئی، متعدد مذہبی رسالے نکلنے لگے۔ ۱۸۸۵ء میں تقریباً ۱۶۵۰ ایسے رسالے نکل رہے تھے، جو مختلف مذہبی فرقوں کے ترجمان تھے اور جو ہر فرقے کے مخصوص، غیر واضح اور پیچیدہ مذہبی رجحانات کی وکالت کرتے اور اپنا اپنا مذہبی فلسفہ بھگارتے تھے۔ بہت سے رسالوں نے خود کو فنون (موسیقی، تھیٹر اور ادب) کیلئے مخصوص کرلیا تھا۔ بعض نے افسانے، سیاحت اور دیگر قابلِ فہم دلچسپیوں کا مواد فراہم کیا۔ بہت سے رسالے ایسے سامنے آئے کہ جنھوں نے بعد میں نامور پیشہ ور اور ٹیکنیکل رسالوں کی حیثیت سے بڑا نام پایا۔ یہ رسائل انیسویں صدی کے آخر میں جاری ہوئے۔ انیسویں صدی کے آخر تک رسالے عموماً پختہ کار اور اہم ذریعۂ ابلاغ ہوگئے۔ بیشتر لوگوں کیلئے اخبارات میں جگہ نہ پاسکنے والے پیچیدہ موضوعات ومعاملات پر معلومات، آراء اور تجزیات کے حصول کا ذریعہ یہ ہی رسائل تھے۔ دیگر لوگوں کیلئے یہ رسالے مختلف دلچسپیوں اور لطف وانبساط کا مواد فراہم کرتے تھے، کچھ لوگ اس لئے ان کے قاری تھے کہ ان کے ذریعے اُن کے مذہبی نقطۂ نظر کو تقویت ملتی تھی یا وہ پیچیدہ سیاسی سوالات کا ادراک پاتے تھے۔ کچھ لوگوں کو اپنے پسندیدہ مشاغل سے متعلق معلومات حاصل ہوتی تھیں، غرض یہ کہ رسائل اتنے ہی متنوع تھے جتنی متنوع قارئین کی دلچسپیاں ہوسکتی تھیں۔ ۲۸؎

بیسویں صدی کا آغاز:۔

بیسویں صدی کے آغاز میں رسالوں کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہوگئی تھی کیونکہ ریڈیو ابھی گھر گھر نہیں پہنچا تھا اور اخبارات مقامی نوعیت کے ہوتے تھے جبکہ کتابوں اور فلموں میں اشتہارات نہیں پائے جاتے تھے۔ ایسی صورتحال میں ملک گیر سطح پر اشتہارکاری کے خواہش مندوں کیلئے رسائل ہی پیغام رسانی کا واحد ذریعہ تھے۔ ان میں اشتہار دینا اس بات کی ضمانت تھا کہ پیغام قومی سطح پر تمام ممکنہ گاہکوں کو پہنچ جائے گا۔ بیسویں صدی کے وسط میں کئی رسائل نے اس صنعت پر حکمرانی کی جیسے "Collier's Cosmopolitan"، "The Saturday Evening Post" اور "Liberty" وغیرہ۔ ۲۹

سماجی اصلاح کے علمبردار انکشافات کار رسالے:۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ذرا پہلے جنگ عظیم اول کے خاتمے تک رسائل کی تاریخ کا بہت اہم دور گزرا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب معدودے چند رسالے اس کام میں نمایاں کارکردگی اور سبقت کا مظاہرہ کررہے تھے، جسے آج ہم تحقیقاتی خبر نگاری کہتے ہیں۔ اُس وقت اسے انکشاف کاری (Mirckraking) کہا جاتا تھا۔ یہ اصطلاح امریکی صدر تھیوڈور روزویلٹ کی گھڑی ہوئی ہے جس سے مراد وہ صحافی طبقہ تھا جو امریکہ کی تعریف وتوصیف کے بجائے اس کے ناگوار پہلوؤں کو اجاگر کررہا تھا۔ روزویلٹ نے اس قسم کے صحافیوں کا موازنہ John Bunyan کی کلاسیکی تصنیف "Pilgrim's Progress" کے مرکزی کردار سے کیا، جو فرش پر پھیلی ہوئی گندگی کو اُس وقت بھی نظرانداز نہیں کرتا کہ جب اسے دمکتا ہوا تاج پیش کیا جارہا ہوتا ہے۔

اس خصوصی تحقیقاتی اور فوجی تحریک کا سہرا جن رسالوں کے سر ہے، اُن میں سے بیشتر کے نام یہ ہیں۔

"Meclure's, The North American Review", "The Atlantic Monthly "Forum" اور "The Saturday Evening Post"۔ یہ قومی سطح کی مطبوعات تھیں جن کا حلقۂ اشاعت بہت وسیع تھا۔ ان کے بہتر لکھنے والے اور محققین سیاسی، معاشرتی اور معاشی معاملات کی تفتیش کررہے تھے۔ یہ تفتیش وتحقیق ملک کی اصلاحی تحریک کا ایک حصہ تھی جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ تفتیش کار نہایت طاقتور، بے رحم اور مکمل طور پر خودمختار تھے۔ ۱۸۷۰ء کی دہائی میں "Harper's Weekly" نے نیویارک کے سیاسی مطلق العنان "Tweed", "Boss" کو نیویارک سے نکالنے کی کامیاب مہم چلائی۔ انیسویں صدی کے ایک اور رسالے "Arena" نے بعض خرابیوں کے خلاف مہم چلائی۔ ان خرابیوں میں گندے علاقے، مشقت خانے، عصمت فروشی نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ صحت وصفائی کے لئے قوانین وضع کرنے کا مطالبہ، ضبطِ تولید وغیرہ کے مسائل بھی شامل تھے۔

دوسرے اصلاح پسندوں میں دو اور نام Lincoln Steffens اور Ray Stannard کے ہیں جو گھر گھر زبان زدِ عام ہوئے۔ اسٹیفنس کا قابل قدر سلسلۂ مضامین "Shame of the Cities" تھا جس میں یہ بتایا گیا کہ کس طرح متعدد امریکی علاقوں میں بدعنوان حکومتیں کام کرتی ہیں۔ بیکر کی تصنیف "The Right to Work" ایک ایسا سلسلۂ مضامین تھا، جس میں کارکنوں کے مسائل اور مزدور یونینوں میں بدعنوانیوں کا حال بیان کیا گیا تھا۔ انکشاف کاری سے اس دور کے لکھنے والوں نے عوام پر نہایت گہرا اثر ڈالا اور قوم کا ضمیر بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ طاقتور سیاسی شخصیتوں نے ان احتجاجی صداؤں پر لبیک کہا اور صوبائی و وفاقی حکومتوں کی ان خرابیوں کو دور کرنے کا بیڑا اٹھایا جوان لکھنے والوں نے اجاگر کی تھیں۔ تفتیشی صحافت جو آنے والوں کیلئے ایک مستقل طرزِ صحافت اختیار کرگئی، یقینی طور پر ۱۹۳۰ء تک مروج رہی (جب اسٹیفنس نے اپنی آپ بیتی شائع کی تھی) لیکن اب اس کا شمار کلاسیکی صحافت میں ہوتا ہے۔ پھر یوں ہوا کہ رسالوں کی اکثریت نے اس طرح کے مواد کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا، کچھ نے یہ کام نہایت عمدگی سے کیا مگر دیگر بہت سے رسالوں نے اسے بہت گھٹیا طریقے سے انجام دیا اور فی الواقع ایسی غیر معیاری تحقیق پر مبنی تنقیدوں پر اکتفا کرلیا جس کے تحت کہانیاں گھڑی جاسکتی ہیں اور اسکینڈل بنائے جاسکتے ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام ان تنقیدوں کی لہروں کے ریلے میں بہتے بہتے عاجز آگئے۔ مجبوراً رسالوں کو بھی اپنا رویہ تبدیل کرنا پڑا۔ اگرچہ انکشاف نگاری کے اس دور کا خاتمہ تو جنگ عظیم اول کے ساتھ ہی ہوگیا تھا لیکن معاشرتی اور سیاسی اہمیت کے اعتبار سے یہ دور رسالوں کا زمانۂ عروج ثابت ہوا۔

تحقیقی رسالوں کی نشوونما:۔

امریکہ میں (۱۹۹۳ء میں) طرح طرح کے ۱۰۸۵۷ رسائل نکل رہے تھے، اور ان میں سے بیشتر کسی خاص دلچسپی کے حامل تھے۔ تحقیقی رسالے (جو حقیقتاً گنتی کے چند ہی تھے) کسی خاص دلچسپی، مشغلے اور ذوق کے حامل ہوتے تھے، مثلاً مچھلیوں کا شکار، لکڑی کی کشتیاں یہاں تک کہ ایک رسالے کا نام ہی اس کے تحقیقی ہونے کا عکاس ہے یعنی "قید کی زندگی" (Prison life) جو سزا یافتہ قیدیوں کے لئے شائع ہوتا تھا۔ مشتہرین تحقیقی رسالوں کو اپنے اشتہارات کے لئے بہت پسند کرتے ہیں۔ ان کے اشتہارات ان رسالوں میں اس لئے زیادہ موثر ہوتے ہیں کہ وہ براہ راست ان مخصوص گاہکوں تک پہنچتے ہیں جو ان کی مصنوعات کے خریدار ہوتے ہیں۔ [۳۰]

خیر خواہ ہند اردو کا پہلا رسالہ:۔

۱۸۳۷ء میں ایک اردو رسالے کے اجراء کا پتہ چلتا ہے جس کا نام "خیر خواہ ہند" تھا۔ یہ مرزا پور سے شائع ہوتا تھا۔ یہ اخبار ٹائپ میں چھاپا جاتا تھا اور اس کے ایڈیٹر ایک عیسائی پادری سی آر ہی مارحتر تھے۔ "خیر خواہ ہند" شائع تو

بنارس سے ہوتا تھا مگر طبع کلکتہ میں ہوتا تھا۔ قاضی عبدالغفار مرحوم کا خیال تھا کہ "خیر خواہ ہند" اردو کا پہلا اخبار تھا، یہ اخبار نہیں بلکہ رسالہ تھا۔ اب تک اردو میں جو اخبار شائع ہوئے "خیر خواہ ہند" اُن سے بالکل مختلف تھا، اس میں خبریں نہیں بلکہ مضامین ہوتے تھے۔

"خیر خواہ ہند " کے متعلق ولیم کیری نے لکھا ہے کہ یہ "انگریزی اور رومن ہندی" میں شائع ہوتا تھا، لیکن فارسی رسم الخط کے رسالے کا اس نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اگرچہ اردو "خیر خواہ ہند" کی ۵۰-۱۹۴۹ء کی فائلیں انڈیا آفس کی لائبریری میں محفوظ ہیں، تاہم انڈیا آفس کی فہرست اخبار و رسائل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "خیر خواہ ہند" فارسی اور لاطینی رسم الخط کے رسالے الگ الگ شائع کئے جاتے تھے۔ [۳۱]

اردو رسائل کا سیاسی، سماجی اور مذہبی پس منظر:۔

برعظیم میں "خیر خواہ ہند" کے نام سے اردو کا پہلا رسالہ نکلا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے دہلی اور لاہور ہماری علمی اور ادبی صحافت کے مرکز بن چکے تھے۔ دہلی میں دہلی کالج کے زیر اہتمام "قرآن السعدین"، "فوائد الناظرین" اور "محبِ ہند" جاری ہوئے۔ لاہور سے مطبع کوہ نور کے زیر سایہ " خورشید پنجاب" نکالا گیا، ان کے علاوہ صرف شعر و شاعری کو فروغ دینے کیلئے گلدستوں کا آغاز ہوا۔ پہلا گلدستہ " گل رعنا" تھا، جسے مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵ء میں دہلی سے جاری کیا۔ دوسرا گلدستہ "معیار الشعراء" تھا، جسے شیو نارائن آرام نے آگرہ سے نکالا۔ ان کے علاوہ قانونی، دینی، تعلیمی اور طبی رسائل شروع ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ سب رسائل ختم ہو گئے۔ ان میں خالص ادبی رسالے تو گلدستے ہی تھے باقی رسالوں میں علمی و ادبی، دونوں قسم کا مواد ہوتا تھا۔ انقلاب کے بعد سرسید احمد خان نے "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ جو ادب، تعلیم و تدریس اور اصلاح معاشرہ کا علمبردار تھا۔ انیسویں صدی ہی میں مولانا عبدالحلیم شرر نے ماہنامہ " دلگداز" جاری کیا، جس میں ایک طرف تاریخی مضامین چھپتے تھے تو دوسری طرف ادبی مقالے شائع ہوتے تھے، نیز ایک ناول بالاقساط دیا جاتا تھا۔

انیسویں صدی کا اختتام تھا کہ شیخ عبدالقادر کی ادارت میں لاہور سے "مخزن" جاری ہوا۔ یہ محض ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اردو ادب کو نئی اصناف سے آشنا کرایا جائے۔ نثر اور شاعری میں نت نئے تجربے کئے جائیں اور مغربی ادب کے شہ پارے اردو میں منتقل کئے جائیں۔ اس تحریک کی بدولت انگریزی تعلیم یافتہ طبقے نے اردو ادب میں دلچسپی لی اور یہی تحریک اردو دب میں نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوئی۔ بہرحال "مخزن" میں صرف ادبی ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے علمی اور معلوماتی مضامین چھپتے تھے۔ مخزن کا ایک اہم ہم عصر اردوئے معلیٰ تھا، جس کے مدیر مولانا حسرت موہانی تھے۔ اس رسالے کا مزاج سیاسی اور ادبی تھا۔ ہر شمارے میں ایک دو سیاسی مضامین چھپتے تھے، جن کا لہجہ خاصا ترش ہوتا تھا۔ دو ایک مقالے اردو ادب کی تاریخ پر ہوتے تھے اور آخر میں غزلیات دی جاتی تھیں۔

اس کے بعد چار اہم علمی رسائل معرض وجود میں آئے:

اول: "الناظر" جسے مولانا ظفر الملک علوی نے لکھنو سے جاری کیا۔ یہ کلاسیکی ادب کا علمبردار تھا،لیکن سیاسی اور معلوماتی مضامین پیش کرتا تھا۔ یہ رسالہ ۱۹۰۹ء میں نکلا۔

دوم "زمانہ" جسے منشی دیانرائن نگم نے نکالا۔ یہ خالص ادبی رسالہ تھا۔ اس میں جہاں ادبی مضامین دیئے جاتے تھے وہاں سیاسی اور دوسرے معلوماتی مقالے بھی درج کیے جاتے تھے۔ یہ ۱۹۰۳ء میں جاری ہوا۔

سوم: "معارف" جو مولانا سید سلیمان ندوی کی ادارت میں اعظم گڑھ سے جاری ہوا۔ اس میں ادب کا عنصر کم تھا اور فلسفہ، تاریخ اور عمرانیات تمام مضامین میں غالب تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا۔

چہارم: "جامعہ" جو جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کے زیر اہتمام نکلتا تھا۔ اس میں ادبی عنصر کم تھا اور علم السیاسیات، فلسفہ، بین الاقوامی سیاست اور تاریخ کا عنصر نمایاں تھا۔ یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۳ء میں جاری ہوا۔

موخر الذکر تین رسائل کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان میں عصرِ حاضر کی علمی اور تہذیبی خبریں بالالتزام چھپتی تھیں اور اردو مطبوعات پر تبصرے کیے جاتے تھے۔

نسوانی صحافت کا آغاز مولوی سید احمد کے "اخبار النساء" سے ہوا، لیکن اصل آغاز دو رسالوں نے کیا۔ اول "تہذیب النسواں"، جس کے بانی مولوی ممتاز علی تھے۔ دوم "عصمت" جس کی بنیاد مولانا راشد الخیری نے رکھی۔ ان دو رسالوں نے نسوانی دنیا میں صالح اقدار کو رواج دینے میں جو عظیم الشان خدمات سر انجام دیں، انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اہلِ دانش کیلئے انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی مجلہ "اُردو" اورنگ آباد دکن سے ۱۹۲۱ء میں جاری ہوا۔ اِس میں انجمن کی سرگرمیوں کو ضبطِ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے علمی تحقیقی اور ادبی مضامین شائع ہوتے رہے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق اِس کے مدیر تھے۔ انجمن ترقی اردو نے رسالہ "سائنس" بھی جاری کیا، لیکن اس کی زندگی مختصر رہی۔ الہ آباد سے ہندوستانی اکیڈمی نے "ہندوستانی" کے نام سے ایک علمی مجلہ جاری کیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جو رسائل جاری ہوئے وہ صحافتی زبان میں ہر دلعزیز تھے۔ ان میں ادب کا عنصر غالب تھا اور علمی عنصر کم تھا، بہر حال موجود ضرور تھا۔ ان میں ایک تو "ہمایوں" تھا، جسے میاں بشیر احمد نے اپنے والد ماجد حسین شاہ دین مرحوم کی یاد میں جاری کیا تھا۔ اس میں ادبی مواد کے علاوہ حالاتِ حاضرہ پر چند تبصرے، لیکن ٹھوس شذرات شائع کئے جاتے تھے اور پھر مہینے بھر کی خبروں کا خلاصہ بھی دیا جاتا تھا۔

سید امتیاز علی تاج کا " کہکشاں " ، ادبی صحافت کا اعلیٰ نمونہ تھا، لیکن اس کی زندگی مختصر رہی۔ حکیم یوسف حسن کا رسالہ "نیرنگ خیال" اُن کے دور کے بہترین ادبی، علمی، تاریخی اور تہذیبی مقالات کا حامل تھا اور اس کے شاندار سالنامے اس عہد کے ادبی روایات کے علمبردار تھے۔ تقریباً یہی کچھ حافظ محمد عالم کے "عالمگیر" کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ "ادبی دنیا" کے بانی مولانا تاجور نجیب آبادی تھے۔ اُن کے بعد منصور احمد نذیر تھے اور پھر مولانا صلاح الدین احمد کی ادارت میں اس کا وہ تابناک دور شروع ہوا، جو ربع صدی سے جاری ہے۔ اس رسالے کی بڑی تقطیع و اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ کتابت و طباعت نیز بلند ادبی معیار نے اسے ہم عصروں میں ممتاز ترین جگہ عطا کی۔ مولانا نیاز فتحپوری کے "نگار" اور شاہد احمد دہلوی کے "ساقی" نے خدمتِ ادب میں نمایاں حصہ لیا۔ پچیس تیس برس پہلے کا ذکر ہے کہ " کارواں" کے نام سے ایک شاہانہ مجلّہ نکلا۔ اِس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اردو ادب کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ پر مقالات بھی پیش کیے جاتے تھے۔ جب ترقی پسند ادب کی تحریک نے زور پکڑا تو "ادب لطیف" اور "سویرا" نے جنم لیا اور وہ نئے ادب کی عکاسی اور ترجمانی کا فرض انجام دیتے رہے۔ اردو رسالے کا آغاز علمی و ادبی صحافت کے طور پر ہوا تا کہ قارئین کو مختلف علوم و ادب کی نئی تبدیلیوں اور نئے انداز سے آگاہ کیا جائے۔ [۳۲]

حوالہ جات

۱. ڈاکٹر عبدالسلام خورشید؛"صحافت پاک و ہند میں"؛مکتبۂ کارواں اکیڈمی، لاہور؛ص:۱

۲. ڈاکٹر نسیم آراء؛" اردو صحافت کے ارتقاء میں خواتین کا حصہ"؛ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۸ء؛ص ص:۴۲۔۴۱

۳. ڈاکٹر عبدالسلام خورشید؛"داستانِ صحافت"؛ کاروان پریس؛لاہور؛ص:۱۰

۴. خورشید؛"صحافت پاک و ہند میں"؛محولہ بالا؛ص:۹

۵. خورشید؛"داستانِ صحافت"؛محولہ بالا؛ص:۱۰

۶. نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۴۲

۷. عبدالقیوم قریشی؛"نیو صحافت (جرنلزم)"؛ خالد محمود ڈوگر پرنٹرز، لاہور؛ سالِ اشاعت:۱۹۹۹ء؛ص:۳

۸. خورشید؛"داستانِ صحافت"؛محولہ بالا؛ص:۱۲

۹. ایضاً؛ص:۶۳

۱۰ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص ص:۴۴۔۴۶

۱۱. ایضاً

۱۲. طاہر مسعود؛" اردو صحافت انیسویں صدی میں"؛فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۴ء؛ ص ص:۵۴۔۵۰

۱۳ ایضاً

۱۴. عصمت آراء؛"ذرائع ابلاغ عامہ۔ایک جائزہ"،شعبۂ ابلاغِ عامہ، جناح یونی ورسٹی برائے خواتین، کراچی؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۴ء؛ص:۱۵۴

۱۵. ڈاکٹر مسکین علی حجازی؛" پاکستان و ہند میں مسلم صحافت کی مختصر ترین تاریخ"؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ سال اشاعت:۱۹۸۹ء؛ص:۱۴

۱۶. عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص ص:۱۵۵۔۱۵۴

۱۷. طاہر مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور؛ سالِ اشاعت:۱۹۹۲ء؛ص ص: ۲۱۔۲۰

۱۸. پروفیسر متین الرحمٰن مرتضٰی؛"تعارفِ ابلاغِ عامہ"؛ صیغۂ مطبوعاتی ابلاغ، شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعۂ کراچی؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۰ء؛ص:۱۶۱

۱۹. عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص ص:۱۸۲۔۱۸۱

۲۰۔ مرتضی؛محولہ بالا؛ص:۱۵۹

۲۱۔ ایضاً؛ص:۱۲۹

۲۲۔ پروفیسر محمد یعقوب، پروفیسر محمد اسلم، محمد اظہر، محمد احمد؛"صحافت"؛ڈوگر برادرز؛ سالِ اشاعت:۱۹۹۹ء؛ص:۴۹۱

۲۳۔ مفتی ابولبابہ شاہ منصور؛"تحریر کیسے سیکھیں"؛الفلاح، کراچی؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۸ء؛ص:۵۵۰

۲۴۔ عظمی فرخ؛ "کراچی کے ادبی رسائل (ایک تجزیاتی مطالعہ)"؛ پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعۂ کراچی؛ سالِ اشاعت:۲۰۰۰ء؛ص:۲۰

۲۵۔ مرتضی؛محولہ بالا؛ص:۱۲۹

۲۶۔ ایضاً؛ص ص:۱۳۱۔۱۳۰

۲۷۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۲۲

۲۸۔ مرتضی؛محولہ بالا؛ص ص:۱۳۹۔۱۳۷

۲۹۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۲۲

۳۰۔ مرتضیٰ؛محولہ بالا؛ص ص:۱۴۱۔۱۴۰

۳۱۔ محمد عتیق صدیقی؛"ہندوستانی اخبار نویسی"؛ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ؛ سالِ اشاعت:۱۹۵۷ء؛ص ص: ۲۸۰۔۲۷۹

۳۲۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید؛ "کاروانِ صحافت"؛ انجمن ترقی اردو، کراچی؛ سالِ اشاعت:۱۹۶۴ء؛ ص ص: ۱۶۵۔۱۵۹

دوسرا باب: برصغیر پاک و ہند میں اُردو رسائل کا اجرا وارتقاء

رسالہ یا جریدہ سے مراد وہ تحریری اشاعت ہے، جو ایک مقررہ مدت کے بعد شائع کی جاتی ہے۔ یہ رسائل عموماً ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ، دو ماہی، سہ ماہی، شش ماہی یا سالانہ دورانیے پر مشتمل ہوتے ہیں اور اخباروں کی نسبت مستقل نوعیت کے مواد کے ساتھ حالات وواقعات کی توضیح وتشریح اور رجحان سازی کے فرائض زیادہ بہتر انداز اور اسلوب میں کرتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اگر چہ صحافت کا آغاز ۱۷۸۰ء میں جیمس آگسٹس ہکی کے "ہکیز گزٹ" (کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر) سے ہوا، تاہم اردو صحافت کے ضمن میں "جام جہاں نما" اردو کا پہلا اخبار تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ہفت روزہ اخبار ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے جاری کیا گیا جس کے صرف چھ شمارے اردو میں شائع ہوئے۔ ساتویں شمارے سے اس کی زبان فارسی ہوگئی مگر ایک سال بعد یورپین اردو خواں طبقے کی تسکین ذوق کے لیے پھر اس کا اردو ضمیمہ جاری کر دیا گیا۔ ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء سے اردو ضمیمے کی اشاعت ختم کردی گئی۔ "شمس الاخبار" بھی اصلاً فارسی تھا، تاہم "جام جہاں نما" کی طرح اردو ضمیمہ شائع کرتا تھا۔ ان اخبارات کی بندش کے نو دس برس بعد تک کوئی اردو اخبار نہیں نکلا۔[۱]

اردو اخبارات کی اس ناقدری کی سب سے بڑی وجہ ملک میں فارسی کا بطور سرکاری وعلمی زبان رائج ہونا تھا۔ اگر چہ اردو ملک کے کونے کونے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی، لیکن سرپرستی نہ ہونے اور اردو میں چھپائی کا بہتر طریقہ اور انتظام نہ ہونے کے باعث، یہ فارسی کے مقابلے میں کم تر تصور کی جاتی تھی۔

اس حوالے سے "جام جہاں نما" کے مدیر نے تحریر کیا:

"قدرشناس جن کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق پائی، اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہل ہند (اردو) جنھوں کی زبان ہے، وے فارسی تحریر چاہتے ہیں"[۲]

اسی طرح مدیر "شمس الاخبار" اپنے اخبار کی بندش پر کچھ ان الفاظ میں شکوہ کناں نظر آئے:

"ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ جس دن سے میں نے "شمس الاخبار" جاری کیا ہے، سوا محرومی و ناکامی کے اور کچھ میرے ہاتھ میں نہ آیا"[۳]

اردو صحافت کے حق میں حالات صحیح معنوں میں ۱۸۳۰ء سے ہموار ہونے شروع ہوئے۔ ان آٹھ دس برسوں میں چند ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے اردو صحافت پر فروغ واشاعت کے دروازے کھول دیے۔ اس سال کمپنی نے مسلمانوں کے عہد اقتدار کی آخری نشانی فارسی کو بے دخل کر کے اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ پانچ سال بعد سر چارلس مٹکاف نے اخبارات پر عائد شدہ پابندیاں اٹھالیں، نتیجتاً نئے نئے اخبارات نکلنے لگے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد لیتھو طباعت کا رواج ہوا اور اردو کا انحصار بدوضع ٹائپ پر سے ختم ہوگیا۔[۴]

ان تمام عناصر نے مل کر اردو صحافت کے حق میں راہ ہموار کی اور مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے "دہلی اردو اخبار (۱۸۳۶ء) اور سر سید احمد خان کے بڑے بھائی سید محمد کے "سید الاخبار" (۱۸۳۷ء) کی اشاعت کے بعد اردو اخبارات و رسائل نے صحیح معنوں میں برصغیر پاک و ہند میں اپنی جگہ بنانی شروع کی۔

برصغیر پاک و ہند میں فارسی کے اثرات زائل کرنے اور اردو کو مقبول عام بنانے کے لیے حکومت نے ایسے اقدامات کرنے شروع کیے کہ اردو صحافت کو پروان چڑھایا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے مسیحی مشنریوں اور ساتھ ہی سرکاری طور پر ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی کی گئی جو اس کام میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔

اخبارات چونکہ خبروں سے بوجھل ہو چکے تھے، لہٰذا ان کی خبریت کے اثرات کو کچھ کم کرنے اور مختلف شعبۂ زندگی کے حوالے سے عوام کی ذہن سازی کے لیے اردو کی مجلّاتی صحافت کو فروغ واشاعت کے لیے اقدامات کیے گئے اور یوں اردو رسائل و جرائد کا آغاز ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک کی مجلّاتی صحافت کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور: ابتداء تا ۱۸۵۷ء تک کی مجلّاتی صحافت

دوسرا دور: ۱۸۵۷ء تا قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک کی مجلّاتی صحافت

پہلا دور: ابتداء تا ۱۸۵۷ء تک کی مجلّاتی صحافت:۔

برصغیر پاک و ہند میں صحافت کا مقصد صرف یہ نہیں رہا کہ وہ قارئین تک خبریں پہنچائے بلکہ خبریں اور ان کے پس منظر سے آگاہ کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی رہا ہے کہ وہ لوگوں میں علم کو فروغ دے۔ چونکہ ہماری مطبوعہ صحافت برطانوی دور اقتدار کی پیداوار تھی، اس لیے فروغ علم سے مراد یہ تھی کہ قارئین کو مغربی علوم اور سائنس کی ترقیات سے آشنا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر اخبار میں خبروں کے علاوہ مضامین بھی چھپتے رہے ہیں۔ بہر حال جب اخباروں میں "خبریت" زیادہ بڑھی، تو یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ علمی اور ادبی صحافت بھی معرض وجود میں آئے۔ حکمران طبقے کی خواہش بھی یہی تھی اگر چہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح اہل دانش کو مغربی افکار کے سانچے میں ڈھالا جائے اور ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو میکالے کے قول کے مطابق "رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر فکر و مذاق اور دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز ہو"۵

یہی وجہ ہے کہ انگریز حکومت نے مسلمانوں کی تہذیبی زبان "فارسی" کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اردو مجلّات و رسائل کا اجراء اور سرپرستی شروع کر دی، تاکہ انہیں اپنے رنگ و نظریات میں ڈھالا جاسکے۔

اردو کا پہلا ماہانہ رسالہ "خیر خواہ ہند" ہے، جو عیسائی مذہب کی تبلیغی ضرورتوں کے لیے مرزا پور سے پادری ایف۔جی برایت نے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر آر۔سی ماتھر تھے۔ "خیر خواہ ہند" میں پہلی دفعہ علمی اور تبلیغی قسم کے مضامین کو خبروں پر

فوقیت دی گئی۔ یہ رسالہ ۱۸۷۳ء میں جاری ہوا، لیکن ۱۸۵۷ء میں ہنگاموں کے ایام میں کچھ عرصے کے لیے بند کر دیا گیا۔ انگریزی راج قائم ہوا تو یہ رسالہ دوبارہ نکل آیا۔[6]

یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں صحافت ابتداء سے ہی باغیانہ مزاج کے زیر اثر پروان چڑھی۔ سیاسی انتشار، افراتفری اور مختلف جنگوں اور فسادات کے باعث اس دور کی صحافت میں قارئین کو حکومت وقت کے خلاف بغاوت اور اپنے حقوق اور آزادی کے لیے آواز اٹھانے پر اکسایا جاتا تھا اور یہی رنگ و مزاج مجلّاتی صحافت میں بھی نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسے رسائل بھی جاری ہوئے جو سرکاری سرپرستی ہونے کے باعث حکومتی موٴقف اور مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے خصوصی طور پر وقف تھے۔

ابتدائی دور میں مجلّاتی صحافت کے تین بڑے اور مشہور مسکن تھے۔

۱۔ دہلی، جہاں رسائل و جرائد کا اجراء دہلی کالج (دلی کالج) کے زیر اہتمام ہوتا تھا۔

۲۔ لاہور، جہاں رسائل و جرائد کا اجراء نجی سرمائے سے ہوا، تاہم بعد میں انہیں سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔

۳۔ آگرہ، جہاں رسائل و جرائد کا اجراء آگرہ کالج کے زیر اہتمام ہوتا تھا۔ تاہم آگرہ کے رسائل و جرائد میں "خبریت" کا عنصر زیادہ ہونے کے باعث ان سطور میں صرف دہلی اور لاہور کے رسائل و جرائد کا جائزہ لیا جائے گا۔

دہلی کالج، نہ صرف ایک بے مثال تعلیمی ادارہ تھا، بلکہ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں بھی پیش پیش تھا۔ یہاں سے بے شمار اردو اخبارات و رسائل کا اجراء ہوا، جنھوں نے مجلّاتی صحافت کی ابتدائی دور کی تاریخ مرتب کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اپنے گہرے نقوش کے باعث آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

مشرق و مغرب کی علمی خصوصیات کا خوبصورت امتزاج لیے ڈاکٹر اشپرانگر جب ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک ہفتہ وار علمی جریدہ "قرآن السعدین" کے نام سے جاری کیا، جس کی ادارت کے فرائض پنڈت دھرم نرائن بھاسکر سرانجام دیتے تھے۔ یہ ایک باتصویر رسالہ تھا، جس کے مقاصد خالصتاً علمی و تعلیمی تھے۔ اس کا مقصد طلباء کے علمی ذوق کو بہتر بنا کر انہیں سائنس، ادب اور سیاست پر بحث کرنے کے قابل بنانا تھا۔ ساتھ ہی عوام میں مغربی خیالات و نظریات کی ترویج بھی اس رسالے کا ایک مقصد تھا۔ رسالے کے اجراء کے حوالے سے مسٹر اشپرانگر اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں:

"۱۸۴۵ء میں، میں نے دہلی میں پینی میگزین کی طرز پر ایک باتصویر موٴقت رسالے کی بنیاد ڈالی۔ اس کا نام "قرآن السعدین" تھا۔ گویا مشرق اور مغرب، مشتری اور زہرہ تھے، جن کا قران اس رسالے میں ہوا تھا۔ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش بھی تھی۔ گیارہ برس بعد جب میں ہندوستان سے رخصت ہوا، تو یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ اس کی تقلید میں بارہ سے زیادہ رسالے نکل رہے تھے"[7]

دہلی کالج کے ایک استاد ماسٹر رام چندر نے بھی ابتدائی دور کی مجلاتی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور دو رسائل "فوائد الناظرین" اور "محب ہند" جاری کیے۔

رسالہ "فوائد الناظرین" ماسٹر رام چندر نے ۱۸۴۵ء میں جاری کیا۔ جس کا مقصد قارئین میں جدید علوم کا ذوق اور شعور و آگہی پیدا کرنا تھا۔ درحقیقت یہ ایک تاریخی و سائنسی رسالہ تھا، جس کے مضامین سادہ اور عام فہم ہوتے تھے۔ نومبر ۱۸۴۸ء کے شمارے میں ماسٹر رام چندر نے اس رسالے کے اجراء کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

"پرچہ فوائد الناظرین" کا واسطے فائدہ ان اشخاص کے جاری کیا گیا ہے کہ جو واقفیت علوم و فنون سے نہیں رکھتے ہیں اور نہ ان کے لیے جنھوں نے مدرسے سرکاری میں یا کسی اور جائے علوم حکمیہ اور فنون مفیدہ سے واقفیت حاصل کی ہے پس اب لازم ہے کہ اس پرچے میں ایسے ایسے مضامین درج کیے جائیں، جو ان ناواقف آدمیوں کی سمجھ میں آجائیں" ۸

یہ پرچہ علم کی ترویج واشاعت میں کافی دلچسپی لیتا تھا، لیکن "فوائد الناظرین" جیسا علمی، تاریخی اور سائنسی مجلّہ پروان چڑھنے کے لیے علمی ذوق کی اشد ضرورت تھی اور یہ وہ زمانہ تھا کہ رسائل کی گرانی کے علاوہ مسلمان مغربی علوم سے دور بھاگتے تھے۔ چنانچہ رسالہ کی علمی افادیت کے باوجود حلقہ اشاعت تنگ ہوتا چلا گیا اور نہ صرف دیسی خریداروں کی تعداد کم ہوتی گئی بلکہ انگریز حکام کی ایک بڑی تعداد بھی قیمت ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگی، جس سے رسالہ اخراجات کا بار برداشت نہ کر سکا۔ اور ۱۸۵۵ء میں بند ہو گیا۔ (فوائد الناظرین کے بارے میں مزید تفصیلات آگے آئیں گی) ۹

"فوائد الناظرین" ایک پندرہ روزہ اخبار تھا اور ماسٹر رام چندر یہ سمجھتے تھے کہ اخبار کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اور ایک مرتبہ نظروں سے گزرنے کے بعد یہ یادداشت سے محو ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دیرپا حیثیت کا حامل ماہنامہ رسالے جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔

اسی ضرورت کے پیش نظر ستمبر ۱۸۴۷ء میں رسالہ "خیر خواہ ہند" جاری کیا گیا، لیکن نومبر ۱۸۴۷ء میں ہی اس رسالے کا نام تبدیل کر کے "محب ہند" رکھ دیا گیا۔ نام کی تبدیلی کے حوالے سے ۱۸ اکتوبر ۱۸۴۷ء کے "فوائد الناظرین" میں ایک مضمون بعنوان "تبدیلی نام رسالہ خیر خواہ ہند کے" میں مدیر نے تحریر کیا:

"چونکہ ہم کو اس امر کی بالکل اطلاع نہ تھی کہ کوئی اخبار "خیر خواہ ہند"، ہندوستان میں اجراء ہوتا ہے تو اس واسطے ہم نے اپنے رسالے کا نام "خیر خواہ ہند" رکھا۔ اب معلوم ہوا کہ ایک اخبار مسمی "خیر خواہ ہند" مرزا پور میں جاری ہوتا ہے تو ہم کو مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے رسالے کا نام بھی "خیر خواہ ہند" رکھیں۔ اس واسطے ہم نے نام اس رسالے کا تبدیل کیا اور بجائے "خیر خواہ ہند" کے "محب ہند" رکھا"۔ ۱۰

رسالے "محب ہند" کے حوالے سے مدیر نے ۱۶ ستمبر ۱۸۴۷ء کے "فوائد الناظرین" میں تحریر کیا:

"صاحبان علم و دوست پر واضح ہو کہ رسالہ مثل اور پرچہ، اخبارات کے نہ ہو گا کہ بعد دیکھنے کے وہ کچھ کام کا نہیں رہتا، بلکہ یہ ایک مثل نایاب کتاب کے رہے گا"۱۱

اگرچہ "محبِ ہند" ایک عمدہ علمی وادبی رسالہ تھا، تاہم اس زمانے میں علم وادب کی کچھ خاص وقعت نہ ہونے اور حلقۂ قارئین وخریداروں کی کمی کے باعث یہ رسالہ روبہ زوال ہوگیا۔

۱۸۵۱ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق:

"یہ انتہائی افسوس ناک ہے کہ گذشتہ سال "محبِ ہند" بند ہوگیا۔ اس کے مضامین بے حد مفید اور دلچسپ ہوتے تھے اور جو دیسیوں کو یورپین علوم کی خصوصیت سے روشناس کرتا تھا۔ چونکہ دیسی طبقہ اُس کی سرپرستی نہیں کرتا، اس وجہ سے غالباً بند کیا گیا"۱۲

پنجاب میں اردو صحافت کا سب سے بڑا مرکز لاہور ٹھہرا اور الحاق پنجاب کے بعد یہاں بے شمار رسائل وجرائد نے جنم لیا اور اردو کی مجلاتی صحافت پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ۱۸۵۳ء میں منشی دیوان چند نے "ہمائے بے بہا" کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ لاہور سے جاری کیا، جس میں سائنسی اور تعلیمی موضوعات پر مضمون درج ہوتے تھے۔ یکم جولائی ۱۸۵۴ء کو لاہور سے ماہنامہ "معلّم ہند" جاری ہوا۔ اس کی ادارت محمد حسن کلانوری کے سپرد تھی۔ یہ ایک تعلیمی رسالہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں تین رسالے جاری ہوئے۔ "خورشید پنجاب"، جو مطبع کوہ نور کے زیر اہتمام لاہور سے جاری ہوا۔ "نورٌ علیٰ نور"، جو "خورشید پنجاب" کے مقابلے پر منشی دیوان چند نے سیالکوٹ سے نکالا اور "معلم العلماء"، جو غالباً ایک تہذیبی رسالہ تھا اور سیالکوٹ سے نکلتا تھا۔۱۳

ان تمام رسالوں میں سب سے اہم اور معیاری رسالہ "خورشید پنجاب" تھا۔ یہ ایک علمی، تعلیمی رسالہ تھا، جس کا مقصد برصغیر کے عوام کو علم وآگہی اور مختلف علوم وفنون کی طرف راغب کرنا تھا۔ اس رسالے میں اخلاقی، علمی، جغرافیائی، سائنسی، تاریخی، اور دیگر موضوعات کو مشق سخن بنایا جاتا تھا، لیکن خاص بات یہ تھی کہ مضامین کی زبان نہایت سادہ وعام فہم ہوتی تھی۔

پنجاب میں مجلاتی صحافت خصوصاً علم وادب کے فروغ میں اس رسالے کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے، تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس رسالے کے زندہ رہنے کے کوئی شواہد نہیں ملتے۔

برصغیر پاک وہند میں مجلاتی صحافت کے ابتدائی دور میں (ابتداء سے ۱۸۵۷ء) تک زیادہ تر ایسے رسائل وجرائد کا اجراء ہوا، جن کا مقصد نئے اور جدید علوم کی اشاعت وترویج تھا۔ اگرچہ یہ تمام رسائل زیادہ تر سرکاری سرپرستی میں جاری ہوئے، اس کے ساتھ ہی نجی ملکیت کے حامل رسائل وجرائد بھی مقابلے کی دوڑ میں شامل تھے، تاہم پڑھنے والے چونکہ اردو سے خصوصاً اردو نثر سے کچھ خاص رغبت نہیں رکھتے تھے، اس لیے یہ اردو رسائل ابتدائی دور میں خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کرسکے۔ البتہ ایسے رسائل خوب پھلے پھولے، جن کا واحد مقصد شعر وشاعری کا فروغ تھا۔ ایسے رسالوں کو "گلدستہ" کا نام دیا گیا۔

اس قسم کا پہلا " گل دستہ " جاری کرنے کا سہرا مولوی کریم الدین پانی پتی کے سر ہے، جنہوں نے ۱۸۴۵ء میں ہفتہ وار " کریم الاخبار " اور ایک گل دستہ " گل رعنا " نکالا ۔۱۴

" گل رعنا " کے اجراء کا پس منظر یہ تھا کہ مولوی کریم الدین کے مکان پر مہینے پندرہ دن میں ایک مشاعرہ ہوتا تھا۔ ان ہی مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام " گل رعنا " میں چھپتا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اردو نثر کے مقابلے میں اردو شاعری کا زیادہ چرچا تھا اور مشاعروں کا عام رواج تھا، اس لیے یہ رسالہ مشاعروں کے روداد نامے کے طور پر بہت مقبول ہوا اور پھر اس کی دیکھا دیکھی پورے ہندوستان میں اس قسم کے رسالے نکلنے لگے "۱۵

" گل رعنا " کے علاوہ آگرہ سے ۱۸۴۸ء میں " گل دستہ معیار الشعراء :" کا بھی اجراء ہوا۔ تاہم مجلّاتی صحافت کے ابتدائی دور یعنی ۱۸۵۷ء تک گل دستوں کے اجراء کی روایت کچھ زیادہ زور نہ پکڑ سکی اور محض اکا دکا گل دستے ہی برصغیر پاک و ہند میں جاری ہوئے۔ اصل بام عروج ان گل دستوں کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حاصل ہوا۔

ان رسائل کے علاوہ تخصیصی صحافت (اسپشلائزڈ جرنلزم) کے ضمن میں بھی ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک بہت سے رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔

قانونی رسائل کے ضمن میں ۱۸۴۶ء میں دہلی سے ہفت روزہ "فوائد الشائقین" کا اجراء ہوا، جس میں دیوانی و فوجداری قوانین اور مال کے ضوابط باقاعدگی سے شائع ہوتے تھے۔ قانونی امور پر قارئین کے استفسارات کے جوابات بھی دیئے جاتے تھے۔ اسی قسم کا ایک رسالہ آگرہ سے بھی ۱۸۵۶ء میں "معدن القوانین" کے نام سے جاری ہوا، جس میں قارئین کی قانونی امداد کی جاتی تھی ۔۱۶

اس کے علاوہ اردو کی مجلّاتی صحافت کے دور اول میں طبی رسائل بھی منظر عام پر آئے۔ گارساں دتاسی نے اپنے خطبے میں دو طبی مجلّات کے اجراء کا ذکر کیا ہے۔ پشاور سے "اخبار طبابت" کے نام سے ایک ماہانہ طبی رسالہ جاری ہوا، جس میں ہندو ویدوں اور مسلمان طبیبوں کے طب کے موضوع پر مضامین درج کیئے جاتے تھے اور جراحی پر بھی معلومات دی جاتی تھیں، لیکن اس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہوا۔ اسی طرح "بحر حکمت"، "لاہور" کی تاریخ اجراء بھی نامعلوم ہے، جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اور جس کی ادارت منشی جمنا پرشاد اور گوری شنکر کے سپرد تھی ۔۱۷ اس کے علاوہ عتیق احمد صدیقی نے کلکتہ سے "مخزن الادویہ" کا بھی ذکر کیا ہے، جس کے مدیر حاجی آقا محمد شیرازی تھے ۔۱۸

الغرض اردو کی مجلّاتی صحافت کے دور اول (ابتداء تا ۱۸۵۷ء) تک کا جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس زمانے میں جتنے بھی اردو اخبارات منظر عام پر آئے، اگرچہ ان کے نام کے ساتھ "اخبار" منسلک تھا، تاہم حقیقت میں وہ جرائد ہی تھے،۔ زیادہ تعداد ہفت روزوں کی تھی۔ دوسرے نمبر پر ماہنامے اور پندرہ روزہ رسائل تھے۔ اکا دکا سہ ماہی رسائل بھی تھے، تاہم روزنامہ کوئی بھی نہیں تھا۔

ان تمام جاری شدہ رسائل کی کوئی مخصوص جہت نہیں تھی، شرح خواندگی کم ہونے اور تعلیم یافتہ طبقے کی اردو سے خاص انسیت نہ ہونے کے باعث اردو رسائل و جرائد کی اشاعتیں بھی محدود تھیں۔ سرکاری سرپرستی ہونے کے باوجود بھی اس دور میں جاری ہونے والے علمی وادبی اردو رسائل خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔

اس ضمن میں ایک بڑی وجہ رسالوں میں ٹائپ کا رواج بھی تھا۔ اردو طباعت کے خوشنما نہ ہونے کے باعث بھی یہ قارئین میں اپنی جگہ بنانے میں ناکام رہے، تاہم ۱۸۳۶ء سے لیتھو طباعت کے آغاز نے منظر نامہ بدل دیا۔

اگر چہ اس دور میں علمی وادبی رسائل میں عام قارئین نے اتنی دلچسپی نہ لی اور یہ رسائل قارئین کی بے توجہی کا شکار رہے، تاہم اسی دور کے رسائل نے برصغیر پاک و ہند میں مجلاتی صحافت کے لیے راہیں ہموار کیں اور دوسرے دور میں یعنی ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء میں بے شمار اردو رسائل و جرائد نے منظر عام پر آ کر اردو مجلاتی صحافت کو نیا رنگ دیا۔

دوسرا دور: ۱۸۵۷ء تا قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک کی مجلاتی صحافت:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد جہاں مسلمانوں پر برصغیر پاک و ہند میں مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، وہیں اردو صحافت پر بھی بغاوت اور شورش وانتشار پیدا کرنے کا الزام لگا کر مسلمانوں کو اردو صحافت سے علیحدہ کر کے ہندوؤں کو آگے لایا جانے لگا۔

اس ہنگامی دور میں یا تو زیادہ تر اخبارات و جرائد مستقلاً بند ہو گئے یا حالات اور موقع محل کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ان کے لہجے میں اعتدال اور نرمی آ گئی اور ان رسائل و جرائد نے مضامین و مواد کے انتخاب کے ضمن میں محتاط طرز عمل اختیار کرنا شروع کر دیا اور سیاسی مضامین کے بجائے علمی موضوعات اور علوم وفنون خصوصاً مغربی علوم ان رسائل کا حصہ بننے لگے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے ساتھ ہی برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا، جس میں اس وقت کی اینگلو انڈین صحافت پیش پیش تھی۔ ان حالات میں سرسید احمد خان مصلح قوم بن کر ابھرے اور انہوں نے مسلمانوں اور انگریز حکومت کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرنے اور مسلمانوں کو مغربی اور جدید علوم کی طرف راغب کرنے کے لیے اپنے صحافتی مشن کا آغاز کیا۔

اس مقصد کے لیے سرسید نے سب سے پہلے سائنٹفک سوسائٹی قائم کر کے "اخبار سائنٹفک سوسائٹی" کا اجراء کیا اور پھر بعد میں ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا، جس کا واحد مقصد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو جدید علوم کی طرف راغب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی واخلاقی تربیت اور انہیں ایک مہذب قوم کے طور پر ابھارنا تھا۔

سرسید احمد خان کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ہی ہندوستان کے مختلف شہروں میں علمی وادبی انجمنیں قائم کی گئیں، جن کے تحت بے شمار رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔ اس سلسلے میں انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب المعروف انجمن

پنجاب کا رسالہ "انجمن پنجاب" لاہور (۱۸۶۵ء)، انجمن ہند لکھنؤ کا رسالہ "اخبار انجمن" (۱۸۶۲ء)، "رسالہ انجمن اسلامی"، کلکتہ (۱۹۶۳ء)، ماسٹر پیارے لال آشوب کی دہلی سوسائٹی کا رسالہ "دہلی سوسائٹی" (۱۸۶۷ء)، رسالہ "انجمن فیض عام"، گوجرنوالہ (۱۸۶۶ء)، برٹش انڈین ایسوسی ایشن کا رسالہ "گنجینۂ علوم" مرادآباد (۱۸۶۸ء)، انجمن تہذیب لکھنؤ کا رسالہ "مرقع تہذیب" (۱۸۶۸ء) اور بہار سائنٹفک سوسائٹی کا پندرہ روزہ رسالہ "اخبار الاخبار" وہ اہم رسائل ہیں، جو مختلف سوسائٹیوں کے زیر اہتمام شائع کیے گئے اور جن کا مقصد انجمنوں کی سرگرمیوں اور روداد کا احوال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ برصغیر کے عوام میں شعور وآگہی اجاگر کرنا بھی تھا۔

ان رسائل کے علاوہ "رسالہ انجمن مناظرہ"، دہلی، رسالہ "سرب سرائے سوسائٹی" دہلی، "رسالہ دہلی ایسوسی ایشن"، "رسالہ انجمن رفاہ عام"، راجپوتانہ، رسالہ "انجمن مذاکرہ علمیہ" پٹنہ، رسالہ "انجمن مفید عام"، قصور، رسالہ "انجمن علمی"، بدایوں اور رسالہ "انجمن پشاور" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[19]

اس دور میں رسائل وجرائد میں سیاسی موضوعات کے بجائے ہلکے پھلکے مضامین اور علمی وادبی موضوعات پر زیادہ زور دیا گیا۔

عبدالحلیم شرر نے ۱۸۸۱ء میں ہفت روزہ ادبی جریدہ "محشر"، جنوری (۱۸۸۸ء) میں ماہنامہ "دلگداز" اور ۱۸۹۰ء میں ادبی ہفت روزہ "مہذب" جاری کر کے اس دور میں ادبی رسائل کی نئی جہت کی آبیاری کی۔

۱۸۸۲ء میں ورنیکلر پریس ایکٹ کی منسوخی سے اخبارات ورسائل کو جو آزادی ملی، اس سے تخصیصی صحافت اور مزاح نگاری کو بھی فروغ ملا اور کئی طرح کے رسائل وجود میں آئے۔

۱۸۸۴ء میں قانونی رسائل کے ضمن میں رسالہ "قانون معاہدے کا رسالہ" دہلی سے منظر عام پر آیا، جس کے مالک مہتاب رائے وکیل تھے۔ یہ ایک خالصتاً قانونی رسالہ تھا۔

۱۸۸۷ء میں حسن بن عبداللہ عماد نواز جنگ کا ماہنامہ رسالہ "حسن"، حیدرآباد دکن سے جاری کیا گیا، جو علی گڑھ تحریک سے متاثر ایک ادبی وتنقیدی رسالہ تھا۔

علی گڑھ سے ۱۸۹۳ء میں "علی گڑھ میگزین" کی ابتداء ایک علمی وتعلیمی رسالے کے طور پر ہوئی اس کے مدیر مولانا شبلی نعمانی تھے۔

۱۸۹۳ء میں مولوی محبوب عالم نے رسالہ "شریف بیبیاں" جاری کر کے نسوانی صحافت کی داغ بیل ڈالی اس کے ساتھ ہی اپنی طرز کا ایک منفرد رسالہ "انتخاب لاجواب" منشی محبوب عالم نے ۱۸۹۵ء میں جاری کیا۔ یہ رسالہ لندن کے معروف رسالے "ٹٹ بٹس" سے متاثر ہو کر جاری کیا گیا تھا، جس میں کتابوں، رسالوں اور اخبارات سے دلچسپ و لاجواب مضامین ومواد کا انتخاب کر کے انہیں اس رسالے کا حصہ بنایا جاتا تھا۔

۱۸۹۷ء میں حیدر آباد دکن سے مولوی عبدالحق کا ماہنامہ "افسر" منظر عام پر آیا۔ یہ ایک معیاری علمی و ادبی جریدہ تھا۔

۱۸۹۸ء میں منشی کریم بخش کی ادارت میں ایک رسالہ "نور الاسلام"، سیالکوٹ سے جاری ہوا، جس کا مقصد اسلامی تعلیمات کو عام کرنا تھا۔

۱۸۹۸ء میں ماہنامہ "معارف" علی گڑھ سے مولوی وحید الدین سلیم نے جاری کیا۔ یہ تمام رسائل انیسویں صدی کی پیداوار تھے۔ بیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند کا سیاسی و ادبی منظر نامہ نت نئے روشن پہلوؤں اور امکانات سے روشناس ہوا اور ادبی رسائل کے اجراء اور نشوونما کے لیے حالات سازگار ہونا شروع ہوئے۔

اپریل ۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر کا مقبول عام جریدہ "مخزن" اسی سلسلے کی اولین کڑی تھا، جس نے ہندوستان میں ادبی روایات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا، جس کے بعد یہاں سے کئی معیاری رسائل و جرائد جاری ہوئے۔

ان رسائل میں منشی شیو برت لال ورمن کا "زمانہ" (۱۹۰۳ء)، مولانا حسرت موہانی کا "اردوئے معلیٰ"، علی گڑھ (۱۹۰۳ء)، ابوالکلام آزاد کا ماہنامہ "لسان الصدق"، کلکتہ (۱۹۰۳ء)، مولانا ظفر علی خان کے رسالے "افسانہ" (۱۹۰۳ء) اور "دکن ریویو"، حیدر آباد (۱۹۰۴ء)، رسالہ "الندوہ" (۱۹۰۴ء)، خواجہ فہمید حسین نازک رقم اکبر آبادی کا "زبان"، دہلی (۱۹۰۵ء) بنگلہ دیش سے اردو کا پہلا ماہنامہ "المشرق" (۱۹۰۶ء)، منشی محمد فوق نے کشمیری میگزین "طریقت" اور "نظام" (۱۹۰۶ء)، علامہ راشد الخیری اور شیخ محمد اکرام کا رسالہ "عصمت"، دہلی (۱۹۰۸ء)، ظفر الملک علوی کا "الناظر"، لکھنؤ (۱۹۰۹ء)، رسالہ "ادیب"، الہٰ آباد (۱۹۱۱ء)، مولانا تاجور نجیب آبادی کا رسالہ "آفتاب اردو"، لدھیانہ (۱۹۱۱ء)، مولانا محمد علی جوہر کا "ہمدرد" (۱۹۱۲ء)، مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" (۱۹۱۲ء)، مولانا عبدالمجید سالک کا "فانوس خیال"، پٹھان کوٹ (۱۹۱۴ء) وغیرہ اہم اور قابل ذکر رسائل ہیں، جن کے بغیر برصغیر پاک و ہند کی اردو صحافت کی تاریخ نامکمل تصور کی جاتی ہے۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۱ء تک ہندوستان سے مزید کئی رسائل و جرائد جاری ہوئے، تاہم یہ رسائل خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ اصل سفر شروع ہوا ۱۹۲۲ء سے، جب میاں بشیر احمد نے "ہمایوں"، لاہور جاری کیا، جس کے بعد قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک بے شمار معیاری رسائل و جرائد نے آنکھیں کھولیں۔

ان رسائل میں مولانا نیاز فتح پوری کا رسالہ "نگار"، بھوپال (۱۹۲۲ء، حافظ محمد عالم کا "عالمگیر"، لاہور (۱۹۲۴ء) مولانا تاجور نجیب آبادی کے "ادبی دنیا"، لاہور (۱۹۲۹ء)، "شاہکار"، (۱۹۳۴ء)، شاہد احمد دہلوی کا "ساقی"، دہلی (۱۹۳۰ء)، رشید احمد صدیقی کا "سہیل"، علی گڑھ (۱۹۲۷ء)، حکیم یوسف حسن خان کا رسالہ "نیرنگ خیال"، لاہور (۱۹۲۴ء)، اصغر گونڈوی کا رسالہ "ہندوستانی"، الہٰ آباد (۱۹۳۱ء)، سید ابوالاعلیٰ مودودی کا "ترجمان القرآن"، حیدر آباد دکن (۱۹۳۲ء)، چوہدری برکت علی کا "ادب لطیف"، لاہور (۱۹۳۶ء)، اردو بک اسٹال کے ایم ظہیر الدین کا رسالہ

"کتاب" لاہور (۱۹۴۲ء)، چودھری محمد یوسف کا ہفت روزہ "نظام"، کلکتہ (۱۹۴۳ء)، صہبا لکھنوی اور رشدی بھوپالی کا "افکار"، بھوپال (۱۹۴۵ء)، چودھری نذیر احمد کا رسالہ "سویرا" (۱۹۴۶ء) اور صمد شاہین اور ممتاز شیریں کا رسالہ "نیا دور"، بنگلور (۱۹۴۶ء) اہم اور قابل ذکر نام ہیں۔

اس طرح برصغیر پاک و ہند میں اردو کی مجلاتی صحافت کے دور ثانی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) تک کا جائزہ لینے پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دور علمی و ادبی صحافت کو پروان چڑھانے میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی دور میں ایسے ادبی رسائل نے جنم لیا، جنہوں نے اردو زبان کے فروغ و ارتقاء میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ بے شمار قابل ادیب اور لکھنے والے اسی دور میں ابھر کر سامنے آئے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ابھرنے والی سیاسی صورت حال، عالمی جنگوں اور برصغیر کے سیاسی منظر نامے کی بدلتی ہوئی صورت حال کو قارئین تک پہنچانے اور اپنے مضامین و مواد کے ذریعے عوام کی ذہن سازی کرنے میں بھی ان رسائل و جرائد کا کردار بلاشبہ لائق تحسین ہے۔

تقسیم کے بعد بے شمار رسائل و جرائد نے اپنے مدیران کے ہمراہ مختلف علاقوں سے پاکستان ہجرت کی، اور ان ہی رسائل نے آگے چل کر قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد پاکستان کی مجلاتی صحافت کو نئے خطوط پر استوار کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

ادبی رسائل

صحافت اور ادب لازم و ملزوم ہیں۔ کسی ایک کو بھی دوسرے سے یک سر جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بقول ٹی ایس ایلیٹ:۔

"صحافت اور ادب کے درمیان امتیاز بالکل بے کار سی بات ہے۔ تاوقتیکہ ہم ان دونوں میں ایسا مقابلہ نہ کر رہے ہوں جیسے گبن کی تاریخ میں اور آج شام کے اخبار میں کیا جاتا ہے"[۱۹]

اردو زبان اور ادب کے ارتقاء میں بھی ادبی رسائل نے ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ادبی رسالہ عوام کی ذہنی تربیت میں ایک مؤثر اور فعال قوت کے طور پر کام کرتا ہے۔ کسی قوم کی تہذیبی رفعت کا اندازہ کرنا ہو تو صرف یہ دیکھنا ہی کافی ہوگا کہ اس میں کس معیار کے ادبی رسائل شائع ہوتے ہیں، ان رسائل کا حلقۂ قرأت کتنا وسیع اور عرصۂ حیات کتنا طویل ہے۔[۲۰]

برصغیر پاک و ہند میں انیسویں صدی سے ادبی رسائل نے جنم لینا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ادبی رسائل نے مجلاتی صحافت میں نمایاں مقام حاصل کر لیا اور قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک سینکڑوں کی تعداد میں ادبی رسائل منظر عام پر آئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ "محب ہند" تھا جس کا ذکر پچھلے صفحات پر ہو چکا ہے۔ اس رسالے میں ادبی و معلوماتی مضامین کے علاوہ تاریخی اور علمی مواد بھی شائع ہوتا تھا۔ نامور شعراء کا کلام بھی رسالے میں خاصے کی چیز ہوتا تھا۔

۱۸۶۵ء میں انجمن اشاعت، مطالب مفیدہ پنجاب کے زیرنگرانی رسالہ "انجمن پنجاب" جاری ہوا، جس کے مدیرو معتمد مولانا محمد حسین آزاد تھے، جبکہ اس کے مہتمم ڈاکٹر جی ڈبلیو لائیٹنر تھے۔ اس رسالے میں اردو ادب کے علاوہ علمی، سائنسی، تاریخی، جغرافیائی اور معاشی مضامین شائع ہوتے تھے۔ انجمن کے اجلاسوں اور اس کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں کی روداد بھی اس رسالے میں شامل ہوتی تھی۔

۱۸۶۵ء میں دہلی سوسائٹی کے زیر اہتمام رسالہ "دہلی سوسائٹی" جاری ہوا۔ یہ ایک ادبی وعلمی رسالہ تھا۔ جس میں سوسائٹی کے اجلاسوں کے احوال کے علاوہ عالمانہ، ادبی، تاریخی اور معلوماتی مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

۱۸۸۳ء میں آگرہ سے مولوی ناصر علی کی ادارت میں رسالہ "زمانہ" کا اجراء ہوا۔ یہ رسالہ ادبی، علمی اور تاریخی مضامین کا مجموعہ تھا، تاہم ادب کی چاشنی باقی تمام مضامین پر حاوی نظر آتی تھی۔

۱۸۸۶ء میں لکھنؤ سے ماہنامہ "خدنگ نظر" کا اجراء ہوا، جس کے مالک ومدیر نوبت رائے نظر تھے۔ پہلے پہل یہ صرف اشعار کا ایک گلدستہ تھا، تاہم بعد میں اس میں تاریخی، اخلاقی، علمی مضامین کے علاوہ اردو اور فارسی غزلیات اور ناول کے تراجم بھی شامل ہونے لگے۔ اس رسالے کا مقصد اردو ادب کی ترقی وترویج تھا۔

۱۸۸۷ء میں لکھنؤ سے "دلگداز" نامی ایک رسالہ جاری ہوا۔ جس کے مالک ومدیر عبدالحلیم شرر تھے۔ یہ ایک ادبی رسالہ تھا، جسے سید سلیمان ندوی نے اردو کا پہلا رسالہ قرار دیا۔ اس رسالے میں مولانا شرر کے علاوہ کسی دوسرے مصنف کی تحریر نہیں ہوتی تھی۔ رسالے میں تاریخی ومعلوماتی مضامین بھی شامل ہوتے تھے۔

آگرہ سے ۱۸۹۹ء میں سیماب اکبر آبادی کی ادارت میں رسالہ "ادیب" جاری ہوا، جس کا مقصد ملک میں اعلیٰ ادب کا فروغ تھا۔

۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر کی ادارت میں لاہور سے نکلنے والا رسالہ "مخزن" اردو ادب کا ایک بہترین رسالہ تھا، جس نے غیر ملکی ادب کے تراجم کے ذریعے اردو ادب کو نئی بنیاد فراہم کی اور اپنے ادبی مضامین اور شاعری کے ذریعے نظم ونثر میں نت نئے تجربات کیے۔

۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے جاری ہونے والا "اردوئے معلیٰ" بھی ایک بہترین ادبی رسالہ تھا۔ جس کے مالک ومدیر سید فضل الحسن حسرت موہانی تھے۔ اس رسالے میں ادبی، سیاسی، تاریخی اور تنقیدی مضامین شائع کیے جاتے تھے۔ شعراء کے حالات زندگی اور نامور شعراء کے کلام سے انتخاب، ادیبوں اور شاعروں کی بیاض اور مشہور شعراء کے خطوط بھی رسالے کا حصہ ہوتے تھے۔ اگرچہ اس رسالے میں نہایت بے باک سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے تاہم مجموعی طور سے رسالے کا مزاج ادبی، تاریخی وتنقیدی تھا۔

۱۹۰۳ء ، میں ہی کلکتہ سے ابوالکلام آزاد کی ادارت میں رسالہ "لسان الصدق" جاری ہوا۔ یہ معیاری رسالہ تھا اور ادبی اعتبار سے اس کے مضامین بلند پایہ ہوتے تھے۔ اس رسالے کا مقصد اردو زبان کے علمی ذخیرے کو وسعت دینا اور اردو تنقید نگاری کو نئی جہت عطا کرنا تھا۔

۱۹۰۵ء میں دہلی سے رسالہ "زبان" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر خواجہ فہمید حسن نازک رقم اکبر آبادی تھے۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد اردو زبان میں جدت وندرت پیدا کرنا تھا۔ ساتھ ہی یہ رسالہ اردو میں معلومات کی فراہمی کے سلسلے میں روشن خیالی کا حامی تھا۔

سکندر آباد سے ۱۹۰۶ء میں حکیم سید محمد سعید خنجر سکندر آبادی کی زیر ادارت ماہنامہ "ید بیضا" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے میں علمی ، ادبی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالے کا بنیادی مقصد اردو زبان کا فروغ تھا اور اس کے مضامین میں زبان وبیان کی صحت ودرستگی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ رسالے میں قسط وار ناول اور مشاعروں کی طرحی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔

لکھنؤ سے ۱۹۰۷ء میں حکیم سید علی خان ابر لکھنوی کی ادارت میں رسالہ "معیار" جاری ہوا۔ جس میں ادبی وتنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کے مقاصد میں اردو ادب کو دلچسپ مگر سنجیدہ بنیادوں پر ترقی دینا، ذوق سلیم پیدا کرنا، اردو زبان کا احیاء اور رکیک مضامین کا انسداد تھا یہ ایک بلند پایہ رسالہ تھا، جس کا ادبی معیار خاصا بلند تھا۔

۱۹۰۷ء میں کلکتہ سے مولوی بدر الزماں کی ادارت میں رسالہ "شمس بنگالہ" جاری کیا گیا جس میں علمی وادبی اور تنقیدی مضامین شامل ہوتے تھے۔ اس رسالے میں شعراء کے حالات زندگی کے علاوہ مشہور ومعروف شعراء کا کلام بھی چھپتا تھا۔

۱۹۰۸ء میں دہلی سے رسالہ "صدائے عام" کا اجراء ہوا۔ جس کے مالک ومدیر میر ناصر علی تھے۔ یہ ایک ادبی رسالہ تھا، جس کا بنیادی مقصد اردو نثر کو ترقی وفروغ دینا تھا۔ اس میں اردو کے شعراء کا کلام بھی چھپتا تھا، اس کے علاوہ ادبی و تاریخی مضامین شامل ہوتے تھے۔

۱۹۱۰ء میں الہٰ آباد سے رسالہ "ادیب" جاری ہوا، جس کے مدیر منشی نوبت رائے نظر تھے۔ بعد میں اس کی ادارت منشی پیارے لال شاکر میرٹھی نے سنبھالی۔ یہ ایک باتصویر ادبی رسالہ تھا، جس میں اعلیٰ درجے کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

علی گڑھ سے ۱۹۰۹ءء میں ایک منفرد رسالہ "خلاصہ" جاری ہوا، جس کے مدیر محمد عبدالسلام تھے۔ اس رسالے میں ملک کے مختلف علاقوں سے نکلنے والے رسالوں کے عمدہ مضامین یکجا کر کے شائع کئے جاتے تھے۔ یہ رسالہ تمام رسالوں کے انتخاب پرمبنی ہوتا تھا۔، جس میں ادبی، علمی، سیاسی، تاریخی، غرض ہر طرح کے مضامین شائع ہوتے تھے اور اس کا واحد مقصد اردو کے ادبی ذوق کا فروغ تھا۔

۱۹۱۱ء میں دہلی سے شائع ہونے والے رسالہ "تمدن" کا بنیادی مقصد اردو زبان کی خدمت کے ساتھ حقوق نسواں کا احیاء تھا۔ اس میں معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، تاریخی، اور علمی مضامین کچھ اس طرح پیش کیے جاتے تھے کہ خواتین کی دلچسپی قائم ہو اور وہ اردو ادب کی طرف راغب ہو سکیں۔

۱۹۱۱ء میں جالندھر سے فتح محمد خان جالندھری نے رسالہ "اردو" جاری کیا، جس کا مقصد اردو ادب کی ترقی و فروغ اردو زبان کی درستگی کے ساتھ ملک میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنا تھا۔

"پرہیزگار" نامی رسالہ ۱۹۱۱ء میں لاہور سے شیین سہائے آزاد کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ ٹمپرنس بینڈ آف ہوپ لاہور کا ترجمان تھا، جس میں معیاری مضامین اور نظمیں و غزلیں شامل ہوتی تھیں۔ اس رسالے کا مقصد ٹمپرنس پرچار تھا اور ہر شخص اس سے مستفید ہو سکتا تھا۔

۱۹۱۲ء میں حیدرآباد دکن سے غلام محمد وفا حیدرآبادی کی ادارت میں رسالہ "تاج" جاری ہوا۔ اس رسالے میں علم و ادب کے معیاری مضامین شامل ہوتے تھے اور کتابت و طباعت کا معیار بھی عمدہ تھا۔

مدراس سے ۱۹۱۲ء میں منشی محمد انصر الدین بے خود کی زیر ادارت رسالہ "المضمون" جاری ہوا، جس میں علمی، ادبی، تاریخی، مذہبی اور تمدنی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد اردو زبان کا فروغ اور مشرقی و مغربی خیالات کا موازنہ تھا۔

کان پور سے ۱۹۱۳ء میں حکیم ابوالعلامہ احمد ناطق لکھنوی کی ادارت میں رسالہ "العلم" منظر عام پر آیا، جس میں تاریخ، تصوف، تنقید، ناول، نظم، شاعری، اردو صرف و نحو اور دیگر ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۱۳ء میں ہی آگرہ سے رسالہ "نقاد" کا اجراء ہوا، جس کے مدیر سید نظام الدین دلگیر اکبرآبادی تھے۔ اس رسالے کے مقاصد میں فن تنقید کا احیاء و فروغ، اور اردو زبان و ادب کی قدردانی تھی، اس رسالے کے مضامین خالص علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی ہوتے تھے۔

فیروز پور سے ۱۹۱۳ء میں رسالہ "کیلاش"، ناداں فیروزآبادی کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس رسالے میں طرحی غزلوں کے علاوہ قلمی، ادبی، اخلاقی اور طنز و مزاح پر مبنی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۱۴ء میں پٹھان کوٹ سے ابورشید عبدالمجید سالک بٹالوی کی ادارت میں رسالہ "فانوس خیال" جاری ہوا جس میں اعلیٰ درجے کے مضامین، نظموں، افسانوں اور قدیم و جدید شاعری کے ذریعے اردو زبان و ادب کو فروغ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اردو میں دیگر زبانوں کی خوبیوں کا اجتماع اور اس میں علمی، اخلاقی، فلسفیانہ، تاریخی اور تمدنی خصوصیات پیدا کرنا اس رسالے کے مقاصد میں شامل تھا۔

۱۹۱۷ء میں لاہور سے جاری ہونے والا رسالہ "گلشن" نظم و نثر کا عمدہ مجموعہ تھا۔ اس میں مشہور شعراء کے کلام کے علاوہ علمی، ادبی اور ظریفانہ مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انگریزی ناولوں اور افسانوں کے تراجم بھی شامل ہوتے تھے۔

۱۹۱۹ء میں منشی محمد الدین فوق کی ادارت میں والیٔ حیدرآباد "دکن نظام" کی یاد میں رسالہ "نظام"، لاہور سے جاری کیا گیا، جس میں ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد سے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اردو کا ترجمان کا رسالہ "اردو" جاری کیا۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد اردو کو کسمپرسی کی حالت سے نکال کرنئے سرے سے علم وتحقیق کی راہ پر گامزن کرنا تھا اور اس میں انگریزی زبان کے استعمال کو کم سے کم کر کے اردو الفاظ کے استعمال کی روایت کو رواج دینا تھا۔ اس رسالے میں بہت پر تحقیق ادبی مضامین شائع کیے گئے۔

۱۹۲۲ء میں بھوپال سے نیاز فتح پوری کی ادارت میں رسالہ "نگار" جاری ہوا، جو ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ تھا۔ اس رسالے میں نظم ونثر کا معیار انتہائی بلند تھا اور خاص نمبروں اور سالناموں کی روایت کے باعث بھی یہ رسالہ اپنے ہم عصر ادبی رسائل میں ممتاز تھا۔

۱۹۲۹ء میں علامہ تاجور نجیب آبادی نے لاہور سے "ادبی دنیا" کا آغاز کیا، جو اپنے ادبی مواد کے باعث خاص اہمیت کا حامل تھا۔ اس رسالے کے مقالے بہت دقیق ہوتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۳۳ء تک شعروادب کا نمایاں علمبردار رہا، تاہم دوسری عالمی جنگ کے باعث رسالے کی ساکھ متاثر ہوئی لیکن مضامین کا معیار حسب سابق رہا۔ اس کی کتابت وطباعت کا معیار بھی بہترین تھا۔

۱۹۲۳ء میں ڈھاکہ سے خواجہ محمد عادل کی ادارت میں رسالہ "جادو" کا اجراء ہوا، جس کا مقصد بنگال میں اردو زبان کی ترقی وفروغ اور بنگال کے ادیبوں، شعراء اور دیگر ہنرمندوں کے کارناموں کو دنیا کے سامنے لانا تھا۔

امروہہ سے ۱۹۲۴ء میں محمد فیاض علی خان امروہوی کی ادارت میں رسالہ "معراج الکلام" جاری ہوا۔ یہ رسالہ انجمن معراج الادب امروہہ کا ترجمان تھا جس میں ادبی، اخلاقی اور تمدنی مضامین کے علاوہ امروہہ کے شاعروں کا کلام شائع ہوتا تھا۔

۱۹۲۴ء میں ہی لاہور سے حکیم محمد یوسف کی زیرادارت رسالہ "نیرنگ خیال" جاری ہوا۔ یہ رسالہ اپنے وقت کا بہترین علمی، تاریخی وادبی رسالہ تھا۔ رسالے کی ظاہری حالت بھی شاندار تھی۔

امرتسر سے ۱۹۲۴ء میں رسالہ "کشاف" شایع ہوا۔ اس کے مدیر محمد غریب تھے۔ یہ رسالہ دو مستقل ابواب یعنی ادبیات اور علمیات کے تحت چھپتا تھا۔ حصہ ادبیات میں ادبی مضامین ،شعروشاعری، داستانیں، افسانے اور کہانیاں جبکہ حصہ علمیات میں مختلف علوم اور شعبہ جات، ایجادات کے حوالے سے مضامین شامل ہوتے تھے۔

۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے "سہیل" نامی رسالہ، علی گڑھ کے مشاہیر اردو کی روایات کو برقرار رکھنے اور اردو کو مقبول و معروف بنانے کے لیے جاری کیا گیا۔ رسالے کے بانی ومدیر سید احمد صدیقی تھے۔

ہوتی (مردان)، صوبہ سرحد سے ۱۹۲۶ء میں ابوالمعانی آزاد کی ادارت میں رسالہ "افغان" جاری ہوا۔ جس میں علمی وادبی، مذہبی، تاریخی، طبی، اخلاقی، سائنسی اور دیگر موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

لاہور سے ۱۹۲۶ء میں ساغر نظامی کی ادارت اور علامہ سیماب اکبرآبادی کی ادارت میں رسالہ "پیمانہ" جاری کیا گیا۔ جس میں اعلیٰ پائے کے مضامین ادب، افسانے، ڈرامے اور شعر وشاعری وغیرہ شامل اشاعت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ علمی وتاریخی مضامین اور اہم واقعات اور خبریں بھی رسالے کا حصہ ہوتی تھیں۔

کلکتہ سے مولانا حسرت کاشمیری کی ادارت میں مشرقی ہندوستان کا واحد مصور صحیفہ، "آفتاب"، ۱۹۲۶ء میں جاری ہوا، جس میں اعلیٰ پائے کے دلچسپ ادبی مضامین، افسانے، نظمیں اور مشہور مصوروں کے شاہکار شامل اشاعت ہوتے تھے۔

۱۹۲۸ء میں دہلی سے سید وصی اشرف صبوحی کی ادارت میں رسالہ "ارمغان" جاری ہوا۔ یہ ایک ادبی اور مصور جریدہ تھا، جس میں ادبی مضامین اور افسانوں کے ساتھ شاعری بھی موجود ہوتی تھی۔ رسالے کی ظاہری صورت بھی عمدہ تھی۔

۱۹۲۹ء میں انجمن اخوان الصفہ کا ترجمان رسالہ "بصر" لکھنؤ سے جناب حکیم شیفتہ کی ادارت میں جاری ہوا، اس رسالے میں ادبی، علمی وتاریخی مضامین کے علاوہ غزلوں اور افسانوں کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔

۱۹۳۰ء میں دہلی سے شاہد احمد دہلوی کی ادارت میں رسالہ "ساقی" کا اجراء ہوا۔ جس کا مقصد اردو ادب میں نظم ونثر اور تحقیقات کا فروغ اور پاکیزہ ادب کا ذوق پیدا کرنا تھا۔ یہ ایک خالص علمی وادبی رسالہ تھا، جس میں سیاسیات کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

اس طرح ادبی رسائل کی ایک نہ ختم ہونے والی فہرست ہے جو برصغیر پاک وہند میں جاری ہوئے۔ اگر ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ صحافت کی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک ہندوستان کے مختلف شہروں سے ۱۳۰ کے لگ بھگ ادبی رسائل کا اجراء ہوا۔ یہ تمام رسالے ماہنامے تھے، چند ایک سہ ماہی جبکہ پندرہ روزہ اور دو ماہی رسالوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

یہ ادبی رسائل ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً: کلکتہ، لاہور، گوجرانوالہ، آگرہ، لکھنؤ، بمبئی، شاہ جہاں پور، بہار شریف، علی گڑھ، جے پور، سکندر آباد، دہلی، الہٰ آباد، جالندھر، بھوپال، سہارن پور، لدھیانہ، حیدرآباد دکن، مدراس، پٹیالہ، کان پور، انبالہ، فیروز پور، دیوبند، پٹھان کوٹ، محمود آباد، امرتسر، مرادآباد، ناگ پور، اورنگ آباد، گورکھ پور، ڈھاکہ، پٹنہ، احمد آباد، ہوتی (مردان)، بنجور اور پشاور سے شائع ہوئے۔

قیمت اور ضخامت کے لحاظ سے ہر رسالہ دوسرے سے مختلف نظر آیا۔ کاغذ، طباعت اور پیش کش کا معیار بھی ہر رسالے کا جدا تھا اور مضامین ومندرجات میں بھی بہت زیادہ تنوع دیکھنے میں آیا۔ تاہم برصغیر کے عوام میں اردو زبان وادب کے فروغ میں یہ رسائل اپنی ذمہ داریاں بھرپور طریقے سے پورا کرتے ہوئے نظر آئے۔ اگرچہ خواندگی کی شرح کم ہونے کے باعث یہ رسائل محض علمی وادبی حلقوں تک ہی محدود رہے اور عام قارئین ان سے بہت زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے، تاہم پھر بھی ان کے اثرات اس دور میں بخوبی دیکھے گئے اور ادبی رسائل کے اجراء کی یہ روایت قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہی، جس کے نتیجے میں لاتعداد ادبی رسائل موجودہ پاکستان کے کونے کونے سے منظر عام پر آئے اور اردو زبان وادب کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

ذیل میں چند اہم ادبی رسائل کا جائزہ اور ان کے مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

"رسالہ انجمن پنجاب"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پنجاب میں علم وادب اور آگہی کا شعور بیدار ہونا شروع ہوا اور اس شور کو ایک بہتر پلیٹ فارم مہیا کرنے کی غرض سے لاہور میں ڈاکٹر لائٹنر (Lietner) کی صدارت میں "انجمن اشاعت مطالب مفید و پنجاب" کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی جو "انجمن پنجاب" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس انجمن میں پنجاب کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ پنجاب یونی ورسٹی کالج کا سنگ بنیاد بھی اسی انجمن کے زیر اہتمام رکھا گیا، جس نے بعد میں پنجاب یونی ورسٹی کی حیثیت اختیار کر لی۔

انجمن پنجاب کے مقاصد حسب ذیل تھے:

۱۔ قدیم مشرقی علوم کا احیاء

۲۔ دیسی زبانوں کے ذریعے عام علمی ترقی

۳۔ حکومت کو رائے عامہ سے آگاہ کرنے کے لیے علمی ترقی، معاشرتی مسائل اور نظم و نسق کے مسائل پر تبادلۂ خیال کرنا۔

۴۔ پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے ملکوں کے مابین تعلقات مستحکم کرنا۔

۵۔ ملک کی عام ترقی اور شہری نظم و نسق کی درستی کے لیے کوشاں رہنا۔

۶۔ حاکم و محکوم میں رابطہ اتحاد و موانست کا ترقی دینا۔۲۱

۱۸۶۵ء میں اس انجمن کی زیر نگرانی "رسالہ انجمن پنجاب" جاری ہوا۔ اس انجمن کے معتمد مولانا محمد حسین آزاد دہلوی تھے، جو اس اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تھے۔ مطبع انجمن پنجاب لاہور میں چھپتا تھا۔ مہتمم ڈاکٹر جی ڈبلیو لائیٹنر، رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی، کالج لاہور تھے۔۲۲

رسالہ "انجمن پنجاب" میں علم و ادب، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، معاشیات اور اردو ادب پر مضامین شائع کیے جاتے تھے۔ اس میں انجمن کے اجلاسوں اور مشاعروں کی روداد شائع ہوتی تھی۔ انگریزی اور ہندی میں کبھی کبھار چار پانچ صفحے کا ایک مختصر سا مضمون شائع ہو جاتا تھا۔ اس رسالہ کے مضمون نگار بابو چندر ناتھ متر، پنڈت من پھول، مولانا محمد حسین آزاد، منشی دیوان چند، برکت علی خاں اور مولوی علمدار حسین وغیرہ تھے۔۲۳

رسالہ "انجمن پنجاب" کے اجراء کا بنیادی مقصد پنجاب میں علم و ادب کے فروغ کے ساتھ ساتھ انجمن کے مقاصد اور مشاغل سے لوگوں کو آگاہ کرنا تھا۔

اگست ۱۸۶۸ء تک رسالہ "انجمن پنجاب" میں انجمن کے جلسوں کی کارروائی برابر شائع ہوتی تھی اور جو مضمون جلسہ میں سب سے زیادہ سراہا جاتا تھا اسے رسالے میں شائع کیا جاتا۔ یہ مضمون عموماً علمی یا ادبی ہوتا تھا اور بیشتر مضامین مولانا محمد حسین آزاد ہی کے ہوتے تھے، لیکن اگست ۱۸۶۸ء سے رسالے کا انداز بدل گیا۔ جلسے کی کارروائی کی بجائے علمی اور ادبی مضامین اس رسالے میں شائع کیے جانے لگے جس سے رسالے کا ادبی وقار بلند ہوگیا۔[۲۴]

دیگر علمی و ادبی مضامین کے علاوہ اس رسالے میں شعر و شاعری کے بھی بے شمار نمونے شائع کیے گئے۔ خصوصاً نیچرل شاعری کا آغاز محمد حسین آزاد کے ان خیالات سے ہوا، جن کا اظہار انہوں نے اپنے مختلف مضامین میں کیا اور یہ مضامین رسالہ "انجمن پنجاب" میں شائع ہوئے۔ ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"شاعر کو چاہیئے کہ طبیعت اس کی زیادہ تر قابل، صاحب قبولیت اور اثر پذیر ہو۔ جس حالت کو بیان کرے، اس کا اثر پہلے اس کے دل پر چھا جائے۔ مثل آب رواں کا جو رنگ اس میں پڑ جاتا ہے، وہی اس کا رنگ ہو جاتا ہے اور جس چیز پر پڑے، اسے ویسا ہی رنگ دیتا ہے، جب دوسروں کے دل کو نرم کرے گا۔ اگر لوگوں کی طبیعت خوشی کی حالت میں لانی چاہے تو چاہئے کہ پہلے آپ مارے خوشی کے باغ باغ ہو جائے۔ جو کچھ کہنا ہے، جب اس کے اپنے دل پر اثر نہیں تو دوسروں پر کیا ہوگا"[۲۵]

بقول امداد صابری:

"معلوم دیتا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے بعد یہ رسالہ شعر و شاعری کا گلدستہ بن گیا تھا۔ اس میں صرف شعراء کا کلام شائع ہونے لگا تھا۔ زبان کی بھی تخصیص نہیں تھی۔ اردو، فارسی، عربی، حتیٰ کہ پشتو کے شاعر بھی اس میں جلوہ افروز ہیں"[۲۶]

مختلف شاعروں پر مضامین بھی رسالہ انجمن پنجاب میں شائع ہوتے رہے۔ اس کا مقصد بھی اردو شاعری کی مروجہ اقدار کو جلا دینا تھا۔ مثلاً شاہ حاتم، استاد مرزا، رفیع سودا (رسالہ انجمن پنجاب شمارہ ستمبر ۱۸۶۷ء) اور شاہ ہدایت اللہ خان (ستمبر ۱۸۶۷ء) وغیرہ شائع ہوئے۔[۲۷]

عام خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ۱۸۷۱ء میں یہ رسالہ بند ہوگیا اور اس کی جگہ "ہمائے پنجاب" جاری ہوا۔ مگر جلد ہی اخبار "انجمن پنجاب" نے "ہمائے پنجاب" کی جگہ لے لی۔ اس اخبار کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کی ضخامت ۱۶ صفحات تھی۔ مدیر ماسٹر پیارے لال آشوب اور معاون محمد حسین آزاد تھے۔ اس میں علمی مضامین، مراسلات، انگریزی اور عربی اخبارات کے تراجم، غرض ہر نوع کی معلومات شائع ہوتی تھیں۔[۲۸]

تاہم مولانا امداد صابری کے بقول ان کے والد مولوی اشرف الحق صاحب مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں اس رسالے کے نومبر، دسمبر ۱۸۷۴ء اور اپریل ۱۸۸۰ء کے دو پرچے موجود ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس رسالے کے ۱۸۷۱ء میں بند ہو جانے کی بات چنداں درست نہیں۔

رسالہ "انجمن پنجاب" اس دور میں پنجاب کی فضاؤں میں علم وادب اور آگہی کا علم بلند کرنے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوا اور اس کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

مولانا محمد حسین آزاد:۔

مولانا محمد حسین آزاد ۱۸۳۰ء یا ۱۸۳۲ء کے لگ بھگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولوی محمد باقر تھا، جنھوں نے ۱۸۳۷ء میں دہلی سے پہلا اخبار "اردو اخبار" جاری کیا۔ مولوی محمد باقر کے استاد ذوق سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ محمد حسین آزاد نے ان کی ہی زیر نگرانی تربیت پائی۔ بعد ازاں دہلی کالج میں داخلہ لیا، جہاں مولوی نذیر احمد، ذکاءاللہ اور پیارے لال آشوب سے ہم سبق ہونے کا موقع ملا۔ ۱۸۵۴ء میں مولانا بھی اپنے والد کے اخبار سے بحیثیت مدیر منسلک ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حکومت کے خلاف مضامین کی اشاعت پر مولانا محمد باقر کو گرفتار کر کے گولی مار دی گئی، جس کے بعد مولانا محمد حسین آزاد روپوش ہو کر لکھنؤ چلے آئے۔

۱۸۶۴ء میں مولانا لاہور آ گئے اور مولوی رجب علی کی سفارش پر انگریزوں کے ایک تعلیمی ادارہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ میجر فلر ڈائرکٹر رشتہ تعلیم کو مولانا کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو انہوں نے ان کو سرکاری اخبار "اتالیق پنجاب" کا نائب مقرر کر دیا۔

۱۸۶۵ء اور ۱۸۸۳ء میں مولانا محمد حسین آزاد کو کابل اور بخارا کا سفر کرنے کا موقع ملا، جہاں انہوں نے جدید فارسی سیکھی اور اپنی علمی استعداد میں اضافہ کیا۔

۱۸۷۳ء میں کرنل ہالرائیڈ نے "انجمن پنجاب" کی بنیاد ڈالی تو مولانا محمد حسین آزاد بھی اس سے منسلک ہوئے۔ اس انجمن کے تحت ہونے والے مشاعروں میں مولانا آزاد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور متعدد اخلاقی اور نیچرل نظمیں تخلیق کیں۔

مولانا محمد حسین آزاد گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی، فارسی کے پروفیسر بھی رہے۔ ۱۸۸۰ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی پر مولانا محمد حسین آزاد کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا۔

مولانا محمد حسین آزاد ایک اعلیٰ ذوق کے حامل انسان تھے لیکن ان کی پوری زندگی مصائب و آلام میں گزری۔ ان کی والدہ کا انتقال چار سال کی عمر میں ہو گیا، والد کا آخری دیدار بھی ڈھنگ سے نہ کر سکے اور اپنے چودہ بچوں کو اپنے آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا، لیکن جب ۱۸۸۹ء میں ان کی وہ جواں سال بیٹی جو ان کے تصنیفی کاموں میں ان کی مددگار و معاون تھی خالق حقیقی سے جا ملی تو مولانا آزاد کا دماغی توازن بگڑ گیا اور ان پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی، جو مرتے دم تک برقرار رہی اور آخر کار ۲۲ فروری ۱۹۱۰ کو اردو علم و ادب کا یہ درخشاں ستارہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔

مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور اور قابل ذکر تصانیف میں آب حیات، نیرنگ خیال اور سخن دان فارس وغیرہ شامل ہیں۔

دل گداز:۔

۲۵ جنوری ۱۸۸۷ء کو لکھنؤ سے ماہنامہ رسالہ "دل گداز" کا اجراء ہوا، جس کے مالک و مدیر مولانا عبدالحلیم شرر، سیکریٹری انجمن دارالسلام تھے۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا اور یہ قومی پریس میں طبع ہوتا تھا۔۲۹ تاہم بعد میں اس کی طباعت دل گداز پریس، لکھنؤ میں ہونے لگی۔

دل گداز اپنے وقت کا ایک بہترین رسالہ تھا، جس میں ادبی، سیاسی مضامین کے ساتھ ساتھ تاریخی مضامین و واقعات اور معلومات دی جاتی تھیں۔

اس رسالے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عبدالحلیم شرر کے مضامین کے علاوہ کسی دوسرے مصنف کی تحریریں شائع نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا اس بات کا تذکرہ کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"دل گداز کی خصوصیت ہے کہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے، خاص ایڈیٹر کے دماغ و قلم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں اور کسی کے مضامین نہیں ہوتے۔ یہ شرط بجائے خود سخت ہے۔ بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جزو کا رسالہ نکال دیا جاتا، جس میں ملک کے بہت سے انشاء پردازوں کے مضامین جمع کر دیئے جاتے، لیکن دلگداز کو اپنی اس یک رنگی پر ناز ہے اور دست بہ دعا ہے کہ خدا اس کو آخر تک نباہ دے۔۔۔"۳۰

دلگداز کی ایک خصوصیت اس میں چھپنے والے مولانا کے بالاقساط ناول تھے، جو قارئین میں بہت مقبول تھے۔ دلگداز کے مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں درج ہے:

"دل گداز! دل گداز! دل گداز!!!

۱۸۸۷ء سے مولانا محمد مولوی محمد عبدالحلیم شرر کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے۔ مضامین ہیں تیر و نشتر یا کسی چشم فتاں کی نگاہ ناز ہیں جو دل میں اترتی اور دل ہی دل میں رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ درجے کے ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے ہیں۔ ختم سال پر بشرط خریداری سال مابعد مولانا شرر کا ایک نیا مکمل ناول خریداران دل گداز کو مفت دیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک"۳۱

اسی طرح نومبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں منیجر دل گداز کی جانب سے اشتہار کچھ یوں دیا گیا:

"مولانا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ، جس نے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا۔ خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو مولانا ممدوح کا ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے۔ اور وہی سال مابعد کے چندے اور محصول ڈاک پر وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے"۳۲

ناولوں کی تصنیف اور مقبولیت کے حوالے سے مولانا عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

"اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ انھیں ناولوں کی وجہ سے ناولوں کی تصنیف ہونے اور ملک میں ان کے مطالعہ کا شوق بڑھنے کی بنیاد پڑی۔ انھیں ناولوں کے ذریعہ سے ملک میں تاریخ کے پڑھنے اور واقعات عالم سے دل چسپی حاصل

کرنے کا شوق پیدا ہوا اور ان ہی ناولوں اور دل گداز کے صفحوں نے وہ رنگ پیدا کیا جس پر موجود ادب اردو کی بنیاد قائم ہوئی" ۳۳

ستمبر ۱۹۱۳ء میں اس رسالے کی لکھائی اور چھپائی کے معیار میں بہتری لائی گئی، جس کا ذکر شمارے میں کچھ ان الفاظ میں کیا گیا:

"ہماری کوشش کوئی چیز نہیں۔ یہ آپ ہی کی ہمدردی، محبت اور عنایت کی برکت ہے۔۔۔ اسی ستمبر کے پرچے کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اب دل گداز کے کاغذ، لکھائی اور چھپائی میں کس قدر اصلاح ہو گئی ہے آئندہ کوشش رہے گی کہ پرچہ اسی نمونے پر نکلے" ۳۴

دلگداز میں مراسلات بھی شائع ہوتے تھے اور ان کی اشاعت کی پالیسی کافی سخت تھی۔ مینجر دلگداز ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مراسلت میں لازمی طور پر اپنے پرچے کے نمبر بتایا کیجئے اور نمبر نہ یاد ہو تو نام اور پتہ پورا اور صاف حرفوں میں تحریر فرمایا کریں۔ بعض حضرات دستخط بنا دیتے ہیں۔ معرض پتہ نہیں لکھتے۔ ایسی صورت میں نہ جواب دیا جا سکتا ہے اور نہ تعمیل ہو سکتی ہے" ۳۵

دلگداز میں تاریخی ناولوں کے علاوہ ادب، شعر و شاعری اور سیاست پر بھی قلم اٹھایا جاتا تھا اور یہ تمام مضامین مولانا عبدالحلیم شرر کے قلم سے تحریر کیے جاتے تھے۔ یہ اپنے وقت کا ایک منفرد رسالہ تھا۔ جس کو ہمیشہ روشن الفاظ میں یاد رکھا جائے گا۔ یہ رسالہ معمولی تعطل کے ساتھ ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ ۳۶

<u>عبدالحلیم شررؔ:۔</u>

عبدالحلیم شررؔ ۱۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ وہ بچپن میں عام بچوں کی طرح تھے۔ پانچ برس کے ہوئے تو نانا کے بھائی مولوی حفیظ الدین کے پاس مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ یہاں کم از کم تین سال تک پڑھتے رہے۔ پڑھنے کی رفتار سست تھی۔ تفضل حسین کو بیٹے کی تعلیم کا مسئلہ پریشان کرنے لگا تو انھوں نے عبدالحلیم کو مٹیا برج بلا لیا۔ یہ ۱۸۶۷ء کا واقعہ ہے جب شررؔ کی عمر سات سال چند ماہ تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے قرآن مجید ختم کیا پھر دو سال میں گلستان، بوستان اور شرح مائتہ عامل ختم کرایا۔ اسکے بعد خطاطی کی تعلیم حاصل کی۔ ان دنوں مٹیا برج میں سید علی حیدر نظم طباطبائی بھی قیام فرماتے تھے۔ ان سے ابتدائی درسی کتابیں اور تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھوائی۔

۱۸۷۵ء میں عبدالحلیم کی عمر پندرہ برس تھی کہ انہیں اپنے نانا منشی قمر الدین کی قائم مقامی مل گئی۔ یہی عبدالحلیم کی پہلی ملازمت تھی، شرر کے والد صاحب نے ۱۸۷۷ء میں شررؔ کو لکھنؤ بھیج دیا۔

مولوی عبدالحلیم کو مولوی عبدالحلیم شررؔ بنانے میں منشی احمد علی کسمنڈی کی تحریک نے کام کیا۔ شررؔ کا تخلص ان ہی کا تجویز کردہ تھا۔ انہوں نے ہی شررؔ کو اخبار کی دنیا اور مضمون نگاری کی طرف متوجہ کیا۔

دہلی میں شرر کا قیام ڈھائی سال سے زیادہ نہ رہا۔ ۱۸۸۰ء کے اواخر میں لکھنؤ لوٹ آئے اور اپنے مشفق مولوی عبدالحئی کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران فکر معاش دامن گیر ہوئی تو مولوی عبدالحئی نے لکھنؤ کے مشہور ناشر اور مالک مطبع منشی نول کشور کے نام سفارشی خط لکھ دیا اور پروف ریڈنگ کے کام کی سفارش کردی جسے شررؔ مولانا حامد حسین کے یہاں ملازمت کے دوران سیکھ چکے تھے۔ مگر منشی نول کشور نے انہیں اودھ اخبار میں مضامین لکھنے کی جانب راغب کیا۔ انہوں نے ۱۸۸۱ء میں ۳۰ روپے ماہوار پر شرر کو اودھ اخبار کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا۔

اودھ اخبار سے وابستگی کے بعد شررؔ کے تخلیقی جوہر کھلنے لگے۔ شررؔ نے ادبی و علمی اور فلسفیانہ خیال کے مختلف موضوعات پر برابر مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔

شررؔ کی ناول نگاری ابتدائی مراحل میں تھی کہ منشی نثار حسین کے توسط سے اٹاوہ کے مولوی بشیر الدین سے ملاقات ہوئی۔ وہ "البشیر" نکالتے تھے۔ انہوں نے شررؔ کو سمجھایا کہ وہ بھی سولہ صفحات کا ایک ماہانہ رسالہ نکالیں اور رسالے کا چندہ ایک روپیہ مقرر کریں۔ یار دوستوں نے مل کر پانچ روپے اکھٹے کیے اس حوالے سے شررؔ لکھتے ہیں:

"انہیں پانچ روپوں سے میں نے "دل گداز" کا پہلا اشتہار چھپوا کر "پیام یار" میں شامل کر دیا، انہیں روپوں سے دل گداز کا پہلا نمبر جنوری ۱۸۸۷ء میں چھپا۔

شررؔ کے ناولوں کی تعداد ۳۷ ہے۔ شررؔ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں یکے بعد دیگرے کئی رسالے جاری کئے جن میں ماہنامہ الفرقان، ماہنامہ دل افروز، ماہنامہ مورخ اور ہفت روزہ ظریف شامل ہیں۔

شررؔ کی وفات دسمبر ۱۹۲۶ء میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۶۶ برس کی تھی۔ شررؔ کی ادبی شخصیت رنگا رنگ اور ہشت پہلو ہے لیکن ان کی تمام تر شہرت کا دارومدار تاریخی ناولوں پر ہے وہ مضمون نگار، انشاپرداز، رپوتاژ نویس، صحافتی، شاعر، ادیب اور مورخ بھی رہ چکے ہیں۔ ۳۷

مخزن:۔

اپریل ۱۹۰۱ء میں لاہور سے ایک ادبی رسالے "مخزن" کا اجراء ہوا۔ جس کے مالک و ایڈیٹر شیخ عبدالقادر صاحب تھے۔ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ دو قسم کے کاغذوں پر طبع ہوتا تھا۔ اعلیٰ قسم کے کاغذ کا سالانہ چندہ بلا محصول تین روپے اور معمولی درجہ کے کاغذ کا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ رسالے کا محصول ڈاک چھ آنے تھا اور نمونہ کے پرچہ کی قیمت چار آنہ تھی۔ ۳۸

یہ رسالہ ابتداء میں خادم التعلیم پنجاب پریس لاہور سے طبع ہوتا تھا اور بعد میں کچھ عرصہ "مخزن" پریس دہلی سے بھی چھپ کر شائع ہوا رسالے کا سائز ۱۸x۲۲ تھا۔

"مخزن" کا اجراء ایک ایسے دور میں ہوا، جب برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان نامساعد حالات سے دوچار تھی۔ رسالے کے اجراء کے حوالے سے شیخ عبدالقادر کہتے ہیں:

"میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسا رسالہ جاری کیا جائے جو مذہبی اور سیاسی بحثوں سے، جو عموماً جھگڑے کا باعث بنتی ہیں۔۔۔ الگ رہ کر صرف ادبی خدمات تک اپنی مساعی محدود رکھے"۳۹؎

"مخزن" کے اجراء کے پیچھے جو عوامل اور مقاصد کارفرما تھے، ان میں سب سے اہم اردو زبان و ادب کی خدمت و ترویج اور زبان و بیان کی اصلاح تھا۔ دیگر مقاصد میں مشرقی تہذیب و تمدن کو اجاگر کرنا اور قارئین میں اس کا شعور بیدار کرنا تھا۔ "مخزن" بناوٹی ادب کے بجائے سادگی و سلاست کا حامی تھا۔

پہلے شمارے میں مدیر فرماتے ہیں:

"اردو علم و ادب کو آج تک اس بناوٹ کے شوق نے نہایت نقصان پہنچایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان ابھی ایک نوعمر زبان ہے اور مقدار کے اعتبار سے اس کے ادب کا ذخیرہ کچھ تھوڑا نہیں۔۔۔ جو آثار کسی لٹریچر کی ترقی کے ہوتے ہیں، سب کے سب موجود ہیں۔ مگر صرف ذخیرہ کی کمیت پر نظر ڈالنے اور کیفیت لحاظ نہ کرنے سے صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا کہ ذخیرہ کس پایے کا ہے۔۔۔ ہم آج سادگی کی اصلی دلفریبیوں کے قدردانوں کو صلائے عام دیتے ہیں کہ اگر سادگی اور بناوٹ کی جنگ دیکھنا ہے تو ہمارے پاس آئیں اور مخزن کے صفحوں میں دیکھیں۔ بناوٹ کو اپنی قدامت پر ناز ہے اور ہوسکتا ہے، اس کو اپنے دلدادوں کا گھمنڈ ہے اور بجا ہے، مگر سادگی کو اپنی سچائی پر بھروسہ ہے اور درست ہے اور سب سے بڑی تسلی اسے یہ ہے کہ زمانہ کی رفتار اس کے موافق ہے"۴۰؎

اپنے ہم عصر رسائل کے مدیران کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے پہلے شمارے میں شیخ عبدالقادر اس عزم کا اظہار کرتے ہیں:

"چونکہ ان کی سرتوڑ محنتوں سے اب راستہ بھی آسان ہوگیا ہے۔ ہم بھی ان طریقوں میں عزم کرسکتے ہیں اور اپنی ناچیز حیثیت کے موافق زبان اردو کی خدمت کرنے کے عشق میں اس امر کی پرواہ نہیں کرتے کہ راستہ میں کیا دقتیں اور دشواریاں پیش آئیں گی اور ہم کہاں تک اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے، صرف یہ جانتے ہیں کہ اردو خوان اصحاب کے لیے آسان اور تفریحی مطالعہ کا کافی سامان موجود نہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ "تہذیب" اور "حسن" کے برابر نہ سہی۔ اس سے کم، ہم کہاں تک اس سامان کے مہیا کرنے میں مفید ہوسکتے ہیں"۴۱؎

رسالے کا نام "مخزن" تجویز کرنے کے حوالے سے شیخ عبدالقادر کہتے ہیں:

"بہت سے ناموں کو سوچنے کے بعد اس کے حق میں فیصلہ اس خیال سے کیا کہ یہ لفظ جامع تھا اور مختصر انگریزی ڈکشنری سے مجھے یہ پتہ چلا کہ میگزین جو انگریزی رسالوں کے لیے مستعمل ہے، وہ دراصل عربی لفظ "مخزن" سے مشتق ہے۔ اس لیے اردو رسالے کے لیے موزوں معلوم ہوا۔ بعد ازاں قبول نے اپنی مہر اس پر لگا دی" ۴۲

مخزن ایک اعلیٰ پائے کا علمی وادبی رسالہ تھا، جس کے سرورق پر درج الفاظ کچھ یوں تھے:

"اردو علم وادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ"

اس طرح ان علمی وادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مدیر مخزن نے اس کی پالیسی کچھ یوں ترتیب دی:

۱۔ مخزن میں جدید ذہنی رو کو نمائندگی دی جائے گی لیکن یہ جدت قدیم مذاق کے منافی نہ ہوگی۔ اردو انشاء پردازی کے ضروری اصولوں سے انحراف نہیں کیا جائے گا۔ انگریزی الفاظ ومحاورات اور بندشوں کو بلا سوچے سمجھے اردو میں داخل کرنے کا جو رجحان بڑھ رہا ہے، اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی اور انگریزی الفاظ کے ترجمے کو ترجیح دی جائے گی، بشرطیکہ پورا مفہوم ادا ہو رہا ہو۔

۲۔ اس کے مضامین کسی ایک مذہب وملت کے مذاق تک محدود نہیں ہوں گے، بلکہ ایسے موضوعات سے بحث کیے جائیں گے، جو ہندو اور مسلمان بلکہ ہر مذہب کے ماننے والوں کی یکساں دلچسپی کے حامل ہوں گے۔

۳۔ فن تقریر وفصاحت جو مغرب میں سیکھنے سکھانے کا فن بن چکا ہے، اسے ہندوستان میں رواج دینے کی کوشش کی جائے گی۔ اس مقصد کے لیے مشہور مقررین کی تقریروں کے ترجمے بامحاورہ اردو میں دیئے جائیں گے، تاکہ ہندوستان میں اس فن کے طلباء کو فائدہ پہنچ سکے۔

۴۔ انگریزی نظموں کے اسلوب میں لکھی جانے والی طبع زاد نظمیں، انگریزی نظموں کے بامحاورہ ترجمے، اخلاقی نظمیں اور پرانے رنگ کی نظموں کا انتخاب بھی شائع کیا جائے گا۔ ۴۳

"مخزن" کے پلیٹ فارم سے بے شمار نامور ادیب اور شعراء ابھرے، جنھوں نے اردو زبان وادب کی بے پناہ خدمت کی۔ ان میں علامہ اقبال، غلام بھیک نیرنگ، چوہدری خوشی محمد ناظر، مولوی احمد دین، قاری سرفراز حسین، حسرت موہانی، سید سلیمان ندوی، منشی دیا نرائن نگم، مولانا ظفر علی خان، سید سجاد حیدر یلدرم اور دیگر شامل ہیں۔ ۴۴

"مخزن" کی سالگرہ کے موقع پر مارچ ۱۹۲۹ء کے شمارے میں سید سلیمان ندوی، ایک مکتوب میں اپنی یادداشتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غالباً ۱۹۰۱ء تھا۔ ندوۃ العلماء کا سب سے عظیم الشان اجلاس عظیم آباد، پٹنہ میں منعقد تھا۔۔۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس جلسہ میں دو اہم اردو صحیفوں کے اجراء کا اعلان ہوا تھا۔ جن میں ایک اس زمانے کے ہردلعزیز، اتحاد اسلامی دعوت کے اول داعی انشاء اللہ خان مرحوم کے "وطن" کا اور دوسرے شیخ عبدالقادر کے "مخزن" کا۔۔۔۔ اجلاس کے بعد ہی مجھے لکھنؤ میں بغرض تعلیم ندوہ آنے کا اتفاق ہوا اور ادھر لاہور سے مخزن نکلا اور اس شان سے نکلا کہ تمام اہل نظر پکار اٹھے۔

؎ اس طرح کا جمال ہو، ایسا شباب ہو

اس وقت تک انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب اردو انشاء پردازی سے ناآشنا تھے۔مخزن پہلی بزم سخن تھی، جس میں نئے اور پرانے انشاء پرداز اکھٹے ہوئے ۔ جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے اردو میں سخن وری اور سخن سرائی کی طرف توجہ کی۔ اس عہد کے پرانے تجربہ کار اہل قلم اس زمانہ کے شوخ اور البیلے مضمون نگار اور شاعر تھے۔ ڈاکٹر سر اقبال، چودھری خوشی محمد ناظر، میر نیرنگ، سید حسرت موہانی، مولانا محی الدین آزاد المعروف مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا غلام یسٰین آہ دہلوی (برادر مولانا ابوالکلام) وغیرہ اس بزم کے سخنور اور نثار تھے"۴۵

مخزن کی ادارت میں شیخ محمد اکرام بطور مدیر معاون شامل تھے۔۱۹۰۴ء میں شیخ عبدالقادر لندن گئے تو "مخزن" کی ادارت شیخ محمد اکرام نے سنبھال لی۔ ستمبر ۱۹۰۷ء میں "مخزن" شیخ عبدالقادر کے ساتھ دہلی منتقل ہوگیا اور ادارت میں ان کا ہاتھ راشد الخیری بٹانے لگے۔۱۹۰۹ء میں "مخزن" واپس لاہور آگیا اور ۱۹۱۰ء میں اسے مولوی غلام رسول نے خرید لیا مگر اس کے بعد بھی شیخ عبدالقادر کا نام سرورق پر اعزازی مدیر کے طور پر چھپتا رہا۔ ۱۹۱۷ء میں مولوی غلام رسول فوت ہوگئے تو اس کے معاون مدیر تاجور نجیب آبادی مقرر ہوئے۔ "مخزن " کا ایک اور تابندہ دور مارچ ۱۹۲۷ء میں شروع ہوا، اس دور کے مدیر حفیظ جالندھری اور معاون مدیر ہری چند اختر تھے۔۴۶ ۱۹۴۹ء میں اسے دوبارہ حامد علی خان نے زندہ کیا اور مدیر بھی وہی تھے۔۴۷ تاہم نئے ملک، نئے حالات اور نئے تقاضوں سے "مخزن" پوری طرح نبرد آزما نہ ہوسکا اور ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

مخزن ایک عہد ساز رسالہ تھا۔ افسانے، تاریخ، انشائے لطیف، آثار قدیمہ، ترجمہ کتب، تحقیقی مضامین، تصوف، تعلیم، تمثیل، تشریح اشعار، تنقیدی مضامین، رپورتاژ، ذاتی تاثرات، ریاضی، سائنس، سفرنامے، سوانحی تذکرے، روزنامچے، تعارف شعراء، سیرت نبوی ﷺ، سیاسیات، جغرافیہ، شہر، ملک، صحافت، طب وصحت، طنز ومزاح، فلسفہ، فلکیات، فنون لطیفہ، گرامر، لسانیات، مابعد الطبیعات، معاشیات، منطق، فکاہیات، ناول، مکتوب، واقعات حاضرہ اور واقفیت عامہ، غرض شاذ ہی کوئی موضوع ایسا ہوگا، جس پر مخزن میں نہ لکھا جاتا ہو"۴۸

بقول میر نیرنگ:

ایک رسالہ ہی نہیں مخزن یہ ایک تحریک ہے
آج ہیں جس کے نتائج ہر طرف جلوہ فگن
سینکڑوں اعلیٰ رسالے جس سے پیدا ہوگئے
سینکڑوں اہل قلم اور سینکڑوں نقادِ فن! ۴۹

مخزن کے حوالے سے جگن ناتھ آزاد کا کہنا ہے:

"مخزن ایک ایسا چراغ تھا، جو بجھ جانے کے بعد بھی ہندو پاکستان میں اپنی ضیاء پھیلاتا رہا"۵۰

تاریخ اردو ادب میں "مخزن" اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوا اور اس نے اپنی روشنی سے تشنگان ادب کو ہر ممکن طور سے سیراب کیا۔ مخزن کا وجود بذات خود ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بقول مولانا صلاح الدین احمد:

"قوموں کی تاریخ میں بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے واقعات بعض اوقات اہم ترین نتائج کے پیش رو بن جاتے ہیں۔ مخزن کا اجراء بھی ہماری تہذیبی تاریخ میں ایک اسی قسم کا واقعہ ہے" ۵۱

سر شیخ عبدالقادر:۔

سر شیخ عبدالقادر لدھیانہ میں ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ چار برس چار مہینے اور چار دن کی عمر میں انہوں نے بڑی بہن سے بغدادی قاعدہ پڑھنا شروع کیا اور صرف چھ مہینے میں ناظرہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد ابتدائی مدرسے میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں ان کے والد اپنے آبائی شہر قصور آ گئے، اس وقت عبدالقادر کی عمر دس سال کے قریب تھی اور وہ پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ قصور سے مڈل پاس کر کے وہ لاہور آ گئے۔ ۱۸۹۴ء میں انہوں نے بی اے کیا۔ ۱۸۹۵ء میں "پنجاب آبزرور" میں اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال کے بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں رسالہ "مخزن" جاری کیا۔ ۵۲

۱۹۰۴ء میں سر عبدالقادر بیرسٹری کے لیے انگلستان چلے گئے اور "مخزن" کو شیخ محمد اکرام کے سپرد کر گئے۔ ۱۹۰۷ء میں واپس آ کر دہلی میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۰۹ء میں شیخ صاحب لاہور آ گئے۔ ۱۹۱۲ء میں لائل پور میں سرکاری وکیل مقرر ہوئے اور آٹھ سال تک یہ کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں پنجاب لجسلیٹیو کونسل کے صدر بنے۔ ۱۹۲۵ء میں قائم مقام وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں لیگ آف نیشن میں ہندوستان کے نمائندے کے طور پر جینوا کا دورہ کیا۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی صدارت کی۔ مدراس میں ۱۹۲۷ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹیو کونسل کے قائم مقام رکن بنے اور سر کا خطاب پایا۔ ۱۹۲۹ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۱۹۳۴ء میں انڈیا کونسل لندن کے ممبر ہوئے اور پانچ سال تک لندن میں رہے جہاں سے ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے اسی سال وہ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے قائم مقام ممبر منتخب ہوئے ۱۹۴۲ء میں بہاولپور ہائی کورٹ کے چیف جج بنے جہاں سے ۱۹۴۵ء میں واپس آ کر لاہور میں مقیم ہوئے اور یہیں ۹ فروری ۱۹۵۰ء میں ۷۵ برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ۵۳

اگرچہ عملی طور پر شیخ عبدالقادر "مخزن" سے ۱۹۱۰ء میں علیحدہ ہو گئے تھے تاہم ان کا نام اعزازی مدیر کی حیثیت سے ہمیشہ "مخزن" میں چھپتا رہا اور یہ رسالہ اول تا آخر شیخ صاحب کی پہچان بنا رہا۔ "مخزن" بلاشبہ شیخ عبدالقادر جیسی بلند پایہ علمی و ادبی شخصیت کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔ وہ آخر دم تک متعدد ادبی تحریکوں سے منسلک رہے۔ ۵۴

ادیب:۔

یکم جنوری ۱۹۱۰ء کو الہٰ آباد سے ایک ماہنامہ ادبی رسالہ "ادیب" جاری کیا گیا۔ جس کے مدیر منشی نوبت رائے نظر لکھنوی تھے۔ ادیب کا سب سے پہلا شمارہ جنوری ۱۹۱۰ء میں انڈین پریس الہٰ آباد سے شائع ہوا تھا" ۵۵

رسالہ "ادیب" کی سالانہ قیمت چار روپے اور ضخامت ۴۸ صفحات کی تھی۔ رسالے کا سائز ۲۰x۳۰/۴ تھا۔ ۵۶

رسالہ ادیب "دو حصوں یعنی نظم ونثر پر مشتمل تھا۔ حصہ نظم میں اردو کے صف اول کے شاعروں کی منظومات شائع ہوتی تھیں۔ جبکہ حصہ نثر بھی اپنی مثال آپ تھا اور اس میں بھی قابل قدر مصنفین کے مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

کشمیری میگزین، لاہور کے شمارے مارچ ۱۹۱۰ء میں اس رسالے پر یہ ریویو شائع ہوا تھا:

"اس نام سے اردو علم وادب کا ایک ماہوار رسالہ بھی تقطیع اورنئی نزاکت ونفاست کے ساتھ انڈین پریس الہ آباد سے بہ زیر ایڈیٹری منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی جنوری ۱۹۱۰ء سے شائع ہوا ہے۔ حسن ظاہری و باطنی یعنی کاغذ، لکھائی، چھپائی اور مضامین وتصاویر کے لحاظ سے ہر طرح یہ رسالہ دیدہ زیب اور مقبول عام ہونے کے قابل ہے۔ اس وقت تک دو نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ ہر نمبر میں چھ ہاف ٹون تصویریں، اہل مشاہیر اور بعض مشہور مقامات کی ہوتی ہیں۔ فروری کے ادیب میں آٹھ مضامین نثر کے ہیں۔ جن میں اخلاقی تعلیم، چند الہامی کلمات از علامہ جلال مغفور اور ضلائع لکھنؤ خاص ذکر کے قابل ہیں۔ ادیب میں انگریزی رسالوں کی شان پائی جاتی ہے جو امید ہے، مالکان پریس کی اولوالعزمی عاشق اردو جناب نظر لکھنوی کی توجہ سے برابر قائم رہے گی" ۵۷

اسی طرح رسالہ "زمانہ" جنوری ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون بعنوان "اردو اور ہندی کے نئے رسالے میں منشی دیا نرائن نگم رقم طراز ہیں:

"اردو میں ادب صنائع و بدائع اور فنون کے کئی قابل قدر رسالے جاری ہوئے۔ ان میں سے "مشورہ" ناگپور، ادیب" الہ آباد، "لسان العصر" لکھنؤ، "پنجاب ریویو" کرم آباد، "اولڈ بوائے" بنارس، "استبصار" رائے بریلی، "سفیر جنگلات" لکھنو، "میوزک گزٹ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب نئے پرچوں میں ہم کو ادیب، الہٰ آباد تو سب سے زیادہ پسند ہے۔ انڈین پریس الہٰ آباد سے ایک اردو پرچے کا نکلنا ایک غیر معمولی خوشی کی بات ہے۔ ہندی کا مشہور رسالہ سرسوتی وہیں سے نکلتا ہے۔ اور شروع میں سرسوتی کو اردو سے جو مخالفت تھی، سب کو معلوم ہے۔ مگر اب ادیب کی اشاعت اس اتحاد کا ایک خوش آئند نتیجہ ہے۔ جو اردو، ہندی میں رہ سکتا ہے اور رہنا چاہئے۔۔۔۔ اس کی لکھائی چھپائی کا کاغذ اور تصاویر سب کا انتظام اچھا ہے۔ مضامین نظم ونثر ملکی و مذہبی مباحث کو چھوڑ کر سب طرح کے ہوتے ہیں اور پہلے سال کے دیکھتے بہت اچھے ہوتے ہیں" ۵۸

پہلے پہل "ادیب" کے سرورق پر یہ جملہ درج ہوتا تھا:

"ادب اردو کا باتصویر ماہوار رسالہ"

تاہم بعد میں مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں یہ جملہ کچھ یوں لکھا ہوا نظر آیا:"ادب اردو کا ایک ماہوار مصور رسالہ "(جو ہر مہینہ کے آخر ہفتے میں شائع ہوتا ہے)

رسالہ "ادیب" نے اردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے ہر ممکن آواز اٹھائی۔ یہ ایک آزادرو رسالہ تھا، جس کا مسلک صلح کل تھا۔

" آزادرو ہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل"

رسالہ "ادیب" کے پلیٹ فارم سے نامور مصنفین وشعراء کی تصنیفات ابھر کر سامنے آئیں۔ جن میں شمس العلماء ذکاءاللہ، مولوی سید محمد فاروق، منشی محمد یحیٰ تمنا، مولانا سید علی حیدر صاحب، نظم طباطبائی، مولانا حافظ جلیل حسن، مولوی سید دلدار حسین، مولوی محمد حسین صدیقی، مولانا سید ضمیر الدین احمد، منشی ڈپٹی لال صاحب نگم، علامہ شبلی نعمانی، ناطق لکھنوی، مرزا کاظم حسین، محشر لکھنوی، یاس عظیم آبادی، کیفی دہلوی، امداد عظیم آبادی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اس رسالے کے مدیران بدلتے رہے۔ جنوری ۱۹۱۰ء سے جون ۱۹۱۱ء تک منشی نوبت رائے نظر اس کے ایڈیٹر رہے۔ جولائی ۱۹۱۱ء سے دسمبر ۱۹۱۲ء تک مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی کی ادارت میں رسالہ نکلتا رہا۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۱۳ء سے جون ۱۹۱۳ء تک میر عظیم آبادی اس کے ایڈیٹر رہے اور جون ۱۹۱۳ء میں یہ رسالہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ ۵۹

"ادیب" کے صفحات سے اردو نظم ونثر کے شاہکار سامنے آئے۔ جنھوں نے اس وقت قارئین کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ اس رسالے کے زوال سے اردو ادب کا ایک بہترین باتصویر رسالہ قارئین کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تمدن:۔

اپریل ۱۹۱۱ء میں دہلی سے ماہنامہ "تمدن" کا اجراء عمل میں لایا گیا، جس کے مدیران میں شیخ محمد اکرام اور محمد عبدالراشد الخیری کے نام گرامی شامل تھے۔

یہ رسالہ ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کی چھپائی دو طرح کے کاغذ پر ہوتی تھی۔ اعلیٰ قسم کے کاغذ کا سالانہ چندہ ساڑھے تین روپے جبکہ دوسری قسم کے کاغذ کا سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔ قیمت فی پرچہ ساڑھے چار آنے تھی اور اسکی طباعت تمدن پریس میں ہوتی تھی۔ ۶۰

رسالہ "تمدن" کے مندرجات میں معاشرتی، ادبی، فلسفہ، اخلاقی، تاریخی، علمی اور تمدنی مضامین ومواد کی اشاعت ہوتی تھی۔ اردو زبان وادب کی خدمت وترویج کے علاوہ اس رسالے کا سب سے بڑا مقصد اصلاح نسواں تھا۔ یہ رسالہ حقوق نسواں کا علمبردار تھا اور اس میں ایسے مضامین کی اشاعت عمل میں لائی جاتی تھی، جن کے ذریعے نہ صرف اس زمانے کی خواتین اپنے حقوق سے آگاہ ہو کر اپنے لیے آواز اٹھا سکیں بلکہ مرد حضرات بھی ان سے واقف ہو کر خواتین کے حقوق سلب کرنے سے باز رہ سکیں۔

پہلے شمارے میں علامہ راشد الخیری کے چچا شمس العلماء مولانا نذیر احمد نے مضمون بعنوان "التقریب" میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"مولوی عبدالرشید نے جو کچھ سیکھا، اپنے سے سیکھا، کیا ایسے شخص کا رسالہ "تمدن" جو وہ جاری کرنے والے ہیں، تقریب کی قابلیت نہیں رکھتا "۶۱

اس طرح مولوی نذیر احمد نے علامہ راشد الخیری اور ان کے تمدن پر اپنے پورے اعتماد کا اظہار کیا اور اس رسالے نے ان کے اعتماد کو قائم بھی رکھا۔ لیکن مشکلات وصعوبتوں نے اس رسالے کو ڈگمگانے کی بھر پور کوشش کی۔

اجراء کے پہلے ہی سال رسالے میں ترکوں کی حمایت میں چھپنے والے ایک مضمون بعنوان "طرابلس کی ایک صدا" سے ناراض ہو کر سرکار نے اس رسالے کا پانچ سو روپے کا زرضمانت ضبط کر لیا۔ اس مضمون میں طرابلس کی خواتین کے حق میں آواز اٹھاتے ہوئے لکھا گیا:

"جس دریادلی سے یورپ نے طرابلس میں اپنی بے ایمانی، دغابازی اور مکاری کا ثبوت دیا ہے، اس کی داد نہ دینا ستم ہے۔۔۔۔ جنگ طرابلس نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ یہ تہذیب وتمدن کے مدعی انسان، دنیا کے واسطے اتنے سودمند ہیں کہ اپنی محترم خواتین کو سرراہ دکانوں پر بٹھا کر لوگوں کو آوارگی کی طرف مائل کریں، ورنہ ہمدردی بنی نوع انسان جو انسانیت کا سچا زیور ہے، ان میں نام کو نہیں "۶۲

زرضمانت کے علاوہ مزید پانچ سو روپے بطور جرمانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہوا، جس کے لیے علامہ نے اپنی والدہ کے مکان رہن پر رکھوا کر سود پر رقم حاصل کی اور یہ رقم ادا نہ کر سکنے کے باعث انہیں اپنی والدہ کے دونوں مکان فروخت کرنے پڑے۔ اس رنج کا اظہار "تمدن" کے مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے میں کچھ ان الفاظ میں کیا گیا:

"تمدن کا زرضمانت جس کا افسوس آج اظہار ہوتا ہے، قرض تھام قریب پہنچا۔ یہ مطالبہ ایسا سخت تھا، جس نے امیدوں کا خاتمہ کر دیا، مگر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہ آئیں گے اور یہ داغ قبر تک ساتھ رہے گا۔ المختصر تمدن کی زندگی باقی تھی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج اس کو امراض سے پاک اور نقائص سے دور پاتا ہوں۔ البتہ ناظرین تمدن یہ سن کر ضرور رنجیدہ ہوں گے کہ ایک ایسی عزیز شے جو بزرگوں کی نشانی تھی، تمدن پر قربان ہو گئی۔ "۶۳

مزید لکھتے ہیں:

"تمدن کی فریاد نے ایک عورت کی بھی زندگی سنوار دی تو عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگی اور وہ یادگار امداد جو قربان ہو چکی، وصول ہو گئی، کامیابی معلوم، مگر دل اس خیال سے باغ باغ ہے کہ ایک وقت ضرور آئے گا کہ یہ خون رنگ لائے، یہ بیج بارآور ہوں اور ہماری مظلوم بیویاں اپنے گھروں میں سچ مچ کی ملکہ ہوں "۶۴

"تمدن" اپنی پوری شان اور لہجے کی سچائی کے ساتھ جاری تھا کہ ۱۹۱۳ء میں اسے مالی بے قاعدگیوں کا سامنا کرنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ علامہ صاحب نے یہ رسالہ قاری عباس حسین صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ "تمدن" کی منتقلی کے وقت علامہ راشد الخیری نے فرمایا:

"تمدن پہلا پرچہ تھا، جس نے حقوق نسواں کی حمایت میں آواز بلند کی۔اس وقت کوئی مردانہ پرچہ حقوق نسواں کا حامی، قوم میں موجود نہ تھا اور مجھے یقین کامل ہے، آئندہ بھی دس بیس برس تک موجود نہ ہوگا۔۶۵

قاری عباس حسین نے نومبر ۱۹۱۵ء میں "تمدن" کا پہلا پرچہ شائع کیا۔ بعد میں یہ رسالہ لکھنؤ سے دہلی آ گیا اور دسمبر ۱۹۲۴ء تک، قاری محمد عباس حسین کے ہاتھوں اس رسالے کے اجراء کے شواہد ملتے ہیں۔

"تمدن "بلاشبہ اپنے وقت کا ایک اہم رسالہ تھا، جس نے اردو کو ترقی دینے کے لیے بے شمار کتابیں بھی چھپوائیں۔ دفتر رسالہ تمدن کے تحت شائع ہونے والی تصانیف جناب قاری محمد سرفراز حسین، شاہد رعنا سعید، سعادت، سزائے عیش، انجام مینش، سراب عیش، انیس الغربا، احیاء ملت، دل کا عجائب خانہ، لطف زندگی، نوحہ زندگی اور در شہوار ۶۶ وغیرہ بلاشبہ اس رسالے کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہیں۔

اردو کی ترویج اور حقوق نسواں کے حوالے سے آواز اٹھانے جیسا فریضہ سرانجام دینے پر رسالہ "تمدن"، اردو صحافت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

سہ ماہی "اردو"

سہ ماہی اردو کا اجراء مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد سے کیا۔ انجمن ترقی اردو کا رسالہ "اردو" پرانے مذاق اور جرائد کو دیکھتے ہوئے اپنی نوعیت کا ایک خاص نمونہ تھا۔

"اردو" نے اردو زبان کی ترویج و فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور اپنے علمی و تحقیقی مضامین کے ذریعے نت نئے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اردو کی سابقہ روایتوں کو برقرار رکھنے کی بھی کوشش کی۔ کتابوں پر تبصروں کے ذریعے تنقید کو نیا رخ دیا۔ اس رسالے نے شعراء اور ادباء کے فن کو علمی و تحقیقی زاویوں میں ڈھال کر قارئین ادب تک پہنچایا اور اردو لغت الفاظ و بیان، معانی اور صحت زبان پر خاص زور دیا۔ مولوی عبدالحق نے علمی و ادبی صحافت میں اظہار کا شائستہ انداز پیدا کیا۔ انجمن ترقی اردو کا دفتر ۱۹۳۸ء میں دہلی منتقل ہوگیا۔ اور قیام پاکستان کے بعد رسالہ "اردو" کا پہلا شمارہ کراچی سے جولائی ۱۹۴۹ء میں نکلا۔ "اردو" مولوی عبدالحق کی زندگی تک جاری رہا اور ان کے انتقال کے بعد بند ہوگیا۔ اور پھر بالآخر ۱۹۶۶ء سے دوبارہ جاری کر دیا گیا اور آج تک نکل رہا ہے۔ ("اردو" کے بارے میں تفصیلات باب چہارم میں درج ہیں)۔

نیرنگ خیال:۔

جولائی ۱۹۲۴ء میں لاہور سے ادبی ماہنامہ "نیرنگ خیال" جاری ہوا۔ جس کے مالک و مدیر حکیم یوسف حسن تھے۔ اس رسالے کا سالانہ چندہ تین روپے تھا اور یہ کریمی پریس، لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوتا تھا۔

اس رسالے کا مقصد "قوم کے احاطۂ نظر کو وسعت دینا" اور مہذب دنیا کے ہر شعبۂ خیال کو ادبی لباس میں پیش کرنا تھا" بقول علامہ اقبال:

"اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے میں مفید ثابت ہوگا" ۶۷ے

حکیم یوسف حسن کے ساتھ ڈاکٹر محمد دین تاثیر بھی بطور جوائنٹ مدیر اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ جبکہ اس کا ٹائٹل حکیم فقیر محمد چشتی کا تجویز تخلیق کردہ تھا۔ پہلے شمارے کا سائز ۸/۳۳x۲۳ اور اس کے کل صفحات ۵۰ تھے۔ ۶۸ے

پہلے شمارے کا اداریہ "مقالہ افتتاحیہ" کے عنوان سے حکیم یوسف حسن نے تحریر کیا، جس میں انہوں نے واضح کیا کہ ہم اسے تجارتی فوائد کے لیے نہیں چلا رہے، مگر ہم تمام تجارتی اصولوں کے پابند رہیں گے، تاکہ اس رسالہ کی زندگی محض ایک رقص شرر ثابت نہ ہو۔ ۶۹ے

نیرنگ خیال ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ تھا۔ جس میں مضامین کہانیاں، غزلیں، مسلسل ناول، تبصرے اور تزئین و آرٹ وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ حکیم یوسف حسن "باتیں" کے عنوان سے اداریے لکھتے تھے۔ تبصروں میں شعراء کے مجموعہ کلام پر تبصرے شائع ہوتے تھے۔

"نیرنگ خیال" اپنے عہد کا ایک بے حد فعال پرچہ تھا۔ اس کے صفحۂ اول پر یہ اعلان چھپتا تھا کہ "ایجاد ہمارا حصہ اور تقلید دوسروں کا" اس سے بعض معاصرین کو ٹھیس لگی تو اس اعلامیے کو ترک کر دیا گیا۔ تاہم ادبی معاشرے کو محرک رکھنے اور ادبی ہنگاموں میں پیش پیش رہنے میں "نیرنگ خیال" نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۷۰ے

خاص نمبر اور سالنامے شائع کرنے کی روایت کو اس رسالے نے بڑی خوبصورتی سے پروان چڑھایا۔ ان خاص نمبروں میں "مصر نمبر"، "افغانستان نمبر"، ایڈیٹر نمبر، رام نمبر، فلم نمبر، خواتین نمبر، مشرق نمبر، افسانہ نمبر اور اقبال نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ "اقبال نمبر" کی اشاعت کے حوالے سے مدیر رقم طراز ہیں:

"ہندوستان میں اقبال کو جاننے والوں کی تعداد کروڑوں سے تجاوز ہوگی لیکن اقبال کو سمجھنے والوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور یہ حال دنیا کے ہر بڑے شاعر کا ہوتا ہے۔ لیکن اقبال نمبر کی اشاعت کے بعد توقع ہے کہ ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ جوان مضامین کو غور و فکر سے پڑھے گا، اقبال کے پیغام کو سمجھنے لگے گا۔ "۷۱ے

"نیرنگ خیال" نے ایک مخصوص نظریاتی نوعیت کے مضامین لکھنے والوں کا حلقۂ پیدا کیا۔ ان میں سالک، امتیاز علی تاج، پطرس بخاری، ڈاکٹر تاثیر، ہری چند اختر بہت معروف تھے۔ ۷۲ے عبدالرحمٰن چغتائی کی تخلیقات بھی اس رسالے کا حصہ بن کر قبولیت عام کا درجہ پاتی ہیں۔ پہلے شمارے میں عبدالرحمان چغتائی کی "تحفۂ لیلیٰ" کی اشاعت کے بعد علامہ اقبال نے لکھا:

"جناب عبدالرحمٰن چغتائی کی "تحفۂ لیلیٰ" بہت خوب ہے، دیکھ کر مسرت ہوئی، دیکھیئے اب "تحفۂ قیس" کب نکلتا ہے" ۷۳ے

یہ ایک مقبول اور کثیر الاشاعت رسالہ تھا۔ جس کے خریداروں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ یہ مقبولیت ۱۹۴۷ء تک برقرار رہی۔ تاہم آزادی کے بعد اس رسالے کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ خریداروں کی ایک کثیر تعداد بھارت میں رہ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس رسالے کا دوسرا دور اتنا شاندار نہ رہا۔ جتنا کہ پہلا تھا۔ ۱۹۷۶ میں "نیرنگ خیال " کا دوسرا دور جو ضعیفی اور ناتوانی کا دور تھا، ختم ہو گیا۔ ۳۱ جنوری ۱۹۸۱ء کو حکیم یوسف حسن کی وفات کے بعد اس رسالے کا تیسرا دور، سلطان رشک کی ادارت میں شروع ہوا۔ ۴ے

اس رسالے نے علم وادب کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات پر بھی نظر رکھی تحریک خلافت کے حوالے سے تحریر ہے:

"سیاسی سرگرمیوں اور مسئلہ خلافت کے حل میں مسلمانوں کے کامل دس سال صرف ہو چکے لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ مسئلہ خلافت ہنوز روز اول کا مصداق ہے اور بلاشبہ اس کی ضرورت سمجھنے یا اس کے متعلق حقیقی کام کرنے کا وقت اب آیا ہے۔ گزشتہ دس سال کی سیاسی سرگرمیوں سے ہمیں کوئی نمایاں فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ ان سرگرمیوں کا انجام ہندو مسلم نفاق کی صورت ظاہر ہوا ہے" ۵ے

"نیرنگ خیال" کی تاریخ اردو کے ادبی رسائل کی مثالی تاریخ ہے۔ اس پرچے کے نادر مضامین، خوبصورت تصاویر اور پیش کش کے عمدہ انداز نے قبول عام حاصل کیا۔ ۶ے

یہ رسالہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد رسالہ ہے، جس کی اہمیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔

"ادبی دنیا":۔

۱۹۲۹ء میں لاہور سے ایک علمی و ادبی ماہنامہ "ادبی دنیا " جاری کیا گیا جس کے مدیر مولانا تاجور نجیب آبادی تھے۔ یہ رسالہ ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

ادبی دنیا کا سائز دیگر رسالوں کی نسبت کچھ بڑا تھا، مولانا تاجور نجیب آبادی نے اس کے لیے "جہازی سائز" کی اصطلاح وضع کی تھی۔ لچکدار کاغذ اور عکسی تصویروں سے ان کی آرائش کی اور مضامین نظم ونثر کا معیار بلند رکھا۔ مولانا تاجور نے اسے اردو کا ایک مکمل پرچہ بنانے اور متنوع موضوعات پر مضامین پیش کرنے کی پوری کوشش کی۔ حال وقال، آئینہ عالم، مشرق اور اہل مشرق جیسے عنوانات کے علاوہ معیاری مختصر افسانہ، اعلیٰ شاعری اور بلند پایہ نظریاتی وتنقیدی مضامین کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ ۷ے

مارچ ۱۹۳۲ء میں تاجور نجیب آبادی نے اس رسالے کو مولانا صلاح الدین احمد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی "ادبی دنیا" کا ایک دور ختم ہو گیا۔ دوسرے دور میں منصور احمد اس کے مدیر مقرر ہوئے اس دور میں تخلیقی اصناف کے علاوہ مغرب کے افسانوں اور نظموں کے تراجم کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ ۸ے

۱۹۳۷ء میں منصور احمد کی وفات کے بعد اس رسالے کی ادارت، بالترتیب حفیظ ہوشیارپوری، عاشق حسین بٹالوی اور مولانا صلاح الدین احمد کے سپرد ہوئی۔ مولانا صلاح الدین کا دور ادارت "ادبی دنیا" کا سنہرا دور قرار دیا جاتا ہے۔ جو ۱۹۴۷ء تک قائم رہا اس دور میں میراجی بھی صلاح الدین احمد کے ساتھ شریک ادارت رہے۔

۱۹۴۷ء میں مولانا صلاح الدین احمد کا گھر اور کتب خانہ جلا دیا گیا، جس نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ انہوں نے کتاب کا خزینہ ارزاں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا اور "ادبی دنیا" کو ایک نئی صورت دے دی۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں ۱۶ ماہ کے تعطل کے بعد "ادبی دنیا" کے چوتھے دور کا آغاز ہوا تو انہوں نے پرچے کی ضخامت دوگنی کردی اور اس میں "مباحث امروز"، " آئینہ عالم"، "ادبیات خارجہ"، "دفتر پارینہ" اور " مکتوبات" جیسے عنوانات کا اضافہ کر دیا۔ ۷۹

اس دور میں مولانا نے اس رسالے کو خالصتاً ادبی رسالہ پیش کرنے کی غرض سے یہ سلوگن پیش کیا:

"ادب زندگی کا آئینہ بردار ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔اور اس منصب کی موجودگی میں، اسے کسی اور اعزاز کی ضرورت بھی نہیں ہے" ۸۰

چوتھے دور میں اس رسالے کو بے شمار مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم اس کے پانچویں دور میں اس رسالے کو سہ ماہی کر دیا گیا اور ڈاکٹر وزیر آغا" بھی شریک ادارت ہوئے، جنہوں نے رسالے کو نئی جہت عطا کی اور افسانے کے بجائے فکری و نظری مضامین کو جگہ دی گئی۔ آزادیات اور اقبالیات پر روشنی ڈالی گئی۔ اور جدید نظم کی راہ ہموار کی گئی۔

ادبی دنیا کے چھٹے اور آخری دور کی ابتداء ۱۹۶۵ء میں مولانا صلاح الدین احمد کے "یادگار نمبر" سے ہوئی۔ ڈاکٹر وزیر آغا غیر منسلک ہو چکے تھے اور مولانا حامد علی خان بطور عارضی مدیر فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مئی میں اس کی ادارت محمد عبداللہ قریشی کے سپرد کردی گئی۔ جنہوں نے اس حوالے سے لکھا:

"زیر نظر اشاعت (۱۹۶۵ء) سے "ادبی دنیا" کی ادارت کا قرعہ میرے نام پڑا ہے۔ میں ادبی حلقوں میں زیادہ معروف نہیں ہوں، لیکن میں یہ عرض کردوں کہ ایک خاموش خادم ادب کی حیثیت سے گزشتہ چالیس سال سے نہایت خلوص کے ساتھ، شہرت سے بے نیاز ہو کر علمی اور تحقیقی کام کر رہا ہوں۔۔۔۔ اب اتفاقات مجھے گوشہ نشینی سے نکال کر منظر عام پر لے آئے ہیں تو کیا عجب کہ۔۔۔ میں "ادبی دنیا" کو ماضی کی سیدھی ڈگر پر چلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔۔۔" ۸۱

تاہم "ادبی دنیا" اس دور میں زوال کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ بقول عبداللہ قریشی:

"ادبی دنیا" چوالیس برس اعلیٰ ادبی اقدار کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کے بعد ایک ناگہانی حادثے کا شکار ہو کر بے آئی موت مر گیا" ۸۲

"ادبی دنیا" نے بے شمار خاص نمبر شائع کیے۔ اقبال نمبر، وحشت کلکتوی نمبر، کشمیر نمبر شائع کر کے نئی روایت کو جنم دیا۔ اس کے صفحات سے بے شمار مصنفین کی تحریروں نے زندگی پائی۔ ان میں پنڈت دتاتریہ کیفی، خواجہ حسن نظامی، وحید الدین سلیم، جوش ملیح آبادی، احسن مارہروی، وحشت کلکتوی، فراق گورکھ پوری اور عبدالرزاق ملیح آبادی کے نام اہم ہیں۔ ۸۳

"ادبی دنیا" اردو ادب کا ایک شاندار رسالہ تھا، جس نے زبان و ادب کی بے پناہ خدمت کی۔ بقول محمد عبداللہ قریشی:

" کہنے کو تو "ادبی دنیا" ایک ماہنامہ تھا لیکن یہ محض ایک رسالے ہی کا نام نہیں، ایک روایت کا نام ہے۔ ایک ادارے اور ایک مشن کا نام ہے جو اب ادب کی ایک علامت کے طور پر زندہ ہے" ۸۴؎

تاجور نجیب آبادی:۔

علامہ تاجور نجیب آبادی کا نام احسان اللہ خاں ابوالعرفان کنیت اور تاجور تخلص تھا۔ علامہ ۱۸۹۰ء میں نینی تال میں پیدا ہوئے۔ علامہ کا وطن نجیب آباد ضلع بجنور تھا۔ قومیت کے اعتبار سے وہ پٹھان تھے۔ دارالعلوم دیوبند ان کی تربیت گاہ تھی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ دیال سنگھ کالج میں پروفیسر تھے۔ لاہور ان کا وطن اقامت ہے۔ گورنمنٹ نے علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۴۰ء میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔ انجمن ارباب علم نے ۱۹۲۱ء میں بلیغ الملک کا خطاب دیا۔ ۸۵؎

۱۹۱۵ء میں جب مخزن کی ادارتی باگ ڈور علامہ تاجور نجیب آبادی نے سنبھالی تو پانچ سال تک آپ نے اس کے ادارتی فرائض اس خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیے کہ ادبی حلقوں میں اس کی مانگ بڑھ گئی۔ مخزن کے بعد علامہ تاجور نے ہمایوں کی ادارت سنبھالی پانچ سال اس سے وابستہ رہے اس مختصری مدت میں ان کی ادبی شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکی تھی۔ علامہ نے اپنی صحافتی زندگی کے تیسرے دور میں خود اپنے رسالے "ادبی دنیا" کا اجراء کیا۔ یہ رسالہ ۱۹۳۳ء تک شعروادب کا علمبردار رہا۔ ۱۹۳۵ء میں علامہ نے "شاہکار" کے نام سے ایک اور رسالہ نکالا علامہ نے ہفتہ وار اخبار "پریم" بھی جاری کیا جس کے ذریعے آپ ملک کے بچوں، بچیوں کے دل میں خدا، مذہب وطن اور بنی نوع انسان کی محبت اور بلا امتیاز ہر مذہب کے پیشوا کی محبت پیدا کرنی چاہتے تھے۔ لاہور آمد سے قبل علامہ رسالہ نالۂ بلبل، آفتاب اردو (لدھیانہ) اور رسالہ تاج الکلام (نجیب آباد) کے مدیر رہ چکے تھے۔ ۸۶؎

علامہ مستقل مزاج نہیں تھے۔ اگر کسی کی طرف سے دل میں گرہ بیٹھ جاتی تو پھر مشکل سے نکلتی تھی۔ صحافتی زندگی کے اس دور میں جب شاہکار کی ادارت ان کے سپرد تھی انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"اب تو درس نظامی کی ایک بھولی بسری یاد باقی رہ گئی ہے۔ وہ مبلغ علم جس پر مجھے ناز تھا۔ حوادث روزگار کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ اب تو عالم یہ ہے کہ "المتمع" کے کسی عربی مضمون کا اردو ترجمہ بھی میرے بس کی بات نہیں" ۸۷؎

ساقی:۔

۱۹۳۰ء میں شاہد احمد دہلوی نے دہلی سے رسالہ "ساقی" جاری کیا۔ رسالے کی ابتداء میں ہی یہ طے کر لیا گیا تھا کہ "ساقی "بنیادی طور پر دلی کی زبان اور ثقافت کا نقیب ہوگا"۔ تقسیم کے بعد ساقی نے پاکستان ہجرت کی لیکن ابتدائی دور نہایت نامساعد حالات میں گزارا بالآخر کراچی سے ڈیکلریشن لے کر اشاعت شروع کی۔ یہ رسالہ ادب برائے ادب کی خصوصیات سے مزین تھا۔ اسکے مندرجات میں نظمیں، غزلیں، افسانے، ادبی مضامین اور مختلف ادیبوں اور شعراء کے حوالے سے

مضامین شامل تھے۔ ساقی نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں تحریر کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کیا۔ ساقی قدیم اور جدید ادب کا نمائندہ تھا۔ اس نے جدید افسانے اور نظم کو متعارف کرانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ رسالہ "ساقی" کے ابتدائی ۱۷ سال ہندوستان جبکہ آخری ۲۳ سال پاکستان میں گذرے اپنی انفرادیت کے سبب آج بھی ادبی رسائل کی فہرست میں "ساقی" سرفہرست نظر آتا ہے۔

(ساقی سے متعلق تفصیلات باب چہارم میں درج ہیں)

ہمایوں:۔

جنوری ۱۹۳۲ء میں لاہور سے ایک ادبی رسالہ "ہمایوں" جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے مدیر میاں بشیر احمد جبکہ جوائنٹ ایڈیٹر مولانا تاجور نجیب آبادی تھے۔ رسالے کا سالانہ چندہ پانچ روپے تھا اور یہ مرکنٹائل پریس، لاہور میں طبع ہوتا تھا۔۸۸

میاں بشیر احمد نے یہ رسالہ اپنے والد گرامی ہمایوں کے اس شعر کی تعبیر کے طور پر جاری کیا:

ہمایوں! تیرے مدفن پر بنائیں مقبرہ کیوں ہم
یہاں حسن عمل ہے سب سے بہتر یادگاروں میں ۸۹

"ہمایوں" ایک مخصوص اسلوب کا ادبی رسالہ تھا۔ جس نے ادب کو زندہ و جاوید رکھنے کی غرض سے ایک مخصوص پالیسی مرتب کر رکھی تھی۔ جو کچھ یوں تھی:

۱۔ ہمایوں بالعموم ہر ماہ کے نصف اول میں شائع ہوا کرے گا۔
۲۔ علمی و ادبی، تمدنی و تاریخی، اخلاقی و روحانی مضامین، بشرطیکہ وہ معیار ادب پر پورے اتریں درج کیے جائیں گے۔
۳۔ دل آزار تنقیدیں اور دل شکن مذہبی مضامین درج نہ ہوں گے۔
۴۔ ایسے مترجم یا طبع زاد مضامین کے لیے جو پر معلومات ہوں اور محنت و کاوش سے لکھے جائیں۔ صاحب مضمون کے ایماء پر بالعموم ایک روپیہ فی مطبوعہ صفحہ معاوضہ پیش کیا جائے گا۔۹۰

"ہمایوں" ایک معیاری ادبی جریدہ تھا جس میں سیاسیات، معاشرتی واقعات، فلسفہ، فن، شخصیات، تمدن، معاشرت، اخلاقیات، واقعات عالم، تاریخ، مذہب، سیرت و سوانح، طبعیات، ادبیات، تنقید اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل مضامین و مقالات شائع ہوتے تھے۔

نامور ادیبوں اور لکھاریوں کا قلمی تعاون اس رسالے کو حاصل تھا۔ ان میں مولانا رضا علی وحشت، مولانا حسرت موہانی، مولوی ابوالخیر مودودی، اکبر الہٰ آبادی، خواجہ حسن نظامی، مولانا ثاقب کانپوری، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا ابوالاعلی

مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ علامہ اقبال اور سر شیخ عبدالقادر اس رسالے کے سرپرستوں میں سے تھے، جو رسالے کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

ہمایوں کے حلقۂ ادارت میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں آتی رہیں۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک اس کے معاون مدیر مولانا تاجور نجیب آبادی تھے۔ جن کے بعد منصور احمد معاون مدیر بنے اور ۱۹۲۸ء میں ان کے ساتھ حامد علی خان نے ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ۱۹۴۴ء میں مولانا حامد علی خان سبکدوش ہوگئے اور یوسف ظفر معاون مدیر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ جنھوں نے نومبر ۱۹۴۷ء تک یہ فرائض سرانجام دیئے۔

قیام پاکستان کے بعد بالترتیب شیر محمد اختر اور مظہر انصاری معاون مدیر بنائے گئے۔ ۱۹۵۲ء تک اپنے فرائض سرانجام دینے کے بعد مظہر انصاری اپنی ذمہ داریاں اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ناصر کاظمی کو سونپ گئے جو آخر دم تک اس رسالے سے منسلک رہے۔

ان تمام مدیران کا بنیادی مقصد ایک ہی تھا اور وہ تھا ہمایوں کو اس نہج پر پروان چڑھانا کہ اردو زبان و ادب کی بیل اس کے سہارے آسمان کی بلندیوں کو چھو سکے۔ اگرچہ اس رسالے میں سیاسی مضامین بھی شائع ہوئے، لیکن ان کا مقصد صرف مختلف پہلوؤں سے قارئین کو روشناس کروانا تھا۔

مدیر ہمایوں، یوسف ظفر اگست ۱۹۴۷ء کے شمارے میں رقم طراز ہیں:

"ہمایوں" کا مسلک آج تک ادب و زبان کی خدمت کرنا ہے۔ اس کا ماضی کبھی علمی سیاست سے ملوث نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ فکری سیاست پر مقالات شائع کئے گئے اور بین الاقوامی مسائل کو انسانیت کی نظروں سے پرکھا گیا"[۹۱]

"ہمایوں" نے اردو کی ترویج کے لیے بھی ہر طرح سے آواز اٹھائی اردو مضمون نگاری کی دعوت دینے کے بعد مضمون نگاروں کی عدم شرکت کے حوالے سے ایک شمارے میں مدیر رقم طراز ہیں:

"ہم نے ہمایوں اور بعض اخباروں میں اردو کو ملک کی مشترکہ زبان بنانے کے متعلق اہل قلم کی توجہ بیدار کرنے کے لیے اعلان شائع کرائے۔ اردو کے لیے سر سے کفن باندھے ہوئے خدائی فوج داروں کے شور و غوغا کو دیکھتے ہوئے توقع تو یہ تھی کہ شش سمت سے مضامین کی بارش ہونے لگے گی مگر معلوم یہ ہوا کہ کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ حشر تک جاگنا قسم ہے"[۹۲]

"ہمایوں" اپنے وقت کا ایک مقبول رسالہ تھا۔ جس پر ہم عصر رسائل و اخبارات نے کافی ریویو اور تبصرے شائع کیے۔ ایسا ہی ایک تبصرہ دسمبر ۱۹۲۳ء کے "جادو"، ڈھاکہ میں شائع ہوا۔

"جناب محترم میاں بشیر احمد بار ایٹ لاہور اور فاضل دیوبند مولانا تاجور نجیب آبادی کے مشترکہ ادارت میں بیادگار جسٹس شاہ دین، یہ ماہوار مجلّہ دیدہ افروز ناظرین ہوتا ہے۔ یہ مشترکہ ادارت اس امر کی ضامن ہے کہ مضامین کی بلند پائیگی

کے ساتھ حسن طباعت اور مسکن خوبیاں بھی موجود ہوں۔ پنجاب میں یہ جملہ ہر حیثیت سے ممتاز ہے اور حسن مذاق اور قابلیت کے ساتھ ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ ہر نمبر میں تصویر بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی حصہ نظم بھی بہت دلکش ہوتا ہے۔ ہم اسکے بقاء اور ارتقاء کے متمنی ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اپنے بلند معیار کو ہمیشہ قائم رکھے"۹۳

رسالہ "ہمایوں" نے خاص نمبر شائع کرنے کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے "افسانہ نمبر"، درسی ادب نمبر، فرانسیسی ادب نمبر اور کئی سالنامے بھی شائع کیے، جن کی اس سے پہلے نظیر نہیں ملتی۔

"ہمایوں" ایک خاص نوعیت کا اعلیٰ اقدار کا حامل ادبی رسالہ تھا جو ۱۹۵۷ء تک اردو صحافت و ادب کے آسمان پر درخشاں رہا۔ اسکے خاتمے پر میاں بشیر احمد نے لکھا:

"ہمایوں" کا ایک خاص نصب العین تھا یہ حضرت ہمایوں کی یادگار بھی تھا۔ اور میری ایک ادبی کوشش اور مشغلہ بھی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اگر اسے جاری رکھا گیا تو نہ یہ یادگار اس گرامی قدر ہستی کی شان کے شایان رہے گی اور نہ اس صورت میں میری ادبی کوشش زیادہ مفید ہوگی، تو میں نے اسے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا"۹۴

اور یوں اردو ادب کا ایک روشن ادبی دور "ہمایوں" کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

<u>ادب لطیف:۔</u>

چودھری برکت علی نے مارچ ۱۹۳۵ء میں ادب لطیف جاری کیا۔ اس رسالے کے اجراء کے مقاصد میں ایک مقصد ترقی پسند تحریک کو آگے بڑھانا تھا۔ ادب لطیف میں معیاری افسانے، تخلیقی وتنقیدی مضامین معیاری نظمیں اور غزلیں اور مقالات شائع ہوتے تھے۔ ادب لطیف کی پالیسی میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی بھی نظر آئی۔ کبھی یہ ترقی پسند تحریک کا ترجمان نظر آیا تو کبھی رومانویت کا پرچار کرتا نظر آیا اور کبھی علامتی ادب اس کا خاصہ نظر آیا لیکن ہر دور میں اس نے اپنی حیثیت ومقام کو برقرار رکھا۔ ادب لطیف آزادی سے پہلے اور بعد میں ترقی پسندی کی روش پر قائم رہا۔ ادب لطیف ایک زندہ اور فعال پرچہ تھا۔ ایسا رجحان ساز پرچہ جو اپنے قارئین کی ادبی تربیت کا ہمیشہ خواہاں رہا۔ ادب لطیف نے کئی اہم خاص نمبر اور سالنامے بھی شائع کیئے جو ادبی دنیا میں اہم مقام رکھتے ہیں (ادب لطیف سے متعلق تفصیلات باب چہارم میں درج ہیں)

<u>افکار:۔</u>

۱۹۴۵ء میں ریاست بھوپال سے صہبا لکھنوی نے افکار جاری کیا۔ یہ رسالہ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر جاری کیا گیا۔ افکار کا بنیادی مقصد ادب اور زندگی کے مابین فرق کو ختم کر کے ایک زندہ ادب پیش کرنا تھا جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال کر انہیں ادب کے خوبصورت سانچے میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کرے۔ بلند پایہ ادبی تصانیف علمی وادبی مقالات، تنقید، غیر ملکی تراجم، خودنوشت، افسانے، طنز ومزاح، غزلیات وغیرہ اس رسالے کا امتیاز تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں "افکار" بھوپال سے ہجرت کر کے کراچی منتقل ہو گیا۔ ابتداء میں مالی مشکلات کے باعث افکار کو مسائل کا سامنا

کرنا پڑا مگر صہبا لکھنوی نے ہمت نہ ہاری اور افکار، کے اجراء کو ممکن بنایا۔ افکار نے خاص نمبروں کی روایت کو برقرار رکھا اور کئی سالنامے اور خاص نمبروں کا اجراء کیا۔ "افکار" کا شماران گنے چنے ادبی رسائل میں ہوتا ہے، جنھوں نے اردو ادب میں نئے رجحانات اور میلانات کو روشناس کرایا۔ شعر و ادب اور فکر و فن کے متنوع زاویے اور نئے ذائقے عطا کیے۔

(افکار سے متعلق تفصیلات باب چہارم میں درج ہیں)

سویرا، ۱۹۴۶ء:۔

لاہور سے دسمبر ۱۹۴۶ء میں "سویرا" کا اجراء ہوا۔ ابتداء میں سویرا کا پورا مزاج ادبی تھا اور اس پر کسی خاص گروہ کی چھاپ نمایاں نظر نہیں آتی تاہم آزادی کے بعد اس کی جہت تبدیل ہوگئی۔ ابتداء میں سویرا ترقی ادب اور تحریک کا ترجمان تھا۔ تاہم بعد میں جب ترقی پسند تحریک کی شدت کم ہوئی تو اس کی پالیسی بھی اعتدال پر آگئی۔ اردو ادب کو سویرا جیسے باوقار، خوبصورت، اور معتبر پرچے نے کئی زاویوں سے متاثر کیا۔ اس کے ابتدائی مدیران نے سویرا کو خود مختار اور آزاد پرچہ بنانے کا عہد کیا تھا لیکن آزادی کے بعد اس نے خالصتاً ترقی پسند روش کو قبول کر لیا اور انتہا پسندی کا شکار رہا۔ دوسرے دور میں اس پر تصوف کا رنگ غالب تھا لیکن اس میں جدیدیت کے تمام عناصر موجود تھے۔ سویرا کے صفحات پر لسانی تشکیلات کی نئی تحریک کو فروغ دینے کی بھی سعی کی گئی۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اردو ادب کو آزادی کے بعد جن ادبی رسائل نے شدت سے متاثر کیا اور اظہار و ابلاغ میں ایک نئی طرح ڈالی ان میں سویرا ایک اہم نام ہے۔ (سویرا سے متعلق مزید تفصیلات باب چہارم میں درج ہیں)۔

علمی، تعلیمی و سائنسی رسالے:۔

علم کی طلب اور جستجو، انسان کے لیے کوئی نئی شئے نہیں ہے وہ ہمیشہ سے اپنے علم اور ذہنی استعداد میں اضافے کا خواہاں رہا ہے۔ صحافت کی ابتداء و ارتقاء بھی انسان کی اسی روش کا پیش خیمہ ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں صحافت کا آغاز انگریز دور حکومت میں ہوا۔ اس وقت اس کا مقصد نہ صرف عوام الناس کو ہر طرح کی معلومات بہم پہنچانا تھا بلکہ نت نئے علوم کا فروغ اور آگہی بھی صحافت کے فرائض میں شمار کی جاتی تھی۔

بقول ڈاکٹر عبدالسلام خورشید:

"علم کے فروغ سے مراد یہ تھی کہ قارئین کو سائنس اور مغربی علوم کی ترقیات سے آشنا کیا جائے"[95]

یہی وجہ ہے کہ اخبارات کے ذریعے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن جلد ہی یہ محسوس کر لیا گیا کہ اخبارات روزمرہ کی خبروں کی فراہمی زیادہ بہتر طور پر سرانجام دے سکتے ہیں، بجائے قارئین کی علمی و تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے۔ چناں چہ مجلّاتی صحافت کے ضمن میں ایسے رسائل کا اجراء کیا گیا جو لوگوں میں علم و آگہی اور شعور بیدار کریں اور انہیں ان کے حقوق و فرائض سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کریں۔

۱۸۴۵ء میں ماسٹر رام چندر کی ادارت میں جاری ہونے والا رسالہ "فوائد الناظرین" اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھا، جس نے اس زمانے میں عوام میں سائنسی اور تاریخی مضامین کے ذریعے علم وشعور کی شمع روشن کی۔

لاہور سے جاری ہونے والا "خورشید پنجاب" (۱۸۵۶ء) اردو زبان کی ترقی وترویج کے لیے شائع ہوا، جس کے مالک و مدیر منشی ہرسکھ رائے تھے۔ اس رسالے میں اخلاقی، تاریخی، علمی، جغرافیائی اور مختلف موضوعات پر معلوماتی مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالے میں شائع ہونے والے سائنسی مقالات گراں قدر ہوتے تھے۔

ابتدائی دور کے اہم ترین علمی و تعلیمی رسائل میں سے ایک "تہذیب الاخلاق" ہے، جسے سر سید احمد خان نے ۱۸۷۰ء میں علی گڑھ سے جاری کیا۔ اس رسالے کا اجراء کے تہیہ انہوں نے اپنے دورہ انگلستان کے دوران کیا اور وہاں سے واپس آکر برصغیر کے مسلمانوں کو ایک مہذب قوم بنانے اور ان کو ہر طرح کے مشرقی ومغربی علوم سے روشناس کرانے کی غرض سے یہ رسالہ جاری کیا۔

اس رسالے میں خبروں اور ادبی مضامین کے بجائے علم وتحقیق، مذہبی تحقیق، سائنسی اور تہذیب وتمدن کو پروان چڑھانے والے مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ یہ تہذیب الاخلاق ہی تھا، جس کی تعلیمات کے باعث برصغیر کے مسلمانوں میں علم کا شعور بیدار ہوا۔ ملک کے کونے کونے میں مدارس قائم ہوئے۔ اور علی گڑھ کالج جیسے عظیم الشان تعلیمی ادارے کا ظہور بھی اسی رسالے کی کوششوں سے ممکن ہوا۔

۱۸۷۲ء میں اردو اور ہندی زبانوں میں شائع ہونے ولا رسالہ "مراسلہ کشمیر" کشمیری قوم کی اصلاح اور تعلیم و ترقی کے لیے جاری کیا گیا۔ جس کے مہتمم وسرپرست پنڈت شیونرائن بہار تھے۔ اس رسالے میں عوام کو معاشرتی زندگی بہتر طور سے گزارنے کے گر بتائے جاتے تھے۔ خصوصاً اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کی تلقین کی جاتی تھی۔

۱۸۸۷ء میں امرتسر سے ایک مشنری رسالے پنجاب ریویو کے اجراء کا بھی سراغ ملتا ہے، جس کے ایڈیٹر رجب علی تھے اور اس رسالے میں ملکی معلومات کے علاوہ حسن معاشرت، جدید علوم اور دیگر معلوماتی مضامین اور تبصرے شامل ہوتے تھے۔

۱۸۸۸ء میں جاری ہونے والے حیدرآباد دکن کے رسالے "حسن" کا شمار ان رسالوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے مضمون نگاروں کو انعام دینے کی روایت کا آغاز کیا۔ حسن بن عبداللہ عماد نواز جنگ کی ادارت میں شائع ہونے والے اس رسالے کی علمی وادبی حلقوں میں بڑی مانگ تھی۔

اس کے علاوہ مولانا شبلی نعمانی اور تھیوڈور بیک کی ادارت میں نکلنے والا محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین، علی گڑھ (۱۸۹۳ء)، بابائے اردو مولوی عبدالحق کا "افسر"، حیدرآباد دکن (۱۸۹۷ء)، سید ولایت حسین کا "علی گڑھ منتھلی" علی گڑھ (۱۹۰۳ء)، مولانا شبلی نعمانی کا "الندوہ"، شاہ جہاں پور (۱۹۰۴ء)، رضی الدین حسن کیفی کا "صحیفہ" (۱۹۰۵ء)، ظفر الملک علوی کا "الناظر"، لکھنؤ (۱۹۰۹ء)، مولوی عبدالحق کا "سائنس" اورنگ آباد (۱۹۲۹ء) اور مرزا محمد صادق کا "جامعہ"،

گورداس پور (۱۹۳۰ء) چند اہم علمی و تعلیمی رسالے ہیں جنھوں نے ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک برصغیر کے عوام میں علم وشعور بیدار کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

اگر ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابتداء سے لے کر قیام پاکستان یعنی ۱۹۴۷ء تک، برصغیر پاک و ہند میں ۱۰۹ کے لگ بھگ علمی و تعلیمی اور سائنسی رسائل کا اجراء ہوا، جو ملک کے مختلف شہروں سے جاری ہوئے تاہم لاہور، علی گڑھ، حیدرآباد دکن، دہلی اور لکھنؤ سے زیادہ رسالوں کی اشاعت ہوئی۔ یہ رسالے زیادہ تر ماہنامے تھے جبکہ سہ ماہی اور پندرہ روزے بھی دیکھنے میں آئے قیمت اور ضخامت کے لحاظ سے ہر رسالہ دوسرے سے الگ نظر آیا، جبکہ مندرجات کے لحاظ سے بھی رسالوں میں تنوع دیکھنے میں آیا۔

الغرض برصغیر پاک و ہند میں ہمیشہ سے علمی، تعلیمی رسالوں کے اجراء کی روایت رہی ہے، جو قیام پاکستان کے بعد بھی اسی طرح جاری وساری ہے۔

ذیل میں چند اہم علمی، تعلیمی وسائنسی رسائل کا جائزہ اوران کے مدیران کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

فوائد الناظرین:۔

۱۸۴۵ء میں دہلی سے رسالہ "فوائد الناظرین" کا اجراء ہوا۔ جس کے ایڈیٹر ماسٹر رام چندر صاحب تھے جبکہ نائب مدیر سید علی تھے۔ پہلے پہل یہ رسالہ ماہنامہ تھا، بعد میں پندرہ روزہ کر دیا تھا۔ صفحات کی تعداد پہلے ۴، بعد میں ۸ کر دی گئی۔ اس رسالے کا ماہانہ چندہ پہلے دو آنے تھا، جسے بعد میں چار آنے کر دیا گیا۔ شروع کے کچھ پرچے دہلی اردو اخبار بر مکان مولوی محمد باقر چھپے۔ ابتدائی چند پرچوں کے سرورق پر دو ایسے ہاتھوں کی تصویر شائع کی گئی، جو ایک پتی کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سرورق پر بادشاہوں اور مشہور آدمیوں کی تصویریں شائع ہونے لگی تھیں۔ ۹۶

یہ رسالہ ایک خالصتاً علمی رسالہ تھا جس میں نقشے اور سائنٹفک مضامین کے علاوہ آلات، تاریخی اشخاص کی تصویریں اور قطعات وغیرہ کے نقشے شائع ہوتے تھے۔ اکثر علمی بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ خدائے قادر و توانا، انسان کی تقدیر، عام توہمات، ذہانت، ضبط و نظم، اخلاقیات اور بالغوں کی تعلیم جیسے مضامین چھپتے تھے۔ اس رسالے میں یورپین علوم کی بھی اشاعت ہوتی تھی اور ٹائمز لندن کے ہفت روزہ ایڈیشن کے مضامین کا ترجمہ بھی شائع کیا جاتا تھا۔ ۹۷

چونکہ یہ ایک علمی رسالہ تھا، اس لیے عام لوگوں میں بہت مقبول نہ تھا۔ بقول امداد صابری:

"فوائد الناظرین کی شہری اور ملکی لوگوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ خریدار بہت کم بنے، البتہ انگریزی افسران اور خاص طور پر سر جان لارنس، جو اس وقت دہلی میں مجسٹریٹ تھے۔ ڈاکٹر راس (سول سرجن)، مسٹر گبن (جج دہلی)، ان رسالوں کے متعدد نسخے خریدتے تھے، جس سے چھپائی کا خرچ نکل آتا تھا" ۹۸

۱۸۴۷ء میں شکایت کی گئی کہ اس اخبار میں خبریں کم شائع ہوتی ہیں،تو مدیر ماسٹر کرم چند نے ایک شمارے میں کچھ یوں تحریر کیا:

"ہم نے اقرار کیا تھا کہ جب پرچہ دو گنا ہو جائے گا، اس وقت سے آخر کے صفحہ میں اخبار تازہ درج کیا کریں گے۔ سو ہم اس اقرار کو پورا کرتے ہیں۔ یقین ہے جو صاحب اس پرچہ کو لیتے ہیں، انہیں بذریعہ اس قیمت پرچہ کے اخبار سے بھی اطلاع رہے گی۔ بالفصل ایسا پرچہ کوئی ہندوستان میں نہیں چھپتا ہے کہ باوجود اتنے مضامین علمی اور اخبار پسندیدہ کے ایسی کم قیمت کو آتا ہے۔ اب یہ پرچہ کامل ہو گیا ہے کہ اس میں خبریں بھی درج ہونے لگیں، جو صاحب فقط اخبار کے شائق ہیں، ان کے لیے بھی مفید ہوگا"۹۹

رسالے میں شائع ہونے والی خبروں کا اندازہ جنوری ۱۸۵۲ء کے شمارے میں شائع ہونے والی خبروں سے لگایا جاسکتا ہے جو کچھ یوں ہیں:

"مولراج کی سرگرمیاں اور اس کی موت، قسطنطنیہ میں زلزلہ، کلکتہ سے ۴۰ میل تک ریلوے لائن کی تعمیر، مولراج پر جو نوٹ ہے، اس میں ملتان کے محاصرہ، اس کی گرفتاری، کلکتہ کو اس کی روانگی اور علالت اور واپسی کے وقت جہاز پر اس کی موت، قسطنطنیہ کے زلزلہ کے ہولناک نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے، اس زلزلے سے جو ترک اور یونانی ہلاک ہو گئے، ان کی مجموعی تعداد ۱۸۳ ہے"۱۰۰

فوائد الناظرین میں غزلوں اور قطعات وغیرہ بھی شائع ہوتے تھے۔ ۲۲ جنوری ۱۸۴۹ء کے شمارے میں فراسو صاحب کی تحریر کردہ غزل کا ایک شعر کچھ یوں ہے:

جو معرکہ الفت میں تری ہم سے نہ ہوگا
ہے ہم کو یقیں، وہ کبھی عالم سے نہ ہوگا ۱۰۱

الغرض فوائد الناظرین وہ تاریخی رسالہ و اخبار تھا جس نے اپنے وقت میں قارئین کو حالات سے باخبر رکھنے کی ذمہ داری پوری کی اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔ یہ امر جاننے کے قابل ہے کہ اس رسالے کی بیشتر خبروں میں انگریز بہادر کو خوش کرنے اور ہندوستانی مجاہدین کی شکست کے پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جاتا تھا۔

۱۸۵۳ء کی رپورٹ میں اخبارات کی مجموعی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر بی سی سمتھ اسسٹنٹ سیکرٹری حکومت شمالی و مغربی لکھتے ہیں:

"سب سے زیادہ قابل ذکر قرآن السعدین اور فوائد الناظرین ہیں، جو الگ الگ میدانوں میں مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دونوں اخباروں کے ایڈیٹر اپنے صفحات کو یورپین علوم کی اشاعت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ روز بروز ان کے انداز تحریر میں پختگی پیدا ہو رہی ہے"۱۰۲

ماسٹر رام چندر:۔

ماسٹر رام چندر ۱۸۲۱ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سندر لال تھا جو دہلی کے باشندے اور کائستھ تھے دہلی میں نائب تحصیل داری کی خدمت پر مامور ہوئے۔

۱۸۳۱ء میں بیماری کے باعث ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور والدہ نے نہایت مشکلوں سے ان کو تعلیم دلائی۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی۔ پھر ۱۸۳۳ء میں انگلش اسکول میں داخل ہوئے اور چھ سال تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں خاندانی رواج کے مطابق شادی ہوئی۔ معاشی مشکلات کے باعث تعلیم کو خیر باد کہہ کر اٹھارہ برس کی عمر میں محرری پر ملازم ہوئے اور تین سال بعد ۱۸۴۱ء میں جب دہلی کا مدرسہ کالج ہوگیا تو اس میں داخلہ لے لیا اور سینئر وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں شعبہ مشرقی میں یورپین سائنس کے استاد مقرر ہوئے اسی زمانے میں قائم ہونے والی ورنیکولر ٹرانس لیشن سوسائٹی کے لیے اردو میں الجبراء اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں۔ ۱۸۵۴ء میں ماسٹر صاحب نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں ماسٹر رام چندر ٹامس سول انجینئرنگ کالج کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ستمبر ۱۸۷۵ء میں دہلی ڈسٹرکٹ اسکول میں ہیڈ ماسٹری پر بھی مامور کردیا گیا۔ ستمبر ۱۸۷۵ء میں دہلی ڈسٹرکٹ اسکول میں ہیڈ ماسٹری پر مامور ہوئے ماسٹر صاحب ریاست پٹیالہ کے ڈائریکٹر تعلیمات کے عہدے پر بھی فائز رہے۔[۱۰۳]

رام چندر کئی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ چند اہم اردو رسائل کے مدیر بھی رہے۔ رسالہ "فوائد الناظرین" (۱۹۴۵ء) اور "محبّ ہند" (ابتدائی خیر خواہ ہند) ۱۹۴۷ء، ماسٹر صاحب کے وہ رسائل ہیں جنہوں نے ہندوستان میں مجلاتی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

خورشید پنجاب:۔

لاہور سے جنوری ۱۸۴۶ء میں ماہنامہ "خورشید پنجاب" کا اجراء ہوا، جس کے بانی و مالک ہر سکھ رائے تھے۔ ۵ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع کوہ نور سے چھپتا تھا۔ یہ ایک معیاری رسالہ تھا، جس کے اغراض و مقاصد کچھ یوں تھے:

"واجب یہ ہے کہ سب سے پہلے سبب طلوع اور وجہ شیو اس خورشید پنجاب کا ظاہر کیا جاوے، جس سے دقیقہ سنجان خدیقت آگاہ کو واضح ہو کہ شیوع اس خورشید سے کیا مقصود ہے اور طلوع اس مہر منیر سے کیا فائدہ مقصود ہے۔ سو گزارش کیا جاتا ہے کہ غرض اصلی اجرائے اس نسخۂ دل پذیر برتر از اکسیر سے یہ ہے کہ پنجاب میں جو زبان اردو کا ربط ابھی اچھی طرح نہیں ہوا ہے اور یہ سبب اس کے فی زمانہ زبان اردو کو یہ بہ درجہ غایت اقتدار ہے، دفاتر سرکاری میں بھی اس کا رواج ہے۔ شعر و سخن میں بھی اس کو لطیف کہتے ہیں۔ بول چال میں بھی اس کی فصاحت پر توجہ فرماتے ہیں۔ اور دفاتر سرکاری کے علمگان بعض ایسے ہیں کہ تنگی معاش کے باعث مکتب سے اٹھتے ہی تلاش نوکری میں مصروف ہوگئے اور نوکری بہم پہنچا کر تحصیل آئندہ سے محروم ہو رہے ہیں یا اکثر لوگ

ایسے ہیں کہ مشاہرہ کی کمی سے کتب قیمتی قوانین سرکار اور دیگر علوم وفنون کو خرید نہیں کر سکتے اور اس بات سے ترقی آئندہ سے مجبور رہتے ہیں، سو اس میں اکثر ایسے مضامین درج ہوا کریں گے، جن سے اردو کی ماہیت بوجہ احسن واضح ہوگی اور اس زبان کے شائقوں کو نفع خاطر خواہ حاصل ہوگا اور پنجاب کے شرفاء طالب علموں کو اس سے مدد کافی ملے گی"۱۰۴

رسالے کی اشاعت میں تاخیر ہونے پر مدیر منشی ہرسکھ رائے جنوری ۱۸۵۷ء کے شمارے میں رقم طراز ہیں:

"ہر چند سنجیدہ دانش وبینش ہے کہ ۱۸۵۶ء میں گردش فلکی نے مطبع کوہ نور پر کس کس طرح کے جور وجفا نہ کیے اور کیا کیا خرابیاں حاسدان بدکیش کی سبب سے نہ ہوئیں۔ اس کا ذکر کرنا ناگفتہ بہ ہے۔۔۔ اگرچہ دشمنان اہالی مطبع کی علالت طبع میں گونہ توقف ہوا اور یہ بات ناظرینان خورشید پنجاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس سال میں کس قدر بیماری جہانگیر ہوئی۔ بہر حال اسی وجہ سے کہ رسالے کے طبع ہونے میں توقف واقع ہوا۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمیشہ ہی وہی صورت رہے گی"۱۰۵

خورشید پنجاب تقریباً ۴۸ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا جس کا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ سرورق کے چار صفحات علیحدہ ہوا کرتے تھے۔ اس رسالے کا کاغذ، طباعت اور معیار نہایت بہترین تھا۔

"خورشید پنجاب" کا اولین مقصد فروغ علم تھا۔ اس مقصد کے لیے "خورشید پنجاب" میں تعلیم سے متعلق بہت سے مضامین لکھے گئے۔ اخلاقی، علمی، تاریخی وجغرافیائی موضوعات کے علاوہ سائنسی موضوعات پر بھی مضامین لکھے جاتے تھے۔ مضامین کی زبان عام فہم تھی اور تصاویر اور خاکے بھی دیئے جاتے تھے۔۱۰۶

الغرض یہ ایک مکمل طور پر علمی وادبی رسالہ تھا جس نے پنجاب میں علم وادب کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ رسالہ کب تک جاری رہا۔ اس کے ٹھوس شواہد نہیں ملتے تاہم اس رسالے کی خدمت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

منشی ہرسکھ رائے:۔

منشی ہرسکھ رائے ذات کے کائیستھ تھے۔ سکندر آباد ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ ان کے جد اعلا خواجہ دیپ چند رائے کو سکندر لودھی کے عہد حکومت میں قانون گو کے عہدے پر فائز کیا گیا اور ساتھ ہی سکندر آباد میں جاگیر عطا ہوئی۔ تب سے یہ خاندان اسی شہر کا باسی ہوگیا۔ منشی ہرسکھ رائے نے اس علمی اور تہذیبی روایات کے حامل خاندان میں آنکھ کھولی۔ ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق اردو اور فارسی ادب کی تعلیم پائی۔ اور پھر نوجوانی ہی میں میرٹھ چلے گئے اور وہاں اخبار "جام جمشید" میں مہتمم مقرر ہوگئے۔ ۱۸۴۹ء میں ہرسکھ رائے اخبار اور مطبع سے علیحدٰہ ہوکر لاہور آگئے۔ لاہور آکر ہرسکھ رائے نے مطبع کوہ نور کی بنیاد ڈالی اور کتابیں چھاپنی شروع کیں اور پھر چند ماہ بعد ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء کو "کوہ نور" اخبار جاری کردیا۔ منشی ہرسکھ رائے اس خطے میں اردو طباعت وصحافت کی داغ بیل ڈالنے والے اولین صحافی ہیں۔ کوہ نور کے اجراء کے چند سال بعد ہرسکھ رائے گرفتار کر لیے گئے، ان کی گرفتاری اور سزا انتقامی کاروائی

کا نتیجہ تھی کیونکہ سرکار کا حامی ہونے کے باوجود عدلیہ کے معاملات پر یہ اخبار نکتہ چینی کیا کرتا تھا اور کھلم کھلا ججوں اور مجسٹریٹوں کی نالائقی اور نااہلی کو ہدف تنقید بناتا رہتا تھا۔

منشی ہرسکھ رائے نے اپنی ساری زندگی صحافت کی نذر کی۔ پنجاب میں تعلیم کو عام کرنے اور سماجی بیداری پیدا کرنے میں بھی ان کے اخبار کا بڑا حصہ ہے۔ جنوری ۱۸۵۶ء میں ان کے ادارے سے ایک ماہانہ رسالہ "خورشید پنجاب" منظر عام پر آیا۔ ۱۸۶۰ء میں انھوں نے ایک قانونی رسالہ ماہنامہ " گنج شائگاں" جاری کیا یہ دونوں رسالے معیاری اور نہایت معلومات افزا تھے۔ ان کے مطبع سے مفید اور معلوماتی علمی، ادبی اور تاریخی موضوعات پر کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ ان میں اصلاحی مقاصد کے تحت چھاپی جانے والی بعض کتابیں اور کتابچے مفت بھی تقسیم کئے جاتے تھے۔

منشی ہرسکھ رائے نے اخبار اور مطبع کی بدولت عزت، شہرت اور دولت سبھی کچھ کمایا۔ وہ لاہور میونسپل کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ان کی رہائش گاہ ہرسکھ رائے حویلی کے نام سے مشہور ہوئی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کا شمار لاہور کے پچاس روساء میں کیا جانے لگا۔ ہرسکھ رائے کے مہاراجہ کشمیر سے خصوصی مراسم تھے۔ مہاراجہ کی طرف سے انہیں ماہانہ وظیفہ بھی ملا کرتا تھا۔ بلکہ ۱۸۷۴ء میں جب ہرسکھ رائے مالی طور پر تقریباً دیوالیہ ہو گئے تو مہاراجہ نے ان کی دست گیری کی تھی۔ ۳ ستمبر ۱۸۹۰ء کو ہرسکھ رائے چل بسے۔ ۱۰۷

رسالہ "تہذیب الاخلاق":۔

۲۳ دسمبر ۱۸۷۰ء کو علی گڑھ سے سرسید احمد خان کی ادارت میں ایک تعلیمی وتہذیبی رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے کا انگریزی نام "دی محمڈن سوشل ریفارمر" تھا۔ یہ رسالہ اردو زبان میں چھپتا تھا اور ۸ یا ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ رسالہ کا سائز ۲۲/۴×۱۸ تھا۔ ہر صفحے پر دو کالم ہوتے تھے۔ سارا مواد نسخ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے موٹے کاغذ پر چھپتا تھا۔ ۱۰۸

تہذیب الاخلاق خالصتاً قوم کی فلاح و بہبود کے مقاصد کو ذہن میں رکھ کر جاری کیا گیا تھا۔ اس کا اجراء تجارت کی نیت سے نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی جو بھی آمدنی ہوتی، اسے رسالے کی اشاعت اور بہتری کے لیے استعمال کیا جاتا۔

سرسید نے اپنے دوستوں اور حامیوں کی ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ جس کے ہر ایک ممبر سے "تہذیب الاخلاق" کو چلانے کے لیے ساٹھ روپے سالانہ اور عام خریداروں سے کم سے کم تین روپیہ سالانہ چندہ اور ڈیڑھ روپیہ محصول کا مقرر کیا تھا۔ ۱۰۹

رسالے کے پہلے شمارے میں اعلان کیا گیا کہ یہ پرچہ حسب ضرورت مہینے میں ایک بار، دوبار یا تین بار شائع ہوا کرے گا۔ بہر حال عام طور پر تین بار ہی نکلتا تھا اور ایک پرچے کی قیمت چار آنے ہوتی تھی۔ یہ رسالہ مطبع علی گڑھ انسٹی

ٹیوٹ، علی گڑھ میں منشی محمد مشتاق حسین کے اہتمام میں چھپتا تھا۔ اور اس کی ساری کاپیاں سید احمد خان کو بنارس کے پتے پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں سے ان کی تقسیم عمل میں آتی تھی۔ ۱۰؎

رسالہ "تہذیب الاخلاق" سرسید احمد خان کے نظریات و افکار کا ترجمان تھا جسے انھوں نے ۱۸۷۰ء میں اپنے دورہ انگلستان سے واپسی پر جاری کیا۔ اس کے اجراء کے پس پردہ دو انگریزی اخبارات "دی ٹیٹلر" (The Tatler) اور "دی اسپیکٹیٹر" (The Spectator) تھے، جن سے متاثر ہوکر سرسید احمد خان نے وطن واپس آ کر ملک و قوم کی خدمت کی غرض سے یہ رسالہ جاری کیا۔

بقول مولانا حالی:

"مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح اور ان کی ترقی کی طرف مائل کرنے کے لیے سرسید نے یہ اخبار جاری کیا۔ انھوں نے اس پرچہ کے نکالنے کا ارادہ ولایت ہی سے کرلیا تھا۔ کیوں کہ تہذیب الاخلاق کی پیشانی پر جو اس کا نام اور بیل چھپتی تھی، اس کا ٹائپ وہ لندن سے بنوا کر اپنے ساتھ لائے تھے" ۱۱؎

"تہذیب الاخلاق" کے پہلے شمارے میں سرسید احمد خان رسالے کے اجراء کے مقاصد بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس پرچے کے اجراء کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تا کہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلائیں" ۱۲؎

یہاں لفظ "تہذیب" کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"سویلیزیشن انگریزی لفظ ہے، جس کا "تہذیب" ہم نے ترجمہ کیا ہے، مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں۔ اس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی، اخلاق و معاملات اور معاشرت و تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور ان کو نہایت خوش اسلوبی سے برتنا، جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے" ۱۳؎

اسی طرح مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں تہذیب الاخلاق کے مقاصد کی تشریح کچھ ان الفاظ میں کی ہے"

"تہذیب الاخلاق کا مقصد قوم کی اصلاح اور ترقی ہے۔ تہذیب قومی کی اصلاح سے چند چیزیں مراد ہیں۔ انفرادی اخلاق کی اصلاح، قومی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح، علمی رجحان اور علمی ذوق پیدا کرنا، دینی نقطۂ نظر کی اصلاح ادبی مذاق کی درستگی اور شائستگی کی کوشش، قومی عزت اور ذات کا احساس پیدا کرنا، اور جدید ترقیات علمی کی طرف راغب کرنا، اردو زبان کو صحیح معنوں میں علمی زبان بنانا اور اسے تمام قومی تہذیبی اور دینی احساسات کا ترجمان بنانا" ۱۴؎

"تہذیب الاخلاق" کے مقاصد میں مسلمانوں اور حکمرانوں کے درمیان موجود تنازعات اور چپقلشوں کو ختم کر کے مسلمانوں کو سوچ وفکر اور علم وعمل کے دھارے میں شامل کرنا تھا۔

"تہذیب الاخلاق" میں خبریں یا ادبی مضامین بہت کم ہوتے تھے۔علمی وہ بھی دینی مسائل پر تحقیقی و اصلاحی و تنقیدی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی مضامین شائع ہوتے تھے یا مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے، علی گڑھ کالج کے قائم کرنے، اس کو ترقی دینے کے بارے میں مقالات اور اسکی روداد وقوانین طبع ہوتے تھے۔۱۵؎

تہذیب الاخلاق کے لکھنے والے سرسید، مولوی مہدی علی، منشی مشتاق حسین، مولوی چراغ علی، مولانا الطاف حسین حالی، منشی ذکاء اللہ اور محمد احسان اللہ وغیرہ تھے کبھی کبھی سید محمود کے مضمون بھی شائع ہوجاتے تھے۔سرسید مذہبی مضامین کے علاوہ معاشرتی، تمدنی مضامین بھی لکھتے تھے۔مگر آخری دنوں میں زیادہ تر مذہبی مضامین لکھنے لگے تھے۔۱۶؎

رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے مضامین برصغیر کے مسلمانوں کو سوچ وفکر کے دھارے میں شامل کرنے میں نہایت کار آمد ثابت ہوئے۔خصوصاً علمی و تعلیمی میدان میں اس رسالے کی خدمات گراں قدر ہیں۔خود سرسید بھی تعلیم کو عام کرنے اور ترقی دینے میں تعصبات سے بالاتر ہوکر دن رات کوشاں تھے یہی وجہ ہے کہ جلد ہی پورے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ قائم ہوئے۔انتہائی شدید مخالفت کے باوجود بھی سرسید نے ہمت نہ ہاری اور اسی رسالے کی وجہ سے علی گڑھ محمڈن کالج کا قیام عمل میں آیا اور مسلمان انگریزی تعلیم کی جانب راغب ہوگئے گویا یہ رسالہ ایک تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

رسالہ "تہذیب الاخلاق" تین ادوار پر مشتمل رہا۔ پہلا دور دسمبر ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۶ء تک، دوسرا ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۲ء تک اور تیسرا دور ۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۸۹۸ء تک کے عرصے پر محیط رہا۔۱۷؎

ایم ایس ناز اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"تہذیب الاخلاق نے چھ سال سات ماہ کی عمر پائی۔اس عرصہ میں اس پرچہ میں ۲۲۶ مضامین شائع ہوئے، جن میں سے ایک سو سے زائد سرسید احمد خان نے خود لکھے تھے۔تہذیب الاخلاق کا آخری شمارہ یکم رمضان ۱۲۹۳ء کو شائع ہوا۔اس کے تین سال بعد تہذیب الاخلاق کے اجراء کی دوبارہ ضرورت محسوس کی گئی۔اس مرتبہ یہ پرچہ اڑھائی برس تک نکلتا رہا۔ پھر بند ہوگیا۔تیرہ برس بعد اس کا تیسرا دور شروع ہوا۔جو تین سال پر محیط تھا۔اس سارے عرصہ میں تہذیب الاخلاق نے برصغیر کی تہذیب پر بے پناہ اثرات مرتب کیے۔اس کے ذریعے مسلمانوں میں اسلامی اخوت اور علم قومیت کا احساس زندہ ہوگیا اور گوشے گوشے میں درس وتدریس کے اسلامی مرکز قائم ہونے لگے۔۔۔محمڈن لاء کالج کا قیام تہذیب الاخلاق ہی کا ثمرہ تھا۔۔۔"۱۸؎

الغرض "تہذیب الاخلاق" سرسید احمد خان کا وہ عظیم کارنامہ ہے، جو اردو صحافت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔انہوں نے اردو زبان وادب کو وہ نئی جہت عطا کی، جو اپنی مثال آپ ہے۔انہیں اسی بناء پر جدید نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔ اپنی ان ہی کوششوں کے حوالے سے وہ خود رقم طراز ہیں:

"جہاں تک ہم سے ہوسکا، ہم نے اردو زبان کے علم وادب کی ترقی میں اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کی ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری صحیح زبان نے یاری دی، الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینیٔ عبارت سے جو تشبیہات اور مضامین خیالی سے بھری ہوتی ہے اس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں مقفی عبارت کہلاتی تھی، ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہوسکا، سادگی زبان پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو، وہ صرف مضمون کی ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تا کہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے "۱۱۹

اپنی ان ہی خوبیوں اور علمی بلندی کے باعث سرسید احمد خان کا "تہذیب الاخلاق" صاحبان علم کے دلوں پر راج کرتا رہے گا۔ بقول مہدی افادی:

"تمام نئی نسل اپنی ساری علمی اور ادبی ترقیات کے سمیت تہذیب الاخلاق کی پروردہ ہے "۱۲۰

سرسید احمد خان:۔

سرسید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن زیادہ تر شاہ غلام علی کی زیر تربیت گزرا۔ انہوں نے ہی آپ کا نام احمد رکھا۔ سرسید احمد خان بڑے خوش اخلاق، علم دوست، مخلص، دیانت دار، مستقل مزاج، دور اندیش، بلند پایہ ادیب اور دلنشیں مقرر تھے۔

سرسید احمد خان پہلے مسلم رہنما تھے جنھوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس سے مقابلے میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کر کے ایک طرف مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت سے باز رکھنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کو ہندوؤں کے برابر لانے اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہتر بنانے کے لیے ملک گیر مہم چلائی۔

سرسید احمد خان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ علی گڑھ کالج کا قیام تھا۔ آپ اس اصول پر کاربند تھے کہ جب زمانہ بدلے تو اپنے آپ کو مذہبی عقائد وخیالات کے دائرہ میں رہتے ہوئے بدلیں اور زمانے کا ساتھ دیں۔ سرسید احمد خاں نے عملی صحافت کا آغاز اپنے بھائی سید محمد کے اخبار "سید الاخبار" سے کیا۔ یہی اخبار ان کی صحافتی تربیت کا ذریعہ بنا۔ یہ اخبار ۱۸۵۰ء میں بند ہوگیا۔

۱۸۶۳ء میں سرسید نے ایک ایسی علمی وادبی تنظیم کے قیام کی تجویز پیش کی جو ہندوستان میں جدید علوم وفنون کا انگریزی سے اردو میں ترجمے کا اہتمام کرے۔ ۹ جنوری ۱۸۶۴ء کو اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا اور سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے تنظیم غازی پور میں قائم کی گئی۔

علی گڑھ سے ۳ مارچ ۱۸۶۶ء کو ایک اخبار جاری کیا گیا۔ اس کا اردو نام، اخبار سائنٹفک سوسائٹی، اور انگریزی نام، دی علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ تھا۔ اس اخبار نے اردو اخبارات میں اداریہ لکھنے کو رواج دیا۔

سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے "تہذیب الاخلاق" کے نام سے اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا۔ تہذیب الاخلاق کا پہلا شمارہ یکم شوال ۱۲۸۷ھ بمطابق ۱۸۷۰ء کو شائع ہوا۔ اس کے دو نام تھے۔ اردو میں تہذیب الاخلاق اور انگریزی میں "دی محمڈن سوشل ریفارمر" یہ اردو زبان میں ہر ماہ تین بار شائع ہوتا تھا۔ یہ مسلسل چھ سال تک جاری رہا۔ تہذیب الاخلاق نے مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس اخبار نے مسلمانوں کو فرسودہ روایات و رسومات کی اندھا دھند تقلید نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی زندگیوں میں مغربی طور طریقوں کو رائج کریں لڑکیوں کے لیے بھی تعلیم کا انتظام کریں اور ہر قسم کے علوم فنون سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔

سر سید احمد خان نے اردو صحافت کو اعلیٰ روایات سے ہمکنار کیا۔ صداقت بے خوفی اور بے غرضی ان کی صحافت کا طرۂ امتیاز تھا۔ سر سید احمد خان نے جس مسئلے کو بیان کرنا چاہا بے خوف اور بے غرض بیان کیا۔ ان کے ذہن و قلب میں جو کچھ آیا اسے درست جان کر بیان کر دیا۔ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی پر کیچڑ نہ اچھالی اور نہ ہی بے جا تنقید کو روا رکھا۔ سر سید احمد خان کی صحافت نے دوسرے اخبارات و رسائل کے لیے نشان راہ کا کام دیا۔ انہوں نے اخبار کو محض خبروں تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ سر سید نے دوسری زبانوں بالخصوص انگریزی کے مضامین کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ انہوں نے اردو صحافت کو اداریہ نویسی کے فن سے آشنا کیا۔

سر سید احمد خان ۸۰ سال کی عمر میں چند روز بیمار رہ کر ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء بمطابق ۵ ذیعقد، ۱۳۱۵ھ اس دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ آپ کو علی گڑھ یونی ورسٹی کی مسجد کے شمالی پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ ۱۲۱

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین / علی گڑھ میگزین:۔

۱۸۹۳ء میں علی گڑھ سے شائع ہونے والا ماہنامہ "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین" اپنے وقت کا ایک بہترین علمی و تعلیمی رسالہ تھا۔ یہ رسالہ اردو اور انگریزی دو زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ اردو حصے کے ایڈیٹر مولانا شبلی نعمانی اور انگریزی حصہ کے ایڈیٹر تھیوڈور بیک تھے۔ رسالے کا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا اور اس کی طباعت فیض عام پریس، علی گڑھ میں ہوتی تھی۔ ۱۲۲

اس رسالے کو "علی گڑھ میگزین" بھی کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں یہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا تھا۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں اس نے مستقل رسالے کی صورت اختیار کر لی" ۱۲۳

شبلی نعمانی جب اس رسالے کے مدیر ہوئے تو انھوں نے لکھا:

" قریبا چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا، علی گڑھ کالج سے نکلنا شروع ہوا۔ اول اول وہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا، لیکن ۱۸۹۴ء میں اس نے ایک مستقل رسالے کی صورت اختیار کر لی" ۱۲۴

اینگلو اورینٹل کالج میگزین کا سائز ۲۰x۱۴ (س م) تھا اور اس کے کل صفحات ۴۰ ہوتے تھے، جس میں سے ۲۴ صفحات حصہ اردو کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔۱۲۵

یہ رسالہ ایک بہترین علمی و تعلیمی رسالہ تھا جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ مسلمانوں کے علوم وفنون، تاریخ اور ادب کے بارے میں مفید مضامین شامل کیے جاتے تھے۔۱۲۶

اس حوالے سے شبلی نعمانی کا کہنا ہے:

"اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اسکے متعلقات پر محدود ہوتے تھے اور اسی وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھ چنداں دلچسپی نہ تھی۔ اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تا کہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے، جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ مسلمانوں کے علوم وفنون، تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پرزور مضامین لکھے جائیں"۔۱۲۷

اس رسالے میں اپنے وقت کے بڑے بڑے قلم کاروں کے مضامین چھپتے تھے جن میں نواب محسن الملک، مولوی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، حسرت موہانی، وحید الدین سلیم اور منشی ذکاء اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ ایک بلند پایہ علمی رسالہ تھا جس نے مشرقی علوم کی اہمیت اور شعور اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی اور جدید علوم کی طرف بھی مسلمانوں کو راغب کرنے کی کوشش کی اور اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب بھی رہا۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین عرف علی گڑھ میگزین، علمی و تعلیمی حلقوں میں تا دیر یاد رکھا جائے گا۔

مولانا شبلی نعمانی:۔

مولانا شبلی نعمانی مئی ۱۸۵۷ء بمقام بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا وہ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ میں مولوی شکر اللہ سے حاصل کی پھر علامہ شبلی غازی پور آگئے اور غازی پور میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کے شاگرد ہوئے۔ پھر آپ رامپور آگئے اور مولانا ارشاد حسین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور جا کر مدرسہ عربیہ میں مولانا فیض الحسن سے عربی کی تعلیم حاصل کی پھر سہارنپور سے مولانا احمد علی سے حدیث کا درس لیا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تھے کہ ۱۸۷۶ء میں مولانا اپنے والد کے ساتھ حج کرنے چلے گئے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے وطن واپس آکر اپنے والد اور اپنے استاد مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کی خواہش پر وکالت کا امتحان پاس کیا لیکن اس میں ان کا دل نہ لگا اور وہ نوکری کی طرف متوجہ ہو گئے۔

علامہ شبلی کے چھوٹے بھائی مہدی حسن اینگلو محمڈن کالج میں پڑھتے تھے۔ علامہ شبلی کے والد ان سے ملنے جاتے رہتے تھے۔ پھر ۱۸۱۸ء میں علامہ شبلی کے والد اپنے بیٹے سے ملنے علی گڑھ گئے تو مولانا شبلی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور وہاں سرسید احمد خان سے ان کی ملاقات کرائی۔ علی گڑھ میں جب عربی، اور فارسی کے استاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو شبلی

نعمانی بحیثیت استاد اس سے منسلک ہو گئے۔ علامہ شبلی نعمانی نے قلم اور زبان سے کالج کی بڑی خدمت کی۔ علی گڑھ یونین میں تقریریں، علی گڑھ میگزین کی ادارت کی اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے ایسے کام کیے جو کالج کی عزت وشہرت کا سبب بنے۔

مولانا صاحب نے سرسید کے ذاتی کتب خانے سے بے حد استفادہ کیا اس کے علاوہ بالخصوص آرنلڈ اور سرسید نے علامہ شبلی کی علمی زندگی پر بے حد اچھے اثرات مرتب کیے۔ علامہ شبلی اور آرنلڈ کے درمیان بڑے خوشگوار علمی تعلقات تھے لیکن قیام علی گڑھ میں شبلی پر جتنا اثر سرسید کا ہوا کسی اور کا نہ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا صاحب نے "المامون"، "سیرۃ النعمان" جیسی کتابیں اور دوسرے تحقیقی مضامین اور قومی نظمیں بھی اس دور میں لکھیں۔

علامہ صاحب نے ۱۸۹۲ء میں قسطنطنیہ کا سفر اختیار کیا تو وہاں سلطان عبدالحمید خان شہنشاہ ترکی نے "تمغۂ مجیدیہ" عطا کیا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند سے "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔ ۱۹۱۰ء میں گورنمنٹ اورینٹل کانفرنس شملہ میں شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ ۱۹۱۳ء میں سلطنت ترکی کی طرف سے مدینہ یونی ورسٹی کا قیام تجویز ہوا اس کا نصاب علامہ شبلی کو مرتب کرنے کے لیے منتخب کیا گیا۔

ندوہ ایک تعلیمی، مذہبی اور اصلاحی تحریک تھی۔ شبلی نعمانی دارالعلوم میں ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۳ء تک رہے اس دوران انہوں نے دارالعلوم کے لیے بے حد خدمات انجام دیں۔ نصاب میں ردوبدل کیا انہوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی ندوہ کے لیے وقف کر دیا۔ تاہم بعد میں کچھ علماء سے اختلافات کی بناء پر مولانا نے استعفیٰ دے دیا اور ندوۃ سے علیحدہ ہو کر شبلی اسکول کی طرف متوجہ ہوئے۔

۱۹۱۳ء میں علامہ شبلی نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اردو مصنفین کی ایک ایسی جماعت بنائی جائے جو مذہبی لٹریچر تیار کرے تاکہ مسلمان اپنی عظمت رفتہ سے آگاہ ہوں۔ بالآخر ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو وہ وفات پا گئے اور انہیں شبلی منزل میں ہی دفن کیا گیا۔ ۱۲۸

افسر:۔

حیدرآباد دکن سے ۱۸۹۷ء میں ایک رسالہ "افسر" کا اجراء ہوا، جس کے مدیر محبت حسین تھے تقریباً دوسال بعد اس رسالے کی ادارت مولوی عبدالحق کے سپرد کی گئی۔ طاہر مسعود اس حوالے سے لکھتے ہیں:

" گریجویشن کے بعد عبدالحق نواب محسن الملک کا خط لے کر حیدرآباد دکن گئے اور ریاست کے ہوم سیکرٹری مولوی عزیز مرزا کے دفتر میں مترجم مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں افواج آصفیہ کے سپہ سالار نواب افسر الملک نے رسالہ "افسر" جاری کر رکھا تھا۔ اور اس کی ادارت کی ذمہ داریاں مولوی محبت حسین کے سپرد کر رکھی تھیں۔۔۔ مولوی محبت حسین، افسر الملک کے دفتر میں ترجمے کے کام پر مامور تھے اور ساتھ ہی "معلم نسواں" اور "شفیق" کے نام سے دو رسالے بھی نکالتے

تھے۔ مصروفیتوں کے ساتھ "افسر" پر یک سوئی سے توجہ دینا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ افسر الملک کو اس صورت حال کا اندازہ تھا اور وہ "افسر" کے لیے کسی دوسرے مدیر کی تلاش میں تھے، چنانچہ جب نواب وقار الملک کے ذریعے افسر الملک کی ملاقات مولوی عبدالحق سے ہوئی تو افسر الملک نے انہیں مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر کے عہدے کی پیش کش کی۔ عبدالحق مدرسے کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تو ماہنامہ "افسر" کی ادارت بھی ان کے حصے میں آ گئی"۱۲۹؎

ماہنامہ "افسر ۱۵×۲/۱ ۲۲ سینٹی میٹر کے سائز پر ۳۲ صفحات کا مکمل فوجی رسالہ تھا، جس میں فن حرب سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ ۱۳۰؎

افسر ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ جس کا سالانہ چندہ چار روپیہ تھا اور یہ حیدر آباد پریس متصل پل چادر گھاٹ بازار عیسیٰ میں چھپتا تھا۔ ۱۳۱؎

مولوی عبدالحق نے "افسر" کی ادارت سنبھالتے ہی اس رسالے میں چند تبدیلیاں کیں اور اسے ایک علمی اور ادبی رسالے کے طور پر متعارف کرایا۔ اس حوالے سے ان کا کہنا ہے:

"چونکہ حیدر آباد میں اس وقت ایک علمی میگزین کی بہت ضرورت ہے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اسے جہاں تک ممکن ہو، ایک اعلیٰ درجے کا علمی میگزین بنانے کی کوشش کی جائے"۱۳۲؎

مولوی صاحب کی زیرادارت "افسر" ایک نئے رنگ و روپ میں سامنے آیا۔ رسالے کے صفحات کی تعداد ۳۲ سے بڑھ کر ۴۸ ہو گئی۔ فوجی مضامین کے لیے صفحات مخصوص کر دیئے گئے اور رسالہ "حسن" کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر ماہ بہترین مقالے پر لکھنے والے کے لیے ایک اشرفی بطور انعام مقرر کی گئی تا کہ ادیبوں اور لکھاریوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔

رسالے کے معیار کو بہتر بنانے اور اسے ایک اعلیٰ پائے کا رسالہ بنانے کے لیے مولوی صاحب نے "افسر" میں شعر و سخن، علمی، تاریخی، اخلاقی، فلسفیانہ مضامین سیر و سیاحت اور انشائیے وغیرہ کو بھی جگہ دی۔ مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ بے شمار مضامین بھی "افسر" کی زینت بنے۔

"افسر" تقریباً ۵ سال تک شائع ہوتا رہا۔ اس دوران اس نے اردو زبان اور علم و ادب کی ترقی و ترویج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس رسالے میں بے شمار قابل ذکر مصنفین کے مضامین شائع ہوئے، جن میں مولانا حالی، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ، مولوی عزیز مرزا، مولوی غلام الثقلین، مولوی چراغ علی، پروفیسر شہباز، نواب عماد الملک اور مولانا ظفر علی خان، جبکہ شاعروں میں مولانا گرامی اور جلیل وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ۱۳۳؎

اگرچہ افسر فوجی رسالہ تھا، لیکن مولوی عبدالحق کی کوششوں اور محنت سے یہ جلد ہی ایک اعلیٰ پائے کا علمی رسالہ بن گیا، جس نے علم و ادب کے میدان میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔

علی گڑھ منتھلی:۔

رسالہ "علی گڑھ منتھلی" جنوری ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے جاری ہوا۔ یہ ایک ماہانہ رسالہ تھا، جو اردو اور انگریزی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ تاہم اردو کا مواد، انگریزی مواد کی نسبت زیادہ ہوتا تھا۔ رسالے کی ادارت کے فرائض سید ولایت حسین سرانجام دیتے تھے۔ رسالے کے انگریزی حصے کی طباعت سی، سی مشن پریس کان پور جبکہ اردو حصے کی طباعت ریاض ہند پریس علی گڑھ میں ہوتی تھی۔ رسالے کا سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

"علی گڑھ منتھلی" میں تاریخی، علمی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، جن میں تراجم بھی شامل تھے۔[۱۳۴] علی گڑھ منتھلی کالج کا میگزین تھا اور اس میں زیادہ تر تعلیمی، اخلاقی، تمدنی اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ البتہ سیاسی مسائل پر اس رسالے میں کوئی مواد نہیں ملتا۔ کالج کے طلبہ کا رسالہ ہونے کے باوجود طلباء کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی، البتہ پرچے کو کالج کے سابق طلبہ کا مالی اور قلمی دونوں قسم کا تعاون حاصل تھا۔[۱۳۵]

اس حوالے سے رسالے کے سال اول کے اختتام پر اداریئے بعنوان "سال نو" میں درج ہے:

"ہم کو بھی خوشی ہے کہ علی گڑھ منتھلی کی عمر کا پہلا سال بخیریت گزر گیا اور سال نو کی آمد نئی امیدوں سے ہمارے دلوں کو خوش کرتی ہے۔ سال گذشتہ میں خریداروں کی تعداد ابتداء میں کم رہی اور آخر سال تک چار سو سے نہ بڑھی اور چونکہ ہر کام کی ابتداء میں اخراجات عموماً زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ہماری آمد و خرچ میں چنداں تفاوت نہیں رہا اور اس وقت ہم کچھ زیادہ بچت نہیں دکھا سکتے، مگر آئندہ کی امید ہمارے دل کو بڑھاتی ہے"[۱۳۶]

مزید لکھا گیا ہے:

"ہم کو امید ہے کہ سال حال میں اس کی اشاعت کو ترقی ہوگی اور اس کے اخراجات میں بالمقابلہ کمی۔ سال حال کے لیے "منتھلی" محکمۂ ڈاک میں رجسٹری ہوگیا ہے۔ اس لیے محصول ڈاک اب تقریباً نصف دینا پڑے گا۔ اولڈ بوائز اور جنرل پبلک اس کی طرف زیادہ توجہ کرے گی اور خریداروں کی تعداد بڑھے گی۔ موجودہ طلبائے کالج بھی اپنی بے توجہی کو کم کریں گے۔۔۔ خوش قسمتی سے ہمارے خریدار عموماً سابق طلبائے کالج اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن سے ہم کو علاوہ مالی مدد کے بہت کچھ قلمی امداد بھی ملتی ہے"[۱۳۷]

رسالے کا انگریزی حصہ گلابی رنگ کے سرورق سے شروع ہوتا تھا۔ جس پر مضامین کی فہرست درج ہوتی تھی۔ یہ حصہ بالعموم سترہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے مضمون کا مستقل عنوان "کالج نوٹس" تھا۔ جس میں علی گڑھ کالج سے متعلق مختصر خبریں اور مختلف قسم کی رپورٹوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ چار پانچ مضامین طلبہ کے فائدے کے لیے معلوماتی نوعیت کے ہوتے تھے۔ اس کے پبلشر ایف اے رحمٰن پروفیسر ایم اے او کالج علی گڑھ تھے۔[۱۳۸]

اردو زبان کی اہمیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں مضامین لکھنے پر زور دیتے ہوئے "علی گڑھ منتھلی" میں مدیر ولایت حسین لکھتے ہیں:

"جولوگ کہ انگریزی زبان میں اپنے خیالات کو عمدگی سے ظاہر ہو سکتے ہیں، وہ اسکو اختیار کریں مگر غیر زبان پر پوری دسترس ہونا ہر ملک و ہر زمانے میں معدودے چند کا حصہ رہا ہے۔ عموماً لوگ اپنے خیالات کو اپنی ہی زبان میں عمدگی سے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارے انگریزی خوانوں کو اردو زبان میں مضمون لکھنا عار نہ سمجھنا چاہئے۔ ملک کی زبان جو ہے وہی رہے گی، انگریزی کبھی اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ یہ ممکن ہے کہ انگریزی الفاظ اور بہت سے ہماری زبان میں مل جائیں گے، مگر وہ اردو کی توسیع ہوگی، نہ اس کا استحصال، ہم کو اپنی زبان کی دوستی اور توسیع میں کوشش کرنی چاہئے اور اسکو ہر علم و فن کی تصنیفات سے مالا مال کرنا چاہئے۔ سرسید احمد خان نے اردو زبان کو بہت کچھ ترقی دی اب ہم پس ماندہ کا فرض ہے کہ اسکو تکمیل تک پہنچائیں"۔[۱۳۹]

اس رسالے میں قدیم شاعری کی دل کھول کر مذمت کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ تقریباً کم و بیش تمام قدیم شاعروں نے لفاظیت کی ہے۔ عشق و محبت، ہجر و فراق، زلف پیچاں کے لایعنی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں نیچرل شاعری کی حمایت کی ہے۔[۱۴۰]

یہ رسالہ شاعری کے ضمن میں مولانا الطاف حسین حالی کا ہم خیال تھا۔ ایک مضمون بعنوان "ہمارے قومی امراض" میں درج ہے:

"ہماری موجودہ شاعری ایک عالمگیر قومی مرض ہے، جو ہماری ترقی کے لیے سد راہ ہے۔ اور ہمارے قومی مذاق کو بگاڑ رہی ہے۔ یہ نہ دنیا کے کام کی ہے نہ دین کے کام کی ہے، مگر ہمارے دلوں پر اس کا ایسا قبضہ ہے کہ دن بدن اس کی حکومت وسیع اور اس کا اقتدار زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کی بربادی میں یہی معین و مددگار تھی۔ خاندان اودھ کے خلاف اس کی سازش تھی، اور جس دربار میں اس نے بار پایا وہیں نظم و سیاست کو درہم برہم کر دیا۔ مگر اب ہماری ریاستوں میں اسی کا طوطی بول رہا ہے اور ہمارے رؤسا غزل و ریختی میں اپنے اوقات گرامی بسر کرتے ہیں"۔[۱۴۱]

"علی گڑھ منتھلی" خواتین کی ترقی اور آزادی کا علمبردار تھا اور اس نے اپنے مضامین کے ذریعے اس سلسلے میں ہر ممکن آواز اٹھائی۔ یہ ایک نہایت صاف ستھرا علمی و تعلیمی رسالہ تھا۔ جس میں سیاسی مضامین کے علاوہ تعلیمی، تمدنی، مذہبی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ تعلیم یافتہ طبقے میں اس رسالے کی بہت قدر تھی اور آج بھی اس رسالے کو وہی مقام حاصل ہے۔ یہ رسالہ دراصل علی گڑھ کالج کا میگزین ہی تھا جو اس نام سے شائع ہوتا تھا۔

الندوہ:۔

جولائی ۱۹۰۴ء میں شاہ جہاں پور سے ایک علمی ماہنامہ "الندوہ" کا اجرا ہوا۔ اس کے مرتب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، مولوی حبیب الرحمٰن خان شیروانی اور منیجر مولوی عبدالحئی تھے۔ یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کے دو قسم کے پرچے چھپتے تھے۔ اول قسم کے پرچے کا سالانہ چندہ چار روپے اور دوسرے درجے کا تین روپے تھا۔ اس کی طباعت مفید عام پریس آگرہ میں ہوتی تھی۔[۱۴۲]

اس کے اجراء سے قبل ایک اشتہار میں اس کی اشاعت اور اغراض ومقاصد کے حوالے سے کہا گیا:

"ندوۃ العلماء کے ہمدرد واحباب عرصہ سے اس بات کے متقاضی تھے کہ ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک ماہواری رسالہ شائع کیا جائے۔ ارکان انتظامیہ بھی اس کی ضرورت کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر بعض وجوہ سے اس کا مکمل انتظام اب تک نہیں ہوسکا تھا۔ اب ہم تمام دوستوں کو یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ مجلس ندوۃ العلماء کا ماہواری رسالہ یکم جمادی الاول ۱۳۲۲ھ سے انشاء اللہ شائع ہو جائے گا، جس کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق ومنقول اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ ہوگا" ۱۴۳

"الندوہ" میں لکھنے والوں کی کوئی قید نہ تھی، تاہم شرط یہ عائد تھی کہ مضامین کو معیاری ہونا چاہئے۔ اس حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا گیا:

"اکثر لوگوں نے بجائے خود یہ گمان کرلیا ہے کہ ہمارے اس پرچہ الندوہ میں صرف علماء مضمون لکھنے کے مجاز ہیں۔ اس بناء پر اس وقت تک کسی نے کوئی مضمون نہیں بھیجا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ الندوہ میں جو شخص چاہے مضمون لکھ سکتا ہے۔ صرف یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ علمی مضامین اور بلند پایہ ہوں۔" ۱۴۴

یہ رسالہ کچھ عرصے کے لیے بند ہوگیا تھا۔ اور جب دوبارہ جاری ہوا تو یہ مسلمانوں کی تعلیمی وتعمیری خدمت کے لیے جاری ہوا۔ لیکن اس میں مذہبی تعلیم ومضامین کی کثرت ہوگئی۔ اس کی قیمت فی پرچہ تین آنے ہوگئی اور سالانہ قیمت ۲ روپے کردی گئی۔ اس زمانے میں سید ابوالحسن علی ندوی اس کے مدیر ومرتب مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک مولانا ابوالکلام آزاد اس کے مدیر رہے اور آخری شمارہ بھی مولانا ہی کی ادارت میں شائع ہوا۔

ابتدء میں رسالہ الندوہ کے مضمون نگار علامہ شبلی نعمانی، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا سلیمان ندوی (بہاری طالب علم) اور مولانا انوار اللہ بہادر واستاد حضور نظام وغیرہ تھے۔ ۱۴۵

یہ ایک بلند پایہ علمی رسالہ تھا جس کے نہ صرف مضامین بلکہ کتابت وطباعت بھی زیدہ زیب تھی۔

الناظر:۔

جولائی ۱۹۰۹ء میں لکھنؤ سے ایک ماہنامہ علمی رسالہ "الناظر" منظر عام پر آیا، جس کے ایڈیٹر ظفر الملک علوی تھے۔ رسالے کا سالانہ چندہ دو روپے چھ آنے تھا۔

لکھنؤ، کو اردو زبان کا مرکز کہا جاتا تھا، لیکن بدقسمتی سے وہاں سے اردو رسالوں کا اجراء نہ ہونے کے برابر تھا۔ "الناظر" کے اجراء پر رسالہ "تنویر الشرق"، کلکتہ نے اپنے جون، جولائی ۱۹۰۹ء کے شمارے میں لکھا:

"الناظر ایک ماہوار علمی رسالہ جولائی ۱۹۰۹ء سے لکھنؤ سے شائع ہونے لگا ہے اس کے دو نمبر دفتر میں بغرض ریویو موصول ہوئے۔ دل گداز کے بعد سے کسی اردو رسالے کا لکھنؤ سے، جو اردو کا مرکز ہے، نہ شائع ہونا حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ حسرت انگیز بھی تھا۔ شکر ہے کہ اس کمی کو الناظر نے پورا کردیا ہے" ۱۴۶

"الناظر" کی ایک خاص بات اس کی بروقت اشاعت تھی، جو اسے اس وقت کے رسالوں میں ممتاز بناتی تھی۔ اس حوالے سے رسالہ "تنویرالشرق" لکھتا ہے:

"اس کے متعلق ایک بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ وہ وقت کا بڑا پابند ہے اور یہ ایسی بات ہے جو ہندوستان کے دوسرے رسالہ کو نصیب نہیں ہوئی، چنانچہ اس مہینہ کا رسالہ اس مہینے کی پہلی تاریخ کو موصول ہوتا ہے" ۱۴۷

"الناظر" ایک خالصتاً علمی و تعلیمی رسالہ تھا جس میں قابل قدر اور مستند اہل علم کے مضامین شائع ہوتے تھے، جو عوام کی علمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں پیش پیش تھے۔ نہ صرف مواد مضامین بلکہ لکھائی اور طباعت کے لحاظ سے بھی یہ ایک بہترین رسالہ تھا، جو علمی و ادبی حلقوں میں یاد رکھا جائے گا۔

ظفر الملک:۔

ظفر الملک علوی شعبان ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے اصل وطن کاکوری ضلع لکھنؤ ہے۔ ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی۔ بعد ازاں رسالے کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

کتاب اخبار نویسوں کے حالات میں لکھتے ہیں:

"الناظر" کی پالیسی یہ ہے کہ جو ہمیں پسند آئے چھاپیں بشرطیکہ ہماری پسند پر بھی کوئی موثر کارگر نہ ہو جائے"

آپ نے ۱۹۰۶ء میں چین اور امریکہ کا دورہ بھی کیا اور نومبر ۱۹۰۸ء میں واپس آئے۔ ۱۴۸

ماہنامہ سائنس:۔

انجمن ترقی اردو کل ہند کا رسالہ "سائنس" اورنگ آباد سے ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اس کے مدیر تھے۔ جنھوں نے بعد میں اس کی ادارت پروفیسر ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کے سپرد کردی تھی۔ رسالہ "سائنس"، ۱۷x۲۲ سینٹی میٹر کے سائز کے تقریباً سو صفحات پر مشتمل تھا۔ قیمت سالانہ آٹھ روپے (نو روپے چار آنے سکہ عثمانیہ) تھی۔ انجمن اردو پریس، اورنگ آباد میں طبع ہوتا تھا، سرورق پر یہ جملہ تحریر ہوتا تھا:

"سب سے خوش نصیب انسان وہ ہے جو حقائق کا انکشاف کرتا ہے۔ اور دوسرے درجے پر وہ ہے جو پرانے تعصبات کو ترک کرتا ہے" ۱۴۹

رسالے کے اجراء کے مقاصد خالصتاً سائنسی مضامین و معلومات کا فروغ تھے مدیر سائنس اولین شمارے میں لکھتے ہیں:

"چشم بددور" اردو میں رسالوں کی تعداد کافی ہے اور ہر مہینے کوئی نہ کوئی نیا رسالہ جاری ہوتا رہتا ہے۔ مگر وہ زیادہ تر ادب اور تاریخ وغیرہ سے بحث کرتے ہیں۔ سائنس کے لیے کوئی رسالہ مخصوص نہیں ہے۔ مشکل یہ پیش کی جاتی ہے اور صحیح بھی ہے کہ سائنس کے مضامین کو اپنی زبان میں کیوں کر ادا کریں۔ اس مشکل کو عثمانیہ یونی ورسٹی نے رفع کر دیا ہے۔ لیکن اس کا دائرہ ابھی کالج کے احاطے تک محدود ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس فیض کو عام کردیں" ۱۵۰

رسالے کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"ایک مقصد تو یہ ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو سائنس کی معلومات سے، نیز ان خیالات اور ایجادات و اختراعات سے آگاہ کرتے رہیں جو دنیا میں سائنس کے متعلق روز بروز ہوتی رہتی ہیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ خود ہمارے لوگ اپنی تحقیقات کو ملک کے سامنے پیش کریں یا سائنس کے مختلف شعبوں پر محققانہ مضامین لکھیں"۱۵۱

"سائنس" کی پہلی جلد کے پہلے شمارے کے مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ رسالہ ٹائپ پر چھپتا تھا۔ اس میں علمی خبریں، کیمیاء، حیاتیات اور سائنس کے دیگر شعبوں پر علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں فہرست اصطلاحات بھی چھپتی تھی۔ جس میں رسالے میں شائع ہونے والی مشکل اصطلاحات کے معنی درج ہوتے تھے۔ اس حوالے سے مدیر لکھتے ہیں:

"شروع شروع میں ان کا (اصطلاحات کا) استعمال نفس مضمون سمجھنے میں دشواری پیدا کرے گا، لیکن امید ہے کہ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے یہ دشواری خود بخود دور ہو جائے گی"۱۵۲

پہلے شمارے میں مولوی عبدالحق نے تعارفی نوٹ لکھا ہے اور شذرات میں درج ہے کہ یہ رسالہ کن مصائب و مشکلات اور کاوشوں سے جاری ہوا۔ اس کے بعد "اخبار علمیہ" کے عنوان سے دنیا بھر کی علمی و سائنسی خبریں شائع کی جاتی تھیں، جن میں تمام سائنسی و علمی سرگرمیوں کو جگہ دی جاتی تھی اور نئی سائنسی دریافتوں اور ایجادات و تحقیقات کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔

"سائنس" نہایت مفید، معلوماتی اور بلند پایہ رسالہ تھا۔ اس میں موضوع کے تقاضوں کے تحت چارٹ، نقشے، اور تصویریں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ کاغذ اور طباعت وغیرہ بہت عمدہ تھا۔۱۵۳

"سائنس" اردو کا پہلا رسالہ تھا، جس کے لیے برطانیہ کے نامور سائنس دانوں سے قلمی تعاون کی درخواست کی گئی تھی اور اہم بات یہ ہے کہ جن سائنس دانوں سے رابطہ کئے گئے، ان میں سے اکثر نے رسالہ "سائنس" کے مقاصد سے دلچسپی ظاہر کی اور جلد ممتاز سائنس دانوں نے مضامین ارسال بھی کیے۔ مثلاً پروفیسر این ڈاسی اینڈ ریڈ نے ٹیلی ویژن پر اپنا مقالہ بھیجا، جو ترجمہ ہو کر "دورنمائی" کے عنوان سے چھپا۔ اسی طرح ڈاکٹر ایچ فرانیڈنٹس پروفیسر برلن یونی ورسٹی اور معروف ماہر طبیعات پروفیسر سروییم برگ نے بھی اپنے تازہ مضامین ارسال کیے۔ غرض یہ کہ "سائنس" کا انگلستان کے سائنس دانوں اور ہندوستان کے علمی حلقوں نے شاندار طریقے سے خیر مقدم کیا۔۱۵۴

"سائنس" اورنگ آباد سے ۲۰ سال کے عرصے تک جاری رہا۔ اس وقت یہ سہ ماہی رسالہ تھا جسے ۱۹۴۱ء میں ماہنامہ کر دیا گیا۔ تاہم ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت اس رسالے نے انجمن اور مدیران کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی۔ پاکستان میں اس کا اجراء لاہور سے ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ اور ڈاکٹر منظور الدین قریشی مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے، جبکہ رسالے کو دوبارہ سہ ماہی کر دیا گیا۔ اور ۱۹۵۱ء میں یہ رسالہ کراچی منتقل ہو گیا اور رسالے کا معتمد میجر آفتاب حسن کو مقرر کر دیا گیا۔

سائنس اپنی نوعیت کا ایک انوکھا اور بہترین رسالہ تھا جس نے اردو زبان میں سائنس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے پلیٹ فارم سے بہترین لکھنے والے سامنے آئے۔ جدید ترین سائنسی نظریات، معلومات، ایجادات اور تحقیقات کو اردو کے قالب میں ڈھالنا بلاشبہ رسالہ "سائنس" کی ایک بہت بڑی خوبی و کامیابی ہے۔

سیاسی رسائل

سیاست اور صحافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور مجلاتی صحافت کے عروج کے بعد سیاسی رسائل کے اجراء نے اس تعلق کو مزید مضبوط بنایا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک بے شمار سیاسی رسائل منظر عام پر آئے، جنہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا، ساتھ ہی سیاسی اتار چڑھاؤ، حکومتی پالیسیوں اور دیگر ملکی و بین الاقوامی واقعات و حالات سے باخبر رکھنے میں بھی یہ رسائل پیش پیش رہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ "ڈرگ درشن" تھا، جو ۱۸۱۸ء میں سی رام پور کی بپٹسٹ مشنری کی جانب سے جاری کیا گیا۔ اس رسالے میں تاریخی اور سیاسی مضامین کے علاوہ حکومتی اعلانات شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد حکومت کی حمایت کرنا تھا۔

۱۸۵۹ء میں آگرہ سے جاری ہونے والا رسالہ "تاریخ بغاوت ہند"، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات و حالات کے لیے مخصوص تھا، جس میں ہندوستان کے مختلف ضلعوں اور شہروں سے جنگ آزادی کے واقعات و معاملات سلسلہ وار شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالے کے مرتب و مدیر مکندلال تھے۔

آگرہ سے ہی ایک رسالہ "تیرہویں صدی"، ۱۸۷۹ء میں جاری ہوا۔ اس رسالے میں سیاسی اور ادبی مضامین کے علاوہ مقامی، غیر مقامی اور غیر ملکی خبریں شامل ہوتی تھیں۔ بنیادی طور پر یہ رسالہ سرسید احمد خان کے خیالات و عقائد کا مخالف تھا، جس کی جھلک اس کے مضامین میں واضح نظر آتی تھی۔ رسالے کے حصہ نثر کے مدیر مولانا ناصر علی ناصح، جبکہ حصہ نظم کے مدیر جناب حافظ رحیم اللہ صبا اکبرآبادی تھے۔

۱۸۸۱ء میں مراد آباد سے جاری ہونے والا رسالہ "تائید الاسلام"، سرسید احمد خان کے افکار و خیالات کا مخالف تھا اور اسی تناظر میں مضامین شائع کرتا تھا۔ رسالے کے مدیر مولوی قاضی احتشام الدین تھے۔

بریلی سے ۱۹۰۳ء میں جاری ہونے والا رسالہ "زمانہ" ایک اہم رسالہ تھا، جس میں سیاسی، سماجی اور دیگر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ادب کی تمام اصناف اور مذہب و اخلاقیات سمیت دیگر تکنیکی شعبہ جات سے متعلق مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے میں "رفتار زمانہ" کے عنوان کے تحت سیاسی مسائل پر بحث کی جاتی تھی اور اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ حکومت اور عوام کے مابین رابطے کا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دونوں فریقین کی لاعلمی کو دور کر کے بہتر تعلقات کو پروان

چڑھایا جائے۔اس رسالے کے بانی مدیر منشی شیو ہرت لال ورمن تھے، بعد میں منشی دیا نرائن نگم نے ادارت کے فرائض سنبھالے۔

۱۹۰۶ء میں لاہور سے جاری ہونے والے رسالے "راجپوت گزٹ" کا بنیادی مقصد راجپوتوں کی اصلاح و بہبود تھا، لیکن بعد میں اس کی پالیسی فرقہ ورانہ، خصوصاً مسلم دشمنی پر مبنی ہوگئی اور اس میں سیاسی اور دیگر مضامین بھی شائع کئے جانے لگے۔اس رسالے کے مالک اور بانی مدیر ٹھاکر ساتھرام داس تھے۔

۱۹۰۷ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامہ " آزاد " کا بنیادی مقصد آزادی تھا۔اس کے علاوہ اس کے مضامین میں متانت اور سنجیدگی کو مدنظر رکھا جاتا تھا اور حق وانصاف پرستی کا پرچار کیا جاتا تھا۔رسالے کے مدیر شین سہائے آزاد تھے۔

۱۹۰۷ء میں ہی سیالکوٹ سے شائع ہونے والے "پنجاب جنرل" کا بنیادی مقصد ہندوستان کی مختلف قوموں خصوصاً ہندو اور مسلمانوں میں تعاون واتحاد کی فضا پیدا کرنا تھا۔اس رسالے کی ادارت غلام قادر فصیح کے سپرد تھی۔کلکتہ سے ۱۹۰۷ء میں حبیب النبی خان صولت کی ادارت میں جاری ہونے والے رسالے "شمس" میں تاریخی مضامین کے ساتھ ساتھ سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔یہ رسالہ حکومت کا ترجمان تھا اور عوام کی آزادی اور حق اظہار کا کچھ زیادہ حامی نہیں تھا۔

۱۹۰۸ء میں جالندھر سے امر سنگھ کی ادارت میں رسالہ " گنگا" جاری کیا گیا۔یہ ایک سیاسی و نیم ادبی رسالہ تھا، جس کا مقصد لوگوں میں سیاسی شعور کی بیداری تھا، قومی ہمدردی سے لبریز اس رسالے کے سیاسی مضامین معیاری ہوتے تھے۔کاغذ وطباعت کا معیار بھی عمدہ تھا۔

۱۹۱۰ء میں گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے مولانا ظفر علی خان کے رسالے "پنجاب ریویو" کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں سیاسی ذوق پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی ترقی تھا۔

۱۹۱۰ء میں ہی راولپنڈی سے جاری ہونے والے رسالہ "چودھویں صدی" میں، مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔اس کے مدیر قاضی سراج الدین تھے۔

۱۹۱۳ء میں آگرہ سے حاجی محمد اسماعیل کی ادارت میں رسالہ "افادہ" منظر عام پر آیا۔جس میں سیاسی، تعلیمی، سماجی، اخلاقی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔یہ رسالہ حکومت اور حکومتی پالیسیوں کی بے جا حمایت کرتا تھا اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے والوں کو آڑے ہاتھوں لیتا تھا۔رسالے میں تمام مضامین مدیر کے اپنے تحریر کردہ ہوتے تھے اور اس کی کتابت وطباعت کا معیار بہتر تھا۔

گورداس پور سے جاری ہونے والا ماہنامہ فتح انگریز حکومت کا حامی و وفادار رسالہ تھا۔اس کے مدیر سردار گنڈا سنگھ تھے۔یہ رسالہ گورداس پور کی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کا ترجمان تھا۔

۱۹۲۲ء میں فیض آباد سے جاری ہونے والا رسالہ "لیل ونہار" ایک سیاسی، علمی اور اخلاقی رسالہ تھا، جس کے مدیر سید نجم الدین جعفری اور سید مہدی رضوی تھے۔

۱۹۲۴ء میں دہلی سے منشی ہرگوند پرشاد نگم کی ادارت میں شائع ہونے والا سیاسی وادبی رسالہ "فروغ ہند" گاندھی جی کا پرستار تھا اور زیادہ تر مضامین گاندھی جی کی تعریف وتوصیف اور ان کے افکار وخیالات پر مبنی ہوتے تھے۔

بنارس سے ۱۹۲۵ء میں جناب شاہ عزت حسین کی ادارت میں ماہنامہ "حفاظت" کا اجراء ہوا، جس کا مقصد سرسید احمد خان کی سوچ اور سیاست کا احیاء اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قریب اور ہندوؤں سے دور کرنا تھا۔ یہ مسلمانوں کا ایک خالص سیاسی رسالہ تھا، جس کے مخصوص عزائم اور سیاسی مسلک تھا۔

۱۹۲۶ء میں لاہور سے ایک سیاسی وادبی رسالے "انقلاب" کا اجراء ہوا، جس کی ادارت فتح چند نسیم اور مسٹر کنھیا لال ثاقب آزر سرانجام دیتے تھے۔ اس رسالے میں حالات حاضرہ پر پرلطف سیاسی کارٹون اور دیگر معیاری مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

"رعیت" نامی رسالہ، ۱۹۲۷ء میں نرسنگھ راؤ کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے منظر عام پر آیا، جو ہندو مسلم اتحاد کا زبردست حامی تھا۔ یہ ایک قوم پرست رسالہ تھا۔

۱۹۲۸ء میں آگرہ سے جناب سیماب اکبرآبادی کی ادارت میں رسالہ "تاج" جاری کیا گیا، جس میں سیاسی مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس طرح ایک مجموعی جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ برصغیر پاک وہند سے ہر دور میں بے شمار سیاسی رسائل کا اجراء ہوا۔ ایک محتاط جائزے اور دستیاب اعداد وشمار کی رو سے، ابتداء سے لے کر قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک ہندوستان سے تقریباً ۳۰ کے قریب سیاسی رسائل جاری کیے گئے جو تمام ماہنامے تھے، جبکہ پندرہ روزہ اور ہفت روزہ رسالوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ رسالے ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً: آگرہ، مرادآباد، مدراس، بریلی، حیدرآباد دکن، لکھنؤ، لاہور، سیالکوٹ، کلکتہ، جالندھر، گوجرانوالہ، راولپنڈی، بدایوں، گورداس پور، فیض آباد، دہلی اور بنارس سے شائع ہوئے۔ قیمت اور ضخامت میں تنوع پایا گیا۔

مندرجات، مواد اور پیش کش کے لحاظ سے بھی ہر رسالہ منفرد رہا۔ ہر رسالے کی پالیسی مختلف رہی اور اس نے اپنے اپنے طور اور انداز میں قارئین کے سیاسی شعور کی بیداری میں اپنا کردار ادا کیا۔ یہ روایت قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہی اور پاکستان سے بھی بے شمار سیاسی رسائل وجرائد منظر عام پر آئے اور اپنا ایک خاص مقام پیدا کیا۔

ذیل میں چند اہم سیاسی رسائل کا جائزہ اور ان کے مدیران کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

زمانہ:۔

فروری ۱۹۰۳ء میں بریلی سے ایک ماہنامہ "زمانہ" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر منشی شیو برت لال ورمن تھے، تاہم نومبر ۱۹۰۳ء سے اس رسالے کی ادارت منشی دیا نرائن نگم کے سپرد کر دی گئی۔ رسالہ کا سالانہ چندہ ساڑھے تین روپیہ تھا اور یہ مطبع قیصری، بریلی میں چھپتا تھا جبکہ اس کے سرورق پر درج مقولہ کچھ یوں تھا:

"زمانہ باتون زوء تو بہ زمانہ باز" ۱۵۵

"زمانہ" کا عام شمارہ اوسطاً ۷۲ سے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور صفحہ نمبر جلد میں سلسلہ وار چلتا تھا۔ ایک جلد میں چھ شمارے ہوتے تھے۔ زمانہ کا کاغذ گلیز، کتابت عمدہ، طباعت نفیس اور ہر ورق حاشیہ سے مزین ہوتا تھا۔ ابتدء میں زمانہ عام کتابی سائز میں چھپتا تھا، لیکن بعد میں سائز میں اضافہ کر دیا گیا۔ ادبی صفحات کے بعد آٹھ سے بارہ تک رف کاغذ پر اشتہارات شائع ہوتے تھے۔ ۱۵۶

منشی دیا نرائن نگم کو ادارتی فرائض سونپنے کے بعد جنوری ۱۹۰۴ء کے شمارے میں اس تبدیلی کی بابت کچھ یوں تحریر کیا گیا:

"زمانہ کی ایڈیٹری میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ وہ ناظرین پر سرورق سے ظاہر ہو گئی ہوگی۔ یہ تبدیلی بڑے پس و پیش کے بعد منظور کی گئی ہے۔ اپنی کم مائیگی، بے علمی کا یقین مانع تھا کہ ایسا اہم کام اپنے ذمہ لیا جائے۔ مگر شوق اکتسابات علم اور جوش خدمت ملکی اور خیال اصلاح رسالہ ہذا نے بالآخر فتح پائی اور نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کی تربیت کم سے کم کچھ دنوں کے لیے اپنے سر لی گئی، مگر اس نازک خدمت کا خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام پانا اہل قلم کی دستگیری اور سرپرستی کے بغیر ناممکن ہے۔ شکر ہے کہ ملک میں ایک کثیر التعداد اہل قلم کی جانب سے یہ امداد بلا دریغ ملی ہے جو بہر حال زمانہ کی عمدگی اور ہماری حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔ ہم اپنی طرف سے زمانہ کو ملک میں ایک مفید اور جامع میگزین بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ مگر ہماری کوششوں کی کامیابی بہت کچھ اہل ملک کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی پر منحصر ہے" ۱۵۷

آگے چل کر منشی صاحب "زمانہ" میں کی جانے والی تبدیلیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس اہم ذمہ داری کے لیتے وقت زمانہ کو ملک کے اور دلچسپ و دلکش میگزینوں سے جدا اصولوں پر چلانے کا ارادہ کر لیا گیا ہے۔ کافی غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد یہ طے پایا ہے کہ زمانہ محض شاعری اور انشاء پردازی کے ہاتھ رہن نہ رکھ دیا جاوے کیونکہ ملک میں ایسے رسالے کی ایک کافی تعداد موجود ہے جو زبان اردو کے لیے عمدہ کام کر رہے ہیں۔ "زمانہ" میں حتی الوسیع ترقی زبان کا خیال کیے ہوئے اصلاح خیالات، دوستی مذاق، توسیع معلومات، ترقی، اتحاد وغیرہ کا زیادہ خصوصیت سے التزام رکھا گیا ہے۔ مگر ان ارادوں کا پورا ہونا بہت کچھ تائید غیبی اور امداد باہمی پر موقوف ہے۔ اس لیے دل سے دعا ہے کہ خدا ہماری کوششوں میں برکت دے" ۱۵۸

اس طرح "زمانہ" کے جو مقاصد اس کے مدیران نے بیان کیے وہ کچھ یوں تھے:

۱۔ مغربی و مشرقی افکار و تصورات میں مطابقت و ہم آہنگی پیدا کرنا۔

۲۔ نئے علوم و فنون سے عوام کو متعارف کرانا۔

۳۔ سیاسی و سماجی موضوعات پر بحث کے ذریعے خیالات میں وسعت اور قومی اتحاد پیدا کرنا۔

۴۔ حکومت اور عوام دونوں کو ایک دوسرے کے خیالات و جذبات سے آگاہ رکھنا۔۱۵۹؎

"زمانہ" ایک علم دوست اور ادب پرور رسالہ تھا۔ اس کے مندرجات میں تاریخ، تہذیب، تمدن، فلسفہ، مصوری، موسیقی، ادب، شعر و شاعری، تنقید، معاشیات، طبیعات، سیاسیات، لسانیات، طنزیات، اخلاقیات اور مذہب وغیرہ سے متعلق مضامین و مواد شامل ہوتا تھا۔ "رفتار زمانہ" کے عنوان کے تحت سیاسی مسائل پر بحث کی جاتی اور روشنی ڈالی جاتی تھی۔۱۶۰؎

"زمانہ" کی ایک خصوصیت اس میں ہر مہینے کسی مشہور شخصیت (ادیب / رہنمائے قوم) کی تصویر کی اشاعت تھی۔ دیگر تصاویر بھی شامل کی جاتی تھیں جو نہایت دلکش و دیدہ زیب ہونے کے ساتھ ساتھ رسالہ کی ظاہری خوبی و خوبصورتی کو مزید بڑھا دیتی تھیں اور اسے قارئین میں مقبول و معروف بناتی تھیں۔

اس رسالے میں نامور ادیبوں اور لکھاریوں کی تحریریں اور تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ جن میں منشی ذکاء اللہ، اکبر الٰہ آبادی، علامہ اقبال، سرور جہاں آبادی، سید علی سجاد عظیم آبادی، منشی نوبت رائے نظر، عشرت لکھنوی، ثاقب کانپوری، پیارے لال شاکر، منوہر لال زتشی، حسن نظامی، حسرت موہانی، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، اصغر گونڈوی، مولانا عبدالحلیم شرر، حفیظ جالندھری، اور دیگر اہم اور قابل ذکر نام شامل ہیں۔

چونکہ اس رسالے کے مصنفین مختلف طبقۂ فکر اور خیال سے تعلق رکھتے تھے اس لیے مضامین کا تنوع اس رسالے کی خصوصیت ہے۔ رسالے میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے مختلف موضوعات کو جگہ دی جاتی تھی اور اپنا مؤقف بیان کیا جاتا تھا۔ مضامین کی اکثریت ادبی اور تنقیدی ہوتی تھی۔ ہر اچھے کام کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کی طرح منشی صاحب نے بھی "زمانہ" کو جاری رکھنے کے لیے بے شمار مشکلات اور تکلیفیں برداشت کیں۔ ایک خط میں ویریندر پرشاد سکسینہ سے مخاطب ہیں:

"میں بہت معمولی آدمی ہوں اور اس وقت حالات و واقعات نے بہت کچھ دبا لیا ہے۔ شروع میں شاید میں بھی ایسا ہی حوصلہ مند اور پر جوش تھا۔ محنت کا بھی بہت کچھ عادی تھا اور طالب علمی کے بعد بھی "زمانہ" کے لیے میں نے بہت محنت کی اور مالی نقصانات بھی بہت اٹھائے، حتیٰ کہ مجھے ان کی وجہ سے بہت زیر بار رہی۔ میرے بزرگ اس کام کے خلاف تھے۔ اس لیے انھوں نے اس کام میں نہ مالی حیثیت سے اور نہ کسی اور طرح شروع میں میری مدد کی۔ اگر گھر کے کسی اور لڑکے کو میرے ساتھ کام کرنے کی اجازت دے دیتے تو آج شاید میں ایک بڑے پریس کا مالک ہوتا۔ میرا جسم ہمیشہ سے کمزور تھا۔

میں ایڈیٹری اور مینجری دونوں کو تنہا نہ سنبھال سکا۔ "زمانہ" کی شان میں نے حتی المقدور ہمیشہ بالا رکھی ہے۔ اپنی خودداری بھی اب تک قائم کیے ہوئے ہوں، لیکن ان دونوں کے لیے بہت گراں قیمت ادا کرنی پڑی ہے "[۱۶۱]

جگر بریلوی، "زمانہ" اور مدیر زمانہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے "یادرفتگاں" میں رقم طراز ہیں:

"منشی دیانرائن نگم آنجہانی کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اردوادب کی وہ خدمت ہے، جو مسلسل چالیس سال تک رسالہ زمانہ کے ذریعے انہوں نے انجام دی۔۔۔ زمانہ کا معیار ہمیشہ اونچا رہا اور ادبی تہذیب ومتانت کا حامل جس روش سے یہ جاری ہوا تھا، اسی پر قائم رہا"[۱۶۲]

۱۹۴۲ء میں منشی دیانرائن نگم کا انتقال ہوا اور ۱۹۴۳ء میں تقریباً چالیس سالہ زندگی گزار کر "زمانہ" بھی اختتام پذیر ہو گیا۔ یوں اردوادب کا ایک بیش بہا سرمایہ اپنے انجام کو پہنچا۔

<u>لالہ دیانرائن نگم:۔</u>

آپ ۱۸۸۵ء میں کانپور کے کائستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد ۱۹۰۰ء میں کالج میں داخل ہوئے آپ کی طبعیت شروع ہی سے مطالعہ کتب کی طرف مائل رہتی تھی۔ طالب علمی میں کورس کی کتابوں کے علاوہ فرصت کے وقت عام کتابیں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی میں ملک کے انگریزی اردو رسائل بھی برابر زیر مطالعہ رہتے تھے۔ چنانچہ انڈین ریویو، ہندوستان ریویو، ایسٹ اینڈ ویسٹ، ماڈرن ریویو وغیرہ ابتداء سے زیر مطالعہ رہے۔ مڈل اور انٹرنس میں سرکاری وظیفہ بھی حاصل کیا۔ ۱۹۰۳ء میں کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

عملی زندگی میں قدم رکھا ہی تھا کہ رسالہ زمانہ کے سابق پروپرائیٹر نے جوہر شناسی سے کام لیکر زمانہ کو آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ آپ نے سب سے پہلے رسالہ مخزن میں اور پھر اودھ ریویو، آزاد اور زمانہ میں مضمون نگاری شروع کی۔

آپ لکھتے ہیں "مالی کامیابی زمانہ کو زیادہ نصیب نہیں ہوئی اور شاید ملک میں اردو میں ابھی تک کسی اعلیٰ پائے کے علمی رسالے کی قدردانی کا پورا مادہ پیدا نہیں ہوا ہے کیونکہ دیگر اعلیٰ علمی رسالے بھی مالی لحاظ سے کچھ ایسے کامیاب نہیں ہیں"۔

زمانہ کی علمی کامیابیاں بے شک قابل فخر ہیں۔ ہندو مسلمانوں میں کوئی مشہور لیڈر ایسا نہیں ہے جو اردو لکھ سکتا ہو اور جس نے زمانہ میں کبھی بھی نہ لکھا ہو۔ تنقید اور آزادانہ رائے زنی کی زمانہ نے ہی بے لاگ بنا ڈالی ہے اس کی اولین جلدوں میں اس کا ایک نہایت مفید سلسلہ جاری رہا اور ملک کے بڑے بڑے انشاء پردازوں کی تصانیف پر نہایت آزادی و متانت سے نکتہ چینی کی گئی ہے۔

لالہ دیانرائن نگم سماجی معاملات میں عملی طور پر جدید خیالات کے پیرو تھے کانپور ہندوسبھا کے جوائنٹ سیکریٹری اور ہندوایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ رہ چکے تھے۔ ہندوسبھا کے قیام میں بھی آپ کی کوششوں کا بڑا دخل ہے زمانہ کی پالیسی کیا ہے اور کن اصولوں پر یہ عمل پیرا ہے۔ اس کے متعلق ایڈیٹر صاحب خود ہی لکھتے ہیں:

"ہم ملک کے روبرو ایک جامع رسالہ پیش کیا چاہتے ہیں جو محض ہماری علمی ضرورتوں کو ہی پورا نہ کرے بلکہ عملی باتوں کا بھی لحاظ رکھے۔ جو رفتار زمانہ کے ساتھ چلے اور اہل ملک کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرے اور انہیں ایک دوراندیش نام اور صلاح کار کی طرح ہر معاملہ میں مشورہ دے واقعات عالم اور ان کے معنوی پہلو سے آگاہ کرے، باہمی میل جول اور قومی اخوت واتحاد کے اصول کو محبت اور صداقت کے ساتھ ذہن نشیں کرے اور حالات و واقعات زمانہ کو ناصح مشفق کے دل، مورخ دوراندیش کے دماغ اور فلسفی نکتہ رس کی آنکھ سے دیکھ اور غور کر کے ان کے بہترین معنی اندرونی مطالب کی تلقین کرے اور روزمرہ کی خانہ جنگیوں کے شوروغل میں حل طلب معاملات اور مسائل پر کسی ایک فریق، جماعت کا طرفدار بن کر نہیں بلکہ تمام ملک اور سب قوموں کا ثالث اور منصف ہو کر اہل ملک کو اتفاق اور اتحاد کے اصول پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرے اور اپنے پاک فرائض ادا کرنے میں ضمیر اور اپنے خدا کی خوشنودی کے سوا اور کسی گروہ یا فرقہ کی ناراضی کا خوف نہ کرے۔ ساتھ ہی اس کے حتی الوسع رنج پہنچانے، غلط فہمی پیدا کرنے اور دوسروں کی تضحیک یا تحقیر سے ہمیشہ قطعاً پرہیز کرے کیونکہ ہم اصول کے معاملہ میں دوعملی اور ہر فریق کو خواہ مخواہ خوش رکھنے اور اس طرح سستی ہردلعزیزی، حاصل کرنے کی کوشش کے سخت خلاف ہیں۔ تاہم سب پر سب کے خیالات اور اعتقادات کا پاس اور احترام واجب سمجھتے ہیں"۔ ۱۶۳

اردوئے معلیٰ:۔

جولائی ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے ایک ماہنامہ رسالہ "اردوئے معلیٰ" کا اجراء ہوا، جس کے مالک ومدیر سید فضل الحسن حسرت موہانی تھے۔

۴۸، ۵۲، اور کبھی ۵۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ پہلے پہل احسن المطابع علی گڑھ میں چھپتا تھا، تاہم بعد میں جب حسرت موہانی نے اپنا ذاتی "اردو پریس" قائم کیا، تو یہ پرچہ وہاں چھپنے لگا۔ ایک پرچہ کی قیمت چار آنہ تھی جبکہ سالانہ چندہ ابتداء میں سوا دوروپیہ تھا جو بعد میں چار روپیہ ہو گیا تھا۔ ۱۶۴

"اردوئے معلیٰ" ایک سیاسی وادبی رسالہ تھا، جس میں سیاسی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ شعراء کے حالات زندگی معہ کلام اور خاص طور پر نامور شعراء کے دواوین کا انتخاب بھی چھپتا تھا۔ ادیبوں اور شاعروں کی بیاضوں کا کلام اور مشہور شاعروں کے خطوط بھی بالاقساط زینت پاتے تھے۔ کتابوں، رسالوں اور اخباروں پر ریویو بھی طبع ہوتے تھے۔ ۱۶۵

سلسلہ بہ تذکرہ الشعراء کے حوالے سے مئی ۱۹۰۴ء کے شمارے میں درج ذیل اشتہار شائع ہوا:

"جولائی ۱۹۰۴ء سے یہ امر بھی قرار پایا ہے کہ رسالے کے علاوہ ہر سال کم از کم تین دیوان (غیر مطبوعہ) اور اساتذہ قدیم کے مفت نذر کیے جائیں گے۔ یہ دیوان ۲۰/۱۶x۳۰ کی تقطیع پر نہایت خوبصورت چھاپے جائیں گے۔ ان کے شروع میں ایک جامع و مختصر دیباچہ معہ سوانح عمری صاحب دیوان اور آخر میں بعض اشعار کے معانی و ترکیب کے متعلق مختصر نوٹ ایڈیٹر اردوئے معلٰی کی جانب سے شائع کیے جائیں گے۔ جو اشعار آج کل کے مذاق کے خلاف ہوں گے وہ نکال دیئے جائیں گے۔ غرض یہ کہ انشاءاللہ تعالٰی اس سلسلہ دواوین کو بہمہ وجوہ پسندیدہ بنانے میں کوشش بلیغ کی جاوے گی" ۱۶۶

"اردوئے معلٰی"، مولانا حسرت موہانی کے نظریات و خیالات کا ترجمان ایک نڈر اور بے باک رسالہ تھا، جس نے اس زمانے میں نہایت آزادی کے ساتھ سیاسی مضامین شائع کیے اور حکومت اور اس کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کی۔ یہ رسالہ کانگریس اور کمیونسٹ پارٹی کا حامی تھا اور اس بات کا خواہاں تھا کہ مسلمان کانگریس میں شمولیت اختیار کریں جبکہ مسلمان سراسر کانگریس اور اس کی پالیسیوں سے متنفر تھے۔

جنوری ۱۹۰۶ء کے شمارے میں مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت پر اکساتے ہوئے، اس رسالے میں درج ہے:

"دوسری قابل مسرت اور لائق لحاظ خصوصیت مسلمانوں اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کی معمول سے زیادہ شرکت تھی، جس میں انشاءاللہ تعالٰی روز افزوں ترقی ہوتی رہے گی کیوں کہ ایک بار کانگریس میں شریک ہو کر سبجیکٹس کمیٹی کی دلچسپ، بے لاگ اور صاف تقریروں کو سن کر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کیونکر کوئی شخص کانگریس سے علیحدہ رہنا گوارا کر سکتا ہے" ۱۶۷

مزید درج ہے:

"افسوس ہے ان بعض مسلمانوں پر جو کانگریس کی بے اصول مخالفت کرتے ہیں۔ بے اصول اس لیے کہ محض افواہیں یا اپنے ایجاد کردہ واقعات پر اعتراض کر کے اپنی فرمائگی اور ناواقفیت کے سوا اور کچھ نہیں ثابت کر سکتے" ۱۶۸

اردوئے معلٰی میں ابتداء کے سالوں میں بڑے معرکے کے سیاسی مضامین شائع ہوئے تھے اور آخر دم تک شائع ہوتے رہے، لیکن اس کے باوجود رسالے میں مجموعی طور پر ادبی، تاریخی و تنقیدی مضامین کی کثرت ہوتی تھی۔ ۱۶۹

ہندوستانیوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے اور حکومت پر کڑی تنقید کرنے کے جرم میں حسرت موہانی اور "اردوئے معلٰی" کو کئی بار پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا اور بہت مشکلات برداشت کرنی پڑیں۔

"اردوئے معلٰی" پر پہلی بار پابندی اگست ۱۹۰۸ء میں لگی۔ یہ مقدمہ رسالہ میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی" پر چلایا گیا تھا۔ اگرچہ یہ مضمون علی گڑھ کے ایک طالب علم نے لکھا تھا لیکن مولانا نے ایڈیٹر کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری قبول کی اور نتیجے میں حکومت نے دو سال کی سزا اور بہ صورت عدم ادائیگی جرمانہ اور چھ ماہ کی مزید سزا تجویز کی۔ چونکہ مولانا جرمانے کی رقم ادا کرنے سے معذور تھے، اس لیے ان کا نادر کتب خانہ جس میں سینکڑوں کمیاب مطبوعہ دیوان

اور تذکرے اور سینکڑوں نایاب علمی کتابیں تھیں، کوڑیوں کے مول بیچ دیا گیا۔ اور جیل میں مولانا حسرت سے دس مہینے تک چکی پسوائی گئی۔ ۱۷۰

ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۰۹ء میں یہ رسالہ دوبارہ جاری ہوا، لیکن مالی مشکلات کے باعث اس کا سائز اور ضخامت کم ہوگئی ۱۹۱۳ء میں اس الزام کی بنیاد پر کہ اردوئے معلیٰ میں جنگ طرابلس کے حوالے سے اٹلی کے خلاف بائیکاٹ کا فتویٰ شائع کیا گیا ہے۔ حکومت نے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی، جس کے نتیجے میں رسالہ پھر بند ہوگیا۔ ۱۷۱

درمیانی عرصے میں حسرت موہانی نے کچھ عرصہ کے لیے سہ ماہی "تذکرۃ الشعراء" جاری کیا مگر علی گڑھ سے کانپور آنے کے بعد یہ بند ہوگیا۔ اور جنوری فروری ۱۹۲۵ء سے کانپور سے رسالہ اردوئے معلیٰ تیسری بار جاری کیا گیا۔ ۱۷۲

تیسرے دور میں اردوئے معلیٰ کا بیش تر حصہ ادب، تاریخ وتنقید اور بزرگان دین کے لیے وقف ہوگیا تھا۔ ابتداء کے دور میں جو سیاسی مضامین کی شدت نظر آتی تھی، اس میں خاطر خواہ کمی نظر آئی۔ اردوئے معلیٰ کا تیسرا دور طویل ثابت ہوا۔ ۱۷۳

حسرت موہانی جنوری، فروری ۱۹۲۵ء کے شمارے میں رقم طراز ہیں:

"فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اردوئے معلیٰ کے اس جدید دور میں اکثر مضامین کا سلسلہ اس انداز سے جاری رہے گا کہ آخر میں ان کا مجموعہ علیٰحدہ علیحدہ مرتب ہو کر کئی مستقل کتابوں کی شکل اختیار کرلے گا" ۱۷۴

اردوئے معلیٰ تند وتیز صحافتی روایات کا حامل تھا، جبکہ دیگر ہم عصر اخبارات وجرائد معتدل پالیسی پر گامزن تھے۔ اس جریدے میں عمدہ علمی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ مضامین کی تحریروں میں جدید ترین رجحانات کو پیش نظر رکھا جاتا تھا اور سیاسی مقالات کے ساتھ ساتھ مذہبی مقالات کو بھی جگہ دی گئی۔ اس لحاظ سے اردوئے معلیٰ کو ایک ادبی، علمی اور سیاسی مجلہ کہا جاسکتا ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے "اردوئے معلیٰ" کے ذریعے انگریزوں اور انگریزی حکومت کے خلاف بڑے تند وتیز مقالات لکھے۔ اس رسالے میں شائع ہونے والے تمام مضامین موضوعات کے اعتبار سے اعلیٰ علمی وادبی اقدار کی عکاسی کرتے تھے۔ ۱۲

اردو صحافت کی تاریخ میں "اردوئے معلیٰ" زبان وادب کی خدمت اور سیاسی شعور کی بیداری کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مولوی فضل الحسن حسرت موہانی:۔

مولانا حسرت موہانی ۱۸۷۸ء میں اودھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا کا اصل نام سید فضل الحسن تھا اور والد کا نام سید اظہر حسین تھا۔ حسرت موہانی نے قرآن مجید اور اردو فارسی کی کتابیں میاں جی غلام علی موہانی سے پڑھیں۔ ۱۸۹۴ء میں مڈل اور ۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور نہ صرف پاس ہوئے بلکہ وظیفہ بھی حاصل کیا۔ یہاں سے کالج کی تعلیم کے لیے مدرستہ العلوم علی گڑھ میں داخل ہوگئے۔ علی گڑھ کے زمانہ طالب علمی میں اکثر موقعوں پر نظمیں اور قصیدے پڑھے اور کالج کی مشہور سوسائٹی یونین کلب میں اکثر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تقریریں کیں، جن کی نواب محسن الملک مرحوم نے بارہا داد دی آپ کے ہم عصر طالب علموں میں سید سجاد حیدر یلدرم، مسٹر محمد حیات اور مسٹر انعام الحق (سابق ایڈیٹر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) وغیرہ شامل تھے۔ ۷۶؎

۱۹۰۳ء میں علی گڑھ کالج سے بی اے کرنے کے بعد اس شہر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ وہ ایک طرف اعلیٰ پایہ کے شاعر و ادیب تھے دوسری طرف سیاست میں دلچسپی لیتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے علی گڑھ سے یکم جولائی ۱۹۰۳ء کو "اردوئے معلّیٰ" کے نام سے رسالہ جاری کردیا۔ اردوئے معلّیٰ کے پہلے ہی شمارے میں انہوں نے ہندوستان کے لیے مکمل آزادی کا مجاہدانہ نعرہ بلند کیا۔ ۷۷؎ ۱۹۰۸ء تک یہ رسالہ ملک کے نامور رسالوں میں شمار ہوتا تھا اور اس کا ظاہر و باطن یعنی لکھائی کا غذ اور مضامین سب قابل تعریف تھے ہر چند کہ رسالے کی اشاعت کم تھی یعنی صرف پانچ سو مگر قابل لوگوں کے مضامین بھی بمشکل اس میں جگہ حاصل کرتے تھے" ۷۸؎

مولانا حسرت موہانی نے ۱۹۰۸ء میں انگریز حکومت کے خلاف سخت مقالہ لکھا جس کے نتیجے میں انہیں ایک سال سزائے قید کا حکم سنایا گیا۔ رہائی کے بعد آپ نے پھر اردوئے معلّیٰ جاری کیا مگر اس مرتبہ نہ صرف سائز بدلا۔ بلکہ حجم بھی بہت معقول رکھا گیا اور قیمت بھی کم۔ عرصہ تک "مشاہدات زنداں" کے عنوان سے وہ اپنی قید کی سرگزشت لکھتے رہے اشاعت سے متعلق لکھتے ہیں۔

"رہائی کے بعد کچھ دن تک رسالہ ۵۰۷ چھپتا رہا۔ لیکن حکومت کے خوف سے اکثر کمزور طبعیت لوگوں نے خریداری سے انکار کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اس کے خریدار بدستور صرف پانچ سو ہیں۔ ۷۹؎

مولانا حسرت موہانی کو سرسید احمد خاں کے سیاسی نظریات سے اختلاف تھا۔ انھوں نے ۱۹۰۵ء میں آل انڈیا کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور سودیشی تحریک کے مبلغ بن گئے۔ ۱۹۰۷ء میں کانگریس کو خیر آباد کہہ دیا۔ ۱۹۰۸ء میں حکومت کے خلاف اپنے رسالے میں ایک مضمون شائع کرنے کی پاداش میں قید با مشقت کی سزا ہوئی۔ ۱۹۱۰ء میں رہائی کے بعد اردوئے معلّیٰ دوبارہ شروع کیا۔ مئی ۱۹۱۳ء کو حکومت نے دوبارہ پرچہ بند کردیا تو حسرت موہانی نے جنرل اسٹور کھول لیا۔

اسی زمانے میں مسلمانوں میں احرار تحریک نے جنم لیا اس تحریک کے ممتاز رہنماؤں میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور مولانا حسرت موہانی تھے یہیں سے حسرت موہانی رئیس الاحرار کہلائے ۱۹۱۶ء میں للت پور جیل میں بند کر دیے گئے اپریل ۱۹۲۲ء کو تیسری اور آخری بار دو سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔

مولانا حسرت موہانی کے خیالات میں واضح انقلاب ۱۹۲۴ء میں آیا۔ جب انہوں نے ہندوؤں کے فرقہ پرستانہ عزائم اور شدھی و سنگھٹن کی تحریکوں کے خطرات کو بھانپ لیا۔ ۱۹۲۵ء میں اردوئے معلی کا دوبارہ اجراء ہوا۔ اسی دوران حسرت موہانی نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی اور ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد وہ پاکستان نہیں آئے بلکہ ہندوستان میں ہی رہے اور ہندوستانی پارلیمنٹ میں مسلمانان ہند کی بھرپور نمائندگی کی۔

مولانا حسرت موہانی کی وجہ امتیاز "اردوئے معلی" ہے لیکن ان کی دیگر تصانیف، شرح دیوان غالب، متروکات سخن، مشاہدات زندان اور انتخاب سخن بھی اہل علم وفن میں مقبول و معروف ہیں۔ حسرت موہانی نے حالات کی تنگ دستی کے باوجود گیارہ مرتبہ حج بیت اللہ اور بارہ مرتبہ روضۂ پاک کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ مسلسل جدوجہد سے عبارت یہ عظیم شخصیت ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں آسودہ خاک ہوگئی۔ [۱۸۰]

<u>دکن ریویو:۔</u>

مولانا ظفر علی خان نے ۱۹۰۳ء میں حیدر آباد دکن سے ایک رسالہ "افسانہ" جاری کیا اور جنوری ۱۹۰۴ء میں حیدر آباد دکن سے ہی "دکن ریویو" کا اجراء کر کے رسالہ "افسانہ" کو اس میں ضم کر دیا۔

"دکن ریویو" کے مدیر مولانا ظفر علی خان تھے۔ یہ رسالہ ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کا سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ اس کی طباعت و کتابت صاف ستھری اور دلکش تھی۔ ہر پرچہ میں ایک عکسی تصویر آرٹ پیپر پر چھپتی تھی۔ [۱۸۱]

"دکن ریویو" ایک علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں علم و ادب، مصوری، شعر و شاعری، فلسفہ، تاریخ، مذہب، لسانیات، سنگ تراشی اور دیگر شعبۂ زندگی کو موضوع سخن بنایا جاتا تھا اور اعلیٰ پائے کا علمی و ادبی اور تاریخی و تحقیقی مواد شامل کیا جاتا تھا۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے یہ رسالہ خاص طور سے سرگرم تھا۔

دسمبر ۱۹۰۵ء تک اس رسالے کی اشاعت باقاعدہ رہی۔ پھر یہ رسالہ مولانا ظفر علی خان کی شدید علالت کی وجہ سے بند ہوگیا۔ مولانا حیدر آباد سے بمبئی چلے گئے اور وہاں ایک تجارتی کمپنی قائم کی، جس کے سلسلہ میں صومالیہ گئے۔ واپسی پر انہیں تجارت میں نقصان اٹھانا پڑا۔ بمبئی میں ہی نومبر ۱۹۰۶ء میں دکن ریویو جاری کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کا پرچہ بھی بمبئی میں چھپا تاہم جنوری، فروری ۱۹۰۷ء کے پرچے بمبئی میں مرتب کر کے حیدر آباد سے شائع کیے گئے اور مارچ ۱۹۰۷ء سے یہ رسالہ حیدر آباد دکن سے شائع ہونا شروع ہوا۔ [۱۸۲]

جب رسالہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا اور اسے مالی مشکلات کا سامنا نہ رہا تو اس رسالے نے مضمون نگاروں کو معاوضہ دینے کی روایت کا آغاز کیا۔ اس حوالے سے فروری ۱۹۰۹ء کے شمارے میں درج ہے:

"اگرچہ دکن ریویو کے علمی سرپرستوں کی نوازشات کا سلسلہ اس ادارت کی طرح جو ہمیں ان کی جناب میں ہے، لا متناہی ہے، پھر بھی اس عرق ریزی اور جانکاہی کا اندازہ کر کے، جو ایک اچھے مضمون کے لکھنے میں صرف کرنی پڑتی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ یار شاطر ہونے کے بجائے ہم اپنے تقاضوں کے باعث ان کے لیے بار خاطر ہوں، پس آئندہ سے دکن ریویو کے قلمی معاونین کو یہ اطلاع دینا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ جو مضمون اس کا نمونہ میں شائع ہوگا، اس کا معاوضہ خالی خولی زبانی شکریہ کے نقدی میں دیا جائے گا" ۱۸۳

ابھی رسالے نے پوری طرح پیر جمائے ہی تھے کہ مولانا ظفر علی خان پر مولانا عبدالحلیم شرر اور مولوی عزیز مرزا کے ہمراہ سید جمال الدین افغانی کی تحریک سے تعلق رکھنے کا الزام لگایا گیا، لہٰذا مولانا ظفر علی خان نے رسالہ کی ملکیت و ادارت سے تعلق ختم کرتے ہوئے مارچ ۱۹۰۹ء میں اس بات کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

"ہم نہایت دلی رنج کے ساتھ بلا کسی مزید تمہید کے ناظرین کو یہ اندوہناک خبر سناتے ہیں کہ یہ پرچہ دکن ریویو کا آخری نمبر ہے، جس کی ایڈیٹری کی خدمت ہم انجام دیتے ہیں۔ جس چیز نے ہمیں دکن ریویو سے تعلق ایڈیٹری قطع کرنے پر مجبور کیا، وہ سرمایہ کی کمی نہیں بلکہ وقت کی کمی ہے" ۱۸۴

مولانا ظفر علی خان نے "دکن ریویو" کو سید مودود احمد قادری کے سپرد کر دیا تھا۔ اس حوالے سے انھوں نے لکھا:

"ہماری خدمت کی نوعیت بدل گئی ہے، جس کی وجہ سے ذمہ داری کا ایک بڑا بوجھ ہمارے سر پر آپڑا ہے۔۔۔ ایسی حالت میں جب کہ ہم اس کے لیے نہ اتنا وقت نکال سکتے ہیں، جیسا اب تک نکالتے رہے ہیں۔ نہ ایسی محنت کر سکتے ہیں، جیسا اب تک کرتے رہے، تو ظاہر ہے کہ دکن ریویو وہ وقعت و حیثیت قائم نہ رکھ سکے گا، جو اس نے ملک کے کثیر التعداد رسالوں میں حاصل کر لی تھی۔۔۔ مولوی سید مودود احمد قادری نے دکن ریویو کے چلانے کے لیے کافی سرمایہ کا انتظام کرنے کے علاوہ ایک لائق اسٹاف مددگاروں کا بہم پہنچا لیا ہے۔۔۔ اس کے منیجر بدستور مولوی محمد بدیع الزماں خان صاحب رہیں گے" ۱۸۵

اس رسالے میں برصغیر کے نامور ادیبوں اور شعراء کی تصانیف و تخلیقات کو جگہ ملی۔ اس کے لکھنے والوں میں مولوی عبدالحق، مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبدالحلیم شرر، نواب نصیر حسین، مرزا محمد ہادی عزیز، اکبر الہٰ آبادی، رضا علی وحشت، سید حیدر طباطبائی، سید راحت حسین، قاضی کبیر الدین اور سید محمد اشرف وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

دکن ریویو، مولانا ظفر علی خان کی علمی و ادبی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس کے خاص نمبر مثلاً اسلام نمبر اور ہندو نمبر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے رسالہ "زبان، دہلی" اپنے اپریل ۱۹۰۸ء کے شمارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرچہ کوئی سال بھر سے شائع ہوتا ہے کیونکہ اس وقت ریویو کے لیے جو ہندو نمبر ہمارے سامنے ہے، دوسری جلد کا چوتھا اور پانچواں نمبر ہے۔ مقام اشاعت حیدرآباد دکن ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے ہیں، جو ایک مذہبی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ایک اسلام نمبر بھی شائع کر چکے ہیں۔ اور اب یہ ہندو نمبر متعصبانہ پالیسی کا ثبوت دینے کے لیے نکالا گیا ہے جو بہ لحاظ اور نمبروں کے خاص اہتمام کے شائع ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی بھی معقول ہے۔ ہز ہائینس مہاراجہ گیکوار برودہ شکنتلا اور آنریبل مسٹر گوکھلے کی تصاویر بھی شامل ہیں، مضامین بھی خاصے ہیں" ۱۸۶

"دکن ریویو" اپنے وقت کا ایک اہم رسالہ تھا، تاہم مولانا ظفر علی خان کی علیحدگی کے بعد یہ اپنی بقاء کی جنگ زیادہ عرصے نہ لڑ سکا اور بند ہو گیا۔

مولانا ظفر علی خان:۔

مولانا ظفر علی خاں ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں کوٹ میرٹھ میں ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا ابتدائی نام خداداد خان تجویز ہوا۔ جسے بعد میں بزرگوں نے ظفر علی خان میں تبدیل کر دیا۔ ۱۸۷ مڈل تک وزیرآباد کے مشن ہائی اسکول میں تعلیم پائی۔ اسی دوران میں ان کے والد منشی سراج الدین احمد نے ان کو علی گڑھ پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ واپس چلے آئے۔ مڈل کا امتحان وزیرآباد ہی سے پاس کیا اور انٹر کے امتحان میں پٹیالہ سے کامیابی حاصل کی۔ علی گڑھ یونی ورسٹی سے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ کالج ہی کی زندگی میں شعر و شاعری کا شغل پیدا ہوا۔ یونین کلب کے جلسوں میں فارسی اور اردو میں کئی دفعہ نظمیں پڑھیں جو کالج کی ضروریات اور قومی حالات کے متعلق ہوا کرتی تھیں۔

مولانا ظفر علی خان بی اے پاس کرنے کے بعد نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنے لگے وہ ان کی انگریزی خط و کتابت کا جواب دیتے تھے۔ اور ان کے لیے فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ کیا کرتے تھے۔ معرکۂ، مذہب و سائنس، کا ترجمہ بھی اسی زمانے میں کیا۔ اس کے بعد آپ ہوم آفس میں مترجمی کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ رفتہ رفتہ آپ لیجسلیٹیو کونسل کے مستقل رجسٹرار ہو گئے۔ دوران ملازمت کئی کتابوں کا ترجمہ کیا جن میں "بحر ظلمات"، "جنگل میں منگل"، "فسانہ لنڈن"، "خیابان فارس" اردو ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ۱۸۸

مولانا ظفر علی خان باکمال شاعر، بلند پایہ ادیب، شعلہ نوا مقرر اور بے باک صحافی تھے۔ ظفر علی خان کی صحافتی زندگی کا آغاز دکن سے ہوا۔ انھوں نے پہلے ایک ادبی رسالہ "افسانہ" شروع کیا اس کے بعد "دکن ریویو" کا آغاز کیا جس میں علمی، ادبی، معاشرتی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس زمانے میں انہوں نے انگریزی رسالوں بمبئی گزٹ اور ٹائمز آف انڈیا میں بھی لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ حیدرآباد دکن سے اخراج کے بعد مولانا ظفر علی خان واپس پنجاب آ گئے۔

ان کے والد مولوی سراج الدین احمد نے محکمہ ڈاک کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کسانوں اور زمینداروں کی فلاح و بہبود کے لیے جون ۱۹۰۳ء میں لاہور سے "زمیندار" جاری کیا جسے وہ کرم آباد لے گئے۔ دسمبر ۱۹۰۹ء میں والد کی وفات کے بعد مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کی ادارت سنبھالی تو اس کی تعداد اشاعت صرف چھ سات سو تھی۔

"زمیندار" معاشرتی اصلاح کا داعی تھا۔ اگست ۱۹۱۰ء میں ایک ماہوار ادبی رسالہ "پنجاب ریویو" جاری کیا۔ یکم مئی ۱۹۱۱ء کو زمیندار کرم آباد سے پھر لاہور منتقل کر دیا گیا۔ جس سے اشاعت فوری طور پر بارہ سو ہوگئی۔ اخبار کی مقبولیت کا دائرہ بتدریج وسیع ہونے لگا۔ ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء سے "زمیندار" روزنامہ ہوگیا۔ ان ہی دنوں ترکی اور اٹلی میں جنگ چھڑ گئی ان جنگوں کے بارے میں تازہ خبروں اور ظفر علی خان کے پر جوش اداریوں نے "زمیندار" کو عوام کا مقبول ترین اخبار بنا دیا۔۱۸۹

مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت کا وقار بلند کیا۔ مولانا نے اپنی تحریروں میں اتنی جرائت اور بے باکی سے انگریز حکومت کے خلاف تنقید کی کہ لوگوں کے دلوں سے انگریزوں کے رعب و دبدبے کا خوف دور ہوگیا۔ مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت کو نئے اسلوب سے روشناس کرایا۔ اہم خبروں کو بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔

مولانا ظفر علی خان نے حق گوئی و بے باکی کے صلہ میں بارہ سال سے زیادہ عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ "زمیندار" کی ضبطگیوں اور اپنی گرفتاریوں کے نتیجہ میں ڈیڑھ لاکھ روپے سے زائد جرمانہ ادا کیا۔ حکومت نے پندرہ دفعہ اخبار ضبط کیا۔ دوسو کے قریب نظمیں ضبط ہوئیں۔ نیا پریس بحق سرکار ضبط ہوا لیکن دنیا کی کوئی طاقت انھیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔

۱۹۳۳ء میں کانگریس کو خیر آباد کہہ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اس کے بعد حلقۂ لاہور ضمنی انتخابات میں مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں دوبارہ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب ہوئے اسی دوران وہ مسلم لیگ کے لیے دن رات کام کرتے رہے جسکے نتیجے میں بیمار ہوئے۔ ذرا افاقہ ہوا تو فالج کا حملہ ہوگیا جس نے ان کی بھرپور زندگی کو بڑی حدتک متاثر کیا۔۱۹۰

قیام پاکستان کے بعد مولانا ظفر علی خان دو تین سال لاہور میں رہے پھر کرم آباد منتقل ہو گئے۔ ۸۶ سال کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔۱۹۱

الہلال:۔

۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو ہفت روزہ "الہلال" منظر عام پر آیا۔ جس نے آتے ہی اپنے ہم عصر رسالوں میں منفرد مقام حاصل کرلیا۔ اس رسالے کے مدیر مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ جو رسالے کے اجراء کا تصور مصر سے لے کر آئے تھے اور مصری صحافت سے متاثر تھے۔

"الہلال" ایک مذہبی انقلاب کا علمبردار ہفت روزہ رسالہ تھا جس میں مذہب، سیاست، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ، عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ پائے کے مضامین و مقالے چھپتے تھے اور نئی کتابوں، رسالوں اور اخبارات پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے۔۱۹۶ اس رسالے میں شبلی نعمانی، نیاز فتحپوری اور اکبرالہٰ آبادی کی طنزیہ نظمیں اکثر و بیش تر شائع ہو کر اس کے حسن کو چار چاند لگا دیتی تھیں۔

الہلال کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔ اس رسالے کے کوئی تجارتی مقاصد نہ تھے۔ ابوالکلام آزاد اس حوالے سے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں بلکہ تلاش زیان و نقصان میں آئے ہیں۔ صلہ و تحسین کے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلب گار ہیں۔ عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش و اضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں۔ دنیا کے زر و سیم کو قربان کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرنے آئے ہیں۔۔۔۔ ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ہے، وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لیے ایک دھبہ اور سر تا سر عار ہے۔ ہم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض الٰہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں" ۱۹۷

الہلال ایک انقلابی اور اپنی مخصوص سوچ اور آواز رکھنے والا جریدہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بات پر ناراض ہو کر انگریز حکومت نے رسالے سے ۱۰ ہزار کی ضمانت طلب کی، تاہم ادائیگی نہ ہونے کے باعث اس کی ضمانت ضبط کر لی گئی اور ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو منظر عام پر آنے والا "الہلال" کا پہلا سنہرا دور ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس دور میں اس رسالے کی کل پانچ جلدیں شائع ہوئیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو "الہلال" کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا، جب مولانا ابوالکلام آزاد نے اسے "البلاغ" کے نام سے جاری کیا۔ یہ ایک تبلیغی نوعیت کا رسالہ ثابت ہوا، تاہم مارچ ۱۹۱۶ء کے بعد یہ رسالہ دم توڑ گیا۔

"الہلال" کا دور ثالث جون ۱۹۲۷ء کو شروع ہوا، تاہم چند شماروں کی اشاعت کے بعد دسمبر ۱۹۲۷ء میں یہ دور بھی اختتام پذیر ہو گیا۔

"الہلال" ایک اصلاحی نوعیت کا رسالہ تھا جس نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی جوت جگانے، انہیں متحد کرنے، ان میں سیاسی فکر و شعور بیدار کرنے کے علاوہ اسلامی ادبی دبستان کے قیام اور اردو زبان و ادب کی اصلاح اور خدمت کا بیڑا بھی اٹھایا۔

الہلال اس وقت جاری ہوا، جب جنگ طرابلس و بلقان شروع ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس رسالے نے اس حوالے سے برصغیر کے مسلمانوں کو آگاہ رکھنے کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا اور اپنے مختلف عنوانات میں اس مسئلے کو اجاگر کیا۔ الہلال نے اپنے آپ کو اس جنگ کے لیے وقف کر دیا تھا اور رسالے کی آمدنی میں سے مخصوص رقم متاثرین جنگ کے لیے قائم کردہ فنڈ میں دیئے جاتے تھے۔

"الہلال" مولانا ابوالکلام آزاد کے اس خواب کی تعبیر تھا جو انھوں نے چھ سال قبل جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے وہ حد درجہ بے چین و مضطرب تھے۔ مولانا کے الفاظ ہیں:

"سنہ ۱۹۰۶ء کی موسم سرما کی آخری راتیں تھیں، جب امرتسر میں میری چشم بیداری نے ایک خواب دیکھا۔ انسان کے ارادوں اور منصوبوں کو جب تک ذہن و تخیل میں ہیں، عالم بیداری کا ایک خواب ہی سمجھنا چاہئے۔ کامل چھ برس اس کی تعبیر کی مشق آمیز جستجو میں صرف ہو گئے۔ امیدوں کی خلش اور ولولوں کی شورش نے ہمیشہ مضطرب رکھا اور یاس و قنوط کا ہجوم بار ہا حوصلۂ عزم پر غالب آ گیا، لیکن الحمد اللہ کہ ارادے کا استحکام اور توفیق الہیٰ کا اعتماد ہر حال میں طمانیت بخش تھا۔ یہاں تک کہ آج اس خواب عزیز کی تعبیر عالم وجود میں پیش نظر ہے" ۱۹۲

"الہلال" ۲۰/۴×۳۰ کے سائز پر نکلتا تھا ہر شمارے میں سولہ صفحات ہوتے تھے کبھی زیادہ بھی دیئے جاتے تھے۔ سرورق کے یہ صفحات اس کے علاوہ تھے۔ سرورق کے ۲/۵ حصہ میں "الہلال" کے نام کی پٹی ہوتی تھی۔ اس کے نیچے ایک تصویر اور پھر فہرست مضامین۔ سرورق کے باقی صفحات میں اشتہارات ہوتے تھے۔ ۱۹۳ اس رسالے کی سالانہ قیمت آٹھ روپے اور ششماہی چھ روپے بارہ آنے تھی۔ جبکہ رسالہ کی لوح کے نیچے ایک ہفتہ وار مصور رسالہ " درج ہوتا تھا۔

مولانا آزاد، "الہلال" کو ہر طرح سے ایک بہترین رسالہ دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس رسالے کی ظاہری خصوصیات اور ہیئت کو خوبصورت بنانے کے لیے دیسی پریس کی مدد لینے کے بجائے رسالے کی چھپائی ٹائپ میں کرانے کو ترجیح دی۔ مولانا رقم طراز ہیں:

"جس اردو ٹائپ میں (الہلال) چھپ رہا ہے، اگر غور اور مقابلے کے ساتھ دیکھا جائے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ (کلکتہ) اور (الہٰ آباد) کے تمام اردو ٹائپوں سے مجموعی طور پر بدرجہا زیادہ خوشنما اور بہتر ہے" ۱۹۴

"الہلال" کی اشاعت، اجراء اور مقاصد بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

"الہلال" کی اشاعت ہمارے قدیمی ارادوں کے سفر کا آغاز ہے اور فضل الہیٰ سے امید ہے کہ اب بہت جلد اپنے ارادے کے اعمال مہمہ میں مصروف ہو سکیں گے۔ ایک اردو ہفتہ وار رسالے کی اشاعت کے لیے برقی طاقت سے چلنے والی مشینوں کی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی وسیع پریس کے متعلقات و آلات کی اور نہ ایک اردو ہفتہ وار اخبار ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اتنی حیثیت پیدا کر سکتا ہے کہ کسی بڑے پریس کو اپنے اعتماد پر قائم رکھ سکے۔ پھر وہ خواہ کتنے ہی وسیع پیمانے پر جاری کیا جائے، لیکن کوئی ایسا مقصد زندگی نہیں ہو سکتا۔ جس کا انتظار، شب ہائے امید کی بے چینیوں اور روز ہائے تلاش کے اضطراب کا حقدار ہو۔ خدا کے بخشے ہوئے دل و دماغ کی یہ ناقدری و تحقیر ہے، اگر اس کے مقاصد کا سدرۃ المنتہیٰ اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکے۔ پس یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے، درحقیقت چند عزائم عظیمہ ہیں، جن کی طرف بتدریج متوجہ ہونا ہے اور میں نہیں جانتا کل کا کیا ہو؟" ۱۹۵

"الہلال" ایک مذہبی انقلاب کا علمبردار ہفت روزہ رسالہ تھا جس میں مذہب، سیاست، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ ،عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ پائے کے مضامین ومقالے چھپتے تھے اور نئی کتابوں، رسالوں اور اخبارات پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے۔۱۹۶ رسالے میں شبلی نعمانی، نیاز فتحپوری اور اکبرالہٰ آبادی کی طنزیہ نظمیں اکثر وبیش تر شائع ہوکراس کے حسن کو چار چاند لگادیتی تھیں۔

الہلال کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔اس رسالے کے کوئی تجارتی مقاصد نہ تھے۔ ابوالکلام آزاد اس حوالے سے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں بلکہ تلاش زیان ونقصان میں آئے ہیں۔صلہ وتحسین کے نہیں بلکہ نفرت وشنام کے طلب گار ہیں۔عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش واضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں۔دنیا کے زروسیم کو قربان کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرنے آئے ہیں۔۔۔۔ ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ہے، وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لیے ایک دھبہ اور سرتاسر عار ہے۔ہم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض الہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں"۱۹۷

الہلال ایک انقلابی اور اپنی مخصوص سوچ اور آواز رکھنے والا جریدہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ کسی بات پر ناراض ہوکر انگریز حکومت نے رسالے سے ۱۰ ہزار کی ضمانت طلب کی، تاہم ادائیگی نہ ہونے کے باعث اس کی ضمانت ضبط کرلی گئی اور ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو منظر عام پر آنے والا "الہلال" کا پہلا سنہرا دور ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔اس دور میں اس رسالے کی کل پانچ جلدیں شائع ہوئیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو "الہلال" کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا، جب مولانا ابوالکلام آزاد نے اسے "البلاغ" کے نام سے جاری کیا۔یہ ایک تبلیغی نوعیت کا رسالہ ثابت ہوا، تاہم مارچ ۱۹۱۲ء کے بعد یہ رسالہ دم توڑ گیا۔

"الہلال" کا دور ثالث جون ۱۹۲۷ء کو شروع ہوا، تاہم چند شماروں کی اشاعت کے بعد دسمبر ۱۹۲۷ء میں یہ دور بھی اختتام پذیر ہوگیا۔

"الہلال" ایک اصلاحی نوعیت کا رسالہ تھا جس نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی جوت جگانے، انہیں متحد کرنے، ان میں سیاسی فکر وشعور بیدار کرنے کے علاوہ اسلامی ادبی دبستان کے قیام اور اردو زبان وادب کی اصلاح اور خدمت کا بیڑا بھی اٹھایا۔

الہلال اس وقت جاری ہوا، جب جنگ طرابلس وبلقان شروع ہوچکی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس رسالے نے اس حوالے سے برصغیر کے مسلمانوں کو آگاہ رکھنے کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا اور اپنے مختلف عنوانات میں اس مسئلے کو اجاگر کیا۔ الہلال نے اپنے آپ کو اس جنگ کے لیے وقف کردیا تھا اور رسالے کی آمدنی میں سے مخصوص رقم متاثرین جنگ کے لیے قائم کردہ فنڈ میں دیئے جاتے تھے۔

اس رسالے کے مستقل عنوانات شذرات، مقالات افتتاحیہ، بصائر وحکم، تاریخ وعہد وثائق وحقائق، باب التفسیر، مذاکرہ علمیہ، مقالات آثار عتیقہ، احرار الاسلام، انتقاد، عالم مطبوعات وظائف، برید فرنگ، اور برید مصری، کارزار طرابلس، ٹسئول اسلامیہ، شئون عثمانیہ، شئون حربیہ، آثار علمیہ و خطبہ، افکار و حوادث، مراسلات و المراسلۃ والمناظرہ، اسئلۃ و اجوابات، اختراعات عثمانیہ، تاریخ حیات اسلامیہ، اسوۃ حسنہ، تفریح وترویج فکر حکایات اور ادبیات وغیرہ تھے۔

الہلال اپنی نوعیت کا ایک منفرد رسالہ تھا، جو مضامین کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی اپنی مثال آپ تھا۔ ہاف ٹون تصاویر اور ٹائپ میں طباعت کی روایت کی داغ بیل اسی رسالے نے ڈالی۔ یہ پہلا رسالہ تھا جس نے مختلف ممالک میں اپنے نمائندے مقرر کیے۔ تحریک اسلامی کے فروغ میں بھی اس رسالے کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

شبلی نعمانی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء سے الہلال نام کا ایک بے مثل ہفتہ وار، باتصویر اردو رسالہ کلکتہ سے شائع ہونے لگا ہے۔ اس رسالہ کے مالک اور ایڈیٹر ملک کے مشہور انشاء پرداز مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، جن کی جادو نگاری کا تذکرہ اردوئے معلیٰ میں ایک سے زیادہ مرتبہ آچکا ہے۔ خوبی لٹریچر کے علاوہ مضامین کی تازگی، خیالات کی آزادی اور تصاویر کی دل پذیری غرض ہر اعتبار سے یہ پرچہ قابل قدر اور لائق ستائش ہے" ۱۹۸

الہلال نے جلد ہی علمی و ادبی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرلی اور اپنا ایک مخصوص مقام پیدا کرلیا۔ اس حوالے سے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"الہلال کی پالیسی وضع زمانہ کے خلاف، اشکال لب ولہجہ درشت وسخت، اسکے مضامین ٹائپ میں چھپتے ہیں، جس کے عام طور پر لوگ عادی نہیں۔ پھر کیا یہ حق اور صداقت کی قدرتی فتح مندی نہیں ہے کہ اللہ دلوں کے دروازے اس کے لیے کھولتا جاتا ہے" ۱۹۹

واقعی یہ "الہلال" کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس نے اپنے عظیم مقاصد کے باعث جلد ہی اپنے ہم عصر رسالوں پر سبقت حاصل کرلی۔ اس رسالے کی خدمات اردو صحافت میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

مولانا ابوالکلام آزاد:۔

مولانا ابوالکلام آزاد اگست ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا مادری وطن مدینہ طیبہ اور آبائی وطن دہلی تھا آپ کے والد کے نانا مولانا نور الدین ۱۸۵۷ء کے بعد ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے، وہیں شیخ حرم کی بھانجی سے مولانا آزاد کے والد مولانا خیر الدین کی شادی ہوئی۔ عرب ماں نے عرب ماحول میں پرورش کی۔ اس طرح مولانا آزاد کی مادری زبان عربی اور اجداد کی زبان اردو تھی۔ گھر میں علوم کا ذکر اور اردو کے چرچے رہے۔ بڑے بھائی مولانا ابونصر یاسین شاعر تھے کچھ ان کی دیکھا دیکھی اور کچھ فطری موزونیت کے سبب ابوالکلام بھی شعر کہنے لگے۔ بعد میں انھوں نے شاعری کو ترک کر کے نثر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ۲۰۰

۱۸۹۸ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین برصغیر واپس آئے اور کلکتہ میں مقیم ہوئے۔ اس وقت ابوالکلام آزاد کی عمر دس سال تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافتی زندگی کا آغاز ایک گلدستے سے ہوا جو "ارمغان رخ" کے نام سے انیسویں صدی کے آخر میں بمبئی سے نکلتا تھا اس میں مولانا نے پہلی مرتبہ مصرع طرح پر غزل بھیجی اور اپنا تخلص آزاد رکھا۔ کلکتہ سے ۱۸۹۹ء میں مولانا نے "نیرنگ عالم" کے نام سے ایک گلدستہ جاری کیا۔ اس طرح رسالے کے اجراء سے مولانا نے عملی طور پر صحافت میں قدم رکھا۔ جس کے نتائج بہت دوررس ثابت ہوئے۔ یہ ابوالکلام آزاد کا پہلا صحافتی کارنامہ تھا۔ لکھنؤ سے ۱۸۹۷ء میں "خدنگ نظر" جاری ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں اس کی ادارت مولانا کے سپرد کر دی گئی انہوں نے اس میں مضامین بھی لکھے اسی کا ہم عصر رسالہ "مرقع عالم" ہردوئی سے نکلتا تھا۔ مولانا کی نگارشات اس میں بھی شائع ہوئی تھیں۔

محمد موسیٰ نے کلکتہ سے ۱۹۰۰ء کے آخر میں ہفت روزہ اخبار "المصباح" جاری کیا۔ اس کے مدیر مولانا ابوالکلام آزاد مقرر ہوئے۔ یہ علمی وادبی پرچہ تھا جس میں مولانا نے علمی، تاریخی اور سوانحی مضامین لکھے لیکن یہ اخبار چار ماہ بعد بند ہو گیا۔

ایک اور ہفت روزہ "ایڈورڈ گزٹ" کی ادارت بھی مولانا نے سنبھالی۔ ۱۹۰۲ء میں وہ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ "احسن الاخبار" بھی اسی دور کا اخبار تھا اس کے مالک مولوی احمد حسین فتح پوری نے اسے کلکتہ سے جاری کیا۔ عملی طور پر مولانا اس کو مرتب کرتے تھے اور اس میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

کلکتہ سے مولوی احمد حسین نے ۱۹۰۲ء میں "تحفہ احمدیہ" جاری کیا۔ مولانا اس کے مدیر تھے اور خود بھی مضامین لکھتے تھے۔ مولانا نے کلکتہ سے ماہنامہ "دبستان الصدق" ۱۹۰۳ء میں جاری کیا۔ لیکن یہ علمی وادبی ماہنامہ ایک سال بعد بند ہو گیا۔ "ریویو" نامی ماہنامہ "لسان الصدق" کے ضمیمے کے طور پر مولانا نے جاری کیا۔ اس کا مقصد اردو زبان میں شائع ہونے والی تنقیدی تصانیف پر تبصرہ کرنا تھا یہ ۲۰ جون ۱۹۰۵ء میں جاری ہوا۔ "الندوہ" کی ادارت اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں میں تھی اور آخری شمارہ بھی مولانا کی ادارت میں شائع ہوا۔

امرتسر سے نکلنے والے مقبول اخبار "وکیل" سے بحیثیت مدیر اپریل ۱۹۰۶ء میں منسلک ہوئے۔ اس کے بعد کلکتہ سے "دارالسلطنت" نامی اخبار جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس کا پہلا نام "اردو گائیڈ" تھا مولانا ۱۹۰۷ء میں اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد دوبارہ "وکیل" سے وابستہ ہو گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے ہفت روزہ "الہلال" جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد یعنی ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء میں "الہلال" سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء میں ضمانت ضبط ہو جانے سے "الہلال" بند ہو گیا۔ دور اوّل میں کچھ مدت کے لیے "الہلال" ایک ورق پر روزانہ نکلتا تھا جس میں صرف خبریں شائع ہوتی تھیں۔ الہلال کا دوسرا دور بحیثیت ہفت روزہ نومبر ۱۹۱۵ء سے شروع ہوا جو اپریل ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ اس کے تیسرے دور کا آغاز جون ۱۹۲۷ء سے ہوا جو نصف ٹائپ میں اور نصف لیتھوگرافی میں چھپتا تھا اور اس سال دسمبر میں یہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

"الہلال" کے بند ہو جانے کے بعد مولانا نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو البلاغ جاری کیا۔ ۱۰۱؎

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت کو تاریخی اعتبار سے چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۳ء پر مشتمل ہے اسے تجربہ و مشق کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں مولانا نے صرف پندرہ سال کی عمر میں درس نظامی مکمل کر لیا جس کی تکمیل میں تیرہ چودہ برس صرف ہوئے ہیں۔ اسی عرصے میں مولانا ذہنی طور پر صحافت کے دوسرے دور میں داخل ہونے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ مولانا آزاد کی عمر ابھی بیس سال ہی تھی کہ ان کی صحت خراب رہنے لگی اس لیے وہ کچھ دنوں کے لیے صحافت سے کنارہ کش ہو گئے پھر اس سکوت کو "الہلال" نے توڑا جو خود ان کا ہی نہیں بلکہ اردو صحافت کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس سے مولانا آزاد کی رنگا رنگ صحافت کے تیسرے دور کا آغاز ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے الہلال کی تعداد اشاعت چھبیس ہزار تک پہنچ گئی۔ جو اس سے پہلے کسی اور اخبار کا مقدر نہ ہوئی تھی۔ الہلال نے موضوعات کا بے مثال تنوع پیش کیا۔ اس نے مولانا کی خطیبانہ نثر کا وہ اسلوب پیش کیا جو تحریک حریت کے دور میں بے حد مقبول ہوا۔ مولانا ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جوہر نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا۔ مولانا آزاد کی صحافتی زندگی کے چوتھے اور آخری دور کا آغاز نظر بندی کا ہے۔ رانچی میں نظر بندی کی تنہائی، اظہار و رسل و رسائل کی راہیں بند ہو جانے سے مولانا آزاد کے ذہن نے دوسری راہیں ڈھونڈ نکالیں اور تصنیف و تالیف کی جانب مائل ہوئے۔ ان کی طویل نظر بندیوں اور گرفتاریوں نے ہمیں "تذکرہ ترجمان القرآن" اور "غبار خاطر" دیئے۔ سولہ سال سے زیادہ عرصہ پھیلی ہوئی قید و بند کی زندگی نے مولانا آزاد کو صحافت جیسے صبر آزما اور تسلسل طلب کام کی طرف مستقل طور پر متوجہ نہ ہونے دیا۔ رانچی کی نظر بندی صحافت کے لیے ایک سانحہ ثابت ہوئی اور فعالی صحافت کا سلسلہ ختم ہو کر رہ گیا۔

مولانا آزاد ۱۹۱۹ء میں رہا ہوئے تو تحریک خلافت اور تحریک موالات کی ہنگامہ خیزیوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۱ء کو تحریک موالات کی دعوت کے لیے اپنی نگرانی میں ہفتہ وار "پیغام" جاری کیا۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد دوبارہ گرفتار ہو کر علی پور جیل میں قید کر دیئے گئے۔ عرب دنیا کو تحریک آزادی کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے اپنی زیر نگرانی "الجامعہ" جاری کرایا۔ الہلال آخر بار جون ۱۹۲۷ء میں جاری ہوا اور ۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت کے بعد بند ہو گیا۔ اور مولانا آزاد نے ہمیشہ کے لیے عملی صحافت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مولانا کی صحافت کا چوتھا دور سیاسی اعتبار سے بیحد سرگرم اور عملی دور تھا اس دور میں ان کے لیے ممکن نہ رہا کہ وہ ماضی کی طرح بھرپور انداز میں صحافتی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے نوعمری میں ایک ادیب و صحافی سے لے کر آخری عمر میں وزیر تعلیم ہندوستان تک ستر سال تک بھرپور زندگی گزار کر ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں ہمیشہ کے لیے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مولانا آزاد بھرپور صحافتی زندگی گزارنے کے باوجود کہتے ہیں۔

"میری زندگی کا ماتم یہ ہے کہ میں اس عہد اور عمل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا" ۱۰۲؎

خواتین کے رسائل

خواتین معاشرے کا ایک اہم اور کارآمد رکن ہیں، جن کے کندھوں پر نئی نسل کی اصلاح و تربیت کا بوجھ ہے، لیکن نہایت بدقسمتی کہ اس اہم طبقہ کو ہر دور میں نظرانداز کیا گیا۔ بنیادی حقوق تو کجا، انہیں قلم و کتاب سے رشتہ استوار کرنے میں بھی نہایت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اسلام کے نزول سے قبل زمانہ جاہلیت میں خواتین کو معاشرے کا نہایت کم تر فرد سمجھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، جن کی اپنی کوئی مرضی و منشاء نہ تھی اور وہ مردوں کی غلام تھیں۔ تقریباً تمام مذاہب اور تہذیبوں میں خواتین کو جاہل اور بے وقوف سمجھ کر ان کو معاشرتی و سماجی معاملات سے دور رکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے اپنے نزول کے بعد عورتوں کو ان کے جائز حقوق بتائے اور انہیں عزت، مقام اور مرتبہ عطا کیا اور یہ باور کرایا کہ تعلیم اور علم کا حصول مرد و عورت دونوں پر فرض ہے، یہی سبب ہے کہ معاشرے میں رفتہ رفتہ خواتین کی تعلیم کے حصول کا شعور اجاگر ہوا اور وہ بھی فکری و علمی اعتبار سے مردوں کے برابر تسلیم کی جانے لگیں اور بے شمار صحابیات، تابعیات اور دیگر خواتین علم و فضل میں مشہور و معروف ہوئیں۔

برصغیر پاک و ہند کے منظرنامے میں بھی پہلے پہل خواتین کی تعلیم پر کچھ خاص زور نہیں دیا جاتا تھا۔ خواتین گھر اور گھرداری تک محدود تھیں اور انہیں حصول علم کے مواقع دستیاب نہیں تھے۔ اگر کچھ خواتین کو یہ موقع ملتا بھی تو بس واجبی سی مذہبی تعلیم تک ہی محدود رہتا۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط میں نئے مدارس کے وجود میں آنے کے بعد اس ضرورت کو بھی محسوس کیا گیا کہ خواتین کو بھی علم و تعلیم کے دھارے میں شامل کر کے معاشرے کا مفید کارکن بنایا جانا چاہیے، چنانچہ خالصتاً خواتین کی دلچسپی، اصلاح اور ترقی کو مدنظر رکھ کر ایسی کتب تحریر کی گئیں، جن سے خواتین میں شعور اجاگر کیا جاسکے۔

صحافت کو چونکہ مملکت کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے، اس لیے اس امر پر بھی غور کیا گیا کہ خواتین کی ترقی و تعلیم کی غرض سے رسائل کے اجراء کو بھی یقینی بنایا جائے جو دلچسپ و معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ خواتین کے لیے ہر طرح سے معاون و مددگار ثابت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تعلیم نسواں کی تحریک کو عام کرنے اور عورتوں کی تربیت کے مقاصد کے پیش نظر رسائل کے اجراء کی ضرورت محسوس کی جانے لگی اور عیسائی مشنریوں کی طرف سے ۵ مارچ ۱۸۸۴ء کو لکھنؤ سے اردو اور ہندی میں پندرہ روزہ "رفیق نسواں" اصلاحی اور تبلیغی مقاصد کے لیے جاری کیا گیا۔[۲۰۳]

پہلے پہل اردو رسائل میں خواتین کی شمولیت نظر نہیں آتی تھی تاہم بعد میں خواتین بھی رفتہ رفتہ اس میدان میں آتی گئیں۔ کہیں معاون مدیرہ، کہیں مدیرہ اور کہیں قلم کار کی حیثیت سے خواتین نے اپنا لوہا منوایا اور یوں قیام پاکستان تک تقریباً ۳۰ کے لگ بھگ نسوانی اردو رسائل منظر عام پر آئے، جو برصغیر پاک و ہند کے مختلف شہروں مثلاً لاہور، آگرہ، حیدرآباد دکن، بھوپال، کلکتہ، لکھنؤ، دہلی، علی گڑھ، پٹنہ، ملتان، امرتسر اور اودھ سے شائع ہوئے۔

یہ رسالے ایک ماہ کے دورانیے پر محیط تھے، جن کی قیمت اور ضخامت ایک دوسرے سے مختلف تھی:

اس زمانے میں خواتین کے لیے جاری ہونے والے تقریباً تمام رسائل و جرائد پر مردوں کی اجارہ داری تھی۔ حتیٰ کہ جو رسالے خاص عورتوں کی اصلاح و تعلیم و تربیت کے لیے نکالے گئے، ان کی ادارت بھی نہ صرف مردوں نے سنبھال رکھی تھی، بلکہ مضامین بھی مردوں ہی کے ہوا کرتے تھے۔ ایسے اخبارات و رسائل میں آگرہ کا اخبار "مفید عام" (۱۸۶۹ء)، دکن کے مولوی محب حسین کا "معلم" (۱۸۸۱ء)، لاہور کے منشی محبوب عالم کا "شریف بیبیاں" (۱۸۹۳ء)، میرٹھ کے محمد نذیر سعید کا "سفیر قیصر" (۱۹۰۰ء) وغیرہ ہیں، جن میں مضامین بھی تمام کے تمام مرد حضرات ہی کے ہوا کرتے تھے، البتہ لکھنؤ کے پادری کریون کے "رفیق نسواں" کی ایڈیٹر ایک خاتون مسز بیڈلی تھیں [۴۰]

بعد میں بھی جو رسالے سامنے آئے، جن پر اگرچہ نام خواتین مدیران کا ہوتا تھا، تاہم ادارت کے اصل فرائض کم و بیش مرد حضرات ہی انجام دیتے تھے۔

ایک دل چسپ بات یہ بھی سامنے آئی کہ اس زمانے میں مرد حضرات کی جانب سے خواتین کے قلمی ناموں سے بھی مضامین لکھے گئے جبکہ بیش تر خواتین نے بھی فرضی ناموں کے ساتھ اپنی تصانیف شائع کروائیں۔

تقریباً تمام ہی رسالوں کا بنیادی مقصد و منشاء ترقی نسواں اور تعلیم نسواں کا پرچار تھا۔ خواتین میں علم کے حصول اور انہیں گھر اور گھر سے باہر کے میدان میں کامیاب رہنے کے گر سکھانے میں ان نسوانی رسائل کا کردار قابل قدر ہے۔ اکثر ایسی خواتین جنھیں روایتی و مروجہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا، انھوں نے بھی ان رسائل سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنے ذہنی شعور، سوچ و فکر اور علم و استعداد کو بڑھانے کی راہ پر گامزن ہوئیں۔

ذیل میں چند اہم خواتین کے رسائل کا جائزہ اور ان کے مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

شریف بیبیاں:۔

ستمبر ۱۸۹۳ء میں "پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے خواتین کی فلاح و بہبود اور اصلاح کے خیال سے ایک نسوانی رسالہ "شریف بیبیاں" لاہور سے جاری کیا۔

اردو کی نسوانی صحافت میں "شریف بیبیاں" کو اوّلین رسالہ قرار دیا جاتا ہے، تاہم یہ قیاس درست نہیں کیونکہ اس رسالے سے پہلے بھی خواتین کے لیے رسالوں کے اجراء کا آغاز ہو چکا تھا۔ مولوی سید احمد دہلوی "مولف فرہنگ آصفیہ" کا "اخبار النساء" جو ۱۸۸۴ء میں جاری کیا گیا جبکہ پادری کریون کا "رفیق نسواں" جو مارچ ۱۸۸۴ء میں منظر عام پر آیا، نسوانی رسالوں کی ابتداء کی کڑی تھے۔

تاہم منشی محمد الدین فوق "شریف بیبیاں" کو اولین نسوانی رسالہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"تعلیم نسواں کا آپ کو ابتداء ہی سے خیال ہے۔ اپنے اس خیال کو آپ نے عملی صورت میں ظاہر کرنے کے لیے ایک ماہوار رسالہ بنام "شریف بیبیاں" لاہور سے جاری کیا جو ہندوستان میں مستورات کی بہتری اور ان میں تعلیم کی اشاعت کے لیے سب سے پہلا رسالہ تھا"۲۰۵

۱۸۹۳ء کو جاری ہونے والے رسالے "شریف بیبیاں" کی ادارت منشی محبوب عالم کرتے تھے۔ ۲۰x۳۰/۱۶ کے سائز پر شائع ہوتا تھا۔ ضخامت ۲۴ صفحات تھی، سالانہ چندہ تین روپے تھا اور خادم التعلیم پریس لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے کے سرورق پر "سورۃ النساء" کی یہ آیت درج ہوتی تھی:

"فالصلحت قانتت معافظت للغیب"۲۰۶

رسالے کے سرورق پر درج عبارت کچھ یوں تھی:

"تعلیم نسواں کا ماہوار اخبار، جس میں سعادت مند لائق بیٹی، سلیقہ شعار نیک بخت بی بی اور مہربان عقل مند ماں بننے کی ہدایات درج ہوتی ہیں"۲۰۷

"شریف بیبیاں" کے سرورق پر درج کی جانے والی ایک مستقل عبارت کے الفاظ ہیں:

"عورت مرد کی پسلی سے بنائی گئی ہے، جس سے ظاہر ہے کہ یہ نہ آقا بننے کے لیے بنائی گئی ہے اور نہ غلام بننے کے لیے، بلکہ مرد کا جزو بدن (یعنی رفیق طریق) بننے کے واسطے۔ دنیا و معاشرت کی گاڑی میں عورت و مرد دو پہیے ہیں۔ کسی ایک پہیے کے کمزور یا شکستہ ہو جانے سے گاڑی کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتی"۲۰۸

"شریف بیبیاں" کے اجراء کے اسباب و مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسالہ "شریف بیبیاں" جاری کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہندوستان کی لاکھوں بے زبان مخلوقات (فرقہ نسواں) کی خانہ داری کی تعلیم سے متعلق ایسے امور اس میں درج کیے جایا کریں کہ جس سے نہ صرف ہر ایک گھرانہ بہشت کا نمونہ بن جاوے، بلکہ آئندہ نسل کے اٹھان میں بھی اس سے مدد ملے۔ یہ ہے ہمارا ارادہ۔ اب خداوند کریم سے دعا ہے کہ اسے استقلال و استحکام بخشے۔ آمین"۲۰۹

نہایت اعلیٰ معیار کی کتابت و طباعت کے ساتھ رسالہ "شریف بیبیاں" خواتین کے لیے ایک نہایت بہترین رسالہ اور اس دور کے رسائل میں ایک اہم پیش رفت تھا۔ یہ رسالہ مولوی محبوب عالم کے اس جذبے اور لگن کی عکاسی کرتا تھا، جو تعلیم نسواں اور ترقی نسواں کے حوالے سے ان میں موجود تھا اور جس کے لیے وہ دن رات کوشاں رہتے تھے۔

"شریف بیبیاں" میں جہاں تعلیم نسواں اور ترقی نسواں پر مضامین ہوتے تھے، وہاں معاشرتی و اصلاحی ناول اور ادبی و تاریخی مضامین بھی شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالے کے مستقل عنوانات یہ تھے: "ممتاز عورتیں"، "شریف بیبیاں"، "زنانہ بہادری کی مثالیں"، "روئے زمین کی عورتیں"، "انتظام خانہ داری"، "دستر خوان"، "تربیت اطفال"، اس کے علاوہ معاشرتی و اصلاحی مضامین بھی ہوتے تھے۔۲۱۰

رسالہ کے صفحہ نمبر۲ پر "شریف بیبیاں" کے عنوان سے منشی محبوب عالم کا اداریہ یا ادارتی نوٹ نما مضمون شائع کیا جاتا تھا، جس کے موضوعات زیادہ تر ترقی و تعلیم نسواں سے متعلق ہوا کرتے تھے۔ مثلاً: اپریل ۱۸۹۵ء میں "تعلیم نسواں کیسی ہونی چاہئے" اور مئی ۱۸۹۵ء میں "مذہب اسلام میں عورتوں کا سوشل رتبہ "۲۱۱ جیسے موضوعات پر ادارتی نوٹ شائع کیے گئے۔

"ممتاز عورتیں" کے نام سے شائع کیا جانے والا مستقل تاریخی سلسلہ رسالے کے صفحہ نمبر ۱۰ پر شائع ہوتا تھا، جس میں دنیا بھر کی مشہور قابل قدر اور ممتاز خواتین کے حالات زندگی، واقعات و کردار پر روشنی ڈالی جاتی تھی ان خواتین میں زیادہ تر مسلمان خواتین کا تذکرہ کیا جاتا تھا، جس کا مقصد برصغیر کی مسلمان خواتین کو اپنے اسلاف اور نیک اور باعمل بیبیوں کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دینا تھا۔

ایک اور دلچسپ اور معلوماتی سلسلہ "روئے زمین کی عورتیں" تھا، جس میں دنیا بھر سے مختلف ممالک کی خواتین کے بارے میں مکمل معلومات مثلاً ان کے حالات زندگی، رہن سہن، کردار اور عمل اور دیگر پہلوؤں سے متعلق جزئیات دی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر اس عنوان کے تحت رسالے میں کچھ یہ مضامین شائع ہوئے۔

ستمبر ۱۸۹۳ء میں "افریقہ کی عورتیں" اکتوبر ۱۸۹۳ء میں "مصر کی عورتیں" اور فروری ۱۸۹۵ء میں "ملک چین کی عورتیں" ۲۱۲

رسالے میں شائع ہونے والے خواتین کی بہادری کے قصے بعنوان "زنانہ بہادری کی مثالیں" بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس کے تحت ستمبر و اکتوبر ۱۸۹۳ء کی اشاعتوں میں بالترتیب "آسٹریلیا کی عورت کی سچی بہادری" اور ایک غیرت مند افغان عورت" شائع ہوا۔ ۲۱۳

اس رسالے میں معاشرتی قصے کہانیوں اور تاریخی معلومات و مضامین کے علاوہ خواتین میں ہنر مندی پیدا کرنے کے حوالے سے بھی مواد بکثرت شائع ہوتا تھا۔ "انتظام خانہ داری" اور "دستر خوان" جیسے عنوانات کے تحت خواتین میں گھر داری، سینا پرونا، کشیدہ کاری، گھر کی صفائی ستھرائی، آرائش وزیبائش اور کھانا پکانے کی تراکیب شامل اشاعت ہوتی تھیں، جو اس وقت کی خواتین کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوتی تھیں۔

"تربیت اطفال" کے مستقل عنوان کے تحت خواتین میں بچوں کی تعلیم و تربیت، نگہداشت، جسمانی و اخلاقی تربیت اور ان کو معاشرے کا مفید اور کارآمد کارکن بنانے کے حوالے سے تعلیم و شعور اجاگر کیا جاتا تھا۔

"شریف بیبیاں" میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے شائع ہونے والی خبریں "رائیں اور خبریں" کے عنوان سے پیش کی جاتی تھیں۔ یہ خبریں زیادہ تر تعلیمی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ ایک رسالے میں درج خبر کچھ یوں ہے:

"پنجاب میں تعلیم: حال میں پنجاب کے سررشتۂ تعلیم کی پنج سالہ رپورٹ جو ابتدائے ۸۸۔۱۸۸۷ء لغایت ۹۲۔۱۸۹۱ شائع ہوئی۔ اس سے خیال پایا جاتا ہے کہ گو سلسلۂ تعلیم کے ہردلعزیز ہونے اور اس کی ترقی کی راہ میں کئی مجلسی

دقتیں حائل ہیں، مگر خوشی کی بات ہے کہ تعلیم نسواں کی نسبت روز بروز یہ خیالات اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں۔ان پانچ برسوں میں علاوہ جابجا مدرسوں میں ترقی ہونے کے، لڑکیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ البتہ ایسے مدرسے معدوم ہوتے جاتے ہیں۔جس میں فقط زبانی کچھ کچھ سکھایا جاتا تھا اور کوئی بات باقاعدہ نہ تھی۔تمام پنجاب میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی لڑکیاں انگریزی نہیں پڑھتیں اور جو ابتدائی تعلیم حاصل کرتی ہیں، ان کی تعداد ایسی قلیل ہے کہ کسی گنتی میں نہیں۔تعلیم نسواں کے حقوق میں تمام صوبہ پنجاب میں ضلع گوجرانوالہ نمبر اول ہے"۔۲۱۴

"شریف بیبیاں" اگر چہ منشی محبوب عالم کی ایسی کاوش تھا جو ہندوستان کی خواتین کی جملہ ضروریات اور معلومات کا احاطہ کرتا تھا۔اس رسالے کے مضامین و مواد معلومات افزا ہوتے تھے۔اگر چہ اس میں تاریخی و معلوماتی مضامین کی کثرت ہوتی تھی لیکن اس رسالے کا بنیادی وصف اصلاح نسواں ہی تھا، جس سے اس نے بالعموم روگردانی نہیں کی۔

مولوی محبوب عالم ایک معتدل اور متوازن شخصیت کے حامل انسان تھے، اور ان کی شخصیت کا یہ پرتو "شریف بیبیاں" میں بھی جا بجا نظر آیا۔وہ خواتین کو ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے تھے، لیکن اسلامی روایات کے عین مطابق اور اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دیں۔

"شریف بیبیاں" ایک بلند پایہ رسالہ تھا، تاہم زیادہ عرصے تک نہ چل سکا اور بند ہو گیا، تاہم اس حوالے سے کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ رسالہ کب بند ہوا۔

لیکن منشی محبوب نے ہمت نہ ہاری اور جولائی ۱۹۰۹ء میں نام بدل کر رسالہ "شریف بی بی" جاری کیا۔یہ ماہ وار رسالہ تھا اور ۶۸ صفحات پر نکلتا تھا۔سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا اور خادم التعلیم پریس، لاہور سے چھپتا تھا۔اس کی ایڈیٹر فاطمہ بیگم دختر منشی محبوب عالم تھیں"۔۲۱۵

یہ رسالہ طباعت، کاغذ اور گیٹ اپ کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔اس کے مضامین و مندرجات تقریباً "شریف بیبیاں" جیسے تھے۔ہاں البتہ سرورق پر یہ عبارت درج کی جانے لگی:

"ایک شریف بی بی کی ایڈیٹری، زیرنگرانی منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" وغیرہ ماہ وار مرتب ہوتا ہے"۲۱۶

اس رسالے کے اختتام کا بھی کچھ سراغ نہیں ملتا۔تاہم بعد میں اسے ہفتے وار کر دیا گیا، جسے منشی محبوب عالم اپنی زندگی میں نکالتے رہے، اس رسالے کی خدمات بے بہا ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔۱۹۳۳ء میں منشی محبوب عالم کی وفات کے ساتھ ہی "شریف بیبیاں" جیسا نسوانی صحافت کا علمبردار رسالہ دم توڑ گیا۔

منشی محبوب عالم

منشی محبوب عالم پنجاب کے ضلع گجرانوالہ میں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی انہیں ناسازگار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ایک ذہین طالب علم تھے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ امتیازی نمبروں سے مڈل پاس کرنے کے بعد انہوں نے لاہور کے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ لیا لیکن والد صاحب (مولوی الہ دین) کی وفات کے باعث انہیں تعلیم کے سلسلے کو خیر باد کہنا پڑا۔ اور گھر کی ذمہ داری اٹھانی پڑی بعد میں انہوں نے لاہور سے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے منشی اور عالم منشی کا امتحان پاس کیا۔ اپنی پیدائشی ذہانت کے باعث صوبہ بھر میں اول پوزیشن حاصل کر کے خلعت حاصل کی۔ منشی محبوب عالم کے چچا ماسٹر محمود الدین ایک ماہانہ تعلیمی رسالہ " کلیہ امتحان مڈل وانٹرنس" کی ادارت کرتے تھے۔ وہ چونکہ قصور میں اسکول ہیڈ ماسٹر بھی تھے، لہذا انہوں نے رسالے کا انتظام مولوی محبوب عالم کے سپرد کر دیا، جنھوں نے اپنے بھائی منشی عبدالعزیز کے ساتھ مل کر رسالے کا انتظام سنبھالا اور ایک مطبع "خادم التعلیم" کے نام سے جاری کیا۔ صنعت وحرفت اور علم و ادب سے دل چسپی کے باعث انہوں نے رسالہ "زمیندار"، "بچوں کا اخبار"، "پیسہ اخبار"، "شریف بیبیاں" اور "انتخاب لاجواب" جاری کیا اور قارئین کی خدمت کی۔ انہوں نے ایک انگریزی اخبار "دی سن" بھی جاری کیا، لیکن وہ جلد ہی بند ہو گیا۔ مولوی محبوب عالم نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں، جن میں "تلوار اور مذہب"، "سفرنامہ عراق"، "محبوب الامثال" اور "فہرست اخبارات ہند" وغیرہ اہم ہیں۔

۱۹۳۳ء میں ان کے انتقال کے بعد اردو رسائل وجرائد اور اخبارات کا اہم ستارہ ڈوب گیا۔

عصمت:۔

۱۵ جون ۱۹۰۸ء کو دہلی کے مخزن پریس سے ماہنامہ "عصمت" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے کے بانی مولانا راشد الخیری تھے۔ حلقۂ ادارت میں شیخ محمد اکرام اور مسز محمد اکرام کے نام شامل تھے۔ عصمت کا بنیادی مقصد خواتین کو تعلیم وتربیت فراہم کرنا اور انہیں روشن خیال بنانا تھا۔ "عصمت" میں شائع ہونے والے مضامین نے اصلاح نسواں کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا۔ "ابتداء میں عصمت ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ۳۰ روپے اور قیمت فی پرچہ چار آنے تھی تاہم بعد میں اس کے صفحات اور سائز میں تبدیلی آتی رہی۔ عصمت کا سفر کئی ادوار پر محیط ہے اور ہر دور کی ایک الگ کہانی ہے۔ یہ رسالہ نہ صرف مضامین بلکہ پیش کش کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا۔ "عصمت" اپنے اندر ایک پوری تحریک سموئے ہوئے ہے۔ عصمت میں شائع ہونے والے مضامین افسانوں اور نظموں نے خواتین کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ عام حالات میں اتنے بہتر انداز میں نہ سیکھ پاتیں غرض خواتین کی تعلیم وتربیت میں "عصمت" کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

("عصمت" سے متعلق تفصیلی معلومات چوتھے باب میں درج ہیں)

سماجی رسائل

ہر انسان دنیا میں اور اپنی زندگی میں امن وسکون کا خواہاں ہے یہی وجہ ہے کہ اس مقصد کے لیے صحافت جیسے اہم ستون کو بھی استعمال میں لایا گیا اور ایسے رسائل وجرائد منظر عام پر آئے، جن کا واحد مقصد عوام الناس کو ہلکی پھلکی تفریح کے ساتھ ساتھ سکون فراہم کرنا اور انہیں مایوسی، بے چینی انتشار اور اضطراب جیسی کیفیات سے نکال کر معاشرے کے دھارے میں شامل کرنا تھا۔ ان رسالوں کو معاشرتی یا سماجی رسائل کا نام دیا گیا۔

برصغیر پاک وہند میں بھی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک بہت سے سماجی رسائل سامنے آئے۔

گوجرانوالہ سے ۱۸۶۶ء میں "چشمۂ فیض" نامی رسالہ جاری ہوا، جس کے مالک گیان چند شوق اور مہتمم برج لال تھے۔ اس رسالے میں قومی مضامین کی اشاعت ہوتی تھی۔

ایک اور اہم رسالہ "مراۃ الہند" تھا، جو لکھنؤ سے ۱۸۷۹ء میں جاری کیا گیا۔ اس رسالے میں نیم سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی مضامین کے علاوہ ملکی وغیر ملکی خبریں بھی شامل ہوتی تھیں۔ رسالے کے مہتمم پنڈٹ کشن نارائن تھے۔

۱۸۷۹ء میں ہی سیتا پور سے ماہنامہ "تہذیب الاثار" کا اجراء ہوا، جس کے بانی اور مدیر منشی منی لال بلگرامی تھے۔ یہ ایک سماجی رسالہ تھا، جس میں تخفیف مصارف شادی اور بیواؤں کی شادی پر زور دیا جاتا تھا۔

سیالکوٹ سے ۱۸۹۳ء میں جاری ہونے رسالے "محمڈن نیشنل میگزین" میں تہذیب واخلاق، سماجی وتاریخی مضامین اور واقعات شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس رسالے کی کتابت وطباعت کا معیار عمدہ تھا۔

۱۸۹۸ء میں پنڈت ناتھ سرشار کی ادارت میں حیدر آباد دکن سے "دبدبۂ آصفی" جاری ہوا، جس میں اعلیٰ پائے کے ادبی، اخلاقی، علمی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔

علی گڑھ سے جاری ہونے والے رسالہ "معارف" (۱۸۹۸ء) میں علمی، اخلاقی فلسفیانہ، مذہبی ،تاریخی اور ادبی مضامین کے علاوہ قومی امور سے متعلق مواد بھی شامل ہوتا تھا۔ اس رسالے کے بانی ومدیر مولوی وحید الدین سلیم تھے۔

"مہر درخشاں کوکن" نامی رسالہ ۱۹۰۱ء میں بمبئی سے منظر عام پر آیا، جس کے مالک ومدیر منشی عبدالکریم تھے۔ اس رسالے میں اہل کوکن اور بزرگوں کی سوانح بیان کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ کوکنیوں کے دور امارت کے سماجی اور فلاحی واخلاقی کاموں کا احوال اور تعلیم وتجارت کے حوالے سے مضامین بھی اس رسالے کا حصہ بنتے تھے۔

لاہور سے ۱۹۰۲ء میں جاری ہونے والا رسالہ "ترقی" علمی واخلاقی، تمدنی مجلسی، تاریخی اور صنعتی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔

جے پور سے جاری ہونے والے رسالے "قوم" (۱۹۰۲ء) کے مدیر مولوی، احساس الدین احمد نیم تھے۔ اس رسالے میں علمی، اخلاقی اور سماجی مضامین شائع ہوتے تھے، جن کا مقصد اصلاح معاشرت، تہذیب واخلاق اور قومی ترقی تھا۔ مضامین معیاری ہوتے تھے اور مضمون نگاروں کو انعام دینے کی روایت بھی تھی۔

۱۹۰۳ء میں الہٰ آباد سے رسالہ " کشمیر درپن" جاری ہوا، جس کے مدیر پنڈت سرپنچ بہادر تھے۔ یہ رسالہ کشمیری برادری کا ترجمان رسالہ تھا اوران کی فلاح و بہبود کے حوالے سے مضامین شائع کرتا تھا۔

امرتسر سے ۱۹۰۳ء میں منروالوج (سوسائٹی) کا ترجمان "منروا" جاری ہوا، جس کے مدیر غلام قادر فرخ امرتسری تھے۔ اس رسالے میں علمی، ادبی، تاریخی، اور تنقیدی مضامین کی اشاعت ہوتی تھی اس کے علاوہ سماجی اور اخلاقی مواد بھی شائع ہوتا تھا۔

۱۹۰۵ء میں جے پور سے انجمن تہذیب الاخلاق، جے پور کا ترجمان رسالہ "الاخلاق" جاری ہوا، جس میں ہندو مسلم اتحاد کے حوالے سے مضامین چھپتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور رسالہ لاہور سے ۱۹۰۵ء میں ہی "میونسپل گزٹ" کے نام سے جاری ہوا، جس کے مدیر منشی دین محمد تھے۔ اس رسالے میں میونسپل کمیٹی کی اصلاح، ہندوستان کے عام مسائل اور ہندو مسلم اتحاد کے حوالے سے مضامین ومواد شائع ہوتے تھے۔

رام پور سے ۱۹۰۵ء میں جاری ہونے والے "تہذیب" نامی رسالے میں سماجی، تاریخی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کا مقصد ملک سے تعصبات کا خاتمہ اور اردو زبان کی ترقی وفروغ تھا۔ رسالے کے مدیر سعید اللہ خان عیش تھے۔

۱۹۰۲ء میں لاہور سے جاری ہونے والے رسالے " کشمیر میگزین" کے مدیر و مالک محمد الدین فوق لاہوری تھے۔ اس رسالے میں صنعتی، تجارتی، اخلاقی، علمی، تمدنی اور تعلیمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالے کا مقصد کشمیری مسلمانوں میں اشاعت تعلیم، حفاظت حقوق اور تمدنی ترقی تھا۔

۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ سے جاری ہونے والے رسالے "المشرق" کا مقصد اردو کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینوی ودنیاوی فلاح و بہبود تھا۔ اس کے علاوہ حکومت اور عوام کے مابین تعلقات کو بہتر بنانے میں بھی یہ رسالہ پیش پیش تھا۔ رسالے کے مدیر حکیم حبیب الرحمٰن احسن تھے۔

۱۹۱۲ء میں امرتسر سے منشی غلام قادر فرخ کی ادارت میں رسالہ "انسان" جاری کیا گیا، جس میں علمی، تاریخی اور اخلاقی مضامین کی اشاعت ہوتی تھی۔

لکھنؤ سے ۱۹۱۵ء میں "النظامیہ" نام کا ایک مشہور علمی، مذہبی اور تاریخی رسالہ جاری ہوا، جس کے مدیر محمد صبغت اللہ انصاری فرنگی محل تھے۔

۱۹۱۷ء میں لاہور سے مرزا محمد بیگ کی ادارت میں جاری ہونے والے "مغلیہ گزٹ" میں تاریخی، علمی، اصلاحی، صنعت وحرفت، تجارت، زراعت اور تعلیمی مضامین شائع ہوتے تھے۔

"مرج البحرین" نامی رسالہ دہلی سے ۱۹۲۳ء میں جاری ہوا۔ جس کے مدیر حافظ محمد باقر علی تھے۔ اس رسالے میں تصوف، روحانیت، حسن معاشرت، اخلاقی، طبی، تہذیبی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۲۴ء میں لدھیانہ سے غازی محمود دھرم پال کی ادارت میں ماہنامہ "حنیف" کا اجراء ہوا، جس میں تاریخی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے تھے۔

"بہار کشمیر" نامی رسالہ ۱۹۲۴ء میں لاہور سے جاری ہوا، جس میں کشمیری پنڈتوں کے قومی، علمی، تجارتی، اور تمدنی ترقی وغیرہ کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں دہلی سے ڈاکٹر سعید احمد کی ادارت میں جاری ہونے والا رسالہ "کامیابی" مسلمانوں کی عملی، اتحادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں پیش پیش تھا۔

۱۹۲۸ء میں امرتسر سے انجمن قریشانہ ہند کا ترجمان ماہنامہ "ضیاء القریش" جاری کیا گیا، جس کے مدیر قاضی عنایت علی تھے۔ اس رسالے میں تاریخی، تمدنی، تجارتی، ادبی، طبی، تبلیغی اور اصلاحی مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

لکھنؤ سے ۱۹۲۸ء میں جاری ہونے والا رسالہ "قیام الدین"، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل کی یادگار مجلس اشاعت کا ماہوار ترجمان تھا، جس میں مذہبی، علمی اور ادبی مضامین کے علاوہ نظمیں اور غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔

۱۹۳۰ء میں جاری ہونے والا رسالہ "طور"، علمی، ادبی اور تاریخی رسالہ تھا، جس کے مدیر جناب منصور عثمانی تھے۔ اس رسالے کے مضامین کا معیار خاصا بلند تھا۔

ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابتداء سے لے کر قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک برصغیر پاک و ہند سے تقریباً ۳۵ رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔ یہ تمام رسالے ماہنامے تھے اور ملک کے مختلف شہروں مثلاً: لکھنؤ، حیدر آباد دکن، علی گڑھ، بمبئی، جے پور، الہٰ آباد، امرتسر، سیالکوٹ، لاہور، دہلی، ڈھاکہ، رام پور، پشاور، لدھیانہ، سیتا پور، سہارن پور اور گوجرانوالہ سے شائع ہوئے۔ ان تمام رسالوں کی قیمت اور ضخامت میں تنوع پایا گیا۔ مندرجات، مواد اور پیش کش کے لحاظ سے بھی یہ رسائل ایک دوسرے سے منفرد نظر آئے، تاہم ان سب کا مقصد قارئین کو تفریح و معلومات کی فراہمی اور معاشرے کا ایک کارآمد رکن بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی، فکری، سماجی اور اخلاقی تربیت ونشوونما تھا، جس کی تکمیل میں رسائل نے مقدور بھر کوششیں کیں۔ ان سماجی مجلّات نے صحافت کو ایک نیا رخ دیا۔ یہ نہ تو ادبی تھے، نہ سیاسی اور نہ ہی ان میں بعض موضوعات پر سنجیدگی سے لکھا جاتا تھا بلکہ ہر معاملے کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔ علمی و تعلیمی مباحث، ثقافتی سرگرمیوں، تہذیب وتمدن، نامور شخصیات اور دیگر اخلاقی مضامین کے ذریعے ان مجلّات نے اپنا مقام پیدا کیا یہ روایت قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہی اور بے شمار سماجی رسائل منظر عام پر آئے۔

ذیل میں چند اہم سماجی رسائل کا جائزہ اور ان کے مدیران کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

انتخاب لاجواب:۔

۱۸۹۵ء میں لاہور سے ایک ماہنامہ رسالہ "انتخاب لاجواب" کا اجراء ہوا۔ جس کے مالک مولوی، محبوب عالم تھے۔ جبکہ ادارت کے فرائض بابو دینا ناتھ سرانجام دیتے تھے۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپے تھی اور یہ مطبع خادم التعلیم میں چھپتا تھا۔ خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ مولوی صاحب نے لندن کے معروف رسالہ "ٹٹ بٹس" سے متاثر ہو کر جاری کیا۔ ۲۱۷

"انتخاب لاجواب" ایک منفرد نوعیت کا رسالہ تھا، جس کی لوح کے نیچے باقاعدگی سے یہ جملہ درج ہوتا تھا، "دنیا کی نہایت دلچسپ اور مفید کتابوں، اخباروں، رسالوں اور تحریروں سے مزین ہفتہ وار " یہ رسالہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور ہر صفحے پر تین کالم ہوتے تھے۔ رسالہ کا سائز "۲۸x"۲۲ تھا۔ ۲۱۸

"انتخاب لاجواب" میں خبریں، لطیفے، عجائبات، اعداد و شمار، حکمت کے موتی، معلومات، نامور لوگوں کے باتصویر حالات اور دیگر صد ہا قسم کی دل چسپیاں موجود ہوتی تھیں۔ خواتین کے لیے بھی مخصوص کالم "زنانہ باتیں" کے عنوان سے شائع ہوتا تھا۔ ۲۱۹

منشی محمد دین فوق اپنی تصنیف "اخبار نویسوں کے حالات" میں مولوی محبوب عالم کے ہاتھوں "انتخاب لاجواب " کے اجراء پر کہتے ہیں:

"ایک ایسا عجیب و غریب رسالہ بنام "انتخاب لاجواب" جاری کیا، جو نہ صرف ہندوستان بھر میں اپنی قسم کا واحد رسالہ ہی شمار ہوتا ہے بلکہ نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس کی اشاعت دو ہزار کے قریب ہے" ۲۲۰

"انتخاب لاجواب" اپنے مواد کے اعتبار سے ایک دلچسپ رسالہ تھا اور قارئین بے صبری سے اس کا انتظار کیا کرتے تھے۔ " مجلس انتخاب" کے عنوان سے رسالے کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے ہوئے جناب سید یوسف رضا لکھنوی رقم طراز ہیں:

"ہندوستان میں کوئی ایسا رسالہ نہیں کہ جس کے واسطے آنکھیں انتظار کریں اور دل تڑپے اور پورا ہفتہ بے قراری میں گزرے اور جس وقت رسالہ آئے، ایک پل نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور اول سے آخر تک ختم کر کے چھوڑا جائے" ۲۲۱

"انتخاب لاجواب" نے اس دور میں اردو صحافت میں ایک جدید طرز کی بنیاد ڈالی۔ اس رسالے کے مختصر مضامین، قارئین کی دلچسپی کو گرفت میں لیے رکھتے تھے۔ تاہم ناولوں کی اشاعت بھی اس رسالے کی ایک خصوصیت تھی۔ یہ رسالہ اپنے وقت کا ایک دلچسپ، پر تفریح اور معلوماتی رسالہ تھا، جو قارئین کو زندگی کے بوجھل لمحوں میں کچھ دیر کو ستانے کے لیے اپنے صفحات میں پناہ دیتا تھا۔

"انتخاب لاجواب" اور مولوی محبوب عالم اردو صحافت میں جدت و اختراع کے محرک کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

قانونی رسائل

قانون ایک اہم شعبہ ہے اور کسی بھی مملکت کے بنیادی ڈھانچے کا ایک اہم ستون ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ملک کا ہر شہری قانون کو سمجھے، اس کی باریکیوں اور نکات سے واقفیت حاصل کرے، اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہو اور حکومتی معاملات وقوانین کی بھی اسے شدبد حاصل ہو۔

برصغیر پاک وہند میں عوام کو قانونی باریکیوں اور موشگافیوں اور حکومتی احکامات اور عدالتی فیصلوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچانے کے لیے بے شمار قانونی رسائل منظر عام پر آئے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ ۱۸۸۶ء میں آگرہ سے "معدن القوانین" کے نام سے سامنے آیا۔ جس کے مالک سید حسین علوی جبکہ کاتب فقیر محمد خان تھے۔ اس رسالے میں عدالتوں کے مقدموں کے فیصلے اور قانونی مشورے دیئے جاتے تھے۔

۱۸۶۰ء میں لاہور سے جاری ہونے والا "گنج شائگاں" بھی ایک اہم قانونی رسالہ تھا، جس کے مالک منشی ہر سکھ رائے جبکہ مہتمم فضل الرحمٰن تھے۔ یہ رسالہ حکومتی احکامات وقوانین اور مقدمات کے فیصلوں کے لیے مخصوص تھا۔

عوام کو قانونی معلومات دینے اور مفید مشوروں سے نوازنے کے لیے ۱۸۶۴ء میں رام نگر، بنارس سے رسالہ "مخزن القوانین" جاری کیا گیا، جس کے مدیر بابو پیارے موہن بنرجی اور مہتمم ٹھاکر پرشاد تھے۔

۱۸۷۸ء میں کان پور سے رسالہ "انتخاب قوانین ونظائر شیام لال" کا اجراء ہوا، جس کے مالک لال وکیل اور مہتمم ہیرالال تھے۔ یہ ایک قانونی رسالہ تھا، جس میں حکومت کے تمام قوانین واحکامات اور دیگر احکام ضروری بطور خلاصہ پیش کئے جاتے تھے۔ انڈین لاء رپورٹ کا خلاصہ اس رسالے میں شائع کیا جاتا تھا۔

ضلع گیا سے ۱۸۷۸ء میں ایک قانونی رسالہ "مجموعی نظائر ہند" منظر عام پر آیا، جس میں انڈین لاء رپورٹ اور ہائی کورٹ کلکتہ، الہ باد، مدراس اور بمبئی کا اردو ترجمہ شائع کیا جاتا تھا۔ اس رسالے کے مہتمم بابو ہری سندر بوس تھے۔

"کلیہ قوانین" نامی رسالہ ۱۸۸۳ء میں لاہور سے جاری ہوا، جس میں عدالتوں کے فیصلے شامل اشاعت کئے جاتے تھے۔ اس کے مدیر گیانی لال رام تھے۔

۱۹۲۶ء میں حیدرآباد دکن سے فدا حسین صاحب کی ادارت میں ایک قانونی رسالہ "آئین دکن" جاری ہوا، جس میں قانونی مشوروں کے ساتھ ساتھ ہائی کورٹ کے فیصلے بھی شائع کئے جاتے تھے۔

ان رسالوں کے علاوہ اس زمانے میں جاری ہونے والے اہم قانونی رسائل میں درج ذیل رسائل بھی شامل ہیں:

"آئینہ علم"، الہٰ آباد (۱۸۶۴ء)، "گلشن کشمیر" لکھنؤ (۱۸۶۸ء)، "گنجینۂ احکام" مراد آباد (۱۸۶۸ء)، "مخزن القوانین" آگرہ (۱۸۶۹ء)، "اردو رپورٹ" مراد آباد (۱۸۷۰ء)، "گنجینہ قانون" لاہور (۱۸۷۵ء)، "گنجینۂ نظائر"، لاہور (۱۸۷۶ء)، "نظائر قانونی ہند"، الہٰ آباد (۱۹۷۸ء)، "آئینہ آئین ہند"، گوجرانوالہ (۱۸۷۹ء)، "نظائر قانون ہند" لاہور (۱۸۸۰ء)، "لیگل ریفرنسز" الہٰ آباد (۱۸۸۰ء)، "خزینۃ القوانین"، لاہور (۱۸۸۰ء)، "انڈین لاء رپورٹ"، فتح پور (۱۸۸۱ء)، "مفتاح القوانین"، اجمیر شریف (۱۸۸۳ء) اور "قانون معاہدہ کا رسالہ"، دہلی (۱۸۸۴ء)۔

غرض یہ کہ ابتداء سے قیام پاکستان تک ہندوستان میں تقریباً ۲۲ قانونی رسالے جاری ہوئے، جن کی اکثریت ماہانہ دورانیے کے بعد شائع ہوتی تھی۔ یہ رسائل مختلف شہروں، مثلاً: آگرہ، لاہور، بنارس، الہٰ آباد، لکھنؤ، مراد آباد، کان پور، گیا، گوجرانوالہ، فتح پور، اجمیر شریف، دہلی اور حیدر آباد دکن سے شائع ہوئے۔ ہر رسالے کی قیمت اور ضخامت میں فرق پایا گیا۔ جبکہ مواد اور مندرجات کے حوالے سے بھی ہر رسالے کا رنگ الگ تھا، تاہم تمام رسائل نے قارئین کو قانونی معاملات اور حکومتی و عدالتی کاروائیوں اور احکامات سے آگاہ کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

ذیل میں ایک اہم قانونی رسالے کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

گنج شائگان:۔

۱۸۶۰ء میں لاہور سے ایک قانونی رسالہ "گنج شائگان" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے کے مالک منشی ہر سکھ رائے مہتمم مولوی فضل الدین اور مدیر پنڈت سورج بھان تھے۔ سورج بھان ایک انگریزی صرف و نحو کی کتاب کے مصنف تھے، جنھوں نے انگریزی زبان سے متعدد تراجم بھی کیے تھے۔۲۲۲

گنج شائگان ایک مکمل قانونی رسالہ تھا، جس میں حکومت کے احکام و قوانین، سرکلر ایکٹ ہائے قانون اور مقدمات کے فیصلے درج ہوتے تھے۔۲۲۳ یہ رسالہ قارئین کو قانونی باریکیوں اور موشگافیوں سے بخوبی آگاہ کرنے میں پیش پیش تھا۔

یہ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ اسکے مالک منشی ہر سکھ رائے، "کوہ نور" کے بھی مالک تھے۔ جو ایک عمومی اخبار تھا۔ جبکہ رسالہ گنج شائگان میں صرف قانونی معلومات ہی درج کی جاتی تھیں۔۲۲۴ اس رسالے کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

تجارتی رسائل

صنعت وتجارت کسی بھی ملک ومعاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔کوئی بھی ملک اس شعبے میں خاطر خواہ ترقی کیے بغیر اپنی بقاء کی جنگ نہیں لڑسکتا۔یہی وجہ ہے کہ اس شعبے سے متعلق معلومات فراہم کرنے، نت نئی تحقیق اور رجحانات سے قارئین کو آگاہ کرنے کے لیے مجلّاتی صحافت کے ضمن میں ایسے رسائل منظرعام پر لائے گئے، جن کا مقصد صرف اور صرف صنعت وحرفت اور تجارت کے شعبوں میں ہونی والی پیش رفت سے عوام کو باخبر رکھنا تھا۔ہندوستان میں اس طرح کے بے شمار رسائل وجرائد جاری کئے گئے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ اندور سے ۱۸۸۸ء میں احمد علی خان شوق کی ادارت میں جاری ہوا۔رسالے کا نام "معلم تجارت" تھا اور اس میں تجارتی مضامین شائع ہوتے تھے۔

شاہ جہاں پور سے جاری ہونے والا رسالہ "تجارت"، صنعتی وحرفتی،تجارتی وزراعتی معلومات سے مزّین ہوتا تھا۔ یہ رسالہ کاریگروں، دکانداروں اور بے روزگاروں کا معاون تھا۔اسکے مدیر بانکے لال اختر تھے۔رسالے کے سرورق پر درج کیا جانے والا شعر بھی منفرد تھا

تجارت تمہارے روبرو موجود مورت ہے
کرو سیوا اسی کی، اگر تمہیں زر کی ضرورت ہے ؎۲۵

دہلی، فیض بازار سے جاری ہونے والے رسالے "سفیر التجار" (۱۹۲۴ء) میں ہندوستانی اقوام میں تجارتی ذوق پیدا کرنے اور ہندوستانی تجارت کو فروغ دینے کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔یہ رسالہ دہلی میں تجارت،صنعت وحرفت،معاشیات اور اقتصادیات کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا رسالہ تھا۔جس میں ہندوستان کی تجارتی،صنعتی رفتار،صنعت وحرفت،کم سرمایہ داروں کے لیے وسائل، معاشی ایجادات، معلومات اور دیگر تجارتی مضامین بکثرت شامل اشاعت ہوتے تھے۔

۱۹۲۵ء میں سہارن پور سے شائع ہونے والا رسالہ "صنعت وتجارت" بھی ایک اہم تجارتی رسالہ تھا۔جس کے مدیر اسماعیل لاہوری تھے۔اس رسالے میں ہندوستان کی صنعت وتجارت کے حوالے سے معلوماتی اور پُر تحقیق مضامین شائع کئے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ "بزم تجارت"، دہلی (۱۹۱۷ء) ، "دستکاری"، دہلی (۱۹۱۸ء)، "دلچسپ"،ڈیرہ اسماعیل خان (۱۹۲۴ء) اور "صنعت وحرفت"، لاہور (۱۹۲۵ء) بھی اہم تجارتی رسائل تھے۔

اردو صحافت کی ابتداء سے آزادی تک برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ۸ صنعت وتجارت سے متعلق رسائل سامنے آئے۔یہ رسالے اندور، شاہ جہاں پور، دہلی، ڈیرہ اسماعیل خان، لاہور اور سہارن پور سے شائع کئے گئے۔سوائے ایک رسالے کے، جو پندرہ روزہ تھا، تمام رسالے ماہنامے تھے۔ہر رسالہ کی قیمت اور ضخامت کے لحاظ سے دوسرے سے الگ نظر آیا۔جبکہ مندرجات اور پیش کش کا انداز بھی ہر رسالے کا منفرد اور متنوع رہا۔

تاریخی رسائل

اشیاء ہوں یا انسان ہمیشہ اپنی تاریخ، اپنے پس منظر سے پہچانے جاتے ہیں۔ تاریخ ایک مسلسل تغیر کا نام ہے اور انسان ہمیشہ سے تاریخی پہلوؤں کو جاننے کا خواہاں رہا ہے۔ اپنے اسلاف، بزرگوں، قدیم تہذیبوں اور مختلف اشیاء کے بارے میں کھوج لگانا، اس کی سرشت میں شامل ہے۔ تاریخی رسائل کا اجراء، اسی ضرورت کے پیش نظر کیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اردو صحافت ابتداء سے لیکر تقسیم ہند تک بے شمار تاریخی رسائل منظر عام پر آئے۔

اپریل ۱۸۸۲ء میں لاہور سے رسالہ "سوانح عمری" جاری ہوا، جس میں ملک وقوم کی مذہبی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کے لیے بڑے بڑے بزرگوں اور مشاہیر کی سوانح عمریاں درج کی جاتی تھیں۔

۱۸۸۴ء میں لاہور سے شائع ہونے والے "راوی بے نظیر" نامی رسالے میں ماضی و حال وغیرہ کے حالات شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کے مالک رائے سالک رام اور مدیر پنڈت شیونات تھے۔

۱۹۱۱ء میں سیالکوٹ سے جاری ہونے والا "تاریخ اسلام" ایک مستند تاریخی رسالہ تھا، جسکے مدیر منشی غلام قادر فصیح تھے۔ اس رسالے میں تاریخ اسلام سے مختلف واقعات انتہائی دل چسپ پیرائے میں بیان کئے جاتے تھے، جس سے طالب علموں سے لے کر اہل علم طبقہ بھی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

۱۹۱۲ء میں مدراس سے شائع ہونے والا "مؤرخ" نامی رسالہ بھی گراں قدر تھا، جس کی ادارت مولوی بدیع الدین فاروقی کے سپرد تھی۔ اس رسالے کے زیادہ تر مضامین عربی رسائل سے اخذ کئے جاتے تھے، جن کی مخصوص تاریخی اہمیت تھی۔

"مورخ" نام کا ایک اور رسالہ لکھنؤ سے ۱۹۱۷ء میں جاری کیا گیا، جس میں مختلف تاریخی مضامین اور ضخیم تاریخیں بالاقساط شائع ہوتی تھیں۔ مولانا عبدالحلیم شررؔ کی تاریخ عرب کے علاوہ دولت ہسپانیہ عرب کا ترجمہ بھی اس رسالے میں شائع ہو کر مقبول عام ہوا۔ اس رسالے کے مدیر محمد صدیق حسن تھے۔

"مشاہیر" نام کا ایک رسالہ ۱۹۲۳ء میں بدایوں سے نکلا، جس کا مقصد زندہ مشاہیر کے سوانح و حالات اور ان کے قابل ذکر کارناموں کو عوام تک پہنچانا تھا۔

مخصوص نظریات کا حامل رسالہ "کوکب ہند" ۱۹۲۳ء میں دہلی سے جاری کیا گیا، جس میں بہائی فرقے کے بانی بہاؤاللہ کے حالات زندگی کے علاوہ اس فرقے کے عقائد وغیرہ شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بہائی مذہب کی حمایت میں شائع ہونے والی کتابوں کے تراجم اور تبصرے بھی اس رسالے میں شائع ہوتے تھے۔ رسالے کے مدیر مہر محمد خان شہاب ماہیر کوٹلوی تھے۔

آگرہ سے جاری ہونے والے رسالے "شمع" (۱۹۲۵ء) میں ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔اور ماضی کے تاریخی کارناموں کو بیان کیا جاتا تھا۔اس کے مدیر محمد حبیب اور حسن عابد جعفر تھے۔

۱۹۲۸ء میں حیدرآباد سے جاری ہونے والے رسالے "خذینہ تاریخ" میں مختلف تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ کلیہ عثمانیہ کے طلبہ کی بزم تاریخ کا رسالہ تھا۔اس میں مختلف فاضل علماء کے خطبات بھی شامل کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخی نظمیں، مشاہیر اسلام کے کارنامے اور احوال اور دیگر تاریخی مواد بھی رسالے کا حصہ ہوتا تھا۔رسالے کے مدیر جناب یوسف تھے۔

۱۹۲۹ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہونے والا رسالہ "تاریخ" حکیم شمس الدین قادری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ حکیم صاحب بذات خود ایک مشہور مورخ تھے۔اس رسالے میں گراں قدر تاریخی مضامین کی اشاعت ہوئی۔اس کے علاوہ تراجم وماخوذات بھی شائع کئے گئے،لیکن ان کی تاریخی حیثیت واہمیت بھی اپنی جگہ مسلم تھی۔

برصغیر پاک و ہند میں حصول آزادی تک اردو زبان میں تقریباً ۱۴ تاریخی رسائل و جرائد جاری کئے گئے یہ تمام رسالے ماہنامے تھے،سوائے ایک دو رسالوں کے، جو سہ ماہی تھے۔ یہ رسالے ملک کے مختلف شہروں مثلاً لاہور، دہلی، سیالکوٹ، امرتسر، مدراس، لکھنؤ، جاردہ، بدایوں، آگرہ، گوجرانوالہ، حیدرآباد اور حیدرآباد دکن سے منظر عام پر آئے، تاہم ضخامت اور قیمت کے لحاظ سے ہر رسالہ متنوع تھا۔

ان تمام تاریخی رسالوں کے اجراء کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی قارئین تک مختلف تاریخی پہلوؤں، واقعات اور مشاہیر کے حالات زندگی پہنچانا، تاکہ وہ ماضی کے ان اوراق سے فائدہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخ سے بھی آگاہ ہوسکیں۔

طبّی رسائل

جب ہر شعبۂ زندگی سے متعلق معلومات اور آگہی فراہم کرنے کے لیے صحافت، خصوصاً مجلات و رسائل کا سہارا لیا گیا تو بے شمار طبی رسائل بھی سامنے آئے، جن کا مقصد صرف اور صرف عوام کو صحت کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرانا، مختلف بیماریوں سے بچاؤ اور ان کے تدارک کے لیے احتیاطی تدابیر سے آگاہ کرنا اور مختلف اشیاء کے طبی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا تھا۔

قیام پاکستان سے قبل تقریباً ۴۳ کے لگ بھگ طبی رسائل سامنے آئے، جن کی اکثریت ماہناموں پر مشتمل تھی، سوائے چند ایک رسائل کے، جو پندرہ روزہ تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے شائع ہونے والے ان رسالوں کی اکثریت کا اجراء لاہور، آگرہ، امرتسر، دہلی اور لکھنؤ سے ہوا جبکہ قیمت، ضخامت اور مندرجات کے اعتبار سے ہر رسالہ جداگانہ حیثیت کا حامل رہا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ پشاور سے ۱۸۶۱ء میں منظر عام پر آیا، جس کا مقصد طب وحکمت خصوصاً طب یونانی اور ویدک طریقۂ علاج سے متعلق آگاہی فراہم کرنا تھا۔ اس کا نام "اخبار طبابت" تھا۔

آگرہ سے ۱۸۸۷ء میں جاری ہونے والا "معدن الحکمت"، خالص طبیبوں کی رہنمائی کے لیے جاری کیا گیا تا کہ وہ اس میں شائع ہونے والے نسخوں سے استفادہ کر سکیں۔ اس رسالے کے مالک صادق علی قیصر اور نگراں مولوی شیخ سبحان تھے۔

"حافظ صحت" بھی ایک اہم رسالہ تھا، جو لاہور سے ۱۸۷۸ء میں جاری ہوا۔ اس کے مدیر و بانی زبدۃ الحکماء غلام نبی تھے۔ اس رسالے میں موسموں کے تغیر کے باعث ہونے والی بیماریوں سے بچاؤ اور تدارک کے حوالے سے مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے، نیز دیگر بیماریوں کے علاج سے متعلق بھی معلوماتی مضامین شائع ہوتے تھے۔

لاہور سے جاری ہونے والے "طب حیوانات" نامی رسالے میں جانوروں کے امراض تشخیص اور طریقۂ علاج بتائے جاتے تھے۔ ڈاکٹر محمد دینا کی ادارت میں یہ رسالہ ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ اس کے سرپرست ڈاکٹر جی کشکول تھے۔

۱۸۸۵ء میں لاہور سے جاری ہونے والے "طبیب" نامی رسالے میں یونانی اور انگریزی طب کے رسالوں کا خلاصہ، حکیموں اور ڈاکٹروں کے تجربات کا نچوڑ، طب کے شعبے میں ہونے والی ترقی وتبدیلیوں کی خبریں اور معلومات دی جاتی تھیں۔ اس کے مالک وایڈیٹر حافظ فخر الدین تھے۔

دہلی سے جاری ہونے والا "مجلّہ طبیہ" (۱۹۰۳ء) بھی ایک اہم طبی رسالہ تھا، جس کے مدیر حکیم اجمل خان تھے۔ یہ رسالہ طبیہ اسکول کی خبروں، مختلف ادویات کی خاصیتوں، امراض کے نسخوں اور طبیبوں کے حالات زندگی وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس رسالے کے خاص مقاصد میں علم طب کی اردو زبان میں اشاعت وترویج اور طب یونانی کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا تھا۔

۱۹۰۸ء میں ٹوہانہ سے جاری ہونے والا رسالہ "رہنما" بھی ایک اہم طبی رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم بھگت رام تھے۔ رسالے کا بنیادی مقصد علم طب اور دیگر شعبۂ جات کے ساتھ ساتھ طبیبوں اور حکیموں کی تحقیقات اور ان کے اصل جواہر کا انکشاف کرنا تھا۔ اس کے علاوہ مجرب نسخے کارآمد چٹکلے بھی دیئے جاتے تھے۔

۱۹۱۵ء میں لاہور سے رسالہ "الحکیم"، حکیم محمد فیروز الدین کی ادارت میں منظر عام پر آیا، جس میں حفظان صحت کے اصول، امراض کی نوعیت، دواؤں کی خاصیت اور مجرب نسخے بیان کئے جاتے تھے تا کہ غیر طبیب بھی ضرورت پڑنے پر اپنا علاج کرا سکے۔ یہ اپنے وقت کا ایک اہم رسالہ تھا۔

۱۹۱۸ء میں امرتسر سے جاری ہونے والے "المعالج" نامی رسالے میں حفظان صحت کے اعلیٰ اصول، منفرد بوٹیوں کے خواص واثرات اور ان کے مرکبات کے بارے میں معلومات دی جاتی تھیں۔ اس رسالے کے مدیر کلیم علیم الدین تھے۔

۱۹۲۴ء میں لاہور سے ایک منفرد طبی رسالہ "تبصرہ الاطباء" سامنے آیا، جس میں طب یونانی اور ہومیو پیتھک، دونوں طرح کے طریقۂ علاج سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے، اس کے علاوہ اس میں ضروری تجربات، خاص دوائیں اور مفید طلب طبی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس کے مدیر احمد دین تھے۔

۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہونے والے "شہر صحت" نامی رسالے کے مدیر ڈاکٹر امان اللہ تھے۔ یہ ایک منفرد رسالہ تھا، جس میں طبی موضوعات پر مذاہب کے نقطۂ نظر سے علمی مباحث شائع کئے جاتے تھے۔

الغرض یہ وہ چیدہ چیدہ رسائل ہیں، جن کا تذکرہ کیا گیا، حقیقت میں اس طرح کے رسائل کی ایک طویل فہرست ہے جو قیام پاکستان سے قبل ملک کے مختلف شہروں سے جاری ہوئے اور یہ روایت ۱۹۴۷ء کے بعد بھی قائم رہی اور پاکستان کے مختلف شہروں سے لاتعداد طبی رسائل کا اجراء ہوا۔

مذہبی رسائل:۔

مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جو اسے دنیا کے بکھیڑوں سے نکال کر اپنے اندر جھانکنے، اپنی اصلاح کرنے اور بہتر راہ حیات کی طرف گامزن کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں (سوائے کمیونسٹ ملکوں کے) مذہبی نظریات وعقائد کے پرچار کے لیے مجلات ورسائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں بھی یہ روایت بہت پرانی ہے اور مجلاتی صحافت کی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی رسائل ہندوستان کے کونے کونے سے جاری ہوئے، جنھوں نے قارئین میں مخصوص نظریات، افکار اور مذہبی عقائد کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا رسالہ ۱۹۳۷ء میں مرزا پور سے جاری ہوا۔ "خیر خواہ ہند" نامی رسالہ مشنریوں کا ترجمان تھا اور اس کا مقصد ہندوستان میں عیسائیت کا فروغ وتبلیغ تھا۔ اس رسالے میں عیسائی پروٹسٹنٹ فرقے کے حوالے سے مضامین کے علاوہ معلوماتی اور تاریخی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے تھے اس رسالے کے مالک پادری ایف جی برایت، مدیر پادری آرسی ماتھر اور مہتمم ڈاکٹر حیدر تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران مجاہدین کی جانب سے اس کے مطبع کی تباہی کے بعد یہ رسالہ بند ہوگیا تھا، لیکن کچھ عرصے بعد اس کی اشاعت دوبارہ شروع ہوگئی۔

۱۸۵۰ء میں بمبئی سے رسالہ "تائید الحق" کا اجراء ہوا، جس کے مدیر ومہتمم مفتی عبداللطیف الکنی تھے۔ یہ ایک مذہبی رسالہ تھا۔ اور بمبئی سے جاری ہونے والے دیگر مذہبی رسائل کی طرح اس میں کسی ایک ہی موضوع پر طویل اور جامع مضمون شامل ہوتا تھا کہ رسالے کے تمام صفحات کا احاطہ ہوجاتا تھا۔

گوجرانوالہ سے جاری ہونے والے رسالے "کوہ نور" (۱۸۶۶ء) میں قرآن مجید کے تراجم، احادیث، عقائد اور فروغ علم کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۸۶۸ء میں امرتسر سے مسیحی تبلیغ کا ترجمان "حقائق عرفاں" جاری ہوا، جس کے مدیر پادری عمادالدین تھے۔ اس رسالے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں عیسائیت کے حوالے سے مضامین، مقالوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ امرتسر کے مسلمانوں سے بھی خطاب کیا جاتا تھا۔

علی گڑھ سے "منگل سماچار" نامی رسالہ ۱۸۷۰ء میں جاری ہوا، جس کے مدیر منشی پیارے لال تھے۔ اس رسالے میں ہندو مذہب کی تعلیمات وعقائد کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔

"مبلغ" نامی رسالہ مولوی شمس الاسلام کی ادارت میں دیوبند سے ۱۸۷۳ء میں جاری ہوا، جس کا مقصد عیسائیت کی مخالفت تھا۔

۱۸۷۵ء میں لاہور سے "ہندو باندھو" نامی رسالہ، ہندوؤں کی اصلاح وتربیت کے لیے جاری کیا گیا۔ اس رسالے کا مقصد ہندومت کی اصل روح کو اجاگر کرنا تھا رسالے کے مالک پنڈت شیونارائن اگن ہوتری تھے۔

کان پور سے ۱۸۷۵ء میں انجمن تہذیب لکھنؤ کا ترجمان رسالہ "انجمن تہذیب" جاری ہوا۔ جس کے مہتمم حافظ عبداللہ بلگرامی تھے۔ اس رسالے میں مسلمانوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ دیگر نیک کاموں کی ترغیب کے حوالے سے بھی مضامین شامل ہوتے تھے۔ انجمن کی جانب سے کئے جانے والے کار خیر کی روداد اور احوال بھی اس میں درج ہوتے تھے۔

لاہور سے ۱۸۷۵ء میں "ناصر الایمان" نامی رسالہ اہل تشیع حضرات کے ترجمان کے طور پر سامنے آیا۔ اس رسالے کے مالک وایڈیٹر سید نادر علی شاہ سیفی اثناء عشری تھے۔

۱۸۷۸ء میں مولوی ابوسعید محمد حسین کے زیر اہتمام لاہور سے رسالہ "اشاعت السنہ" کا اجراء ہوا، جس کے مقاصد میں اسلامی اصولوں کا فروغ، اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا اور مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کو حکومت وقت کے سامنے گوش گزار کرنا تھا۔ یہ رسالہ سرسید احمد خان کے نظریات کا مخالف تھا۔ اس کے علاوہ دیوبندی علماء کے خلاف بھی اس رسالے میں مضامین چھپتے تھے۔

انجمن حمایت اسلام کے زیر اہتمام ۱۸۸۴ء میں رسالہ انجمن حمایت اسلام، لاہور سے جاری ہوا، اجس میں مسلمانوں کی دینی واخلاقی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے جاتے تھے۔

"نصرت السنّت" نامی رسالہ ۱۸۸۵ء میں بنارس سے جاری ہوا، جس کے مالک محمد سعید تھے۔ یہ رسالہ اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کا ترجمان تھا۔

۱۸۹۲ء میں کان پور سے رسالہ "تحفہ محمدیہ" کا اجراء ہوا، جس کے مہتمم سعید تاجر تھے۔ یہ رسالہ اسلام اور اسلامی اصول وعقائد کی تبلیغ اور عیسائیت کی تردید کے لیے وقف تھا۔

پٹیالہ سے ۱۸۹۸ء میں رسالہ "تذکرۃ القرآن" کا اجراء ہوا، جس کے مالک وایڈیٹر مولوی محمد خان تھے۔ اس رسالے میں قرآن مجید کی کاملیت وفضیلت کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مسلمان فرقوں کے درمیان اتحاد کا فروغ اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔

جالندھر سے ۱۸۹۹ء میں آریہ سبھا پنجاب کا ترجمان "آریہ مسافر" جاری ہوا، جس کے مہتمم قدیر چند تھے، اس رسالے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی عقائد کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے۔

کلکتہ سے انجمن خادم الاسلام کے زیر اہتمام ۱۹۰۰ء میں رسالہ "خادم الاسلام" جاری ہوا۔ جس کے مہتمم حافظ محمد موسیٰ تھے۔ اسلام کا فروغ، مسلمانوں کی اصلاح، مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب اور مشاہیر اسلام کے کارناموں کی اشاعت اس رسالے کے بنیادی مقاصد تھے۔

۱۹۰۲ء میں گورداس پور سے چودھری الھاد کی ادارت میں رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کا اجراء ہوا۔ یہ رسالہ قادیانیوں کا ترجمان تھا، جس کا مقصد قادیانیت کی ترویج و اشاعت تھا، البتہ عیسائیت کے حق میں اس رسالے میں مضامین شامل ہوتے تھے۔

کلکتہ سے ۱۹۰۲ء میں مولوی ضیاء الدین قمر پوری کی ادارت میں جاری ہونے والے "ضیاء السنہ" میں خلافت اسلامی، قرآن وحدیث، مذہبی بحثیں، قومی نظمیں، اور اسلامی خبریں اور نعت وغیرہ شامل ہوتی تھیں۔

میرٹھ سے ۱۹۰۳ء میں جاری ہونے والے رسالے "النذیر" میں اسلام کی حقانیت اور عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کے جواب شامل ہوتے تھے۔ اس رسالے کا ایک مقصد ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ بھی تھا۔ اس کے مدیر و مالک منشی تدبر حسین تھے۔

دہلی سے ۱۹۰۳ء میں محمد یعقوب بیگ دہلوی کی ادارت میں رسالہ "کاشف العلوم" کا اجراء ہوا، جس میں اسلامی معلومات، عقائد، اصول اربعین اور مثنوی مولانا روم کے سلیس و بامحاورہ ترجمے شائع ہوتے تھے۔

۱۹۰۵ء میں لکھنؤ سے جاری ہونے والے "النجم" کے مالک و مدیر مولوی عبدالشکور صاحب فاروقی تھے۔ اس رسالے میں مذہبی مضامین اور خبروں کے علاوہ شیعہ مناظروں کی روداد اور قادیانیوں کے خلاف بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔

"تعلیم الاسلام" ۱۹۰۵ء نامی رسالے میں قرآن مجید کے سلیس ترجمے اور تفسیر کی اشاعت کے ساتھ اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا۔ اس کے مدیر حاجی شیخ حفیظ الدین سراج تھے۔

۱۹۰۵ء میں فیض آباد سے جاری ہونے والے رسالے "الفیض" میں علوم دین و تفسیر و حدیث وفقہ، تصوف، تردید مخالفین، فضائل اسلام اور ہدایت اسلام کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے مدیر محمد یوسف شمس تھے۔

۱۹۰۷ء میں امرتسر سے مولوی ثناء اللہ امرتسری کی ادارت میں نکلنے والے رسالے "مرقع قادیان" کا مقصد مسلمانوں میں اتباع سنت کا شوق پیدا کرنا اور قادیانیت کے خیالات وعقائد کی تردید کرنا تھا۔

۱۹۰۸ء میں رنگون سے "اتحاد مذاہب عالم" نامی رسالہ مختلف اذہان کے مابین اتحاد پیدا کرنے اور ان کی حقیقت بیان کرنے کے لیے جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے مرتب مولانا محمد حسین تھے۔

۱۹۰۸ء میں ہی لاہور سے رسالہ "المعد" جاری ہوا، جس کے مالک منشی تاج الدین تھے۔ اس رسالے میں اسلام کے محاسن، مشاہیر اسلام کی روحانی اور جسمانی زندگی کے سچے واقعات اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جوابات شائع ہوتے تھے۔

۱۹۰۹ میں انجمن نظام المشائخ کا ترجمان رسالہ "نظام المشائخ" جاری ہوا، جس کے سرپرست خواجہ حسن نظامی تھے۔ یہ رسالہ تمام سلسلوں کے صوفیائے کرام اور مشائخ کی دینی و دنیاوی خدمات کا ترجمان تھا اور علم تصوف کی حفاظت واتحاد اور مشائخ صوفیاء کو ایک مرکز پر جمع کرنا، اس رسالے کے بنیادی مقاصد تھے۔

۱۹۰۹ء میں لاہور سے ہندو مسلم تنازعات کو کم کرنے کے لیے بابو اللہ یار خان جوگی نے گائے کی حفاظت وحمایت کے لیے رسالہ "گئو ماتا" جاری کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا کہ ایک مسلمان نے گئے ماتا کے حق میں رسالہ جاری کیا۔

۱۹۰۹ء میں ہی دہلی سے مولوی محمد اسحاق کی ادارت میں رسالہ "الوعظ" جاری کیا گیا، جس میں مفید دینی و مذہبی مضامین اور اسلامی تاریخ سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ اپنے وقت کا ایک اہم رسالہ تھا، جس میں تمام مضامین مولانا کے تحریر کردہ ہوتے تھے۔ رسالے کی کتابت وطباعت کا معیار عمدہ تھا۔

۱۹۰۹ء میں لاہور سے مولوی انشاء اللہ خان کی ادارت میں رسالہ "تفسیر القرآن" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے میں قرآن کریم کی تفسیر شائع ہوتی تھی، جن کو بعد میں مکمل جلد کی شکل دے دی جاتی تھی۔

"البرہان" نامی رسالہ مولوی سید محمد سبطین کی ادارت میں ۱۹۱۰ء میں لاہور سے جاری ہوا۔ جس کا مقصد اسلام کی اشاعت اور حضور پاک ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں آگاہی تھا۔

۱۹۱۱ء میں دہلی سے حکیم نور الدین نے رسالہ "احمدی" نکالا، جس کا مقصد مولانا ثناء اللہ کے اخبار اہل حدیث کی مخالفت تھا۔

۱۹۱۲ء میں پنجاب سے مولانا مخدوم محمد نے رسالہ "درویش" جاری کیا۔ یہ رسالہ روحانیت کا علمبردار تھا، جس میں ہر قسم کے علمی، اخلاقی، درویشانہ مضامین کے علاوہ خزینہ معرفت اور طریقت وشریعت اور صوفیائے کرام کے حوالے سے مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

پٹنہ سے ۱۹۱۳ء میں رسالہ "معارف" جاری ہوا، جس کے مالک ومدیر سید محمد مظہر الحق چشتی تھے۔ اس میں، مذہبی، اخلاقی، تاریخی، علمی مضامین پر صوفیانہ انداز میں روشنی ڈالی جاتی تھی۔

۱۹۱۶ء میں اعظم گڑھ سے دار المصنفین اعظم گڑھ کا ترجمان رسالہ "معارف" جاری کیا گیا، جس کے مدیر علامہ سید سلیمان ندوی تھے۔ یہ ایک علمی ومذہبی رسالہ تھا۔ جس کا مقصد عقائد اسلام کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا تھا۔ اسلامی علوم کی تاریخ اور اکابر اسلام کی سوانح عمریاں ترتیب دینا بھی اس رسالے کا اہم کارنامہ ہے۔ اس رسالے کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کے متعلق پیدا ہونے والے عقلی، ادبی تاریخی، تمدنی اور اخلاقی مباحث پر محققانہ مضامین کی اشاعت ہے۔

۱۹۲۰ء میں دہلی سے جاری ہونے والے اہل تشیع حضرات کا رسالہ "فرات" تحریک عدم تعاون کا بھرپور حامی تھا۔ اسکے مدیر زیدی الواسطی تھے۔

کلکتہ سے مومن برادری کا ترجمان رسالہ "المومن "۱۹۲۲ء میں جاری ہوا۔ جس کے مدیر محمد یحییٰ تھے اس رسالے میں مومن قوم کی حمایت و ترجمانی کے ساتھ ساتھ مساوات اور اتحاد کا درس دیا جاتا تھا۔ دیگر مضامین کے علاوہ اسلامی ممالک کی تازہ خبروں کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔

۱۹۲۵ء میں انبالہ سے شیعہ حضرات کا ترجمان "امامیہ گزٹ" سید مہدی اکبر زید الواسطی کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس رسالے کی پالیسی صلح کن تھی اور یہ شیعہ سنی اتحاد کا علمبردار تھا۔

مظفر گڑھ سے ۱۹۲۵ء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ادارت میں رسالہ "الامداد" جاری کیا گیا۔ اس رسالے میں صوفیائے کرام کے اقوال، حالات اور طریقت کے حوالے سے مضامین درج کیے جاتے تھے۔

انجمن دائرہ القرآن کا ترجمان "اردوئے معلیٰ"، آگرہ سے ۱۹۲۵ء میں مولانا شہابی کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کی غرض سے جاری کیا گیا۔

پیر محمد اشرف کی ادارت میں لاہور سے ۱۹۲۷ء میں رسالہ "الاشرف" جاری کیا گیا۔ جس میں اولیائے کرام، مسلمان بادشاہوں کے تاریخی واقعات کے علاوہ عملیات کے طریقے اور علم قیافہ پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

الغرض مذہبی رسائل کی ایک طویل فہرست ہے جو ابتداء سے قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک ہندوستان کے مختلف شہروں سے جاری ہوئے۔ ان رسالوں کی مجموعی تعداد ۱۳۵ کے لگ بھگ ہے اور یہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں سے جاری ہوئے۔

ان میں بمبئی، لکھنؤ، لاہور، دیوبند، گوجرانوالہ، امرتسر، اعظم گڑھ، علی گڑھ، پٹنہ، بریلی، گورداس پور، میرٹھ، کان پور، جے پور، بنارس، مراد آباد، جالندھر، قادیان، رنگون، سہارن پور، دہلی، لدھیانہ، بنگلور، انبالہ، حیدر آباد دکن، مظفر نگر اور فیض آباد وغیرہ شامل ہیں۔

رسالوں کی اکثریت ماہناموں پر مشتمل تھی، جبکہ ہفت روزہ، پندرہ روزہ، سہ ماہی اور سالانہ رسالے نہ ہونے کے برابر تھے۔ قیمت اور ضخامت کے اعتبار سے بھی ہر رسالہ منفرد نظر آیا۔

معیار و پیش کش اور مندرجات کے لحاظ سے بھی ہر رسالہ دوسرے سے مختلف تھا۔ تاہم ایک بات شدت سے محسوس ہوئی کہ اتنی کثیر تعداد میں شائع ہونے کے باوجود ان رسالوں کا اتحاد بین المسلمین میں خاطر خواہ کردار نہیں۔ اگر صرف مسلمانوں کے مذہبی رسائل کا ذکر کیا جائے تو مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کے باعث ہر رسالہ مخالف فرقے پر تنقید کرتا تھا۔ اسی طرح اگر ایک فرقے کی جماعت نے کوئی رسالہ جاری کیا تو اس کے جواب میں مخالف فرقے نے بھی اپنا رسالہ جاری کر دیا بہت کم مذہبی رسائل ایسے تھے جنہوں نے فرقہ ورانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر خالص اسلامی نظریات و عقائد

کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا۔ یہی حال دیگر مذاہب کے رسائل کا بھی تھا۔ چاہے وہ عیسائی ہوں، مسلمان ہوں، ہندو ہوں، قادیانی ہوں یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے رسائل۔۔۔! سب کا مقصد اپنے مذہب کی تعلیمات کے فروغ اور اشاعت سے زیادہ دیگر مذاہب پر کیچڑ اچھالنا تھا جو اخلاقیات کی روح کے منافی ہے۔

مذہبی رسائل کے اجراء کی روایت برصغیر پاک و ہند میں بہت پرانی ہے اور یہ روایت قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہی، جس کے نتیجے میں پاکستان کے مختلف حصوں سے سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔

گل دستہ شعر و شاعری

شعر و شاعری، ادب کی ایک نہایت لطیف اور دلکش صنف ہے، جو ہر دور میں ادبی ذوق رکھنے والوں کی دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جب مجلّاتی صحافت نے پھلنا پھولنا شروع کیا تو ایسے رسالے بھی بکثرت شائع ہونا شروع ہوئے، جن کا اولین اور واحد مقصد شعر و شاعری کی اشاعت اور اسے قارئین میں مقبول بنانا تھا، ان رسالوں کو " گل دستہ" کہا جاتا تھا۔

سب سے پہلا گل دستہ شعر و شاعری ۱۸۴۵ء میں دہلی سے مولوی کریم الدین نے جاری کیا۔" گل رعنا" نامی اس رسالے کو ہندوستان میں اردو کا اولین رسالہ قرار دیا جاتا ہے۔ مولوی کریم الدین اپنے گھر پر منعقد ہونے والے مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام اس گل دستہ میں شائع کیا کرتے تھے۔ یہ مشاعرہ ہر مہینے یا ہر دو ہفتے کے بعد منعقد کیا جاتا تھا۔ مولوی کریم الدین اس رسالے کے علاوہ ہفتہ وار " کریم الاخبار" بھی نکالتے تھے۔گل دستہ " گل رعنا" اپنے وقت کا ایک اہم رسالہ تھا، جس میں ان شعراء کا کلام بھی شامل ہوتا تھا، جو گمنامی کی زندگی گزار رہے تھے۔

اس رسالے کی دیکھا دیکھی دیگر گلدستہ شعر و شاعری بھی منظر عام پر آئے۔ ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ سے گل دستہ شعراء شائع ہوا، جس میں صرف لکھنؤ کے شعراء کی غزلیں چھپتی تھیں۔ اس کے مہتمم شیخ قادر شیخ تھے۔

حیدرآباد سے جاری ہونے والا گل دستہ " گل کدہ ریاض" (۱۸۷۵ء) کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں اشعار کے انتخاب میں انتہائی سختی برتی جاتی تھی اور غیر جانب داری سے کام لیا جاتا تھا۔ اس رسالے کے مالک منشی ریاض احمد جبکہ مہتمم حافظ نظام احمد تھے۔

۱۸۸۲ء میں کلکتہ سے ماہانہ گل دستہ " گل دستہ نتیجہ سخن" جاری ہوا، جس کے مدیر حکیم عبدالصمد کان پوری تھے۔ اس رسالے میں طرحی و غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ رسالے کی خصوصیت اس میں شائع ہونے والی پردہ نشین مستورات اور طوائفوں کی غزلیں تھیں۔

۱۸۸۳ء کو فرخ آباد سے شائع ہونے والے ماہانہ رسالے " گل دستہ پیام عاشق" میں طرحی و غیر طرحی غزلیں، عشقیہ مضامین اور لطائف و ظرائف مع تصاویر شائع ہوتے تھے۔ رسالے کے مہتمم منشی بھگو خان رحیم تھے۔

۱۸۸۸ء میں کان پور سے شائع ہونے والے گل دستہ "چمنستان سخن" میں زیادہ تر اوسط درجے کے شعراء کا کلام درج ہوتا تھا۔ شعروں کا انتخاب عمدہ ذوق کا حامل تھا اور اس دور کے گل دستوں میں رائج شرط کے لحاظ سے گیارہ اشعار سے زائد شعر شائع کرنے پر فی شعر دو پیسہ کی رقم لی جاتی تھی۔ غزلوں کا انتخاب بھی دیکھ بھال کر کیا جاتا تھا اور طنز و تشنیع سے مزین غزل کسی صورت اشاعت کے قابل نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس رسالے کے سرورق کا شعر کچھ یوں تھا۔

سرمہ مفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے ؎
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا ۲۲۶

فرخ آباد سے ماہانہ " گل دستہ آشوب محشر " کا اجراء ہوا۔ ۱۸۸۵ء میں جاری ہونے والے اس رسالے کے مدیر منشی یوسف ظریف و ظہیر تھے۔ اس رسالے میں زیادہ تر غیر معروف شعراء کا کلام شامل ہوتا تھا جبکہ منشی جوالا پرشاد کے ہاں منعقد ہونے والے مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام بھی اس رسالے کی زینت بنتا تھا۔

لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں ایک گل دستہ شعر و شاعری "دامن گل چیں" بھی جاری ہوا، جس کے سرپرست امیر مینائی جبکہ مہتمم منشی شیخ امجد علی بسمل تھے۔

۱۸۸۵ء میں عبدالحلیم نادم کی ادارت میں انبالہ سے جاری ہونے والے ماہانہ گل دستہ " آئینۂ سخن" میں زیادہ تر غیر معروف شعراء شائع کیا جاتا تھا اور غزلیں بھی معمولی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ رسالے کے سرورق پر چھپنے والا شعر کچھ یوں تھا:

ہاتھ آئے گا یہ موقع نہ تمہیں پھر ہرگز ؎
عاشقو دوڑو کہ تصویر صنم کھنچتی ہے ۲۲۷

لکھنؤ سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہونے والے گل دستہ " نغمہ بہار " کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں صرف لکھنؤ کے شعراء کے کلام کی اشاعت ہوتی تھی۔ غیر لکھنوی شعراء کا کلام بہت کم شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے کے مہتمم یعقوب علی خان نصرت تھے۔

۱۸۹۲ء میں آگرہ سے ماہنامہ شعر و شاعری کا رسالہ ،گل دستہ "دامن بہار" سامنے آیا، جس کے مہتمم مرزا فدا حسین تھے۔ اس رسالے میں آگرہ کے علاوہ یوپی کے شعراء کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ اشعار کی اشاعت کے وقت کسی قسم کے انتخاب میں سختی نہیں برتی جاتی تھی۔ فی شعر کی اشاعت پر دو آنہ جبکہ غیر طرحی غزل کے فی شعر پر تین آنے لیے جاتے تھے۔ رسالے کا کاغذ، طباعت اور معیار اوسط درجے کا تھا۔

مظفر نگر سے ۱۸۹۳ء میں گل دستہ رسالہ "جلسہ احباب شملہ" جاری ہوا، جس کے مہتمم ظہور الاسلام گوہر تھے۔ یہ ایک اوسط درجے کا رسالہ تھا، جس میں شعر کی اشاعت کی اجرت دیگر گل دستوں کے مقابلے میں کم تھی۔ گیارہ اشعار سے زائد شعر کی اشاعت پر پاؤ آنہ فی شعر وصول کیا جاتا تھا۔ اس رسالے میں نعتیہ کلام کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔

۱۸۹۳ء میں ہی دہلی سے شائع ہونے والے گل دستہ "زبان" کے بانی و مدیر مولانا راسخ دہلوی تھے۔ اس رسالے میں ہندوستان کے نامی گرامی شعراء کی بہترین غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ سرورق کا شعر کچھ یوں تھا:

ہے بلندی پہ، ترقی پہ، وہ شان دہلی

کہ زمانے میں ہے مشہور زبان دہلی ۲۲۸

بھوپال سے شائع ہونے والے گل دستہ "گل رعنا" (۱۸۹۵ء) کے مہتمم و مدیر نورالحسن نسیم بھوپالی تھے۔ اس رسالے میں بھوپال کے شعراء کے علاوہ زیادہ تر معروف شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا۔ یہ ایک اوسط درجے کا رسالہ تھا۔

میرٹھ سے ۱۸۹۶ء میں جاری ہونے والا گل دستہ "پروانہ" ایک اعلیٰ درجے کا گل دستہ شعر و شاعری تھا، جس میں اعلیٰ درجے کی ایشیائی منظومات اور اشعار کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد ایشیائی شاعری کی اصلاح اور ترویج تھا۔ رسالے کے مالک مولانا احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی تھے، جو رسالے میں زیادہ تر شاگردوں کا کلام پیش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں ہندوستان کے مشہور و معروف شعراء کے کلام پر تنقید و تبصرے بھی شائع ہوتے تھے۔

۱۹۰۱ء میں بمبئی سے جاری ہونے والے گل دستہ "منیر" میں ایک شرط یہ عائد کی گئی کہ جو بھی کلام اس میں شائع ہوگا، اس کا انتخاب لکھنؤ کے نامی گرامی شعراء کریں گے۔ اس رسالے کے ایک تہائی حصے میں شعراء کا کلام چھپتا تھا، جبکہ رسالے کا چوتھائی حصہ قسط وار ناول کے لیے مخصوص تھا۔ اس گل دستے کو شیخ احمد منیر صاحب مرتب کیا کرتے تھے۔

حیدرآباد دکن سے جاری ہونے والے گل دستہ شعر و شاعری "معیار الانشاد" (۱۹۰۳ء) کے مدیر نواب سراج الدین احمد خان سائل دہلوی تھے، جو داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس گل دستے میں زیادہ تر حضرت داغ کے شاگردوں کا کلام ہی چھپتا تھا اور غالباً اسی مقصد کے تحت یہ رسالہ جاری کیا گیا تھا۔

۱۹۰۶ء میں میسور سے منظر عام پر آنے والا گل دستہ "صبح بہار"، ایک مصوّر رسالہ تھا، جس کا بڑا حصہ غزلوں اور نظموں پر مشتمل تھا۔ رسالے کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک شمارے میں صرف میسور سے تعلق رکھنے والے ادباء و شعراء کا کالم چھپتا تھا، جبکہ دوسرے شمارے میں بیرون میسور کے قلم کاروں کو جگہ دی جاتی تھی۔ اس رسالے کے مدیر و مہتمم مولوی حکیم محمد علی تھے۔

۱۹۰۹ء میں دہلی سے جاری ہونے والا گل دستہ "کمال" ایک اوسط درجے کا رسالہ تھا، جس کی باطنی حالت کچھ زیادہ خوش کن نہ تھی۔ یہ رسالہ حصہ نظم اور حصہ نثر میں منقسم تھا۔ حصہ نظم میں زیادہ تر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر منشی پیارے لال رونق دہلوی تھے۔

لاہور سے ۱۹۰۹ء میں گل دستہ "مشاعرہ" کا اجراء منشی محمد دین نے کیا، جو شعر و شاعری کے شیدائی تھے۔ اور مشاعرے کرانا پسند کرتے تھے۔ ان ہی مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام اس رسالے کی زینت بنتا تھا، لیکن بعد میں شعراء کی عدم دلچسپی کے باعث مشاعروں کا انعقاد ختم ہوا اور یہ پھر رسالہ بھی دم توڑ گیا۔

آگرہ سے ۱۹۱۲ء میں جاری ہونے والے گل دستہ "مرّصع" کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہر پرچہ میں دو شاعروں کی تصاویر بھی شائع ہوتی تھیں۔تصویر چھپوانے کا معاوضہ دوروپے فی تصویرلیا جا تا تھا۔اس رسالے کے مرتب شام بابوشام اور سیماب اکبرآبادی تھے۔یہ رسالہ کتابت وطباعت اور معیار کے لحاظ سے بہترین تھا۔

انجمن ترقی سخن، بمبئی کی جانب سے ۱۹۱۲ء میں گل دستہ "ترقی سخن" کا اجراء کیا گیا، جس کے سرپرست محمد حسن معتبر احسن تھے۔انجمن کی جانب سے منعقد کیے جانے والے ماہانہ مشاعروں کا کلام اس میں چھپتا تھا۔رسالے میں طرحی غزلوں کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔

۱۹۱۳ء میں ریاست بھرت پور سے شائع ہونے والے گل دستہ "اردو" میں بھرت پور کے شاعروں کا کلام چھپتا تھا۔رسالے کے مدیر مرزاغضنفرحسین عروج تھے۔۱۹۱۴ء میں علی گڑھ سے حضرت حسرت موہانی کی ادارت میں سہ ماہی "تذکرۃ الشعراء" کا اجراء ہوا، جس میں شعراء کے حالات زندگی اور تنقیدی مضامین کے علاوہ ان کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔

مرادآباد سے جاری ہونے والے گل دستہ "حیات اردو" (۱۹۱۷ء) کے مدیر منشی اسحاق بیگ مرادآبادی تھے۔اس رسالے میں زیادہ تر مقامی شعراء کا طرحی کلام شائع ہوتا تھا اور کلام کے انتخاب میں زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

دہلی سے ۱۹۲۶ء میں جاری ہونے والا گل دستہ "حسن وخیال" ریاست بھوپال کی بزم شعراء کا ترجمان تھا، جس میں انجمن کے ارکان اور دوسرے شعراء کا منتخب کلام شائع ہوتا تھا۔شعراء کی ہمت افزائی میں یہ رسالہ پیش پیش تھا۔اس کے مدیر سرشار رکھمنڈی تھے۔

"مشاعرہ" نامی گل دستہ ۱۹۳۰ء میں فرخ آباد سے جاری ہوا، جس میں مختلف علاقوں کے شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا۔اس کے علاوہ اساتذہ کی جانب سے شاگردوں کے کلام میں کی جانے والی اصلاح بھی رسالے کا حصّہ بنتی تھی۔اس کے مدیر سید ظہیرالدین علوی تھے۔

اس طرح قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک برصغیر پاک وہند میں ۱۵۵ کے لگ بھگ گل دستہ شعروشاعری کا اجراء ہوا۔یہ تمام رسائل ماہنامے تھے، جبکہ پندرہ روزہ، سہ ماہی اور سالانہ گل دستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ان گل دستوں کی اشاعت ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر سے ہوئی، تاہم زیادہ تر دہلی، لکھنؤ، کلکتہ، لاہور، حیدرآباد، حیدرآباد دکن، آگرہ، فرخ آباد، بدایوں، متھرا، کان پور، فتح پور، اجمیر، بریلی، میرٹھ، گیا، رام پور، مرادآباد، لدھیانہ اور میسور سے یہ رسائل جاری کیے گئے۔قیمت اور ضخامت کے لحاظ سے ہر رسالے میں تنوع پایا گیا۔مندرجات اور پیش کش کا معیار بھی جدا جدا تھا، تاہم اردو شاعری کے فروغ وترقی اور شعراء کو ان کا مقام دلانے میں ان گل دستہ رسائل کے کردار سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

زراعتی رسائل:۔

ہندوستان کی معیشت کا دارومدار بنیادی طور پر زراعت پر تھا۔ برصغیر میں صحافت کے پھلنے پھولنے کے بعد اس طرف بھی توجہ دی گئی اور بے شمار زراعتی رسائل و جرائد نے جنم لیا۔ ہر دور میں زمین، زراعت، زمیندار، مزارع، کاشت کار اور دیگر زرعی موضوعات سے متعلق رسائل سامنے آتے رہے۔ جن کا بنیادی مقصد زراعت کے شعبے میں ہونے والی ترقی، تبدیلیوں اور پیش رفت سے کسانوں کو آگاہ کرنا تھا، تاکہ وہ ان سے استفادہ حاصل کر کے زرعی پیداوار میں اضافہ کرسکیں اور ملک کی ترقی وخوشحالی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

زرعی رسالوں کے ضمن میں برصغیر پاک و ہند میں پہلا رسالہ میرٹھ سے ۱۸۸۲ء میں جاری ہوا۔ "مظہر الزراعت" نامی اس رسالے کے مالک حکیم مقرب حسین خان رئیس تھے۔

۱۹۲۳ء میں ضلع شیخوپورہ سے رسالہ " کاشتکاران ہند" کا اجراء ہوا، جس کے مدیر مرزا سلطان احمد بیگ صاحب تھے۔ اس رسالے میں اصول باغبانی، فصلوں، سبزیوں، ترکاریوں، کاشت کا موسم اور منافع کا اندازہ وغیرہ بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ نسل کشی، مویشیوں کی دیکھ بھال اور مختلف کھادوں کے حوالے سے بھی معلوماتی مضامین درج ہوتے تھے۔ بنیادی طور پر اس رسالے کا مقصد زمینداروں اور کاشت کاروں کی مالی، تمدنی، معاشرتی اور تعلیمی صورت حال کو بہتری کی طرف گامزن کرنا تھا۔

جھنگ سے ۱۹۲۴ء میں، مولوی معظم علی قریشی کی ادارت میں زرعی رسالے "دیہاتی" کا اجراء ہوا، جس کا مقصد زمینداروں اور کاشت کاروں میں اتحاد پیدا کرنا اور ان کی علمی، اقتصادی، تمدنی اور اخلاقی اصلاح کرنا تھا، زرعی ترقی کے حوالے سے بھی مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

"دیہاتی" نام کا ایک اور رسالہ ملتان سے دین محمد نظامی کی ادارت میں ۱۹۳۰ء میں جاری ہوا، جس میں زراعت سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے لیے زرعی مضامین اور ادبی ذوق رکھنے والوں کے لیے ادبی مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے۔ یہ ایک مختلف رسالہ تھا جس میں غریب کسانوں اور دیہات میں بسنے والے غریب لوگوں کی زندگی اور مشکلات کو اجاگر کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ زراعتی، ایگری کلچر سوسائٹی کا "انجمن زراعت"، بجنور (۱۸۸۴ء)، "مفید المزارعین"، کان پور (۱۸۸۵ء)، "زمیندار"، گجرانوالہ (۱۸۸۶ء)، "زراعت وحرفت "بدایوں (۱۹۱۶ء)، "رہبر مزارعین"، حیدرآباد دکن (۱۹۱۸ء)، "ہندمند"، لاہور (۱۹۲۸ء)، "آواز"، انبالہ (۱۹۲۸ء) اور "ساقی"، ملتان (۱۹۲۸ء) بھی چند اہم زرعی رسائل تھے۔ جنہوں نے کاشت کاروں کی معاونت اور زرعی ترقی واصلاح میں بھرپور کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں اردو صحافت کی ابتداء سے قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک تقریباً ۱۲ زرعی رسالے منظر عام پر آئے۔ یہ تمام رسالے ماہنامے تھے جو ملک کے مختلف شہروں مثلاً: میرٹھ، بجنور، کان پور، گجرانوالہ، بدایوں، حیدرآباد دکن، جھنگ، لاہور، انبالہ، اور ملتان سے شائع کیے گئے۔ ان رسالوں کی قیمت اور ضخامت ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھی اور مندرجات کے حوالے سے رسالوں میں تنوع بھی تھا تاہم زرعی ترقی و اصلاح تمام رسالوں کا مطمع نظر رہا۔

متفرق رسائل:۔

صحافت کی ابتداء سے قیام پاکستان تک برصغیر پاک و ہند میں لاتعداد رسائل و جرائد کا اجراء ہوا، جن میں ادبی، سیاسی، مذہبی، علمی و تعلیمی، قانونی، زرعی، سماجی، تجارتی، طبی، صنعت و تجارت اور شعر و شاعری کے گلدستہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان رسائل کے علاوہ کچھ رسائل ایسے بھی نظروں سے گزرے جنھیں کسی مخصوص زمرے میں قید نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ ان کا جائزہ متفرق رسائل کے زمرے کے تحت کیا گیا۔

"مفید اخلائق" نامی رسالہ ۱۸۵۶ء میں منشی شیو نرائن نے جاری کیا۔ آگرہ سے جاری ہونے والا یہ رسالہ ہفتہ وار تھا۔ شیو نرائن دہلی کالج کے طالب علم تھے اور انہوں نے انگریزی سے کئی تراجم اردو میں کیے تھے۔ اس رسالے کا سالانہ چندہ نو روپے تھا۔

جنوری ۱۸۶۸ء میں لکھنؤ سے رسالہ "سررشتہ تعلیم اودھ" کا اجراء ہوا، جس کے نائب مدیر و مہتمم مولوی ابوالحسن تھے اور مترجم سررشتہ تعلیم درد یوار تھے۔ اس رسالے کے مدیر منشی شیو نرائن، ڈپٹی انسپکٹر مدراس تھے۔ یہ رسالہ مطبع اودھ میں چھپتا تھا اور اس کا سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

۱۸۷۸ء میں شاہجہاں پور سے رسالہ "آریہ درپن" جاری ہوا۔ آریا سماجیوں کے ترجمان اس رسالے کے مہتمم منشی بختاور سنگھ تھے۔

۱۸۸۴ء میں گوجرانوالہ سے "پنجاب لوکل سیلف گزٹ" کا اجراء ہوا، جس میں پنجاب کے بورڈ اور میونسپل کمیٹی کی کارروائیاں اور قوائد شائع کیے جاتے تھے۔ رسالے کے مالک و مہتمم مرزا انور علی تھے۔

الہٰ آباد سے ۱۸۸۴ء میں رسالہ "گور کائستھ" کا اجراء ہوا جس کے مہتمم منشی سرن لال تھے۔ رسالے کی خاص بات یہ تھی کہ یہ رسالہ صرف کالیستھوں کے لیے مخصوص تھا اور اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

"ایسٹ انڈین ریلوے" نامی رسالہ ۱۸۸۶ء میں کلکتہ سے نکلا، جس میں حیوانات کے فوائد اور ٹکٹوں کی معلومات درج ہوتی تھیں۔ سی ایچ وان چیف اس رسالے کے مہتمم تھے۔

۱۸۸۶ء میں رسالہ "جریدہ انتظامیہ"، بھوپال سے جاری ہوا، جس میں ریاست بھوپال کے احکامات وغیرہ درج ہوتے تھے۔ اس کے بانی نواب عبداللطیف خان تھے۔

۱۹۰۹ء میں لاہور سے ماہنامہ "ہمدرد" منشی طالب علم پابند قریشی کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ رسالہ اخباری طرز پر شائع ہوتا تھا۔

۱۹۱۰ء میں بریلی سے سید محمد ضامن کشوری کی ادارت میں رسالہ "استبصار" جاری ہوا۔ یہ ایک مصور رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون میں عکسی تصاویر شائع ہوتی تھیں۔ رسالے کا معیار عمدہ تھا اور نہایت عمدگی سے ترتیب دیا جاتا تھا۔

۱۹۲۲ء میں حیدر آباد دکن سے رسالہ "نمائش" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر مرزا رفیق بیگ تھے۔ اگر چہ یہ رسالہ صنعتی تھا، تاہم اس میں ادبی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے قلم کا سفر اسی رسالے سے شروع ہوا۔

۱۹۲۲ء میں لاہور سے پروفیسر بھائی پرتاب سنگھ کی ادارت میں رسالہ "راگ" جاری ہوا۔ یہ رسالہ علم موسیقی سے متعلق تھا، جس میں ہارمونیم، ستار، طبلہ اور دیگر موسیقی کے آلات کی دیکھ بھال و مرمت کے طریقوں کے علاوہ عمدہ گانے، ٹھمریاں اور خیال وغیرہ بھی شائع کئے جاتے تھے۔ مختلف راگوں کے بارے میں معلومات اور علم موسیقی کی باتصویر سوانح بھی شائع کی جاتی تھی۔

بھوپال سے ۱۹۲۴ء میں رسالہ "محسن الملک" کا اجراء ہوا، جس کی طباعت و کتابت کا معیار بہترین تھا اور مضامین بھی دل چسپ و مفید ہوتے تھے۔

۱۹۲۴ء میں "رائفل مین" نامی رسالہ جاری ہوا، جس میں رائفل بریگیڈ سے متعلق مضامین و مواد شائع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ فوجیوں کے لیے مخصوص تھا۔

۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے رسالہ "سودمند" کا اجراء ہوا، جس کے اعزازی مدیر سید جعفر حسین تھے۔ اس رسالے کا مقصد مسلمان قوم کو غربت و افلاس سے نکال کر معاشرے کے دھارے میں شامل کرنا تھا۔ یہ رسالہ مسلمانوں کو تجارتی معلومات اور شد بد فراہم کرنے میں پیش پیش تھا اور سود لینے اور دینے کو جائز تصور کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں مسلمانوں کی صحت، ذہنی ترقی اور فلاح و بہبود کے حوالے سے بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں کلکتہ سے وائی۔ کے۔ طارق کی ادارت میں "فلم ریویو" کا اجراء ہوا، جس کا مقصد فلمی معلومات اور ترقیات سے قارئین کو آگاہ کرنا تھا، معیار اور موضوع کے لحاظ سے یہ رسالہ اپنے وقت کا بہترین رسالہ تھا، جس میں فلم سازی، فلمی مناظر کی تفصیل و تشریح، ڈرامہ کی تاریخ اور مختلف اداکاروں اور اداکاراؤں کے حالات اور خبریں وغیرہ درج ہوتی تھیں۔

۱۹۲۹ء میں دارالاشاعت پنجاب سے مسٹر شرف کی ادارت میں "شبستان" نامی رسالے کا اجراء ہوا۔ یہ ایک فلمی رسالہ تھا جو فلمی دنیا کے مضامین اور خبروں کی اشاعت کے حوالے سے مشہور تھا۔

۱۹۲۹ء میں دہلی سے ایم۔ اے مفتی کی ادارت میں رسالہ "بائیکوپ" جاری کیا گیا اگر چہ یہ ایک فلمی رسالہ تھا، تاہم اس میں سیاست، حکایات اور شاعری جیسے موضوعات کو بھی جگہ دی گئی تھی۔

اس طرح مجموعی طور پر جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ صحافت کی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک برصغیر پاک و ہند سے تقریباً ۱۴۰ کے لگ بھگ ایسے رسائل بھی جاری ہوئے جنہیں کسی مخصوص زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔

یہ تمام رسالے ماہنامے تھے۔ محض اکا دکا رسائل ہفت روزہ، پندرہ روزہ یاسہ ماہی دورانیے کے حامل تھے یہ رسائل ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً گیا، سیالکوٹ، بریلی، گوجرانوالہ، فیض آباد، مرادآباد، آگرہ، اجمیر، لاہور، پٹنہ، شاہ جہاں پور، کلکتہ میرٹھ، جبل پور، متھرا، راولپنڈی، بدایوں، کان پور، حیدرآباد، فرخ آباد، شاہ آباد، بھوپال، میسور، جودھپور، رنگون، پٹنہ، مدراس، نجیب آباد، بنگلور، امرتسر، پھلواری، جالندھر، پانی پت، پنجاب اور اعظم گڑھ وغیرہ سے شائع ہوئے۔

ہر رسالے کی قیمت وضخامت، باطنی وظاہری صورت حال میں واضح تنوع دیکھنے میں آیا اور ساتھ ہی ہر رسالے کا کردار اور اثرات بھی اپنے اپنے وقت، حالات اور حلقۂ قارئین کے باعث جدا اور منفرد رہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر متین الرحمٰن مرتضٰی، "اردو کی جرائدی صحافت کا ارتقاء"؛ مشمولہ "تعارف ابلاغ عامہ"؛ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۰۰ء؛ ص: ۱۵۱

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ طاہر مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور؛ سال اشاعت: ۱۹۹۲ء؛ ص ص: ۱۵۔۱۴

۵۔ عبدالسلام خورشید؛ "صحافت پاکستان و ہند میں"؛ مکتبۂ کاروان، لاہور؛ ص: ۱۷

۶۔ ڈاکٹر انور سدید؛ "پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ"؛ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد؛ سال اشاعت: ۱۹۹۲ء؛ ص ص: ۲۷۔۲۶

۷۔ خورشید؛ محولہ بالا؛ ص: ۷۲

۸۔ صاحب علی خان؛ "قدیم دلّی کالج کی صحافتی خدمات"؛ مشمولہ "جرنلسٹ"؛ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ ص: ۱۱

۹۔ ایضاً؛ ص: ۱۲

۱۰۔ ایضاً؛ ص ص: ۱۳۔۱۲

۱۱۔ ایضاً؛ ص: ۱۵

۱۲۔ ایضاً؛ ص: ۱۴

۱۳۔ خورشید؛ محولہ بالا؛ ص: ۷۵

۱۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۳۰

۱۵۔ مرتضٰی؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۵۳

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ مرتضٰی؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۵۳

۱۸۔ ایضاً؛ ص: ۱۵۶

۱۹۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۲

۲۰۔ ایضاً؛ ص: ۳

۲۱۔ امداد صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد دوئم کا پہلا حصہ)؛ جدید پرنٹنگ پریس، دہلی؛ ص ص: ۲۱۳۔۲۱۲

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی؛"پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ"؛سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ سال اشاعت: ۱۹۷۱؛ ص:۱۱۴

۲۵۔ ایضاً؛ص ص:۱۱۵۔۱۱۴

۲۶۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد دوئم کا پہلا حصہ)؛محولہ بالا؛ص:۲۱۷

۲۷۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۱۱۵

۲۸۔ ایضاً؛ص:۱۱۳

۲۹۔ امداد صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛ جدید پرنٹنگ پریس، دہلی؛ص:۴۵۵

۳۰۔ ایضاً؛ص ص:۴۵۶۔۴۵۵

۳۱۔ "دلگداز"؛مئی ۱۹۱۳ء؛ جلد:۵؛نمبر:۱۵

۳۲۔ "دلگداز"؛نومبر ۱۹۱۷ء؛ جلد:۱۹؛نمبر:۱۱

۳۳۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛محولہ بالا؛ص:۴۵۷

۳۴۔ "دلگداز"؛ستمبر ۱۹۱۳ء، جلد:۱۵؛نمبر:۹؛ص:۲۵

۳۵۔ ایضاً؛ص:۲۴

۳۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۴۱

۳۷۔ پروفیسر جعفر رضا؛"عبدالحلیم شرر"؛ساہتیہ اکادمی، دل آفسٹ، دہلی؛ سال اشاعت:۱۹۸۸ء؛ص ص: ۲۱۔۲۰، ۴۱۔۴۰، ۵۷

۳۸۔ امداد صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ یونین پریس، دہلی؛ سال اشاعت:۱۹۷۴؛ص ص:۱۱۱۔۱۱۰

۳۹۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۱۷۲

۴۰۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛محولہ بالا؛ص ص:۱۱۳۔۱۱۱

۴۱۔ ایضاً؛ص ص:۱۱۴۔۱۱۳

۴۲۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۱۷۳

۴۳۔ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛محولہ بالا؛ص ص ۲۸۱۔۲۸۰

۴۴۔ ایضاً؛ص:۲۸۱

۴۵۔ "مخزن" (سالگرہ نمبر)؛ مارچ ۱۹۲۹ء؛ص ص:۱۷۔۱۶

۴۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۵۰

۴۷۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۱۷۴

۴۸۔ ایضاً؛ص ص:۸۴۔۱۸۳

۴۹۔ ایضاً؛ص:۱۷۶

۵۰۔ ایضاً؛ص:۱۸۴

۵۱۔ ایضاً؛ص:۱۸۵

۵۲۔ "نقوش" (آپ بیتی نمبر)؛ص ص:۷۲۳۔۷۲۰

۵۳۔ ایضاً؛ص:۷۲۲

۵۴۔ ایضاً؛ص:۷۲۳

۵۵۔ "قومی زبان"؛اپریل۱۹۶۴ء؛ص:۲۱

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ امداد صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛جمال پریس،دہلی؛ص:۱۰۸

۵۸۔ "قومی زبان"؛محولہ بالا؛ص ص:۲۲۔۲۱

۵۹۔ ایضاً؛ص:۲۲

۶۰۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛محولہ بالا؛ص:۱۳۸

۶۱۔ ایضاً؛ص:۱۴۰

۶۲۔ ایضاً؛ص ص:۱۴۱۔۱۴۰

۶۳۔ ایضاً؛ص:۱۴۲

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً؛ص:۱۴۴

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۸۷

۶۸۔ "معیار"؛جنوری۔جون۲۰۱۲ء؛شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی،اسلام آباد؛ص:۲۰۷

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۸۹

۷۱۔ ایضاً؛ص:۸۸

۷۲۔ ایضاً؛ص:۸۷

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ ایضاً؛ص ص:۹۰۔۸۹

۷۵۔ "معیار"؛محولہ بالا؛ص:۲۰۷

۷۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۹۱

۷۷۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۹۵

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ ایضاً؛ص:۹۶

۸۰۔ ایضاً؛ص:۹۷

۸۱۔ ایضاً؛ص ص:۹۹۔۹۸

۸۲۔ ایضاً؛ص:۹۹

۸۳۔ ایضاً؛ص:۹۵

۸۴ ایضاً

۸۵۔ "نقوش" (شخصیات نمبر۲)؛اکتوبر۱۹۵۶ء؛جلد:۶۰۔۵۹؛ص:۱۴۳۵

۸۶۔ ایضاً؛ص:۱۴۴۴

۸۷۔ ایضاً؛ص:۱۴۳۵

۸۸۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛محولہ بالا؛ص:۷۶۷

۸۹۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۷۳

۹۰۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛محولہ بالا؛ص ص:۷۶۸۔۷۶۷

۹۱۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۲۲۸

۹۲۔ ایضاً؛ص:۲۲۵

۹۳۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛محولہ بالا؛ص:۷۷۳

۹۴۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۷۸

۹۵۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۲۱

۹۶۔ امداد صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد اول)؛ص:۲۸۰

۹۷۔ ایضاً؛ص:۲۸۱

۹۸۔ ایضاً؛ص ص:۲۸۵۔۲۸۴

۹۹۔ ایضاً؛ص ص:۲۸۰۔۲۸۱

۱۰۰۔ ایضاً؛ص:۲۸۳

۱۰۱۔ ایضاً؛ص:۲۸۲

۱۰۲۔ حجازی؛بحولہ بالا؛ص:۱۰۵

۱۰۳۔ امداد صابری؛"اردو کے اخبار نویس" (جلد اول)؛صابری اکیڈمی، یونین پرنٹنگ پریس؛ص ص:۲۰۰۔۱۹۸

۱۰۴۔ حجازی؛بحولہ بالا؛ص:۹۸

۱۰۵۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد اول)؛بحولہ بالا؛ص ص:۵۰۱۔۵۰۰

۱۰۶۔ حجازی؛بحولہ بالا؛ص:۹۸

۱۰۷۔ طاہر مسعود،"محقق"؛جریدہ ابلاغ عامہ؛اپریل ۲۰۱۰ء؛شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی؛ص ص:۳۰۔۲۵

۱۰۸۔ خورشید؛بحولہ بالا؛ص:۱۲۰

۱۰۹۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد دوئم کا پہلا حصہ)؛بحولہ بالا؛ص:۳۵۲

۱۱۰۔ خورشید؛بحولہ بالا؛ص:۱۲۱

۱۱۱۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد دوئم کا پہلا حصہ)؛بحولہ بالا؛ص:۳۵۲

۱۱۲۔ ایضاً؛ص:۳۵۳

۱۱۳۔ ایضاً

۱۱۴۔ پروفیسر محمد یعقوب، پروفیسر محمد اسلم، محمد اظہر، محمد احمد؛"صحافت"؛عبداللہ برادرز؛ص:۳۴۱

۱۱۵۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد دوئم کا پہلا حصہ)؛بحولہ بالا؛ص:۳۶۰

۱۱۶۔ ایضاً؛ص:۳۸۳

۱۱۷۔ سدید؛بحولہ بالا؛ص:۳۹۔

۱۱۸۔ پروفیسر صفدر علی؛"جدید اردو صحافت"؛فاروق سنز، لاہور؛ص:۶۹

۱۱۹۔ یعقوب، اسلم، اظہر، احمد؛بحولہ بالا؛ص:۳۵۱

۱۲۰۔ علی؛بحولہ بالا؛ص:۳۲۴

۱۲۱۔ محمد افتخار کھوکھر؛"تاریخ صحافت"؛ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی؛سالِ اشاعت:۱۹۹۵ء؛ص ص:۸۴،۷۸

۱۲۲۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛بحولہ بالا؛ص:۵۹۵

۱۲۳۔ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛بحولہ بالا؛ص:۲۷۵

۱۲۴۔ ایضاً

۱۲۵۔ ایضاً؛ص:۲۷۶

۱۲۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۴۲

۱۲۷۔ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛محولہ بالا؛ص ص:۲۷۶۔۲۷۵

۱۲۸۔ شیخ محمد اکرام؛"شبلی نامہ۔ایک فنکار کی داستان حیات"؛تاج آفسٹ،محمد علی روڈ،بمبئی؛ص ص:۲۱۔۱۹،۳۷۔۳۴، ۴۷۔۴۹

۱۲۹۔ طاہر مسعود؛"بلند پایہ تحقیقی صحافت کے پیش رو۔مولوی عبدالحق"؛مشمولہ جرنلسٹ؛ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ ص:۵۲

۱۳۰۔ ایضاً

۱۳۱۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛محولہ بالا؛ص:۷۱۲

۱۳۲۔ مسعود؛محولہ بالا؛ص:۵۲

۱۳۳۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛محولہ بالا؛ص ص:۷۱۳۔۷۱۲

۱۳۴۔ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛محولہ بالا؛ص:۲۴۲

۱۳۵۔ ایضاً؛ص:۲۴۳

۱۳۶۔ "علی گڑھ منتھلی"؛جنوری ۱۹۰۴ء؛جلد:۲؛نمبر:۱؛ص:۲

۱۳۷۔ ایضاً

۱۳۸۔ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛محولہ بالا؛ص:۲۴۴

۱۳۹۔ "علی گڑھ منتھلی"؛محولہ بالا؛ص:۳

۱۴۰۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛محولہ بالا؛ص:۲۱۹

۱۴۱ مسعود؛"اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛محولہ بالا؛ص:۲۴۲

۱۴۲۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛محولہ بالا؛ص:۴۷۵

۱۴۳۔ ایضاً؛ص ص:۴۷۶۔۴۷۵

۱۴۴۔ ایضاً؛ص:۴۷۷

۱۴۵۔ ایضاً

۱۴۶۔ ایضاً؛ص:۷۸۴

۱۴۷۔ ایضاً

۱۴۸۔ محمدالدین فوق؛"اخبار نویسوں کے حالات"؛ رفاع عام اسٹیم پریس، لاہور؛ سال اشاعت: ۱۹۱۲ء؛ ص: ۸۱

۱۴۹۔ مسعود، "جرنلسٹ"؛ محولہ بالا؛ ص: ۶۰

۱۵۰۔ ایضاً

۱۵۱۔ ایضاً

۱۵۲۔ ایضاً؛ ص: ۶۱

۱۵۳۔ ایضاً؛ ص ص: ۶۲۔۶۱

۱۵۴۔ ایضاً؛ ص: ۶۱

۱۵۵۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۳۰

۱۵۶۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۰۸

۱۵۷ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۲۳۲۔۲۳۱

۱۵۸۔ ایضاً؛ ص: ۲۳۳

۱۵۹۔۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۲۰۸۔۲۰۷

۱۶۰۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۳۲

۱۶۱۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۱۰

۱۶۲۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۲۶۹۔۲۶۸

۱۶۳۔ فوق؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۸۵۔۸۴

۱۶۴۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص: ۳۵۵

۱۶۵۔ ایضاً

۱۶۶۔ ایضاً؛ ص ص: ۳۵۶۔۳۵۵

۱۶۷۔ ایضاً؛ ص: ۳۵۸

۱۶۸۔ ایضاً؛ ص: ۳۵۹

۱۶۹۔ ایضاً؛ ص: ۳۹۳

۱۷۰۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۶۰۔۵۹

۱۷۱۔ ایضاً؛ ص: ۶۰

۱۷۲۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۳۹۵۔۳۹۲

۱۷۳۔ ایضاً؛ ص ص: ۳۹۶۔۳۹۵

۱۷۴۔ ایضاً؛ص:۳۹۵

۱۷۵۔ ڈاکٹر شفیق جالندھری؛"صحافت اور ابلاغ"؛اے ون پبلشرز، لاہور؛ص ص:۲۰۳۔۲۰۲

۱۷۶۔ فوق؛بحولہ بالا؛ص ص:۸۳۔۸۲

۱۷۷۔ کھوکھر؛بحولہ بالا؛ص ص:۹۲۔۹۱

۱۷۸۔ فوق؛بحولہ بالا؛ص ص:۸۳۔۸۲

۱۷۹۔ ایضاً

۱۸۰۔ کھوکھر؛بحولہ بالا؛ص ص:۹۴۔۹۳

۱۸۱۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛بحولہ بالا؛ص:۴۶۴

۱۸۲۔ ایضاً

۱۸۳۔ ایضاً؛ص:۴۶۵

۱۸۴۔ ایضاً؛ص:۴۶۷

۱۸۵۔ عابد رضا بیدار؛"اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار"؛ رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز؛ یونین پرنٹنگ پریس، دہلی؛ سال اشاعت:۱۹۶۹؛ص:۱۵۱

۱۸۶۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم)؛بحولہ بالا؛ص:۴۶۹

۱۸۷۔ کھوکھر؛بحولہ بالا؛ص:۹۴

۱۸۸۔ فوق؛بحولہ بالا؛ص ص:۲۵۔۲۴

۱۸۹۔ کھوکھر؛بحولہ بالا؛ص ص:۹۷۔۹۶

۱۹۰۔ ایضاً؛ص ص:۹۹۔۹۸

۱۹۱۔ ایضاً؛ص:۱۰۰

۱۹۲۔ "الہلال"؛۱۳رجولائی ۱۹۱۲ء؛جلد:۱؛نمبر:۱؛ص:۱۸

۱۹۳۔ خورشید؛بحولہ بالا؛ص:۲۱۰

۱۹۴۔ "الہلال"؛۲۰رجولائی ۱۹۱۲ء؛ص:۴۲

۱۹۵۔ "الہلال"؛۱۳رجولائی ۱۹۱۲ء؛بحولہ بالا؛ص ص:۲۰۔۱۹

۱۹۶۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛بحولہ بالا؛ص:۱۶۶

۱۹۷۔ خورشید؛بحولہ بالا؛ص:۲۰۹

۱۹۸۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو" (جلد پنجم)؛بحولہ بالا؛ص:۲۴۶

۱۹۹۔ "الہلال"؛ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۲ء؛ جلد:۱؛ ص:۲۹۱

۲۰۰۔ کھوکھر؛ محولہ بالا؛ ص:۸۵

۲۰۱۔ مسعود؛ "جرنلسٹ"؛ محولہ بالا؛ ص ص:۶۱۔۶۰

۲۰۲۔ کھوکھر؛ محولہ بالا؛ ص ص:۹۱، ۷۶

۲۰۳۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۳۰۲

۲۰۴۔ ڈاکٹر نسیم آراء؛ "اردو صحافت کے ارتقاء میں خواتین کا حصہ"؛ انجمن ترقی اردو پاکستان؛ سال اشاعت: ۲۰۰۸ء؛ ص:۸۷

۲۰۵۔ "جرنلسٹ"؛ محولہ بالا؛ ص:۳۷

۲۰۶۔ نسیم آراء؛ محولہ بالا؛ ص:۱۲۵

۲۰۷۔ "جرنلسٹ"؛ محولہ بالا؛ ص:۳۷

۲۰۸۔ ایضاً

۲۰۹۔ نسیم آراء؛ محولہ بالا؛ ص ص:۱۴۶۔۱۴۵

۲۱۰۔ ایضاً؛ ص:۱۴۶

۲۱۱۔ ایضاً؛ ص:۱۴۷

۲۱۲۔ ایضاً؛ ص:۱۴۶

۲۱۳۔ ایضاً؛ ص ص:۱۴۷۔۱۴۶

۲۱۴۔ ایضاً؛ ص ص:۱۴۸۔۱۴۷

۲۱۵۔ ایضاً؛ ص:۱۴۹

۲۱۶۔ ایضاً؛ ص:۱۵۱

۲۱۷۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص:۹۸

۲۱۸۔ ایضاً؛ ص:۹۹

۲۱۹۔ رفیعہ تاج؛ "مولوی محبوب عالم۔ شخصیت اور صحافتی خدمات"؛ مشمولہ "جرنلسٹ"؛ محولہ بالا؛ ص:۳۶

۲۲۰۔ مسعود؛ "اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ"؛ محولہ بالا؛ ص:۹۹

۲۲۱۔ "انتخاب لاجواب"؛ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۶ء؛ ص:۱۰

۲۲۲۔ صابری؛ "تاریخ صحافت اردو" (جلد سوئم)؛ محولہ بالا؛ ص:۱۵۰

۲۲۳۔ ایضاً

۲۲۴۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۱۱۳

۲۲۵۔ صابری؛"تاریخ صحافت اردو"(جلد پنجم)؛محولہ بالا؛ص:۴۰۹

۲۲۶۔صابری؛"تاریخ صحافت اردو"(جلد سوئم)؛محولہ بالا؛ص:۳۶۱

۲۲۷۔ایضاً؛ص:۴۲۲

۲۲۸۔ایضاً؛ص:۵۹۹

تیسرا باب: مجلاتی صحافت کا پس منظر (قیامِ پاکستان کے فوراً بعد):

مجلاتی صحافت (ہفت روزے، پندرہ روزے، ماہنامے، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ رسائل و جرائد) کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ یہ افراد کی ذہنی بالیدگی، فکر و عمل کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کے ضمن میں جزو لاینفک کا درجہ رکھتے ہیں۔ عظمیٰ فرخ اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

"رسالے غور و فکر کی قوت کو ترقی دیتے اور بڑی تحریکوں کو جنم دیتے ہیں جبکہ اخبار رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور رسائل اہلِ فکر اور اہل الرائے کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اِسی لئے دنیا بھر میں رسالوں نے علم و ادب کے مستقل اثرات کے ذریعے معاشرے کو ہمیشہ متاثر کیا ہے اور دنیا کے بڑے ذہنی انقلابات رسالوں ہی کے مرہونِ منت ہیں"۔ ۱

۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی نعمت سے سرفراز ہونے والے وطنِ عزیز پاکستان میں، اپنے قیام کے بعد رسائل و جرائد کا معیار کیا رہا؟ یہ عوام میں مقبول ہوئے یا نہیں؟ معاشرے میں اِن کی بدولت کس قسم کے رجحانات کا فروغ ہوا؟ اِن رسائل و جرائد کی بدولت معاشرے میں کس قسم کے اثرات سرایت پذیر ہوئے؟ لحہ بہ لحہ بدلتی سیاسی صورتِ حال اور آزادیٔ اظہار پر لگائی جانے والی قدغنوں کے باعث اِن رسائل و جرائد پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ یہ وہ تمام سوالات ہیں جو ہر عہد میں وقتاً فوقتاً اٹھائے جاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اٹھائے جاتے رہیں گے۔

زیرِ نظر باب میں قیامِ پاکستان کے فوراً بعد مجلاتی صحافت کا منظر نامہ جاننے کیلئے ابتدائی دس سال یعنی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک کا عرصہ چنا گیا ہے اور اِس عرصے میں مملکت خداداد میں پروان چڑھنے والی مجلاتی صحافت اور اُس پر اثر انداز ہونے والے عوامل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تقسیم کے بعد پاکستانی صحافت کی صورتحال:

ہندوؤں اور انگریزوں کی خواہشات کے برخلاف جب ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء پاکستان وجود میں آیا تو ایک نوزائیدہ مملکت کی حیثیت سے اِسے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ محمد افتخار کھوکھر "تاریخ صحافت" میں رقم طراز ہیں:

"پاکستان وجود میں آیا تو جہاں دوسرے تمام شعبوں میں وسائل کی عدم دستیابی مسئلہ تھا۔ وہیں صحافت کے میدان میں بھی تہی دامن تھا۔ مشرقی، مغربی پاکستان میں مسلمانوں کے اخبارات و رسائل کی تعداد کو انگلیوں پر گنا جاسکتا تھا۔ ہندو، لاہور اور دوسرے اہم شہروں سے اپنے اخبارات و رسائل ہندوستان لے گئے"۔ ۲

اِس طرح پاکستانی صحافت برصغیر کی تقسیم کے موقع پر ہونے والی بدترین خون ریزی اور املاک کی تباہی کے جلو میں ظاہر ہوئی۔ پھر فوراً ہی مختلف النوع مملکتی مسائل نے صحافت کا رخ اپنی طرف موڑ لیا، جن میں نئی حکومت کے انتظامی اُمور،

لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ، نہری پانی اور بجلی کی بندش، پاکستان و بھارت کے درمیان فوجی وغیر فوجی اثاثوں کی تقسیم، ہندوؤں کے انخلاء کا معاملہ اور اِسی قسم کے دیگر اور مسائل بھی تھے، جو پاکستانی حکمرانوں کو مضمحل کیے دے رہے تھے کہ بھارت نے اِس نوزائیدہ ریاست پر کشمیر کی جنگ بھی مسلط کر دی اور اِس کے ساتھ ہی پاکستان میں شمولیت کی خواہش مند جوناگڑھ، سانگرول اور گرداس پور کی ریاستوں کو بھی ہڑپ کر لیا۔ مزید برآں دوسری طرف مشرقی پاکستان میں علاقائی عصبیت کا زہر گھولنا شروع کر دیا۔۴ے

یہ حقیقت ہے کہ ادب وصحافت کی بہتر اور صحت مند نشوونما، امن وسکون کی متقاضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خون ریزی، فساد اور خانہ جنگی کے اِس دور نے جہاں اربابِ اقتدار کو مشکل میں ڈال دیا۔ وہیں صحافت وادب کے رکھوالوں سے بھی اُن کے نرم ونازک احساسات والفاظ کو چھین کر انہیں ایسا ادب تخلیق کرنے پر مجبور کر دیا، جو اُس دور کا عکاس اور سراسر فسادات وابتدائی دور کی مشکلات پر مشتمل تھا۔ رسائل وجرائد کے ضمن میں بھی اُس دور میں جتنا کام سامنے آتا ہے وہ اِن ہی موضوعات سے پُر ہے۔

قیامِ پاکستان کے وقت پریس کی صورتحال:

پاکستان جب وجود میں آیا تو یہاں شرح خواندگی انتہائی کم تھی۔ ۱۰۰ ملین کی آبادی میں ۸۰ فیصد افراد ناخواندہ تھے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی کُل آبادی کا صرف ۱۳٫۸ فیصد حصہ خواندہ تھا اور اُن میں بھی اکثریتی تعداد اُن لوگوں کی تھی جو صرف اپنا دستخط کرنا جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی پریس کی صورتحال بھی اُس وقت ہرگز قابل رشک نہ تھی۔ تقسیم کے بعد پاکستان کے حصے میں جو صحافتی اثاثہ واملاک آیا وہ ہرگز تسلی بخش نہ تھا۔ ذرائع ابلاغ انتہائی پسماندہ تھے اور چھاپہ خانوں میں چھپائی کی مطلوبہ سہولیات میسر نہ تھیں جبکہ یہاں موجود اخباروں کی تعداد بھی بہ مشکل ایک ہزار تھی۔۵ے

تقسیم کے بعد اُردو رسائل وجرائد کی صورتحال:

قیامِ پاکستان کے بعد لاہور اُردو رسائل وجرائد کے سب سے بڑے مرکز کے طور پر سامنے آیا۔ آزادی کے بعد ہندوؤں اور دیگر جماعتوں کے رسائل وجرائد یا تو بند ہو گئے یا پھر بھارت منتقل ہو گئے۔ اِسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود کئی رسائل وجرائد نے اپنے مدیران کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی۔ اُس زمانے میں لاہور کی ثقافتی وادبی حیثیت کے مطابق یہاں سے بیشتر ادبی رسائل و جرائد ہی شائع ہوتے تھے۔ جن میں "ادب دنیا"، "ادبی لطیف"، "عالمگیر"، "خیالستان"، "نیرنگِ خیال"، "رومان"، "شاہکار" اور "ہمایوں" جانے پہچانے ادبی رسائل تھے، جو آزادی سے قبل اور بعد میں بھی لاہور سے جاری ہوتے تھے۔ پٹھان کوٹ سے لاہور منتقل ہونے والا "ترجمان القران" ایک مذہبی

ماہنامہ تھا، جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ ایک اور مذہبی پرچہ جو اُس وقت پاکستان سے نکلتا تھا، اُس کا نام "اشاعتِ اسلام" تھا۔ "الطبیب"، "یونانی طب"، اور "ڈاکٹر"، ہومیو پیتھک طریقۂ علاج کی ترجمانی کرنے والے ماہنامے تھے۔ خواتین میں مقبول ماہنامے "سہیلی" اور "زیب النساء" بھی لاہور سے شائع ہوتے تھے۔ فلمی دنیا کی معلومات کے حوالے سے جاری ہونے والے پرچے کا نام "فلمستان" تھا، جبکہ کھیلوں اور تعلیم کے حوالے سے جاری ہونے والے رسائل بالترتیب "اسپورٹس" اور "ناشر العلوم" تھے۔ سرحد میں ایک نیم ادبی و نیم سیاسی ماہنامہ "سفیرِ سخن" کے نام سے پشاور سے جاری ہوتا تھا، جبکہ آزادی کے وقت سندھ اور بلوچستان سے کسی اُردو ماہنامے کا سراغ نہیں ملتا۔[6]

صحافتی صدر مقام کی تبدیلی:

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اُردو کی جرائدی صحافت کا سب سے بڑا مرکز لاہور ہی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں تقریباً 28 رسائل و جرائد ایسے تھے جو پہلے سے لاہور سے نکل رہے تھے، جن میں چار ہفت روزے، دو پندرہ روزے، انیس ماہنامے، ایک ششماہی اور دو سالنامے شامل تھے۔[7]

لیکن چونکہ پاکستان کے شہروں میں کراچی ایسا شہر تھا، جہاں ہجرت کرنے والے بڑی تعداد میں آکر مقیم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت سے نقل مکانی کرنے والے دانشوروں اور ادیبوں کی بھی ایک بڑی تعداد نے شہر کراچی کو اپنا مسکن بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کراچی جہاں سے آزادی کے وقت کسی رسالے کی موجودگی کا سراغ نہیں ملتا تھا، لاہور پر سبقت لے گیا اور اتنی بڑی تعداد میں نئے رسائل و جرائد کے اجراء کے باعث کراچی نئے صحافتی صدر مقام کے طور پر سامنے آیا۔

تقسیم کے بعد اُردو رسائل کے مضامین:

صحافی ہو یا ادیب، اُس کا قلم ہمیشہ وہ لکھتا ہے جو وہ دیکھتا ہے، سوچتا ہے یا محسوس کرتا ہے اور تقسیم کے بعد ہمارے ادیب اور صحافی نے بھی وہی لکھا، جو اُس نے محسوس کیا اور اُس دور کے رسائل و جرائد کے مطالعے سے صحافی و ادیب کے اُس وقت کے احساسات کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ شمشیر خان اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

" تقسیم کے بعد اُردو رسائل کا اگر جائزہ لیا جائے تو اُن رسائل کے مضامین میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ تقسیم سے پہلے ادیب کے سوچنے کا انداز مختلف تھا وہ حصول آزادی کے جذبے سے سرشار تھا آزادی کے بعد اُس کی فکر بدل جاتی ہے، اُس کی سوچ کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ برِ صغیر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور یہ تقسیم صرف زمین کی تقسیم نہیں بلکہ نظریات و عقائد کی تقسیم بھی ہے اور ماحول کی تبدیلی بھی۔ یہ تقسیم دو بڑی تہذیبوں کی تقسیم بھی ہے۔ یہ ماحول کی تبدیلی، نظریات و عقائد کی تقسیم اور تہذیب کی تقسیم، ادیب کے ذہن کو بھی متاثر کرتی ہے اور اِس کا اثر اُس کی تخلیق پر پڑتا ہے۔ اگر اِن تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا ہو تو اُردو رسائل کا جائزہ لینا ہوگا۔[8]

ابتدائی گیارہ سالوں (۱۹۵۸ء۔۱۹۴۷ء) کے دوران پاکستان کی مجلّاتی صحافت:

پاکستان جب وجود میں آیا، تو اُس وقت پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں سے شائع ہونے والے رسائل و جرائد کی تعداد کو انگلیوں پر گنا جاسکتا تھا لیکن جمہوری حکومتوں کے ابتدائی گیارہ سالہ دور میں پاکستان کی مجلّاتی صحافت ایک نئے روپ میں سامنے آئی اور بے شمار نئے رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔

ابتدائی گیارہ سالوں میں مجموعی طور پر ۳۴۹ رسائل و جرائد نکلے، گویا سالانہ اوسط لگ بھگ ۲۹ رسائل و جرائد کی رہی۔ جن میں ۱۳ سالنامے، ۲ ششماہی، ۱۶ سہ ماہی، ۳ دو ماہی، ۲۲۹ ماہنامے، ۲۱ پندرہ روزے، ۴۴ ہفت روزے اور ۱ سہ روزہ شامل تھا۔9

کراچی سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد:

ابتدائی گیارہ سالوں (۵۸۔۱۹۴۷ء) میں کراچی سے کل ۱۴۲ رسائل و جرائد نکل رہے تھے، جن میں ۸ سالنامے، ۱۰ سہ ماہی، ۲ دو ماہی، ۱۰۶ ماہنامے، ۷ پندرہ روزہ اور ۹ ہفت روزہ تھے۔

رسائل و جرائد کے ضمن میں کراچی بلکہ پورے پاکستان سے سب سے زیادہ ماہنامے ہی شائع ہوئے۔ جن میں اہم "معاشیات"، "نقاد" (۱۹۴۷)، "پیامِ سحر"، "ساقی"، "ماہِ نو (۱۹۴۸ء)"، "نیا دور (۱۹۴۹ء)"، "آرزو"، "افکار"، "جامِ نو"، "محفل"، "نقش (۱۹۵۱ء)"، "مہرِ نیمروز" (۱۹۵۲ء)، "فاران" (۱۹۵۳ء)، "جائزہ"، "شعور"، نیا راہی" (۱۹۵۷ء)، "انجمن اسلامیہ میگزین"، "سوغات" اور "نگارش" (۱۹۵۸ء) ہیں۔ اِن ماہناموں میں "معاشیات" علمی، "نقاد" نیم ادبی و نیم سیاسی، "نیا دور"، "آرزو"، "افکار"، "جامِ نو"، "محفل"، "نقش"، مہرِ نیمروز"، اور "فاران" ادبی ماہنامے تھے۔ اِس کے علاوہ "تاج" نامی ایک تصوفی اور "فانوس" نامی ایک ثقافتی ماہنامے کے اجراء کے بھی شواہد ملتے ہیں۔

رسائل و جرائد میں ماہناموں کے بعد ہفت روزوں کا درجہ آتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے پہلے سال یعنی ۱۹۴۷ء میں کراچی میں کوئی ہفت روزہ موجود نہ تھا، لیکن ابتدائی گیارہ سالوں میں صورتحال یکسر بدل گئی اور کراچی سے ۹ ہفت روزوں کا اجراء ہوا، لیکن کوئی بھی ہفت روزہ ملک گیر سطح پر توجہ حاصل نہ کر سکا۔

ابتدائی گیارہ سالوں میں کراچی سے ۷ پندرہ روزہ رسالوں کا اجراء ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ریڈیو پاکستان کے ترجمان کے طور پر محشر بدایونی نے پندرہ روزہ "آہنگ"، حافظ عبد القدر اور عبد القادر حسینی نے ترجمان جمعیت اہلحدیث کے طور پر پندرہ روزہ "الارشاد جدید" اور ف۔م ساقی نے پندرہ روزہ "ساغر" جاری کیا۔ ۱۹۵۲ء میں احمد عبداللہ المسدوسی نے "الشرق" اور ۱۹۵۳ء میں پندرہ روزہ "الاسلام" کا اجراء ہوا۔

قیامِ پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں میں سہ ماہی جرائد سب سے زیادہ کراچی سے جاری ہوئے، جن کی تعداد مجموعی طور پر ۱۰ تھی۔ جن میں "اُردو" اور "نیا دور" (۱۹۶۹)، "العلم"، "تاریخ وسیاست" اور "جامِ نو" (۱۹۵۱ء) اور میجر آفتاب حسن کا "جدید سائنس" (۱۹۵۳ء) قابلِ ذکر ہیں۔

ابتدائی گیارہ سالوں میں کراچی سے محض ۲ دو ماہی جریدے شائع ہوئے، جو یقینی طور پر دو ماہی دورانیے کے معیار پر پورا نہیں اترتے تھے، جبکہ سالناموں کے ضمن میں کراچی سے ۸ سالناموں کا اجراء ہوا، جن میں اُردو کالج کراچی کا "برگ گل" قابل ذکر ہے۔ سالنامے بالعموم تعلیمی اداروں کے زیرِ اہتمام ہی شائع کئے گئے۔۹۱

<u>لاہور سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد :</u>

قیامِ پاکستان کے وقت لاہور کو پاکستان کے صحافتی مرکز کا درجہ حاصل تھا اور بیش تر رسائل و جرائد کا اجراء یہیں سے ہو رہا تھا، لیکن ابتدائی گیارہ سالوں (۵۸ـ۱۹۴۷ء) میں صورتحال تبدیل ہوگئی اور کراچی پاکستان کے صحافتی مرکز کے طور پر سامنے آیا۔

ابتدائی سالوں میں لاہور سے کُل ۱۳۶ رسائل و جرائد منظرِ عام پر آئے جن میں ۲ سالنامے، ۲ ششماہی، ۳ سہ ماہی، ۱ دو ماہی، ۱۰۴ ماہنامے، ۸ پندرہ روزے اور ۲۶ ہفت روزے شامل تھے۔

قیامِ پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں میں لاہور سے جو قابلِ ذکر ماہنامے جاری ہوئے، ان میں فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی کی مشترکہ ادارت میں جاری ہونے والا ماہنامہ "سحر" (۱۹۴۷ء)، ظہیر کاشمیری کا "جاوید" (۱۹۴۸ء)، محمد طفیل کا "نقوش" (۱۹۴۸ء)، "بچوں کی دنیا (۱۹۴۸ء)"، سعادت حسن منٹو کا "اُردو ادب" (۱۹۴۹ء)، "آداب عرض" (۱۹۵۰ء)، "الحمرا" (۱۹۵۱ء)، "بیسویں صدی"، "ثقافت" اور طفیل ہوشیار پوری کا "محفل" (۱۹۵۲ء)، ڈاکٹر اسرار احمد کا "میثاق" (۱۹۵۳ء)، بیگم زمانی عالمگیر کا "عکس نو" (۱۹۵۵ءِ) "بانو"، "بتول" اور انتظار حسین کا "خیال" (۱۹۵۷ء) اور اشفاق احمد کا "داستان گو" (۱۹۵۸ء) قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سب بڑے اور قابل ذکر علمی، دینی، ادبی اور ثقافتی ماہنامے تھے۔ اُس دور میں طب، صحت اور زراعت جیسے موضوعات پر بھی ماہنامے جاری ہوئے۔

قیامِ پاکستان کے پہلے سال یعنی ۱۹۴۷ء میں لاہور سے پانچ ہفت روزے نکل رہے تھے۔ اِن پانچ ہفت روزوں میں سے چار وہ تھے جو آزادی سے قبل لاہور سے جاری ہوئے تھے۔ اِن میں "قندیل" (۱۹۳۰ء) "عالمگیر" (۱۹۳۴ء)، "رضا کار" (۱۹۳۷ء) اور "شیعہ" (۱۹۲۳ء) شامل تھے، جبکہ سال ۱۹۴۷ء میں لاہور سے ایک ہفت روزہ "چٹان" کا اجراء ہوا۔ ابتدائی گیارہ سالوں کے اختتام پر لاہور سے کُل ۲۶ ہفت روزوں کا اجراء ہو رہا تھا۔

لاہور سے ۱۹۴۷ء میں ہفت روزہ "چٹان" کے بعد ایک اہم ہفت روزہ "لیل و نہار" ۱۹۵۰ء میں جاری ہوا۔ ہفت روزہ "شہاب" ۱۹۵۱ء میں جاری ہوا۔ اِسی سال "چٹان" کی بندش کے باعث شورش کاشمیری نے ایک متبادل ہفت روزہ "عادل" جاری کیا۔ غلام جیلانی کی ادارت میں نکلنے والا سیاسی و فکری ہفت روزہ "ایشیا" کا اجرا ۱۹۵۲ء میں ہوا، جبکہ نیم مذہبی و نیم سیاسی ہفت روزے "الاعتصام" اور "خدام الدین" کا اجراء ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں لاہور ہی سے ہفت روزہ

"ترجمان الاسلام" نکلا۔ "الاعتصام"، "خدام الدین" اور "ترجمان الاسلام"، انجمن خدام الدین کے ترجمان دینی اور سیاسی پرچے تھے۔ "ایشیا" اور "شہاب" جماعتِ اسلامی کے مکتبۂ فکر کے ترجمان تھے۔ "چٹان" آزاد خیال سیاسی پرچہ تھا، تاہم مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے اثرات کے تحت یہ احراری سیاسی فکر اور دینی رجحان کا حامل تھا۔ ابتدائی گیارہ سالوں میں شائع ہونے والے ہفت روزوں میں سب سے خوبصورت پروگریسیو پیپرز لمیٹڈ کا جریدہ "لیل و نہار" تھا۔ جو امریکی ہفت روزے "ٹائم" کی نقل معلوم ہوتا تھا اور ایک ترقی پسند علمی مزاج والا سیاسی و ادبی پرچہ تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ابتدائی گیارہ سالوں میں پندرہ روزہ رسائل کے اجراء کے ضمن میں بھی لاہور سرِ فہرست تھا جہاں سے ۸ پندرہ روزے جاری ہوئے۔ "امداد باہمی" اور "ہدایت" نامی پندرہ روزے قیامِ پاکستان سے قبل بالترتیب ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۷ء میں جاری ہوئے اور پاکستان قائم ہونے کے بعد بھی جاری رہے۔ برطانوی سفارت خانے کے شعبۂ اطلاعات کی جانب سے ۱۹۵۶ء میں پندرہ روزہ "اطفال" جاری کیا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں "سوادِ اعظم" منظرِ عام پر آیا اور ۱۹۵۳ء میں "المنتظر" اور "نیا پیام" کا اجراء ہوا۔

اِس عرصے میں لاہور سے تین اہم سہ ماہی جریدے "سویرا" (۱۹۶۹ء)، "اقبال" (۱۹۵۳ء) اور مجلس ترقی ادب کا "صحیفہ" (۱۹۵۷ء) جاری ہوئے۔

دو ماہی جریدوں کے ضمن میں لاہور سے ۱۹۵۶ء میں ایک اہم دو ماہی جریدہ "مغربی پاکستان گائیڈ" جاری ہوا۔ اُس زمانے میں دو ششماہی جریدے جاری ہوئے اور دونوں کا اجراء لاہور سے ہوا۔ اِن میں پہلا جریدہ ۱۹۴۵ء میں جاری ہونے والا "پنجابی کاشتکار" تھا جو آزادی کے بعد بھی لاہور سے شائع ہوتا رہا جبکہ دوسرا ششماہی جریدہ "فاران" تھا، جو مشتاق باسط نے ۱۹۵۸ء میں انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں جاری کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ابتدائی سالوں میں لاہور سے بیشتر سالنامے بھی نکلے، جو زیادہ تعلیمی اداروں کی جانب سے شائع ہوئے۔[11]

اسلام آباد/ راولپنڈی سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد:

پاکستان کے قیام کے ابتدائی گیارہ سالوں (۱۹۴۷ء۔۵۸) تک اسلام آباد شہر منظرِ عام پر نہیں آیا تھا، لیکن اُس سے متصل راولپنڈی شہر رسائل و جرائد کے ضمن میں اہم مقام رکھتا تھا۔ اُس زمانے میں راولپنڈی سے ۱۲ ماہنامے، ۲ سہ ماہی، ۲ ہفت روزے اور ۱ سالنامے کے اجراء کے شواہد ملتے ہیں۔ اِس طرح اُس زمانے میں راولپنڈی سے کُل ۱۷ رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔ ۱۹۴۷ء تک راولپنڈی سے کوئی ماہنامہ نہیں نکلتا تھا۔ سال ۱۹۴۸ء میں ایک مسیحی مشن کی جانب سے "اچھا چرواہا" نامی ایک ماہنامہ جاری ہوا۔ اگلے ہی برس یعنی ۱۹۴۸ء میں انجمن فیض الاسلام کی طرف سے ماہنامہ "فیض الاسلام" اور ایک سائنسی و ادبی ماہنامہ "طلوعِ سحر" کا اجراء ہوا۔ ۱۹۵۱ء میں حافظ انوار الحق حقی کا ماہنامہ "قوم"، ۱۹۵۲ء

میں دینی ماہنامہ "رابطہ قرآن" اور ادبی ماہنامہ "راول کرانیکل"، ۱۹۵۳ء میں ماہنامہ "سالک"، ۱۹۵۶ء میں "ثبات"، "چمن"، "تندرستی"، "نیو دہلی" اور ۱۹۵۷ء میں دینی ماہنامہ "القرآن" راولپنڈی سے جاری کیا گیا۔

قیامِ پاکستان کے وقت راولپنڈی شہر میں کوئی ہفت روزہ جاری نہیں ہوتا تھا، تاہم ابتدائی گیارہ سالوں میں ہی صورتحال تبدیل ہوئی اور راولپنڈی سے دو ہفت روزوں کا اجراء ہوا لیکن یہ ہفت روزے علاقائی اور مقامی حیثیت کے ہی رہے اور کوئی بھی ہفت روزہ ملک گیر توجہ نہ پا سکا۔

سہ ماہی جرائد کے ضمن میں راولپنڈی سے ابتدائی گیارہ سالوں میں دو جرائد کی ابتداء ہوئی جن میں ۱۹۵۸ء میں صفیہ شمیم ملیح آبادی کا وسیع ادبی سہ ماہی جریدہ "صبح نو" اہم ہے۔ اِسی طرح راولپنڈی سے ۵۸۔۱۹۴۷ء کے دوران ایک سالنامے کے اجراء کے بھی شواہد ملتے ہیں۔[۱۲]

کوئٹہ سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد:

۵۸۔۱۹۴۷ء کے دوران کوئٹہ شہر سے کُل ۳۴ رسائل و جرائد منظر عام پر آئے جن میں ۲۴ ہفت روزے، ۴ پندرہ روزے، ۳ ماہنامے، ۲ سالنامے اور ۱ سہ ماہی شامل ہیں۔

اِس طرح اُس زمانے میں سب سے زیادہ ہفت روزے کوئٹہ سے ہی جاری کئے گئے۔ قیامِ پاکستان کے پہلے سال یعنی ۱۹۴۷ء میں کوئٹہ سے تین ہفت روزے نکل رہے تھے اور ۱۹۵۸ء تک اُن کی تعداد ۲۴ ہوگئی اور کوئٹہ باقی تمام مراکزِ صحافت پر سبقت لے گیا، تاہم اِن میں کوئی بھی ہفت روزہ ملکی سطح پر پذیرائی حاصل نہ کر سکا اور سب مقامی اور علاقائی سطح پر ہی مقبول و معروف ہوئے۔

اُس دور میں کوئٹہ سے تین ماہنامے جاری ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں پہلا ماہنامہ "معلم"، ۱۹۵۱ء میں دوسرا ماہنامہ "بچوں کا شاہین" اور ۱۹۵۲ء میں تیسرا ماہنامہ "شاہین" منظرِ عام پر آیا۔

قیامِ پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں کے دوران کوئٹہ سے ۱۹۴۸ء میں "رہبرِ نسواں"، ۱۹۵۰ء میں "کارواں"، ۱۹۵۱ میں "کوہسار" اور ۱۹۵۷ میں "غازی" کے نام سے چار پندرہ روزے نکالے گئے، جبکہ سہ ماہی اور سالناموں کے ضمن میں بالترتیب ۱ اور ۲ جرائد کا اُس زمانے میں کوئٹہ سے اجراء ہوا۔[۱۳]

پشاور سے جاری ہونے والے رسائل و جرائد:

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء کے دوران پشاور شہر سے کُل ۲۰ رسائل و جرائد سامنے آئے، جن میں ۱۳ ہفت روزے، ۴ ماہنامے، ۲ پندرہ روزے اور ۱ سہ روزہ رسالہ شامل ہے۔

قیامِ پاکستان کے پہلے سال یعنی ۱۹۴۷ء میں پشاور سے کُل پانچ ہفت روزوں کا اجراء ہورہا تھا اور یہ ہفت روزے بھی آزادی سے قبل جاری ہونے والے پرچے تھے۔ "ترجمانِ سرحد ۱۹۳۳ء" سے، "الفلاح ۱۹۳۸" سے، "ترجمانِ افغان" اور "الجمعیت سرحد" ۱۹۴۲ء سے اور "دوسرا سرحد" ۱۹۴۵ء سے نکل رہے تھے، تاہم ۱۹۵۸ء تک پشاور نے کوئٹہ اور لاہور کے بعد تیسرا مقام حاصل کرلیا اور یہاں سے ۱۳ ہفت روزوں کا اجراء ہو رہا تھا۔

۵۸۔۱۹۴۷ء کے دوران صوبہ سرحد میں پشاور سے ۴ ماہناموں کا اجراء ہوا۔ جن میں "سنگِ میل" (۱۹۴۸ء)، "نغمۂ حیات" (۱۹۴۸ء)، "زندگی" (۱۹۵۳ء) اور "الحسن" (۱۹۵۵ء) شامل تھے۔ "سنگِ میل" ایک ادبی ماہنامہ تھا اور خدیجہ مستور بھی کچھ عرصے تک اِس کی مدیرہ رہ چکی ہیں۔ یہ ماہنامہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔ ماہنامہ "زندگی" کا اجراء کمال حیدرآبادی نے کیا۔ غالبًا اِسی سال پشاور سے ایک اور ماہنامہ "دیدہ ور" بھی جاری ہوا، تاہم اِس ماہنامے کے بارے میں کوئی حتمی شواہد نہیں ملتے۔

ابتدائی گیارہ سالوں میں پشاور سے ۲ پندرہ روزے جاری ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں "کاروانِ سرحد" اور ۱۹۶۹ء میں "اطلاعاتِ سرحد" نامی پندرہ روزہ صوبۂ سرحد کے ترجمان ثابت ہوئے۔[14]

قیامِ پاکستان کے فوری بعد ملکی سیاست کا منظر نامہ اور مجلاتی صحافت پر اس کے اثرات:

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو ظہور پذیر ہونے والی مملکتِ خداداد، اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ابتداء سے ہی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً ابتدائی دس گیارہ سال، جو کسی بھی نوزائیدہ مملکت کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کیلئے بنیاد فراہم کرتے ہیں، سیاسی بدعنوانیوں اور کشمکش کی ہی نذر ہو گئے۔

"اِس گیارہ سالہ دور کے پہلے حصہ میں نئی ریاست کو دو المیوں سے دوچار ہونا پڑا، جس کے نتائج بہت دوررَس تھے۔ بابائے قوم وفات پاچکے تھے اور پہلے وزیرِاعظم لیاقت علی خان کو قتل کیا جاچکا تھا۔ تب بعض افراد پر مشتمل ایک مکارو چالاک گروہ (اسکندر مرزا، غلام محمد، چوہدری محمد علی) اقتدار کا مالک بن گیا۔ جبکہ صوبوں میں گروہی چپقلشیں انتشار پیدا کرتی رہیں۔ اِس عرصے میں اقتدار کے جھوٹے، مالدار اور بااثر طبقوں کی برپا کی ہوئی طوائف الملوکی کا معمول رہا۔ جب عوام کے پیٹھ پیچھے یہ شرمناک ڈرامہ رچایا جارہا تھا تو ایک منصوبہ بند جنرل (ایوب خان) سازش کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کے لئے موزوں وقت کے انتظار میں تھا۔"[15]

جب ریاست کے سیاسی محاذ پر مکروفریب اور سازشوں کے اتنے جال بنے ہوئے ہوں، تو ریاست کا چوتھا ستون یعنی "صحافت" اِس شکنجہ میں پھنسے بغیر کیسے رہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ملک کے غیر منظم اور غیر اخلاقی سیاسی ماحول میں صحت مند، ذمہ دار اور بردبار صحافت کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔

پریس کمیشن نے اُس زمانے کے حالات کی تصویر کشی اِس طرح کی: "قومی صحافت، قومی سیاست کا آئینہ ہوتی ہے، لہذا ملک کی سیاست ملک کی صحافت پر اثر انداز ہوتی ہے"۔ ١٦

سیاست اور صحافت خصوصاً مجلاتی صحافت کے مابین چپقلش کا آغاز ١٩٤٨ء میں ہوا، جب پنجاب کی مسلم لیگ حکومت کے حکم سے تین ترقی پسند جریدوں "سویرا"، "نقوش" اور "ادبِ لطیف" کی اشاعت پر پابندی لگادی۔ یہ ملک میں صحافت کی آزادی پر پہلا حملہ تھا۔ جریدے "سویرا" کے مصائب یہیں ختم نہیں ہوئے بلکہ ١٩٤٩ء میں جب اُس پر عائد پابندی ختم ہوئی تو تازہ شمارے کے بازار میں آنے پر ٦ ہزار روپے زرِ ضمانت طلب کیا گیا اور اگلے برس یعنی ١٩٥٠ء میں اُس کے ایڈیٹر ظہیر کاشمیری کو سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ مہینوں کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ ١٧

پاکستان کی مجلاتی صحافت پر ایک اور کاری وار مارچ ١٩٤٩ء میں کیا گیا، جب عارف عبدالمتین کی ادارت میں لاہور سے جاری ہونے والا ماہنامہ "جاوید"، سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹھنڈا گوشت" شائع کرنے کے جرم میں زیرِ عتاب آیا اور اُس کے ایڈیٹر کو تین ماہ قید اور جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ ١٨

اور اِس کے بعد رسائل و جرائد پر پابندیوں اور قدغنوں کی ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے۔ ہر داستان ایک المیہ ہے۔ اپنے دور اور اُس دور میں بسنے والے حکمرانوں، سیاستدانوں کی باہمی چپقلشوں اور رنجشوں کی عکاس ہے، جس کا نشانہ صرف اور صرف صحافت کو بننا پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ عظمیٰ فرخ؛ " کراچی کے ادبی رسائل (ایک تجزیاتی مطالعہ) "؛ پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعۂ کراچی؛ سالِ اشاعت: ۲۰۰۰ء؛ ص: ۲۱

۲۔ محمد افتخار کھوکھر؛ " تاریخ صحافت "؛ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد؛ سالِ اشاعت: ۱۹۹۵ء؛ ص: ۱۲۷

۳۔ ایضاً

۴۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ؛ " پاکستانی صحافت ادوار کے آئینے میں "؛ مشمولہ " مصحف "، شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعۂ کراچی؛ ص: ۱۱

۵۔ ایضاً

۶۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ؛ "تعارفِ ابلاغِ عامہ"؛ صیغۂ مطبوعاتی ابلاغ، شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعۂ کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۰۰ء؛ ص: ۱۶۲

۷۔ ایضاً؛ ص: ۱۶۴

۸۔ شمشیر خان؛ " پاکستان کے منتخبہ ادبی اُردو رسائل کا تاریخی، تنقیدی و ادبی جائزہ "؛ انٹرنیشنل پریس، کراچی؛ سالِ اشاعت: ۱۹۷۰ء؛ ص: ۱۶

۹۔ مرتضیٰ؛ "تعارفِ ابلاغِ عامہ"؛ بحولہ بالا؛ ص: ۱۶۳

۱۰۔ ایضاً؛ ص ص: ۱۶۹۔۱۶۵

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

15 مرتضیٰ؛ " مصحف "؛ بحولہ بالا، ص: ۱۲

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً؛ ص: ۱۳

۱۸۔ ایضاً

چوتھا باب: مجلاتی صحافت کے نئے رجحانات

قیامِ پاکستان سے قبل اُردو کی مجلاتی صحافت میں علمی اور ادبی رسائل کو بامِ عروج نصیب ہوا۔ بالخصوص ادبی رسائل نے اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک کو مقبول بنانے اور بڑھاوا دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ آزادی کے بعد بھی ان میں سے بہت سے رسائل زندہ رہے اور انھوں نے اپنا ترقی پسندانہ کردار جاری رکھا۔ لیکن جب حکومت نے ان رسائل کے خلاف مختلف الزامات کے تحت کاروائیوں کا آغاز کیا، ان پر پابندیاں عائد کیں اور پھر انجمن ترقی پسند مصنفین کے تحت چلنے والی ترقی پسند تحریک پر روس کے حامی اشتراکیت پسندوں کا غلبہ ہونے لگا جس کی وجہ سے ادیبوں کا ایک مؤثر حلقہ ترقی پسندوں سے برسرِ پیکار ہو گیا تو بتدریج ترقی پسند تحریک کمزور پڑتی گئی اور اس کے زیرِ اثر ادبی رسائل یا تو بند ہوتے چلے گئے یا انھوں نے اپنا قبلہ تبدیل کر لیا۔ ملک کے بدلے ہوئے حالات میں نت نئے رسائل کا راستہ ہموار ہوا۔ مجلاتی صحافت میں نت نئے رجحانات در آئے۔ نئے دور میں بیشتر سیاسی ہفت روزوں اور ڈائجسٹوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ ڈائجسٹ صحافت (جس کا آغاز اُردو ڈائجسٹ کے اجراء سے ہوا) نے تعداد اور اشاعت کے اعتبار سے قارئین میں ہر دل عزیزی کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔ ان میں بالخصوص جاسوسی اور خواتین کے ڈائجسٹ بہت مقبول ہوئے۔

زیرِ نظر باب میں ان رسائل کا ایک اجمالی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جو پاکستان بننے کے بعد نکلے اور نکل رہے ہیں اس باب کو بھی موضوعات کے اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں ادبی رسائل، سیاسی رسائل، ڈائجسٹ رسائل، بچوں کے رسائل، مذہبی رسائل، علمی و تعلیمی رسائل، معاشی رسائل، کھیلوں کے رسائل، خواتین کے رسائل، سماجی رسائل، شوبزنس کے رسائل، طبی رسائل، امورِ خانہ داری سے متعلق رسائل اور متفرق موضوعات پر نکلنے والے رسائل شامل ہیں۔

ذیل میں سب سے پہلے ادبی رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

ادبی رسائل

ادبی رسائل اپنے عہد کے فکری و تخلیقی رجحانات کی عکاسی و ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان ادبی رسائل کے ذریعے نہ صرف تخلیق کاروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے خیالات و احساسات کا موثر اظہار کر سکیں بلکہ وہ اپنے رجحانات و میلانات سے عہد سازی کا کام بھی لیتے ہیں۔ گویا رائے عامہ کو ادب سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ اس عہد کے نظریات اور رنگ ڈھنگ سے بھی متعارف کرواتے ہیں۔

اردو زبان و ادب کے فروغ اور اردو ادب کی مختلف تحریکات کے ارتقا میں ادبی رسائل کا کردار نہایت جاندار اور موثر رہا ہے۔ ان رسائل نے نہ صرف پرانے لکھنے والوں اور ان کی تخلیقات کو دوام بخشا بلکہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ ان تخلیق کاروں کی مثبت انداز میں غور و فکر کی سمت میں رہنمائی بھی کی۔ پروفیسر حسن اکبر کمال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

" کسی قوم کی تہذیب وثقافت، اس کی ترقی کا زینہ اوراعلیٰ انسانی اقدار کا خزینہ ہوتی ہے۔ادب تہذیب وتزئین حیات کرتا ہے۔انسانی کردار پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔اور شخصیت کی تشکیل، ترتیب وتوازن کے عمل میں مددگار اور رہنما ثابت ہوتا ہے۔ادب لکھے ہوئے لفظ کی صورت میں کتاب اور ادبی رسائل کے ذریعے معاشرے میں بسنے والے خواندہ افراد تک پہنچتا ہے"[۲]

ادبی رسائل کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ اپنے عہد کے مصنفین کی آواز ہوتے ہیں۔مسائل کا ادراک اسی طرز پر کرتے ہیں جس طرز پر ادیب یا مصنف سوچتا ہے۔یوں ان رسائل کے ذریعے ادیب اور قاری میں ایک ایسا رشتہ پیدا ہوجاتا ہے جو خالصتاً نظریات کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔

جس طرح زندگی تغیر وتبدل کے ساتھ ارتقا پذیر ہے اردو رسائل بھی حالات وواقعات کے تغیر کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتے رہے۔ جیسے جیسے حالات بدلے، اردو رسائل نے بھی نیا رنگ وروپ اختیار کیا۔یہی وجہ ہے کہ جب اردو رسائل کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی ایک مسلسل ارتقا نظر آتا ہے۔[۳]

۱۹۴۷ء سے قبل ادبی رسائل کے مراکز لاہور، دہلی، لکھنو، حیدرآباد، ممبئ اور بھوپال تھے۔نئی مملکت پاکستان وجود میں آئی تو اس کے حصے میں صرف ایک اہم ادبی مرکز لاہور آیا۔ کراچی، پشاور، راولپنڈی، حیدرآباد اور ملتان کو بڑے شہروں کی حیثیت تو حاصل تھی اور ان شہروں سے ادبی جرائد بھی شائع ہوتے تھے لیکن ان میں سے کسی رسالے کو رجحان ساز یا جہت نما شمار کرنا ممکن نہیں، چنانچہ ان شہروں میں ادبی صحافت خاصی کمزور تھی اور لاہور سے شائع ہونے والے ادبی جرائد ہی نہ صرف پاکستان کے مختلف صوبوں کے لوگوں کی ذہنی آبیاری کرتے تھے بلکہ ان کا حلقۂ اثر بھی پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ادبی جرائد کے اہم مراکز سے کٹ جانے کے بعد اگرچہ خلا تو پیدا ہوا اور کچھ عرصے کے لیے ادبی جرائد کی اشاعت میں تعطل بھی واقع ہوا۔لیکن جلد ہی اس خلا کو پر کرنے کا عمل شروع ہوگیا اور متعدد ایسے رسائل جو آزادی سے قبل لاہور سے چھپ رہے تھے، دوبارہ شائع ہونا شروع ہوگئے۔[۴]

قیام پاکستان کے بعد کراچی علمی وتہذیبی اور ادبی سرگرمیوں کے مرکز کے طور پر سامنے آیا اور شاعروں اور ادیبوں نے اس شہر کو ادب کے مسکن کے طور پر شناخت دی۔ تقسیم کے بعد بے شمار ادبی رسائل نے اپنے مدیران کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی اور یہاں سے ان رسائل کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام ہونے لگا۔ان میں سے اہم اور قابل ذکر رسائل یہ ہیں:

☆ مولوی عبدالحق کا سہ ماہی رسالہ "اردو" جو ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد سے جاری کیا گیا اور تقسیم کے بعد کراچی سے اس کی اشاعت ۱۹۴۸ء میں دوبارہ شروع کی گئی۔

☆ میاں بشیر احمد کا جاری کردہ رسالہ "ہمایوں" ۱۹۲۲ء میں لاہور سے جاری ہوا اور قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔

- ☆ بھوپال سے جاری ہونے والا رسالہ "نگار" جس کا آغاز مولانا نیاز فتح پوری نے ۱۹۲۲ء میں کیا۔ آزادی کے بعد یہ رسالہ ۱۹۶۲ء میں پاکستان سے شائع ہونے لگا۔
- ☆ ماہنامہ "عالمگیر" لاہور سے حافظ محمد عالم نے جون ۱۹۲۴ء میں جاری کیا اور تقسیم کے بعد پاکستان سے شائع ہونا شروع ہوا۔
- ☆ جولائی ۱۹۲۴ء میں لاہور سے حکیم یوسف حسن کی ادارت میں ماہنامہ "نیرنگ خیال" جاری ہوا۔ تقسیم کے بعد یہ رسالہ بھی اپنے مدیر کے ہمراہ پاکستان منتقل ہوا اور یہاں سے اس کی اشاعت کا آغاز ہوا، لیکن جتنا روشن دور تقسیم سے پہلے تھا، تقسیم کے بعد اس رسالے کو اتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔
- ☆ ۱۹۲۵ء میں جاری ہونے والا اورینٹل کالج میگزین قیام پاکستان کے بعد بھی لاہور سے جاری رہا۔
- ☆ ۱۹۲۹ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی کی ادارت میں جاری ہونے والا رسالہ "ادبی دنیا"، قیام پاکستان کے بعد بھی نہایت خوش اسلوبی سے جاری رہا۔
- ☆ دہلی سے جاری ہونے والا ماہنامہ "ساقی" اپنے مدیر شاہد احمد دہلوی کے ہمراہ پاکستان منتقل ہوا اور کراچی سے از سرنو شائع ہونے لگا۔
- ☆ ۱۹۳۶ء میں لاہور سے پنجاب بک ڈپو کے مالک چودھری برکت علی کے ہاتھوں جاری ہونے والا "ادب لطیف" بھی تقسیم کے بعد جاری وساری رہا۔
- ☆ ۱۹۳۵ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی نے "شاہکار" جاری کیا جو آزادی کے بعد بھی نکلتا رہا۔
- ☆ ہفت روزہ "نظام" کلکتہ سے ۱۹۴۳ء میں چودھری محمد یوسف کی ادارت میں جاری ہوا اور قیام پاکستان کے بعد یہ لاہور سے نکلنے لگا۔
- ☆ اپریل ۱۹۴۵ء میں بھوپال سے ماہنامہ "افکار" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر صہبا لکھنوی تھے۔ آزادی کے بعد صہبا لکھنوی کے ساتھ یہ رسالہ بھی کراچی منتقل ہوا اور اس نے اپنی دوبارہ اشاعت کا آغاز کیا۔
- ☆ ۱۹۴۶ء میں چودھری نذیر احمد نے رسالہ "سویرا" جاری کیا، جو قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔
- ☆ ۱۹۴۶ء میں "نیا دور" کے نام سے ایک رسالہ صمد شاہین اور ممتاز شیریں کی ادارت میں جاری ہوا۔ بنگلور سے جاری ہونے والا یہ رسالہ آزادی کے بعد کراچی منتقل ہو گیا اور یہاں سے دوبارہ اشاعت کا آغاز کیا۔
- ☆ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۸ء میں رسالہ "سب رس" جاری ہوا اور تقسیم کے بعد یہ رسالہ کراچی سے شائع ہونے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد ادبی رسائل کے رجحانات ومیلانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ رسائل اس دور کی مشکلات و مصائب کا آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ تقسیم کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال نے نہ صرف عوام کو بلکہ ایک ادیب کو بھی متاثر

کیا۔ آبادکاری کے مسائل، مالی پریشانیوں اور تقسیم کے بعد پیدا ہونے والے ابتر حالات نے اردو رسائل کو اس فکر میں مبتلا کر دیا کہ کیا لکھا جائے اور کیسے لکھا جائے۔ "نیا دور" اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

"اس وقت ایک پوری نسل کے سامنے یہ سوال ہے کہ وہ کیا کرے، کن موضوعات کو اپنائے اور کن خیالات پر اپنے فن کی بنیاد رکھے اور کن طریقوں اور سانچوں کو اپنے فن کی ضرورت کے لیے استعمال کرے۔" آزادی" کے بعد کے مسائل کی ساری تفصیل ان سوالوں میں آجاتی ہے"۔۵

مالی مسائل کے حوالے سے شاہد احمد دہلوی، جناب صادق الخیری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حال یہ ہے کہ آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور خرچ پانچ سو روپے ماہوار سے کم کا نہیں ہے۔۔۔۔ سے روپیہ منگا کر کھا رہا ہوں۔ دلی سے کتابیں آجائیں (کوئی امید جلدی کی نہیں ہے) تو کچھ کام چلے۔ بینک ڈوبا پڑا ہے۔ جائیداد کا ایک پیسہ وصول نہیں ہوا اور کرایہ وصول کرنے والا منشی چھ ہزار روپے لے کر روپوش ہو گیا۔ اب از سر نو زندگی بنانی پڑے گی۔ اس کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں"۔٦

گویا آزادی کے بعد ادبی رسائل ہر طرح کے مسائل میں گرفتار رہے۔ مالی مشکلات اور دیگر پابندیوں کے سائے میں ان رسالوں کا ابتدائی رجحان ترقی پسند تحریک کی جانب رہا۔ تقسیم کے بعد جاری ہونے والے رسائل کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ تقسیم کے بعد کی صورت حال، ملکی مسائل اور فسادات کا تذکرہ جا بجا ان رسائل میں ملتا ہے۔ تاہم جیسے جیسے حالات سازگار ہوتے گئے ادیب بھی اپنی سابقہ روش پر آگئے اور اردو اور ادب کے فروغ میں مصروف عمل ہو گئے تاہم وقت اور حالات کے پیش نظر ان رسائل کے مواد و مضامین میں تغیر آتا رہا، لیکن یہ اپنے بنیادی مقصد سے پیچھے نہ ہٹے، یعنی ادب کی تخلیق اور اس کی ترویج و فروغ۔

قیام پاکستان کے بعد یہاں سے بے شمار نئے ادبی رسائل کا بھی اجراء ہوا اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے ان اہم رسائل میں "ماہِ نو، کراچی "فاران، کراچی"، ماہنامہ جام نو، کراچی"، "مشرب، کراچی"، "نقوش، لاہور"، "جاوید، لاہور"، "سیپ، کراچی"، "استقلال، لاہور"، "قومی زبان، کراچی"، "اردو ادب، لاہور"، "پرچم، کراچی"، "مخزن، لاہور" "مشیر، کراچی"، "اقدام، لاہور "ماہنامہ الحمرا، لاہور"، "نئی تحریریں، لاہور"، "دستور، لاہور"، "کامران، سرگودھا"، "محفل، لاہور"، "نئی قدریں، حیدرآباد"، "انشاء، کراچی"، "ماہنامہ مہر نیمروز، کراچی"، "ماہنامہ قند، مردان"، "لیل و نہار، کراچی"، "سہ ماہی صحیفہ، لاہور، ماہنامہ مہداستان، لاہور"، "ماہنامہ شعور، کراچی"، "نصرت، لاہور"، "نگارش، کراچی" "ماہنامہ سات رنگ، کراچی"، "سہ ماہی دانش ور، کراچی"، "قلم کار، لاہور"، "اسلوب، لاہور"، "اقبال ریویو، کراچی"، "سہ ماہی اردو، کراچی"، "ہم قلم، کراچی"، "سہ ماہی الزبیر، بہاولپور"، "خیابان، پشاور"، "بصائر، کراچی"، "ماہنامہ سیارہ، لاہور"، "آرگس، لاہور"، "فنون، لاہور"، "فکر و خیال، کراچی"، "ماہنامہ اوراق، لاہور"، ماہنامہ تخلیق، اہور"، ماہنامہ تحریریں، لاہور" ماہنامہ طلوع افکار، کراچی"، "افکار، کراچی"، "الفاظ، کراچی"، "ماہنامہ شام و سحر، لاہور"، "پاکستانی ادب،

کراچی "،سورج،لاہور،"الب،کراچی "احساس،لاہور"،"جدیدادب،خانپور"،"نئی نسلیں،کراچی"،"محراب،لاہور"، "اظہار،کراچی"، "سہ ماہی معاصر، لاہور"، "ماہنامہ اخبار اردو، کراچی"، "روایت،لاہور"، "مطلع،خانیوال"، "ادبیات،اسلام آباد،سہ ماہی دستاویز،لاہور"،سہ ماہی صدائے عام،کراچی،"سہاہی ابلاغ، پشاور"،"دائرے،کراچی"، "ماہنامہ فانوس، کراچی"، "جدوجہد،لاہور"، "ماہنامہ لوح وقلم، ڈھاکہ"، "مشرق،کراچی"، "فطرت،لاہور"، "نیا پیام،لاہور، پیام عمل،لاہور"،"افکارنو،لاہور"عکس لطیف،کراچی،"احوال،لاہور"،"جام جم،کراچی"،"حروف،کراچی "،"مکالمہ"،کراچی،"دنیازاد،کراچی"،"اسالیب،کراچی"،"انگارے،سرگودھا"،"الاقرباء،اسلام آباد"،"آج،کراچی" اور دیگر رسائل شامل ہیں۔

ابتداء میں کراچی سے جاری ہونے والے حکومتی رسالے "ماہ نو" کی وجہ سے دیگر نجی ملکیتوں میں شائع ہونے والے رسائل کومشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے اس رسالے کا لے آؤٹ اور گیٹ اپ بہترین ہوتا تھا۔ جبکہ باقی رسائل تقسیم کے بعد بمشکل اپنی بقاء کا سامان کیئے ہوئے تھے اور مالی مشکلات کا شکار تھے۔ تاہم رفتہ رفتہ یہ کش مکش ختم ہوگئی اور صرف وہی رسائل جاری رہے جن میں کچھ دم خم تھا اور ساتھ میں ادب کی خدمت کا جذبہ بھی۔

قیام پاکستان کے بعد سے تاحال ادبی رسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ ان رسائل کی مجموعی تعداد دوسو سے زائد ہے۔ رسائل کی زیادہ تر تعداد کراچی اور لاہور سے شائع ہوتی ہے۔ جبکہ راولپنڈی، اسلام آباد، فیصل آباد، بہاولپور، ملتان، مردان، پشاور، حیدرآباد، سرگودھا، گجرات، گوجرنوالہ، سیالکوٹ، کوئٹہ، اٹک، چنیوٹ وغیرہ سے بھی ادبی رسائل کی اشاعت ہوتی ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک جاری ہونے والے ان رسائل کی قیمتیں ۴ آنے سے ۴۰۰ روپے کے درمیان رہیں، یہ ادبی رسائل مختلف سائزوں میں نکلتے رہے بلکہ ایک ہی رسالہ مختلف اوقات میں نئے سائز کے ساتھ سامنے آیا۔

آجکل رسالوں کی اکثریت مرضی وار شائع ہوتی ہے یعنی جب مواد جمع ہوگیا اور وسائل میسر آگئے تو رسالہ شائع ہوگیا تاہم ایک اچھی خاصی تعداد سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ رسالوں کی بھی ہے۔

اگر ہم ادبی رسائل کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ "ہر عروج کو زوال" کے مصداق ادبی رسائل بھی اب اپنے درخشاں وتابندہ دور کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ گذشتہ دہائی میں برقیاتی ذرائع ابلاغ اور دیگر ٹیکنالوجی نے ادب کو بری طرح سے متاثر کیا ہے۔ اب قارئین، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور موبائل کی دوڑ میں اتنا آگے نکل چکے ہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنا انہیں گوارہ نہیں۔

ان گنت اقسام کے رسالوں کی موجودگی میں ادبی رسائل کا اب وہ مقام نہیں رہا جو ایک زمانے میں اس کا خاصہ تھا۔ اب ادب اور ادبی گفتگو محض ادبی محفلوں تک محدود رہ گئی ہے اور ہمارا یہ قیمتی اثاثہ عام قارئین خصوصاً نوجوانوں کی نظروں سے اوجھل اور پہنچ سے دور ہے۔ بلکہ ایک تلخ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کو اپنے آباؤ اجداد کے ان شاندار اور پروقار ادبی رسالوں کے نام تک نہیں معلوم۔

اب، ادب زندگی کا اس طرح ترجمان بھی نہیں رہا، جو ایک عام قاری کے قلب وذہن کو متاثر کرے۔ اسے زندگی

کومختلف زاویوں سے دیکھنے اور پرکھنے کا شعور دے۔ اس پر سوچ وفکر کے نئے در وا کرے۔ اب تو حال یہ ہے کہ مسائل کی چکی میں پسا ہوا ایک عام انسان ادب جیسی لطیف صنف کے بارے میں سوچنا بھی وقت کا ضیاع سمجھتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اب ایسی روش اختیار کر چکا ہے، جہاں صرف پیسہ کمانا ہی مقصد حیات ہے، ذہن وفکر کی آبیاری ثانوی درجہ اختیار کر چکی ہے۔

ڈائجسٹ صحافت کی مقبولیت کی وجہ سے بھی ادبی رسائل اپنے قارئین سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کم قیمت اور آسانی سے دستیاب یہ ڈائجسٹ رسالے افسانوں، ناولوں اور شعر وشاعری کے ذریعے عام قارئین میں بے حد مقبول ہیں ۔خصوصاً ہمارے ملک کی خواتین کی بڑی تعداد ان رسالوں کی مستقل قارئین تصور کی جاتی ہے۔

ان حالات میں خالص ادبی رسائل حقیقی معنوں میں رو بہ زوال ہیں۔ جو زیادہ تر یا تو لائبریریوں کے شیلفوں میں نظر آتے ہیں یا پھر علمی و ادبی شخصیات کی محفلوں میں ان کا تذکرہ خیر ہوتا ہے۔ نہ حکومتی اداروں کی جانب سے ان کی سرپرستی کی جاتی ہے اور نہ نجی صنعتوں کی طرف سے انہیں اشتہارات ملتے ہیں۔ اس کے باوجود ملک کے چھوٹے بڑے شہروں سے بہ کثرت ادبی رسائل نکل رہے ہیں۔ یہ الگ بات کہ کتب فروشوں کی دکانوں پہ یہ رسائل نظر نہیں آتے۔ اکا دکا ادبی رسائل کو چھوڑ کر یہ بیشتر مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ رسالے بالعموم اپنے مدیروں اور مرتبوں کے والہانہ ذوق وشوق کا نتیجہ ہے۔

ذیل میں اُن چند اہم ادبی رسائل اور ان کے مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جو قیام پاکستان کے بعد جاری ہوئے۔

اردو

اردو کا سب سے پہلا سہ ماہی رسالہ "اردو" ہے جو ۱۹۲۱ء میں ہندوستان (اورنگ آباد) سے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس رسالے کا سائز ۲.۹×۴.۵ انچ تھا۔ اس کی اشاعت انجمن ترقی اردو ہند کے ایک اہم مقصد کی تکمیل کے علاوہ ادب اور متعلقات ادب کا فروغ تھا۔ ے

مولوی عبدالحق نے رسالہ "اردو" میں اس کے مقاصد اجراء پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

"میں چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ اردو زبان وادب کی ایسی مفید اور محققانہ بحثوں سے مالا مال ہو تا کہ شائقین ادب اسے غور اور شوق سے پڑھیں اور اہل کمک کے ذوق پر اس کا اچھا اثر ہو۔ یہ رسالہ خالص ادبی ہوگا یہ مثل کشکول کے نہ ہوگا جس میں ہر قسم کے رطب ویابس اور ان مل، بے جوڑ مضامین بھر دیے جاتے ہیں۔۔۔۔ غیر زبانوں کے ادب میں ایسے انمول جواہر ہیں جو صاحب نظر ادیب اور شائقین ادب کے لیے سب سے بڑا تحفہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں اردو کے لباس میں پیش کیا جائے۔ ہم اپنی بساط کے موافق کوشش کریں گے کہ زبان کی خصوصیت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ پاک، صاف اور شستہ زبان کا استعمال کریں اور ذوق تسلیم کے پیدا کرنے میں طرح طرح سے مدد دیں"۔ ۸

مزید لکھتے ہیں:

"زبان کوئی بے جان یا مردہ شے نہیں ہے یہ بھی دوسرے جانداروں کی طرح بڑھتی، گھٹتی اور پھلتی پھولتی ہے۔۔۔۔اگر ہم اس کی صحت اور خوشحالی کے خواہاں ہیں تو ہمیں اس کے اصول نشو ونما سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔زبان کو حسن وفروغ یعنی فصاحت کا دارومدار صحیح ذوق پر ہے اور صحیح ذوق کا پیدا کرنا اور پھیلانا سب سے بڑی خدمت زبان ہے۔ جن حضرات کے ہاتھ میں اخبار اور رسالے ہیں، انھیں سب سے بڑھ کر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے، کیوں کہ ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے"۔9

مولوی عبدالحق اردو زبان سے والہانہ محبت کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ سہ ماہی "اردو" کے اجراء سے لے کر کامیابیوں کی منازل طے کرنے تک ہر دور میں اس رسالے سے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی محبت اور لگن جھلکتی رہی۔ مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

"انجمن ترقی اردو کا یہ سہ ماہی رسالہ اردو پرانے مذاق اور جرائد کو دیکھتے ہوئے اپنی شان کا ایک الگ، خاص اور روشن نمونہ تھا۔۔۔اس نے ابتداء میں انجمن کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیے اور ساتھ ساتھ علمی، تحقیقی مضامین اور اعلیٰ پائے کی انشاء چھاپنے کا اہتمام بھی کیا۔۔۔یہاں تک کہ بہت جلد منشی پریم چند نے کہا:

"رسالہ اردو"۔اردو رسالوں کا سالار کارواں ہے"۔۱۰

مولوی عبدالحق کے مزاج میں خلوص، مقصد کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور نظر میں گہرائی تھی اور یہ سب نقوش ان کے ادب پاروں میں بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ان کی شخصیت کا اعجاز تھا کہ رسالہ "اردو" منظر عام پر آتے ہی اس زبان کا وقیع الشان پرچہ شمار ہونے لگا اور ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی بڑے پیمانے پر ہوئی۔۱۱

رسالہ "اردو" ابتداء سے ۱۹۳۶ء تک اورنگ آباد سے چھپتا رہا۔اس کے بعد انجمن کا دفتر منتقل ہو گیا اور ۱۹۴۷ء تک اس کی اشاعت دہلی سے ہوتی رہی اور اس کے ساتھ ہی متحدہ ہندوستان میں رسالہ "اردو" کا ایک طویل اور درخشاں دور ختم ہو گیا۔۱۲

تقسیم کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مولوی عبدالحق نے پاکستان آ کر انجمن ترقی اردو پاکستان کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔آزادی کے بعد جولائی ۱۹۴۹ء میں کراچی سے "اردو" کا اجراء ہوا۔اس پرچے کے لیے جو مجلس ادارت تشکیل دی گئی اس میں مولوی عبدالحق کے علاوہ شیخ محمد اکرام، ممتاز حسن، فضل احمد کریم فضلی، ہاشمی فرید آبادی، عندلیب شادانی، سید عبداللہ اور قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے نام شامل ہیں۔۱۳

اس تمام عرصے میں اس درخشاں رسالے نے سہ ماہی ادبی صحافت کی ایک مضبوط روایت قائم کی اور مولوی عبدالحق کے زیر ادارت اردو نے جو تنقیدی، تحقیقی اور ادبی جہت قائم کی تھی، اس میں زوال کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔مولوی عبدالحق نے علمی اور ادبی صحافت میں اظہار کا شائستہ انداز پیدا کیا۔تحقیق میں طلب صداقت اور تلاش حقیقت کو اہمیت دی اور اختلافی امور کو صبر و تحمل سے برداشت اور قبول کرنے کی طرح ڈالی۔۱۴

"اردو" ایک اعلیٰ پائے کا علمی و ادبی رسالہ تھا، جس میں تاریخی و ادبی مضامین کے علاوہ شعراء کا تعارف اور ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے میں "اردو کے ان پڑھ شاعر" کے عنوان سے مضمون شائع ہوتا تھا جس میں انتہائی حیرت انگیز اور دلچسپ معلومات درج کی جاتی تھیں اور ان شعراء کے کلام پر روشنی ڈالی جاتی تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر شعر گوئی میں باکمال تھے۔

ایسے ہی ایک شاعر حقیر، حافظ فتح محمد کے بارے میں درج ہے:

"انہوں نے کسی زبان کا کوئی حرف نہیں پڑھا تھا۔ مگر قدرت نظم حاصل تھی چوں کہ طبیعت پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اس لیے جب شاعری کی لہر آتی تو حمد و نعت میں کچھ کہہ لیا کرتے اور اس کلام سے دینی جوش، مذہبی عقائد واضح ہوتے" ۱۵

"اردو" نے اردو زبان کی ترویج و فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور اپنے علمی و تحقیقی مضامین کے ذریعے نت نئے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اردو کی سابقہ روایتوں کو برقرار رکھنے کی بھی کوشش کی۔ کتابوں پر تبصروں کے ذریعے تنقید کو نیا رخ دیا۔ اس رسالے نے شعراء اور ادباء کے فن کو علمی و تحقیقی زاویوں میں ڈھال کر قارئین ادب تک پہنچایا اور اردو لغت، الفاظ و بیان، معانی اور صحت زبان پر خاص زور دیا۔

مولوی عبدالحق کے انتقال کے بعد اس رسالے کے چند شمارے شائع ہوئے اور پھر اس کی اشاعت رک گئی، کافی عرصہ بند رہنے کے بعد یہ رسالہ دوبارہ شائع ہونے لگا۔ مگر اب اس رسالے کا وہ معیار باقی نہیں رہا جو مولوی صاحب کے دور میں تھا۔ ۱۶

"بابائے اردو نمبر" اس رسالے کا قابل ذکر خاص نمبر ہے۔ جس میں مولوی عبدالحق کی حیات، خدمات اور کامیابیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نامور ادیبوں نے ان پر مضامین لکھ کر ان کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس رسالے کا "غالب نمبر" بھی اہم ہے۔ مگر یہ رسالہ اپنے ابتدائی دور کی روایت کو برقرار رکھنے میں اب ناکام نظر آتا ہے۔

مولوی عبدالحق رسالہ "اردو" کو اپنا سب سے قدیمی رفیق قرار دیتے تھے۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن لکھتے ہیں:

"سالہا سال تک "اردو" ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس رسالے نے ادبی ذوق کے پھیلاؤ میں بڑا کام کیا۔ اس میں اچھے ادبی اور تنقیدی مضمون نکلتے رہے۔ رسالہ اردو سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ خود ان کے بعض بہترین مضامین "اردو" میں ہی شائع ہوئے۔ یہ رسالہ جاری کر کے انہوں نے اپنے انداز تحریر، بے لاگ تنقید اور روشن خیالی سے مضمون نویسی کا پایہ بڑھایا۔ اس کے ذریعے اردو ادب میں انقلاب پیدا کیا اور ٹائپ کو رواج دیا"۔ ۱۷

مولوی عبدالحق

مولوی عبدالحق ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا زمانہ طالب علمی علی گڑھ میں گزرا، جہاں انھیں سرسید احمد خان کی سرپرستی اور خصوصی شفقت و عنایت حاصل رہی۔ عبدالحق نے زمانہ طالب علمی ہی میں علمی و ادبی رسائل کے لیے مضامین

لکھنا شروع کر دیئے تھے ان کے ابتدائی مضامین "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ "، " گزٹ "،محمڈن نیشنل میگزین اور حیدر آباد دکن کے رسالے "حسن" کی زینت بنے۔ ۱۸

یہ مولوی عبدالحق کی صحافتی تربیت کا پہلا مرحلہ تھا۔ گریجویشن کرنے کے بعد وہ نواب محسن الملک کا ایک خط لے کر حیدر آباد دکن گئے اور ریاست کے ہوم سیکرٹری مولوی عزیز مرزا کے دفتر میں مترجم مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں افواج آصفیہ کے سپہ سالار نواب افسر الملک نے رسالہ "افسر" جاری کر رکھا تھا۔ جس کے مدیر مولوی محبّ حسین اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث رسالے کی ادارت سے قاصر تھے۔ چنانچہ جب نواب وقار الملک کے ذریعے افسر الملک کی ملاقات مولوی عبدالحق سے ہوئی تو انھوں نے مولوی صاحب کو مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر کے عہدے کی پیش کش کی۔ عبدالحق مدرسے کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تو ماہنامہ "افسر" کی ادارت بھی ان کے حصے میں آ گئی۔ ۱۹

یہیں سے مولوی عبدالحق کی صحافتی زندگی کا صحیح معنوں میں آغاز ہوا، مولوی صاحب انجمن ترقی اردو کے اہم عہدے دار تھے۔ انہوں نے اپنی گوناگوں علمی، تحقیقی اور تنظیمی مصروفیات کے باوجود چھ رسالوں کے اجراء و ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ان رسائل میں ماہنامہ افسر (۱۸۹۷ء)، سہ ماہی اردو (۱۹۲۱ء)، ماہنامہ سائنس (۱۹۲۸ء)، پندرہ روزہ ہماری زبان (۱۹۳۹ء)، ماہنامہ معاشیات (۱۹۴۶ء)، اور سہ ماہی تاریخ و سیاسیات (۱۹۵۱ء) شامل ہیں۔ ۲۰ یہ رسائل مولوی عبدالحق کا وہ کارنامہ ہیں جنھوں نے اردو میں تخصیصی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہر رسالہ اپنے موضوع مضامین اور بلند معیار کے باعث اردو کی مجلّاتی صحافت میں ایک اہم اضافہ تھا۔

مولوی عبدالحق ایک بلند پایہ محقق، ماہر لسانیات، ماہر تعلیم، مدیر اور ایک بہترین ادیب تھے۔ جنھوں نے اپنی پوری زندگی اردو زبان و ادب کی ترویج و فروغ اور بہتری کے لیے وقف کر دی۔ انجمن ترقی اردو اور اس کے تحت جاری ہونے والے رسائل و جرائد نے اردو کی مجلّاتی صحافت کو ایک نئی جہت عطا کی اور نئے در وا کیے۔

۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق کی وفات کے ساتھ ہی اردو ادب کی ایک روشن شمع ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ گئی، لیکن ان کے کارنامے، تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

ساقی۔ کراچی

ڈپٹی نذیر احمد کے خان وادے سے تعلق رکھنے والے شاہد احمد دہلوی نے دہلی سے ۱۹۳۰ء میں ایک ادبی رسالہ "ساقی" کے نام سے جاری کیا جو تقسیم تک دہلی سے نکلتا رہا۔ ۲۱ "ساقی" کے اجراء پر گلیوں میں لگایا جانے والا اشتہار کچھ یوں تھا:

"پہلی جنوری ۱۹۳۰ء کو مے گساران ادب کو اپنے جرعات بوقلموں سے کیف اندوز کرنے والا دار السلطنت دہلی کا علمی و ادبی ماہوار جریدہ "ساقی" جام بکف منصۂ شہود پر نمودار ہوگا"۔ ۲۲

رسالے کی پیشانی پر علامہ اقبال کے مجموعے "بانگ درا" کی نظم "وطنیت" سے ماخوذ یہ خوبصورت شعر درج کیا گیا۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے، جم اور

ساقی نے بنالی روش لطف و کرم اور ۲۳

اس بزم ادب کے "ساقی" شاہد احمد دہلوی تھے، ادب ان کی مے تھی، رسالہ "ساقی" ان کا جام تھا اور انہوں نے اس جریدے کے ذریعے لطف و کرم کی ایک نئی روش کی بناڈالی تھی۔ ۲۴ رسالے کی ابتداء میں یہ طے پایا تھا کہ:

"ساقی بنیادی طور پر دلی کی زبان اور ثقافت کا نقیب ہوگا"۔ ۲۵

تاہم اس رسالے میں ترقی پسند تحریک کے اثرات جا بجا نظر آئے۔ شاہد احمد دہلوی اپنے اداریوں میں برملا اس کی حمایت کرتے رہے اور بیش تر ترقی پسند مصنفین کے افسانے اور مضامین اس رسالے میں چھپتے رہے۔ ان افسانوں پر فحش نگاری اور عریانی کا الزام بھی لگا۔ ۲۶

قیام پاکستان کے بعد "ساقی" نے بھی اپنے مدیران کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی اور تقسیم کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال سے دوچار ہوا۔ نت نئے معاشی مسائل نے "ساقی' کو بری طرح سے متاثر کیا۔ ۲۷

"ساقی" کی اشاعت دوبار تعطل کا شکار ہوئی۔ پہلا تعطل دوسری جنگ عظیم کے دوران مارچ ۱۹۴۳ء سے نومبر ۱۹۴۳ء کے دوران ہوا۔ جس کا اعلان فروری ۱۹۴۳ء کے شمارے میں کچھ ان الفاظ میں کیا گیا:

"آخر وہ وقت آپہنچا، جس کا اندیشہ کچھ اوپر ایک سال سے تھا۔ ۱۹۴۰ء کے آخیر سے کاغذ کی قیمت چڑھنی شروع ہوئی اور ۱۹۴۲ء میں گرانی نایابی کی حد کو پہنچ گئی افسوس "ساقی" کی زندگی کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی"

دوسری بار اس کی اشاعت تقسیم کے وقت معطل ہوئی۔ اگر چہ "ساقی" کو دہلی سے ہی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ تاہم حالات کے ابتر ہو جانے کے باعث ہجرت کا فیصلہ کیا گیا۔ شاہد احمد دہلوی نے لاہور سے "ساقی" کے دوبارہ اجراء کی کوشش کی تاہم انھیں اس رسالے کا ڈیکلریشن نہیں دیا گیا۔ جس کی وجہ محمد حسن عسکری کچھ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ساقی" اردو کا واحد ادبی رسالہ تھا، جس نے کھلم کھلا پاکستان کی حمایت کی تھی، لیکن جب "ساقی' کو حالات نے پاکستان آنے پر مجبور کر دیا تو سال بھر تک اسے پاکستان کی خدمت سے محروم رکھا گیا۔ "رکھا گیا" میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ چھ مہینے تک تو پرچہ شائع کرنے کی اجازت ہی نہ ملی اور "ساقی" کا شمار ایسے پرچوں میں کیا گیا جن کا مسلک فحش نگاری کے ذریعے سے پیسہ کمانا ہے۔" ۲۸

لاہور سے ڈیکلریشن نہ ملنے کے بعد شاہد احمد دہلوی کراچی منتقل ہو گئے اور ستمبر ۱۹۴۸ء میں "ساقی" کا نیا دور شروع ہوا اور اس نے ادب کے آسمان پر اپنے رنگ بکھیرنے شروع کیے۔ بہ قول شاہد احمد دہلوی:

"پورے ایک سال بعد ساقی کے چھپنے کا موقع آیا۔ اس تمام عرصہ میں ساقی جاری رکھنے کی کوشش کی گئی، لیکن نامساعد واقعات نے ہمیشہ مایوس کیا۔ دلی کے چھٹنے اور اثاث البیت کے لٹنے نے دل ودماغ کو ماؤف کر دیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ تعطل و جمود رفع ہوا۔ اپنی بربادی پر صبر آ گیا۔ ہمت مردانہ نے دور سے آواز دی۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا

آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک ۲۹

لیکن شاہد احمد دہلوی نے اس حقیقت کو بڑی دیر سے قبول کیا۔ اگر چہ وہ تقسیم کے حق میں تھے لیکن دہلی کے در و دیوار سے انہیں خاص انسیت تھی اور وہ اسے چھوڑ نا نہیں چاہتے تھے، تاہم وقت وحالات نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ شاہد احمد کے بھائی احمد اس حوالے سے کہتے ہیں:

"حقیقت میں "ساقی" والا شاہد پاکستان نہیں آیا۔ وہ تو دہلی میں ہی ختم ہو گیا، یہ شاہد جو پاکستان آیا، صرف اس کا جسد خاکی تھا، اس کا دل شاہجہاں آباد میں بھٹکتا رہا"۔ ۳۰

ستمبر ۱۹۴۸ء سے ہی "ساقی" کے عہد نو کا آغاز ہوا۔ یہ رسالہ ادب برائے ادب کی خصوصیات سے لیس تھا۔ اس کے مندرجات میں نظمیں، غزلیں، افسانے، ادبی مضامین اور مختلف ادیبوں اور شعراء کے حوالے سے مضامین شامل تھے۔ نام کی مناسبت سے رسالے کے سرورق پر ہمیشہ جام و جم، نت نئے انداز سے پیش کیے جاتے تھے۔ جس سے نہ صرف اس رسالے کی ادب کے حوالے سے بے باکی اور ترقی پسندی کا ثبوت ملتا تھا بلکہ تجریدی آرٹ اور مشرب کے امتزاج سے سرورق پر نہایت دلکش انداز میں تصاویر پیش کی جاتی تھیں۔

ساقی کے لکھنے والوں میں پرانے ادیبوں کے ساتھ نئے نام بھی شامل تھے۔ ان میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر احسن فاروقی، محمد حسن عسکری، انتظار حسین، وقار عظیم، قیوم نظر، جمیل جالبی، ابوالخیر کشفی اور پروفیسر عزیز احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۳۱

شاہد احمد دہلوی نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی تحریروں کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کیا۔ تاکہ ابہام نہ رہے اور تحریر تمیز و شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے قارئین کی ادبی ضرورتوں کی تسکین کرے۔ اس حوالے سے اسلم فرخی کہتے ہیں:

"ویسے تو شاہد احمد نئے لکھنے والوں کی بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے، کبھی دل شکنی نہیں کرتے تھے یا تو رکھ لیں گے یا اصلاحی نظر ڈال کر شائع کریں گے یا خوبیوں خامیوں سے آگاہ کریں گے"۔ ۳۲

"ساقی "قدیم اور جدید ادب کا نمائندہ تھا۔ اس نے جدید افسانے اور نظم کو متعارف کرانے میں بڑی خوش ذوقی کا ثبوت دیا۔ لیکن کبھی بھی اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا۔ شاہد احمد دہلوی نو آموز ادیبوں کو خوش آمدید کہتے تھے، لیکن غیر معیاری ادب پارے انھوں نے کبھی شائع نہ کیے۔ علامہ صادق الخیری لکھتے ہیں کہ شاہد احمد دہلوی نے انہیں لکھا:

" آپ کا افسانہ واپس ارسال ہے، کیوں کہ آپ اس سے اچھا لکھ سکتے ہیں۔ جب آپ دوسروں کو عمدہ افسانے بھیجتے ہیں تو "ساقی" کے لیے کمتر چیز کیوں"۔ ۳۳

"ساقی" کے معیار اور وضع کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں ہر ادیب اپنی تحریر اس میں چھپوانے کا خواہش مند تھا۔ اس حوالے سے شاہد احمد دہلوی لکھتے ہیں:

"ساقی کے لیے ایک مہینے میں اوسطاً ایک ہزار مضامین نظم ونثر موصول ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ سب کے سب قابل اشاعت نہیں ہوتے۔ اور ان میں معدودے چند "ساقی" کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ان میں بھی انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یوں صرف دو چار نئے لکھنے والے ہی بزم "ساقی" میں شامل ہو سکتے ہیں"۔ ۳۴

رسالہ "ساقی" کے ابتدائی ۱۷ سال ہندوستان جبکہ آخری ۲۳ سال پاکستان میں گزرے اور اس شان سے کہ آج بھی ادبی رسائل کی فہرست میں "ساقی" سرفہرست نظر آتا ہے۔ "ساقی" اپنے مدیر "شاہد احمد دہلوی" کی لاڈلی اولاد اور قیمتی اثاثہ تھا، جسے نازونعم سے پروان چڑھانے میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اپنی سوانح عمری میں وہ لکھتے ہیں:

"بیس، پچیس سال پہلے ساقی "فیشن میں داخل ہو گیا تھا گھر گھر "ساقی" کا چرچا تھا۔ دنیائے ادب سے متعارف ہونے کے لیے ضروری تھا کہ "ساقی" میں اپنی چیزیں شائع کرائی جائیں"۔ ۳۵

"خاص نمبروں کی اشاعت کے حوالے سے بھی "ساقی" نے اپنی روایت کو برقرار رکھا۔ قیام پاکستان سے پہلے اس کے خاص نمبروں میں سالنامے اور جاپان نمبر اہم ہیں، جبکہ قیام پاکستان کے بعد سالناموں کے علاوہ جوبلی نمبر، افسانہ نمبر، ادب آہنی پردے کے پیچھے (خاص نمبر)، ناولٹ نمبر، مشرقی پاکستان نمبر، جوش نمبر، ناولٹ نمبر، نذر الاسلام نمبر، جنگ بھارت وپاکستان (خاص نمبر) یادگار جنگ نمبر اور شاہد احمد دہلوی نمبر قابل ذکر ہیں۔ ۳۶

شاہد احمد دہلوی نمبر، ان کی وفات کے بعد شائع کیا گیا، جس کے مدیر جمیل جالبی تھے، "نگاہ اوّلین" میں لکھتے ہیں:

"بہر حال میں نے اس نمبر کو مرتب کرتے وقت کوشش کی ہے کہ شاہد احمد دہلوی کی زندگی اور ادبی خدمات کے کم و بیش سارے پہلو سامنے آجائیں اور ان صفحات کے مطالعہ سے ایک نظر میں شاہد احمد دہلوی کو دیکھا جا سکے"۔ ۳۷

پاکستان میں "ساقی" نامساعد حالات کا شکار رہا، خصوصاً مالی مشکلات ہمیشہ اس کے آڑے آتی رہیں۔ دہلی میں شاہد دہلوی کی جائیداد اور بینک بیلنس کے سبب یہ رسالہ پھلتا پھولتا رہا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اپنے بہترین معیار کے باوجود یہ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکا۔ کچھ شاہد احمد دہلوی کی بیماری اور وفات نے بھی اسے متاثر کیا۔ انہوں نے ۲۷ مئی ۱۹۶۷ء کو وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیگم نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی، تاہم یہ رسالہ جانبر نہ ہو سکا۔

شاہد احمد دہلوی کی وفات پر جب عاصمہ شاہد نے "نگاہ اوّلین" لکھا تو وہ کچھ یوں تھا:

"ساقی کا اداریہ لکھتے ہوئے وہ انگلیاں بے اختیار یاد آرہی ہیں جنھوں نے سالہا سال "نگاہ اولین" سے عروس ادب کے چہرے کی تابانی کو دوام بخشنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور بر ہم ساقی کو ایک ایسا مرقع بنا دیا تھا کہ جو جگہ خالی ہو گئی پر نہ ہو سکی"۔ ۳۸

"ساقی" میں نہ صرف نئے لکھنے والوں کو جگہ ملتی تھی بلکہ منجھے ہوئے قلم کاروں کی بھی ان تحریروں کو شامل کیا جاتا تھا، جوادب کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائیں۔ قارئین کی فکری و جمالیاتی تسکین کریں نا کہ انہیں الجھا کے رکھ دیں۔ اس رسالے میں مغربی ادب کے تراجم کو بھی خصوصی طور پر شائع کیا گیا تا کہ شائقین ادب ہر خطے کے ادب کا ذائقہ چکھ سکیں۔ خاکہ نویسی اور شخصیت نگاری کے ذریعے بھی اس رسالے میں چار چاند پیدا کیے گئے۔ اس کے ساتھ ترقی پسند تحریک کی حمایت وفروغ کو بھی اپنا مشن بنائے رکھا اور ان سب کارناموں کا سہرا اس کے بانی مدیر شاہد احمد دہلوی کے سر ہے جنھوں نے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال اور سرمایہ اس رسالے کی بہتری کے لیے وقف کیا اور اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہ کیا۔

اس حوالے سے سید ولایت حسین خمار دہلوی (پیرجی) کہتے ہیں:

"وہ ادب کے سلسلے میں خود کسی سے نہیں الجھے لیکن اگر کوئی الجھ جاتا تو پھر اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر ایسا پڑتے کہ اسے قبر تک پہنچا کر دم لیتے"[۳۹]

اسلم فرخی اس بات کی تصدیق کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شاہد بھائی کو اپنی زندگی میں خاصی معرکہ آرائی بھی کرنا پڑیں تو ان کا مشرب صلح کل تھا۔ لیکن جب بھرتے تھے تو سنبھالے نہیں سنبھلتے تھے"[۴۰]

الغرض "ساقی" اردو ادب کا ایک اہم اور معیاری رسالہ تھا۔ جس کا ماضی تابناک تھا۔ نامساعد حالات کے باوجود بھی اس رسالے نے اپنے حال کو بہتر بنانے کی کوشش کی، لیکن سایۂ شفقت اٹھ جانے کے بعد اس رسالے کی حیثیت اس یتیم بچے کی سی ہوگئی، جو باپ کے مرنے کے بعد نئے سرے سے خود کو یکجا کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر کر نہیں پاتا۔ شاہد احمد دہلوی ایک مخلص اور قابل ادیب تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کا یہ رسالہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا اور روبہ زوال ہوگیا لیکن اپنے پیچھے کامیابیوں کی داستانیں چھوڑ گیا۔

شاہد احمد دہلوی

شاہد احمد دہلوی ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے شاہد احمد دہلوی نے اپنی ادبی خدمات اور بیش قیمت ادب پاروں کے ذریعے اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ شاہد احمد دہلوی اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کا اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"کانونٹ اسکول میں صرف ہم ہندوستانی بچے تھے، باقی سب لڑکے لڑکیاں یورپین تھیں ایک سال کی الٹا پلٹی ہی میں ہم انگریزی روانی سے بولنے لگے تھے"[۴۱]

شاہد احمد دہلوی کے علی گڑھ کے ظہور وارڈ میں زیر تعلیم رہنے کی بابت ان کے سگے بھائی منذر احمد اپنے مضمون "میرا بھائی" میں رقم طراز ہیں:

"برابر والے کمرے میں ایک لڑکا تھا جو بعد میں نواب مشتاق احمد گورمانی (گورنر مغربی پاکستان کے نام) سے معروف ہوا۔ یہ لڑکا بھی پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا اور منجھو (مشیر احمد منجھلے تھے)، شدو (شاہد احمد) کے سیکشن میں ہی تھا" ۴۲

شاہد احمد دہلوی نے دلی سے بی اے کیا۔ جس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں:

"دلی آجانے کے بعد میں نے بی اے (آنرز) انگریزی ادبیات میں کیا" ۴۳

شاہد احمد دہلوی زمانہ طالب علمی میں ہی مختلف ادبی محفلوں کے سرگرم رکن رہے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے ایک رسالہ "ساقی" جاری کیا۔ اس رسالے کو دلی زبان اور ثقافت کے نقیب کے طور پر جاری کیا گیا۔ ابتداء میں شاہد احمد دہلوی اوران کے معاونین کو رسالہ نکالنے کا تجربہ نہ تھا۔ محض شوق میں نکالا گیا یہ رسالہ رفتہ رفتہ اردو ادب کا ایک بے مثال رسالہ بن گیا۔ اس راہ شوق میں انہیں بے شمار مالی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ خصوصاً تقسیم کے بعد پاکستان آمد پر انہیں لاہور سے "ساقی" کا ڈیکلریشن نہیں ملا، کراچی سے 'ساقی' کے نئے دور کے آغاز کے سلسلے میں بے شمار مشکلات خصوصاً مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن دلی سے تعلق کا خاتمہ ان کی جان کا روگ بن گیا۔

شاہد احمد دہلوی "ترقی پسند ادبی تحریک" کے بہت بڑے حامی تھے۔ ان کا تعارف ۱۹۳۵ء میں اس تحریک سے اس وقت ہوا جب سجاد ظہیر دہلی آئے اور اختر حسین رائے پوری کے ساتھ ان سے ملنے آئے اور دہلی میں "انجمن ترقی پسند مصنفین" قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ یہ میٹنگ ڈاکٹر شوکت انصاری کے مکان پر ہوئی، شاہد احمد دہلوی کا جواب کچھ یوں تھا:

"اگر ترقی پسندی اسی کا نام ہے کہ ادب کو زندگی کا آئینہ دار بنایا جائے تو ٹھیک ہے انجمن قائم ہو جائے گی" ۴۴

شاہد احمد دہلوی کے رسالے "ساقی" نے بھی ترقی پسند تحریک کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تاہم بعد میں جب انھیں اس کا احساس ہوا کہ یہ تنظیم خالص سیاسی تنظیم بن چکی ہے اور ادب کے ذریعے سیاست کو تختہ مشق بناتی ہے تو انہوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ آخر وقت تک انھوں نے ترقی پسندی کو نہیں چھوڑا۔ اس ضمن میں یہ بات اہم ہے کہ اگر ترقی پسندی کو کمیونزم کے مترادف سمجھ لیا جائے تو شاہد احمد دہلوی ترقی پسندی کے خلاف ہو گئے تھے لیکن اگر ترقی پسندی کو روشن خیالی کے معانی پہنائے جائیں تو وہ لازماً ترقی پسند تھے۔ ۴۵

کراچی میں شاہد احمد دہلوی نے ریڈیو پر ملازمت کی اور "ساقی" کی اشاعت کرتے رہے ان کی زندگی دہلی کے مقابلے میں کسمپرسی میں گزری تاہم "ساقی پر انھوں نے آنچ نہ آنے دی اور اس رسالے کے ذریعے ادب کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

۱۰ فروری ۱۹۶۷ء کی رات ان کو دل کا دورہ پڑا اور وہ بستر تک محدود ہو گئے اور "ساقی" کی اشاعت کی ذمہ داری ان کے رفیق شمس زبیری اور ان کی اہلیہ عاصمہ بیگم نے سنبھالی۔ ۲۶ مئی ۱۹۶۷ء کو ان کو دل کا دوسرا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ

ہو سکے۔ ان کی وفات کے بعد "ساقی" غالباً ۱۹۷۱ء تک جاری رہا لیکن اپنے بانی مدیر کی رحلت کے بعد گویا اس رسالے کی بھی موت واقع ہوگئی۔ شاہد احمد دہلوی نے اردو ادب کی جو خدمت کی اس بناء پر ان کا نام ادب کے آسمان پر ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

ماہنامہ ادب لطیف۔ لاہور

ادب لطیف کا اجراء مارچ ۱۹۳۵ء میں چودھری برکت علی کے ہاتھوں ہوا اور صحیح معنوں میں یہیں سے اردو رسائل کا نیا دور شروع ہوا۔ ۴۶

ادب لطیف کے اجراء سے متعلق حکیم احمد شجاع کا کہنا ہے:

"میرے ہی مشورے سے انہوں نے "ادب لطیف" جیسا رسالہ شروع کیا۔ اس رسالے کا نام "ادب لطیف" بھی میرے کہنے سے رکھا۔ میں نے اس رسالے کا نام "ادب لطیف" اس لیے تجویز کیا کہ میں کسی زمانے میں "ہزار داستان" کے نام سے ایک رسالہ شائع کرتا تھا اور اس "ہزار داستان" میں، میں نے ہی سب سے پہلے light literature کا ترجمہ "ادب لطیف" کیا تھا اور اسی خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ نام تجویز کیا تھا" ۴۷

مارچ ۱۹۳۵ء میں جاری ہونے والے اس پرچے کو معیاری بنانے کے لیے بہترین کاتب، بہترین مصور اور بہترین پریس کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پنجاب بک ڈپو ۵ لوئر مال لاہور، جس کے مالک خود چودھری برکت علی تھے۔ ابتداء میں اس ادارے سے اس کی اشاعت کا سلسلہ ہوا رسالے کا سائز مستقل نہیں تھا۔ مختلف اوقات میں مختلف سائزوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔ "ادب لطیف" کے ابتدائی پرچوں میں سرورق پر درج تھا: "علم ادب کا ماہوار مرقع مصور ادب لطیف" مارچ ۱۹۳۵ء کے پہلے شمارے کے اداریے بعنوان "نذر اولین" میں درج تھا:

"ادب لطیف" کے اجراء کا مقصد حقیقی ہر ماہ علمی، ادبی مضامین کے اچھے نمونے پیش کر کے ملک میں پاکیزہ ادب کا مذاق پیدا کرنا ہے۔ "ادب لطیف" کے افسانوں، نظموں اور غزلوں کا مقصد بھی یہی ہوگا، لیکن اس مقصد کے حصول میں اس وقت تک کامیابی مشکل ہے جب تک اچھے لکھنے والے اس کی طرف توجہ نہ کریں۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے اس لیے ہماری کوشش ہے کہ "ادب لطیف" بہترین ادیبوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرانے کی کوشش کرے تاکہ "ادب لطیف" صحیح معنوں میں "ادب لطیف" کہلانے کا مستحق ہو"۔ ۴۸

تاہم بعد میں اس رسالے کی پالیسی مدیران کی منشاء کے مطابق بدلتی رہی کبھی یہ ترقی پسند تحریک کا ترجمان اور کبھی رومانویت کا پرچار کرتا نظر آیا اور کبھی علامتی ادب اس کا خاصہ بن گیا، لیکن ہر دور میں ادب لطیف نے اپنی حیثیت و مقام برقرار رکھا اور ادب کی خدمات و ترویج میں اپنا ہاتھ بٹاتا رہا۔

ادب لطیف ابتداء ہی سے ترقی پسند تحریک کا نقیب رہا۔ اس رسالے کے اجراء کے مقاصد میں ایک مقصد ترقی پسند تحریک کو آگے بڑھانا بھی تھا۔ ۴۹ بہ قول عبدالسلام خورشید:

"ادب لطیف اور سویرا، اسی تحریک کے زیر اثر وجود میں آئے اور نئے ادب کی عکاسی ان کا کام قرار پایا۔ اس میں نئے اور پرانے سب ہی مکتبہ فکر کے لوگ شامل ہیں" ۵۰

ادب لطیف میں بلند پایہ مقالات، معیاری افسانے، تخلیقی وتنقیدی مضامین، معیاری نظمیں اور غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ ادب لطیف میں خاص طور پر ایسے مضامین چھپتے تھے جو زندگی کے ترقی پسندانہ رجحان کی ترجمانی کرتے ہوں۔ مرزا ادیب برکت علی مرحوم کے بعد اس کے مدیر مقرر ہوئے اور سترہ سال تک قلم دان ادارت ان کے پاس رہا۔ اس دوران ادب لطیف نے ترقی کی بلندی کو چھولیا تھا۔ مگر ہر بلندی کے بعد پستی کے مصداق ادب لطیف، بادمخالف سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس کا وہ معیار جو چودھری برکت علی مرحوم نے قائم کیا تھا اور جسے مرزا ادیب نے برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ آخر برقرار نہ رہ سکا۔ مرزا ادیب نے اس رسالے کے کئی خاص نمبر شائع کیے جو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ خاص طور پر ادب لطیف کا ڈرامہ نمبر، جس میں تمثیل نگاری کے مختلف پہلوؤں سے متعلق مقالات، طبع زاد اور یورپ کے بہترین یک بابی ڈراموں کے تراجم شامل ہیں۔ اور جس کے لکھنے والے سب ہی مشہور ڈرامے نگار اور ادیب ہیں۔ یہ خاص نمبر ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو ڈرامہ نگاری اور مغربی فن، ڈرامہ نگاری پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۵۱

اس کے علاوہ بھی ادب لطیف کے کئی اہم خاص نمبر اور سالنامے شائع ہوئے۔ چند یہ ہیں:

۱۔ سالنامہ: جلد ۴۱، شمارہ ۱۱، ۱۲، تاریخ درج نہیں ہے۔ صفحات ۲۰۰۔ مدیر: ناصر زیدی۔

خاص خاص مضامین:۔

نثری نظم کیوں (مذاکرہ)، عبیداللہ علیم اور ابراہیم جلیس کی آپ بیتیاں، سفرنامے کا خصوصی مطالعے کے موضوع پر احمد ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری، عارف عبدالمتین اور امجد اسلام امجد کی تحریریں

۲۔ سالنامہ: جلد ۶ شمارہ ۴، ۱۹۳۸ء، صفحات: ۲۲۰، مدیر: برکت علی۔

خاص خاص مضامین: اسرار خودی (عیش امروہوی)، دنیا کی اہم سیاسی تحریکات (شبلی بی کام)

۳۔ سالنامہ جلد ۱۲، شمارہ ۴، جنوری ۱۹۴۱ء، صفحات: ۲۲۹، مدیر: برکت علی۔

خاص خاص مضامین ترقی پسند ادب کا اخلاقی زوال (ڈاکٹر سید عبداللہ)، بیدل شاہ جہاں پوری، (عبدالمجید سالک)، نظیر اور حالی (فیض احمد)، غالب کا امتیازی وصف (ماہر القادری)، ایرانی ادب میں طنز اور ظرافت (غلام جیلانی برق)، آغا حشر کاشمیری (عبداللطیف)، صنعتی نفسیات (پروفیسر ابراہیم)، نظریہ اضافت (عبدالبصر یال) غلام قادر روہیلہ (محمد دین فوق)۔

۴۔ سالنامہ:۔ جلد ۱۸، شمارہ ۴، ۵، ۱۹۴۴ء، مدیر، احمد ندیم قاسمی،

خاص خاص مضامین:۔ جدید ادب (قاضی عبدالغفار)، ادب اور اخلاق (احتشام حسین)، اخباری زبان (عبدالمجید سالک)، خان شہید اوراس کے نوج (اختر شیرانی)، اردو ادب ۱۹۴۳ء میں (عبارت بریلوی)۔

۵۔ سالنامہ: جلد ۳۴، شمارہ ۱، اپریل، مئی، ۱۹۵۲ء، صفحات ۲۲۴، مدیر: برکت علی۔

خاص خاص مضامین:۔ ادب کا مادی تصور (احتشام حسین)، ہماری تہذیب کے چند پہلو (سلامت اللہ)، قدریں، ماحول اور شخصیت پر ان کا اثر (سعید احمد رفیق)، زبان وشعر کا رشتہ (ممتاز حسین)، میر کی مثنوی نگاری (سید عبداللہ) پریم چند (کرشن چندر)

۶۔ سالنامہ: جلد ۶۸، شمارہ ۱، ۲، ۱۹۶۸ء، صفحات ۳۳۸، مدیر: ناصر زیدی

خاص خاص مضامین:۔ مصحفی ایک جائزہ (سجاد باقر رضوی)، سرشار پر ایک نظر (احراز نقوی)، مثنوی عطر سخن (کسری' منہاس)، نئی شاعری، سامراج کی سازش ہے (افتخار جالب)۔ ۵۲

اس کے علاوہ کچھ سالنامے اور خاص رسالے یہ بھی تھے:

۱۔ سالنامہ: ۱۹۵۷ء۔ مرتبہ: مرزا ادیب۔: حجم: ۳۴۵ صفحات

۲۔ ڈرامہ نمبر: مرتبہ: مرزا ادیب۔ حجم: ۲۴۵ صفحات

۳۔ سالنامہ: مارچ ۱۹۶۰ء۔ مرتبہ: مرزا ادیب۔ حجم: ۳۱۱ صفحات

۴۔ سالنامہ: ۱۹۶۱ء۔ مرتبہ: مرزا ادیب۔ حجم۔ ۲۵۰ صفحات

۵۔ جوبلی نمبر: ۱۹۶۳ء۔ مرتبہ: انتظار حسین۔ حجم: ۳۱۵ صفحات

۶۔ سالنامہ: ۱۹۶۷ء۔ مرتبہ: انتظار حسین۔ حجم: ۳۱۲ صفحات

۷۔ سالنامہ: مرتبہ: ناصر زیدی۔ حجم: ۳۱۴ صفحات

ادب لطیف ایک عرصہ تک نوجوان ادیبوں کے ذہن پر راج کرتا رہا اور ترقی پسند تحریک کے فروغ کے ساتھ ہی نئے لکھنے والوں کی سرپرستی بھی کرتا رہا۔ کئی ادیبوں کی تربیت، اور نئے افکار کو عام کرنے میں اس رسالے نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ ۵۳

ادب لطیف چونکہ ترقی پسند تحریک کا ترجمان تھا، لہذا تقسیم کے بعد بھی ان ہی اصولوں پر کاربند رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ادب لطیف کے ذریعہ ایک ایسا ادب پیدا ہوا، جو زندگی آمیز اور زندگی آموز ہے۔ ۵۴

تقسیم کے بعد ادب لطیف نے خاص طور پر افسانوی ادب کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ترقی پسند تحریک کا علمبردار یہ رسالہ شروع ہی سے اس ادب کا قائل ہے جس کے سوتے براہ راست زندگی سے پھوٹتے ہیں اور جو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ ادب فنکارانہ انداز میں معاشرتی مسائل کا سائنٹفک تجزیہ کرتا ہے اور ان عصری میلانات کی ہم نوائی کرتا ہے، جو زندگی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ۵۵

ادب لطیف ترقی پسندی کی جس روش پر تقسیم ہند سے پہلے گامزن تھا۔ تقسیم کے بعد بھی اسی پر چلتا رہا۔ پاکستان میں جب پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کی بحث چھیڑی گئی تو ادب لطیف نے خود کو آزاد رسالہ ثابت کیا، جو حکومتی اداروں کی سربراہی میں تخلیق ہونے والے ادب کا پرچارک بننے کو تیار نہ تھا۔ نئی حکومتی مشینری کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے اور ترقی پسندی کو فروغ دینے کے جرم میں ادب لطیف کو ستمبر ۴۸ء سے فروری ۴۹ء تک چھ ماہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ بندش کے بعد بھی اس رسالے کو بہت سے صدمات اٹھانے پڑے، خصوصاً ترقی پسندوں کے ترجمان اس رسالے کو ترقی پسندوں ہی کی تنقید سہنی پڑی، لیکن ادب لطیف نے ان حالات کا بھی مقابلہ کیا۔ ادب لطیف زندہ اور فعال پرچہ تھا، اس لیے جب اردو ادب میں جدیدیت کی لہر آئی اور شاعر، افسانہ نگار سبھی اس سے متاثر ہوئے تو ادب لطیف نے اس نئے انداز کا خیر مقدم کیا۔ یہ ایک رجحان ساز پرچہ تھا، جو اپنے قارئین کی ادبی تربیت کا خواہاں اور ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا ترجمان تھا۔ ۵۶

ادب لطیف کے مضامین، ڈرامے اور افسانے میں، معاشرتی مسائل، سماجی ناانصافیوں اور ناہمواریوں کی ترجمانی سے عبارت ہوتے تھے۔ اگست ۱۹۴۱ء کے شمارے میں "ہماری نسل کے عنوان سے ایک مضمون میں احمد علی لکھتے ہیں:

"ہماری نسل ایک مایوس کن نسل ہے اور یہ زمانہ جس میں ہم رہتے ہیں یاس اور رنج سے بھرا ہوا زمانہ ہے۔"۔

مزید لکھتے ہیں:

"لیکن انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی بہتری اور بہبود کے لیے جان توڑ کوشش کرے لیکن عام طور پر ہماری نسل کا نصب العین بہت پست ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کا نصب العین بلند ہے اور جو اپنے خیالات کے لیے جان دینے کو تیار ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ عام طور پر ہماری نسل ہر چیز کو ناامیدی اور یاس سے دیکھتی ہے۔ اگر ان کے دلوں میں کبھی کسی جذبہ یا کسی خواہش کی آگ بھڑکتی ہے تو اکثر اوقات ان میں اپنی خواہشات پوری کرنے کی نہ تو طاقت ہے اور نہ آرزو۔ گویا ہمارے دماغ سو چکے ہیں۔ ہماری روح مر چکی ہے۔ آب حیات کے گدھوں کی طرح ہم پانی کو حسرت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ پانی تک پہنچ سکیں۔ ۵۷

ادب لطیف میں بے شمار اہم موضوعات اور مسائل پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ ملک میں غیر ملکی خصوصاً امریکی کتابوں کی اشاعت سے متعلق معاملے پر اختر لکھنوی اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں:

"امریکی کتابوں کی اشاعت سے متعلق آپ نے جس نکتہ کو گرفت کیا ہے وہ بلاشبہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ ان کتابوں سے جہاں ناشرین متاثر ہوئے ہیں، وہیں ترجمہ کرنے والے ادیب اور پڑھنے والے عام قارئین بھی غلط روش کا شکار ہو گئے ہیں" ۵۸

ادبی جرائد کی تاریخ میں ادب لطیف واحد پرچہ ہے جو ۱۹۳۵ء سے بیسویں صدی کے آغاز تک زمانے کے ساتھ چلا۔ ادبی وضع داری کو نبھاتے اور ادب کی بیش تر نئی تحریکوں کے لیے سمیٹتے ہوئے اس جریدے نے خود کو ایک ادب ساز

پرچہ ثابت کیا۔ مدیران کی ایک طویل فہرست کا اس سے منسلک ہونا بھی اس کی خوبی بن جاتا ہے کہ اس کے مدیران اور ان کے رجحانات کی تبدیلی گو اس کے لیے ایک نیا تجربہ ثابت ہوتی رہی، لیکن تبدیلی کے اسی عمل نے اسے ورسٹائل پرچہ بنا دیا۔۵۹ یہ رسالہ اب بھی صدیقہ بیگم کی ادارت میں گاہے بہ گاہے نکلتا رہتا ہے۔

افکار۔ کراچی

۱۹۴۵ء میں برصغیر پاک و ہند کی مسلمان ریاستوں میں سے ایک چھوٹی سی ریاست بھوپال کے چند نوجوانوں نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر اپنا ایک رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یوں انجمن ترقی پسند مصنفین (شاخ بھوپال) کے سیکرٹری صہبا لکھنوی اور ان کے ساتھیوں رشدی بھوپالی اور کوثر چاند پوری نے "افکار" کے نام سے ایک ادبی رسالے کا اجراء کیا۔ اس رسالے کا نام علامہ اقبال کے مجموعہ کلام "ضرب کلیم" کی مشہور نظم "تخلیق" کے اس شعر سے مستعار لیا گیا۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا ۶۰

صہبا لکھنوی، افکار کی ابتداء اور اس کے آغاز کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بھوپال میں ادبی فضا نہایت خوش گوار تھی، سوچا گیا کہ یہاں کوئی ادبی کام ہونا چاہیے۔ جاں نثار اختر بھی گوالیار سے بھوپال آ گئے تھے وہاں ترقی پسند مصنفین کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، انہوں نے اس تحریک کو منظم کیا۔ حکیم قمر الحسن اور اے آر رشدی بھی ہمارے ساتھ تھے میں نے ساتھیوں کے مشورے سے دسمبر ۱۹۴۵ء میں "افکار" کا ڈیکلریشن حاصل کیا۔ کوثر چاند پوری بھی چھ ماہ ہمارے ساتھ رہے ان سے ہمارے نظریاتی اختلافات تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترقی پسند نہیں تھے"۶۱

۹.۹×۷.۹ انچ سائز کے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت فی شمارہ ۶ روپے تھی۔ "افکار" کا بنیادی مقصد ادب اور زندگی کے مابین فرق کو ختم کر کے ایک زندہ ادب پیش کرنا تھا، جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال کر اور انھیں ادب کے لطیف سانچے میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کرے۔ اس رسالے نے اردو ادب کے ارتقائی معیار کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا۔ بلند پایہ ادبی تصانیف، علمی و ادبی مقالات، تنقید، غیر ملکی تراجم، خودنوشت، افسانے، طنز و مزاح، غزلیات وغیرہ اس رسالے کا خاصہ تھیں۔

چونکہ اس زمانے میں بھوپال میں ترقی پسند تحریک اپنے زوروں پر تھی، اس لیے "افکار" نے اس تحریک کے مختلف ادوار اور منازل کی ہمہ وقت ترجمانی کی اور اس دور میں عام شماروں کے ساتھ ساتھ تین یادگار نمبر بھی شائع کیے، جن میں لکھنؤ کانفرنس نمبر، بھوپال نمبر، اور بھیمڑی کانفرنس نمبر تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔۶۲

تقسیم ہند کے بعد "افکار" بھی فسادات اور افراتفری کا شکار ہوا۔ جب صہبا لکھنوی کے لیے بھوپال میں رہنے اور "افکار" کے اجراء کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے ان حالات میں پاکستان ہجرت کا فیصلہ کیا اور ۱۹۵۰ء میں

بھوپال سے ہجرت کر کے کراچی منتقل ہو گئے اس طرح "افکار" کا پہلا دور اختتام پذیر ہوا جس میں اس رسالے نے ترقی پسند تحریک کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

پاکستان میں صہبا لکھنوی ابتداء میں دیگر مہاجرین کی طرح مشکلات کا شکار رہے، خصوصاً "افکار" کی دوبارہ نشوونما ان کے لیے اہم مسئلہ تھی، جس کے لیے انھوں نے اپنی ہمت اور وسائل کو مجتمع کیا اور بالآخر جون ۱۹۵۱ء میں "افکار" کا از سر نو اجراء کر کے اس رسالے کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔

اختر جمال لکھتے ہیں:

"افکار ۱۹۵۱ء میں کراچی سے شائع ہوا، شروع شروع میں "افکار" مہاجر بنا رہا، دبلا پتلا سا احتیاط سے قدم بڑھاتا ہوا۔ تکلیفوں میں راستہ بناتا ہوا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے افکار کو نیا ماحول اور فضا ایسی راس آئی کہ رنگ و روغن ہی بدل گیا" ۶۳

ابتداء میں صہبا لکھنوی مالی مشکلات کا شکار رہے۔ ہجرت کے باعث وہ بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ نہ ملازمت تھی، نہ کوئی ذاتی کاروبار و جائیداد، صرف رسالہ شائع کرنے اور ادب کی خدمت کا تجربہ تھا، سو انھوں نے اسی بل پر اللہ کا نام لیا اور افکار کا آغاز کیا۔

ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

" تقسیم کے بعد کراچی آئے تو افکار نے یہاں سے دوسرا جنم لیا، صہبا صاحب مالی مشکلات اور دوسری پریشانیوں سے دوچار ہوئے اور لوگوں کی نکتہ چینی کا نشانہ بنے۔ مگر افکار کی خدمت و ترقی میں ہمہ تن منہمک رہے۔ رات دن اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے افکار ہی ان کے دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔ ان کے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا، لیکن جو کچھ اور جس قدر تھا، سب افکار کی نذر کر دیا" ۶۴

صہبا لکھنوی کو "افکار" سے کچھ اس قدر محبت تھی کہ نامساعد حالات کے باوجود بھی وہ اس کے معیار اور شان میں سمجھوتہ کرنے پر رضامند نہ تھے۔ لہٰذا پاکستان میں جاری ہونے والا افکار کا پہلا شمارہ ہی خاص نمبر تھا۔ جو "افکار" کے مدیر کا، اس سے محبت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

اس کے بعد بھی "افکار" نے خاص نمبروں کی روایت کو برقرار رکھا اور بے شمار سالناموں کے علاوہ کئی خاص نمبر اشاعت پذیر ہوئے۔ جن میں منٹو نمبر، سالگرہ نمبر، آزادی ایڈیشن، افسانہ نمبر، جوش نمبر، شمارہ یوم پاکستان، شمارہ آزادی، حفیظ نمبر، جوش نمبر (ضمیمہ)، افسانہ نمبر، فیض نمبر، آزادی ایڈیشن، خاص نمبر، غالب نمبر، نئی تخلیق نمبر، ڈرامہ ایڈیشن، انقلاب نمبر، غالب نمبر، اشاعت خاص (اقبال)، جوبلی نمبر، افسانہ ایڈیشن، حفیظ ہوشیار پوری ایڈیشن، سجاد ظہیر ایڈیشن، محمد احمد خان ایڈیشن، ندیم نمبر، امیر خسرو ایڈیشن، کرشن چندر ایڈیشن، نذر اقبال (خاص نمبر)، روحی ایڈیشن، برطانیہ میں اردو (خاص نمبر) اور متعدد خصوصی اشاعتیں شامل ہیں۔ ۶۵ یہ تمام خاص نمبر ایک دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں اور ان موضوعات پر کوئی بھی تحقیقی کام ان خاص نمبروں سے صرف نظر کیے بنا مکمل نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر عالیہ امام افکار کے حوالے سے کہتی ہیں:

"افکار اپنی جگہ پر صرف ایک ادبی رسالہ نہیں بلکہ ایک مکمل ادبی تحریک ہے۔ اس نے اگر ایک طرف ذہنوں کی تربیت کی ہے تو دوسری طرف ہمارے جو پرانے روش کے لوگ ہیں، ان کو ایک نیا ذہن، ایک نئی فکر، ایک نیا خیال اور ایک نئی روشنی عطا کی ہے"۔٦٦

صہبا لکھنوی نے "افکار" کے ذریعے اردو ادب کی بہت خدمت کی۔ پاکستان آنے کے بعد انہوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ افکار کو نئے خطوط پر استوار کیا جائے انھوں نے اپنے دورِ ادارت میں نہ صرف مشہور و معروف ادبی قلم کاروں کو افکار میں جگہ دی بلکہ انھوں نے نئے ادیبوں کو بھی حوصلہ دیا۔ انھوں نے افکار کو دوسرے ہم عصر ادبی رسائل سے منفرد و ممتاز بنانے کے لیے شبانہ روز محنت کی۔

وہ جدید نظم سے متاثر تھے، جس کا جا بجا اظہار افکار میں نظر آتا ہے۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ ادبی خبروں کو بھی افکار میں جگہ ملی۔ پاکستان کی دیگر قومی (علاقائی) زبانوں کے تراجم کو بھی افکار کا حصہ بنا کر انہوں نے اردو ادب کے دامن کو وسیع کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ راولپنڈی میں "جشن افکار" کے موقع پر صہبا لکھنوی نے کہا:

"ادبی رسالوں کے مدیروں کا جو مقدر رہا ہے، وہی میرا مقدر ہے۔ جس ادبی مشغلہ کو ۲۷ سال پہلے میں نے محض تفریحاً اختیار کیا تھا، اب وہی میرا نصب العین اور وہی میری منزل ہے۔ راہ کی ساری دشواریاں اور تگ و دو کے تمام مرحلے میں نے بہت سوچ سمجھ کر اور "نوشتہ تقدیر" جان کر مقصد حیات بنائے ہیں اور اس پر میں ہرگز دل گرفتہ اور متاسف نہیں"۔٦٧

افکار کے سلور جوبلی نمبر شائع ہونے کی خوشی میں منعقدہ جشن سیمیں کے موقع پر صہبا لکھنوی نے کہا:

"زندگی میں بارہا یہ ہوا ہے کہ میں افکار کے لیے رویا ہوں۔ بارہا میں نے اپنی بیوی کا زیور رہن رکھا ہے لیکن کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ جذبہ صرف یہ تھا کہ افکار زبان و ادب کی بری بھلی خدمت کرتا رہے۔ رہیں مشکلات تو ہر کام کرنے والے کو ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے جس عزم و حوصلہ کے ساتھ ۲۵ سال گزارے ہیں۔ وہ صرف افکار کے رفیقوں، دوستوں اور ساتھیوں کی دعاؤں، تعاون اور ان کی مخلصانہ رفاقت کے سہارے گزارے ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں ان کی لگاتار رفاقت کا شکریہ ادا کرسکوں"۔٦٨

صہبا لکھنوی نے افکار میں جدت اور نیا پن پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ افکار ایک بے مثال رسالے کی مانند جاری رہا، خصوصاً اس کی اشاعتوں میں تواتر و تسلسل اس کا امتیاز رہا ہے: ڈاکٹر انور سدید کے بہ قول:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ کشور ناہید نے "ماہ نو" کی اور حسنین کاظمی صاحب نے "دائرے" کی ماہانہ اشاعت بھی پابندی سے کی ہے اور کسی اشاعت کا ناغہ نہیں کیا لیکن صہبا لکھنوی کو ان سب پر سبقت حاصل ہے کہ انھوں نے ہر پرچہ ہر ماہ کی یکم تاریخ کو اپنے قارئین کی میز پر سجا دیا۔ پابندیٔ وقت کی روایت ہماری قومی زندگی سے معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ صہبا صاحب نے اس کی پابندی کی ہے تو اس کی انھیں پوری داد ملنی چاہیے"۔٦٩

صہبا لکھنوی نے افکار میں بے شمار نت نئے تجربات کیے۔ ادبی و علمی شخصیات کو ان کی زندگی میں ہی خراج تحسین پیش کرنا، افکار کی ادب اور ادیب سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ افکار میں شامل ایک خط میں اختر پیامی کہتے ہیں:

"مدیر افکار، صہبا لکھنوی کو پبلشرز کے درمیان نئی راہیں تلاش کر لینے، نت نئی اختراعیں کرنے، خطرناک جھوکم کے کام جان پر کھیل کر انجام دینے میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ انھوں نے پہلی بار سلسلہ وار آپ بیتیاں شائع کرنا شروع کیا تھا اور کچھ معروف جدید شعراء اور ادیبوں کی زندگی میں ان کے خصوصی نمبر شائع کیے اس طرح انھوں نے زندوں کے مقابلے میں مردہ پرستی کی فرسودہ روایات کو یکسر ختم کر دیا" ۷۰

اسی طرح اداریوں کے ضمن میں بھی انھوں نے ایک نیا تجربہ کرتے ہوئے اسے دوسری علمی و ادبی شخصیات سے لکھوایا۔ جسے کافی پسند کیا گیا وہ لکھتے ہیں:

"جب کوئی تیس سال تک راقم الحروف اداریے لکھتے لکھتے تھک گیا تو میں نے اپنے اداریے کو "مہمان مدیروں" کے حوالے کر دیا۔ یہ تجربہ اردو ادب میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔ اس لیے بے حد کامیاب ہوا"۔ ۷۱

اس طرح اردو رسائل میں "مہمان مدیر" کے ذریعے تنقیدی ادب کو بھی فروغ دیا گیا۔ جمیل الدین عالی لکھتے ہیں:

"اس نے جدید تر رجحانات کو ہمیشہ خوش آمدید کہا ہے لیکن ہر رجحان کو نہیں۔ پرکھ اور معیار کا دامن چھوٹنے نہیں پایا۔ اس سلسلے میں مہمان مدیروں کی روایت کا بھی اہم رول رہا ہے اگر چہ خالص تنقیدی یا تحقیقی مضامین شاذ ہی شائع ہوتے ہیں لیکن مہمان اداریوں میں بہت سے سنجیدہ فکری مباحث ابھارے گئے ہیں" ۷۲

مجلّہ "افکار" کا شمار ان گنے چنے ادبی رسائل میں ہوتا ہے، جنھوں نے اردو ادب میں نئے رجحانات اور میلانات کو روشناس کرایا، شعر و ادب اور فکر و فن کے متنوع زاویے اور نئے ذائقے عطا کیے۔ "افکار" نے جہاں شعر و ادب اور قارئین کو تخلیق ادب کے لیے مائل کیا، وہاں اس نے تمام لکھنے والے شعرا و ادباء کی حوصلہ افزائی کر کے اردو ادب کو ایک نئی توانائی اور خوش آئند انداز فکر بھی عطا کیا ہے۔ ۷۳

بابائے اردو مولوی عبدالحق فرماتے ہیں:

"ادب میں رسالوں اور جریدوں کی ایک مخصوص جگہ ہوتی ہے اور کئی لحاظ سے ادبی رسالے کتابوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ رسالوں میں جدید ادبی تحریکوں، رجحانات اور دیگر ادبی رسائل پر پہلے بحث ہوتی ہے اور انہیں پڑھنے کے بعد ہی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ سچ پوچھیے تو ادبی رسالے انقلاب لا سکتے ہیں مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ افکار کے مدیر صہبا لکھنوی نے سخت تکلیفیں برداشت کر کے اسے زندہ رکھا ہے یہی نہیں بلکہ افکار کے ذریعے اردو زبان و ادب اور علاقائی ادب کی بھی بڑی خدمت کی ہے" ۷۴

مجلّہ "افکار" نے شعری ادب کے حوالے سے نظم، غزل، ماہیا، دوہا، ہائیکو، گیت، حمد، نعت، قطعات، اور رباعیات جیسی اصناف شعری کو شائع کیا۔ اردو نثر کے ضمن میں بھی مجلّہ "افکار" کی خدمات سراہے جانے کے قابل ہیں۔ مضامین و

مقالات کے حوالے سے مجلّہ "افکار" نے تنقیدی، تحقیقی، ادبی، سائنسی اور معلوماتی مضامین ومقالات پیش کیے افسانے، خاکے، طنزیے، ناولٹ، انشائیے، سفرنامے، ڈرامے، خودنوشتیں اور یادداشتیں بھی شائع کی گئیں۔ دیس دیس کا ادب کے تحت شاعری، افسانوں اور مضامین کے تراجم شائع کیے۔۵ے

الغرض "افکار" اور صہبا لکھنوی کچھ اس طرح سے لازم وملزوم ہیں کہ کسی وقت بھی ایک کا نام، دوسرے کی جگہ لیا جاسکتا ہے۔ اس رسالے نے ادب کی بے انتہا خدمت کی۔ صہبا لکھنوی نے اپنی زندگی میں ہی افکار فاؤنڈیشن کا آغاز کردیا، اور "افکار" اب اس فاؤنڈیشن کے تحت ہی شائع ہوتا ہے۔ "افکار" صہبا لکھنوی کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بہ قول نصراللہ خان:

"سرسید احمد خان نے کہا تھا کہ "جب اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ پوچھے گا کہ تو دنیا سے کیا لے کر آیا ہے تو میں حالی کا "مسدس" پیش کروں گا۔ اسی طرح "افکار" صہبا لکھنوی کی بخشش کا باعث ہوگا"۔۶ے

صہبا لکھنوی

اردو کی ادبی دنیا میں صہبا لکھنوی کے نام سے شناخت رکھنے والی شخصیت کا اصل نام سید شرافت علی تھا۔ صہبا ان کا تخلص تھا۔ وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ریاست بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام سید محمد علی تھا، جو اپنے وقت کے مشہور وکیل تھے۔ اور ان کی والدہ ایک جج کی بیٹی تھیں ابھی صہبا سات برس ہی کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی پرورش کی ساری ذمہ داری والدہ اور چچا سید نواب علی مرحوم (جوناگڑھ والے) کے سر پر آپڑی۔ درس قرآن مجید سے تعلیم کا آغاز کیا۔ لکھنو کے امیر الدولہ اسلامیہ ہائی اسکول میں تعلیم پاکر ۱۹۳۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران مقابلہ نظم وتقریر میں ہمیشہ اول انعام اور تمغے حاصل کیے۔ ان کے والد لکھنؤ سے بھوپال آکر آباد ہوگئے تھے جبکہ سارا خاندان لکھنؤ میں آباد تھا۔ لہٰذا اس خاندانی نسبت سے وہ اپنے آپ کو صہبا لکھنوی لکھنے لگے۔۷ے

میٹرک کے بعد انہوں نے امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنو میں داخلہ لیا لیکن وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور ۱۹۳۸ء میں بمبئی آگئے۔ ۱۹۴۲ء میں محکمہ مالیات ریاست بھوپال میں بہ حیثیت پیش کار مقرر ہوئے۔ لیکن جلد ہی اس ملازمت کو خیر باد کہ کر محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کرلی اور جہانگیریہ اسکول بھوپال میں مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے گریجویشن کرلیا۔۸ے

صہبا لکھنوی کو ابتداء سے ہی شعر وادب سے لگاؤ تھا۔ ۱۹۳۱ء میں ان کی پہلی تخلیق ہفت روزہ "آفتاب" امرتسر میں شائع ہوئی۔ اور ۱۹۴۳ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ "ماہ پارے" کے نام سے بھوپال سے شائع ہوا۔۹ے انھیں ابتداء سے ہی ایک ادبی پرچہ نکالنے کا جنون تھا اور اپنے اس شوق کی تکمیل کی غرض سے اپریل ۱۹۴۵ء میں انہوں نے اپنے چند رفقا سے مل کر ایک ادبی رسالہ "افکار" جاری کیا، جس نے ادب کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔

صہبا لکھنوی ظاہری طور پر ایک دھان پان سے انسان تھے لیکن ادب میں ان کا قد بہت اونچا تھا۔ وہ بھوپال میں انجمن ترقی پسند مصنفین (شاخ بھوپال) کے بانیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ "افکار' بھی ترقی پسند تحریک کے ترجمان رسالے کے طور پر سامنے آیا۔ تقسیم کے بعد جب صہبا لکھنوی کے لیے بھوپال میں رہنا مشکل ہوگیا۔ تو وہ کراچی چلے آئے اور یہاں سے "افکار" کا دوبارہ اجراء کیا۔ جب معاملات کچھ درست ہوئے تو انہوں نے گھر بسانے کا سوچا اور فروری ۱۹۵۸ء میں ان کی شادی اپنے چچا سید نواب علی صاحب کی صاحب زادی سیدہ محمودہ سے ہوئی۔ صہبا لکھنوی کے کل چھ بچے ہیں۔۸۰؎ اپنی وفات سے سات آٹھ ماہ پہلے وہ خاصے علیل ہو گئے تھے اور بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہیں۔ آخر کار ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء کو رات ۹ بجے وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔۸۱؎

صہبا لکھنوی کی وفات سے اردو ادب کا ایک تابندہ باب بند ہو گیا۔ ان کی خدمات کو اور ان کے "افکار" کو ہمیشہ روشن الفاظ میں یاد رکھا جائے گا۔

سویرا۔ لاہور

لاہور سے دسمبر ۱۹۴۶ء میں "سویرا" کا اجراء ہوا۔ یہ دو ماہی رسالہ تھا، جو "ادب لطیف" کی روش پر جاری ہوا۔ اس کے اجراء کا مقصد ترقی پسندانہ رجحانات کو فروغ دینا تھا۔۸۲؎ اس کا پہلا پرچہ جسے "جدید فنکاروں کے خیالات کا سلسلہ" شمار کیا گیا تھا جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا اور اس کے مرتبین میں احمد ندیم قاسمی، فکر تونسوی اور نذیر احمد کے نام شامل تھے۔ نذیر احمد چودھری نے ناشر کی حیثیت میں "سویرا" کو اپنی رگ جاں قرار دیا اور لکھا کہ:

"میں اسے فنکاروں کے جدید تجربوں اور اشاعتی محاسن کی جدید ترین قدروں کا وہ یادگار اور مثالی پیکر بنا دوں گا، جس کے نقوش ایک مدت تک سرمایہ دارانہ دباؤ نے میرے ذہن کے نہاں خانوں میں بھینچ رکھے تھے"۸۳؎

"سویرا" ایک ایسا ادبی رسالہ تھا جس میں شائع ہونے والے مواد میں عوام کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت تھی۔ ابتدائی شمارے میں چوہدری نذیر احمد اداریے میں لکھتے ہیں: "سویرا' کسی خاص گروہ کا نمائندہ نہیں بلکہ یہ ایسی تخلیقات کو اپنے دل میں جگہ دے گا جو نئے تقاضوں سے شناسا ہیں اور سچے شاعر کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں" ۸۴؎

مزید لکھتے ہیں:

"یہ ایک ادبی ڈکٹیٹر کی طرح پڑھنے والوں پر اپنے نظریات کو نہیں ٹھونسے گا۔۔۔ اس کی پالیسی نئے ادب کے نظریات سے ہم آہنگ ہوگی"۸۵؎

ابتداء میں سویرا کا پورا مزاج ادبی تھا اور اس پر کسی خاص گروہ کی چھاپ نمایاں نظر نہیں آتی تھی تاہم آزادی کے بعد اس کی سابقہ غیر جانبداری کی جہت تبدیل ہوگئی۔ اسے ترقی پسند ادب کا انقلابی ترجمان شمار کیا گیا اور متعدد ادارتی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ فکر تونسوی کی جگہ ساحر لدھیانوی، عارف عبدالمتین، ظہیر کاشمیری، احمد راہی نے "سویرا" کی

ترتیب وتدوین میں نمایاں خدمات سرانجام دیں اور بالآخر اسے انتہا پسندی کے عروج پر پہنچا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سویرا کے شمارہ ۷،۸ کے چند ادارتی حصوں اور بعض مندرجات کو سرکاری حلقوں نے قابل اعتراض قرار دیا۔ سویرا کو چھ ماہ کے لیے جبراً بند کر دیا گیا اور ناشر سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ ۸۶؎

ابتداء میں سویرا ترقی پسند ادب اور تحریک کا ترجمان تھا، تاہم بعد میں جب ترقی پسند تحریک کی شدت کم ہوئی تو اس کی پالیسی بھی اعتدال پر آ گئی۔ اگر چہ حنیف رامے کا مرتب کردہ یہ رسالہ اب بھی "ترقی پسند ادب" کا ترجمان تھا، لیکن ترقی پسندی کا مفہوم اب لغوی حدود میں آ گیا۔ بات چیت کا انداز فلسفیانہ ہو گیا اور اس میں مٹی کے ادراک کے علاوہ روح کی سرشاری کا جذبہ بھی موجود تھا۔ ۸۷؎

اسی دور میں اس رسالے میں ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی، مصوری، سنگ تراشی اور دیگر فنون لطیفہ کو بھی جگہ دی گئی یہ دور "سویرا" کا دور روشن تھا۔ صلاح الدین محمود بھی اس کے مدیر رہے ہیں پھر اس رسالے کی ادارت محمد سلیم الرحمٰن اور ریاض احمد چودھری نے سنبھالی۔ اب بھی سال میں ایک دو شمارے شائع ہو جاتے ہیں۔

ریاض احمد چودھری، بات چیت کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"ادب، اپنی تمام صورتوں میں، مذہب بیزار،، بے سہار جانداروں کو تہذیب ذات اور سوچ بچار کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ بے راہ مسافروں کو آگاہ کرتا ہے کہ منزل کس طرف ہے لیکن یہ صرف انہیں کا مقدر ہے جو کسی چیز کو قبول لنے، اپنے آپ کو بدلنے کے لیے آمادہ ہوں، ادب سے جن کا وہی تعلق ہو جو دن کا رات سے ہے: ایک سے دوسرا جنم لے۔ ایسا گہرا تعلق قربانی چاہتا ہے لیکن ہم مشینوں کے ساتھ ساتھ مشین ہو چکے ہیں اور ہماری رگوں میں بے حس موبل آئل بہتا ہے۔ جو رہی سہی کسر تھی وہ خود غرض اور حیلہ جو سیاست نے پوری کر دی ہے اور ہماری ساری نرمی اور تراوٹ کا ناس مار دیا ہے۔ اب ہمارا گوشت کھردرا اور اکڑا ہوا ہے اور دل، جو کبھی ہمارا ہیرو تھا، صرف پرانی کتابوں اور کباڑیے کی دکان میں رہ گیا ہے۔ ۸۸؎

اگر چہ یہ رسالہ اپنی چالیس سالہ زندگی میں ادارتی تغیرات کا شکار رہا، تاہم اردو ادب کو آزادی کے بعد متاثر کرنے والے رسائل میں "سویرا" ایک اہم نام ہے اور اس کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۸۹؎

قومی زبان۔ کراچی

"قومی زبان" انجمن ترقی اردو کا رسالہ ہے، جو جون ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا۔ ابتداء میں یہ رسالہ پندرہ روزہ تھا بعد میں اس کا دورانیہ ماہنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ ۹۰؎ ۱۰×۸ انچ سائز کے حامل اس رسالے کے کل صفحات ۹۶ اور قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے تھی اور یہ خرم پرنٹنگ پریس، کراچی سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

انجمن ترقی اردو کا ترجمان ہونے کے باعث یہ رسالہ اردو ادب کے خزانوں سے مالا مال تھا اور اس نے اپنے پڑھنے والوں کو ان خزانوں سے حتی الوسع مستفیض کیا۔ شمشیر خان اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"قومی زبان" متحدہ ہندوستان میں "ہماری زبان" کے نام سے شائع ہوتا تھا پاکستان میں آ کر قومی زبان کہلایا۔ ابتداء میں پندرہ روزہ تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء سے ماہنامہ بن گیا۔۹۰

یہ رسالہ اپنے سائز کی بناء پر دیگر رسالوں سے منفرد و ممتاز قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا سائز لمبائی اور چوڑائی میں ایک فل اسکیپ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کے سرورق پر کسی ادبی تقریب کی تصویر یا دیگر ادبی شخصیات کی تصاویر کیپشن کے ساتھ چھاپی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ کبھی ملک کے کسی خوبصورت خطے کی عکاسی کی جاتی تھی اور کبھی ملک کے ہنر مند کاریگروں کا عکس پیش کیا جاتا تھا۔ رسالے کے سرورق پر درج جملہ کچھ یوں تھا:

"قومی زبان ساری قوم کی آواز ہے"۹۱

یہ رسالہ خالصتاً علمی و ادبی مزاج کا حامل تھا۔ جس میں ادبی، تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی تحریروں کے علاوہ مختلف زبانوں کے ادب کے تراجم کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔ "رفتار ادب" کے نام سے کتابوں پر تبصرے دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ "نئے خزانے" کے عنوان سے مختلف رسائل و جرائد، کتابیات، سفرنامے، خطوط، شخصیات، خودنوشت وغیرہ کے اشاریے جاتے تھے تاکہ ان علمی خزانوں تک دسترس آسان ہوسکے۔ "قومی زبان" اپنے تاریخی، علمی و ادبی مضامین کے لیے مشہور تھا۔ خصوصاً اردو زبان کی ترویج کے لیے اس رسالے کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اس رسالے کے پہلے شمارے کے اداریے میں مدیر لکھتے ہیں:

"دلی میں انجمن کا اخبار "قومی زبان" مہینے میں دو مرتبہ نکلتا تھا اور امید ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح چھپا کرے گا لیکن ترقی اردو پاکستان کا یہ ترجمان ابتداء سے مہینے میں چار بار شائع ہوگا اور علمی اور ادبی سرگرمیوں اور انجمن کی خبروں کے علاوہ کوشش کی جائے گی کہ اس میں عام دل چسپی اور افادے کا سامان زیادہ ہو۔ مفید و جدید معلومات، لطیف و معنیٰ خیز فسانہ و حکایات، معیاری نظم و نثر کے نمونے اس کے مستقل عنوانات ہوں گے۔ سردست ایک صفحہ سندھی ناقدین کے لیے مختص کیا گیا ہے جس کے ایک خانے میں اردو اور اس کے محاذی سندھی ترجمہ چھاپا جائے گا۔۹۲

بابائے اردو مولوی عبدالحق ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو وفات پاگئے تو "قومی زبان" کے مدیر اعلیٰ جمیل الدین عالی مقرر ہوئے اور ادارت کے فرائض مشفق خواجہ کو سونپے گئے اور یہ رسالہ پندرہ روزہ کے بجائے ماہنامہ ہوگیا۔ بعد میں ۱۹۷۴ء میں شبیر علی کاظمی بھی رسالے کے مدیر ہوئے۔ ان دونوں ادوار میں رسالے کی ادبی روایات کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی گئی۔ علمی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین کو رسالے کا حصہ بنایا گیا۔ معاصر رسائل میں سے بھی منتخب شدہ مضامین شائع کیے گئے۔ رسالے کی کتابت اور طباعت پر خاص طور سے توجہ دی گئی اور اسے ادب کے قارئین کے لیے دل چسپی کا باعث بنایا گیا۔۹۳

"قومی زبان" نے اردو زبان کی ترویج و ترقی اور اسے اس کا جائز مقام دلانے کے لیے ہر ممکن طور پر آواز اٹھائی۔ اس رسالے کے اکثر مضامین اردو زبان کی ناقدری پر نوحہ کناں نظر آتے تھے۔

جسٹس سجاد احمد خان خطبۂ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں:

"اگر بحیثیت مجموعی ایک قوم کی یہ سوچ ہو جائے جو ایک غیرت مند قوم کی ہونی چاہئے اور وہ یہ طے کرلے کہ اسے اپنی قومی زبان کو فخر و مباہات کے ساتھ اپنانا ہے اور آگے بڑھانا ہے تو پھر کون سا خارجی عنصر یا طاقت اس کے راستے میں حائل ہو سکتی ہے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ایک طویل عرصے میں غلامی کے بہت سے مہلک اثرات سے ابھی تک ہمیں نجات نہیں مل سکی۔ انہیں میں سے ایک انگریزی زبان کا تسلط ہے جس کی برتری ہمارے ذہنوں پر سوار ہے" ۹۴

اردو کو دفتری زبان کی حیثیت نہ ملنے پر ڈاکٹر سید عبداللہ، خطبۂ میر مقدم میں رقم طراز ہیں:

"دنیا میں اکثریت ایسی زبانوں کی ہے جو اردو کے مقابلے میں بالکل بے مایہ ہیں لیکن انگریزی مادری زبان والے ممالک کو چھوڑ کر کسی ایک جگہ بھی اپنی زبان کے سوا کوئی اور زبان دفتر اور عدالت اور تعلیم میں استعمال نہیں ہوتی"۔ ۹۵

اسی طرح علامہ اقبال اردو کانفرنس کے خطبۂ افتتاحیہ میں جسٹس ایس اے رحمان نے یہ شکوہ کچھ ان الفاظ میں کیا:

"۱۹۷۳ء کے آئین میں اردو کی شناخت بحیثیت قومی زبان ہو چکی ہے لیکن اس اقرار باللسان کے بعد اسے عملی شکل دے کر تصدیق بالقلب کے مظاہرے کی تا حال نوبت نہیں آئی" ۹۶

"قومی زبان" نے دیگر رسائل کی طرح خاص نمبر جاری کرنے کی روایت بھی برقرار رکھی اور "بابائے اردو نمبر"، اقبال پر خاص نمبر اور بانی پاکستان کے جشن صد سالہ پر خاص نمبر شائع کر کے علم و ادب کی خدمت جاری رکھی۔ قدرت اللہ شہاب پر بھی ایک خاص نمبر شائع کیا گیا۔

شبیر علی کاظمی کی وفات کے بعد ادا جعفری علی حیدر ملک اور ادیب سہیل نے اس رسالے کی ادارت کے فرائض سنبھالے۔ اس رسالے نے مختلف شخصیات پر گوشے شائع کرنے کا بیڑہ اٹھایا تو اس میں بھی علم و تحقیق کو مد نظر رکھا اب تک ابو الفضل صدیقی، اشرف صبوحی، مولانا صلاح الدین احمد پر گوشے چھپ چکے ہیں۔ ۹۷

اپنے گذشتہ ادوار کے مقابلے میں "قومی زبان" کے مندرجات اور معیار میں خاصی بہتری آئی ہے اور اس کے مدیران اسے ایک علمی اور ادبی پرچہ بنانے میں دن رات کوشاں ہیں۔ اسے جدید ادب اور معلومات سے بھی مزین کیا جاتا ہے خصوصاً غیر ملکی زبانوں سے تراجم، علاقائی ادب کے تراجم اور بچوں کے لیے سائنسی مضامین کی شمولیت نے رسالے کو خاصا معیاری بنا دیا ہے اور یہ مزید ترقیوں کی طرف گامزن ہے۔

جاوید۔ لاہور

۱۹۴۸ء میں لاہور سے گہوارہ ادب کا ترجمان ماہنامہ "جاوید" منظر عام پر آیا۔ جس کے مرتبین ظہیر کاشمیری، کشور یسین، اے حمید اور نصیر انور تھے۔ بعد میں عارف عبدالمتین بھی اس رسالے سے وابستہ ہوئے۔

"جاوید" ایک ادبی رسالہ تھا جس میں ترقی پسند تحریک سے متعلق مضامین و مواد شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس رسالے کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان آدرش، مقالے و جائزے، غزلیں، کہانیاں، کھیل، نظمیں، گیت، فلموں، کتابوں

اور رسالوں پر تبصرے وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ اس رسالے میں ترقی پسند ادباء کی چھاپ بہت نمایاں تھی۔ تاہم ذمہ داران نے اس بات کی نفی کرنے کی کوشش کی۔

"جاوید" کے پہلے خاص نمبر کے اداریے بہ عنوان آدرش میں تحریر ہے:

"ادب نے ہمیشہ زندگی کے چہرے پر اپنا نام لکھا ہے۔ ادب نے زندگی کا ہر دور اور ہر حالت میں ساتھ دیا ہے۔ ان دونوں کا رشتہ گہرا، ازلی، ابدی اور اٹوٹ ہے۔ ترقی پسندی اور غیر ترقی پسندی کی بحث پرانی ہو چکی ہے۔ ان اصطلاحی الجھنوں میں جکڑ بند ہو کر ہم پیش افتادہ حقائق سے چشم پوشی نہیں کرنا چاہتے۔ وقت کے تیز و تند دھارے پر زندگی کا سفینہ اس برق رفتاری سے رواں دواں ہے کہ ہمیں پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہیں ہے "۹۸

مزید لکھا ہے:

"ہمارا نیا ماحول، نئے تقاضوں اور نئی ذمہ داریوں کا حامل ہے۔ ہمارا فرض ان تقاضوں کی تکمیل کے لیے کمر بستہ ہونا اور نئی ذمہ داریوں کو سمجھنا، محسوس کرنا اااور انہیں خوش اسلوبی سے سرانجام دینا ہے وہ لوگ جو ادب کو ابوالحسن کا خواب سمجھ رہے ہیں، دراصل ایک جھوٹا خواب دیکھ رہے ہیں کیونکہ ان کا یہ خواب بہت جلد ٹوٹ جائے گا ااور ان کا نیم بے ہوش جسم ہارون الرشید کے شبستانوں کی بجائے قاہرہ کی کسی تنگ و تاریک گلی میں پڑا ہوگا۔ ہمارا ماحول یہی تنگ و تاریک گلیاں ہیں، ہمیں ان ہی گلیوں کی تنگی و تاریکی کو دور کرنے کی بابت سوچنا ہے"۹۹

"جاوید" کی پالیسی کے متعلق شمارہ اول خاص نمبر میں تحریر ہے:

"مخالف دلائل کو سمجھنا اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا تنقید کا اولین اصول ہے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے پڑھنے اور لکھنے والوں کو ایک الگ میدان دے رہے ہیں، جہاں وہ اپنے اپنے عقائد و خیالات کو مکمل آزادی سے بیان کر سکتے ہیں اس کے لیے ادارۂ جاوید کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوگا"۱۰۰

"جاوید" کا چوتھا شمارہ اس خاص نمبر تھا اور اس میں سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹھنڈا گوشت" شائع ہوا۔ جو سرکاری احتساب کی زد میں آ گیا اور پرچہ ضبط کر لیا گیا۱۰۱

اس حوالے سے ماہنامہ "جاوید" میں لکھا گیا:

"مسلسل ایک برس سے "جاوید" پر مقدمہ چل رہا ہے لوئر کورٹ نے "ٹھنڈا گوشت" کی پاداش میں سعادت حسن منٹو کو تین سو روپیہ جرمانہ اور تین ماہ قید بامشقت کی سزا دی۔ عبدالمتین عارف اور نصیر انور کو تین تین سو روپیہ جرمانہ محض۔ اب سیشن میں اپیل دائر ہو چکی ہے۔ یکم مئی کو مقدمہ کی سماعت ہوگی ان حالات کی بناء پر جاوید معرض التواء میں پڑا رہا ۱۰۲

مزید لکھا ہے:

"عوام کی دبی ہوئی چیخوں کو بلند کرنے کے لیے انجمن ہمیشہ پیش پیش رہی۔ اس لیے پاکستان کے دشمنوں کو بے نقاب کرنے میں جرات و دلیری سے کام لیا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ پاکستان کے دشمن سیفٹی ایکٹ کے سہارے عبداللہ

ملک، ابراہیم جلیس، عارف جلالی اور دیگر ساتھیوں کو سرکاری مہمان بنا دیں۔ کیا شاہی مہمان کی خاطر کرنا ایسا ضروری تھا؟ کیا عوام کا ڈیڑھ کروڑ روپیہ شاہی ضیافتوں میں اڑانے کے لیے زبان بندی کا اہتمام لازمی تھا؟ لیکن اس قید و بند سے سچائی مقید نہیں ہو سکتی۔ اسے جس قدر تاریکیوں میں محصور کیا جائے گا۔ اسی قدر وہ زیادہ روشن و تابناک ہوگی۔ ۱۰۳؎

اس کے بعد بھی "جاوید" کے چند شمارے منظر عام پر آئے لیکن مسلسل پابندیوں نے اس رسالے کی کمر توڑ دی تھی، لہذا یہ رسالہ اپنا اثر کھوتے کھوتے بالآخر زوال پذیر ہو گیا۔

عارف عبدالمتین

یکم مارچ ۱۹۲۳ء کو کوچہ وکیلا امرتسر بھارت میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے کیا اور درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ مختلف رسالوں "ادب لطیف"، "سویرا"، "جاوید"، "ماحول" اور "اوراق" کے مدیر رہے انجمن ترقی پسند مصنفین پنجاب کے فنانشل سیکریٹری رہے جبکہ انجمن آزاد خیال مصنفین اور پاکستان رائٹرز گلڈ کے اساسی رکن رہے۔ بہت سے اردو اور پنجابی شعری مجموعوں اور اردو و پنجابی مقالات کے مصنف ہیں۔ ۱۰۴؎

نقوش۔ لاہور

"زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ" ماہنامہ "نقوش" مارچ ۱۹۴۸ء میں ادب کی دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ تقریباً ۵۰۰ صفحات اور ۹×۵.۶ انچ سائز پر مشتمل اس رسالے کی قیمت ۵/۵۰ روپے تھی اور یہ نقوش پریس سے چھپ کر ادارہ فروغ اُردو، ایبک روڈ (انارکلی) لاہور سے شائع ہوتا تھا۔

احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ رسالہ ترقی پسند تحریک کا ترجمان تھا، جس کا اندازہ اس کے پہلے اداریے کے ان جملوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ہم آزاد ہیں اور اپنے ملک کے وفادار ہیں، اس لیے لازمی طور پر ترقی پسند ہیں ۱۰۵؎" اس دور میں ترقی پسند تحریک اپنی فعالیت کو ظاہر کر رہی تھی اور مدیران نقوش "اس کے سرگرم ارکان تھے، چنانچہ ابتداء میں "نقوش" نے بھی ترقی پسند تحریک کی علم برداری کے فرائض انجام دیئے اور اس میں ادبی مواد کے ساتھ نیم سیاسی مواد بھی پیش کیا گیا۔ اس کی روش جارحانہ ہوگئی اور ادب کے خاموش اور عبادت گزار عمل سے ہٹ کر "نقوش" کے "طلوع" میں اس قسم کے بیانات ظاہر ہونے لگے۔

"ہم ملک کے تمام کارخانوں، زمینوں، اداروں، حتیٰ کہ پیران عظام کے آستانوں کو بھی قومی ملکیت بنانا چاہتے ہیں" ۱۰۶؎

نقوش کے تیسرے شمارے میں منٹو کا مشہور افسانہ " کھول دو" شائع ہوا۔ جسے حکومت نے امن عامہ کے خلاف قرار دیتے ہوئے "نقوش" کی اشاعت پر چھ ماہ کی پابندی لگادی۔ ۱۰۷؎ "نقوش" اپنے وقت کا ایک بہترین ادبی رسالہ

ثابت ہوا جو نہ صرف اپنے مضامین اور مواد بلکہ ظاہری حالت میں بھی بے مثال تھا۔ رسالے کی صد شمارہ تقریب کے موقع پر شاہد احمد دہلوی نے اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کیا۔

"نقوش کی ادارت میں احمد ندیم قاسمی کا نام درج تھا۔ ان کا نام ہی اس کی کافی ضمانت تھا کہ اس رسالے میں کوئی دوسرے درجے کی چیز شائع نہ ہو سکے گی۔ مگر جو کرشمہ دامن دل کو پہلی نظر میں اپنی طرف کھینچ لیتا تھا، وہ تھا اس کا ظاہری روپ، صاف ستھری کتابت وطباعت جو آنکھوں میں کھب جاتی۔ سرورق سادہ و پرکار جس کے رنگوں کے امتزاج سے خوش ذوقی ٹپکتی تھی، غرض نقوش کی ظاہری اور باطنی خوبیوں نے ایک ہی جست میں اسے صف اول میں پہنچا دیا"۔۱۰۸

وہ مزید لکھتے ہیں:

"طفیل صاحب نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ ایسے ناگفتہ بہ معاشی حالات میں ایک عمدہ ادبی رسالہ جاری کر دیا۔ اندیشہ یہی تھا کہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے کے بعد ہی ہمیں شاید یہ کہنا پڑے گا کہ

خوش درخشید لے شعلۂ مستعجل بود

مگر شکر ہے کہ ہمارا اندیشہ غلط نکلا اور نقوش دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا"۔۱۰۹

احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کا دور ادارت مارچ ۱۹۴۸ء سے دسمبر ۱۹۴۹ء تک رہا۔ مئی ۱۹۵۰ء سے مارچ ۱۹۵۱ء تک "نقوش" کی ادارت وقار عظیم نے کی۔ وقار عظیم کے بعد نقوش کی ادارت محمد طفیل نے خود سنبھال لی اور ۱۹۸۶ء میں ان کی وفات کے بعد اس رسالے کی باگ ڈور ان کے بیٹے جاوید طفیل کے ہاتھوں میں آ گئی۔

شاہد احمد دہلوی اس حوالے سے کہتے ہیں:

"پھر ایکا ایکی اسے ایک جھٹکا لگا۔ احمد ندیم قاسمی بعض وجوہ کی بناء پر اس کی ادارت سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کی جگہ ادیب شہیر سیّد وقار عظیم کو سونپ دی گئی۔ پاکستان کی جلد سے جلد بدلنے والی حکومتوں کی طرح اس زمانے میں نقوش کی ادارتیں بھی بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ خود محمد طفیل نے نقوش کی ادارت سنبھال لی۔ ادارتی تبدیلیوں سے نقوش کی آن بان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ضخیم خاص نمبر اچھوتے موضوعات پر شائع کر کے نقوش تمام ادبی رسالوں سے بازی لے گیا۔ افسانہ نمبر کے علاوہ غزل نمبر، شخصیات نمبر، منٹو نمبر، پطرس نمبر، مکتوبات نمبر، ادب عالیہ نمبر اور لاہور نمبر جیسے نمبر شائع کر کے طفیل صاحب نے اپنی دھاک بٹھا دی کہ ان کا اس میدان میں کوئی حریف نہیں ہو سکتا"۔۱۱۰

محمد طفیل نے جب نقوش کی ادارت سنبھالی تو وہ کچھ مالی مشکلات کا شکار تھے لیکن اس ادبی رسالے کو جاری رکھنے کا عزم جواں تھا۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"جب "نقوش" ہمکنے اور ٹوں ٹاں کرنے لگا تو اس کی پرورش میرے سپرد ہوئی، بیماری سمیت اس وقت اس کی عمر اڑھائی برس ہوگی۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی، میری راتوں کی نیند اچٹ گئی، میں سوچتا تھا اتنا خوبصورت اور ہونہار بچہ۔ اگر میری نگرانی میں پنپ نہ سکا تو کتنی جگ ہنسائی ہوگی، میں تولا جوں مرتا رہا۔ میرے مالی حالات زیادہ اچھے نہ تھے۔ مگر میں چاہتا تھا، اسے ولایت تک بھیجوں، حوصلے اتنے۔۔۔ وسائل محدود"۔۱۱۱

محمد طفیل نے "نقوش" کے لیے ادبی آسمان کا کوئی ایک حصہ مختص نہیں کیا۔ بلکہ ادب کے ہر حصے اور ہر پہلو سے اسے روشناس کرایا۔ اس رسالے میں مقالے، نظمیں، غزلیں، افسانے، خاکے، حالات حاضرہ، تبصرے اور دیگر ادبی مضامین شامل ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ ادبی حلقوں میں اس رسالے کی اہمیت و مقام بڑھتے چلے گئے۔ اس حوالے سے ایک محقق کا یہ قول ضرب المثل بن گیا کہ:

"جو ادیب، نقوش میں نہیں چھپتا، اس کا ادیب ہونا مشکوک ہے" ۱۲؎

خود محمد طفیل کہتے ہیں:

"مجھ میں علمیت اور قابلیت کا فقدان سہی لیکن میں پاکستان و ہند کے بڑے ادیبوں اور شاعروں کے خلوص اور ان کے بھرپور تعاون پر اعتماد رکھتے ہوئے، یہ بڑے بول لکھ رہا ہوں کہ انشاء اللہ نقوش کے ادبی معیار کو بھی کوئی ضعف نہیں پہنچے گا۔ لمبے چوڑے دعویٰ کرنا میرے بس کی بات نہیں رہی۔۔۔۔ نقوش کی باگ ڈور ہمیشہ انسانی ہاتھوں میں رہی ہے۔ پھر جیتے جی فرشتہ بننے کو دل بھی تو نہیں چاہتا" ۱۳؎

نقوش کے تمام خاص نمبر اپنی نظیر آپ ہیں اور اردو ادب میں ایک دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں۔ نقوش کے متعدد سالنامے، افسانہ نمبر، غزل نمبر، شخصیات نمبر، خطوط نمبر، پانچ سالہ نمبر، دس سالہ نمبر، نقوش کا ادب عالیہ نمبر، لاہور نمبر، آپ بیتی نمبر، غالب نمبر، میر تقی میر نمبر، ادبی معرکے نمبر، طنز و مزاح نمبر، پطرس نمبر، شوکت تھانوی نمبر، منٹو نمبر، میر انیس نمبر، اقبال نمبر، رسول نمبر اور مکاتیب نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ ہر خاص نمبر اپنے موضوع پر ایک قیمتی دستاویز ہے، جس کے مطالعے اور حوالے کے بغیر کوئی ادبی کام ڈھنگ سے مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ۱۴؎

بقول شاہد احمد دہلوی:

"پطرس مرحوم کا فقرہ نقوش کے ہر نمبر پر ادبدا کر یاد آتا ہے کہ ان کا ہر پرچہ ایک خاص نمبر ہوتا ہے اور عام نمبر خاص خاص موقعوں پر شائع ہوتے ہیں۔ ۱۵؎

نقوش کے مدیر محمد طفیل نے اس رسالے کو زندگی و توانائی بخشنے کے لیے جانفشانی سے کام کیا اور ہر خاص نمبر کا مواد دیکھ کر اس کے پیچھے موجود محنت خود نظر آتی تھی۔ محمد طفیل اس حوالے سے ایک اداریے میں لکھتے ہیں:

"میں نے بہت کم نمبروں کو اس طرح مدون و مرتب کیا جیسا کہ اس نمبر کو، مثلاً غالب پر جو نمبر پیش کیے ان کے لیے نئے مضامین لکھوائے۔ اقبال پر جو نمبر پیش کیے وہ بھی سب کے سب نئے مضامین تھے، مگر اس نمبر کے لیے دل نہ مانا کہ نئے مضامین لکھوائے جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ میر کے عشق میں اہل قلم نے از خود اتنے اچھے مضامین لکھ رکھے ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی نئی سعی کی ضرورت نہیں۔ ۱۶؎

محمد طفیل اور "نقوش" کی باہمی محبت دیکھتے ہوئے مولوی عبدالحق نے انہیں "محمد نقوش" کہہ کر مخاطب کیا، جسے انہوں نے نہ صرف قبول کر لیا، بلکہ وہ محمد نقوش کے نام سے ایک علیحدہ اداریہ بھی لکھنے لگے۔ سید وقار عظیم نے لکھا ہے کہ:

"اب مجھے محمد طفیل اور محمد نقوش میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہم دونوں کے ممنون احسان ہیں، اگلی نسلیں بھی اس بار احسان کو محسوس کریں گی اور یہ دونوں نقش جو باہم ایک دوسرے کا عکس بن گئے ہیں، ہمیشہ قائم رہیں گے "۱۱۷
نقوش اردو ادب کا ایک معیاری رسالہ ہے، جس نے ادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا تاہم جب موقع پڑا تو اس رسالے نے ملک وملت کے دفاع کو بھی مدنظر رکھا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ پر شائع ہونے والے نمبر میں محمد نقوش اداریے میں لکھتے ہیں:

"ایک ادبی پرچے کو اس کی قطعاً ضرورت نہ تھی کہ وہ ایک سیاسی مسئلے پر کچھ پیش کرتا مگر یہ سب کچھ یوں کرنا پڑا کہ جس گھر میں بیٹھ کر ہم ادب کی باتیں کیا کرتے تھے، وہی معرض خطر میں پڑ گیا تھا۔ اسی پر دشمن نے دھاوا بول دیا تھا۔ ایسے ماحول میں شعر وادب کی باتیں کیا ہوتیں۔ معاملہ تو توپ وتفنگ تک آپہنچا تھا"۱۱۸
الغرض "نقوش" ادب کے آسمان پر درخشاں ستارے کی مانند و چمکتا رہا اور اس نے اپنے لیے وہ راستے منتخب کیے جن پر بہت کم لوگوں نے قدم رکھا تھا۔ اپنے صفحات پر ایسی ادبی تخلیقات اور مضامین کو پیش کیا، جنھیں دوسرے رسالے قبول کرنے یا چھاپنے سے گریز کرتے تھے اور یہی چیز "نقوش" کو منفرد وممتاز بنانے میں اہم کردار ادا کرتی رہی۔

مہر نیمروز۔ کراچی

۱۹۵۶ء میں کراچی سے "مہر نیمروز" کا اجراء ہوا جس کے حلقہ ادارت میں سید حسن مثنی ندوی، سید ابوالخیر کشفی اور اکبر قاصد شامل تھے۔ یہ اردو زبان کا ایک علمی وادبی ماہنامہ تھا۔ جس کے مندرجات میں فن تنقید، زاویے، برگ گل، وسعتیں اور بھی ہیں، کچھ غم جاناں، کچھ غم دوراں، ایک حقیقت سو افسانے، شہر نگار جائزے اور بادشانہ وغیرہ شامل تھے۔

رسالے کے نام کے حوالے سے ایک اداریے بعنوان "پہلی کرن" میں تحریر ہے:

"مہر نیمروز، غالب کا پسندیدہ نام ہے اور معنویت کے بے شمار پہلو اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اب یہی نام رسالے کا ہے وہ بھی بطور آمد یعنی درد کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ نام بڑا ضرور ہے مگر کیا عجب کہ نام کی یہ بڑائی، اپنی رعایت سے رسالے کو کسی بڑے کام کی طرف متوجہ کردے۔ نام کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ پھر اس ماہنامے کا پہلا شمارہ فروری میں شائع کیا گیا۔ کیونکہ فروری غالب کی رحلت کا مہینہ ہے۔ پہلے شمارے میں کہیں کوئی تذکرہ غالب کا نہیں کیا گیا لیکن ایک "مہر نیمروز" کے نام اور سرورق نے چپکے ہی چپکے نہ جانے کتنے دلوں میں غالب کی یاد تازہ کردی۔ چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرواز ہے "۱۱۹

رسالے کے مقاصد کے حوالے سے اداریے میں تحریر ہے:

"مہر نیمروز کی تمنا ہے کہ وہ ہندوستان و پاکستان کے صاحب الرائے اور بالغ النظر ادیبوں اور شاعروں کا ایک سنگم بنائے۔ یہ تمنا ممکن ہے کچھ اسی قسم کی ہو جیسی مرزا کو تھی کہ:

"منظر ایک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا"

لیکن یہ تمنا بہر حال ہے اور بڑی پیاری ہے۔ ہم نے اس تمنا کا تذکرہ تو کیا مگر ساتھ ہی غالب کا یہ شعر بھی پڑھے بغیر رہ نہیں سکتے کہ

ہے دل شوریدہ غالب طلسم پیچ وتاب
رقم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

اور نظر خاص طور سے ان ادیبوں کی طرف اٹھتی ہے جنھوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ کچھ تھک سے گئے بلکہ ایک بڑے انقلاب سے گزرے اور انقلاب ماضی کا حصہ بن گئے" ۱۲۰

اس رسالے کا ایک اہم سلسلہ "چہ دلاور است" تھا، جس میں ان ادیبوں اور مصنفوں کا سراغ لگایا جاتا تھا جو علمی و ادبی سرقہ کر کے دوسروں کی تخلیقات کو اپنے نام سے منسوب کر لیتے تھے۔ اس مقصد کے لیے سخت محنت کی جاتی تھی۔ ایک شمارے میں "چہ دلاور است" کے عنوان سے مضمون میں تحریر ہے:

"ادبی سراغ رساں نے اب تک جتنے انکشافات کیے ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس پر پڑھنے والوں کا دل نہ دکھا ہو، لیکن اس کے باوجود کوئی نہیں کہہ سکتا یہ انکشافات غلط ہیں" ۱۲۱

یاران نکتہ داں کے عنوان سے ایک خط میں قاری لکھتے ہیں:

"مہر نیمروز کو دوسرے ادبی پرچوں سے ہٹ کر ایک بلند اور جداگانہ معیار "ادبی سراغ رساں" کی مہمات نے ہی دیا ہے۔ یہ بات سولہ آنے صحیح ہے۔ "ادبی سراغ رساں" کے ذریعے آپ اونچی دکان اور پھیکے پکوان والی قیمتوں کو بے نقاب کر رہے ہیں" ۱۲۲

"مہر نیمروز" کا ایک اور اہم سلسلہ "رسالوں میں" تھا۔ جس میں دیگر رسائل میں شائع ہونے والے قابل ذکر مضامین پر تبصرے پیش کیے جاتے تھے۔

اردو ادب میں "مہر نیمروز" کا ایک الگ مقام تھا۔ لیکن یہ رسالہ زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا اور ۶۲۔۱۹۶۱ء کے بعد سے اس کی اشاعت بند ہوگئی۔ تاہم اپنے مشہور ادبی سلسلوں اور مضامین کی بدولت اس کا نام آج بھی ادبی رسالوں میں روشن ہے۔

حسن مثنیٰ ندوی

حسن مثنیٰ ندوی ۱۸ جنوری ۱۹۱۳ء کو بہار میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام "فضل الرحمٰن" ہے۔ ابھی آپ آٹھ مہینے کے ہی تھے کہ والد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔

۱۹۳۵ء میں "مدرسہ ندوۃ العلماء" سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد حسن مثنیٰ ندوی نے اسی سال " لکھنؤ یونی ورسٹی" سے شعبہ شرقیہ میں فاضل حدیث کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء کے اوائل میں خواجہ حسن نظامی کی دعوت پر آپ دلّی گئے۔ اور خواجہ حسن نظامی کی خواہش پر ان کے ہفت روزہ اخبار 'منادی" میں بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانے کی طرف توجہ کی تو مولانا ندوی اس کے سالانہ اور خصوصی اجلاسوں میں شرکت کرنے لگے۔ وہ ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں موجود تھے۔ ۱۹۴۲ء میں تحریک آزادی اور مطالبہ پاکستان کی مہم کو آگے بڑھانے کے لیے سید حسن مثنوی نے بنگلور سے اسماعیل تابش کے ساتھ مل کر روزنامہ "پاسبان" جاری کیا۔

۱۹۴۶ء میں آپ بنگلور سے حیدرآباد دکن چلے گئے اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے تعاون سے "اتحاد" نامی اخبار جاری کیا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آ گئے۔ فروری ۱۹۵۲ء میں سید حسن مثنیٰ ندوی نے اپنے چچازاد بھائی سید علی اکبر قاصد اور سید ابوالخیر کشفی کے ساتھ مل کر "مہر نیمروز" نامی رسالے کا اجراء کیا۔ ۱۹۶۲ء میں آپ روزنامہ "حریّت" کے اداریہ نگار مقرر ہوئے۔ حسن مثنیٰ ندوی ۱۹۹۸ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ۱۲۳

نیا دور۔ کراچی

کراچی سے شائع ہونے والے رسالوں میں "نیا دور" ایک اہم اور جدید ادبی رسالہ شمار ہوتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک ہی نام کے دو رسالے ہیں۔ پہلا رسالہ "نیا دور" کے نام سے ۱۹۴۶ء میں صمد شاہین اور ممتاز شیریں کی ادارت میں بنگلور سے جاری ہوا۔ اپنی ہیت اور مواد کے اعتبار سے منفرد نظر آنے والے اس رسالے نے بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنالی اس کی ایک انفرادیت تو یہی تھی کہ اس کی مجلس ادارت میں ایک خاتون ادیبہ ممتاز شیریں شامل تھیں جو ادبی تنقیدی حلقوں میں نقاد اور افسانہ نگار کی حیثیت سے ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔

۱۹۴۷ء میں اس رسالے نے اپنے مدیران کے ہمراہ کراچی ہجرت کی۔ قیام پاکستان کے بعد اس کے چند شمارے کراچی سے شائع ہوئے۔ جن میں خصوصاً فسادات نمبر خاصا مقبول ہوا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی جانب سے "نیا دور" اور ممتاز شیریں کے نقطہ نظر کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیوں کہ وہ ترقی پسند افسانہ نگاروں کی کڑی ناقد تھیں۔ ترقی پسندوں کی تنقید سے وہ اتنی دل برداشتہ ہوئیں کہ انہوں نے رسالے کی اشاعت منقطع کردی۔ ۱۹۵۰ء کے بعد اس کا کوئی شمارہ نہیں چھپا۔

۱۹۵۶ء میں "نیا دور" کا ڈیکلریشن ڈاکٹر جمیل جالبی نے حاصل کیا اور اسے ایک ادبی رسالے کے طور پر نکالنا شروع کیا۔ چوں کہ وہ سرکاری ملازم تھے اس لیے رسالے کے مدیر کے طور پر شمیم احمد اور قمر سلطانہ کا نام چھپتا تھا۔ جبکہ مدیر انتظامی ثناء اللہ تھے۔ لیکن حقیقتاً پس پردہ مدیر ڈاکٹر جمیل جالبی ہی تھے۔

۴۸۸ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز ۷.۸x۶ انچ تھا۔ (عام طور پر صفحات کی تعداد تین سو سے چار سو کے درمیان ہوا کرتی تھی) اس کی قیمت ۳ روپے تھی اور یہ پاکستان کلچرل سوسائٹی کے زیراہتمام مطبع سعیدی قرآن محل، پیرالٰہی بخش کالونی، کراچی سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

"نیا دور" کے پہلے اداریے میں وجہِ اشاعت کے طور پر بتایا گیا:

"رسالہ نکالنے کی خواہش اور وہ بھی اچھا رسالہ نکالنے کی خواہش اس بچے کی خواہش سے کم نہیں ہوتی جو بضد ہوتا ہے کہ مجھے چندا ماموں لا دو، اور پھر ایسا ہی رسالہ نکال لینا اتنا ہی دشوار ہے جتنا بچے کو چندا ماموں لا دینا۔۔۔اتنی جگر کاوی کرنی پڑتی ہے، جتنی فرہاد کو جوئے شیر لانے میں نہ کرنی پڑی ہوگی"۔۱۲۴

"نیا دور" صحت مند ادب کو فروغ دینے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ اس رسالے کے ذریعے ادبی قدروں کو مستحکم کرنے اور ایک خاص معیار قائم کرنے کی طرح ڈالی گئی۔ اس کے پہلے شمارے میں ان الفاظ میں رسالے کی پالیسی پر روشنی ڈالی گئی تھی:

"ہم اس بات سے بالکل متفق ہیں کہ ایک رسالہ کو کسی پارٹی کا آرگن نہیں ہونا چاہئے ادب کسی پارٹی کا حق نہیں ہر صحت مند تخلیق ہمارا ادبی ورثہ ہوتی ہے، خواہ اسے کوئی لکھے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ زندہ رہنے والا ادب وہی ہوتا ہے جسے ہر دور کے سب سے روشن خیال اور مستقبل کی فکر کرنے والے اذہان تخلیق کرتے ہیں مگر انفرادی طور پر ہر شخص کا ایک نظریہ اور خیال ہوتا ہے اور ہمیں فخر ہے کہ ہم اس حلقے سے تعلق رکھتے ہیں جو ادب اور زندگی کے باہمی رشتہ کو ادب کی اولین شرط قرار دیتا ہے۔ اور تیقّن سے بھرپور جاندار ادب تخلیق کرتا ہے"۔۱۲۵

"نیا دور" ایک بہترین ادبی ذوق کا حامل رسالہ تھا جس کے مندرجات میں تنقیدی مضامین، افسانے، ڈرامے، نظمیں، گیت، قطعات، غیر ملکی زبانوں کی ترجمہ شدہ نظمیں، دوہے، انشائیے، طویل نظمیں، منظومات، مراسلات، تبصرے کے عنوان سے بہترین مواد قارئین کو پیش کیا جاتا ہے۔

رسالے کو اردو ادب کی اہم اور قد آور شخصیات کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ مثلاً مضامین میں مجنوں گورکھپوری، پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، سلیم احمد، نذیر احمد، ممتاز شیریں، انتظار حسین، جمیل جالبی، محمد حسن عسکری، جمال پانی پتی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شمیم احمد وغیرہ شامل تھے۔ افسانوں کے گوشے میں عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، ممتاز مفتی، جیلانی بانو، خواجہ احمد عباس، شکیلہ اختر، غازی صلاح الدین، بانو قدسیہ، ابوالفضل صدیقی، مشتاق احمد یوسفی، رام لال وغیرہ شامل تھے۔ یہی حال شاعری کا تھا جس میں جوش ملیح آبادی، ادا جعفری، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مغربی ادب کی ترجمہ شدہ نگارشات کو قارئین تک پہنچانے میں اس رسالے نے سب سے نمایاں حصہ لیا اس حوالے سے اس کا ہر شمارہ ایک ادبی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغربی ادیبوں کی اس فہرست میں لکھنے والوں کی اس فہرست میں آلڈس ہکسلے، ونڈھم لیوس، ژاں پال سارتر، فرڈی ننڈ لونڈ برگ، ٹی ایس ایلیٹ، ٹرومین، کپوٹے، پیری لوئی، جیمس جوائس، ایملی زولا، جیسے مفکرین اور مصنفین شامل ہیں۔۱۲۶

نیا دور نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے علاوہ خود اردو زبان کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے آواز اٹھائی۔ ایک اداریئے بہ عنوان "بابائے اردو" میں تحریر ہے کہ:

"ہندی مسلم ثقافت سے (سمبل کے طور پر) دو چیزیں ہمیں ورثے میں ملی ہیں۔ ایک تاج محل اور دوسری اردو زبان۔ یہ دونوں چیزیں ہماری تہذیبی روایات کی وہ بنیادیں ہیں جن پر ہمیں اپنی قومی تہذیب کی عمارت کو وسیع تر اور بلند تر کرنا ہے اس پر نہ کسی اختلافات کی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کے تذبذب کی۔ پاکستان بننے کے بعد سے سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ تہذیبی اعتبار سے ہم اپنے موقف سے پھر ہٹنے لگے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ انگریزی پھر سے قدم جمار ہی ہے۔ اس کی اہمیت معاشی و تہذیبی اعتبار سے روز بروز زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ یہ بیک وقت دولت، عزت اور شہرت کا ذریعہ ہے اب ابتدائی تعلیم بھی بچے اسی زبان میں حاصل کررہے ہیں۔ ماں باپ بچوں کو انگریزی بولتے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ آج کل تعلیم یافتہ طبقہ، عام طور پر جس زبان میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کررہا ہے، اس میں آدھے الفاظ انگریزی کے ہوتے ہیں اور آدھے اردو کے۔ اس قسم کی زبان استعمال کرنا ایک فیشن بن گیا ہے"۔۱۲۷

"نیا دور" کے اداریوں میں سماجی رویوں اور معاشرتی اقدار کو خصوصیت سے موضوع بنایا جاتا تھا، رسالے کی کوشش ہوتی تھی کہ اس میں لکھنے والے ادیب عصری مسائل سے جڑے رہیں اور ادب میں جو عالمی رجحانات کارفرما ہوں، رسالہ ان عالمی ادبی رجحانات کا عکاس ہو۔

"نیا دور" کی ایک اور نمایاں بات یہ تھی کہ اس کا شعر و شاعری کا حصہ دیگر ادبی رسائل کے مقابلے میں بالکل جداگانہ طریقے پر مرتب کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں تو یہ حصہ روایتی انداز کا تھا۔ مگر بعد میں تین چار شعراء کا منتخب کلام ایک ساتھ چھاپا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے قارئین ان شعراء کے مزاج اور اسلوب کے بارے میں با آسانی رائے قائم کرسکتے تھے۔

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت کو بھی "نیا دور" نے مستحکم کیا۔ جس میں طویل کہانی نمبر، کہانی نمبر اور ناولٹ نمبر، ن م راشد نمبر ایک ادبی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں طویل کہانی نمبر میں بیسویں صدی کی اہم کہانیوں کے تراجم بھی شائع کیئے گئے۔ اس کے علاوہ اس میں قرۃ العین حیدر، غلام عباس، انتظار حسین، جمیلہ ہاشمی، جیلانی بانو، غازی صلاح الدین، شوکت صدیقی، واجدہ تبسم، قاضی عبدالستار، ابوالفضل صدیقی، اور ضمیر الدین احمد کی طبع زاد کہانیاں بھی پیش کی گئیں۔

۱۹۸۲ء کے خاص نمبر شمارہ نمبر ۷۵۔۷۶ میں جدید جرمن نظمیں شائع کی گئی جن کا ترجمہ مقبول الٰہی نے کیا تھا۔ ان جرمن شعراء کے نام جارج ہیم، ہانز آرپ، جارج ٹراکل، برٹولٹ برفت، ہلڈا ڈومن وغیرہ شامل ہیں۔۱۲۸ "نیا دور" کے اداریے کی فکری سطح دانش ورانہ ہوتی تھی۔ مثلاً ایک اداریئے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہمارا دور انتشار کا دور ہے۔ جس کی غلیظ سیاست نے نفرت، خود غرضی، تنگ نظری اور تعصب کی روح کو معاشرہ کی بنیادی قدر کا درجہ دے دیا ہے۔ اصول اور اقدار بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں سارا معاشرہ، متصادم اور متضاد مسائل کی چکی کے پاٹوں میں بڑی طرح پس رہا ہے۔ زندگی کی ہر سطح پر یہی ہمارے مسائل ہیں۔ آخر ادب ان کی طرف سے کیسے آنکھیں بند

کرسکتا ہے۔ ایسے دور میں ادب کا کام یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ان مسائل کو اور ان سے پیدا شدہ احساسات کو تخیل کے ذریعے واضح الفاظ میں بیان کردے۔ ایسے الفاظ جن میں صداقت کی جھلک نظر آتی ہو"۔ ۱۲۹

ایک اداریئے میں نیا دور نے لکھا:

"اس وقت ایک پوری نسل کے سامنے یہ سوال ہے کہ وہ کیا کرے، کن موضوعات کو اپنائے اور کن خیالات پر اپنے فن کی بنیاد رکھے اور کن طریقوں اور سانچوں کو اپنے فن کی ضرورت کے لیے استعمال کرے "آزادی" کے بعد ادب کے مسائل کی ساری تفصیل ان سوالوں میں آجاتی ہے "۔ ۱۳۰

نیا دور کا آخری حصہ کتابوں پر تبصرے کے لیے وقف ہوتا تھا جس میں نئی کتابوں پر سیر حاصل تبصرے کئے جاتے تھے۔

الغرض "نیا دور" اردو کے ادبی رسائل میں منفرد و ممتاز مقام کا حامل تھا۔ رسالے نے اردو پڑھنے والوں کو بلند پایہ ادب فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی دفتری مصروفیات کی وجہ سے یہ رسالہ اپنی اشاعت کا تسلسل برقرار نہ رکھ سکا اور آخر کار بند ہوگیا۔ تاہم اس نے یہ ضرور بتا دیا کہ ایک معیاری ادبی رسالے کو کیسا ہونا چاہئے۔

صحیفہ۔ لاہور

جون ۱۹۵۷ء میں لاہور سے مجلس ترقی ادب کا ترجمان علمی مجلّہ "صحیفہ "منظر عام پر آیا۔ یہ ایک سہ ماہی رسالہ تھا۔ جس کے مدیر سید عابد علی عابد اور معاونین میں سجاد رضوی اور قاسم محمود کے نام سامنے آتے ہیں۔ تقریباً ۳۸۶ صفحات پر مشتمل اِس رسالے کا سائز ۱۰×۷ انچ تھا۔

پہلے شمارے کے اداریے میں اس رسالے کے اجراء کے مقاصد اور آئندہ کی حکمت عملی کے حوالے سے تحریر کیا گیا تھا

"مجلس ترقی ادب نے اپنے قیام کے مقصد کے پیش نظر یہ طے کیا کہ غیر ملکی زبانوں میں جو اعلیٰ درجے کی کتابیں موجود ہیں۔ انہیں ترجے یا تلخیص کے ذریعہ اردو میں منتقل کیا جائے۔ اردو کے کلاسیکل منثور و منظوم شاہکار شائع کئے جائیں۔ جن کی اشاعت کا بیڑا عموماً ناشرین نہیں اٹھاتے کہ اس کی فروخت کم ہوتی ہے۔ ادیبوں کو تصنیف و تالیف کا معقول معاوضہ دیا جائے اور آخر میں ایک سہ ماہی مجلّہ شائع کیا جائے جس میں ہر مکتبۂ خیال کے ادیبوں، انشا پردازوں اور شاعروں کی صحت مند نگارشات شامل ہوں۔ یہ مجلّہ صحیفہ جو آپ کے پیش نظر ہے جہاں پختہ کار اور مشہور و معروف ادیبوں کا طالب ہے وہاں تمام نوعمر اور نئے لکھنے والوں کو دعوت نگارش دیتا ہے۔ صحیفہ کا مسلک ہی یہ ہے کہ ادبی روایت تبھی صحت مند اور توانا رہ سکتی ہے کہ ادیب اور انشاء پرداز ماضی کی میراث سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، حال کے کوائف سے کاملاً مطلع ہوں اور مستقبل کی تعمیر ملحوظ رکھیں"۔ ۱۳۱

"صحیفہ" کے اجراء کے محض ایک سال کے اندر ہی سجاد رضوی نے سید عابد علی عابد کی معاونت چھوڑ دی۔ اس کے بعد ارشاد حسین کاظمی، سید قاسم محمود اور صدیق کلیم نے یہ فرائض نبھائے، لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود بھی رسالے کی پالیسی میں خاطر خواہ فرق نہ آیا اور رسالہ نہایت معتدل مزاجی سے جاری رہا، جس کا سہرا سید عابد علی عابد کے سر ہے جو نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر تھے بلکہ ادبی لحاظ سے بھی ان کی خدمات بے بہا تھیں۔

یہ ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ تھا جس میں علمی و ادبی مضامین، شخصیت نگاری، ادیبوں اور شعراء کے فن پر تبصرہ، سفرنامے، اقتباسات، رفتار ادب (کتابوں پر تبصرہ) وغیرہ شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے میں تاریخی ادب کے مختلف پہلوؤں پر علمی و فکری بحث کی جاتی تھی۔ اسکے علاوہ ڈراموں کے کرداروں کو بھی موضوعِ گفتگو بنایا جاتا تھا۔

"صحیفہ" اڑھائی صد صفحات کا ضخیم پرچہ تھا۔ جو پہلے ہر تین ماہ کے بعد باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ اسے چونکہ سرکاری سرپرستی حاصل تھی اس لیے "صحیفہ" کو دوسرے ادبی پرچوں کی طرح اقتصادی بدحالی یا کمزوری کا سامنا نہیں تھا۔[۱۳۲]

سید عابد علی عابد کے دورِ ادارت میں "صحیفہ" ایک ایسے پرچے کے طور پر ابھرا جس کے دامن میں تنقید و تخلیق کے بے شمار خزانے تھے، لیکن پھر خرابیِ صحت کی بناء پر انہیں "صحیفہ" سے سبکدوش ہونا پڑا اور ان کے ایما پر ڈاکٹر وحید قریشی نے کرسیِ ادارت سنبھالی اور "صحیفہ" کو دنیائے ادب کا ایک اہم رسالہ بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

سید امتیاز علی تاج نے سید عابد علی عابد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا:

"رسالے کا مزاج، اس کی ترتیب اور اس کی زیبائش سب ان ہی کے ذوقِ حسن کا نتیجہ تھی وہ "صحیفہ" کے بانیوں میں تھے بلکہ "صحیفہ" اور عابد علی ایک ہی شے کے دو نام سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ذوق رکھنے والے قارئین کا حلقہ وسیع کیا بلکہ عام قاری کا ادبی شعور بیدار کرنے میں بھی کامیاب ہوئے"[۱۳۳]

"صحیفہ" کے بے شمار خاص نمبر بھی شائع ہوئے۔ جن میں غالب، اقبال، حالی پر خاص نمبر، دس سالہ قومی ترقی نمبر، تاج نمبر اور عابد نمبر وغیرہ شامل ہیں۔ "صحیفہ" کے "تاج نمبر" کے حوالے سے ماجد الباقری مجلس کی کارگزاری کے عنوان سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بالعموم دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ زبان کے سچے خدمت گزاروں کی بے وقت موت کے بعد جو نمبر نکالے جاتے ہیں، ان میں مرحومین کے فن اور شخصیت سے زیادہ مدیران جرائد کے حواریوں اور حاشیہ نشینوں کی شہرتِ عام اور بقائے دوام کے لیے موقع مہیا کیا جاتا ہے۔ لوگ اپنی اپنی قربتوں کی خیالی داستانیں اور نظریاتی ہم آہنگی کے ایسے مصنوعی قصے ترتیب دیتے ہیں کہ فنکار کی شخصیت ابھرنے کے بجائے آہستہ آہستہ دب جاتی ہے، لیکن "صحیفہ" کا تاج نمبر مجریہ ۱۹۷۱ء دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ایسے نمبروں کے لیے جس احتیاط اور سچی لگن کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا مظاہرہ ڈاکٹر وحید قریشی اور ان کے رفقائے کار نے بدرجہ اتم کیا ہے۔[۱۳۴]

"صحیفہ "ایک اعلیٰ ذوق کا ادبی وعلمی پرچہ تھا، جس نے ادبی تحقیق پر خاص توجہ دی اور اس میدان میں بڑے بڑے کام کیئے۔ رسالے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سلیم اختر کہتے ہیں:

"ایک ریسرچ جرنل کی حیثیت سے صحیفہ کا جو مقام ہے اس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں"۱۳۵

۱۹۷۲ء کے بعد "صحیفہ" کی مجلس ادارت میں احمد ندیم قاسمی، کلب علی خان فائق اور یونس جاوید شریک ہوئے۔ "صحیفہ" کو سہ ماہی سے دو ماہی کر دیا گیا، ضخامت محدود کر دی گئی اور تحقیقی اور تنقیدی مقالات کے علاوہ اس میں شاعری، افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ، اور تخلیقی ادب کی دیگر اصناف کے علاوہ دوسری زبانوں کے تراجم کو بھی اہمیت دی گئی۔۱۳۶

الغرض "صحیفہ" ایک ایسا رسالہ تھا، جسے مالی پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس کی طباعت اور ترسیل کا انتظام بھی اپنے لحاظ سے بہترین تھا۔ اور اسی طرح اس رسالے نے مواد، خصوصاً ہر لحاظ سے موزوں پر تحقیقی مواد پیش کرنے میں بھی اپنی ساری توانائیاں خرچ کیں اور اردو ادب میں اپنا ایک مخصوص حلقہ بنایا۔ گو ادارتی تبدیلیاں وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہیں لیکن اس سے رسالے کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑا اور قارئین کو "صحیفہ" کی صورت میں ایک بلند ذوق کا علمی و تحقیقی رسالہ پڑھنے کو میسر رہا۔

گو اس رسالے کا آخری دور "صحیفہ" کو ایک سرکاری پرچے کی صورت متعارف کروا رہا ہے لیکن "صحیفہ" کا شاندار ماضی ہر چیز پر افضل ہے اور اس کی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

سید عابد علی عابد

سید عابد علی عابد ۷ استمبر ۱۹۰۶ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پیدا ہوئے۔ وہ اردو اور فارسی کے ایک بڑے شاعر، نقاد اور ڈرامہ نگار تھے۔ تنقید نگاری میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ ریڈیو پاکستان، لاہور کے ابتدائی ڈرامہ اور فیچر لکھنے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کی دہائیوں میں ریڈیو کے لیے بے شمار ڈرامے لکھے۔ پنجاب کی سب سے پہلی بولتی فلم "ہیر رانجھا" (۱۹۳۱ء) کی کہانی اور مکالمے بھی انہوں نے لکھے۔

عابد علی عابد دیال سنگھ کالج کے پرنسپل تھے اور پرنسپل کی حیثیت سے انھوں نے اردو زبان کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

اردو ادب کے لیے ان کا سب سے اہم کارنامہ جریدہ "صحیفہ" کا اجراء تھا، جس نے اردو زبان و ادب کی بڑی خدمت کی۔ ان کی دیگر تخلیقات میں فلسفہ کی کہانی (ترجمہ)، میں کبھی غزل نہ کہتا (شاعری)، اصول انتقاد ادبیات، البدیع (شاعری کا انتقادی جائزہ)، البیان، اسلوب، شعر اقبال، نظریہ سیاسی، طلسمات اردو (ناول) اور شہباز خان (ناول) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کی مشہور ترین کتاب اصول انتقاد ادبیات ایم اے کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

وہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو لاہور میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔۱۳۷

لیل ونہار۔لاہور

۱۹۵۷ء میں پروگریسیو پیپر لمیٹڈ (پی پی ایل) کے زیر اہتمام ایک ہفت روزہ "لیل ونہار" جاری ہوا۔لیل ونہار کا پہلا پرچہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو شائع ہوا اور اس کی ادارت اپنے پہلے دور میں سید سبط حسن کے سپرد ہوئی سید سبطین لیل ونہار کے اجراء کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نومبر ۱۹۵۶ء میں اس پرچے کی ادارت میرے سپرد کرتے وقت میاں صاحب مرحوم (میاں افتخار الدین) نے کہا تھا کہ میں اس پرچے کو 'الہلال" اور "ہمدرد" کی مانند ایک یادگار پرچہ بنانا چاہتا ہوں اور میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو "الہلال" اور "ہمدرد" کا انجام شاید یاد نہیں اور میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ سب یاد ہے، لیکن میں اور تم دونوں جیل کے عادی ہیں، پھر ڈر کس بات کا۔[۱۳۸]

اس کے پہلے مدیران میں سید سبط حسن کے ساتھ فیض احمد فیض بھی شامل تھے۔۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا تو "لیل و نہار" کی ادارت ۱۱۹ اکتوبر کے پرچے سے ظہیر بابر کے سپرد کر دی گئی۔ایک طویل عرصے تک "لیل ونہار" کی ادارت اشفاق احمد اور صوفی تبسم نے بھی انجام دی اور اس کے عوامی مزاج میں ادب کا پیوند لگانے کی کامیاب کوشش کی اگرچہ یہ ایک خالص ادبی پرچہ نہیں تھا لیکن "لیل ونہار" نے تخلیقی ادب اور فکری مضامین کو ہمیشہ اولیت دی اور عوام کا مزاج ادب کے ذریعے منقلب کرنے کی سعی کی۔آفسٹ کی طباعت، خوبصورت سرورق اور اندرونی صفحات کی تصویریں اور فیچر اس کی صوری حیثیت کو اجاگر کرتے تھے۔لیکن اس کے مضامین، نظم ونثر ذہنی، فکری آبیاری کرتے تھے۔[۱۳۹]

"لیل ونہار" کے چوتھے سال میں شائع ہونے والے سالنامے کے اداریئے میں اشفاق احمد تحریر کرتے ہیں:

"لیل ونہار" ایک نئی امنگ اور نئے آہنگ کے ساتھ صحافت کی دنیا میں داخل ہوا تھا، ہم نے عہد کیا تھا کہ حالات کیسے بھی ناساز گار اور آسائشیں کیسی بھی دلفریب کیوں نہ ہوں۔ہم صحافت کی اخلاقیات کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور دیانت داری، خلوص نیتی اور حقیقت پسندی کو اپنا شعار بنا کر جانبداری یا پاسداری کی آلائش میں ملوث ہوئے بغیر قارئین کے سامنے وہ چیزیں پیش کریں گے جو ہمارے ملک کے استحکام اور ہمارے معاشرے کی فلاح کیلئے مفید اور سودمند ہوں گی"[۱۴۰]

لیل ونہار کا ہر دور اس کے مدیران کے فکر ونظر اور خیالات کا ترجمان تھا۔فیض احمد فیض اور سبط حسن کے دور ادارت میں "لیل ونہار" نے ادب کے ترقی پسند زاویوں کو اجاگر کرنے میں اور اشتراکیت کو مقبول بنانے کی کوشش کی۔طنز و مزاح میں بالواسطہ طور پر ایسی ناہمواریوں کو اجاگر کیا جن سے حقیقت کا منفی رخ سامنے آتا اور زہر خند پیدا ہوتا تھا۔اسی دور میں رسالے نے نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔[۱۴۱]

بعد میں اشفاق احمد اور صوفی تبسم نے اس دور کے تقاضوں کے مطابق لیل ونہار کا رخ مشرقی تہذیب، تمدن اور مذہب کی طرف موڑا۔اخلاقیات کی مثبت قدروں کو ابھارنے کی کوشش کی اور انسان کے روحانی زاویوں کو تسکین فراہم کرنے میں گہری دلچسپی لی۔[۱۴۲]

لیل ونہار نے ادب کو نہایت عمدہ اور صحت مند انداز میں پیش کیا۔ غزلیں، مصور فیچر، مضامین، افسانے، فلم، سائنس، کھیل کے میدان میں، تبصرہ دیس بدیس، شخصیات وغیرہ اس کے مندرجات میں شامل ہوتے تھے۔ "سو وہ بھی ہے آدمی"، "ساتواں صفحہ" اور "ہفتہ رفتہ" اس کے مستقل سلسلے تھے۔ "ساتواں صفحہ" ظہیر بابر تحریر کرتے تھے جبکہ ہفتہ رفتہ میں پورے ہفتے کی اہم ملکی خبروں اور واقعات کو درج کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سفر نامے، رپورتاژ، طنز و مزاح اور سیاسی جائزے بھی رسالے کا حصہ ہوتے تھے۔ اداریوں میں خالصتاً حالات حاضرہ، سیاست اور معاشرے کے چبھتے ہوئے پہلوؤں کو زیر بحث لایا جاتا تھا۔ جیسا کہ ۲۲ فروری ۱۹۷۰ء کو لیل ونہار کے اداریے میں فیض احمد فیض رقم طراز ہیں:

" قومی صحافت کے غالب عنصر نے امریکی خربوزے کو دیکھ کر یہ رنگ اختیار کیا ہے کہ اہم مسائل پر سنجیدگی سے بحث کرنے کی بجائے ایک دبستان صحافت نے تفریح، تفنن، گپ شپ، فقرے بازی اور دل بہلاوے کو اپنا شعار ٹھہرالیا ہے اور دوسرے مکتب فکر نے یہ مشرب اپنایا ہے کہ صداقت اور شرافت سے ہاتھ دھو کر ہر مخالف کے دامن پر سیاسی ملی جائے۔۔۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ذہنی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی خلفشار کے اس دور میں ہر ذمہ دار دانش ور ادیب اور صحافی کی اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ابنائے وطن کو سنجیدہ تفکر اور تدبر پر آمادہ کرے۔ یہ جریدہ اسی سمت میں ایک حقیر کوشش ہے" [۱۴۳]

لاہور سے "لیل ونہار" کا آخری شمارہ ۳ مئی ۱۹۶۴ء کو شائع ہوا، حرف آخر صوفی تبسم نے لکھا:

" آج سے سوا سات برس پہلے "لیل ونہار" کا اجراء ہوا اور اس کا پہلا شمارہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو منصۂ مشہود پر آیا۔ بعض ناگزیر حالات کے ماتحت یہ مجلّہ بند ہو رہا ہے۔ جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے" [۱۴۴]

مئی ۱۹۷۰ء میں "لیل ونہار" کا ایک اور دور کراچی سے شروع ہوا۔ اس کے ادارۂ تحریر میں فیض احمد فیض، حسن عابدی، امین مغل اور احمد الیاس شامل تھے۔ لیکن اب اس کا مزاج تبدیل ہو چکا تھا۔ سیاست کی گرم مزاجی نے اسے شدت سے متاثر کیا۔ ادب اس پرچے میں موجود تھا۔ لیکن اب اس کی اہمیت پہلے دور جیسی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ یہ جلد ہی منظر صحافت سے غائب ہو گیا" [۱۴۵]

فروری ۱۹۸۰ء میں "لیل ونہار" ایک دفعہ پھر لاہور سے جاری ہوا۔ اب اس کے مدیر، طابع اور ناشر منظور ملک تھے۔ لیکن یہ ادبی لحاظ سے ایک غیر فعال جریدہ بن چکا تھا۔ [۱۴۶]

"لیل ونہار" کے بے شمار خاص نمبر بھی جاری کیے گئے۔ اس رسالے نے "یوم استقلال نمبر"، " آزادی نمبر"، "انقلاب نمبر"، "اقبال نمبر"، "افسانہ نمبر"، " آزادی نمبر"، "نونہال نمبر"، "استقلال نمبر"، "خواجہ فرید نمبر" اور سالنامے شائع کر کے ہفتہ وار صحافت میں ادبی پیوندکاری کے ذریعے ایک قابل قدر صحافت کا نمونہ پیش کیا۔ [۱۴۷]

لیل ونہار نے زندگی اور ادب دونوں کو متاثر کیا۔ اس نے صحافت اور ادب میں تعلق پیدا کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی، لکھنے والوں کو تخلیقی اظہار کے لیے معین وقت پر چھپنے والا ایک عمدہ، جاذب نظر اور تصویروں سے آراستہ رسالہ پیش کیا اور ردعمل مرتب کرنے کے لیے قارئین کو خطوط کے کالم میں اپنی آزادانہ رائے پیش کرنے پر مائل کیا۔ [۱۴۸]

اس طرح "لیل ونہار" اپنے وقت میں ایک ایسے رسالے کے طور پر سامنے آیا جس نے ترقی پسند تحریک، معاشرتی المیوں اور سیاسی ناہمواریوں کو ادب کی پرکاریوں میں سمو کر قارئین کے لیے پیش کیا اور اپنا ایک مخصوص مقام حاصل کیا۔ کئی محققین کی طرف سے یہ رائے مشترکہ طور پر سامنے آئی کہ:

"اپنے پہلے دور میں لیل ونہار اشتراکی نظریات کے بارے میں کھل کر پرچار نہیں کرتا تھا بلکہ بین السطور میں اپنے نظریات آگے بڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ غزلیات اور نظموں میں بڑے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہی رنگ نمایاں تھا"۱۴۹

"لیل ونہار" میں احوال وطن، جگ بیتی، شخصیت، مصور فیچر، سائنس، کھیل، عالم اسلام، بچوں کی محفل، طنز ومزاح، ساتواں صفحہ، نامہ و پیام، فلم، ریڈیو ریویو اور دیگر اہم سلسلے شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس کے لکھنے والوں میں نصیر انور، حسن عابدی، عبدالقادر حسن، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، صوفی تبسم اور فیض احمد فیض کے نام اہم ہیں۔ اس رسالے کے مقاصد میں ادیبوں اور دانشوروں کی تحریروں کے ذریعے عوام میں فکر و تدبر پیدا کرنا تھا۔ اس رسالے کے ذریعے ایک عام آدمی کے بنیادی مسائل یعنی روٹی، روزگار اور ایک باعزت روزگار کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے کا جذبہ و شعور بیدار کرنا تھا۔ مختلف معاشرتی بیماریوں اور خرابیوں پر نظر ڈالنا، ان کی نشاندہی اور ان خرابیوں کے تدارک کے ساتھ ساتھ حکومت اور اداروں کی کارکردگی پر تنقید بھی اس رسالے کا خاصہ تھی۔

میاں افتخار الدین

میاں افتخار الدین نے ۱۸ اپریل ۱۹۰۸ء کو لاہور کی قدیم ترین بستی باغبان پورہ میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد میاں جمال الدین ایک زمیندار تھے، جن کا شمار لاہور کے کھاتے پیتے خاندان میں ہوتا تھا، میاں جمال الدین، گورنر کے دربار کے کرسی نشیں اور کئی دیہاتوں کے نمبردار ہونے کے ساتھ ساتھ "خان بہادر" کا خطاب بھی حاصل کر چکے تھے۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے کہ میاں افتخار الدین فیوڈل سسٹم کے پروردہ تھے، تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

ناز و نعم میں پروان چڑھنے والے میاں افتخار الدین نے ایچی سن کالج لاہور سے گریجویشن کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۲۶ء میں یورپ روانہ ہو گئے اور برطانیہ کی آکسفورڈ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔

وہ زمانہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک نہ ختم ہونے والی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، باہمی چپقلشوں اور سیاسی و معاشی نظریات کے تصادم کا دور تھا، جس نے پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے کر انقلاب کی راہ پر گامزن کر رکھا تھا۔ اس وقت برطانیہ کی یونی ورسٹیوں میں اشتراکی خیالات مقبول عام ہو چکے تھے اور پرعزم و پرجوش نوجوان پرولتاری انقلاب کی حمایت میں سرگرم عمل ہو چکے تھے۔ یہیں میاں افتخار الدین نے مارکسزم کے اثرات کو قبول کیا اور ان کی آئندہ زندگی کا فکری نظام انہی مارکسی بنیادوں پر استوار ہوا۔۱۵۰

اگرچہ میاں افتخار الدین فیوڈل، بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتے تھے، تاہم انہوں نے علم بغاوت بلند کرتے ہوئے ترقی پسند خیالات کا پرچار کیا۔ وطن واپسی پر انہوں نے سیاسی میدان میں داخل ہوکر پہلے کانگریس اور پھر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مسلم لیگی پنجاب کابینہ میں وزیر منتخب ہوئے، تاہم اختلافات کے باعث انہوں نے علیحدگی اختیار کرلی اور ۱۹۲۹ء میں آزاد پاکستان پارٹی کی بنیاد رکھی جسے بعد میں "پاکستان نیشنل پارٹی" میں ضم کردیا گیا۔

میاں افتخار الدین ہمیشہ سے ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر ابھرے اور انہیں بے دین، کمیونسٹ اور ملحد جیسے خطابات سے نوازا گیا اور انھیں کمیونسٹوں کا ایجنٹ تصور کیا جاتا رہا۔ اس حوالے سے میاں صاحب وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں کمیونسٹ نہیں ہوں، لیکن میں کمیونسٹوں کا احترام کرتا ہوں۔ میں کمیونسٹ پارٹی کا رکن نہیں ہوں لیکن میں اس کا دشمن بھی نہیں ہوں۔ میں نے کمیونسٹوں کے بعض اعتقادات اور معاشی ناہمواریوں کے خلاف ان کے جہاد کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا" ۱۵۱

اسی سوچ وفکر اور رویے کے ساتھ میاں افتخار الدین نے ۱۹۴۶ء میں پروگریسو پیپرز لمیٹیڈ (پی پی ایل) کی داغ بیل ڈالی، جس کے تحت ۱۹۴۶ء میں "پاکستان ٹائمز"، ۱۹۴۸ء میں "امروز" اور ۱۹۵۷ء میں ہفت روزہ "لیل ونہار" کا اجراء ہوا۔ پی پی ایل کے پرچوں نے ملکی صحافتی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا اور عوام کی رہنمائی وترجمانی کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ حق وسچ کے پرچار اور ظلم وانصاف کے خلاف بھی علم بغاوت بلند کیے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ حکومت کے زیر عتاب آتا رہا۔ اور پھر اسے ایوب حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ستم یہیں پر ختم نہ ہوئے بلکہ ادارے کے بانی میاں افتخار الدین اور ان کے رفقاء کار فیض احمد فیض اور سید سبط حسن وغیرہ پر سیکورٹی ایکٹ کے تحت بھی مختلف قدغنیں لگائی جاتی رہیں، لیکن میاں افتخار الدین کے حوصلے پست نہ ہوئے اور وہ حق وباطل کی اس جنگ میں تاحیات برسرپیکار رہے۔

سیارہ۔ لاہور

۱۹۶۲ء میں تعمیری وفلاحی ادب کا نقیب ماہنامہ "سیارہ" لاہور سے منظر عام پر آیا۔ جس کی ادارت کے فرائض نعیم صدیقی سرانجام دیتے تھے۔ تقریباً ۲۱۶ صفحات اور ۱۰×۸ انچ سائز کے حامل اس رسالے کی قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے تھی۔

"سیارہ" ایک نظریاتی ادبی پرچہ تھا۔ جس نے حالات حاضرہ اور درپیش ادبی مسائل پر بحث ومباحثے کی راہ ہموار کی۔ اس رسالے میں ادب اور دیگر معاملات پر نظریاتی بحث کی جاتی تھی، خصوصاً قابل ذکر شخصیات اور دانش وروں سے انٹرویو اور مذاکرات کے ذریعے اس رسالے نے مختلف نظریات اور معاملات کو سمجھنے کی راہ ہموار کی۔

"سیارہ" کے مستقل لکھنے والوں میں عبدالماجد دریا آبادی، ماہرالقادری، ادیب سہارن پوری، اسراراحمد سہاروی، احسان دانش، عبدالعزیز خالد، فضل حسن اللہ، ابوالمعانی، آغا صادق، رفیع الدین ہاشمی، خورشید رضوی اور عبدالصمد صارم کے نام قابل ذکر ہیں۔۱۵۲

اس رسالے نے علم وادب کو نئی جہت دی۔اس کے مندرجات میں حمد ونعت ، ڈرامے، نظمیں، افسانے، خاکے، منظومات، مقالات، مہمان گرامی، رفتگاں، تعارف کتب، کتاب نامہ، خیر خبر، غزلیات اور اقبالیات کے علاوہ مختلف ادیبوں اور دانشوروں کے خاص گوشے بھی شائع کیے جاتے تھے۔

مندرجات کے حوالے سے " محفل غائبانہ " کے عنوان سے ایک قاری لکھتے ہیں:

"سیارہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے مندرجات محض دلچسپی یا تفریح پیدا نہیں کرتے بلکہ سوچنے اور غور کرنے کے راستے بھی روشن ہوجاتے ہیں، اس لیے یہ پرچہ ادب کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ ایک تحریک بھی لے کر چل رہا ہے"۱۵۳

اپنے ابتدائی دور میں "سیارہ" کی اشاعت بے قاعدگی کا شکار ہوگئی اور پھر جون ۱۹۷۶ء میں اس رسالے کا دوسرا دور شروع ہوا۔اسے "سہ ماہی اشاعت خاص " کا درجہ دے دیا گیا اور اس کے حلقہ ادارت میں نعیم صدیقی پروفیسر فروغ احمد، فضل من اللہ، طاہر شادانی اور حفیظ الرحمٰن احسن شامل ہوئے۔

مدیرانتظامی فضل من اللہ نے لکھا:

"جون ۱۹۷۶ء " سیارہ " کے نئے درخشاں دور کا آغاز ، نیا نظام ادارت، نئے انتظامات، نیا عزم، نئی امنگیں ۔۔۔۔اور درمیان میں سات سونے سال۔۔۔۔ایسا لگتا ہے کہ خود پر اصحاب کہف والی واردات گزرگئی ہے۔دنیا بدل چکی ہے۔۔۔لیکن ایک بات جو ہمت اور حوصلہ دیتی ہے وہ ہے ہمارا مقصد، ادب میں فلاحی اور تعمیری اقدار کو ابھارنا"۱۵۴

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت کو بھی اس رسالے نے برقرار رکھا۔اقبال نمبر جہاد ستمبر نمبر، سفر حجاز نمبر، عبدالعزیز خالد نمبر، افغانستان نمبر اور بے شمار خاص نمبر، سہہ ماہی اشاعت خاص اور اشاعت خاص بیاد سید ابوالاعلیٰ مودودی اس رسالے کے اہم کارنامے ہیں جو نظریاتی ادب میں ایک دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں۔

"سیارہ" نے مولانا مودودی اور اقبال کے حوالے سے بے شمار مقالات ومضامین پیش کیے جو اس رسالے کا ادب پر ایک بہت بڑا احسان ہے اس رسالے میں ملک ومعاشرہ اور افراد کی ذہنی، فکری اور نظریاتی نشوونما اور تربیت پر خاص زور دیا جاتا تھا۔خصوصاً اسلامی طرز فکر کو ابھارنے میں بھی اس رسالے نے اہم کردار ادا کیا۔

"القلم ادبی کانفرنس" کے انعقاد کے حوالے سے مدیر "سیارہ" لکھتے ہیں:

"ایک مدت سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ایسے تمام اہل قلم کی ایک کل پاکستان نمائندہ کانفرنس بلائی جائے جو تعمیر پسندانہ ذہن سے کام لے کر ایسی نگارشات نظم ونثر لکھتے ہیں جن میں اسلامی تہذیب کی اقدار نمایاں رہتی ہیں"۔۱۵۵

مزید لکھتے ہیں:

"اس کانفرنس کا انعقاد ایسے وسیع تصور کے ساتھ کیا جائے، جس میں زاویۂ نظر کے جزوی اختلافات رکھنے والے ایسے تمام ادیب شریک ہوسکیں، جن کا سرچشمہ فکر نظریۂ اسلامی ہے اور جن کی پاکستان سے وفاداری بین واضح ہے اور غیر اسلامی اور مخالف، پاکستان ادبی نظریات سے مسحور نہیں ہیں۔ ان سب کو ایک متفقہ منشور پر جمع کیا جائے" ۱۵۶

"سیارہ" نے اجتماعی سوچ کو ابھارنے اور فکر و خیال کو نئی جہت دینے کے لیے نظم، غزل، افسانہ، انشائیہ، سفرنامہ، تنقید، اور نعتیہ ادب کا سہارا لیا۔ خصوصاً نعتیہ ادب کے ضمن میں اس رسالے کی خدمات گراں قدر ہیں۔ اس حوالے سے ایک قاری اپنے خط میں خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتا ہے:

"پچھلے تین چار سالوں کے دوران جتنا نعتیہ ادب تخلیق ہوا ہے شاید ہی کبھی پچھلے کئی سو سالوں میں ہوا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا سہرا جہاں اور کئی عوامل اور محرکات پر ہے۔ وہاں اس کا کریڈٹ سیارہ کے اس صحت مندانہ اور اسلامی رجحان کو جاتا ہے" ۱۵۷

الغرض "سیارہ" ایک مخصوص مزاج اور نظریات کا حامل ادبی جریدہ تھا، جس نے ادب کی خدمت اور انسانی فکر کو مخصوص جہت عطا کرنے کی سعی کی۔

مولانا نعیم صدیقی

مولانا نعیم صدیقی جماعت اسلامی کے رہنما اور مولانا مودودی کے قریبی ساتھی تھے۔ انہوں نے اپنا ادبی سفر ہفتہ وار رسالے کوثر سے شروع کیا۔ جس کے مدیر مولانا نصر اللہ خان عزیز تھے۔ پھر وہ ماہنامہ "چراغ راہ" سے منسلک ہو گئے اور نو برس تک بحیثیت مدیر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا صدیقی نے لاہور سے ماہنامہ سیارہ جاری کیا اور تاحیات اس کے ساتھ منسلک رہے۔ انہوں نے حضور پاک ﷺ کی حیات مبارکہ پر ایک کتاب "محسن انسانیت" بھی تحریر کی۔ ۱۵۸

سیپ۔ کراچی

"سہ ماہی سیپ" نسیم درانی کی ادارت میں کراچی سے ۱۹۶۳ء میں جاری ہوا۔ تقریباً ۳۵۳ صفحات اور ۹.۱۰×۳.۸ انچ سائز کے حامل اِس رسالے کی قیمت ۷۵ روپے ہے اور یہ سیپ پبلی کیشنز کے زیرِ اہتمام احباب پرنٹرز سے چھپ کر شائع ہوتا ہے۔

یہ ایک اعلیٰ بلند پایہ علمی و ادبی رسالہ ہے۔ "سیپ" کا ہر شمارہ اپنی ضخامت کے اعتبار سے دیگر رسائل سے ممتاز اور منفرد قرار دیا جاسکتا ہے۔ سیپ کا رجحان ابتداء ہی سے تخلیقی ادب کی اشاعت کی طرف رہا ہے۔ ۱۵۹

سیپ کے اجراء کے متعلق اس کے مدیر نسیم درانی کہتے ہیں:

"جس وقت میں نے سیپ نکالنا شروع کیا۔ اس وقت تین پرچے تھے۔ ایک تو نقوش تھا، دوسرا سویرا اور تیسرا نیا دور۔ یہ ضخیم ادبی پرچے تھے۔ جن کو معیاری کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ترقی پسند تحریک کے جتنے بانیان اور لکھنے والے تھے اور صف اول کے جتنے لکھنے والے تھے وہ سب لکھ رہے تھے۔ لکھنے والے بہت زیادہ تھے"۔ ۱۶۰

مزید لکھتے ہیں:

"ان تین رسالوں کے پاس نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی وقت ہی نہیں تھا نہ وہ ان کی تحریروں کو پڑھتے تھے۔ اگر پڑھتے تو چھاپتے۔ تو نئے لکھنے والے اس زمانے میں بڑے بددل تھے۔ تو میں نے یہ عزم کیا کہ ہم نئے لکھنے والوں کے لیے یہ پرچہ نکال رہے ہیں، تو اس طرح "سیپ" نئے لکھنے والوں کا تھا۔ ہمارا نعرہ بھی یہ تھا "سیپ نئے اور پرانے لکھنے والوں کے ساتھ معیاری اور اچھی تحریریں پیش کرتا ہے اور فکرِ نو کا ترجمان ہے" ۱۶۱

"سیپ" نے جلد ہی ادبی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ یہ ایک ادبی جریدہ تھا جس میں افسانے، مضامین، نظمیں، طنز و مزاح، تراجم، فنون لطیفہ، غزلیں، رباعیات، اور گیت وغیرہ شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس کے اداریے بہت فکر انگیز اور کاٹ دار ہوتے تھے۔

ایک اداریے میں تحریر ہے:

"بہر حال، موجودہ حکومت نے آزادئ تحریر و تقریر کا جو ماحول پیدا کیا ہے، اسے صحیح سمت میں استعمال کی بجائے ان بونے سیاستدانوں نے اپنے طور پر پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور انہوں نے نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے لیکن دس سال کے خوفناک تسلط کے بعد ہمارے ادیب شاید ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ آزادی تحریر کا کیا مطلب اور مقصد ہے۔ ہمیں انتظار ہے کہ ہمارے ادیب کب ان "بونے سیاست دانوں" کے پھیلائے ہوئے نفرت کے زہر کا تریاق عام کرنے کے لیے اپنے قلم کو حرکت میں لائیں گے" ۱۶۲

یعنی اس رسالے نے نہ صرف ادب کی خدمت کو اپنا شعار بنایا بلکہ ادیب اور قاری کو جھنجھوڑنے کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ اس رسالے نے اذہان کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور قارئین کی خدمت اور رہنمائی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ نثری و نظمی، لسانی سوالات، ثقافتی مسائل کے علاوہ "سیپ" نے ادیب کا ذاتی تشخص ابھارنے کے لیے خاکہ نگاری اور شخصیت ناموں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا اور اصناف ادب میں خصوصی مضامین پیش کیے۔ ۱۶۳

اس طرح "سیپ" نے نئے لکھنے والے ادیبوں کو موقع فراہم کرکے اردو ادب کو بہت سے بہترین لکھاری فراہم کیے اس رسالے کی چوبیس سالہ زندگی بہت شاندار رہی اور اردو ادب میں اس رسالے کی خدمات بیش بہا ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر انور سدید:

"اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ سیپ نے طلوع ہوتے ہی ایک آفتاب کی صورت اختیار کر لی اور اس کی آمد کو نہ صرف اردو ادب کا ایک اہم واقعہ تصور کیا گیا بلکہ لکھنے والوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم بھی مل گیا جہاں مدیر ایک ادبی ڈکٹیٹر کا روپ اختیار نہیں کرتا تھا اور ادبی اظہار کو جمہوری قدروں کے مطابق پروان چڑھانے کا آرزومند تھا" ۱۶۴

یہ رسالہ مضامین کے ساتھ ظاہری شکل وصورت میں بھی منفرد تھا۔ اس کا سرورق ہمیشہ تجریدی آرٹ کے نمونوں سے مزین ہوتا تھا جس کی ذمہ داری جمیل نقش کے سپرد تھی۔

نسیم درانی

نسیم درانی ۱۹۳۸ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم آگرہ اور بمبئی میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے کراچی آگئے اور ماڈل ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔ کراچی میں اردو کالج سے بی اے اور جامعہ کراچی سے ایم اے اردو کیا۔ ایم اے میں آپ نے فرسٹ کلاس سیکنڈ پوزیشن حاصل کی جس پر جامعہ کراچی نے آپ کو "یادگار جگر" گولڈ میڈل سے نوازا۔

نسیم درانی کو بچپن سے ہی لکھنے لکھانے کا شوق تھا۔ آپ کی پہلی کہانی ۱۹۵۲ء میں بچوں کے رسالے "ساتھی" میں شائع ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ نونہال، بھائی جان، میرا رسالہ، کھلونا اور مختلف اخبارات میں بھی بچوں کے صفحات پر کہانیاں لکھتے رہے۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے باقاعدہ ادبی رسائل میں لکھنا شروع کیا۔ ابتداء میں آپ ایک ادبی انجمن "بزم نوآموز مصنفین" میں شامل ہوئے اور جلد ہی اس کے جنرل سیکرٹری بھی منتخب ہوگئے۔ اس انجمن میں افسر آزر، سمیع انور، عبید اللہ علیم، سلیم صدیقی اور دیگر احباب شامل تھے۔

۱۹۵۸ء میں "حلقہ فکر نو" کی بنیاد ڈالی اس کے اساسی رکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔ اس حلقے کی تنقیدی نشستیں ہر ہفتے ہوتی تھیں اور یہی سرگرمیاں نسیم درانی کی ذہنی تربیت اور ادبی شعور کی بیداری کا باعث بنیں اس دور میں نسیم درانی نے نئے لکھنے والوں کی تخلیقات اور ان کی اشاعت کے بارے میں سوچنا شروع کیا جس نے جلد ہی "سیپ" کی شکل اختیار کرلی۔

"سیپ" کی اشاعت کا آغاز ۱۹۶۳ء میں ہوا اور اس میں پرانے لکھنے والوں کی تحریروں کے ساتھ نئے لکھنے والوں کی تحریریں بھی شائع کیں۔ سیپ کے پہلے شمارے میں نئے افسانہ نگاروں کے ساتھ عصمت چغتائی، شوکت صدیقی اور حمید کاشمیری کے نام بھی شامل تھے۔

۱۹۷۱ء میں فنون لطیفہ پر مبنی اردو زبان میں ایک رسالہ "آرٹس انٹرنیشنل" شائع کیا۔ اس رسالے میں مصوری، موسیقی، رقص، اسٹیج، ڈرامہ، ٹی وی اور سینما سب کی ترجمانی ہوتی تھی۔ ۱۹۷۸ء تک یہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا لیکن پھر سنسر کی وجہ سے اس کو بند کرنا پڑا۔ "سیپ" کی اشاعت کے چند سال بعد ۱۹۷۲ء میں آپ نے "ماہنامہ الفاظ" کا اجراء کیا۔

نسیم درانی مختلف علمی، ادبی اور ثقافتی اداروں سے بھی وابستہ ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں آپ کو پاکستان رائٹرز گلڈ کا جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا تھا۔

نسیم درانی کو اپنی باکمال ادبی زندگی میں بے شمار اعزازات حاصل ہوئے۔ ۱۹۹۸ء میں انہیں اس وقت کے صدر پاکستان رفیق احمد تارڑ، کی جانب سے افسانہ نگاری پر "تمغہ امتیاز" دیا گیا۔ ۱۶۵

فنون۔ لاہور

۱۹۶۳ء میں لاہور سے سہ ماہی "فنون" کا اجراء ایک اہم ادبی واقعہ ہے۔ اس رسالے کی ادارت کے فرائض جناب احمد ندیم قاسمی اور حبیب اشعر انجام دیتے تھے۔ تقریباً ۲۸۸ صفحات اور ۱۰×۸ انچ سائز کے حامل اس رسالے کی فی شمارہ قیمت ۶ روپے جب کہ سالانہ چندہ ۱۴ روپے تھا اور یہ انار کلی، لاہور (مغربی پاکستان) سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

یہ رسالہ ایک علمی و ادبی معرکہ اور "معیاری علم و فن کی تخلیقی رفتار کا پیمانہ" تھا۔ جس کے اجراء کے حوالے سے مدیر احمد ندیم قاسمی نے کہا کہ وہ پاکستان کے ادبی رسالوں کی فہرست میں ایک اور رسالے کا اضافہ اس لیے کر رہے ہیں کیوں کہ "ایسا کرنے کو جی چاہا تھا" انہوں نے مزید لکھا کہ "ان کے رسالے میں کوئی خاص بات نہیں، نہ وہ قارئین پر کوئی احسان کر رہے ہیں "۱۶۶

لیکن درحقیقت احمد ندیم قاسمی نے "فنون" جاری کر کے علم و ادب کی صحیح معنوں میں خدمت کی۔ یہ ایک مقبول و ممتاز رسالہ تھا جس کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان حرف اول، مقالات، رفتگاں، سفرنامے، موسیقی، نظمیں، غزلیں، افسانے، اختلافات، تبصرے اور دیگر ادبی مضامین شامل ہوتے تھے۔

"فنون" کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ صرف ادب کی اشاعت کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ "فنون' نے دیگر "فنون لطیفہ" مثلاً مصوری، خطاطی، موسیقی، فوٹو گرافی اور فلم تک کو اپنے دائرہ اشاعت میں شامل کر لیا ۱۶۷ اور ان موضوعات پر ممتاز قلمکاروں کی تحریروں اور مضامین شامل کر کے قارئین کو ہر شعبۂ فن سے متعلق مکمل معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"مدت کے بعد اردو کا ایک پورا رسالہ دیکھنے میں آیا۔ یوں ملک میں بلند پایہ رسالے اور بھی ہیں ان کو بھی پڑھ کر بڑا اطمینان ہوتا ہے۔ مگر "فنون" رنگ و بوئے دیگر رکھتا ہے" ۱۶۸

"فنون" کا ایک مخصوص ادبی مزاج تھا حرف اول میں درج ہے:

"ہندوستان کے بڑے بڑے اردو ادبا، شعراء کا جو اجتماع "فنون" میں ملتا ہے۔ اس کی مثال مشکل ہی سے دستیاب ہو سکے گی" ۱۶۹

اس رسالے میں نہ صرف افسانے کو نئی جہت عطا کی گئی بلکہ اہل قلم کے تعارفی با تصویر مضامین بھی شامل اشاعت ہوئے، خصوصاً کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر جیسی قلم کاروں کو اس رسالے کی بدولت ہی بام عروج حاصل ہوا۔

"فنون" کو ابتدائی مراحل پر ہی جو پذیرائی ملی، وہ بے حد حوصلہ افزا تھی، اسے لکھنے والوں کے علاوہ پڑھنے والوں کی سرپرستی بھی ملی، اس کی ادارت احمد ندیم قاسمی جیسی شخصیت کے ہاتھ میں تھی، جنھیں رسالہ "پھول"، "تہذیب نسواں"، "ادب لطیف"، "سحر"، "نقوش"، "امروز" اور "سویرا" کی ترتیب و تدوین اور حسن و زیبائش کا تجربہ تھا۔ تاہم چوں کہ "فنون"، ان کا ذاتی رسالہ تھا، اس لیے اس کے انتظامی امور کی نگہداشت بھی انہیں کا فریضہ تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ابتدائی چند اشاعتوں کے بعد "فنون " تاخیر اشاعت کا شکار ہو گیا۔اور قلمی معاونین کو یہ شکایت ہوئی کہ ان کے مضامین نظم ونثر دیر سے چھپتے ہیں ۷۰ے[1]اس کا اندازہ کچھ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔

"فنون کی سہہ ماہی اشاعتوں میں آئندہ ہر قیمت پر باقاعدگی پیدا کی جائے گی اور اگر ہماری یہ کوشش ناکام رہی تو ہم "فنون" کو بند کر دینے کے اعلان میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے "۔ا ۷ے[1]

نومبر،دسمبر،۱۹۶۹ء کی اشاعت میں "فنون' نے ماہانہ ادبی جریدے کی صورت اختیار کرنے اور پابندیٔ وقت سے شائع ہونے کی نوید دی۔مختصر ضخامت میں اس کا پہلا پرچہ فروری ۱۹۷۰ء میں منظر عام پر آیا لیکن ابھی اس کا مزاج سابقہ سہہ ماہی اشاعتوں سے مختلف نہیں تھا۔۲ ۷ے[1]

فنون کے مضامین کے ساتھ ساتھ اس کے سرورق بھی دیدہ زیب ہوتے تھے جس کے خالق "موجد "اس حوالے سے ایک قاری اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"جناب مؤجد کا فن اپنا ایک الگ انداز رکھتا ہے پہچان کا عمل بہت مشکل ہوتا ہے۔آپ دور سے موجد کی چیز شناخت کر لیں گے۔تازہ شمارے کا سرورق وطن عزیز میں آئی جمہوریت کے حوالے سے ایک نئی معنویت لیے ہوئے ہے۔ چھوٹی مہتابیوں کا سا تاثر، جو امید کی کرن سے مملو ہے۔"اسٹروکس "اور رنگوں کی ترتیب و تقسیم جناب موجد کو ایک دبستان کی شکل دیتی ہے۔خطاطی اگر چہ تخلیق ۸۵ء کی ہے لیکن ہر بڑے فن پارے کی طرح یہ زمانی حدوں کی قید سے آزاد ہے۔ان کی خطاطی کے نمونے اپنی مثال آپ ہیں۔موجد اس عہد میں غنیمت ہیں "۳ ۷ے[1]

"فنون "خاص نمبروں کا پرچہ ہے۔اس کی ضخیم اشاعتیں اگر چہ معینہ وقت پر شائع نہیں ہوئیں لیکن اسے ادبی دنیا میں وقار اور احترام حاصل ہے۔۴ ۷ے[1]"فنون " کے تحت بے شمار خاص نمبر، اشاعت غالب و سالنامہ، اقبال نمبر اور خدیجہ مستور نمبر شائع ہوئے جو اپنے موضوع پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور جنھیں ادب میں ایک اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔۔

فنون میں متعدد ادباء کے گوشے بھی مخصوص کیے گئے تا کہ ان دانشوروں کی علمی وادبی خدمات کے باعث انہیں خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔اس رسالے کے لکھنے والوں میں ممتاز شیریں، انور سجاد، اشفاق احمد، قرۃ العین حیدر، مستنصر حسین تارڑ، محمد کاظم، عطاء الحق قاسمی، حسین شاہد، رشید ملک، امجد اسلام امجد، محمد خالد اختر اور دیگر قابل ذکر نام شامل ہیں۔

فنون کے اداریے میں احمد ندیم قاسمی کسی واقعے سے متعلق نہایت ہلکے پھلکے انداز میں اظہار خیال کرتے تھے کہ قاری کو با آسانی بات سمجھ میں آجاتی تھی۔مضامین کی گھمبیرتا کے ساتھ ہلکا پھلکا اداریہ خوب جچتا تھا۔ایک قاری لکھتا ہے:

"فنون ملا۔۔۔۔ بہت خوب ہے، لیکن مزاج کچھ عجیب ہو گیا ہے۔ اتنا گھمبیر ہے اور اتنا پریشان کن ہے۔ موضوعات کا گھنا جنگل ہے۔قاری کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہے۔ چلنے کا احساس ہوتا ہے لیکن سمت کا اندازہ نہیں ہوتا۔یہ ایک نیک شگون ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پرچے پر دوسرے مدیران جرائد کی مانند مسلط نہیں ہیں۔ نہ تو یہ کسی ایک فرد کا جریدہ ہے اور نہ کسی گروہ کا۔یہ بات فی زمانہ قریب قریب کمیاب ہے "۔۵ ۷ے[1]

مجموعی اعتبار سے اس رسالے کا ایک مخصوص ترقی پسندانہ نظریہ اور واضح شناخت سامنے آئی۔ اس نے نہ صرف پختہ قلم کاروں بلکہ تحریر کے میدان کے نئے کھلاڑیوں کو بھی کھل کر کھیلنے کا موقع دیا۔ اس رسالے نے اردو ادب میں اعلیٰ ادبی روایات قائم کی ہیں۔ اور اس کے لیے احمد ندیم قاسمی اور اس رسالے کے لکھاریوں کی خدمات واقعی لائق تحسین ہے۔ "فنون" کے سائبان تلے ہر عمر اور مکتبۂ فکر کے لوگوں نے قیام کیا۔ یہ ایک ایسا چشمہ ہے جس نے تشنگان فن کو علم و ادب کے بے پناہ ذخیرے سے سیراب کیا اور ایک دنیا "فنون" کی اس خوبی کی معترف ہے۔

احمد ندیم قاسمی

احمد شاہ نام، احمد ندیم قاسمی ادبی نام، خاندان کے ایک بزرگ پیر محمد قاسم کی رعایت سے قاسمی کہلائے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ کو انگہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ اپنے چچا اور سرپرست پیر حیدر شاہ سے قرآن کریم تفسیر کے ساتھ ختم کیا۔ ان ہی کی تربیت سے علم و ادب اور شعر و فن سے شغف پیدا ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں پہلی نظم لکھی یہ نظم مولانا محمد علی جوہر کا مرثیہ تھا۔ ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی ابتداء میں بے روزگار رہے پھر ۱۹۳۹ء میں ایکسائز سب انسپکٹر کی حیثیت سے ملتان اور خانیوال میں دو سال کام کرتے رہے۔ آخر استعفٰی دے کر ۱۹۴۱ء میں لاہور میں مستقل قیام پذیر ہو گئے اور ہفتہ وار "تہذیب نسواں" کے مدیر بنے بعد کی زندگی میں ادارت ہی ذریعہ معاش رہی۔ ستمبر ۴۳ء تا جون ۴۵ء، ماہنامہ "ادب لطیف"، ۴۷ء تا ۴۸ء "سویرا"، ۴۸ تا ۵۰ء "نقوش"، ۵۲ء تا ۵۹ء روزنامہ "امروز" اور ۶۳ سے تادم مرگ فنون کے مدیر رہے۔ مختلف اخبارات میں بطور کالم نویس کام کیا۔ فکاہی کالم ۵۲ء میں لکھنا شروع کیا۔ "امروز" سے علیحدگی کے بعد "ہلال پاکستان" لاہور اور روزنامہ "احسان" لاہور میں اور ۷۰ء تا ۷۱ء روزنامہ "حریت" اور بعد ازاں روزنامہ "جنگ" میں لکھتے رہے۔ زندگی میں دو بار جیل گئے، پہلی دفعہ لیاقت علی خان کے دور میں مئی ۵۱ء سے نومبر ۵۱ء تک اور پھر ایوب خان کے دور میں اکتوبر ۵۸ء سے فروری ۵۹ء تک جیل میں رہے۔ افسانوں کے پندرہ اور شاعری سات کے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ بیس برس کے فکاہی کالموں کا انتخاب جلد اول " کیسر کیاری " کے عنوان سے شائع ہوا۔ ایک سو کے قریب تنقیدی مضامین کا انتخاب "تہذیب و فن" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ۶ ۷ا

اوراق۔ لاہور

"اوراق" کا اجراء جنوری ۱۹۶۶ء میں لاہور سے ہوا۔ اس کے مدیر ڈاکٹر وزیر آغا تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک مولانا صلاح الدین احمد کے ادبی مشن میں ان کے دست راست رہ چکے تھے اور "ادبی دنیا" کے پانچویں دور میں ادارت کے فرائض ان ہی کے ذمہ تھے۔ تاہم مولانا صلاح الدین احمد کی وفات کے بعد ڈاکٹر وزیر آغا نے "اوراق" جاری کر کے اسے جدید ادب کا نمائندہ اور پیش رو بنانے کی سعی کی۔

"اوراق" کے ادبی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا:

" کسی ملک کے ادب کو اس کی ثقافت اور تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور ثقافتی ماحول، زمین کی باس، پانی، نمک اور فضا پر عناصر آفاقی کے عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ "اوراق" زمین کو اہمیت دینے میں اس لیے پیش پیش رہے گا کہ زمین عورت کی طرح تخلیق کرتی ہے لیکن وہ آسمان کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرے گا کہ آسمان اس تخلیق میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے " ۱۷۷ؔ

ڈاکٹر وزیر آغا کے ساتھ عارف عبدالمتین بھی اس رسالے کے حلقۂ ادارت میں شامل تھے۔ جو ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ "اوراق" نے اپنے صفحات کے ذریعے کسی مخصوص گروہ یا نظریئے کا پرچار نہیں کیا بلکہ اپنے پڑھنے والوں پر سوچ وفکر کے نئے در وا کیے اور انہیں ادب کے مختلف گوشوں سے روشناس کروایا۔

عارف عبدالمتین اس حوالے سے کہتے ہیں:

"اوراق" کا اجراء کسی فوری ذہنی اضطرار کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ ایک سوچی سمجھی ادبی منصوبہ بندی کا مرہون منت ہے۔۔۔ "اوراق" ادبی منصوبہ بندی کا نتیجہ تو ہے مگر کسی اقتصادی منصوبہ بندی کی پیداوار نہیں لہٰذا ادب وفن کی نشر و اشاعت کا ضامن تو ہوگا، ان کی تجارت نہیں کرے گا" ۱۷۸ؔ

اس طرح اوراق نے اپنے الفاظ کا پاس رکھتے ہوئے بلند پایہ علمی تخلیقات کو جنم دیا۔ اس کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان پہلا ورق، عقیدت، طویل نظمیں، ہائیکو، انشایئے، انشائیہ نگاری، نظمیں، سفر نامے، افسانے، مزاحیہ غزلیں، غالبیات، مقالات، آپس کی باتیں، سوال یہ ہے، میرا پسندیدہ فنکار، ادھوری باتیں، کتابوں کی باتیں اور دیگر ادبی مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

اوراق کا پہلا دور جنوری ۱۹۶۶ء سے جولائی ۱۹۷۰ء تک ساڑھے چار سال پر محیط ہے۔ اس عرصے میں تیرہ خاص نمبر، جن میں دو سالنامے، ایک افسانہ نمبر اور ایک ضخیم "غالب وسالنامہ نمبر" بھی شامل تھے، شائع ہوئے۔ ۱۷۹ؔ

اوراق کا دور ثانی مارچ ۱۹۷۲ء میں "افسانہ وانشائیہ نمبر" سے شروع ہوا۔ ۱۸۰ؔ اس دور میں عارف عبدالمتین کچھ عرصے کے لیے ادارت سے علیحدٰہ ہو گئے لیکن پھر دوبارہ منسلک ہو گئے۔ یہ تعلق ۱۹۷۵ء تک رہا۔ جنوری ۱۹۷۶ء میں سجاد نقوی نے ڈاکٹر وزیر آغا کے ساتھ ادارت کے فرائض انجام دینے شروع کیے۔ ستمبر ۱۹۷۵ء میں "اوراق" "مولانا صلاح الدین احمد کی یاد میں چھپنے لگا۔ ۱۸۱ؔ

اوراق کا ہر شمارہ اپنی نوعیت کی ایک ادبی دستاویز ہے۔ ہر شمارے میں ایک آدھ چیز ایسی ضرور ہوتی ہے جو دنیائے ادب کو چونکا کر رکھ دیتی ہے۔ یہ پاکستان کا واحد ادبی جریدہ ہے جس نے انشائیے کی صنف کے فروغ میں سب سے نمایاں، اہم اور قابل قدر کام کیا ہے۔ اسی طرح جدید اردو افسانے کی ترویج میں بھی اوراق اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ یعنی ادب میں تخلیق کی نئی جہتوں کی داغ بیل ڈال کر "اوراق" نے قارئین پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا ایک اداریئے میں رقم طراز ہیں:

"جہاں تک ادب کے میدان میں تخلیق کاری کا سوال ہے تو اس سلسلے میں ہمارا شروع ہی سے یہ موقف رہا ہے کہ ادیب تلمیذ الرحمٰن ہے۔ اور "ناموجود" کے اندر سے فن پارے کو وجود میں لانے پر قادر ہے۔ (آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں) وہ کوئی باربردار نہیں جسے ایک بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے "خیال" کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے پر مامور کر دیا گیا ہو۔ ادب کو اصلاح احوال یا کسی مینی فیسٹو کی ترسیل کے لیے بروئے کار لانے والوں کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے"۱۸۲؎

"اوراق" کے مقاصد میں صرف علمی وادبی تشنگی کو دور کرنا نہیں تھا۔ بلکہ یہ رسالہ نظریات، ثقافت اور ادب برائے زندگی کے اصولوں پر بھی کاربند تھا۔ یہ ایک جدیدیت کی طرف مائل رسالہ تھا۔ اس میں تنوع اور کشادگی پائی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ اسے مخالفین کی جانب سے مخالفت اور تنقید کا نشانہ بھی بنایا جاتا رہا۔ لیکن یہ رسالہ اپنے موقف اور نظریات سے کبھی پیچھے نہیں ہٹا۔ یہ ایک معتدل مزاج رسالہ تھا۔ جس کے پیش نظر صرف اور صرف ادب کی خدمت جیسا فریضہ تھا اور اپنے اس فرض کو نبھانے میں اس رسالے نے کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔

ڈاکٹر وزیر آغا

ڈاکٹر وزیر آغا ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء کو سرگودھا کے ایک نواحی گاؤں وزیر کوٹ میں پیدا ہوئے ان کے والد آغا وسعت علی خان لاہور میں گھوڑوں کے کاروبار سے منسلک تھے۔ ان کے دادا اور پردادا بھی گھوڑوں کے سوداگر تھے، لیکن بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس خاندان کے مالی حالات خراب ہوگئے اور ڈاکٹر وزیر آغا کا بچپن کسمپرسی میں گزرا۔ اپنے آبائی گاؤں سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر وزیر آغا نے گورنمنٹ کالج جھنگ سے انٹرمیڈیٹ کلاس میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے معاشیات میں ایم۔اے کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے ادبی صحافت کا آغاز ۱۹۶۰ء میں مولانا صلاح الدین احمد کے ادبی جریدہ "ادبی دنیا" کے جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کیا اور مولانا کی وفات تک اس جریدہ سے منسلک رہے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے ایک اہم ادبی جریدے "اوراق" کا اجراء کیا جو ۲۰۰۳ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کثیر الجہت شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ دانشور بھی تھے ان کے اب تک ۱۰ شعری مجموعے، انشائیوں کے چھ مجموعے اور ۱۵ تنقیدی مضامین کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی شعری تخلیقات کی کلیات، "چھلک اٹھی لفظوں کی چھاگل" بھی چھپ چکی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی بعض کتب اور تخلیقات کے انگریزی، ڈینیش، یونانی، سوئیڈش، جرمن، ہسپانوی، مالٹیز، جاپانی، ہندی، بنگالی، مراٹھی، سرائیکی اور دیگر زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ وزیر آغا کے فن کی مختلف جہات پر تیرہ کے لگ بھگ

رسائل کے مرتب کردہ خصوصی نمبر اور کتابیں چھپ چکی ہیں، جبکہ پاکستان اور بھارت کی جامعات میں ان پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ۱۰ سے زائد مقالات لکھے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے نظم نثر میں ایک منفرد اسلوب کے ذریعے اپنا لوہا منوایا ادب کا یہ عظیم شہہ سوار ے ستمبر ۲۰۱۰ء کو لاہور میں اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ وزیر آغا کو ان کے آبائی گاؤں وزیر کوٹ میں دفن کیا گیا۔ ۱۸۳

تخلیق۔ لاہور

ماہنامہ "تخلیق" لاہور سے جاری ہوا۔ جس کے مدیر مشہور صحافی اور ادیب اظہر جاوید تھے۔ ایک عرصے تک مختلف رسائل واخبارات میں ادبی خدمات سرانجام دینے کے بعد اظہر جاوید نے اظہار کو وسعت اور آزادی عطا کرنے کا منصوبہ بنایا تو انھوں نے "تخلیق" جاری کیا۔ ابتداء میں یہ پرچہ نظم ونثر کا مجموعہ تھا، لیکن ڈیکلریشن ملنے کے بعد ۱۹۶۹ء سے یہ ایک باقاعدہ ادبی جریدے کی صورت میں شائع ہوا۔ اس عرصے میں عذرا اصغر نے بھی ادارتی فرائض ادا کیے اور اظہر جاوید کا ہاتھ بٹایا۔

اس رسالے کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان اپنی بات، نظمیں، افسانے، غزلیں، پس انداز خاکے، تاثرات، خصوصی مطالعہ، سفر نامہ، رفتگاں، جائزے، پنجاب رنگ، تبصرے، ہندوستانی کتابیں اور انجمن خیال (قارئین کے خطوط) وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

"تخلیق" نے کئی مشہور لکھنے والوں کو اپنے پلیٹ فارم سے متعارف کروایا۔ خصوصاً خواتین قلم کاروں کی اچھی خاصی تعداد نے اپنی تحریر کا سفر "تخلیق" سے ہی شروع کیا۔ اس ضمن میں پروین عاطف، راحت نخی، عذرا اصغر، خالدہ ملک، عالیہ بخاری ہالہ، مرحب قاسمی، ساجدہ فرحت، یاسمین سیف، زہرہ جبیں، مسرت پراچہ، رعنا اقبال، عبیدہ اعظم، آئینہ عنبرین، نوید بخاری، شاہدہ ناز، نوشابہ خاتون، ارجمند شاہین، ام لیلیٰ، عزرا مسعود، زاہدہ ناز، فریدہ مرزا، روزماہ بخاری، طاہرہ زمان اور شگفتہ نازلی کا ذکر ہی کافی ہے کہ یہ سب "تخلیق" کے صفحات سے نمایاں ہوئیں تھیں۔ ۱۸۴

"تخلیق" میں ہر طرح کا ادبی مواد نہایت خوبصورتی سے پیش کیا جاتا تھا۔ خصوصاً لکھنے کی ترغیب دلانا اس رسالے کی ایک اہم خوبی ہے۔

"تخلیق" میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں ڈاکٹر انور سدید نے لکھا:

"تخلیق کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف اور تصنیف دونوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس پرچے میں نئی کتابوں پر تبصرے اس خوبصورت انداز میں کیے جاتے ہیں کہ ادیبوں کو مزید لکھنے اور کتابیں چھاپنے کی ترغیب مل جاتی ہے"۔ ۱۸۵

"تخلیق" میں شائع ہونے والے اداریئے بھی فکر انگیز ہیں۔ یہ نہ صرف اس کے مدیر کے جذبات واحساسات کے ترجمان ہیں بلکہ قارئین کو ادبی دنیا کے مختلف گوشوں سے روشناس کرانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انور سدید مزید لکھتے ہیں:

"تخلیق کے اداریئے اس کے مدیر اظہر جاوید کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان اداریوں میں اظہر جاوید کی آنکھ، ادب اور ادبی معاشرے پر مرکوز رہتی ہے تو وہ خارج کی دنیا کو بھی نظر انداز نہیں کرتے"۱۸۶

"تخلیق" کے بڑے کارناموں میں ۱۹۸۴ء کا "کہانی نمبر" اور ۱۹۸۸ء کا "سندھی ادب وثقافت نمبر" ہے۔۱۸۷ اس طرح خاص نمبروں کی روایت کو بھی تخلیق نے جلا بخشی اور اپنے خاص نمبروں کی بدولت نہ صرف ملک کی مختلف ثقافتوں اور ادب کو اجاگر کرنے کی کوشش کی بلکہ غیر ملکی ادب سے تراجم کی صورت میں قارئین کو ہر طرح کے ادب کے ذائقہ سے متعارف کروانے کی کوشش کی۔

اس طرح اس رسالے نے نہ صرف ادب کی خدمت کرنے کی کوشش کی بلکہ قومی یکجہتی کو بھی مد نظر رکھ کر اپنا مقام بنایا اور اس زمانے میں ادبی قحط دور کرنے کی کوشش کی، جب بہت سے بڑے ادبی پرچے زوال پذیر تھے۔

ڈاکٹر انور سدید نے "تخلیق" میں شائع ہونے والے مضمون میں جائزہ لیتے ہوئے لکھا:

"جناب احمد ندیم قاسمی کی وفات کے بعد "فنون" کے منظر ادب سے ہٹ جانے اور ڈاکٹر وزیر آغا کے رسالہ "اوراق' کی التوائے اشاعت نے جو خلا پیدا کر دیا تھا۔ اسے اظہر جاوید نے "تخلیق" کے ذریعے پورا کرنے کی کاوش کی اور اس ایک سال کے دوران قریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ادب کا ایک خالص مواد پیش کر کے اردو پڑھنے والوں کی ذہنی آبیاری کی اور لکھنے والوں کو ایک مستقل پلیٹ فارم فراہم کیا"۱۸۸

اس طرح "تخلیق" اپنے مخصوص متوازن ومعتدل اسلوب میں ادب کی شبانہ روز خدمت میں مصروف رہا اور اظہر جاوید نے اس کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر رکھا ۔۱۸۹ اردو ادب کے ساتھ ساتھ علاقائی خصوصاً پنجابی وسندھی ادب و ثقافت کو متعارف کروانا اور ساتھ لے کر چلنا "تخلیق" کا ہی خاصہ رہا ہے، جس کے لیے یہ رسالہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اظہر جاوید

اردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر، ادیب، صحافی اور تنقید نگار، اظہر جاوید ۴ جنوری ۱۹۳۸ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کے صحافتی کیریئر کا آغاز روزنامہ "امروز" سے ہوا، جہاں وہ ادبی ایڈیشن مرتب کیا کرتے تھے۔ اظہر جاوید کا سب سے بڑا کارنامہ علمی وادبی جریدہ ماہنامہ "تخلیق" کا اجراء ہے، جو ۱۹۶۹ء میں جاری کیا گیا اور اس نے تینتالیس سال اردو و ادب کی خدمت کی۔ ان کی تصانیف میں پھر غم جاناں، غم عشق گر نہ ہوتا، بڑی دیر ہوگئی، ساحر لدھیانوی، شہر غم، خزاں کے پتے اور بلغاری افسانوں کے اردو ترجمے شامل ہیں۔

اردو ادب کا یہ مخلص خدمت گذار ۱۴ فروری ۲۰۱۲ء کو لاہور میں دل کے دورے کے سبب جانبر نہ ہو سکا اور ملک عدم کا مسافر ہوا۔ ۱۹۰

پاکستانی ادب

نومبر ۱۹۴۷ء میں کراچی سے ماہنامہ "پاکستانی ادب" کا اجراء ہوا۔ ترقی پسند نظریات کا حامی یہ رسالہ کلی طور پر اپنے مدیر سبط حسن کی نظریاتی فکر کا آئینہ دار تھا۔ سعیدہ گزدر، فہمیدہ ریاض اور مجاہد علی بھی مجلس ادارت میں سبط حسن کے ساتھ پیش پیش تھے۔

سبط حسن ایک اداریے میں تحریر کرتے ہیں:

"ہم نے یہ رسالہ بہت ڈرتے ڈرتے نکالا تھا کیونکہ ہر طرف سے یہی سننے میں آتا تھا کہ یہ ڈائجسٹوں کا زمانہ ہے اور لوگ لذت کام و دہن کے بہت خوگر ہو گئے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ ملک میں نہ ترقی پسند ادب کے پڑھنے والوں کی کمی ہے اور نہ ترقی پسند ادب تخلیق کرنے والوں کی" ۱۹۱

مزید لکھتے ہیں:

"بعض احباب نے ہم سے پوچھا ہے کہ پاکستانی ادب کن لوگوں کے لیے شائع ہوتا ہے اور اس کو کن لوگوں کا مفاد عزیز ہے جواباً عرض ہے کہ پاکستانی ادب، پاکستان کے تمام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے شائع ہوتا ہے ان میں اکثریت ظاہر ہے کہ درمیانہ طبقے یا نچلے درمیانہ طبقے کی ہے" ۱۹۲

اس رسالے کے ایک ایک مضمون اور شعر سے اس کے نظریات کی عکاسی ہوتی تھی۔ رسالے میں مضامین، غزلیں، افسانے، نظمیں، ڈرامہ، گفتگو، کتابیات، تبصرے، ادبی معلومات، اور جائزوں کے جائزے کے عنوان سے مواد شامل اشاعت ہوتا تھا۔ مندرجات و مواد کے انتخاب کے حوالے سے مدیر "پاکستانی ادب" رقم طراز ہیں:

"چند کہانیاں، کچھ نظمیں، غزلیں، ادبی مضامین اور تبصرے ملا کر چھاپ دینا اب بہت ادھورا سا معلوم ہونے لگا ہے۔ آج جب کہ حالات اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں ایک ایسے پرچے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے جو ایمانداری سے اپنے پڑھنے والوں کو سوچنے سمجھنے کی ڈگر پر لگا سکے۔ جس میں تیز، تیکھی اور سچی باتیں دیکھنے اور لکھنے والے جمع ہو سکیں۔ ایسی باتیں جن کا تعلق روزمرہ کی سماجی، سیاسی اور فکری زندگی سے ہے، جو ایک ترقی پسند ذہنی رویہ بنا سکے۔ جس کی مدد سے اس کے قاری سیاسی تحریکوں کے رخ کو پہچان سکیں" ۱۹۳

اس رسالے کے لکھنے والے بھی ترقی پسند تحریک کے حامی تھے۔ ان میں فیض احمد فیض، نجم حسین سید، فارغ بخاری، علی سردار جعفری، حزیں لدھیانوی، حسن اعرافی، سعیدہ گزدر، محمد علی صدیقی، الطاف احمد قریشی، امر جلیل اور حسن عابدی کے نام اہم ہیں، اور یوں لکھنے والوں کا ایک ایسا اجتماع "پاکستانی ادب" میں جمع ہو گیا جو صرف اور صرف قارئین کو ترقی پسند تحریک سے روشناس کروانا چاہتا تھا۔ رسالے میں ایک جگہ درج ہے:

"پاکستانی ادب" نے حقیقتوں کو ترقی پسند زاویئے سے دیکھنے میں مدد دی۔ قلمی معاونین اور قارئین کا ایک علمی و ادبی حلقہ بنادیا جو ادب اور ان کی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے" ۱۹۴

"پاکستانی ادب" "ادب برائے زندگی کے اصول پر کاربند تھا اور اس کا اظہار رسالے کی ایک ایک سطر سے ہوتا تھا۔ اس رسالے میں ایک نظریاتی فکر، معاشرے کے کچلے ہوئے طبقے کے لیے خصوصی جذبات جابجا نظر آتے تھے۔ یہ پورے پاکستان کا رسالہ تھا" پاکستانی ادب" کے ابتدائی شمارے ہی میں اس کا تذکرہ اداریئے میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"پاکستانی ادب کی زبان ہر چند کہ اردو ہے لیکن اس کاغذی پیرہن پر اردو کے علاوہ سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو اور دوسری زبانوں کی تخلیقات کے نقوش بھی جگمگائیں گے کیونکہ زبانیں خواہ پاکستانی ہوں یا بدیسی، عام انسانوں ہی کے وجود کا اقرار اور ان کی شعوری زیست کا آئینہ ہوتی ہیں" ۱۹۵

"پاکستانی ادب" ایک اچھا اور نظریاتی رسالہ تھا جس نے سماجی رویوں اور چیلنجوں کو ادب کے قالب میں ڈھال کر قاری کے سامنے پیش کیا۔ اور اس سلسلے میں ترقی پسند نظریات کو ہمیشہ اولین ترجیح دی لیکن گردش حالات کی لپیٹ میں آ کر یہ رسالہ اپنی بقاء کی جنگ زیادہ عرصے تک نہ لڑ سکا اور بالآخر زوال پذیر ہو گیا۔

سید سبط حسن

سید سبط حسن ۱۹۱۶ء میں بھارت کے گاؤں اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے گریجویشن کیا۔ سید سبط حسن ایک مایہ ناز صحافی تھے، جو اپنے صحافتی کیریئر کے دوران مختلف اردو و انگریزی اخبارات و رسائل سے منسلک رہے۔ ان میں انگریزی اخبارات پائینیر (لکھنؤ) نیشنل ہیرالڈ (الہ آباد) اور بمبئی کرانیکل (حیدر آباد دکن) جبکہ اردو روزنامہ پیام (حیدر آباد) شامل ہیں۔ سبط حسن نے ہفت روزہ "لیل و نہار"، لاہور اور علمی و ادبی جریدہ "نیا ادب" کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

سید سبط حسن نظریاتی اعتبار سے بائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۴۶ء میں وہ نیو ایج ویکلی کے نمائندے کی حیثیت سے امریکا گئے تو امریکی حکومت نے انہیں گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا۔ ۱۹۴۸ء میں وہ پاکستان آ گئے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک اور جنرل ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران وہ ایک سیاسی قیدی رہے۔ رہا ہونے کے بعد سبط حسن نے فیروز سنز (پبلشرز) کے ساتھ کام کیا۔ بعد میں ایسٹرن فیڈرل انشورنس کمپنی لمیٹڈ کے ڈائریکٹر انچارج برائے پبلسٹی اور پبلی کیشنز بنا دیئے گئے۔ اس کے بعد انھیں اپنے قلم کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور ان کی بے شمار اردو اور انگریزی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ جن میں اہم شہر نگاراں (حیدر آباد دکن کی یادداشتیں)، ماضی کے مزار (وادی دجلہ و فرات کی تہذیبوں کی تاریخ)، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، موسیٰ سے مارکس تک، انقلاب ایران اور نوید فکر شامل ہیں۔ درج ذیل تصانیف ان کے انتقال کے بعد منظر عام پر آئیں۔

سخن در سخن، افکار تازہ، ادب اور روشن خیالی، مارکس اور مشرق اور ایک انگریزی کتاب "The Battle of Ideas in Pakistan"۔ اس کے علاوہ سبط حسن کے قلم سے لکھے گئے "لیل و نہار" کے اداریوں پر مشتمل احمد سلیم صاحب کی مرتب کردہ کتاب "پاکستان کے تہذیبی و سیاسی مسائل" بھی ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی۔

سبط حسن کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے سرگرم رکن تھے وہ بعد میں پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے امریکا، پاکستان اور بھارت میں ہونے والی مصنفین کی تحریک کی گولڈن جوبلی کانفرنس میں نہایت پر جوش حصہ لیا۔ کانفرنس سے واپسی پر اپریل ۱۹۸۶ء میں دہلی میں انہیں دل کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کے جسد خاکی کو کراچی میں دفن کیا گیا۔

سید سبط حسین مخصوص ترقی پسند نظریات اور بائیں بازو کے حامی ہونے کے باوجود تمام طبقہ فکر اور حلقوں میں پسند کئے جاتے تھے۔ ان کا نام اور کام اردو زبان و ادب کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔ ۱۹۶

اردو ادب

اپریل ۱۹۸۲ء میں راولپنڈی سے ادبی رسالے "اردو ادب" کا اجراء ہوا جس کی ادارت اقبال حسین کے سپرد تھی۔ جبکہ مدیر اعزازی بشیر سیفی تھے، جو اس رسالے کے اصل روح رواں بھی کہلائے جاتے تھے۔

"اردو ادب" کے اجراء کے حوالے سے جناب بشیر سیفی ایک اداریے میں رقمطراز ہیں:

"جب "اردو ادب" کا اجراء عمل میں آیا تو کسی کو بھی امید نہ تھی کہ یہ پرچہ اپنی اشاعت برقرار رکھ سکے گا۔ دو سال قبل جب میں نے "اردو ادب" کی ادارت سنبھالی تو بیشتر احباب نے مجھے اس راہ کی دشواریوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کروں کیونکہ راولپنڈی کی سنگلاخ زمین سے کسی ادبی جریدے کا باقاعدگی سے شایع ہونا محال ہے۔ ان احباب نے غلط نہیں کہا تھا۔ راولپنڈی کی ادبی تاریخ شاہد ہے کہ یہاں سے جتنے بھی ادبی جرائد کا آغاز ہوا تین چار شماروں تک ہی زندہ رہ سکے۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ راولپنڈی کبھی بھی کاروباری مرکز نہیں رہا کہ ادبی جرائد کو اشتہارات مل سکیں اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ اخبارات و رسائل بالخصوص ادبی رسائل کا انحصار اشتہارات کی آمدنی پر ہوتا ہے کیونکہ عام قارئین ان جرائد کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے اور اہل قلم حضرات کو پرچہ اعزازی ارسال کیا جاتا ہے لیکن تابہ کے آخر لوگوں کی ہمتیں جواب دے جاتی ہیں اور اشاعت کا سلسلہ رک جاتا ہے الحمدللہ کہ ابھی ہماری ہمتیں جوان ہیں اور ہم "اردو ادب" کی اشاعت برقرار رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں"۔ ۱۹۷

یہ ایک بہترین ادبی رسالہ تھا، جس کی نمود ایک معمول کے رسالے کے طور پر ہوئی تھی، لیکن ہر دو ماہ کے بعد جب اس کی باقاعدہ اشاعت ہونے لگی تو اس پرچے نے اہل ادب کو متوجہ کر لیا ۱۹۸ اس رسالے میں بلند پایہ مضامین، نظمیں، غزلیں اور انشائیے شامل اشاعت ہوتے تھے۔ اس حوالے سے اردو ادب کے مدیر لکھتے ہیں:

"اردو ادب" میں ایسی تحریروں کی اشاعت کی گنجائش ہمیشہ موجود رہی ہے جن میں دشنام طرازی اور غیر ضروری فقرہ بازی سے بالاتر ہو کر مسائل کا مدلل، تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہو کہ فقرہ بازی اور جذباتی انداز بیاں سنجیدہ ادباء کی شان کے منافی ہے ہم ان تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جن میں مثبت تنقیدی رویے کے ساتھ ساتھ بات دائرہ ادب سے باہر نہ گئی ہو"١٩٩

اس رسالے کے لکھنے والوں میں ڈاکٹر وزیر آغا، جمیل ملک، ضمیر جعفری، رشید امجد، احسن علی خان، اکبر حمیدی، محمد فیروز شاہ، آصف فرخی، نسیم سحر، انوار فیروز، خاور اعجاز، اختر ہوشیار پوری، صبا اکرام، جعفر شیرازی، ممتاز احمد خان، محمد منشا یاد، احمد ظفر اور توصیف تبسم کے نام شامل ہیں۔٢٠٠

اردو ادب میں خاص نمبروں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے "اردو ادب" کا منفرد "ہائیکو نمبر" پیش کیا گیا، اس حوالے سے بشیر سیفی کچھ ان الفاظ میں شکوہ کناں ہیں:

"اردو ادب "ماہناموں کی کمی پوری کرنے کی طرف ایک قدم کے طور پر جاری کیا گیا تھا مگر ٣ سال کی جدو جہد کے بعد ہمیں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ادبی پرچوں کے ضخیم خاص نمبروں کی روایت اب اس قدر مستحکم ہو چکی ہے کہ مختصر ماہانہ پرچے لکھنے والوں کی نظر میں جچتے ہی نہیں اور وہ اپنی تخلیقات عموماً ایسے ہی پرچوں کو بھیجنا پسند کرتے ہیں جو سال میں ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دو بار شائع ہوتے ہیں"٢٠١

اس رسالے میں شائع ہونے والے خطوط بھی منفرد ہوا کرتے تھے۔ جنہیں حقیقتاً اس رسالے کی جان کہا جا سکتا ہے۔ ان خطوط میں ہر طرح کی تعریف وتنقید کا برملا اظہار کیا جاتا تھا۔ ایک اداریے میں درج ہے:

"ادبی جرائد میں خطوط کے کالم کا مقصد لکھنے والوں کو ان کی تخلیقات کے بارے میں قارئین کے تاثرات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے، مگر بعض اوقات ہمیں ایسے خطوط بھی موصول ہوتے ہیں جنہیں پڑھتے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ خطوط نگاروں نے ذاتی عناد کی بناء پر دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی ہے"٢٠٢

"اردو ادب" ایک بہترین ادبی رسالہ تھا لیکن گردش دوراں کی لپیٹ میں آ کر زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔ ١٩٨٦ء کے لگ بھگ یہ پہلے بے قاعدگی اشاعت کا شکار ہوا اور پھر بند ہو گیا۔٢٠٣

قلم قبیلہ۔ کوئٹہ

١٩٩٠ء میں کوئٹہ سے سہ ماہی رسالے "قلم قبیلہ" کا اجراء ہوا۔ یہ رسالہ قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ کے تحت شائع ہوتا ہے، جس کی روح رواں بیگم ثاقبہ رحیم الدین خان ہیں۔

قلم قبیلہ بورڈ کے قیام کے حوالے سے ڈاکٹر سلطان الطاف علی لکھتے ہیں:

"بیگم ثاقبہ رحیم الدین خان کی پر استقامت اور پر عزم شخصیت نے محسوس کیا کہ یہاں کے تمام ادب کو اور پاکستان کے تمام علاقائی ادیبوں کے افکار کو قومی زبان اردو میں پیش کرنے کے لیے ایک ادبی ادارہ تشکیل دیا جائے۔ چنانچہ ان کی خواہش پر مقامی اہل قلم حضرات نے لبیک کہا اور ۱۹۷۹ء میں قلم قبیلہ کا قیام عمل میں آیا۔"۔۲۰۴

مزید لکھتے ہیں:

"بیگم صاحبہ کے ساتھ قلم قبیلہ کے بانی اراکین زمرد حسین (مرحوم)، پروفیسر سید سعید احمد رفیق، مسز شاہین روحی بخاری، مسز ثریا اللہ دین، مسز سفینہ لودھی، اور ریاض قمر (مرحوم) تھے۔ پھر آگے چل کر قلم قبیلہ کے امور کو فروغ دینے میں اثیر عبدالقادر شاہوانی، نادر قمبرانی اور سید عابد رضوی نے بھرپور حصہ لیا، جن دنوں راقم الحرف جنرل سیکریٹری تھا۔ تو قلم قبیلہ کو ادبی ٹرسٹ کے طور پر ڈھال دیا گیا۔ امداد نظامی مقبول رانا اور فضل احمد غازی بھی بڑے سرگرم رکن رہے۔ اب تو قلم قبیلہ کی لپیٹ میں کئی فاضل نوجوان پروفیسر بیرم غوری، افضل مراد، محسن شکیل، مسرور جاوید، وحید زبیر، عمران ہاشمی، ضیاء الدین بھی خوب فعال ہیں۔ خواتین ارکان پروفیسر ڈاکٹر فردوس انور قاضی، سیدہ نجمہ واحد، سیدہ رضوی، پروفیسر آفتاب مسرور، اور پروفیسر فیروزہ زیدی اپنی بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ موجود ہیں"۲۰۵

قلم قبیلہ ٹرسٹ کی ادبی سرگرمیوں کو شائقین ادب تک پہنچانے کے لیے ہی ایک باقاعدہ سہ ماہی مجلّہ " قلم قبیلہ " شائع کیا گیا۔ جس میں ملک بھر کے ممتاز ادیبوں کے مقالات اور شاعروں کا عمدہ کلام بھی شامل ہوتا ہے۔ اس رسالے کے مندرجات میں حمد و نعت، مضامین، سیمیناروں کا احوال، روداد، نظمیں، غزلیں، بیاد رفتگاں، افسانے اور کتابوں پر تبصرے وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

قلم قبیلہ ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ ہے۔ جس نے بلوچستان جیسے پسماندہ علاقے میں بہترین ادب تخلیق کرنے والوں کو اظہار کا موثر پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔ اس کے لکھے ہوئے لفظ و قلم کے محافظ اور بلندیٔ فکر رکھتے ہیں۔ بقول بیگم ثاقبہ رحیم الدین:

"قبیلہ زمین پر ہوتا ہے اور قلم جس کے ہاتھ میں ہو، اس کی جولان گاہ فکر آسمانوں کو عبور کرتی ہے "۲۰۶

ملک میں قلم کلچر کے فروغ میں اس رسالے کا اہم کردار ہے، خصوصاً ایسے ادب کی ترویج، جو نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ ہو، بلاشبہ اس رسالے کی اہم خصوصیت ہے۔ قلم قبیلہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان ادبی سرگرمیوں کی روداد کو مجلّہ " قلم قبیلہ " میں کتابی صورت میں محفوظ کیا جاتا ہے اور ملک کا شاید ہی کوئی نام ور ادیب یا شاعر ایسا ہوگا، جس نے ان ادبی سیمیناروں میں شرکت نہ کی ہو۔ ان سیمیناروں کے موضوعات ہمارے دور کے عکاس ہوتے ہیں، جن میں ادب کو درپیش مسائل کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

" قلم قبیلہ " کی ایک اہم خوبی بلوچستان کے مقامی ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہے۔ اس رسالے میں ان ادیبوں کی تخلیقات کے اردو تراجم کو چاہے وہ نثر میں ہوں یا نظم میں، شامل کیا جاتا ہے تاکہ ان ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔

جریدہ" قلم قبیلہ " کا انٹرنیٹ ایڈیشن بھی اہمیت کا حامل ہے۔اس حوالے سے فاروق سرور لکھتے ہیں۔

"اپنے دور کے ایشوز کا اظہار اور مقصدیت ہی قلم قبیلہ کے جریدے کی سب سے بڑی خوبی ہے جو ہمیں انٹرنیٹ کے ادبی رسائل میں بہت کم نظر آئے گی اور یہی اس جریدے کا کریڈٹ ہے اور ان میں سے بہت سے رسائل و جرائد پر اس کی برتری بھی یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم قبیلہ کا جریدہ سادہ سہی لیکن یہ اپنے مواد کے حوالے سے انتہائی اہم، قیمتی اور اعلیٰ ہے"۲۰۷

" قلم قبیلہ " آج کے ادب کا عکاس ہے یہ وہ سب پیش کرتا ہے جو ادب کا قاری پڑھنا چاہتا ہے۔ یہ جریدہ معاشرے میں تبدیلی کا خواہاں ہے۔ بہ قول ثاقبہ رحیم الدین:

"اس بات میں صداقت ہے کہ ادب Change کے لیے بہت اہم اور بہت موثر Tool ہے۔اس کے دوررس اثرات انسانی زندگی کی صدیوں پر محیط اور قوموں اور ملکوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔آیئے ہم ادب کے اس Tool کو اس ذریعے کو مضبوط اور مقبول بنائیں اور سماجی سرمائے میں بدل دیں۔ایسا Social Capital بنا دیں جو انسانی رشتوں اور باہمی رابطوں کی زنجیر کو مضبوط بنائے۔محبتیں بانٹے، نفرتیں مٹائے، رواداری اور صبر کا مادہ پیدا کرے، جنگ و جدل کو مٹائے اور امن کی فاختہ کو چہکنے کا موقع عطا کرے، تاکہ مستقبل کا انسان اپنا بھولا ہوا یہ سبق پھر دہرانے لگے"۲۰۸

یہی اس رسالے کا پیغام اور مقصد ہے یعنی ایک بامقصد اور باشعور ادب تخلیق کر کے حلقۂ قارئین کو مختلف مسائل و موضوعات پر دعوت فکر دینا اور انہیں آج کے دور کی تبدیلیوں سے آگاہ کرنا۔" قلم قبیلہ "اردو کے ادبی رسائل میں ایک اہم اضافہ ہے۔

اقدار۔کراچی

۱۹۹۴ء میں کراچی سے ایک دیدہ زیب اور بلند پایہ مضامین و مواد پر مشتمل ادبی جریدہ "اقدار' منظر عام پر آیا اور جلد ہی اس نے اپنی ایک الگ شناخت بنالی۔ اس رسالے کی ادارت کے فرائض شبنم رومانی انجام دیتے تھے۔ "اقدار' ایک دیدہ زیب اور منفرد رسالہ تھا۔ جو نہ صرف اپنی کتابت وطباعت اور آؤٹ لک کے حساب سے بہترین تھا بلکہ اس میں شامل مواد بھی ہر لحاظ سے بہترین ادب کے معیار پر پورا اترتا تھا یہ رسالہ ظاہری و باطنی حسن کا ایک شاندار امتزاج تھا"

شبنم رومانی کہتے ہیں:

"ویسے تو ادبی پرچے بہت نکل رہے تھے اور بہت اچھے نکل رہے تھے، لیکن میرے پیش نظر دو باتیں تھیں ایک تو عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ادبی رسالے کا خوبصورت چھپنا ضروری ہے چنانچہ جو بڑے بڑے پرچے ہمارے عہد میں نکلتے رہے ہیں۔مثلاً "نگار "اور "افکار" وغیرہ وہ نیوز پرنٹ پر چھپتے ہیں اور بہت بے توجہی سے چھپتے ہیں، جس کی وجہ

سے لوگ پڑھتے نہیں ہیں۔ اب زمانہ پیکنگ کا ہے۔ گلیمر کا ہے تو تھوڑی سی اس میں کشش پیدا کرنے کے لیے، لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے ادب کا خوبصورت پیرائے میں پیش کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ پہلی بات تو میں نے یہ سوچی کہ اس کو گلیمرس پرچہ کیوں نہ بنایا جائے؟ گلیمر فلمی نہیں بلکہ ادبی گلیمر اور اس کو خوبصورت کیوں نہ چھاپا جائے"۲۰۹

یہ درست ہے کہ "اقدار" علمی و ادبی حلقوں میں اپنے ظاہری حسن اور دیدہ زیب شناخت کے باعث مقبول تھا، لیکن اس مقبولیت میں اس رسالے میں چھپنے والے مضامین، مواد اور شاعری کا بھی عمل دخل تھا۔ اس رسالے میں معیار کو خاص طور سے اہمیت دی جاتی تھی۔ اور اس سلسلے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ اقدار کے اجراء کے حوالے سے مدیر نے لکھا:

"اقدار کے اجراء کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرے کو بار بار اس کی بنیادی اقدار یاد دلائی جائیں اور انسان اور حیوان، انسانیت اور حیوانیت کے فرق کو ہر پیرائے میں اور ہر اسلوب میں واضح کیا جائے"۲۱۰

اس رسالے کے مندرجات میں اداریہ، حمد و نعت، افسانے، نظمیں، تنقید، غزلیں، لسانیات، گیت، رباعی، قطعہ، ہائیکو، مکالمے، طنز و مزاح، مطالعہ، ہمارے بک شیلف (کتابوں پر تبصرہ)، ہمارے نام (خطوط) اور دیگر ادبی و تحقیقی مضامین شامل ہوتے تھے۔ اور یہ تمام مواد نہایت خوبصورتی سے رسالے میں یکجا کیا جاتا تھا۔ اس حوالے سے رسالے کے مدیر شبنم رومانی کہتے ہیں:

"میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اس میں مختلف اصناف ادب کی نمائندگی الگ الگ کی جائے اور ملا جلا کے ایک حلیم سی نہ پکادی جائے بلکہ ہر چیز کو الگ الگ رکھا جائے اس لیے ہم نے ہر چیز کو Classify کیا ہے۔ مثلاً نظموں میں آزاد نظم، نثری نظم، ہائیکو، ماہیا، ثلاثی، قطعہ، اور رباعی وغیرہ سب الگ الگ عنوانات کے تحت دی جاتی ہیں۔ اس طرح سے ہم نے بہت آسان کر دیا پڑھنے والوں کے لیے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں"۲۱۱

اقدار کی تزئین و آرائش قابل دید تھی۔ اس کا سرورق عموماً سیاہ رنگ پر مشتمل ہوتا تھا جسے اس کے مدیر نے پاکیزگی اور تقدس کی علامت قرار دے کر سیاہ رنگ کو سوگ کی علامت قرار دیئے جانے کے تاثر کی نفی کی۔ اس رسالے کا کاغذ اور طباعت کا معیار بھی جداگانہ تھا۔ آفسٹ پیپر پر اس کا سائز بھی دیگر ادبی رسائل سے مختلف تھا۔ یہ بین الاقوامی سائز کا حامل تھا۔ اس کے مدیر نے اس بارے میں یہ کہا کہ اس سائز کا کاغذ یہاں ملتا بھی نہیں ہے اور باہر سے آتا بھی نہیں ہے۔ چنانچہ انہیں دوسرا سائز لے کر اس میں سے چار انچ کی پٹی کٹوا کر مطلوبہ سائز حاصل کرنا پڑتا ہے وہ اس کی افادیت کے بارے میں کہتے ہیں:

"یہ سب ہم نے اس لیے گوارا کیا کہ اس کی انفرادیت قائم رہے اور بین الاقوامی مارکیٹ میں یہ اجنبی پرچہ نظر نہ آئے پھر یہ کہ آپ بک شیلف میں اس کو دیگر کتابوں کے ساتھ رکھ سکیں"۲۱۲

"اقدار" کے اداریے اس کے مدیر کے دل کی آواز تھے۔ ایک طرف تو اس میں نظریاتی رنگ ہوتا تھا۔ دوسرا مختلف موضوعات کا تجزیہ کر کے ان کے ادبی پہلوؤں پر بھی بحث کی جاتی تھی۔ ادب اور ادیب کی خدمت اور ان کو معاشرے میں ان کا جائز مقام دلانے میں "اقدار" کے اداریوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اپنے ایک اداریئے بعنوان "Order of Precedence" میں شبنم رومانی رقم طراز ہیں:

"قیام پاکستان سے اب تک صورت حال یہ رہی ہے کہ قومی، سرکاری، اور نیم سرکاری اداروں کی تقریبات میں ہر شعبۂ حیات کے نمایاں لوگ مدعو کیے جاتے ہیں۔ سوائے ادیبوں اور شاعروں کے۔ قومی، سرکاری اور نیم سرکاری تقریبات میں یا تو ادیبوں کو سرے سے مدعو ہی نہیں کیا جاتا یا کبھی کبھی نمونے کے طور پر چند سرکاری ادیبوں کو لاکر بٹھا دیا جاتا ہے" ۲۱۳

مزید لکھتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ ان اجتماعات میں اداکاروں، صداکاروں، گلوکاروں اور طرح طرح کے "کاروں" کو تو ٹھیک ٹھاک جگہ دی جاتی ہے، مگر علمی اور تخلیقی شخصیتوں کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ایک چیز Order of Precedence بھی ہوتی ہے مگر وہ کون لوگ ہیں جو ہماری حیثیتوں کا تعین کرتے ہیں اور خود اپنی حیثیت سے عرفی کا ازالہ نہیں کر پاتے" ۲۱۴

"اقدار" اپنے قارئین میں کس قدر مقبول تھا اور وہ اس کوشش اور محنت کو کتنا سراہتے تھے اس کا اندازہ رسالے میں چھپنے والے ایک خط سے کیا جا سکتا ہے:

"اقدار کا تازہ شمارہ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اور دل ونظر کو تروتازگی میسر آئی۔ دکھ اداریہ "داستان غریب حمزہ" پڑھ کر ہوا کسی سرمائے، کسی وظیفے، کسی عطیے اور کسی سرپرستی کے بغیر 'اقدار' جیسے موقر جریدے کے ۲۳ شمارے نکالنا واقعی جان جوکھوں کا کام ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آپ نے بیل کی طرح درخت کا سہارا ڈھونڈنے کے بجائے درخت بن کر اردو ادب کو سہارا دیا ہے یہ بھی درست ہے کہ آپ نے جگر سوزی اور عرق ریزی کر کے اقدار کے توسط سے اردو زبان کی آبیاری کی ہے"۔ ۲۱۵

"اقدار" میں ادیبوں اور شعراء کی نگارشات کے ساتھ ان کی تصاویر کی اشاعت ایک نیا تجربہ تھی۔ اس رسالے کے لکھنے والوں میں پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر مجتبی حسین، اقبال عظیم، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، حسن بھوپال اور امراؤ طارق کے نام قابل ذکر ہیں۔ تاہم اس رسالے میں ادب کے نئے لکھاریوں اور شعراء کو بھی اپنے قلم کے جوہر دکھانے کا موقع دیا گیا۔

تجزیہ

اردو کے پہلے رسالے "خیر خواہ ہند" (۱۸۳۶ء) کے اجراء سے آج تک اردو کی مجلاتی صحافت کی عمر پونے دو سو سال سے زائد ہو چکی ہے۔ اس عرصے میں جن رسائل نے قارئین میں سب سے پہلے مقبولیت حاصل کی وہ ادبی رسائل

ہیں۔ان ادبی رسائل کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔انہوں نے نہ صرف یہ کہ اردو ادب کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کیا بلکہ نئے ادیبوں کی تخلیقات کو شائع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں پختہ کار ادیب بنانے میں اپنا حصہ بٹایا۔ان ادبی رسائل کے ادب میں نئے رجحانات اور نئی تحریکات کو فروغ دیا۔اور ایسا زندہ اور توانا ادب پیش کیا جو عصری مسائل اور عصری آگہی سے عبارت تھے۔ان ادبی رسالوں نے عالمی ادب کے تراجم کی پیش کش کے ذریعے اردو ادب کے دامن کو کشادہ کیا اور قارئین کو بدیسی ادب سے روشناس کرایا۔ترقی پسند تحریک جو اردو ادب کی سب سے موثر تحریک سمجھی جاتی ہے اور جس کا نعرہ ادب برائے زندگی تھا، ان ہی ادبی رسائل کے ذریعے پھلی پھولی اور اس نے معاشرے میں جہالت، تنگ نظری، عدم مساوات، طبقاتی اونچ نیچ اور دیگر سماجی برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ادب کے ذریعے سماجی خدمت کا یہ فریضہ ادبی رسائل ہی نے انجام دیا۔پھر ترقی پسند تحریک جب کمیونسٹ نظریات کے زیر اثر آ گئی اور ادیبوں کے ایک حلقے میں اس کا ردعمل پیدا ہوا تو اس ردعمل کے اظہار کا ذریعہ بھی ادبی رسائل ہی بنے۔قیام پاکستان کے بعد اسلامی ادب کا تصور پیش کیا گیا تو اس حوالے سے جو نئے مباحث چھڑے تو بحث و مباحث کا یہ معرکہ بھی ادبی رسالوں کے صفحات ہی پہ گرم ہوا۔ادب برائے ادب کا نعرہ ہو یا علامتی ادب کی پیش کش کا معاملہ، ادیبوں کی سماجی اور قومی ذمہ داریوں کی بحث ہو یا نثری نظم اور انشائیے کی تحریک، ادبی رسالوں نے ان مباحث اور نئی اصناف ادب کو متعارف کرانے میں بڑھ چڑھ کر کردار ادا کیا۔بلاشبہ ادبی رسائل نے اوائل بیسویں صدی سے وسط صدی تک ادب کے قارئین کا ایک وسیع حلقہ پیدا کیا جس کے نزدیک تفریح طبع اور وقت گذاری کا بہترین ذریعہ ادب کا مطالعہ تھا۔ادبی رسائل کی مقبولیت اور پذیرائی کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ کوئی ادبی رسالہ ادارے کا روپ نہ دھار سکا۔نقوش کے مدیر و مالک محمد طفیل نے اپنا پریس قائم کر کے نقوش کو مالی اعتبار سے مستحکم کر دیا لیکن ادارہ وہ بھی نہ بن سکا چناں چہ محمد طفیل کی وفات کے بعد اس کی اشاعت بے قاعدہ ہوئی اور یہ بلند پایہ ادبی رسالہ بھی فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ادبی رسائل کا المیہ یہ رہا کہ اسے نکالنے والے بیشتر ادیب و شاعر ہوا کرتے تھے۔ان کے نزدیک رسالے کا اجراء ان کے ادبی ذوق کی تسکین اور ادب کی خدمت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔وہ مارکیٹنگ کے اسرار و رموز اور اشتہارات کے حصول کے طریقوں سے بالعموم ناواقف رہے۔وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایک رسالہ کن خوبیوں کی بناء پر تعلیم یافتہ طبقے کی ضرورت بن جاتا ہے۔چناں چہ ادبی رسائل اپنی محدود اشاعت اور اشتہارات کی کمیابی کی بناء پر معاشی بدحالی کا شکار رہے۔آنے والی حکومتوں اور نجی و سرکاری اداروں کی سرپرستی بھی ان رسائل کو حاصل نہ ہو سکی۔پھر سیاسی و سماجی تغیرات نے اپنا منفی اثر ڈالا جس کے نتیجے میں ادب کا مطالعہ پڑھے لکھے طبقے کی ترجیحات میں بہت پیچھے رہ گیا۔ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کی آمد اور مطبوعہ صحافت میں در آنے والے نئے رجحانات نے ادبی رسائل کی مقبولیت کو متاثر کیا۔خاص طور پر ڈائجسٹ صحافت نے ادبی رسائل کی جگہ لے لی۔کیوں کہ ڈائجسٹوں کا مواد بھی کم و بیش ادبی رسائل کے مماثل تھا۔ان میں بھی افسانے اور ناول جگہ پاتے تھے۔لہذا رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ بک اسٹالوں اور کتب فروشوں کی دکانوں سے ادبی رسائل غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ڈائجسٹ بکنے لگے۔ہر چند کہ آج بھی ملک کے چھوٹے بڑے شہروں سے خاصی بڑی تعداد میں

ادبی رسائل نکل رہے ہیں۔ ادب کے ہر مکتبہ فکر کا اپنا ایک الگ ادبی رسالہ ہے لیکن ان رسالوں کی کوئی معاشیات نہیں ہے یہ کوئی منافع کا سودا بھی نہیں ہے۔ یہ رسائل بک اسٹالوں پر بھی مشکل ہی سے دستیاب ہوتے ہیں ان کے اجراء کے عقب میں بالعموم مدیر رسالہ کی ادبی دنیا میں ایک شناخت اور مقام بنانے کی خواہش چھپی ہوتی ہے چنانچہ یہ ادبی رسالے چھپتے ہیں اور یہ زیادہ تر اعزازی طور پر پڑھنے والوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ رہی بات ان رسائل کی جو سرکاری اداروں یا انجمنوں کے تحت نکلتے ہیں۔ مثلاً اکادمی ادبیات کا رسالہ "ادبیات" محکمہ اطلاعات حکومت سندھ کا رسالہ "اظہار"، انجمن ترقی اردو کا رسالہ "قومی زبان" یا اسی طرح کے دیگر رسائل اداروں کی سرپرستی کی وجہ سے پابندی سے نکلتے ضرور ہیں لیکن ان کی اشاعتیں بھی محدود ہیں، عام قاری کی دسترس سے یہ بھی دور ہیں کیوں کہ یہ رسائل بھی بک اسٹالوں پہ نہیں ملتے۔ ان رسائل کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہے کہ جب اسے کسی اعلیٰ تربیت ذوق کا حامل مدیر میسر آتا ہے تو رسالے کا معیار بہتر ہو جاتا ہے، ورنہ ان میں بھی زیادہ تر بھرتی کی نگارشات چھپتی ہیں۔

چناں چہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک میں اردو کا غالباً کوئی ایسا جریدہ نہیں جسے مالی طور پر خود کفیل قرار دیا جا سکے یعنی ایسا رسالہ جو خریداروں کے زرسالانہ، ایجنسیوں کے ذریعے فروخت ہونے والے رسالوں سے حاصل ہونے والی رقوم اور اشتہارات سے اپنے سارے اخراجات پورے کرے۔ کچھ افراد کی ذاتی طور پر کی گئی مالی اعانت اور ادبی خدمت کے نام پر ملنے والے اشتہارات سے رسالے اپنے وجود کا بھرم قائم کئے ہوتے ہیں۔

تعداد اشاعت بڑھانے کے حوالے سے ادبی رسائل کے مدیران کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر نظر رکھیں کہ دور حاضر کے قارئین کے ادبی ذوق میں کیا کیا تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اس حوالے سے ادبی رسائل کے موضوعات کا دائرہ وسیع کیا جائے۔ ان رسائل کی بنیادی خصوصیات برقرار رکھتے ہوئے کم سے کم ایک تہائی یا ایک چوتھائی صفحات سماجی، تہذیبی، سیر و سیاحت، معاشیات، نوجوانوں کے مسائل اور نگارشات، سوانح حیات، نظام تعلیم کے مسائل، نیز غیر ملکی اور ملکی زبانوں کے نمائندہ چیدہ چیدہ ادبی شاہکاروں کے تراجم کے لیے مخصوص کیے جائیں۔ اس سے ہر ذوق اور دلچسپی کی آسودگی ہو سکے گی۔ موضوعات میں تنوع سے رسالے کا سرکولیشن بڑھے گا مگر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس سے رسالے کی انفرادیت اور بنیادی ہیت متاثر نہ ہو۔

ادبی رسائل کے کرتا دھرتا اشتہارات دینے والوں کو ادبی رسالوں کی اہمیت نہیں سمجھا پاتے۔ اشتہاری کمپنیاں اور ادارے سمجھتے ہیں کہ اردو پڑھنے والوں میں ان کے خریدار کم ہیں۔ انہیں یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ اردو کے ادبی رسائل کو اشتہار دے کر ایسے لاکھوں لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جن تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ادبی رسالوں کی اشاعت زیادہ نہیں ہوتی اس لیے انہیں سمجھانا چاہئے کہ ان رسائل کے قارئین معاشرے کا موثر اور رائے ساز طبقہ ہے جو دیگر تمام طبقات پر علمی وفکری حوالوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہ ادبی رسائل محض کاروباری نہیں ہیں وہ علم وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ لہذا ان کی سرپرستی اداروں کا فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ ادبی رسائل کے مدیران

کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رسائل کو یکسانیت اور جمود کا شکار ہونے سے بچائیں۔ ادبی رسالے کو معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل سے آنکھیں چار کرنا چاہیے۔ اسے ادب کے علاوہ مختلف زندہ علوم اور ان کے تازہ ترین مباحث سے بھی آراستہ ہونا چاہئے تاکہ پڑھنے والوں کا دائرہ وسیع ہو۔ چند تنقیدی مضامین، دو چار افسانے اور آٹھ دس نظمیں اور غزلیں چھاپنے کے روایتی انداز کو اپنانے سے ایک ادبی رسالہ قاری کی ضرورت نہیں بن سکتا۔ اسے آج کے معاشرے اور آج کی دنیا سے جڑنا ہوگا۔ اس کے دکھ سکھ اور اس کے خواب وعذاب کی عکاسی کرنی ہوگی جبھی ایسا رسالہ قاری کو Food for Thought بھی دے سکتا ہے اور صحیح معنوں میں ادبی سرمایے میں اضافہ بھی کرسکتا ہے۔ ساتھ ہی اسے قاری تک ترسیل کے لیے نئے راستے اور نئے طریقے تلاش کرنے پڑیں گے۔ مالی اعتبار سے مستحکم ہونے کے لیے مارکیٹنگ اور حصول اشتہارات کی جدید تکنیک کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

سیاسی رسائل

صحافت اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے خصوصاً اخبارات ورسائل میں تواتر کے ساتھ سیاسی خبریں، تجزیے وغیرہ شائع ہوتے ہیں۔ زیادہ تر سیاسی رسائل ہفت روزوں کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔

مجلاتی صحافت میں سب سے زیادہ اہمیت ان ہفت روزہ اخبارات ورسائل کو حاصل ہوتی ہے جو عام طور پر ملکی اور غیر ملکی واقعات کے تجزیئے اور تشریح کا کام کرتے ہیں۔ برصغیر میں کیونکہ صحافت کی ابتداء اسی قسم کے رسالوں اور جریدوں سے ہوئی تھی، اس لیے اس قسم کی صحافت کی روایت بڑی پرانی ہے اور ایسے جریدے اور رسالوں نے بعض معروف اور جدید صحافی پیدا کیے جنھوں نے قوم میں سیاسی اور معاشرتی مسائل پر لوگوں میں شعور پیدا کیا اور ان کی آراء کو متاثر کیا۔ ۲۱۶

پاکستانی صحافت ہمیشہ سیاست کا پرتو رہی ہے اور پاکستانی تاریخ میں سیاسی ہفت روزوں کے کردار کو قطعی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ابتداء میں سیاسی جریدوں میں ادبی رنگ بھی ساتھ ہوتا تھا لیکن ابتداء سے لے کر آج تک سیاسی جریدے اپنے مخصوص دائرے اور مدار سے باہر نہیں نکل سکے۔ ۲۱۷

قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں متعدد سیاسی ہفت روزے موجود تھے یہ سیاسی رسائل اردو اور انگریزی دونوں طرح کے قارئین کی فکری وسیاسی نشوونما میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے، تاہم قیام پاکستان کے بعد انگریزی کی نسبت اردو سیاسی ہفت روزوں کو عروج حاصل ہوا اور ان کی تعداد، انگریزی رسائل کے مقابلے میں بڑھ گئی۔ تعداد اشاعت کے حوالے سے بھی اردو ہفت روزہ رسائل، انگریزی ہفت روزوں سے سبقت لے گئے۔

یہ رسائل دائیں بازو یا بائیں بازو کے حامی نظر آئے۔ قیام پاکستان کے بعد چلنے والی بیشتر تحریکوں میں بھی ان رسائل کا بڑا ہاتھ سامنے آیا اور رائے عامہ کو استوار کرنے میں ان رسالوں نے خاطر خواہ کردار ادا کیا۔

پاکستان بننے کے بعد سیاسی ونیم سیاسی رسائل میں اعلیٰ معیار کی پہلی کوشش "چٹان" تھی، جسے آغا شورش کاشمیری نے ۱۹۴۸ء میں لاہور سے جاری کیا۔ اس کے بعد لاہور سے ہفت روزہ "لاہور" کا اجراء ہوا۔ میاں محمد شفیع کا ہفت روزہ "اقدام" اور چوہدری علی محمد خادم کا ہفت روزہ "آفاق" بھی اپنے وقت کے مشہور ومقبول سیاسی رسائل تھے۔ ۲۱۸ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں "چٹان" کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

۶۰ء کے عشرے میں امریکی جریدوں "ٹائم" اور "نیوز ویک" کی تقلید میں پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کا "لیل ونہار" اور "جہاں نما" جاری ہوا۔ اسی طرز کا ایک اور رسالہ "زندگی" بھی تھا۔ ۲۱۹ اینٹی بھٹو تحریک میں قریشی برادران اور مجیب الرحمٰن شامی کے رسالے "زندگی" نے اہم کردار ادا کیا۔

۱۹۷۰ء میں ملک کے پہلے عام انتخابات کے موقع پر سیاسی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں ایسے دور میں قارئین میں خبروں اور تجزیوں کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اس اثناء میں سیاسی رسائل نے مزید ترقی کی اور "الفتح"، "نصرت"، "معیار"، "جمہور"، "اسلامی جمہوریہ"، "کاروان"، "صدائے عام"، "محنت کار"، "ابلاغ" اور "شہاب" جیسے سیاسی رسائل سامنے آئے۔ اس دور میں چونکہ حکومت نے صحافت کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی، اس لیے کئی ایک اخبارات ورسائل نے صحافتی اخلاقی ضابطے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی اشاعت بڑھانے کے لیے منفی ہتھکنڈے بھی استعمال کیے۔ ۲۲۰

سانحہ مشرقی پاکستان سے دیگر شعبۂ ہائے زندگی کی طرح مجلّاتی صحافت بھی متاثر ہوئی اور کئی قابل ذکر سیاسی رسائل بند ہو گئے اور بیش تر کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تاہم سیاسی رسائل کو عروج ۱۹۷۷ء میں اس وقت ملا، جب پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف قومی اتحاد نے تحریک چلائی۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بعد سیاسی عمل کے مفلوج ہونے سے سیاسی رسائل بھی زوال پذیر ہوئے۔ ۲۲۱

۱۹۸۰-۹۰ء کے عشرے کے اوائل میں اگرچہ ملک میں مارشل لاء کی حکومت تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی رسائل اہمیت اختیار کرتے گئے۔ اس دوران جاری ہونے والے چند نئے رسائل میں "بادبان"، "زنجیر"، "تکبیر"، "حرمت"، "استقلال" اور "ندا" وغیرہ شامل ہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر تا حال بے شمار سیاسی رسائل کا اجراء ہوا۔ بہت سے ایسے ہیں، جو اب تک جاری ہیں کچھ نے قیام کے کچھ عرصے بعد ہی دم توڑ دیا اور کچھ حکومتی عتاب یا دیگر مسائل کا شکار ہو کر اپنی بقاء کی جنگ لڑ نہ سکے۔ کسی بھی رسالے کے جاری رہنے کے لیے وہ ماحول بہت ضروری ہے، جس میں اس کی نشوونما ہو سکے، لیکن بدقسمتی سے وطن عزیز پاکستان میں ہمیشہ سے صحافت حکومتی عتاب اور پابندیوں کا شکار رہی ہے۔ ایسے میں مجلّاتی صحافت خصوصاً سیاسی رسائل و ہفت روزے کیسے اس سے بچ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مخصوص دور حکومت میں اگر کوئی رسالہ پروان چڑھ رہا ہو تو وہی رسالہ حکومت کے تبدیل ہونے کے بعد یا تو بند ہو جائے گا یا پھر زبردستی بند کر دیا جائے گا۔

پاکستان میں تقریباً تمام ہی سیاسی رسائل کا جھکاؤ مخصوص سیاسی پارٹیوں کی جانب ہونے سے خبروں، مضامین، جائزوں، رپورٹس اور تجزیوں وغیرہ میں غیر جانب داری کا عنصر کم نظر آتا ہے۔ ہر خبر کو اپنی مخصوص عینک کی نظر سے دیکھنے سے صحت مند صحافت کا فقدان نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف باہمی چپقلشوں کا دور دورہ ہے۔ دونوں فریقوں کے مؤقف کو درست طریقے سے بیان نہیں کیا جاتا اور اگر ایسا کیا بھی جائے تو خبر کا حلیہ بگاڑ دیا جاتا ہے۔

سیاسی شعور میں کمی سے بھی سیاسی رسائل کی کارکردگی پر فرق پڑتا ہے پاکستان میں سیاسی تنظیموں کے رسائل ہمیشہ اپنی سوچ و فکر کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ صرف ایک نقطۂ نظر پیش کیا جاتا رہا۔ مخالفین کی بیخ کنی کی جاتی رہی اور ان کا کاروباری مقاصد کے علاوہ کوئی ایجنڈا نہ تھا۔ ان رسالوں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ وہ مثبت بنیادوں پر کام کریں بلکہ ہمیشہ مخالفانہ اور منفی بنیادیں کھڑی کیں۔[۲۲۲]

اس وقت پاکستان میں ۱۰۰ سے زائد سیاسی رسائل نکل رہے ہیں جن میں سے اکثر ہفت روزہ ہیں جبکہ ماہناموں، پندرہ روزہ اور دو ماہی سیاسی رسائل کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ یہ رسالے پاکستان کے تقریباً ہر صوبے سے جاری ہوتے ہیں جن کی قیمت، سائز اور صفحات کی تعداد میں بھی ایک واضح فرق پایا جاتا ہے۔

ابتداء میں سیاسی رسالوں کی پسندیدگی اور مقبولیت کی وجہ سیاسی مخالفت تھی۔ مثلاً "زندگی" کے آغاز کے وقت دائیں بازو کی حمایت میں کوئی رسالہ مقبول نہ تھا، لیکن "زندگی" نے دائیں بازو کے نقطۂ نظر کو فروغ دینا شروع کیا اور حکومت کی سخت مخالفت اور کڑا محاسبہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف صحافتی قوانین کے ذریعے اس رسالے پر پابندیاں لگائی جاتی رہیں، لیکن مختلف ناموں سے شائع ہونے کے باوجود اس کے قارئین کی تعداد میں کمی نہ آئی۔[۲۲۳]

اس طرح "چٹان" نیم مذہبی اور نیم سیاسی حلقوں کا مقبول عام پرچہ تھا۔ جب بھی کبھی "چٹان" کی مقبولیت میں کمی آئی تو مختلف ایشوز کو دانستہ موضوع بحث بنا کر کسی ایک نقطۂ نظر کی حمایت کی جاتی رہی۔ پابندی اور خوف و ہراس کی فضا میں بھی مخالفین کے نقطۂ نظر کو بھرپور انداز میں پیش کیا جاتا رہا۔[۲۲۴]

اس وقت کے سیاسی رسالوں میں حالات و واقعات کے سطحی تجزیوں سے گریز کیا جاتا تھا۔ خصوصاً دائیں اور بائیں بازو کی باہمی چپقلشوں اور تقسیم نے بھی قارئین کو ان رسائل کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ لکھنے والوں کا معیار بلند تھا اور رسائل کی پالیسی نہایت مستحکم تھی۔

لیکن آج یہ صورت حال یکسر بدل گئی ہے اور سیاسی ہفت روزے (چند ایک کے سوا) اپنی قبولیت کھو چکے ہیں۔ اس کی سب سے اہم وجہ برقیاتی ذرائع ابلاغ ہے۔ جب ۵۰۰ روپے ماہانہ ادا کر کے ایک فرد ایک وقت میں دنیا بھر کے چینلوں سے استفادہ کر سکتا ہے ہر طرح کی بریکنگ نیوز، لائیو کوریج، سیاسی تجزیوں، ٹاک شوز اور دیگر سیاسی معاملات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے اور ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ اور سن سکتا ہے تو اس کے بعد سیاسی رسائل کو خرید کر پڑھنا انہیں بے معنی لگتا ہے۔

لمحہ بہ لمحہ بدلتی صورت حال سے بروقت واقف ہوجانے والا انسان اب حالات وواقعات جاننے کے لیے ایک ہفتے بعد دسترس میں آنے والے سیاسی رسائل کا محتاج نہیں رہا۔

سیاسی ہفت روزوں کی مقبولیت میں کمی کی ایک وجہ اخبارات کے ویکلی ایڈیشن بھی ہیں۔ جن میں دنیا جہاں کی معلومات، تفریح، شعبہ زندگی اور سیاسی حالات وواقعات کو پیش کیا جاتا ہے۔ مضامین ومواد کے اس تنوع اور اخبار کے ساتھ مفت میں مل جانے کے سبب اب قارئین علیحدہ سے سیاسی ہفت روزے خریدنے کو ترجیح نہیں دیتے۔

اچھا لکھنے والوں کی قلت بھی ایک بڑا سبب ہے کیونکہ تمام اچھا لکھنے والے صحافی کسی نہ کسی اخبار سے منسلک ہوچکے ہیں۔ دوسرا ان رسائل میں غیر جانبداری کی بجائے الزام تراشیوں سے کام لیا جاتا ہے، جو ایک منفی رجحان ہے اور صحافتی اخلاقیات کے منافی ہے۔

اسی بات کو فیض احمد فیض نے کچھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پڑھنے والے اپنے دیس اور باقی دنیا کے حالات کا صحیح اور بے لاگ اندازہ کرسکیں۔ اس کے لیے کسی خاص عقیدہ یا نقطہ نظر کو ان پر ٹھونسنے کے لیے خبروں میں ملمع اور رنگ سازی سے احتراز کیا جائے۔۔۔ ہمیں لازم ہے کہ ہر سیاسی وسماجی یا اقتصادی مسئلے کو ان ہی شاکر اور بے زبان عوام کی نظر سے دیکھیں اور ان کے مسائل لاتعداد ہیں پاکستان کی حکومت ہماری قومی حکومت ہے اس لیے آج کل سب لکھنے والوں کو ایک دوہری سفارت سپرد ہے۔ عوام کی سفارت حکومت کے ایوانوں میں اور حکومت کی سفارت عوام کی مجلس میں "۲۲۵

ہفت روزہ صحافت کے لیے کوئی اسٹینڈرڈ فارمولا نہیں ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ:

"ہر روز نیا کنواں کھودنا اور پانی پینا"۲۲۶

اگر ہم پاکستان میں سیاسی ہفت روزوں کو قبولیت عام کا درجہ دینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں اچھا لکھنے والے صحافیوں کی ایک جماعت ترتیب دینی پڑے گی۔ جو غیر جانبداری سے حقائق کی توڑ مروڑ کیے بغیر حالات وواقعات کی توضیح و تشریح کرکے رائے عامہ کو استوار کرسکیں۔

ایسے سیاسی ہفت روزے وقت کی اہم ضرورت ہیں جو تمام مکاتب فکر کی بھرپور نمائندگی کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور جو عوام میں اپنے جانبدار اور پر تحقیق تجزیوں اور تبصروں کی وجہ سے مقبول ہوں، نا کہ سیاسی جماعتوں کی بلا جواز حمایت کی وجہ سے۔

ذیل میں اُن چند اہم سیاسی رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اِس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ اور مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

چٹان۔لاہور

یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو لاہور سے ہفت روزہ "چٹان" منظر عام پر آیا، جس کے بانی مدیر آغا شورش کاشمیری تھے۔ شورش کاشمیری ایک بے باک اور جرأت مند صحافی، ادیب اور شاعر تھے، جنھیں تحریک آزادی کے اہم رکن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شاگردی کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

آغا شورش کاشمیری پہلے روزنامہ "سیاست" اور روزنامہ "زمیندار" میں لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ علامہ تاجور نجیب آبادی کے "شاہ کار" اور اردو روزنامہ "آزاد" کی ادارت کے فرائض بھی ادا کر چکے تھے کچھ عرصہ حافظ علی بہادر کے اخبار "الہلال" (بمبئی) کا اختتامیہ لاہور سے لکھ کر بھیجتے رہے۔ ۲۲۷

آغا شورش کاشمیری نے چٹان کے شمارہ اول کے افتتاحیہ میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کیا:

"چٹان افادی ادب کی بے لوث آواز ہے اور تعمیری سیاست کی بے خوف صدا ہے میں نے اس کے مضامین کو اپنے لہو کی ایک ایک بوند سے رنگین بنانے کا فیصلہ کیا ہے" ۲۲۸

"چٹان" ایک سیاسی ہفت روزہ تھا، جس میں نیم سیاسی مضامین مثلاً علمی، ادبی اور تحقیقی مضامین، مقالے، علمی و انقلابی نظمیں اور ادبی کتب پر تبصرے و جائزے وغیرہ بھی شائع ہوتے تھے۔ "چٹان" کے مضامین و مواد جرأت و بے باکی اور حق گوئی کا مثالی آئینہ تھے۔ شورش کاشمیری کی انقلابی شاعری رسالے میں خاصے کی چیز ہوا کرتی تھی ایک اہم سلسلہ "طلسم ہوشربا" تھا، جس میں بین الاقوامی خصوصاً امریکی حالات حاضرہ اور سازشوں کو بے نقاب کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی معاملات کے ضمن میں بھی چبھتے ہوئے موضوعات مثلاً قادیانیت کی مخالفت کی جاتی تھی۔

چٹان کے بیش تر مضامین خود آغا شورش کاشمیری ہی لکھتے تھے۔ کچھ اپنے اصل نام سے، کچھ اسرار بصریؔ کے نام سے۔ چٹان کا لہجہ خاصا تند و تیز ہوتا تھا۔ ۲۲۹ اس کا اندازہ "چٹان" کے اداریوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ شورش کاشمیری ایک اداریہ بہ عنوان "منظور ہے گذارش احوال واقعی" میں رقم طراز ہیں:

"صدر مملکت کا منصبی فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو جن کی بدولت سارے ملک کو سزا ملی ہے اپنے گرد و پیش نہ آنے دیں۔ جس مال کو ایک دفعہ آزمایا جا چکا ہے۔ اس کی خریداری یا اس سے متمتع ہونے کی ہر کوشش کئی فتنوں کا دروازہ کھولنے کا باعث ہوگی۔ ہم رب ذوالجلال کو گواہ بنا کر کہہ سکتے ہیں کہ بعض چہرے اتنے مکروہ ہیں کہ ان سے سیاست میں فائدہ اٹھانا، نہ صرف ملک وقوم کے لیے تشویش ناک ہوگا۔ بلکہ اس کے نقش ونگار بھی اتنے خراب ہوں گے کہ بالآخر کف افسوس ملنا پڑے گا"۔ ۲۳۰

اسی طرح ایک اور اداریے بہ عنوان "چراغ اپنا جلا رہا ہوں" میں وہ لکھتے ہیں:

"جس شخص کو پاکستان اول و آخر عزیز ہے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی تیار نہیں ہوسکتا کہ پاکستان کے بارے میں جو کچھ ملک کے اندر ہو رہا ہے یا جو کچھ ملک سے باہر کیا جا رہا ہے، اس سے قطع نظر کرے اور غافل رہے۔ پاکستان کسی فرد واحد کی جاگیر نہیں، نہ کسی مخصوص طائفے کی لمیٹڈ کمپنی ہے"۔ ۲۳۱

"چٹان" کی اسی بے باکی اور حق گوئی سے نالاں ہو کر ۱۹۵۲ء میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ممتاز محمد خان دولتانہ نے فحاشی پھیلانے کے الزام میں "چٹان" پر ایک سال کی پابندی لگادی۔۲۳۲ شورش کاشمیری نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے ہفت روزہ "انجم" اور پھر "عادل" جاری کیا اور حق گوئی کا برملا اظہار کرتے رہے۔ بالآخر ایک سال کی بندش کے بعد "چٹان" دوبارہ جاری ہو گیا۔ ستمبر ۱۹۶۶ء میں شورش کاشمیری کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

۱۲ ستمبر ۱۹۶۶ء کو "چٹان" سرورق پر درج ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوا۔

"میرا سب کچھ میرے وطن کا ہے" (شورش کاشمیری) جنہیں ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ڈیفنس رولز آف پاکستان کے تحت گرفتار کر کے منٹگمری جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے"۲۳۳

۱۹۶۸ء میں ایوب دور حکومت میں "چٹان" کا ڈیکلیریشن منسوخ کر کے رسالے کا پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ اور شورش کاشمیری کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کی دفعہ ۳۱ کے تحت گرفتار کر کے ڈیرہ اسماعیل خان کی جیل میں رکھا گیا۔ بالآخر ان کو کراچی منتقل کر دیا گیا، جہاں آپ نے چھپن دن بھوک ہڑتال کر کے اپنا مطالبہ منوایا اور رہائی حاصل کی۔ ۱۶ اگست ۱۹۷۶ء کو پھر ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت پکڑے گئے مگر ۱۴ جنوری ۱۹۷۳ء کو حکومت نے مقدمات واپس لے لیے۔ جولائی ۱۹۷۴ء میں پھر ایک ماہ کے لیے قید رہے۔ شورش کاشمیری نے یہ مصائب آزادئ اظہار اور آزادئ ضمیر کے لیے برداشت کیے۔۲۳۴

"چٹان" نے آزادی اظہار کے لیے بھی ہر وقت آواز اٹھائی۔ شورش کاشمیری ایک اداریے میں تحریر کرتے ہیں:

" کھلی بات ہے کہ ملک بھر میں تقریر و تحریر کی آزادی بالواسطہ اور بلاواسطہ محدود سے محدود ہو چکی ہے۔ جن اداروں کو تحریر و تقریر کی آزادی کا مینار کہا گیا ہے وہ نہ صرف اپنی ہیئت ترکیبی بدلتے جا رہے ہیں بلکہ بڑی حد تک ان میں کاملاً تبدیلی آچکی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم کبھی ان اداروں سے آشنا ہی نہیں تھے اور اگر آشنا تھے تو اب کف حسرت ملنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ ایک گم شدہ عہد کی یہ باتیں خواب و خیال معلوم ہوتی ہیں"۲۳۵

مزید لکھتے ہیں:

"اخبارات کی حالت اس سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔ نوے فیصد اخباروں پر سرکاری قبضہ ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ جس عظمت کا نام قلم تھا، وہ جانکنی میں ہے اور جو لوگ اس کے دھنی تھے، وہ عمر کے ساتھ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ کچھ (بلکہ یہ بھی زیادہ ہے) باقی ہیں تو ان کا حال تلسی داس غریب کی طرح ہے۔ معاف کیجئے جب سے اخبار نویسی کاروبار ہوئی ہے۔ کاروبار ہی ہو رہا ہے۔ اور کاروباری لوگ ہی قلم کے مربّی و سرپرست بن گئے ہیں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو ایڈیٹروں کی بہ نسبت اہلکار اور رپورٹروں کی بہ نسبت سیلز مین ہیں۔ یہ لوگ گاہک کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے اور نفع کی خواہش پر دکان لگاتے ہیں۔ ان تمام وجوہ کی بناء پر اخبارات سرکاری خواہشات کا ناقوس ہو کر رہ گئے ہیں۔ نتیجتاً جو کچھ ہوتا ہے وہ چھپتا نہیں اور جو چھپتا ہے وہ واقعہ سے کم تر ہوتا ہے بسا اوقات ہوتا ہی نہیں"۲۳۶

۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو شورش کاشمیری مالک حقیقی سے جا ملے اور "چٹان" کی ادارت مرحوم کے فرزند مسعود کاشمیری نے سنبھالی۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں حکومت نے "چٹان" کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا لیکن ادارہ چٹان نے ستارہ صبح شائع کر کے "چٹان" کو معنوی طور پر زندہ رکھا۔ عدالت عالیہ لاہور نے چٹان کی بندش کے سلسلے میں حکومت کے اقدام کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا اور ایک ماہ کی بندش کے بعد "چٹان" کی اشاعت دوبارہ شروع ہوگئی۔ ۲۳۷
شورش کاشمیری کی وفات کے بعد بھی ان کی تحریروں اور افکار کو "ایڈیٹر چٹان نے لکھا" کے عنوان کے تحت شائع کیا جاتا رہا۔ "چٹان" کے ممتاز قلم کاروں میں ڈاکٹر مسکین علی حجازی، اختر کاشمیری، مقبول جہانگیر، اظہر سہیل، منیر احمد منیر و دیگر کے نام شامل ہیں۔

"چٹان" اپنے وقت کا ایک مقبول سیاسی و انقلابی رسالہ تھا، جس نے صحافتی اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ اس کے مدیران نے جریدے کی بقاء کے لیے بے شمار صعوبتیں جھیلیں، لیکن رسالے کے معیار پر آنچ نہ آنے دی اور ملکی و بین الاقوامی معاملات اور مذہبی معاملات کے حوالے سے قارئین کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

شورش کاشمیری

آغا شورش کاشمیری ۱۴ اگست ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا۔ شورش کاشمیری کے آباؤ اجداد ہندو تھے، جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ ان کا بچپن نہایت آسودگی میں گزرا۔ تین بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل ان کے خاندان کے سربراہ شورش کاشمیری کے والد تھے، جو نہایت محنتی، بردبار اور صابر و شاکر تھے۔ والدہ کا سایۂ شفقت بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا۔ شورش کاشمیری ساتویں جماعت میں تھے کہ ان کے گھر کے مالی حالات خراب ہونا شروع ہو گئے اور میٹرک تک پہنچتے پہنچتے صورت حال مزید دگرگوں ہوگئی اور ان ہی حالات کے باعث وہ کالج میں داخلہ نہ لے سکے اور دل برداشتہ ہو کر سیاسی شاعری اور سیاست کی طرف راغب ہو گئے۔

آغا شورش کاشمیری نے عملی سیاست کے میدان میں، ۱۹۳۵ء میں بال بھارت سبھا کے سیکرٹری کی حیثیت سے قدم رکھا۔ ان کی عمر ۱۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ شورش کاشمیری مولانا ظفر علی خان کے "زمیندار" اور مولانا محمد حسین آزاد کے "الہلال" و "البلاغ" کے باقاعدہ قاری تھے، جنہوں نے آغا صاحب کی شخصیت پر ادب و انشاء، شعر و سخن، تقریر و خطابت اور فکر و نظر کے گہرے اثرات مرتب کیے اور وہ برطانوی دور میں تحریک آزادی کی مہم میں ایک پرجوش خطیب کے طور پر ابھرے۔ تحریک آزادی میں شرکت کرنے پر برطانوی حکومت نے آغا صاحب کو دس سال، ۷ ماہ کی طویل مدت تک قید میں رکھا۔ یہ قید ۲۴ الف اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت عمل میں آئی۔

آغا شورش کاشمیری ہفتہ وار "چٹان"، لاہور کے مالک و مدیر رہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجلس احرار نے روزنامہ "آزاد" کا اجراء کیا تو آغا صاحب نے کچھ عرصہ اس کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

شورش کاشمیری کے قلم سے نکلنے والی اہم تصانیف میں قیدی کا روزنامچہ (جسے جیل کے حکام نے پنجاب سی آئی ڈی کے مشورے سے ضبط کرلیا تھا)، آزاد ہند کے فوجی عناصر، اس بازار میں، گفتنی و ناگفتنی (مجموعۂ کلام)، پس دیوار زنداں، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے حوالے سے تصانیف قابل ذکر ہیں۔ آغا شورش کاشمیری ایک خاص طرز نگارش کے مالک تھے، جنہوں نے مولانا ظفر علی خان، مولانا تاجور نجیب آبادی اور احسان دانش جیسے لوگوں کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ آغا صاحب نہ صرف ایک قابل مدیر، شاعر اور سیاسی رہنما تھے، بلکہ ایک اعلیٰ ظرف انسان بھی تھے، جن کی شخصیت کا ہر پہلو دوسرے سے یکسر مختلف اور جداگانہ تھا۔ ۲۳۸ع

زندگی۔لاہور

ستمبر ۱۹۶۹ء میں لاہور سے ہفت روزہ "زندگی" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر الطاف حسن قریشی تھے۔ جبکہ مینیجنگ ڈائریکٹر ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی تھے۔ یہ دونوں قریشی برادران اردو ڈائجسٹ سے منسلک تھے۔

الطاف حسن قریشی نے پہلے شمارہ میں لکھا:

"ہم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں اور ہماری زندگی اور موت کی کشمکش اس قدر جاں گسل ہوگئی ہے کہ بزدلوں کی طرح بار بار مرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ راہ عشق میں تیغ شعور لے کر چلیں اور ابوالہولوں پر آگے بڑھ کر وار کریں۔ یہ مدافعت کا نہیں جارحیت کا وقت ہے یہ ہفت روزہ صحت مند سیاسی افکار کا ترجمان اور نظریہ پاکستان کا نگہبان ہوگا۔ ہم صرف پاکستانی نقطۂ نظر سے سوچیں گے اور کسی جماعت کے حاشیہ بردار نہیں ہوں گے "۲۳۹ع

ابتدائی دور میں مدیر معاون کے طور پر مجیب الرحمٰن شامی اس رسالے سے منسلک رہے جنھیں بعدازاں مدیر اعلیٰ بنادیا گیا۔ یہ ایک سیاسی ہفت روزہ تھا جو دائیں بازو کا حامی اور سوشلزم اور اسلام مخالف قوتوں کے خلاف تھا۔

اس رسالے میں تذکرہ و تبصرہ، اپنے چمن میں، انداز جہاں، راز و نیاز سے آگے، کھیل، انقلابی شاعری، کتابوں پر تبصرے اور تاریخی مضامین شامل کیے جاتے تھے۔ "بنام زندگی" کے عنوان سے ایک تفصیلی خط کا جواب بھی ہر شمارے میں شامل ہوتا تھا۔

اپنی سیاسی رپورٹوں، تنقیدی تبصروں، تجزیوں اور مضامین کے سبب "زندگی" تیزی سے ترقی کرتا چلا گیا۔ اور ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں اس کی اشاعت ۷۵ ہزار تک جا پہنچی اس وقت یہ پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا ہفت روزہ تھا، چونکہ یہ دائیں بازو کی ترجمانی کرتا تھا، لہٰذا پیپلز پارٹی، اس کے سربراہ اور اس کی پالیسیوں پر اس نے سخت نکتہ چینی کی۔ نتیجتاً یہ زیر عتاب آگیا۔ ۲۴۰ع ۱۹۷۲ء میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون سی نے مارشل لاء کے ایک حکم کے ذریعے ہفت روزہ "زندگی" اور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" کی اشاعت منسوخ کردی۔ اور ان کے ایڈیٹروں، پرنٹروں اور پبلشروں کی گرفتاری کا حکم بھی جاری کردیا۔ ۲۴۱ع چونکہ یہ ادارہ اردو ڈائجسٹ کے زیر اہتمام نکلتا تھا لہٰذا پابندی کے بعد قریشی برادران نے ہفت روزہ "ادا کار" کو اپنا لیا بعدازاں "اذان حق"، "لیل و نہار"، "طاہر" اور "اسلامی جمہوریہ" کے ڈیکلریشن باری باری حاصل کئے گئے۔ ۲۴۲ع

۱۹۷۴ء میں "زندگی" کا ڈیکلریشن ایک مرتبہ پھر منسوخ کر دیا گیا لیکن اس مرتبہ "زندگی" کو کسی دوسرے نام سے جاری نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تاہم ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد الطاف حسن قریشی نے "زندگی" کو از سر نو شروع کیا۔ رسالے کی یہ زندگی ۱۹۸۰ء تک ہی برقرار رہی اور ضیاء الحق کی جانب سے عائد کی جانے والی سنسر شپ کی زد میں "زندگی" بھی آیا۔ جس کے بعد رسالے کی اشاعت متاثر ہوئی اور بالآخر یہ بند ہو گیا۔

مجیب الرحمٰن شامی اس وقت اپنا رسالہ "بادبان" کے نام سے نکال رہے تھے۔ قریشی برادران کے "زندگی" کی بندش کے بعد انہوں نے "زندگی" کا ڈیکلریشن حاصل کیا۔ اور ۱۹۸۸ء میں "بادبان" کو "زندگی" میں تبدیل کر کے اس رسالے کو نئی زندگی دی۔ تاہم پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔

"زندگی" نے اپنے پر حقائق تبصروں اور بے لاگ تجزیوں کے ساتھ اداریہ نگاری میں بھی مخصوص جہت کو پروان چڑھایا۔ حق گوئی اور بے باکی "زندگی" کے اداریوں کا خاصہ تھی۔

"پھر مقدمہ چلائیے گا" کے عنوان سے "زندگی" کے اداریئے میں حکومت وقت کو کچھ یوں للکارا گیا ہے:

"ہمارے ضمیر کی شہادت یہ ہے کہ اب قوم کو بیدار رہ کر دیکھنا چاہئے کہ کوئی اور یحییٰ ہماری بہادر اور عظیم افواج پر قبضہ نہ کر سکے اسی لیے ہم نے موجودہ کمانڈر انچیف کے بارے میں پھیلے ہوئے سوالات کو سمیٹ کر ارباب اقتدار کے سامنے پیش کیا تھا اب اگر جواب" کارروائی" کی صورت میں آتا ہے تو ہم حکومت سے کہہ دینا چاہتے ہیں کہ کسی اندھے قانون کا سہارا لینے کے بجائے ہمیں عدالت کے کٹہرے میں لے چلیے۔ مقدمہ چلائیے ہم وہاں ثابت کریں گے کہ جو کچھ لکھا گیا وہ کسی کے ذاتی مفاد کے خلاف ہو تو ہو، قومی مفاد کے خلاف نہیں تھا اور آپ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر لیجئے گا کہ اس سے قومی مفاد مجروح ہوا ہے۔ اگر عدالت آپ کا نقطۂ نظر صحیح تسلیم کر لے تو ہم ہر سزا کے لیے تیار ہوں گے لیکن اگر ہمیں "سزا" دینے کا کوئی اور راستہ اختیار کیا گیا تو سزا دینے والے بالآخر قدرت کے انتقام سے نہ بچ سکیں گے تاریخ کے آئینے میں جھانک کر دیکھ لیجئے" ۲۴۳

"زندگی" ایک ایسا رسالہ ہے جس نے آزادیٔ اظہار کی پاداش میں ہر طرح کی سختیوں اور پابندیوں کا سامنا کیا اور وقتاً فوقتاً اس کے خلاف آواز بلند کرتا رہا۔ اپنے ایک اداریئے بہ عنوان "صرف قارئین کے سامنے" میں "زندگی" لکھتا ہے:

"ہم نے دو ہفتے پہلے ان ہی کالموں میں جناب صدر کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ پریس کو آزاد رکھ کر اس سے کانوں اور آنکھوں کا کام لیں۔ خوشی یہ ہے کہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اب حکومت کا فرض ہے کہ دور آمریت کی یادگار کالے پریس قوانین بھی منسوخ کر دے اور مارشل لاء کا وہ ضابطہ بھی واپس لے لے، جس کے تحت لوح و قلم پر رسوا کن پابندیاں لگا دی گئی تھیں" ۲۴۴

"زندگی" نے آزادی اظہار اور تحریر و تقریر کے لیے نہ صرف اپنے لیے بلکہ ہم عصر جرائد و اخبارات کی حمایت میں بھی آواز بلند کی۔ ایک اداریئے بہ عنوان "ڈان کے خلاف" میں تحریر ہے:

"ڈان کے دو اداریوں میں قانون کی حکمرانی، جمہوریت، آزادی صحافت اور آزادی فکر وعمل کی ضرورت کا اظہار کیا گیا اس پر ٹرسٹ کے دو انگریزی اخبارات "پاکستان ٹائمز" لاہور اور "مارننگ نیوز" کراچی نے "ڈان" کے مالکان اور ایڈیٹر کے خلاف لمبے لمبے اداریئے تحریر فرما دیئے "۴۴۵

مزید لکھا ہے: "ڈان کے مالک اور ایڈیٹر بھی اگر آج عوام کے احساسات کی ترجمانی کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تو ناقدین کو ماضی یاد دلا کر ان کا منہ بند کرنے کا لائسنس کہاں سے مل گیا"۴۴۶

"زندگی" کا مزاج ہمیشہ سے سنجیدہ رہا ہے۔ پابندیوں کے سائے میں پروان چڑھنے والے اس رسالے نے ہمیشہ قائداعظم کے اس فرمان کی ترجمانی کی:

"صحافت ایک بہت بڑی قوت ہے جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔ اگر یہ ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی راہنمائی بھی کر سکتی ہے"۔

اس رسالے کو ممتاز اور قابل صحافیوں اور قلم کاروں کا قلمی تعاون حاصل رہا جن میں مجیب الرحمٰن شامی، الطاف حسن قریشی، زیڈ اے سلہری، نسیم حجازی، منور مرزا، مختار حسن، شفیق جالندھری، رؤف طاہر، افضل حسین علوی، تنویر قیصر شاہد، عبدالہادی احمد، عطاء الرحمٰن، خلیق نذیری اور ڈاکٹر انور سدید کے نام شامل ہیں۔

دائیں بازو کا حامی یہ ہفت روزہ سیاسی رسالوں میں اپنی الگ پہچان کا حامل ہے اپنے سنجیدہ اور پر حقائق تجزیوں، تبصروں اور مضامین کی بدولت اس نے سنجیدہ قارئین کا ایک بہت بڑا حلقہ پیدا کیا۔ مختلف قومی و معاشرتی برائیوں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے اپنے صفحات کو ان مسائل کی نشان دہی کے لیے استعمال کیا اور اپنا ایک ایسا مقام پیدا کیا جو پابندیوں کے باوجود بھی رو بہ زوال نہ ہوا۔

لیل ونہار۔ لاہور

ہفت روزہ "لیل و نہار" ۱۹۶۹ء میں لاہور سے جاری ہوا۔ ہفت روزہ "زندگی" پر پابندی لگنے کے بعد قریشی برادران اور مجیب الرحمٰن شامی نے "لیل و نہار" کو اپنا کراچی آواز بلند کی۔

اس رسالے کے مدیر مسئول مجیب الرحمٰن شامی تھے جن کی گرفتاری کے بعد "لیل و نہار" کے قائم مقام مدیر سجاد میر "پھر در زنداں کھلتا ہے" کے عنوان سے اداریے میں لکھتے ہیں:

"لاہور ہائی کورٹ کے ایک فل بینچ نے جناب ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی اور جناب مجیب الرحمٰن شامی کو توہین عدالت کے ایک مقدمے میں علی الترتیب ۴ ماہ قید، ڈیڑھ ہزار روپے جرمانہ (عدم ادائیگی کی صورت میں ۴ ہفتے قید مزید) اور ۶ ماہ قید، ۲ ہزار روپے جرمانہ (عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں ۶ ہفتے قید مزید) کا حکم سنایا ہے یہ بینچ چیف جسٹس سردار محمد اقبال، جسٹس عطاء اللہ سجاد اور جسٹس محمد افضل ظلہ پر مشتمل تھا۔ خیال رہے کہ یہ مقدمہ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء کے "اذان حق" میانوالی میں شائع ہونے والے اداریے پر چل رہا تھا"۴۴۷

"لیل ونہار" ایک تند و تیز لہجے کا حامل سیاسی رسالہ تھا جس کے مندرجات میں تذکرہ و تبصرہ، انداز وطن، یہ لہولہو اجالا، انٹرویو اور ملکی و قومی معاملات اور حالات حاضرہ پر مضامین اور تبصرے شائع ہوتے تھے۔ اس کے سرورق بھی بہت کاٹ دار اور طنزیہ جملوں سے مزین ہوتے تھے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کے سرورق پر موجود ایک تصویر کے حوالے سے اداریے میں درج ہے:

"سرورق پر سب سے اوپر جناب جاوید ہاشمی کی تصویر ہے۔ ان کے دائیں احمد بلال محبوب اور بائیں رشید کوثر ہیں۔ اس سے نیچے (دائیں طرف) شیخ رشید احمد (بائیں طرف) افتخار فیروز اور سب سے نیچے (دائیں سے بائیں) الطاف پرویز اور ضیاء اللہ خان ہیں۔ یہ سب پاکستان پر ایمان رکھنے کے جرم میں گرفتار ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ان کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے "یہ صدر بھٹو کے قیدی نہیں، اندرا گاندھی کے قیدی ہیں" ۲۴۸

"لیل ونہار" کے سرورق پر ایک اشتہار باقاعدگی سے شائع کیا جاتا رہا۔ جو "زندگی" کی لوح کے نیچے درج ہوتا تھا :"ڈیکلریشن کی بحالی کے لیے اعلیٰ عدالت میں اپیل زیر سماعت ہے" (اشتہار)

اس طرح نہ صرف اس رسالے نے ہفت روزہ "زندگی" سے اظہار یکجہتی کیا بلکہ اسی کے انداز میں آزادی صحافت کا علم بلند کرنے کی کوشش بھی کی۔ اداریہ بعنوان "اے اہل نظر! فرق کرو" میں "لیل ونہار" روزنامہ جسارت پر پابندی کے خلاف لکھتا ہے:

"جسارت کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر کی گرفتاری کے بعد بھی "آتش عتاب" ٹھنڈی نہیں ہوئی اور چند ہی روز بعد "جسارت" کی اشاعت ۲ ماہ کے لیے معطل کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔ نرم سے نرم الفاظ میں بھی اس فیصلے پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ حکمراں جماعت نے اپنے لیے مزید بدنامی اور رسوائی کا سامان کیا ہے۔ آزادیٔ صحافت کے بلند و بانگ دعوؤں کے باوجود "عوامی" حکمرانوں نے اختلاف رائے کی ہر آواز کو دبا دینے کا تہیہ کر رکھا ہے اور یہ بات آج ارباب اقتدار کو فضا خوش نما بنانے کے لیے کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہو، کل انہیں اس کے تلخ ثمرات بھی چکھنے پڑیں گے۔ ۲۴۹

"لیل ونہار" نے نام نہاد جمہوریت کے علم برداروں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے لکھا:

"جمہوریت مخالف نکتۂ نظر کو برداشت کرنے اور مخالفین کو اظہار کا موقع دینے کا نام ہے۔ طالب علم رہنما "بنگلہ دیش" کے خلاف جذبات کا اظہار کرنے کے لیے لاہور میں جمع ہوئے۔ مینار پاکستان پر جا کر پاکستان کی سالمیت کا حلف اٹھانے اور جلوس نکالنے کا اعلان کیا۔ جیلوں کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے۔ ۹ طالب علم رہنما آج بھی کوٹ لکھپت جیل میں نظر بند ہیں۔ "جمہوریت ہماری سیاست ہے" کی دلچسپ تعبیر۔۔۔۔۔۔! یہ جمہوریت ہے، تو پھر غلام محمد بڑا ہی جمہوریت پرست تھا۔ سکندر مرزا اس سے بھی بڑا اور ایوب خان ان سب سے بڑا!" ۲۵۰

"لیل ونہار" نے سیاسی ہفت روزوں میں اپنے بے باک تبصروں اور اداریوں کی بدولت ایک اہم مقام پیدا کیا مجیب الرحمٰن شامی کے قلم کی کاٹ اس رسالے کی ایک ایک سطر میں جھلکتی ہے جو ہمیں صرف ایک پیغام دیتی ہے، آزادی

صحافت اور معاشرے کو کچلنے والی طاقتوں کے سامنے ہمت و بہادری سے ڈٹ جانا "لیل و نہار" کا مقام پاکستان کے سیاسی رسالوں میں نہایت بلند ہے اور کوئی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔

جاوید۔خیر پور

۱۹۶۹ء میں خیر پور سے سیاسی ہفت روزہ "جاوید" کا اجراء ہوا۔ جس کے ایڈیٹر خالد (علیگ) تھے۔ تقریباً ۲۶ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز ۷.۵"x۱۰" ۹.۷ انچ اور قیمت فی شمارہ ۱۰ روپے تھی اور یہ رسالہ مساوات پرنٹنگ پریس، کراچی سے چھپ کر جیلانی محلّہ، خیر پور سے شائع ہوتا تھا۔

جاوید ایک سیاسی ہفت روزہ تھا جس میں ملکی و بین الاقوامی حالات حاضرہ پر معلومات افزا مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کے چند مستقل سلسلوں میں اظہار خیال، محنت کش رپورٹ، آئینہ (شمل صحرائی کے قلم سے) وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ بے باک و بے لاگ تبصرے اور انقلابی نظمیں وغزلیں بھی رسالے کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔

"جاوید" کو پیپلز پارٹی کا ترجمان رسالہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے اداریوں اور بیش تر مضامین میں پیپلز پارٹی، ذوالفقار علی بھٹو، محترمہ بینظیر بھٹو اور دیگر عہدے داروں سے اور ان کی کارکردگی کے حوالے سے بحث کی جاتی تھی اور ان پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔

اس بات کا اندازہ اداریئے میں درج ان الفاظ سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے:

"۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی تاریخ کے پس منظر میں عوام دشمن، رجعت پرست اور سامراجی کاسہ لیسوں کی اس ناکامی کا انتقام مضمر ہے جو ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء کو مغربی پاکستان میں چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو شہید کی پاکستان پیپلز پارٹی کی شاندار فتح سے رقم ہے "۲۵۱

مزید تحریر ہے:

"چیئرمین شہید ریکارڈ پر ہیں کہ انہوں نے پاکستان کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ اسے ملک کی بدقسمتی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ایوب خان" کے مارشل لاء نے پاکستان کو مکمل طور پر سامراج کا طفیلی بنا دیا تھا" ۲۵۲

اس رسالے میں شامل تمام مضامین سے پیپلز پارٹی کی حمایت جھلکتی تھی۔ خصوصاً ذوالفقار علی بھٹو سے خاص عقیدت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ رسالے میں شامل سماجی مضامین میں بھی سندھ کے مظلوم و محنت کش عوام کے لیے آواز اٹھائی جاتی تھی اس رسالے کو اگر سندھ کا ترجمان کہا جائے تو بھی کچھ غلط نہ ہوگا۔

الفتح۔کراچی

ہفت روزہ "الفتح" کراچی سے ۲۰ مئی ۱۹۷۰ء کو جاری ہوا۔ یہ بائیں بازوں کے افکار و نظریات کا ترجمان رسالہ تھا۔ اس کے نگراں اعلیٰ شوکت صدیقی، مدیر ارشاد راؤ، معاونین خصوصی صفدر میر، منہاج برنا، عبدالحمید عدم جبکہ مجلس ادارت میں محمود شام، فاروق پراچہ، اشرف شاد اور وہاب صدیقی شامل تھے۔ ۲۵۳

رسالے کی لوح پر تحریر جملہ "خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان" غالباً شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" کی مناسبت سے لکھا گیا تھا۔

"الفتح" ایک بے باک سیاسی رسالہ تھا۔ جس میں حالات وحاضرہ اور ملکی سیاست کے حوالے سے کاٹ دار مضامین و تجزیہ شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سفرنامے، اور مزدوروں کے شب و روز کے عنوان سے بھی مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔ انقلابی شاعری اور غزلیں بھی رسالے کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔

"الفتح" نے آزادی اظہار رائے اور معاشرے کے مجبور و کچلے ہوئے طبقے کی ترجمانی کے فرائض بخوبی سرانجام دیئے۔

اداریہ بہ عنوان "ہم آج بھی انکار حقیقت نہ کریں گے" میں الفتح' لکھتا ہے:

"الفتح"، مثبت، تعمیری اور ٹھوس تنقید، بے باک اور دوٹوک صاف صاف باتیں لکھنے میں رورعایت سے کام نہیں لیتا۔ آزاد صحافت اس امر کی متقاضی ہے کہ ذاتیات سے بالاتر ہو کر حق گوئی اور صداقت کا پرچم بلند رکھا جائے۔ خوشامد جیسی لعنت سے دور رہا جائے اور حق کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کیا جائے" ۲۵۴

اسی طرح ایک اداریے بہ عنوان "الفتح ہتھکنڈوں سے مرعوب نہیں ہوگا" میں تحریر کیا گیا ہے:

"صحافت ایک مقدس پیشہ ہے اور صحافی ملک کے سب سے بیدار حلقوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک صحت مندانہ سیاسی ماحول کے ارتقاء کے لیے آزادی صحافت ایک بنیادی شرط ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کی روایات میں صحافت کو ہمیشہ چند مخصوص طبقوں کے مفادات کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے جس ملک میں تحریر وتقریر کے حق کو سلب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ ملک کبھی پنپ نہیں سکتا" ۲۵۵

آزادیٔ اظہار اور حق گوئی کے حق میں آواز بند کرتے ہوئے "الفتح" حکومتی اداروں کو کچھ ان الفاظ میں للکارتا ہے:

"ہم وزارت اطلاعات ونشریات کو اس بات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ حق گو صحافی اپنے فرائض سے منہ نہیں موڑیں گے ہم ہر آزمائش پر پورے اترے ہیں اور ہر آزمائش پر پورا اتریں گے ہم عوام کی آواز ہیں اور عوام کی آواز کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں کچل سکتی" ۲۵۶

سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اور مزدوروں اور نچلے طبقے کے دل کی بات "الفتح" میں کچھ یوں کی گئی ہے:

"جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لیے شہری آزادی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں مزدوروں اور کسانوں کی محنت کا استحصال کرنے کی آزادی اور حق حاصل ہو۔ مزدوروں اور کسانوں کی شہری آزادی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ظالمانہ استحصال سے نجات حاصل کرنے کا حق اور آزادی حاصل ہو اس طرح طبقاتی معاشرے میں شہری آزادی کے حصول کی جدوجہد ایک مسلسل عمل ہے یہ ظالم اور مظلوم، استحصال" کرنے والے اور استحصال کا شکار ہونے والے کے درمیان ایک طبقاتی جنگ ہے" ۲۵۷

ایک اور جگہ تحریر ہے:

"معاشرے میں خوں آشام سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور منافع خور تاجروں کی وفاداریاں ہمیشہ مشکوک اور مشتبہ رہی ہیں۔ حالت امن میں انہیں صرف اس بات سے دل چسپی رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے اور حالت جنگ یا کڑی آزمائش کے دوران انہیں صرف اپنے بینک بیلنس، نقد اثاثے اور قیمتی املاک بچانے کی فکر ستاتی رہتی ہے ملک تباہ ہو جائے، انہیں کوئی غم نہ ہو گا البتہ عوام کا خون چوس چوس کر انہوں نے سونے کے جو پہاڑ کھڑے کیے ہیں، وہ محفوظ اور سلامت رہیں "۲۵۸

اداریوں کے ساتھ ساتھ "الفتح" کے سرورق بھی خاصے کاٹ دار ہوتے تھے یہ اکثر ایک یا دو رنگوں میں شائع ہوتے تھے، تاہم سادگی کے باوجود اپنی تخلیق کا مقصد اور رسالے کی پالیسی بخوبی واضح کر جاتے تھے۔

الفتح نے ترقی پسند صحافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ تازہ ترین واقعات اور حالات حاضرہ پر کڑی تنقید، جائزوں اور تبصروں نے اسے قارئین میں مقبول ایک سیاسی ہفت روزہ بنا دیا۔ تاہم اس رسالے نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت کو اپنی پالیسی کا حصہ بنایا اور اس پر پوری طرح کاربند رہا۔ یہ رسالہ بائیں بازو کے حامی اور مخالف دونوں طبقوں میں مقبول تھا جو اس کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

طاہر۔لاہور

۱۹۷۱ء میں لاہور سے ہفت روزہ "طاہر" کا اجراء ہوا۔ جس کے صدر شعبۂ ادارت پرویز طاہر تھے جبکہ مدیر جناب مجیب الرحمٰن شامی تھے۔ جنھوں نے ہفت روزہ "زندگی" پر پابندی کے بعد "طاہر" کو اپنایا اور اس کے صفحات کے ذریعے حق گوئی کا پرچار کرتے رہے۔

"طاہر" اپنے وقت کا ایک نڈر سیاسی رسالہ تھا جس میں ملکی سیاست وحالات حاضرہ اور آزادئ صحافت کے حوالے سے مضامین خاص طور پر شائع ہوتے تھے اس کے مندرجات میں تذکرہ و تبصرہ، اپنے چمن میں اور خصوصی رپورٹیں شامل تھیں چند مستقل سلسلوں میں م۔ش کی ڈائری اور سندھ کے لیل و نہار اہم تھے جبکہ خود نوشت کے عنوان تلے بے لاگ اور بے باک تبصرے اور جائزے بھی رسالے کا امتیاز تھے۔

ہفت روزہ "طاہر" میں معذرت کے ساتھ " کے عنوان سے سیاسی حالات و واقعات پر مزاحیہ کارٹون بھی شائع کیے جاتے تھے۔ جو نہ صرف تفریح طبع کا ذریعہ تھے بلکہ نہایت لطیف پیرائے میں تنقید کا فریضہ بھی بخوبی سرانجام پا جاتا تھا۔ سرورق پر درج اقبال کا شعر کچھ یوں ہے

تندئ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

ہفت روزہ طاہر کے اداریئے اپنے وقت کی آواز تھے ان کے ذریعے اس نے آزادیٔ صحافت کا پرچم بلند کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف حساس قومی و مذہبی معاملات پر بھی آواز اٹھائی۔

اداریہ بہ عنوان "پاسبان" میں تحریر ہے اب تقریر باعث آزار بن گئی اور الزام یہ ہے کہ صلاح الدین نے کراچی کے ایک اجتماع میں قابل گرفت تقریر کی تھی۔ صلاح الدین بھی ایک انسان ہے، اس کا قلم اور زبان بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں لیکن صلاح الدین مرد مسلمان بھی ہے اور پاکستان کے لیے اس کا سب کچھ قربان بھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے جس سے دفاع پاکستان کے نازک تقاضوں کو ٹھیس پہنچے، کچھ آسان نہیں ہے۔ اسلام اور پاکستان کا یہ سپاہی جب ڈیفنس رولز آف پاکستان کے تحت پابند سلاسل کیا جائے تو اضطراب لازم اور صدمہ بھی فطری ہے اور یہ مطالبہ بھی کہ اس شخص کو رہا کیا جائے۔ مقدمہ واپس لیا جائے اور اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو عام ملکی قوانین کے تحت عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ ۲۵۹؎

اپنے ہم عصر اخبارات و رسائل کی ترجمانی "طاہر" نے کچھ ان الفاظ میں کی:

"نوائے وقت" پر پھر وار ہوا۔ سرکاری اشتہارات پھر بند ہوئے اور جہاں جہاں جس جس جگہ سرکار کی کارفرمائی ہے۔ وہاں وہاں سے اطلاعات مل گئیں کہ ہمارے اشتہارات اب آپ کے ہاں نہ چھپیں گے۔ بے شمار وہ معاہدے بھی یک طرفہ طور پر منسوخ کر دیئے گئے کہ جن کے تحت مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے اشتہارات چھپنا تھے" ۲۶۰؎

مزید تحریر ہے:

"نوائے وقت کی طرح کے اخبار کسی بھی معاشرے کے لیے بڑا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی روک ٹوک کسی گروہی غرض سے وابستہ نہیں ہوتی۔ نہ ان کا کوئی مخصوص مفاد ہوتا ہے۔ اہل اقتدار کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اس طرح اہل احتساب کو برداشت کریں کہ ان کا وجود ملک و قوم کے لیے رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے" ۲۶۱؎

اسلامی ملک ہونے کے ناتے "طاہر" نے وطن عزیز کے مذہبی معاملات کو بھی مقدم رکھا اور مسئلہ قادیانیت کے حوالے سے کچھ یوں آواز بلند کی:

"جناب وزیراعظم کے عہد میں قادیانیوں کو امت مسلمہ سے الگ کر دینے کا تاریخی کارنامہ سرانجام پایا اور اقتدار نے اسلام اور عوام کی خواہش کے آگے سر جھکا کر پھول پائے" ۲۶۲؎

ہفت روزہ "طاہر" صحیح معنوں میں مجیب الرحمٰن شامی کا ہتھیار ثابت ہوا۔ قریشی برادران کے رسالے "زندگی" پر پابندی لگنے کے بعد انہوں نے "طاہر" کے ذریعے حق گوئی اور باطل کی جنگ لڑی اور آزادیٔ صحافت کا علم بلند کرنے کے ساتھ ساتھ حکومتی برائیوں اور معاشرتی خامیوں کو اجاگر کیا۔ "طاہر" اپنے وقت کا ایک اہم سیاسی رسالہ تھا۔

افریشیا۔لاہور

۱۹۷۵ء میں لاہور سے ہفت روزہ "افریشیا" کا اجراء ہوا۔ جس کے مدیر ممتاز صحافی عبدالقادر حسن تھے۔ اس دور میں افریقہ اور ایشیا میں تیسری دنیا کے نظریہ کا پرچار زوروں پر تھا۔ "افریشیا" (یعنی افریقہ وایشیا) کی وجہ تسمیہ یہی تحریک تھی۔۲۶۳

"افریشیا" میں ملکی و بین الاقوامی سیاست اور حالات حاضرہ پر بے لاگ و بے باک مضامین اور تبصرے شامل ہوتے تھے اس کے مندرجات کی فہرست "ایک جھلک" کے عنوان سے ترتیب دی جاتی تھی۔ جس میں اہم سلسلے غیر سیاسی باتیں، خصوصی انٹرویو، زیرلب، ملاقات، دیارخواب، سنگریزے اور پاکستان کی قومی سیاسی جماعتوں کا ہفتہ وار جائزہ شامل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ طلبہ یونین کے حوالے سے بھی مختلف تقریبات کا احوال درج ہوتا تھا۔

"افریشیا" کا ایک اہم سلسلہ " قلمی کوڑے " تھا۔ جس میں سیاسی بیانات کے جوابات، طنزومزاح کی صورت میں دیئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ کا نام بدلتا رہا، جس کے متعلق رسالے میں درج ہے:

"اس کالم کا عنوان حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے ۔شروع میں عوامی روزنامہ تھا۔ پھر شیش محل ہوا، اب قلمی کوڑے، آئندہ؟" ۲۶۴

رسالے کے صفحۂ آخر پر گلو واشر بوا کے عنوان سے مزاحیہ کارٹون اور خاکے پیش کئے جاتے تھے جو بے حد دلچسپ ہوتے تھے اور طنزومزاح کے تیر بڑی خوبصورتی سے چلاتے تھے۔

"افریشیا" کے اداریے رسالے کی پالیسی بیان کرنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے اور ان میں مختلف مذہبی، قومی و سیاسی معاملات کو اجاگر کیا جاتا تھا۔ "مذہبی منافرت" کے عنوان سے ایک اداریئے میں تحریر ہے:

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والے اس ملک میں مذہبی بیر، سیاسی بیر پر بھی بازی لے گیا ہے" ۲۶۵

مزید لکھا گیا ہے:

"علماء کرام جن میں سے اکثر اب ماشاءاللہ سیاستدان بھی ہیں۔ ملکی حالات سے بے خبر نہیں ہوں گے۔ کیا وہ صدق دل اور خلوص نیت سے یہ سمجھتے ہیں کہ ملک ایسے اختلافات بلکہ انتشار کا متحمل ہوسکتا ہے۔ سیاستدان ہوں تو انہیں ہم سخت الفاظ میں بھی خطاب کر سکتے ہیں۔ لیکن ممبر رسول ﷺ کے وارثوں کی خدمت میں ہم مؤدبانہ گزارش ہی کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کے لیے محض اپنی سیاسی اور مذہبی اہمیت بڑھانے کے لیے ملک وقوم کے مستقبل سے نہ کھیلیں اور ملک کے دشمنوں کے لیے راہ ہموار نہ کریں" ۲۶۶

"افریشیا' کی نظریں ملک کی نوجوان نسل پر بھی رہی اور اس نے اپنے اداریوں اور مضامین کے ذریعے نوجوانوں کے مسائل اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تعلیمی اداروں میں بدامنی کے عنوان سے ایک اداریئے میں درج ہے:

"نوجوان خصوصاً زیرِ تعلیم نوجوان قوم کا بیش قیمت سرمایہ ہوتے ہیں اور باشعور قوم اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے اس سرمائے کی حفاظت کرتی ہے ہم ایک غریب قوم ہیں جو ابھی ترقی کی راہیں طے کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں مگر اس کے باوجود اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے بہترین نتائج حاصل کرنے کے خواہاں ہیں"۔٢٦٧

اگرچہ "افریشیا" ایک سیاسی ہفت روز کے طور پر سامنے آیا، تاہم اس نے مذہبی وسماجی موضوعات کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی۔ اس کے مضامین وتبصرے معیاری ہوتے تھے اوران کا ایک بڑا حلقۂ اثر تھا، تاہم رفتہ رفتہ اس کی اشاعت بے قاعدگی کا شکار ہوگئی اور یہ اپنے سابقہ معیار سے نچلی سطح پر آگیا۔

حرمت۔اسلام آباد

۱۹۸۱ء میں دارالحکومت اسلام آباد سے ہفت روزہ حرمت کا آغاز ہوا، جس کی مجلس ادارت میں زاہد ملک، سحر صدیقی، ڈاکٹر رئیس قریشی، پروفیسر محمد اشرف، ابن اسمٰعیل، افتخار ناظر، ہارون پاشا اور فرح ناز وغیرہ کے نام شامل تھے۔

تقریباً ۵۸ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز ۵ء۱۰x۷ء۷ انچ اور قیمت ۵ روپے تھی اور اسے پبلشرز زاہد ملک، خورشید پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد سے چھپوا کر شائع کرتے تھے۔

"حرمت" کے مندرجات میں ملکی سیاسی حالات پر بے لاگ تبصرے اور جائزے، ملکی و بین الاقوامی حالات حاضرہ پر تبصرے اور انٹرویوز وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ مستقل سلسلوں میں حرمت نیوز، آپ کی رائے، شہر شہر سے، اسپورٹس کرائم کارنر، سوشل راؤنڈ اپ، فکرانگیز باتیں، غذائی علاج، حرمت ڈائجسٹ، تفریحات، اقتباسات اور دیگر دل چسپ سلسلے شامل اشاعت ہوتے تھے۔

"حرمت" کو ایک سیاسی و نیم سماجی رسالہ کہا جا سکتا ہے۔ تاہم اس کے اداریئے خالصتاً سیاسی مسائل پر مبنی ہوتے ہیں جو اس ہفت روزہ رسالے کی پالیسی کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

"حرمت" نے اپنے اداریوں کے ذریعے سیاسی مسائل کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ "حکومت۔ پریس تعلقات میں افسوسناک کشیدگی" کے عنوان سے حرمت لکھتا ہے:

"بدقسمتی سے ہوتا یہ ہے کہ جب بھی کوئی جماعت یا سیاسی اتحاد برسر اقتدار آتا ہے تو اسے کرسی مضبوط نظر آنے لگتی ہے اور وہ نہ صرف کسی کو بھی ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ "ہمیں آپ کی پرواہ نہیں" کا ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ تمام وہ لوگ جن کی مدد اور حمایت سے یہ جماعت برسر اقتدار آتی ہے۔ بتدریج حکومت سے دور اور الگ ہونے لگتے ہیں اور یوں قدرتی طور پر ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب حکومت کا اثر و رسوخ صرف وزیر اعظم ہاؤس کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے"۔٢٦٨

"حرمت" کا رویہ اپنے ہم عصر سیاسی رسائل کے لیے بھی نہایت مثبت رہا ہفت روزہ "تکبیر" کے حوالے سے "حرمت" میں درج ہے:

"یہ اطلاع یقیناً خوش کن ہے کہ وزیر اعظم جناب نواز شریف نے کراچی کے معروف اور کثیر الاشاعت ہفت روزہ "تکبیر" کے نقصانات کا ازالہ کرنے کے لیے مدیر تکبیر جناب صلاح الدین کو ۵ لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے۔ (مدیر تکبیر محمد صلاح الدین نے یہ عطیہ شکریئے کے ساتھ نواز شریف کو لوٹا دیا تھا) گزشتہ دنوں کراچی میں اخبارات اور صحافیوں پر حملوں کی جو لہر آئی ہوئی تھی اس میں "تکبیر" کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ اور ہفت روزہ کے دفتر اور اس کے سامان کو آگ لگا دی گئی" ۲۶۹

اس طرح "حرمت " نے ۸۰ء کی دہائی میں اپنے سفر کے آغاز سے لے کر اپنے نقطۂ عروج تک ملکی وقومی معاملات پر کڑی نظر رکھی یہ ایک مقبول سیاسی ہفت روزہ تھا، جس کا جھکاؤ دائیں بازو کی طرف تھا اپنے مضامین، بے لاگ تبصروں اور اداریوں اور ملکی وسماجی معاملات میں رہنمائی کے ضمن میں "حرمت" کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تکبیر۔کراچی

۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو کراچی سے ایک سیاسی ہفت روزہ "تکبیر" جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے بانی محمد صلاح الدین تھے جو نہ صرف ایک سنجیدہ اور تجربہ کار صحافی تھے بلکہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ایک سچے پاکستانی بھی تھے۔

محمد صلاح الدین صحافت کی دنیا کا ایک اہم نام ہیں۔ جو متعدد اخبارات بالخصوص روزنامہ "جنگ" اور "حریت" سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۷۱ء میں روزنامہ "جسارت"، کراچی کے مدیر مقرر ہوئے تاہم انتظامیہ سے اختلافات کے نتیجے میں مستعفی ہو گئے اور اپنا ذاتی ہفت روزہ جاری کیا۔ ۲۷۰

"تکبیر" کے پہلے شمارے کے اداریے میں کہا گیا:

"ہم عرصۂ صحافت میں نہ اجنبی ہیں اور نہ نو وارد۔ بس بات اتنی جانئے کہ اپنے ہی مسلک، اپنے ہی راستے اور اپنے ہی جادۂ فکر کے ایک نئے سنگ میل پر آپ سے ملاقات ہو رہی ہے یہ سنگ میل "تکبیر" ہے جو نہ صرف پچھلے تمام قدموں میں طے ہونے والے سفر کی قیمت کی توثیق کرتا ہے بلکہ انشاء اللہ اس جادۂ سفر کی راستی وسلامتی کے اثبات کا نشان استقبال بھی بنے گا۔ جس پر اب تک ہمارا سفر رہا ہے ہمارے اس سفر کی ایک مستقل کیفیت یہ ہے کہ وسائل کی فراوانی کبھی نہ رہی اس بار بھی وسائل محدود دیگر عزائم بیکراں ہیں۔ خدا استقلال وبرکت سے بہرہ ور کرے" ۲۷۱

امریکی رسالے "نیوز ویک" سے مماثلت رکھنے والا اردو ہفت روزہ "تکبیر" ایک مکمل سیاسی ہفت روزہ ہے جو اسلام اور نظریۂ پاکستان کی ترجمانی کے فرائض بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ اس میں زیادہ تر تحریریں سیاسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ رسالے کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان مجھے ہے حکم اذاں، تجزیہ، تصویر وطن، سخن طرازیاں، ادبیات، گوشوارہ اور دیگر مضامین شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرویو اور عالم اسلام کے حوالے سے سیر حاصل تجزیاتی مضامین بھی خاصے کی چیز ہوتے ہیں۔ "تکبیر" کی سیاسی، معاشی اور سماجی رپورٹس بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

ہفت روزہ" تکبیر" کے سرورق میں بھی انفرادیت پائی جاتی ہے۔جو چار رنگ میں آرٹ پیپر پر شائع ہوتے ہیں۔ جبکہ باقی صفحات نیوز پرنٹ پر ہوتے ہیں۔ سرورق کی انفرادیت اس کے کاٹ دار اور طنزیہ جملوں سے واضح ہوتی ہے۔ مثلاً: ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کے سرورق پر تحریر جملے کچھ یوں تھے:

" آ گیا، آ گیا، جمہوریت کا زمانہ آ گیا۔ جیلوں کے دروازے کھل گئے۔ ہزاروں مجرم آزاد ہو گئے۔ سزا یافتہ مفرور مجرموں کی واپسی کے لیے ملک کے دروازے بھی کھول دیئے گئے"۔

یعنی" تکبیر" کے نہ صرف اندرونی صفحات، بلکہ سرورق پر بھی مختلف کارٹونوں اور تخلیقی جملوں کی مدد سے حکومت اور اداروں کی کارکردگی پر کڑی نکتہ چینی کی جاتی ہے

" تکبیر " کے اداریئے " مجھے ہے حکم اذاں " کے نام سے شائع ہوتے ہیں۔ یہ اداریئے نہ صرف " تکبیر " کی پالیسی بلکہ اس کے بانی مدیر کے نظریات کے عکاس اور حق وصداقت کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں۔ " تکبیر " ملک وقوم کی بھلائی اور بہتری کے لیے جو کچھ بہتر سمجھتا ہے،،وہ سب اس کے اداریوں میں جھلکتا ہے۔

عوامی مسائل کی بہتر نمائندگی کرتے ہوئے" تکبیر " اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

" عوام بیزار ہیں۔ معاشرے میں پھیلی ہوئی بے انصافی سے، بدامنی سے، بیروزگاری سے، ۱۹۷۰ء سے اب تک عوام نے " سوشلزم ہماری معیشت ہے " اور " نفاذ اسلام ہی ہمارے مسائل کا حل ہے " کی بات کرنے والوں کو آزمالیا۔ صدارتی اور پارلیمانی نظام دیکھ لیے، دستور دیکھ لیا، مارشل لاء دیکھ لیا۔ دستور کا تجربہ ترمیمات سے پہلے بھی کرلیا اور ترمیمات کے بعد بھی۔ ان سب کیفیتوں سے گزرنے کے باوجود معاشرے کو بے انصافی بدامنی اور بیروزگاری سے نجات نہیں ملی" ۲۷۲

سیاسی جماعتوں پر تنقید کرتے ہوئے" تکبیر " کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

" سیاسی جماعتوں کی بے عملی محض منشوروں اور پروگراموں ہی کی حد تک نہیں بلکہ ان کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ ان کے پاس وہ تنظیمی قوت بھی نہیں ہے جو ملک گیر انتخابات کو منظم طور پر لڑنے کے لیے درکار ہے" ۲۷۳

" اسی طرح نہایت بے باکی اور نڈر انداز میں " تکبیر " حکومت اور سیاسی جماعتوں کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

" ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ماضی کی غلطیوں کے اعادے سے بچیئے۔ انتہاپسندی سے گریز کیجئے، اعتدال، رواداری، محبت، خدمت، انصاف، اور اعلیٰ جمہوری اقدار و روایات کے استقرار کی راہ اختیار کیجئے اسی میں آپ کی اور ملک کی بھلائی ہے" ۲۷۴

اس طرح" تکبیر " نے بڑی جرأت کے ساتھ حکومتی افراد، سرکاری اداروں، سیاسی طالع آزماؤں اور نام نہاد عوامی رہنماؤں کے بخیئے ادھیڑے ہیں۔ بعض لسانی گروہ " تکبیر " سے اس حد تک ناراض ہوئے کہ تکبیر کے دفتر پر حملے

ہوئے ،اسے آگ لگائی گئی۔ اس کے ایڈیٹر محمد صلاح الدین کا مکان نذر آتش کردیا گیا اور تقریباً دو برس تک "تکبیر" کو کراچی سے شائع نہ ہونے دیا گیا۔ مجبوراً اسے لاہور کے ایک پریس میں چھپوایا جاتا رہا۔ یہ حربے تکبیر کی مقبولیت کو ختم نہ کر سکے اور وہ روز افزوں ترقی کرتا رہا۔۲۷۵

تاہم بدی کی قوتوں کو حق و سچ کے پیروکاروں کی یہ سعی پسند نہ آئی اور ۳ دسمبر ۱۹۹۴ء کو محمد صلاح الدین کو نامعلوم افراد نے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ ان کی وفات پر ماہنامہ "سائنس میگزین" کراچی کے چیف ایڈیٹر سید قاسم محمود نے لکھا:

"صحافت "سچی صحافت کے جتنے بھی اعلیٰ اصول اب تک پوری انسانیت نے وضع کیے ہیں محمد صلاح الدین ان کی مجسم تصویر تھے۔ صاحب قلم بھی صاحب کردار بھی۔ ان اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور صاحب شہادت بھی ہو گئے اس لیے ان کو "شہید صحافت" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا"۲۷۶

محمد صلاح الدین کے بعد "تکبیر" کی مجلس ادارت میں ثروت جمال اصمعی ، رفیق افغان اور محمد معین الدین کے نام اہم ہیں۔ انکی شہادت کے بعد "تکبیر" کی پالیسی کے حوالے سے اداریے میں تحریر ہے:

"خداوند ذوالجلال کو گواہ بنا کر یہ عہد کرتے ہیں کہ تکبیر ان ہی اصولوں ، ان ہی افکار ، ان ہی نظریات اور ان ہی مقاصد کے لیے کام کرتا رہے گا۔ جو اس کے بانی مدیر اعلیٰ کے پیش نظر تھے۔ ہم گروہی ، طبقاتی ،لسانی ، فرقہ ورانہ اور سیاسی آلائشوں سے بالاتر ہو کر طے شدہ راستوں پر متعینہ منزل کی طرف چلتے رہیں گے۔ "اسلام اور پاکستان" کو اپنی کوششوں کا مرکزی نکتہ بنانے والا ہر فرد ہمارے قبیلے کا فرد ہوگا اور ان مقاصد سے شعوری یا غیر شعوری انحراف کرنے والے صف دشمنان میں پائیں گے "۲۷۷ تکبیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسے ممتاز اور قابل صحافیوں اور لکھنے والوں کا ساتھ حاصل رہا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل ، نصر اللہ خان ، ثروت جمال اصمعی ، جاوید اقبال خواجہ ، مشفق خواجہ ، طاہر مسعود ، متین الرحمٰن مرتضیٰ ، محمد معین الدین اور نثار احمد زبیری اس رسالے کے حلقۂ تحریر میں شامل رہے۔

حقیتاً "تکبیر" کی زندگی کے دو دور ہیں۔ اس کا پہلا دور محمد صلاح الدین کی حق گوئی اور جرأت سے عبارت ہے اور دوسرا دور ان کی شہادت کے بعد تا حال جاری ہے۔ تاہم آج تکبیر ، وہ نہیں ہے جو محمد صلاح الدین کی زیر ادارت نکلتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ محمد صلاح الدین اپنے نظریات میں بہت کٹر تھے۔ تکبیر کی پالیسی بھی ان کے کٹر نظریات کی آئینہ دار تھی۔ مثلاً محمد صلاح الدین پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے مخالف تھے۔ لہٰذا "تکبیر" میں ان دونوں جماعتوں کے خلاف تسلسل سے مواد چھپتا رہا۔ ہر چند کہ یہ مواد اکثر اوقات حقائق پر مبنی ہوتا تھا لیکن یہ بھی ہوتا تھا کہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا تھا اور معروضیت و غیر جانب داری جو اچھی اور معیاری صحافت کا لازمہ ہوتی ہے ، وہ "تکبیر" کے صفحات میں مجروح ہو جایا کرتی تھی۔ "تکبیر" کی سالگرہ کی اشاعت میں اس جانب ڈاکٹر نثار احمد زبیری اور طاہر مسعود نے اپنے مضامین میں توجہ دلائی تو محمد صلاح الدین نے اپنے جوابی مضمون میں لکھا کہ مجھے اعتراف ہے کہ میں غیر جانب دار نہیں رہ سکتا۔ حق اور باطل

کی لڑائی میں میرا قلم ہمیشہ حق کا ہم نوا رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد صلاح الدین اپنے نظریات کے اظہار کے معاملے میں انتہائی بے باک اور نڈر واقع ہوئے تھے اور اس معاملے میں وہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا ابوالکلام آزاد کی قائم کردہ روایتوں کے امین تھے۔

محمد صلاح الدین

۵ جنوری ۱۹۳۵ء کو ہندوستان کے صوبہ یوپی کے شہر میرٹھ میں جنم لینے والے محمد صلاح الدین ایک محنت کش طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان کے افراد میرٹھ میں قینچیوں اور تالوں کی گھریلو صنعتوں سے وابستہ تھے۔ محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود اس خاندان میں علم و ادب سے گہرا لگاؤ پایا جاتا تھا۔

محمد صلاح الدین نے ابتدائی تعلیم پہلی بھیت میں حاصل کی۔ ان کے والد محمد شہاب الدین شکر کے ایک کارخانے میں ملازمت کرتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں ان کے خاندان نے پاکستان ہجرت کی۔ یہاں آتے ہی ان کے والد شدید بیمار پڑ گئے اور محض تیرہ برس کی عمر میں خاندان کی کفالت کا بوجھ محمد صلاح الدین کو اٹھانا پڑا۔ یہاں انھوں نے مختلف کام کیے۔ فٹ پاتھ پر چنے اور مرمرے اور دیگر مٹھائیاں بیچیں، جان فلیمنگ کمپنی میں موٹروں کی صفائی اور ڈینٹنگ پینٹنگ کا کام کیا، نگار انجینئرنگ ورکس میں ملازمت کی اور ساتھ میں اپنی تعلیم بھی جاری رکھی اس کے بعد ہندوستان سینٹری سے منسلک ہو کر پلمبری کا کام سیکھا، رام سوامی ٹاور کے قریب قمر واچ کمپنی میں ملازمت کی اور بعد ازاں اپنے ماموں کے ہمراہ سائیکلوں کی مرمت کا پہلا کیبن لگایا۔

۱۹۵۷ء کا سال محمد صلاح الدین کے لیے تعلیمی لحاظ سے یادگار سال ہے۔ اس سال انہوں نے بیک وقت تین امتحان دیے یعنی انٹر، ادیب عالم اور سی ٹی کا۔ ۸-۱۹۷۷ء سی ٹی کرنے کے بعد انہوں نے سیکنڈری اسکول کیماڑی میں بحیثیت استاد خدمات سرانجام دینی شروع کیں اور اسی دوران بی اے اور بی ایڈ بھی کیا۔ صحافتی زندگی کا آغاز بھی وہ دوران طالب علمی ہی سے روزنامہ جنگ میں مراسلہ نگاری سے کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ کیماڑی اسکول میگزین کی ادارتی ذمہ داریوں میں بھی پیش پیش تھے۔ باقاعدہ طور پر وہ اس شعبے سے فخر ماتری کے اخبار "حریت" کے ذریعے منسلک ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں محمد صلاح الدین نے پرائیویٹ ایم اے (سیاسیات) کیا اور ۱۹۶۸ء میں ایل ایل بی سال اول کا امتحان دیا، تاہم وہ سال دوم کا امتحان نہ دے سکے۔ محمد صلاح الدین کی زندگی اور صحافت کا ایک اہم واقعہ جماعت اسلامی کے روزنامہ "جسارت" میں شمولیت تھا، جس نے ان کے خیالات و نظریات کو کھل کر پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ اپنی صحافتی تربیت کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ:

"چونکہ حریت میری تربیت کا پہلا مرکز تھا، اس لیے میں نے جو کچھ وہاں لکھنا چاہا، لکھا میں نے اس کو ایسی تربیت گاہ پایا، جہاں کسی لکھنے والے کو پیشگی کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کو کیا نہیں لکھنا اور جو کچھ لکھا گیا، نہ کبھی یہ پوچھا گیا کہ آپ نے

یہ بات کیوں لکھی۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جسارت، اخبار" تسنیم" اور اخبار" کوہستان" کی طرح گمنامی کی دنیا میں نہیں کھویا"۲۷۹؎

جسارت سے وابستگی کے دوران محمد صلاح الدین کئی مرتبہ گرفتار ہوئے، تاہم ان کے پایۂ استقلال میں کمی نہ آئی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ء کو انہوں نے اپنے دیگر رفقائے کار کے ہمراہ چند اختلافات کے باعث "جسارت" سے استعفیٰ دے دیا اور ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو اپنی ذاتی جریدہ ہفت روزہ "تکبیر" جاری کیا۔ محمد صلاح الدین ایک محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک غیر معمولی ذہین انسان تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی میں مصائب و آلام کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ زندگی کے ہر دور میں نہایت کٹھن حالات کا سامنا کیا، لیکن کبھی محنت سے جی نہیں چرایا اور نہ حوصلوں میں کمی آنے دی۔ اس حوالے سے لالہ صحرائی لکھتے ہیں:

"میں سوچتا ہوں کہ یارو، یہ شخص آخر کس مٹی کا بنا ہوا ہے کہ اس کے سر سے طوفان گزر رے یا کوئی بیل بلا، سب کا وار اچٹ کر رہ جاتا ہے اور اس کے عزائم کا بال بیکا بھی نہیں ہوتا"۲۸۰؎

محمد صلاح الدین ایک نڈر اور بے باک انسان اور جری صحافی تھے، جنھوں نے زندگی اور پاکستانی معاشرے کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھایا، وہ بہت کچھ کرنے کا عزم رکھتے تھے، لیکن ظالموں نے انہیں اس کی مہلت نہ دی اور انہیں ۴ دسمبر ۱۹۹۴ء کو نہایت بے دردی سے گولی مار کر شہید کر دیا گیا، اس طرح پاکستان کی معیاری صحافت کا ایک چراغ گل ہو گیا۔

فرائیڈے اسپیشل۔ کراچی

۱۹۹۵ء میں کراچی سے ایک ہفت روزہ "فرائیڈے اسپیشل" منظر عام پر آیا۔ جس کے حلقہ ادارت میں یحییٰ بن زکریا، اے کے سعید، احمد ولی مجیب، منعم ظفر خان اور محمد شکیل کے نام شامل ہیں۔

ہفت روزہ "فرائیڈے اسپیشل" سب سے زیادہ پڑھا جانے والا سیاسی و سماجی جریدہ" ہونے کا دعوے دار ہے، جس کی قیمت ۱۵ روپے کے لگ بھگ ہے اور یہ ۶. X۱۰ "۹. ۷ انچ سائز کے تقریباً ۴۲ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔

یہ ایک اہم سیاسی ہفت روزہ ہے جس کے مندرجات میں کشمیر، بھارت اور پاکستان سے متعلق سیاسی مضامین، مختلف سماجی اور قومی مسائل و معاملات پر سیر حاصل اور جامع مضامین اور تبصرۂ کتب وغیرہ شامل ہیں۔ یہ رسالہ مخصوص مذہبی و سیاسی نظریات کا حامل ہے اور مولانا مودودیؒ کی فکر اور نظریات کا علمبردار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اداریوں میں بھی حق و سچ کو اجاگر کرنے میں اختصار سے کام نہیں لیا جاتا۔ خصوصاً حکومت اور امریکہ کے مابین تعلقات کے ضمن میں ایک اداریئے " کوئے ملامت کا طواف" میں فرائیڈے اسپیشل لکھتا ہے:

"پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہی یہی ہے کہ پاکستان میں اقتدار کے مراکز سے تعلق رکھنے والے افراد اور حکمراں اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے امریکی رضامندی حاصل کرنے کی کامیاب اور ناکام کوشش کرتے ہیں۔

جب یہ رضا مندی ناراضی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اقتدار لرزنے لگتا ہے تو پھر امریکہ کے اوپر سازش کا الزام عائد کرتے ہیں۔[۲۸۱]

پوری دنیا کی صورت حال کے تناظر میں "فرائیڈے اسپیشل" کے ایک اداریئے میں تحریر ہے:

"عہد جدید کا ایک نام "بحران" ہے۔ ہر جگہ بحران، عالمی، بحران، علاقائی بحران، داخلی بحران، سیاسی بحران، اقتصادی بحران، سماجی بحران، اخلاقی بحران۔۔۔ بحران ہی بحران۔۔۔ پوری دنیا ہو۔ دنیا کی عالمی طاقتیں ہوں، امریکہ اور یورپ جیسے ترقی یافتہ اور دنیا کے قائد و رہنما ممالک ہوں یا پاکستان جیسے غلام اور ترقی پذیر ممالک سب بحران کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ ان کے عنوانات اور موضوعات ضرور مختلف ہو سکتے ہیں لیکن بحران مشترکہ مرض ہے"[۲۸۲]

"فرائیڈے اسپیشل" مذہبی و سیاسی معاملات پر گہری نظر رکھنے والا رسالہ ہے۔ جس کے سرورق بھی نہایت کاٹ دار، طنزیہ اور حالات حاضرہ سے مطابقت رکھتے ہیں سرورق پر درج جملے نہ صرف سرورق کی تصویر بلکہ رسالے کی پالیسی کو بھی بیان کرتے ہیں

اس رسالے کو نہایت قابل اور جید لکھنے والوں کا تعاون حاصل ہے، جن میں شاہنواز فاروقی، پروفیسر امان اللہ شادیزئی، سید عارف بہار، سلمان عابد اور دیگر ممتاز نام شامل ہیں۔ ادارہ "جسارت" سے منسلک ہونے کی بناء پر یہ رسالہ جماعت اور مولانا مودودی کی فکر کا ترجمان ہے۔ چناں چہ رسالے میں مولانا مودودی کے ارشادات مستقل شائع کیے جاتے ہیں

تجزیہ

"چٹان" سے لے کر ہفت روزہ "تکبیر" تک تمام ہفت روزے ملک کی سیاسی صورت حال کی عکاسی کے علاوہ سیاسی ایشوز پر رائے سازی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

پاکستانی سیاست بالعموم مدوجزر کا شکار رہی ہے۔ سیاسی ہفت روزے بھی سیاسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ ڈوبتے ابھرتے رہے ہیں۔ ملک میں سیاسی گہما گہمی کے زمانے میں ان رسائل کو عروج نصیب ہوتا ہے اور جب سیاسی عمل معطل ہو جاتا ہے تو ان پر نکبت واد بار چھا جاتا ہے۔ اس نوع کے سیاسی رسائل کی ابتداء میاں افتخار الدین کے ادارے پروگریسیو پیپرز لمیٹیڈ کے رسالے "لیل ونہار" سے ہوئی۔ لیکن ایوب مارشل لاء نے شب خون مار کر پروگریسیو پیپرز لمیٹیڈ کو سرکاری تحویل میں لیا تو "لیل ونہار" بھی دم توڑ گیا۔ حالاں کہ فیض احمد فیض اور سبط حسن جیسے دانش ور صحافی اس سے وابستہ تھے۔ سیاسی ہفت روزوں کو صحیح معنوں میں عروج ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ملا۔ دائیں بازو اور بائیں بازو کی نظریاتی کشمکش کے اس پر آشوب زمانے میں دونوں مکتبہ فکر نے سیاسی ہفت روزے جاری کیے۔ ان میں سب سے زیادہ مقبولیت الطاف حسن قریشی کے ہفت روزے "زندگی" کو ملی۔ اس ہفت روزے سے منجھے ہوئے صحافیوں کی ٹیم وابستہ تھی جس میں مجیب

الرحمان شامی، مختار حسن، سعود ساحر، ممتاز اقبال ملک اور سجاد میر شامل تھے۔ان صحافیوں کے کیے ہوئے سیاسی انٹرویوز، سیاسی تجزیے، حالات حاضرہ کی بابت ڈائریاں، مختلف سرکاری محکموں کی بدعنوانیوں کا پوسٹ مارٹم اور اس نوع کے دیگر معلومات افزاء مواد نے "زندگی" کی اشاعت حیرت انگیز حد تک بڑھادی۔بھٹو دور حکومت بھی ایسے سیاسی ہفت روزوں کے لیے سازگار ثابت ہوا۔اور عوام میں ان کی مانگ کو دیکھتے ہوئے بھٹو حکومت نے ان رسائل کو پابندیوں کا نشانہ بنایا۔ان سے وابستہ صحافیوں کو قید و بند کی صعوبتوں سے گذرنا پڑا۔لیکن ان ہفت روزوں نے بھٹو حکومت کے بارے میں اپنا ناقدانہ طرز عمل تبدیل نہیں کیا۔اور نام بدل بدل کر نئے ڈیکلریشن کے تحت منظر عام پہ آتے رہے۔ جنرل ضیاء کے دور میں جب سیاسی سرگرمیاں مدھم پڑی ہوئی تھیں، محمد صلاح الدین کی ادارت میں " تکبیر " نکلا۔اس رسالے نے پیپلز پارٹی اور بعد ازاں ایم کیو ایم کے خلاف اذان حق کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھا جس کے نتیجے میں پہلے تکبیر کے دفتر کو نذر آتش کیا گیا، محمد صلاح الدین کے گھر پہ حملہ ہوا، اسے آگ لگائی گئی اور انجام کار خود محمد صلاح الدین کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ " تکبیر " کے انداز صحافت سے اختلاف رکھنے والے بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ ہفت روزہ صحافت میں اس رسالے نے اظہار حق گوئی میں جس جرأت اور پامردی کی مثال قائم کی اس کی نظیر صحافت کی حالیہ تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

ملک کی سیاسی تاریخ میں ہفت روزہ رسائل نے رائے عامہ کو ہموار کرنے، سیاسی مسائل پر ان کی رائے بنانے اور ان کے سیاسی شعور کو پختہ کرنے میں قابل لحاظ حصہ لیا۔اس کے باوجود ان کی ناکامی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی رسالہ ادارے کا روپ نہ دھار سکا۔مغرب میں "ٹائم" اور "نیوز ویک" کا صحافتی دنیا میں جو مقام ہے اور عالمی سیاست میں ان کا جو اثر ورسوخ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رفیع الشان صحافتی ادارے بن چکے ہیں۔انگریزی زبان میں نکلنے کی وجہ سے پوری دنیا میں ان کی مارکیٹ ہے۔ان کے اعلیٰ تربیت صحافی اور نمائندوں کی ٹیم اہم ملکوں کے اہم شہروں یا دارالحکومتوں میں تعینات ہے۔اس کے برعکس پاکستان کے سیاسی ہفت روزوں نے اپنے معیار کو بلند کرنے، اپنے نمائندوں کی تربیت کرنے، رسالے کی مارکیٹنگ کے لیے جدید طریقوں کو اپنانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔بڑے اخباری گروپوں نے بھی سیاسی ہفت روزہ نکالنے سے اغماض برتا ہے۔سوائے نوائے وقت گروپ کے، جس کا ہفت روزہ "ندائے ملت" باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔لیکن اپنے معیار اور تعداد اشاعت کے لحاظ سے یہ غیر موثر سیاسی ہفت روزہ ہے۔

کیبل ٹیلی ویژن کی آمد اور اس میں ہونے والے ٹاک شوز میں ناظرین کی دلچسپی اور انہاک نیز اخبارات میں میگزین کی اشاعت نے سیاسی ہفت روزوں کے لیے ایک چیلنج کا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ان سیاسی ہفت روزوں کو اگر زندہ رہنا اور قارئین میں مقبول ہونا ہے تو پھر انہیں وہ مواد دینا ہوگا جو قارئین کو ٹیلی ویژن اور اخبارات کے میگزین سے نہ مل رہے ہوں۔

ڈائجسٹ رسائل

دور جدید کا انسان ہر طرح کی معلومات، ایجادات، مسائل، رجحانات وغیرہ سے باخبر رہنے کا آرزومند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے یہ سب کچھ ایک "پیکج" (Package) کی صورت میں میسر ہو۔ انسان کی اسی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کی معلومات اور تفریحات کو ایک جگہ جمع کرنے یا بالفاظ دیگر "ڈائجسٹ" کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔

ایس ایم شاہد، "مطالعۂ صحافت" میں رقم طراز ہیں:

"ڈائجسٹ سے مراد ایسا رسالہ ہے، جس میں علم وادب کے ساتھ ساتھ سیاسی، سماجی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مواد چھپتا ہے۔ سیاسی تجزیے شائع کیے جاتے ہیں۔ سائنسی مضامین کے ساتھ ماضی کی تاریخ کی داستانیں اور تجسس سے بھرپور کہانیاں شائع ہوتی ہیں" ۲۸۳

ڈائجسٹ صحافت کی ایک ایسی صنف ہے جو موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اور ہمارے ارد گرد پھیلا ہوا کوئی بھی موضوع، ڈائجسٹ کے اسلوب اور مزاج میں ڈھل سکتا ہے۔

بقول دوست محمد فیضی:

"صرف ڈائجسٹوں کا ادب ہی ڈائجسٹیبل (قابل ہضم) ہوتا ہے" ۲۸۴

ڈائجسٹ کا مجموعی مزاج نیم ادبی، نیم معلوماتی اور نیم سیاسی ہوتا ہے۔ ان کا اسلوب واضح طور پر دلچسپ اور حیرت ناک، سبق آموز اور عبرت ناک واقعات اور کہانیوں پر مبنی ہوتا ہے جو عام قارئین کے ذوق کی چیزیں ہوتی ہیں۔ موضوعات کے تنوع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں شخصیات اور انٹرویو سے لے کر تاریخ، جغرافیہ، طنز و مزاح، سائنس، حیوانی عجائبات، انہونے واقعات، افسانے، طب و حکمت، کلاسیکی ادب، تاریخ اسلام، آپ بیتیاں، یادداشتیں، مطالعہ کائنات، پراسرار کہانیاں، سفرنامے، جرائم، آثار قدیمہ، کتاب خانے، کھیل، جاسوسی کہانیاں، سیاست، ازدواجیات، جنگ، حیوانات، رپوتاژ، شکاریات، تبصرہ کتب، سائنسی معلومات، اخلاقیات، جنسیات، موسیقی، ڈراما، رومان، کارٹون، ناول، مکاتیب، سوانح عمریاں، غنائیات، پاکستانیات اور ایسے ہزاروں موضوعات شامل ہیں جو کسی بھی طرح کے ڈائجسٹ کے اسلوب اور مزاج میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ۲۸۵

ڈائجسٹ صحافت کی داغ بیل مشہور انگریزی جریدے "ریڈرز ڈائجسٹ" کے ذریعے پڑی جو ۱۹۲۱ء میں جاری ہوا، جس کی اشاعت آج بھی ایک کروڑ سے زائد ہے۔ اس جریدے نے صحافت کو ایک بالکل نیا رخ دیا۔ یہ جریدہ نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا میں مقبول ہے۔ اور اس کی کروڑوں کی تعداد میں کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔

"ریڈرز ڈائجسٹ" کی تقلید میں روس سے بھی "سپوتنک ڈائجسٹ" جاری کیا گیا تاہم اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ مغرب میں ڈائجسٹ رسائل کے فروغ میں بنیادی طور پر یہ حقیقت کارفرما تھی کہ آج کا مصروف انسان دنیا

کے وسیع ذخیرۂ علوم، ادب، ایجادات، مسائل، رجحانات اور تحریکوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا آرزومند ہے۔ لیکن یہ سب معلومات اور علوم اس کے وسائل کی دسترس سے باہر ہیں، چنانچہ اس قسم کی منتخب معلومات کو ڈائجسٹ رسائل کی صورت میں پیش کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔۲۸۶

پاکستان میں ڈائجسٹ کا آغاز بنیادی طور پر اشفاق احمد کے "داستان گو" (۱۹۵۷ء) سے ہوتا ہے۔ لیکن اس کا نام ڈائجسٹ نہیں تھا۔ "داستان گو" بنیادی طور پر ادبی مزاج کا رسالہ تھا، تاہم اس میں نیم صحافتی اور معلوماتی مواد کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔۲۸۷

اردو میں "ڈائجسٹ صحافت" کی ابتداء "اردو ڈائجسٹ" سے ہوئی جسے الطاف حسین قریشی اور اعجاز حسن قریشی نے ۱۹۶۰ء میں جاری کیا اور اس کے ساتھ ہی پورے برصغیر میں یہ صنف اتنی مقبول ہوئی کہ ایک سیلاب آ گیا۔ "اردو ڈائجسٹ" نے نئے ڈائجسٹ رسالوں کے لیے راہ ہموار کی اور ان کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ اردو ڈائجسٹ کے اجراء کے بعد اب تک پاکستان میں ۸۰ سے زائد ڈائجسٹوں کے اجراء کے شواہد ملتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ہنوز جاری ہیں اور اپنی مقبولیت برقرار رکھے ہوئے ہیں جبکہ کچھ نامساعد حالات کے باعث اپنی بقاء کی جنگ نہ لڑ سکے اور رفتہ رفتہ روبہ زوال ہو گئے لیکن قارئین کے دلوں میں اپنا نام ونشان ضرور چھوڑ گئے اور اپنے مضامین کے ذریعے قارئین پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

پاکستان کے چند مشہور ومعروف ڈائجسٹ مندرجہ ذیل ہیں:

اردو ڈائجسٹ، سیارہ ڈائجسٹ، حکایت ڈائجسٹ، فوجی ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ، خواتین ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، انشاء عالمی ڈائجسٹ، سب رنگ ڈائجسٹ، دوشیزہ ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، سائنس ڈائجسٹ، الف لیلہٰ ڈائجسٹ، بچوں کا ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، زرعی ڈائجسٹ، ہمدرد ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، عمران ڈائجسٹ، پاک ڈائجسٹ، مون ڈائجسٹ، اسلامی ڈائجسٹ، داستان ڈائجسٹ، ویمن ڈائجسٹ، طبی ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ وغیرہ۔

ان ڈائجسٹ رسالوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جنھوں نے مختلف ادوار میں قارئین کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ یہ ڈائجسٹ رسالے ماہناموں کی صورت میں نکلتے ہیں۔ کوئی ایسا ڈائجسٹ نظر سے نہیں گزرا جو دو ماہی یا سہ ماہی ہو۔ ان میں سے بیشتر کا اجراء کراچی یا لاہور سے ہوا۔ پاکستان کے دیگر شہروں مثلاً بہاولپور، اور راولپنڈی سے ایک آدھ ڈائجسٹ کے اجراء کا سراغ ملتا ہے جبکہ بلوچستان اور کوئٹہ سے کسی ڈائجسٹ کے جاری ہونے کے شواہد نہیں ملتے۔

سائز کے اعتبار سے تقریباً تمام ڈائجسٹ رسالے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تقریباً یکساں ہی ہوتے ہیں۔ صفحات کی تعداد ۹۰ سے ۳۵۰ کے درمیان ہوتی ہے۔ تاہم کسی خاص نمبر کی اشاعت کے باعث یہ بھی دیکھا گیا کہ صفحات کی تعداد ۳۵۰ سے تجاوز کر گئی، تاہم ایسا بہت کم ہوا۔ ڈائجسٹوں کی قیمتوں کے حوالے سے مختلف ادوار میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ کم سے کم قیمت ۲۵ پیسے سے شروع ہو کر اب زیادہ سے زیادہ قیمت ۴۰ سے ۵۰ روپے تک پہنچ چکی ہے۔۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کون سی خوبی ہے جس کی بناء پر ڈائجسٹوں نے پاکستانی قارئین، خصوصاً خواتین کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

اس کا سب سے پہلا جواز تو یہ ہے کہ یہ ڈائجسٹ عوام کو تفریح فراہم کرنے میں پیش پیش ہیں بقول مختار زمن:

"ڈائجسٹ ہمارے عوام کے قریب ہیں۔ جو مصنف ان میں لکھتے ہیں، وہ عوام کے لیے تفریح اور علم فراہم کر کے ایک اہم ضرورت پوری کرتے ہیں "۲۸۸

ڈائجسٹ ہمارے معاشرے میں اردو زبان کی ترویج میں ہمیشہ سے پیش پیش رہے ہیں۔ حتیٰ کہ کم پڑھے لکھے افراد اور گھریلو خواتین بھی ان ڈائجسٹوں کی بدولت لکھنا پڑھنا سیکھ گئے ہیں اور دوسروں کو باآسانی اپنی بات سمجھا سکتے ہیں۔۲۸۸

مضامین تو بہت سے اخباروں اور رسالوں میں بہ کثرت شائع ہوتے ہیں لیکن ڈائجسٹ رسالے اردو کی ترویج و توسیع میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ڈائجسٹوں کے پلیٹ فارم سے بے شمار لکھنے والے ابھرے ہیں اور انھوں نے اپنی جگہ بنائی ہے ان میں زیادہ تعداد خواتین قلم کاروں کی ہے جنھوں نے اپنی جیسی دیگر خواتین کے دکھ اور مسائل کو سمجھتے ہوئے اپنے قلم کے ذریعے ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی اور عوام تک ان مظلوم خواتین کی آواز پہنچائی۔

پاکستان کی نصف سے زیادہ کی آبادی پر مشتمل یہ خواتین جہاں گھریلو کام کاج کرتی ہیں، وہیں گھر سے باہر نکل کر معاشی میدان میں بھی اپنے اور اپنے خاندان کی کفالت کے فرائض سرانجام دیتی ہیں، تاہم یہ تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی خواتین تعلیم جیسے بنیادی حق سے بھی یک سر محروم کر دی جاتی ہیں۔ ان حالات میں خواتین کے پاس علم و آگہی حاصل کرنے اور تفریح حاصل کرنے کا واحد ذریعہ صرف ذرائع ابلاغ ہی رہ جاتے ہیں اور اس ضمن میں ڈائجسٹ اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ یہ معمولی پڑھی لکھی خواتین (جو اردو لکھنا پڑھنا جانتی ہوں) کے لیے تفریح کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔

ہماری خواتین نہایت جذباتی اور حساس ہیں اور وہ ڈائجسٹوں کے مطالعے میں گم ہو کر، خود کو کچھ دیر کے لیے اپنے اردگرد پھیلی مشکلات و پریشانیوں سے دور محسوس کرتی ہیں۔ گھریلو الجھنوں، غربت، معاش، اور دیگر مسائل کی چکی میں پسی ہوئی یہ مظلوم خواتین ڈائجسٹ میں تحریر کردہ کسی ناول یا افسانے کے کردار میں کھو کر نہایت خوشی اور سکون محسوس کرتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اس دور میں کچھ دیر کا سکون بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔

بقول ڈاکٹر شفیق جالندھری:

"اس دور جدید کی بے فیضی، اس حقیقت سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ جدید دور ایک تھکا دینے والا اور مصروف ترین دور ہے، جس میں انسان اپنی روزی کمانے کے لیے اور دولت کی ہوس کو مٹانے کے لیے مشینوں کی طرح مصروف رہتے ہیں۔ جدید دور مادہ پرستی کا دور ہے۔ جس میں روحانی اقدار اور قناعت کی صفات ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ زندگی ایک بھاری

پتھر کی طرح بوجھل بن گئی ہے۔ عام لوگ ایک نادیدہ عفریت کے چنگل میں پھنس چکے ہیں اور اس طرح سے ایک ایسا سیل رواں جاری ہو گیا ہے، جس نے انسانی ذہن کو پریشاں نظری کے مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہماری روحانی خوشیاں اور ذہنی سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے"۲۸۹ؔ

یہی وجہ ہے کہ ڈائجسٹ پڑھنے والے قارئین کی کثیر تعداد خواتین پر مشتمل ہوتی ہے بعض لوگ ڈائجسٹ کی صحافت کی مقبولیت کو قارئین خصوصاً خواتین کا ذہنی فرار قرار دیتے ہیں، تاہم یہ تاثر درست نہیں۔ اگرچہ ڈائجسٹوں میں رومانویت سے بھرپور ناول اور تفریح فراہم کی جاتی ہے تاہم ان ڈائجسٹوں کے اکثر کردار ہمارے اردگرد موجود ہوتے ہیں۔ یہ ڈائجسٹ معاشرتی رویوں، رشتوں، الجھنوں، اتار چڑھاؤ اور دیگر نجی معاملات کو کہانیوں کی صورت میں ڈھال کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شعروشاعری کی صورت میں قارئین کے ذوق کی تسکین کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کو آرائش حسن، صحت اور گھر گرہستی جیسے شعبہ جات سے متعلق بھی خاطر خواہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

رومانی، جاسوسی اور دیومالائی کہانیوں پر مبنی ڈائجسٹوں کے علاوہ پاکستان میں شائع ہونے والے تقریباً تمام ڈائجسٹ قارئین کا اپنا حلقۂ رکھتے ہیں۔ ایک نیا رجحان ڈائجسٹوں میں شامل ہونے والے ناولوں کی ڈرامائی تشکیل کا ہے، جس کے باعث قارئین ان ناولوں کے کرداروں کو پردۂ اسکرین پر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہونے والے ناول مثلاً دل، دیا، دہلیز، ناجیہ، لاحاصل، دل پھولوں کی بستی، تھوڑا سا آسمان، میرے پاس پاس، ہم سفر، متاع جاں ہے تو، داستان، بانو، پیاسی، دل آباد اور کوئی لمحہ گلاب ہو جیسے ناول ڈائجسٹوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے بعد ڈراموں کی شکل میں ناظرین خصوصاً خواتین سے داد و تحسین سمیٹ چکے ہیں۔ اور یہ ان کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

الغرض پاکستان میں ڈائجسٹ نے اپنے آغاز سے لے کر آج تک مقبولیت کے جھنڈے گاڑے رکھے ہیں۔ ان کی پسندیدگی میں اب تک کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ خواتین کے لیے مخصوص ڈائجسٹ اب مرد حضرات بھی پڑھنے لگے ہیں، جس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ، ہماری زندگیاں کس قدر تناؤ کا شکار ہیں۔ ہم تھوڑی سی تفریح کے لیے ترسنے والے لوگ خود کو ڈائجسٹوں میں مشغول کر کے شاید وقتی فرار کی راہ پر ہی گامزن ہیں۔ یہ سلسلہ کہاں تھمے گا اور کب تک چلے گا، کچھ کہنا شاید قبل از وقت ہے۔

ذیل میں اُن چند اہم ڈائجسٹ رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ، اور مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

عالمی ڈائجسٹ۔کراچی

۱۹۵۶ء میں کراچی سے جون ایلیا اور زاہدہ حنا کی ادارت میں ایک ادبی پرچہ ماہنامہ "انشاء" کا اجرا ہوا۔ جسے ۱۹۵۸ء میں "انشاء ادبی ڈائجسٹ" کا نام دیا گیا اور کچھ ہی عرصے بعد یہ "عالمی ڈائجسٹ" کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ شکیل عادل زادہ نے عالمی ڈائجسٹ کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔

"عالمی ڈائجسٹ" کے مندرجات میں مہم جوئی، نفسیات، تصویری فیچر، سیاست، مشرقیات، سماجیات، شخصیات، معاشیات، شکاریات، حادثات، لطائف، آثار قدیمہ، کھیل، رومان، سرگزشتیں، معلومات عامہ، سفرنامے، آرٹ، افسانے، فلم، تلخیص، اقوال، عجائبات اور دنیا کی دلچسپ اور حیرت انگیز خبریں شامل ہوتی تھیں۔

"عالمی ڈائجسٹ "ایک ادبی معیار کا ماہنامہ تھا، جس کے اداریوں میں زبان و ادب کے محاسن بھی نمایاں ہوتے تھے ایک اداریہ بہ عنوان "ڈرنے کی ضرورت نہیں" میں تحریر ہے:

"بعض حلقوں میں کچھ اس قسم کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں کہ مغربی پاکستان میں علاقائی زبانوں کا مستقبل تاریک ہے اور اردو کی ملک گیر حیثیت کی قیمت پر علاقائی زبانوں کا سودا نہیں کیا جائے گا"اردو کوئی علیحدہ زبان نہیں۔زبانوں کی زبان ہے اور اس کے اطلاق پر یوں زور دیا جاتا ہے کہ یہی وہ مشترکہ سکہ ہے جو ہر گوشے میں قابل قبول ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں یا ہوگئی ہیں۔علاقائی تہذیبوں کو اردو سے نہیں ڈرنا چاہئے کہ اردو، انگریزی کے مقابلے میں ان کے لیے زیادہ سودمند ثابت ہوسکتی ہے"۲۹۰

زبان و ادب کے ساتھ ساتھ اس رسالے میں جرم وسزا اور دیو مالائی قصہ کہانیوں کو بھی جگہ دی گئی۔ اس حوالے سے ایک اداریئے میں لکھا گیا:

"یہ شمارہ بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہی دلچسپ کہانیاں، وہی معلوماتی مضامین، چند ایسی آپ بیتیاں جن کی توجیہ وتشریح کی ضرورت ایک زمانے سے ہے۔ ان واقعات کی اشاعت سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ زندگی کے اس پہلو پر بھی بڑے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ گو منطق و عقل کی کوئی دلیل ان پر لاگو نہیں ہو پارہی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم زندگی میں پیش آنے والے ان ناقابل قیاس حادثوں پر سوچ کے دروازے بند کر دیں"۲۹۱

اسی طرح ایک اداریہ بہ عنوان "پر اسرار ادب" میں دیو مالائی قصے کہانیوں کے حق میں دلائل دیتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"یورپ میں پراسرار کہانیوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہے اور انہیں ادب کی باقاعدہ صنف کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہے کہ ہمارے ہاں ان موضوعات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارا خیال ہے ادب کو ایک خاص دائرے میں محدود کردینے والے حضرات، ادب کے ساتھ ظلم کررہے ہیں۔ادب ہمہ گیر ہے۔ پراسرار موضوعات بھی ہمارے معاشرے کے موضوعات ہیں ہم جیسے انسانوں کے ساتھ آئے دن یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ سب وہم

ہے یا واقعی کوئی ان دیکھی قوت ان واقعات کی پشت پناہی کر رہی ہے کوئی شبہ نہیں کہ ان واقعات کی اشاعت نے وہم کی بنیادوں کو کمزور کیا ہے اور مزید تحقیق و تفتیش کے راستے متعین کیے ہیں۔ ادب برائے زندگی کے علمبردار زندگی کے بعض اہم ترین پہلوؤں کو کیوں نظر انداز کر جاتے ہیں؟ ہمیں شکایت ہے کہ ہمارے مصنفین نے زندگی سے انصاف نہیں برتا۔ اس کے بعض گوشوں سے تعصب روا رکھا ہے" ۲۹۲؎

الغرض ایک ادبی ماہنامے کی صورت منظر عام پر آنے والے "عالمی ڈائجسٹ" نے بعد ازاں قصے کہانیوں اور جرم وسزا کے ساتھ ساتھ کارٹون اور لطائف کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی اور کچھ ہی عرصے میں قارئین کی ایک بڑی تعداد میں مقبول ہو گیا۔

اردو ڈائجسٹ۔ لاہور

۱۹۶۰ء میں لاہور سے پاکستان کے پہلے ڈائجسٹ "اردو ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا، جس کی مجلس ادارت میں ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی، الطاف حسن قریشی، امین اللہ وثیر، ظفر اللہ خان اور طاہر قادری شامل تھے۔

اردو ڈائجسٹ کے آغاز کے حوالے سے مقبول جہانگیر لکھتے ہیں:

"اکتوبر ۱۹۵۸ء میں برادرم ملک حامد اللہ خان اور راقم نے مل کر ایک خوبصورت پرچہ "باغ و بہار" کے نام سے نکالا۔ یہ وہی مہینہ تھا جب پاکستان کو ایوب خان کی طرف سے مارشل لاء تحفہ میں ملا تھا۔ باغ و بہار کو ہم نے خزاں کے ہاتھوں سے بچانے کی بڑی کوشش کی لیکن یہ مسلسل مرجھاتا چلا گیا اور اس سے پیش تر کہ یہ خس وخاشاک میں بدل جاتا، حامد صاحب نے ایثار سے کام لے کر اسے اردو ڈائجسٹ، کی صورت میں نئی زندگی بخش دی۔ تسنیم بند ہو جانے کے بعد حامد صاحب کے بڑے بھائی ظفر اللہ خان صاحب کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ بہر حال ضروری تھا۔ ادھر ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی صاحب اور ان کے بڑے بھائی الطاف حسن قریشی صاحب بھی علم وادب کی دنیا میں قدم رکھنے کے لیے بے تاب تھے لہٰذا یہ اتحاد ثلاثہ رنگ لایا اور ان تینوں نے آپس میں لکھا پڑھی کے بعد اردو ڈائجسٹ کی اشاعت کا آغاز کر دیا" ۲۹۳؎

آغاز میں اس ڈائجسٹ کے کل صفحات ۱۶۰ اور قیمت سوا روپیہ تھی یہ ڈائجسٹ انگریزی "ریڈرز ڈائجسٹ" سے متاثر ہو کر نکالا گیا تھا۔ پیرائیہ آغاز میں مقصد اشاعت کے تحت لکھا گیا کہ:

"جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری زبانوں سے واقف لوگ بڑی آسانی کے ساتھ ایک ڈائجسٹ کے ذریعے وسیع معلومات حاصل کر لیتے ہیں، اس کا باقاعدہ مطالعہ کرتے رہنے سے وہ ایک باخبر شہری بن رہے ہیں اور ہمارا اردو دان طبقہ بھی اس مقصد کے لیے غیر ملکی زبانوں کے ڈائجسٹ مطالعہ کرنے پر مجبور ہیں تو ہم اپنی کم مائیگی اور وسائل کی کمی کے باوجود اردو زبان میں ایک اعلیٰ معیاری ڈائجسٹ نکالنے کی ہمت کر لیتے ہیں"۔ ۲۹۴؎

"اردو ڈائجسٹ" نے اپنے دل چسپ اور معلومات افزاء مشتملات کی بدولت بہت جلد قارئین میں اپنی جگہ بنالی۔ اس کے مندرجات میں اسلامی، سیاسی، علمی وادبی شخصیات کے انٹرویو مضامین، تلخیص کتب، طب وصحت، مہم جوئی، سائنسی مضامین، زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں معلومات، مشاہیر کے متعلق معلومات، شکاریات، شعر وادب، طنز و مزاح، یادرفتگاں، افسانے وکہانیاں، آپ بیتیاں، سچی کہانیاں، تبصرہ کتب، چمن خیال (قارئین کے خطوط) اور پوری دنیا کی دل چسپ معلومات وغیرہ شامل ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی "اردو ڈائجسٹ" کے اجراء کے حوالے سے کہتے ہیں:

۱۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ اردو زبان میں ایسا جریدہ شائع کیا جائے، جسے گھر کا ہر فرد بلا جھجک پڑھ سکے۔

۲۔ ہم قوم کو ثابت کرانا چاہتے تھے کہ اردو زبان کتنی وسعت رکھتی ہے جو ہر شعبۂ علم کے اظہار کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

۳۔ اسلام جو پاکستان کا نظریہ حیات ہے، اس کے متعلق قارئین کو سہل اور مستند معلومات فراہم کی جائیں۔

۴۔ مشرق سے مغربیت ختم کرنے کے وہ کمزور پہلو جس سے انسانیت متاثر ہو رہی تھی، ان کو اجاگر کرنا۔

۵۔ کمیونزم کے نظریے کی کمزوری اور اس سے انسانیت کو پہنچنے والے نقصانات کو مدلل انداز میں پیش کرنا۔۲۹۵؎

"اردو ڈائجسٹ"، الطاف حسن قریشی کے بے باک اداریوں کی وجہ سے قارئین میں خاصا مقبول ہوا۔ اس کے اداریے بہت کاٹ دار اور بے لاگ ہوتے تھے۔ جن میں قوم کی فکری، سیاسی نشوونما کا سامان ہوتا تھا۔ مثلاً ایک اداریہ بہ عنوان "آزادی کی جوہری طاقت" میں تحریر ہے:

"ایک آزاد قوم آزمائشوں سے گھبرانے کے بجائے ان کے اندر سے آگے بڑھنے کے راستے بناتی ہے جبکہ ایک غلام قوم پہلے ہی مرحلے پر مایوسی اور شکست خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور مدد کے لیے دوسروں کی طرف دیکھتی ہے"۲۹۶؎

مزید تحریر کیا گیا ہے:

"پاکستانی قوم اس اعتبار سے اور بھی خوش قسمت ہے کہ وہ تاریخ وتہذیب کے علاوہ لازوال دینی رشتوں میں منسلک ہے۔ اس کے مقاصد جلیل اور اس کے تصورات عظیم ہیں"۲۹۷؎

"اردو ڈائجسٹ" کی ایک اہم خصوصیت اس میں چھپنے والے قارئین کے خطوط تھے۔ جو اداریوں اور دیگر مضامین کی مانند کاٹ دار اور چبھتے ہوئے ہوتے تھے۔ رسالے میں شامل ایک خط کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"جنوبی ایشیا کو ایک بڑی ایٹمی جنگ سے بچا لینے والے اپنے پاکستانی حکمرانوں سے ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ جب ہمارے سر پر امریکہ بہادر کا دست شفقت موجود ہے تو پھر فوج رکھنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ یہ فوج بعض اوقات آپ لوگوں کا کام بڑھا دیتی ہے۔ وہ کئی علاقے دشمن سے چھین لیتی ہے اور آپ لوگوں کو وہ علاقے دوبارہ دشمنوں کو واپس کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے، لہذا فوج کو تو ختم کر دیجئے"۲۹۸؎

"اردو ڈائجسٹ" نظریاتی طور پر جماعت اسلامی کا حامی تھا اور یہ چیز اس ڈائجسٹ کے مضامین اور تبصروں سے بہ خوبی جھلکتی تھی۔ یہ ڈائجسٹ اپنے تبصروں، تجزیوں مضامین اور پالیسی کی بناء پر مختلف ادوار میں، پریس قوانین کی زد میں آتا رہا۔ بالخصوص ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں اس پر کئی کٹھن مرحلے آئے اور ۱۹۷۲ء میں اس پر پابندی لگادی گئی اور مجلس ادارت کے صدر ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی اور مدیر مسئول الطاف حسن قریشی کو گرفتار کرلیا گیا۔ بھٹو دور میں متعدد مرتبہ اردو ڈائجسٹ پر پابندی لگی اور مدیران بھی زیر عتاب آئے مگر انھوں نے اصولوں پر سودے بازی نہ کی۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے ابتدائی دنوں میں ایک اداریئے پر جنرل ضیاء الحق ناراض ہوگئے اور الطاف حسن قریشی کو گرفتار کرلیا گیا تاہم بعد میں ضیاء الحق سے ان کی ہم آہنگی ہوگئی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔۲۹۹

"اردو ڈائجسٹ" نے نہ صرف پاکستان میں ڈائجسٹوں کی صنعت کو متعارف کروایا بلکہ مجلّاتی صحافت میں بھی ایک مقبول عام تجربہ کیا۔ اس ڈائجسٹ کو نامور لکھنے والوں کا تعاون حاصل رہا جن میں مقبول جہانگیر، مجیب الرحمٰن شامی، ضیاء شاہد، آباد شاہ پوری کے علاوہ امتیاز علی تاج، مرزا ادیب، ضمیر جعفری، شفیق الرحمٰن، وزیر آغا، ممتاز مفتی، حفیظ جالندھری، فضل احمد کریم، فضلی اور فرخندہ لودھی جیسے ادباء شامل ہیں۔

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت ڈالتے ہوئے "اردو ڈائجسٹ" نے آزادی نمبر، رسول نمبر اور سالنامے شائع کیے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اردو ڈائجسٹ قارئین میں اتنا مقبول ہوا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب اس کی اشاعت ستر ہزار سے بھی زیادہ ہوگئی۔۔ ابتداء میں یہ رسالہ ایک ادبی پرچے کی صورت میں ابھرا لیکن بعد میں سیاسی مضامین اور تبصرے ہی اس کی جان کہلانے لگے۔ یہ ایک اعلیٰ معیار کا ڈائجسٹ ہے جس نے پاکستان میں نئے ڈائجسٹ رسالوں کے اجراء کے لیے راہ ہموار کی۔ ڈائجسٹ صحافت کے ضمن میں اردو ڈائجسٹ کو اگر پیش رو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اردو ڈائجسٹ آج کل بھی اسی آب و تاب سے نکل رہا ہے۔ اس طرح اس کا شماران رسائل میں کیا جاسکتا ہے جنھوں نے طویل عمر پائی ہے اور اپنا ایک مستقل حلقۂ قارئین بنا رکھا ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ۔ لاہور

فروری ۱۹۶۳ء میں لاہور سے "سیارہ ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا۔ جس کی ادارت مولانا نعیم صدیقی انجام دیتے تھے۔ ماہ نامہ "سیارہ" کی توسیع یہ ڈائجسٹ "اردو ڈائجسٹ" کا ہم پلہ تصور کیا جاتا تھا۔

پہلے شمارے کے اداریہ بہ عنوان "دستک" میں تحریر ہے:

"اس دور میں ہر کوئی اکیلا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس معنی میں آپ دوستوں کے ساتھ اور بیوی بچوں کے درمیان اکیلے ہی رہتے ہیں۔ لیجئے کوئی دستک دے رہا ہے۔ آپ چونکے آپ کے کام میں حرج، آپ کے آرام میں خلل، آپ کی سوچ بچار میں مداخلت مگر کیا معلوم وہ آپ کے لیے کوئی اچھا دوست نکلے آپ کے اس دور تنہائی کا مداوا ثابت ہو، اٹھیے نو وارد کا سلام قبول کیجئے

اور دروازہ کھول دیجئے۔ دل کا دروازہ۔۔۔۔ سیارہ ڈائجسٹ نوجوانوں کی ایک ٹیم کی پیش کش ہے اس کے اجراء کا اصل مقصد دنیا، زندگی اور انسانیت کے متعلق مفید علم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے۔ زندگی بسر کرنے، زندگی کو صحت مند بنانے اور زندگی سے پورا پورا حصہ پانے کے لیے آج انسان کو بے شمار معلومات کی ضرورت ہے۔ سیارہ ڈائجسٹ ان ضروری معلومات کو ایسے لطیف پیرایہ میں پیش کرنا چاہتا ہے کہ بوڑھے اور بچے خواص اور عوام، شہری اور دیہاتی، سب کے سب ان کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔۔۔"۳۰۰

"سیارہ ڈائجسٹ" کی ابتدائی مجلس ادارت میں سلیم کیانی، غلام حسین اظہر، نوید الاسلام نہال لاہور اور عزیز احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ بعد میں سید قاسم محمود، خورشید عالم، سراج نظامی، عنایت اللہ، مقبول جہاں گیر، انور مسعود خالد، ایوب قریشی، جلال انور، اظہر جاوید، عطش درانی، بشیر حسین جعفری، اور ابو ضیاء بھی اس ڈائجسٹ کی ادارت میں حصہ بٹاتے رہے"۔

اس رسالے کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان دستک، تاریخ اسلام، کلاسیکی ادب، افسانے، طنز و مزاح، عجائبات، کائنات، سائنسی مضامین، تاریخ، پراسرار کہانیاں، سیاحت، نسائیات، طب، حکمت، قطعات اور دیگر دلچسپ سلسلے شامل ہوتے تھے۔

اس ڈائجسٹ میں اسلام اور ملک سے محبت کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً معیاری مضامین اور تحریریں شامل کی جاتی تھیں۔ خصوصاً قرآن مجید اور دوسرے اسلامی موضوعات پر جو ٹھوس مواد سیارہ ڈائجسٹ نے پیش کیا، وہ صرف اسی کا حصہ رہا۔ اس ڈائجسٹ کے ادارتی صفحے پر درج جملہ کچھ یوں تھا:

"کیاری کیاری سے چنے ہوئے پھولوں کا گلدستہ"

"سیارہ ڈائجسٹ" عوامی مذاق کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا جاتا تھا۔ اور تفریحی و معلوماتی ادب کا ایک عمدہ امتزاج تھا۔ جس میں جا بجا اردو ڈائجسٹ" کی مخصوص جھلک بھی نظر آتی تھی۔

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت کو سیارہ ڈائجسٹ نے توسیع دی اور قرآن نمبر، رسول نمبر، خلفائے راشدین نمبر، انبیاء کرام نمبر، جہاد نمبر، حج نمبر، صحابہ کرام نمبر، کشمیر نمبر، قذافی نمبر، چودہ صدیاں نمبر، مشرق وسطی نمبر، آپ بیتی نمبر، طنز مزاح نمبر اور مودودی نمبر جیسے خاص نمبر شائع کر کے ڈائجسٹ صحافت میں ایک نئے رجحان کو پروان چڑھایا۔ ان خاص نمبروں میں اپنے وقت کے نامور قلم کاروں اور ادیبوں کی تحریریں شامل کی جاتی تھیں۔ ان میں خصوصاً قرآن نمبر اور رسول نمبر کی آج بھی قارئین میں مانگ ہے

سیارہ ڈائجسٹ کا ادارتی شعبہ وقتاً فوقتاً مختلف تبدیلیوں کا شکار ہوتا رہا، لیکن اس ڈائجسٹ کے مقاصد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اس نے عوام کی ذہنی و فکری نشو و نما میں اپنے کردار سے کبھی روگردانی نہیں کی۔

"سیارہ ڈائجسٹ" کو عکس سیرت کے حوالے سے ایک ایسی شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہے جو اس سے پہلے فارسی میں "محمد ﷺ پیغمبری کہ از نو باید شناخت" کے نام سے ایران میں چھپ چکی ہے۔ جس میں سرور کائنات ﷺ کے ایام طفولیت، ان کی نجی اور گھریلو زندگی، پیغمبری صفات اور عسکری ذہانت کے بارے میں بعض ایسے مخفی پہلو سامنے آتے ہیں جو پڑھنے والوں کے قلب و ذہن کو ایمان کی روشنی سے منور کرتے ہیں۔ یہ تاریخی حقائق پر مبنی شاندار کتاب ہے۔ ۳۰۱

الغرض "سیارہ ڈائجسٹ" نے نہ صرف تفریح طبع کا سامان مہیا کرنے بلکہ حب الوطنی اور اسلامی تعلیمات کا پرچار کرنے میں بھی اپنا کردار نہایت حسن و خوبی سے انجام دیا اور سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جنگ ستمبر اور سقوط ڈھاکہ کے بعد پیش کیے جانے والے مضامین نے قارئین کی ہمت و حوصلہ بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور نہ صرف مضامین بلکہ کتابت و طباعت میں بھی معیار پر سمجھوتہ نہ کیا۔ "سیارہ ڈائجسٹ" ایک مقبول و معروف اردو ماہنامہ ہے جسے مدتوں مجلّاتی صحافت میں یاد رکھا جائے گا۔

حکایت ڈائجسٹ

ستمبر ۱۹۶۸ء میں لاہور سے ماہنامہ "حکایت" جاری ہوا۔ اگر چہ اس کے نام کے ساتھ لفظ ڈائجسٹ استعمال نہیں ہوتا تھا۔ تاہم اپنے مندرجات کے اعتبار سے یہ ڈائجسٹ ہی تھا، جس کی ادارت کے فرائض عنایت اللہ ادا کرتے تھے جبکہ نگراں خورشید عالم تھے۔

عنایت اللہ پہلے پہل "سیارہ ڈائجسٹ" سے منسلک تھے، بعد میں انہوں نے "سیارہ ڈائجسٹ" سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا ماہنامہ ڈائجسٹ "حکایت" نکالا۔ "اوراق حکایت" میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد نوجوانوں کو صاف ستھرا ادب فراہم کرنا اور انہیں ایسی ذہنی پراگندگی سے بچانا ہے جو انہیں سیاسی اور اخلاقی قدروں سے منحرف کر رہا ہے۔ "۳۰۲

اس ڈائجسٹ رسالے کے ذریعے ادب اور اسلامی شعائر کو اجاگر کرنے کے علاوہ قارئین خصوصاً نوجوانوں میں پاکستانیت اجاگر کر کے انہیں فحاشی اور دیگر برائیوں کی طرف راغب ہونے سے روکنا تھا۔

"حکایت" کے مندرجات میں سیاسی، اصلاحی، اسلامی مضامین، تبصرے، کہانیاں، تاریخ، طب و نفسیات، سائنس، شکاریات، شعر و شاعری، جاسوسی کہانیاں، حیوانیات، زراعت، بچوں کے صفحات، کتابوں پر تبصرے، رپورٹس، دل چسپ و عجیب اور دیگر سلسلے شامل ہوتے ہیں۔

حکایت کے اداریے اس کے مدیر کے خیالات و نظریات کے عین مطابق تھے۔ ایک اداریے میں وہ تحریر کرتے ہیں:

"نئی پود قوم کا قیمتی سرمایہ ہے۔ "حکایت" کے مقاصد میں ہم نے یہ مقصد سرفہرست رکھا ہے بلکہ نئی پود کے انداز فکر، کردار، اور شخصیت کو ان روایات کے سانچے میں ڈھالیں جو چودہ صدیوں سے ہمارے ورثے میں چلی آرہی ہیں۔ اس کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کو ہم اپنا ہم راز بنائیں اور ان کے ذہنی خلفشار کو سمجھ کر انہیں فرار کے اس راستے پر نہ جانے دیں جو اخلاقی تباہی کی طرف جاتا ہے۔ نوجوانوں کی اخلاقی تباہی قوم کی تباہی ہے" ۳۰۳

رسالے کی پالیسی کے حوالے سے ایک اداریے میں وہ لکھتے ہیں:

"ہماری سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ ہم اپنے قلم کی آزادی اور اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات کو گروی رکھ کر کسی غیر ملکی ایجنسی یا ملک کی کسی سیاسی پارٹی سے امداد حاصل کرنے پر نہ کبھی آمادہ ہوئے ہیں، نہ کبھی ہوں گے" ۳۰۴

"حکایت" ڈائجسٹ میں پیش کیا جانے والا ادب بھی فکر انگیز تھا۔ اس کے لکھنے والوں میں عنایت اللہ، مقبول جہانگیر، ضمیر جعفری، منیر نیازی، شوکت صدیقی، شاہد جمیل، سرور حجاز، ذوالفقار احمد تابش اور ستار طاہر کے نام پیش پیش ہیں۔

اپنی بقاء کی جنگ لڑنے کے لیے "حکایت" کو کاغذ کی قلت اور بے شمار مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس حوالے سے ایک اداریئے میں تحریر ہے:

"کاغذ کی قلت نے اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ اس خصوصی شمارے کے صرف سولہ صفحے بڑھائے جا سکے اور چند ایک مضامین روکنے پڑے ہیں۔ کاغذ کی قلت اور مہنگائی کی روداد بڑی تلخ اور پرچوں کے لیے جان لیوا ہے۔ نیوز پرنٹ سرکاری کنٹرول کے تحت ملتا ہے اور اس قدر کم ملتا ہے جس سے پرچے کی بمشکل آدھی مانگ پوری کی جا سکتی ہے۔ حکایت اس صورت حال سے دوچار ہے کہ ہر ہفتے خطوط کا انبار لگ جاتا ہے۔ ایجنسیاں اور قارئین پرچہ مانگتے ہیں مگر ہم دے نہیں سکتے" ۳۰۵

مزید درج ہے:

"جنگ ستمبر کی مانگ پوری کرنے کے لیے ہم نے ایک اور قسم کا کاغذ استعمال کیا ہے جو اس قدر مہنگا ہے کہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ ہم نے مجبوراً صفحات کم کر دیئے اور اشاعت بھی محدود کر دی اور نیوز پرنٹ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے یہی مہنگا کاغذ استعمال کیا ہے" ۳۰۶

الغرض ان تمام مشکلات کے باوجود "حکایت" نے کبھی اپنے مقاصد سے روگردانی نہیں کی اور اپنے مضامین و مواد کے ذریعے قارئین میں اپنی جگہ بنائی، جو اب تک قائم ہے۔

عنایت اللہ

عنایت اللہ ۱۹۲۲ء میں فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ عنایت اللہ کے والد کا نام مولوی محبوب عالم تھا۔ ان کے آباؤ اجداد مغلیہ دور میں اپنے علم و فضل کے حوالے سے بہت معروف تھے۔ بیسویں صدی میں جب ان کے آباؤ اجداد کو

سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے کی پاداش میں تمام تر جائیداد سے محروم کر دیا گیا تو عنایت اللہ کے والد مولوی محبوب عالم ضلع سیالکوٹ سے نقل مکانی کر کے گوجرہ کے قریب آباد ہو گئے۔

عنایت اللہ ابھی ڈیڑھ دو سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا آپ کی پرورش آپ کے بھائیوں نے کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرہ سے میٹرک کرنے کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے انٹر کا امتحان پاس کیا اس کے بعد چند ماہ آپ نے ٹیلی فون آپریٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کام سے اکتا کر آپ کلکتہ چلے گئے وہاں اپنے دوست معروف کارٹونسٹ حفیظ سرور کے ساتھ مل کر ۱۹۴۴ء میں بچوں کے لئے ایک رسالہ بچوں کی دنیا نکال کر صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ وسائل کی کمی اور ناموافق حالات کی وجہ سے انہیں جلد ہی بچوں کی دنیا بند کر کے کلکتہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہنا پڑا۔

۱۹۴۶ء میں عنایت اللہ نے لاہور سے بچوں کے لیے شائع ہونے والے پندرہ روزہ رسالے ہدایت کی ادارت سنبھالی۔ آرٹ ایڈیٹر کے طور پر حفیظ سرور نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۹ء کے آخر تک جاری رہا۔ اسی دوران وہ ٹی بی جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔

۱۹۵۲ء میں علاج معالجہ کی غرض سے راولپنڈی سے لاہور آ گئے۔ طویل علاج کے بعد صحت یاب ہوئے تو اپنے ایک پھیپھڑے اور چھ پسلیوں سے محروم ہو چکے تھے مگر ان کا عزم پہلے سے بھی بلند ہو چکا تھا۔ انہوں نے اخبار کے پالیسی امور سے اختلاف کی وجہ سے روزنامہ تعمیر کو خیر آباد کہہ دیا اور مشہور ناول نگار نسیم حجازی کے ساتھ مل کر راولپنڈی سے ۱۹۵۳ء میں روزنامہ کوہستان کا آغاز کیا۔ عنایت اللہ نے اپنی جدت پسندی اور مہم جویانہ صلاحیتوں سے کوہستان میں انقلابی تبدیلیاں کر کے اسے معروف اخبار بنا دیا۔ انہوں نے پہلی بار صحافتی تکنیک میں یکسر انقلابی تجربات کئے۔ لیتھو طرز طباعت کو ترک کر کے آفسٹ طرز طباعت کو اختیار کیا اور اخباری دنیا کو آرٹ کے نئے شعبہ سے روشناس کرا کے اخبارات کی شکل وصورت بدل ڈالی۔

عنایت اللہ نے پہلی بار اخبار میں میک اپ کی اصطلاح رائج کی اور اس کے جدید تصورات سے اپنے رفقاء کار کو آگاہ کیا۔ اس میک اپ کے نتیجے میں روزنامہ کوہستان تمام انگریزی اخبارت کو تعداد اشاعت کے لحاظ سے پیچھے چھوڑ گیا۔

آخر کار ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ء کو پچاس برس کی عمر میں بیماری ہی میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ ۳۰۷

سب رنگ ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۶۹ء میں کراچی سے شکیل عادل زادہ کی ادارت میں "سب رنگ ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا۔ جس کے نائب مدیر انور شعور جبکہ ادارۂ تحریر میں حسن ہاشمی، شاہد اسماعیل اعوان کے نام سامنے آتے ہیں۔

اس پرچے نے جاسوسی ادب کو پروان چڑھانے اور ہندو دیومالا کو سنسنی خیز کہانیوں کی صورت میں پیش کرنے میں کمال حاصل کیا۔ ۳۰۸

رسالے کے مندرجات میں تاریخ کے عبرت ناک واقعات، منتخب کہانیاں، دنیا بھر سے مختصر کہانیاں، پراسرار کہانیاں، تراجم، دانائے راز اور خاص کہانیاں وغیرہ شامل ہوتی تھیں۔

اس ڈائجسٹ نے بہت جلد لوگوں کو اپنا اسیر کر لیا، جس میں زیادہ دخل شکیل عادل زادہ کی تخلیقی ذہانت اور متاثر کن اسلوب تحریر کا تھا۔ جن کے قلم سے لکھے گئے اداریئے براہ راست دل و دماغ کو متاثر کرتے تھے۔ "سب رنگ ڈائجسٹ" نکالنے کے ضمن میں پیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ وہ ایک اداریئے میں کچھ یوں کرتے ہیں:

"عشق کے رنگ سے تیز اور پختہ کوئی رنگ نہیں۔ ۵ سال گزر گئے اور اس مختصر مدت میں یہ ہوا کہ سب رنگ برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا رسالہ بن گیا۔ کہتے ہیں رفیقوں کی کثرت سے شدت عشق کی پیائش ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ حاسدوں کی کثرت کامیابی کی دلیل ہے، سو آپ میرے دکھوں اور زخموں کا اندازہ لگا لیجئے۔ میں مسمی شکیل عادل زاہ۔ میرا قصور یہ ہے کہ میں نے اپنے سماجی اور خاندانی رابطے محدود کر کے آپ سے تعلق قائم کیا ہے۔ اس کی سزا مجھے بڑی شدید ملی ہے۔ بلاشبہ سب رنگ اب بہت بڑا پرچہ ہے اور میرے اطراف خوش گوار ہوائیں بھی چلتی ہیں مگر یہ کیسی آسودگی ہے کہ سینے پر ایک بوجھ سا ہے۔ راتیں بے خواب ہیں اور دن کا پتہ نہیں، کب طلوع ہوا، کب غروب ہو گیا، پانچ سال میں البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ میں اپنے آپ سے منقطع ہو گیا ہوں۔ مجھے ہمہ وقت اپنے وجود میں دس لاکھ نگاہیں اترتی محسوس ہوتی ہیں ۳۰۹ء"

"سب رنگ" کی مقبولیت میں اس کے مسلسل سلسلے "انکا" اور "اقابلا" کا ہاتھ تھا جسے شکیل عادل زادہ تحریر کرتے تھے۔ سب رنگ کا مزاج دیومالائی کہانیوں جیسا تھا۔ اس میں یورپ کی کہانیوں کے تراجم بھی پیش کیے گئے۔ اس حوالے سے شکیل عادل زادہ لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسا تحفہ ہے جو میں نے اپنے ذہن میں آپ کے لیے سوچ رکھا تھا اور جس پر فخر سے سر اٹھایا جائے مگر سب کام میں نہیں کر سکتا۔ میں وہی لباس پہن کے آپ کے سامنے آسکتا ہوں جو یہاں کی ملوں میں تیار کیا جاتا ہے اور اسمگلنگ میں مل جاتا ہے۔ یہاں فکشن کا قحط ہے۔ آپ یورپ کی کہانیاں، دیسی کہانیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کیا سوچتے ہوں گے سو سال پہلے پونے جس تیور سے لکھا تھا وہ تیور ہمارے ہاں ابھی تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ شاید راستے میں کہیں ہوگا۔ یہاں جذبے رقم کرنے والے نہ جانے کہاں چلے گئے۔ سب کو اخبار چٹ کر گئے ہیں یا ان کے مشاہدے کی نظر کمزور ہو گئی ہے۔ ان کے دل سخت ہو گئے یا ان کے قلم کو زنگ لگ گیا۔ میری کوشش ہوگی کہ آئندہ سال میں کچھ لوگوں کو لکھنے کی طرف ورغلا سکوں اور کچھ چیزیں پیش کر سکوں جن کی آپ کو جستجو ہے اور جن کے لیے میں نے اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا ہے" ۳۱۰ء

الغرض سنسنی خیز اور دیومالائی کہانیاں پیش کر کے شکیل عادل زادہ نے ڈائجسٹ صحافت میں نئے طرح کے معیار کی داغ بیل ڈالی۔ اس میں شامل ہر تحریر منتخب تحریر ہوتی تھی اور اس پر خاصی محنت کی جاتی تھی۔ ہر تحریر از سر نو (Re-write) کی جاتی تھی کبھی کوئی بھرتی کا مواد اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ رسالے کا ادبی معیار بلند تھا۔ اہم بات یہ

ہے کہ شکیل عادل زادہ نے معیار کے معاملے میں کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ بڑے بڑے ادیبوں کے افسانے اگر وہ معیار سے فروتر ہوتے تھے تو معذرت کے ساتھ لوٹا دیئے جاتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ روایت کے مطابق کرشن چندر جیسے مقبول و مشہور افسانہ نگار کا ایک ناول قسط وار اشاعت کے لیے آیا اور معیاری نہ ہونے کے باعث واپس کر دیا گیا۔ ان ہی وجوہ کی بناء پر اس ڈائجسٹ نے اشاعت کا بھی نیا ریکارڈ قائم کیا۔ مقبولیت اتنی تھی کہ ایک شمارہ ڈھائی لاکھ کی تعداد میں چھپتا تھا۔ قارئین کی ایک کثیر تعداد سب رنگ ڈائجسٹ کی اسیر تھی اور تفریح طبع کے لیے اس سے مستفید ہوتی تھی۔ ایک طویل عرصے تک باقاعدگی سے نکلنے کے بعد سب رنگ کی اشاعت بے قاعدہ ہوگئی اور وہ دو دو ڈھائی سال کے بعد شائع ہونے لگا۔ اشاعت بے قاعدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ "انکا" "اقابلا" اور "بازی گر" بے حد مقبول تھے، شکیل عادل زادہ کے زورِ قلم کا نتیجہ تھے۔ تینوں ناول وہ نہایت محنت اور سوزِ جگر سے لکھتے تھے اور لکھنے میں بہت وقت لیتے تھے چناں چہ رسالہ تاخیر کا شکار ہو جاتا تھا۔ "سب رنگ" نے اپنے لکھنے والوں کو بھاری معاوضہ دینے کی بھی روایت ڈالی۔ الیاس سیتاپوری جو سب رنگ میں تاریخی کہانیاں لکھا کرتے تھے اور شوکت صدیقی جن کے دو ناول قسط وار شائع ہوئے، ان ادیبوں کی تحریروں کا معاوضہ لاکھوں روپے میں ادا کیا جاتا تھا۔ جس کا تصور مجلاتی صحافت میں محال تھا۔ حتیٰ کہ رسالے میں قارئین کی طرف سے لطائف، حکایات، اقوال اور واقعات پر مبنی جو مختصر مختصر تراشے بھیجے جاتے تھے، قابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں ان کی بھی ادائیگی کی جاتی تھی۔ سب رنگ نے ادیبوں کو بھاری معاوضہ دینے کی جو روایت قائم کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں خواتین کے جو ڈائجسٹ نکلے، وہ بھی اپنے لکھنے والوں کو معقول معاوضہ دینے پر مجبور ہوئے۔ لیکن اپنی بے قاعدہ اشاعت کے باوجود اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ پرچہ شائع ہوتا تھا تو روزنامہ جنگ میں صرف ایک اعلان کی پٹی شائع ہوتی تھی کہ سب رنگ شائع ہو گیا اور خریدار اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

شکیل عادل زادہ

شکیل عادل زادہ ۱۹۳۸ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ مرادآباد پیتل کے برتنوں کے لیے مشہور تھا اور شکیل عادل زادہ کا خاندان بھی برتن سازی کی صنعت سے وابستہ تھا، لیکن اُن کے والد محمد عادل ادیب کی طبیعت اس جانب راغب نہ تھی۔ وہ ادیب اور شاعر تھے اور اپنے وقت کے سند یافتہ عالم فاضل۔ مرادآباد میں اس خاندان کے ہاتھوں تعمیر کردہ عظیم الشان مسافر خانے سے شکیل عادل زادہ کے والد ''مسافر'' کے نام سے ایک علمی و ادبی رسالہ نکالتے تھے۔ وہ ابھی چھ برس کے ہی تھے کہ ۱۹۴۵ء میں اُن کے والد کا انتقال ہو گیا، جس کے بعد ان سمیت تینوں بہن بھائیوں اور والدہ کی کفالت اُن کے نانا محمد شریف نے کی۔ اُن کے نانا نے اُن کا داخلہ دیوبند کی ذیلی تحصیل گاہ جامعہ قاسمیہ میں حفظ کی کلاس میں کروا دیا، لیکن وہاں کی سختیوں سے گھبرا کر دس سال کی عمر میں وہ گھر سے فرار ہو کر بمبئی میں اپنی ایک رشتہ دار خاتون کے ہاں آ گئے، لیکن یہاں بھی جلد ہی اکتا گئے اور ماموں کے ہمراہ مرادآباد واپس کر حفظ مکمل کیا۔ پھر مدرسہ امادیہ میں ساتویں

جماعت میں داخل ہوئے اور دنیوی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔آٹھویں تک یہاں پڑھا، پھر میٹرک کے لیے کے. جی کے (کیدار ناتھ گردھاری لال کھتری) کالج میں داخلہ لیا۔ یہ ہائی اسکول طرز کا کالج تھا جہاں آٹھویں سے انٹر تک نصاب ہندی میں پڑھایا جاتا تھا۔

شکیل عادل زادہ نے اُس وقت کے مشہور پرچوں ''بیسویں صدی'' اور ''شمع'' میں چھپنے والے ادیبوں اور شاعروں کو خطوط بھیجنے شروع کیے اور جواب نہ پا کر چیلنج کے طور پر شکیلہ جمال کے فرضی نام سے خط لکھنے شروع کر دیے، لیکن یہ حرکت انھیں اُس وقت مہنگی پڑ گئی جب مشہور ادیب نریش کمار شاد شکیلہ جمال کے عشق میں مبتلا ہو کر اُن کے گھر پہنچ گئے اور حقیقت معلوم ہونے پر صدمے کے باعث مے نوشی شروع کر دی اور جلد ہی جان کی بازی ہار گئے۔

ابھی انٹر کامرس سیکنڈ ایئر میں تھے کہ نانا کے کاروبار میں نقصان کی وجہ سے شکیل عادل زادہ کو ٹیوشن پڑھا کر اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے پڑے۔ان ہی دِنوں کراچی سے آنے والے اپنے ایک دوست کے ساتھ فروری ۱۹۵۷ء میں کراچی آ گئے۔پھر کچھ ذاتی اور خاندانی وجوہات کی بناء پر واپس پر مرادآباد چلے آئے۔

شکیل عادل زادہ ایک بے مثل مدیر ہی نہیں، باکمال ادیب بھی ہیں۔۱۹۶۹ء میں انھوں نے ''سب رنگ'' ڈائجسٹ جاری کیا اور اِس ڈائجسٹ کی مقبولِ عام کہانیوں کے سلسلے ''انکا''، ''اقابلا'' اور ''بازی گر'' انہی کے زورِ قلم سے بامِ شہرت تک پہنچے۔''ذاتی صفحہ'' کے عنوان سے ایسے شاہ کار اداریے تحریر کیے کہ قارئین بے چینی سے اِن نثر پاروں کے منتظر رہتے۔شکیل عادل زادہ ایک نام ور ادیب ہیں اور ڈائجسٹ صحافت کو انھوں نے جس مزاج اور آہنگ سے روشناس کرایا، اسے قارئین آج بھی یاد کرتے ہیں۔[۳۱۱]

جاسوسی ڈائجسٹ۔کراچی

۱۹۷۰ء میں کراچی سے ماہنامہ "جاسوسی ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا، جس کی مجلس ادارت میں معراج رسول، اعجاز رسول، سید انور فراز اور شکیل عدنان کے نام شامل ہیں۔

تقریباً ۳۲۲ صفحات پر مشتمل اس ڈائجسٹ کا سائز "۶.۷x"۳.۵ انچ جبکہ فی شمارہ قیمت ۳۵ روپے ہے۔اس ڈائجسٹ کی پبلشر و پروپرائٹر عذرا رسول ہیں اور پرنٹر جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم کراچی سے طبع کروا کر شائع کرتے ہیں۔

"جاسوسی ڈائجسٹ" کے مندرجات میں "چینی نکتہ چینی" کے عنوان سے قارئین کی کرم فرمائیاں، کج ادائیاں، نامہ و پیام، محبتوں کے سلسلے، مہم جوئی، سنسنی خیزی، اور تجسس سے بھرپور کہانیاں، مغربی کہانیوں کے تراجم، رشتوں اور معاشرے کی کہانیوں کے علاوہ مذہبی و تاریخی واقعات بھی شامل ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ اسماء الحسنیٰ اور تراش خراش کے عنوان سے مختلف اقتباسات، لطائف اور قطعات بھی مختلف صفحات کی زینت بنتے ہیں۔

یہ ڈائجسٹ نیوز پرنٹ پر چھپتا ہے، جبکہ سرورق آرٹ پیپر پر کسی خوبصورت ماڈل کی تصویر کے ساتھ طبع ہوتا ہے۔ "جاسوسی ڈائجسٹ" میں شائع ہونے والی قسط وار کہانیاں ہی دراصل اس کی مقبولیت کی بڑی وجہ ہیں۔ اس کے علاوہ "چینی نکتہ چینی" کے پلیٹ فارم پر تمام قارئین ایک دوسرے سے بذریعہ خطوط منسلک رہتے ہیں۔ یہاں نہ صرف ڈائجسٹ کے مندرجات اور لکھاریوں کے حوالے سے بات چیت ہوتی ہے بلکہ قارئین آپس میں بھی ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ ایک اہم چیز سب سے اچھے تبصرے پر انعام کا دیا جانا بھی ہے جس سے قارئین کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اگرچہ جاسوسی ڈائجسٹ کی کہانیاں جرم وسزا اور سنسنی خیز قصوں پر مشتمل ہوتی تھیں، تاہم اس کے اداریئے، مدیران کی سوچ کے عکاس ہوتے تھے، جو ملک وملت کے حالات وواقعات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔

"چینی نکتہ چینی" کے آغاز میں مدیر لکھتے ہیں:

"گزشتہ ماہ جمہوریت بحال ہونے کی خبر تھی تازہ اطلاع یہ ہے کہ جمہوریت تو بحال ہوگئی ہے۔ (کچھ حجاب میں کچھ نقاب میں) مگر جمہوریت کے طلب گار بہت زیادہ بے حال نظر آرہے ہیں۔ شاید اس کی وجہ ایک طویل احساس محرومی ہے جس نے انہیں بدحواس کردیا ہے۔ بھوک کی انتہا ہمیشہ اس موڑ پر ختم ہوتی ہے کہ جب کھانا سامنے آتا ہے تو بیش تر لوگ انسانی آداب کو نظر انداز کردیتے ہیں اور کھانا دیکھتے ہی ٹوٹ پڑتے ہیں"۳۱۲؎

مزید تحریر ہے:

"انتخابات کے موقع پر بھی ہمیں یہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے لوٹ مچ گئی ہے ہم کوئی دانش ور نہیں کہ قوم کو نصیحت نامہ کے ساتھ وصیت نامہ بھی پیش کریں، مگر اتنا ضرور ہے کہ جب اہل پاکستان کے سامنے بے شمار کھانے رکھ دیئے گئے ہیں تو بھوکوں کے ہجوم کو اسلام کے روایتی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا لازم ہے"۳۱۳؎

اگرچہ اس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی بیش تر کہانیوں کا حقیقی اور عملی زندگی سے اتنا تعلق نہیں ہوتا اور یہ قارئین کو دیومالائی اور مافوق الفطرت دنیا کا اسیر بنادیتی ہے تاہم پھر بھی اس ڈائجسٹ کا حلقۂ قارئین مخصوص ہے اور اس نے برسوں سے ان کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

الف لیلہٰ ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۷۱ء میں کراچی سے ایک ماہانہ رسالہ "الف لیلہٰ ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا، جس کے حلقۂ ادارت میں ایچ اقبال اور مسرور صدیقی کے نام سامنے آتے ہیں۔ یہ ڈائجسٹ شیخ سلطان ٹرسٹ پریس میں طبع ہوکر شائع ہوتا تھا۔

"الف لیلہٰ" کے مندرجات میں کہانیاں، سچے واقعات، جرم وسزا، دیومالائی کہانیاں، طوائفوں اور معاشرتی کرداروں پر مبنی کہانیاں شامل ہوتی تھیں۔ اس کے سرورق پر درج جملہ کچھ یوں تھا۔

"دیسی بدیسی ادب کا رنگارنگ گلدستہ"

دیگر مندرجات اور کہانیاں تو اپنی جگہ معاشرتی کرداروں اور الجھنوں کو بیان کرتی تھیں۔ لیکن اس ڈائجسٹ کے اداریے بھی خاصے کاٹ دار ہوتے تھے۔ جو مدیران کے قلم کے بھرپور عکاس ہوتے تھے۔ ایک اداریہ بہ عنوان "بالشیئے" میں تحریر ہے:

"یہ بالشتیوں کا عہد ہے۔ ریڈیو ہو کہ ٹی وی، اخبارات ہوں کہ رسائل، ہر جگہ بالشتے گھسے ہوتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے پروڈیوسرز اور اخبارات و رسائل کے مدیران سے یا تو ان بالشتیوں نے یاری گانٹھ رکھی ہے یا دھونس دھپڑ اور غنڈہ گردی کے ذریعے ان سے اپنا لوہا منوا رکھا ہے۔ ابلاغ عامہ کے جتنے ادارے ہیں، ان میں صرف ڈائجسٹ ان بالشتیوں کو گھاس نہیں ڈالتے۔ یہ بالشتیے اسی لیے ڈائجسٹوں پر آئے دن کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں" ۳۱۴؎

مزید لکھا ہے:

"یہ کہتے ہیں کہ ڈائجسٹ نکالنے والے بھی ادبی پرچے پڑھتے ہیں۔ تو اے بالشتیو! کیا ادب تمہارے باپ کی جاگیر ہے؟ سنو اے کوڑھ مغزو! ہم ادبی پرچے اس لیے نہیں پڑھتے کہ اسے تم جیسے بالشتیے نکالتے ہیں بلکہ ہم ان کا مطالعہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان میں منٹو، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی، عصمت، قراۃ العین حیدر، ڈاکٹر احسن فاروقی، غلام عباس، بیدی اور مسعود مفتی جیسے ادیبوں کی تخلیقات شائع ہوتی ہیں اور ضائع ہوتی ہیں۔ شائع ہو کر بھی غیر مطبوعہ رہتی ہیں، اسی لیے تو ہم بہترین تخلیقات ڈائجسٹوں میں شائع کر دیتے ہیں۔ ہم تمہیں نہیں، انہیں پڑھتے ہیں۔ یہ ادب کی بدقسمتی ہے کہ تم جیسے بالشتے اس کے دعوے دار ہیں۔ اسی لیے تو تھوڑے تھوڑے دن بعد ادیب چیخ اٹھتے ہیں کہ ادب مر رہا ہے۔ ہم ادب اور ادیبوں کی عزت کرتے ہیں۔ وہ جو خون تھوک تھوک کر لکھ رہے ہیں اور وہ جن کا تم استحصال کر رہے ہو، ہم انہیں سلام کرتے ہیں۔ اور تم پر لعنت بھیجتے ہیں" ۳۱۵؎

مذکورہ بالا اقتباس اور استعمال کی جانے والی زبان سے اس ڈائجسٹ کے معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تاہم پھر بھی اپنی کہانیوں سے اس نے اپنا ایک مخصوص حلقہ قارئین ضرور پیدا کر لیا اور کسی نہ کسی حد تک قارئین میں مقبول بھی رہا۔

دوشیزہ ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۷۱ء میں کراچی سے خواتین کی دلچسپی کا ماہنامہ "دوشیزہ ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا۔ جس کے حلقہ ادارت میں رخسانہ سہام مرزا، رعنا فاروقی، دانش دیروی، ریاض مرزا، سید محمود خاور، ابن حسن عثمان آبادی، زیب ملیح آبادی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

"دوشیزہ ڈائجسٹ" مکمل طور پر ایک نسوانی ڈائجسٹ تھا جس کے مندرجات میں آپس کی باتیں، عوامی مسائل، تین عورتیں تین کہانیاں، دوشیزہ کی محفل، حسن و صحت، لذت کام و دہن، شوبزنس، افسانے، کہانیاں، ناول، عوامی مسائل ناقابل یقین، مذہبی و تاریخی کہانیاں، انٹرویو اور شعر و شاعری وغیرہ شامل ہوتے تھے۔

"دوشیزہ ڈائجسٹ" کے بارے میں رخسانہ سہام مرزا کہتی ہیں:

"میں ماہنامہ دوشیزہ" کے بارے میں اس بات کا اعادہ ضرور کروں گی کہ یہ نئی نسل کا نمائندہ ہے اس نسل کا جو اپنی ذہانت اور فطانت کی نئی روایات قائم کر رہی ہے۔ اس نسل نے ہمارے قافلے کے سینئر لکھنے والوں سے بہت کچھ سیکھا ہے اور آنے والی نسل کو سکھانے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے ان کے جذبوں اور حوصلوں کو سلام کرتی ہوں جو اپنے منصب سے بھی آگاہ ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ خود انحصاری کی دولت کے ساتھ ملکی ادب، قومی تعمیر و تشکیل میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔ نئی نسل کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہی نہیں کہ مقصدی اور تعمیری ادب کیسے تخلیق ہوتا ہے اور اس کی کتنی اہمیت ہے" ۳۱۶

اس طرح دوشیزہ ڈائجسٹ نے نہ صرف پرانے لکھاریوں کو بلکہ نئے لکھنے والوں کو بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور انہیں خواتین کی دلچسپی کا ادب تخلیق کرنے پر اکسایا اور قاری اور ادیب کے مابین ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ فردوس حیدر اس حوالے سے کہتی ہیں:

"سب کے خلوص، محبت اور محنت کے نتیجے میں سینئر اور جونیئر افسانہ نگار ایک صف میں نظر آتے ہیں۔ یہاں کوئی تعصب نہیں کسی میں احساس برتری یا احساس کمتری کا شائبہ تک نہیں۔ یہاں سب ادیب ہیں اور ایک خوبصورت نازک ڈور کے ساتھ وہ قاری سے منسلک نظر آتے ہیں۔ قاری جو پروانے کی طرح اپنے پسندیدہ ادیب کو تلاش کر کے پڑھتا ہے مطالعے کے دوران کسی نہ کسی نئے ادیب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے اور چاہنے لگتا ہے اور یوں محبت کی خوبصورت ڈور بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے" ۳۱۷

"دوشیزہ" کے مدیران نے اسے خواتین و حضرات دونوں میں مقبول بنانے کے لیے ہر ممکن محنت کی اور اسے بام عروج تک پہنچایا۔ اس ڈائجسٹ میں شامل کہانیاں معاشرے کی عکاس ہونے کی دعوی دار ہیں۔ دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی ایک تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے محترمہ فردوس حیدر نے کہا:

"دوشیزہ میں شائع ہونے والی کہانیاں نہ صرف ابلاغ کی کہانیاں ہوتی ہیں بلکہ ان کے خدوخال اپنے ہی معاشرے میں نظر آتے ہیں یعنی دوشیزہ میں ترجمہ شدہ کہانیاں شائع نہیں ہوتیں۔ اس میں شائع ہونے والی کہانیاں تو دھوپ کے طویل سفر میں درختوں کے ٹھنڈے سائے کی طرح محسوس ہوتی ہیں" ۳۱۸

اسی طرح" آپس کی باتیں" کے عنوان سے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے رخسانہ سہام مرزا نے لکھا:

"رسائل و جرائد گھروں میں جاتے ہیں جہاں انہیں صرف "حضرات" ہی نہیں "خواتین" بلکہ بچے بھی پڑھتے ہیں، لہٰذا میری کوشش یہ ہے کہ اسے سب کے لیے اپنے اندر دلچسپی کا مواد رکھنا چاہئے۔ افسانوی ادب تو "خواتین و حضرات" دونوں پڑھتے ہیں۔ اب اگر خواتین کو اچھے کھانے پکانے کی تراکیب اور حسن و صحت کے بارے میں کچھ مفید معلومات حاصل ہو جائیں تو اس میں کیا حرج ہے" ۳۱۹

"دوشیزہ ڈائجسٹ" نے آج کے مشینی دور میں اپنی کہانیوں اور دیگر مواد کے ذریعے اپنے قارئین بالخصوص خواتین میں ایک مخصوص مقام حاصل کیا، جو آج بھی برقرار ہے بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بہ قول ادریس دہلوی:

"ہندوپاک کے ہر جریدے کو دوشیزہ کی تقلید کرنی چاہیے" ۳۲۰؎

رخسانہ سہام مرزا

رخسانہ سہام مرزا کا شمار میدان صحافت کی معروف خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت کئی رسائل سے وابستہ رہی ہیں۔ ان کی صحافتی زندگی کا آغاز، "دوشیزہ" سے ہوا۔ "دوشیزہ" نکالتے وقت ان کے پیش نظر اردو کی ترقی و ترویج کے مقصد کے ساتھ ساتھ پاکستان کی خواتین کو فعال اور متحرک بنانے کا بھی مقصد تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ خواتین گھریلو کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنا وقت غیر ضروری باتوں میں ضائع کرنے کے بجائے صحیح مصرف میں لائیں۔

اس کے لیے، انہوں نے بڑی محنت اور لگن سے کام کیا اور "دوشیزہ" میں ان کی تربیت کے ساتھ دل چسپی کا سامان بھی پیدا کیا تاکہ وہ پڑھ کر معاشرے کا مفید رکن بن سکیں اور ساتھ ہی ساتھ کئی دوسرے رسالوں کو بھی مرتب کرنے میں مصروف رہیں۔ جن میں "سچی کہانیاں"، "شوبزنس"، "بچوں کا رسالہ" اور اخبار "نیا سویرا" شامل ہیں۔ روزنامہ نیا سویرا" پاکستان کا پہلا اخبار ہے جس کو ایک خاتون مرتب کرتی ہیں اور جس کا زیادہ تر عملہ بھی خواتین پر مشتمل ہے۔ ۳۲۱؎

خواتین ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۷۲ء میں کراچی سے خواتین کی دل چسپی کا ماہنامہ "خواتین ڈائجسٹ" منظر عام پر آیا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں محمود ریاض، نادرہ خاتون، حمیدہ بانو، رضیہ جمیل، آذر ریاض، سائرہ غلام نبی، امت الصبور اور بلقیس بھٹی کے نام سامنے آتے ہیں۔

تقریباً ۳۲۰ صفحات پر مشتمل اس ڈائجسٹ کا سائز "۶.۷ x ۴.۵" انچ اور قیمت ۳۵ روپے اور اسے پبلشر آذر ریاض، ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کرتے ہیں۔ "خواتین ڈائجسٹ" کو "خواتین اور دوشیزاؤں کے لیے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ" ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اور اس کے مندرجات میں اداریہ، ہمارے نام، کرن کرن روشنی، غزلیات، خاتون کی ڈائری، آپ سے کیا پردہ، انٹرویو، ناول، ناولٹ، افسانے، نظمیں، پکوان، نفسیات، بیوٹی بکس، میری بیاض سے اور رنگا رنگ پھول وغیرہ شامل ہوتے ہیں جو اسے ہر لحاظ سے خواتین کے لیے ایک مکمل ڈائجسٹ بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

"خواتین ڈائجسٹ" میں خواتین کی دلچسپی کا تمام مواد کچھ اس طرح سے شامل کیا جاتا ہے کہ ایک گلدستہ سا بن جاتا ہے اور ہر عمر کی خواتین اپنی پسند کے مطابق اس گلدستے سے پھول چن سکتی ہیں۔

"خواتین ڈائجسٹ" کے اجراء کے حوالے سے " کہنی سنی " کے عنوان سے مدیر کا قلم لکھتا ہے:

"محمود ریاض صاحب نے اس پرچے کا اجراء کیا تو ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ ایک ایسا پرچہ جو صرف تفریح طبع یا وقت گزاری کے لیے نہ ہو، بلکہ بہنوں کو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کا ادراک بھی دے سکے۔ جس لگن، جستجو اور مقصد کو سامنے رکھ کر اس پرچے کا اجراء کیا گیا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے اس راہ سے انحراف نہیں کیا اور خواتین ڈائجسٹ کا معیار برقرار رکھنے میں کامیاب رہے"۳۲۲ء

خواتین ڈائجسٹ کے پلیٹ فارم سے بے شمار لکھنے والوں کو عروج ملا۔ اس ڈائجسٹ نے نہ صرف پرانے قلم کاروں بلکہ نئے لکھنے والوں کو بھی ہمیشہ خوش آمدید کہا۔ اس حوالے سے مدیر نے لکھا:

"خواتین ڈائجسٹ "نے خواتین میں صرف پڑھنے کا ہی شعور بیدار نہیں کیا، ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے، نکھارنے اور سامنے لانے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے بے شمار نئے نام سامنے آئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے"۳۲۳ء

اسی طرح اپنی قلم کاروں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مدیرہ کہتی ہیں:۔

"ہماری اس کامیابی میں بڑا حصہ ہماری مصنفین کا ہے، جنہوں نے اپنی بہترین تخلیقات خواتین ڈائجسٹ کی نذر کیں۔ ہم تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ شکریہ کا لفظ ہمارے جذبات کی ترجمانی کے لیے ناکافی ہے"۳۲۴ء

خواتین ڈائجسٹ کا ہر جملہ، ہر کہانی، ہر کردار اور ہر سلسلہ اپنے اندر مقبولیت لیے ہوئے ہوتا ہے جس کا کام خواتین کو تفریح طبع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں معاشرے اور حالات سے روشناس کرانا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ طبقۂ فکر کی جانب سے اس ڈائجسٹ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ خواتین خصوصاً نوجوان و کم سن لڑکیوں کو رومانیت کی طرف راغب کر کے انہیں زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ تاہم اس بات کی تردید "خواتین ڈائجسٹ" میں شائع ہونے والے ایک خط سے کچھ اس طرح ہوتی ہے:

"یاد نہیں پڑتا کہ کبھی "خواتین" میں کوئی ایسی تحریر شائع ہوئی ہو جسے پڑھ کر میں نے یہ سوچا ہو کہ یہ تحریر میری چھوٹی بہنیں نہ پڑھیں۔ خواتین ڈائجسٹ نے ہر دور میں بہترین تحریریں شائع کی ہیں"۳۲۵ء

اسی طرح ایک قاریہ لکھتی ہیں:

"میں خواتین اور "شعاع ڈائجسٹ" کی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچایا۔ میں اسے وقت گزاری کے لیے نہیں پڑھتی میرے لیے یہ ایک فرار کا ذریعہ ہے، مصیبتوں سے بچنے کا، ڈپریشن سے نجات کا"۳۲۶ء

اس طرح خواتین ڈائجسٹ نے دیگر ڈائجسٹ رسالوں کے ہمراہ پاکستانی معاشرے کی مظلوم خواتین میں شعور اجاگر کرنے، انہیں تفریح و تعلیم اور تربیت فراہم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس ڈائجسٹ کی کہانیاں، معاشرے کی کہانیاں ہیں، رویّوں کی کہانیاں ہیں۔ جذباتی اتار چڑھاؤ کی کہانیاں ہیں۔ جو قارئین کو لحہ بہ لحہ، لفظ بہ لفظ اپنے حصار میں جکڑے رکھتی ہیں۔

پاکستانی ڈائجسٹ صحافت کی تاریخ میں بلاشبہ "خواتین ڈائجسٹ" ایک اہم نام ہے اس کی کہانیاں اور قلم کار خواتین کے دلوں میں بستی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

پاکیزہ ڈائجسٹ۔ کراچی

اپریل ۱۹۷۲ء میں کراچی سے ایک ماہنامہ "پاکیزہ ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا، جس کے حلقۂ ادارت میں معراج رسول, ساجد معراج اور ماہ جبیں ایم اے شامل ہیں:

تقریباً ۳۲۲ صفحات پر مشتمل اس ڈائجسٹ کا سائز "۷.۷ x ۵.۵" انچ اور قیمت فی پرچہ ۴۰ روپے ہے۔ اس ڈائجسٹ کی پبلشرز و پروپرائیٹر عذرا رسول ہیں اور اسے پرنٹر جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم کراچی سے طبع کروا کر شائع کرتے ہیں۔

پاکیزہ ڈائجسٹ کے مندرجات گھر کے ہر فرد کے لیے ہوتے ہیں۔ ان میں اداریہ، انٹرویو، مستقل ناول، افسانے، سچی کہانیاں، مضامین، شعری ادب، پیام شوق، معصوم باتیں، خوش ذائقہ، آپ کا حسن، بہنوں کی محفل، بزم پاکیزہ، معلومات،، لطائف، اقتباسات وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

"پاکیزہ" ایک بہترین نسوانی ڈائجسٹ ہے۔ جس میں خواتین کی دل چسپی کو خاص طور سے مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ڈائجسٹ کی تیاری کے مراحل کے حوالے سے ایک اداریے میں تحریر ہے:

" کسی پرچے کی ترتیب وتزئین ایسا ہی ایک عمل ہے جیسے کوئی محنتی طالب علم اپنے امتحانات کی تیاری پوری توجہ سے کرتا ہے۔ وہ اپنے نصاب کی جزئیات بھی نظر انداز نہیں کرتا اور یوں تمام مشکل مسائل حل کر لیتا ہے او وقت مقررہ پر اپنی تمام تیاری سمیٹ کر امتحانی کاپی پر اتار دیتا ہے اور پھر نتیجے کا انتظار کرتا ہے لیکن ہمارا کام کہیں زیادہ مشکل ہے کیونکہ ہمارے ممتحن لاکھوں قارئین ہوتے ہیں اور بیک وقت اتنے لوگوں کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھنا، انہیں مطمئن کرنا، ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ بہرحال ہم اپنی سی کوشش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے "۳۲۷

اس طرح دیگر دل چسپ مواد کے ساتھ ساتھ اس کے اداریئے بھی بھرپور ہوتے ہیں جو اکثر و بیشتر کسی نہ کسی معاشرتی وسماجی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں اور ایک اداریئے میں مدیر کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

" کتابوں میں پڑھایا جاتا ہے پاکستان خدا اور رسول ﷺ کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اور تقسیم ہند کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہاں تمام مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزاریں۔ ان کا خدا ایک، رسول ﷺ ایک، وطن ایک ہوگا لیکن اب تک نوجوان نسل کے عوامی گروہ نے پرانی نسل سے کیا سیکھا؟ یہی کہ سب کتابی باتیں ہیں۔ ہم تو بلوچی، سندھی، پنجابی، پٹھان اور مہاجر پہلے ہیں بعد کو کچھ اور "۳۲۸

"پاکیزہ" کے لکھنے والوں میں خواتین لکھاریوں کی تعداد زیادہ ہے اہم لکھنے والوں میں سلطانہ مہر، ناہید، رضیہ بٹ، نسیم سحر صدیقی، سیدہ آرزو فاطمہ، نجمہ مودی، سلطان اختر، ایم سلطانہ فخر اور سائرہ حفیظ کے نام شامل ہیں۔

خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنے، انہیں تفریح فراہم کرنے، مختلف مسائل کے حوالے سے مشورے دینے اور تعلیم وتربیت فراہم کرنے میں "پاکیزہ" ڈائجسٹ نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ قارئین کی ایک بڑی تعداد اس کی گرویدہ ہے اور اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس سے اس کی مقبولیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قومی ڈائجسٹ۔ لاہور

۱۹۷۸ء میں لاہور سے ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا، جس کے مدیر مسئول جناب مجیب الرحمٰن شامی تھے۔ تنویر قیصر شاہد اور مقبول جہانگیر بھی اس ڈائجسٹ کے حلقۂ ادارت میں شامل رہے۔

"قومی ڈائجسٹ" کے پہلے شمارے کے اداریے بہ عنوان "پہلا پتھر" میں ڈائجسٹ کے اجراء کی غرض وغایت کے حوالے سے مدیر کا قلم لکھتا ہے:

"پتھر بھی عجب ہے۔ پستی اور بلندی، نشیب اور فراز، عروج اور زوال کی منفرد عبارت، پتھر کو خدا بھی بنایا گیا اور اس کی خدائی آج تک برقرار ہے۔ آج بھی ایسے پتھر موجود ہیں جو اس کے طلسم میں گرفتار ہیں اور پتھر نے شیشے بھی توڑے، پتھر نے شیشوں کے خلاف یہ جہاد آج تک ترک نہیں کیا"۳۲۹

آگے چل کر رقم طراز ہیں:

"ہمارے پتھر سے وہ سب خوفزدہ ہیں وہ سب انتظار کریں جو اس کے مستحق ہیں جن کا حق فائق ہوگا، یہ ان تک پہنچے گا۔ اپنے گریبان سے ہر فرد آن بان تک۔۔۔ ہر بڑے ایوان تک۔۔۔!

یہی "قومی ڈائجسٹ" کا پہلا پتھر ہے اور یہی حرف اول کا مستقل عنوان"۳۳۰

جناب مجیب الرحمٰن شامی نے "قومی ڈائجسٹ" کو مقبول عام بنانے کے لیے "زندگی" "اردو ڈائجسٹ اور "بادبان" کے تجربات کا نچوڑ استعمال کیا۔ "قومی ڈائجسٹ" کے مقاصد کے حوالے سے اولین شمارے میں شامی صاحب لکھتے ہیں:

"قومی ڈائجسٹ" کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو ہم سب کے تقاضے، ضروریات اور فرائض ایک جیسے ہیں"۳۳۱

مزید لکھتے ہیں:

"ہماری نیت اور کوشش یہ ہے کہ "قومی ڈائجسٹ" میں چھپنے والی ہر تحریر بامقصد، بامعنی اور بامراد ہو، تھکے ہوئے ذہنوں کے لیے صاف ستھری تفریح اور افادیت کا باعث ہو۔ یہ جریدہ محض رسمی طور پر "قوم کے ہر فرد کی آواز" نہ کہلائے بلکہ حقیقی معنوں میں ہر فرد کی ضرورت بنے اور اسے بلا کھٹکے ہر گھر میں لے جایا سکے"۳۳۲

"قومی ڈائجسٹ" کے پہلے شمارے کو مجیب الرحمٰن شامی کی توقعات کے برعکس بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور انھیں دوسرے شمارے کے اداریے بہ عنوان "نقش ثانی" میں لکھنا پڑا:

"ہماری گردنیں بارگاہ ایزدی میں صمیم قلب سے جھکی ہیں اور حمد وثناء کے الفاظ ہماری زبانوں پر ہیں ہمیں توقع نہیں تھی کہ قومی ڈائجسٹ کے اولین شمارے کا یوں ملک میں اس والہانہ پن سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ مبارک بادوں اور خطوں کا ایک عظیم انبار ہے جو بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے ہمارے حوصلے ہمارے عزم اور اپنے کام پر ہمارا یقین مزید پختہ ہوا ہے اور یہ اطمینان بھی کہ ہم اس راہ میں اکیلے نہیں ہیں" ۳۳۳ؔ

تقریباً ۲۵۶ صفحات پر مشتمل اس ڈائجسٹ کا سائز "۵.۷x۸.۴" انچ اور قیمت فی شمارہ ۱۲ روپے تھی اور یہ قومی پریس سے طبع ہو کر شائع ہوتا تھا۔ اس کے مندرجات میں اداریہ، اسلامیات، شخصیت نگاری، داستان شوق، تاریخی کہانیاں، شکاریات، سلسلے وار کہانیاں، دست شناسی، افسانے، سائنسی کہانیاں، طب وصحت، غیر ملکی ادب اور سیاسی وسماجی حالات و واقعات پر تحریریں ومضامین شامل ہوتے تھے اس کے علاوہ مختلف صفحات پر حاشیوں میں معلومات، فرمان نبوی ﷺ، مشاہیر اسلام کے اقوال اور مختلف کتابوں سے اقتباس وغیرہ بھی دیئے جاتے تھے۔ "قومی ڈائجسٹ" کا اداریہ خالصتاً سیاسی نوعیت کا ہوتا تھا۔

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت کو بھی قومی ڈائجسٹ نے برقرار رکھا۔ قومی اور مذہبی مقاصد کے حصول کے لیے اس پرچے نے حضرت صدیقؓ، عثمانؓ، علیؓ، فاروق اعظمؓ نمبر اور حج نمبر شائع کیے۔ سیاسی شخصیات میں سے ظہور الہٰی نمبر اور ضیاء الحق نمبر کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۳۳۴ؔ اس کے علاوہ مولانا مودودی نمبر اور مولانا مفتی محمود نمبر، بھی قومی ڈائجسٹ کی جانب سے قارئین کے لیے علمی ومعلوماتی تحفہ ثابت ہوئے۔

قومی ڈائجسٹ کے حلقہ ادارت میں تنویر قیصر شاہد، شعیب بن عزیز، خالد ہمایوں اور محمد اسلم ڈوگر جیسے مدیران شامل رہے، جنہوں نے اسے قبولیت عام کا درجہ دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس ڈائجسٹ نے قومی ضرورتوں اور معیار کو مدنظر رکھ کر اپنے مضامین اور تحریروں کے ذریعے عوام میں قومی وملی شعور اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور ایک بامقصد ذہنی وفکری انقلاب کی راہ ہموار کی۔ قومی ڈائجسٹ کا کردار بلاشبہ غیر معمولی ہے اور اسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

مجیب الرحمٰن شامی

مجیب الرحمٰن شامی کا شمار معروف صحافیوں میں ہوتا ہے۔ وہ روزنامہ پاکستان، اور قومی ڈائجسٹ کے مالک ومدیر اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے صحافتی سفر کا آغاز روزنامہ "حریت" سے کیا۔ ۶۷۔۱۹۶۶ء تک وہ بہ حیثیت فیچر نگار حریت سے منسلک رہے۔ بعد ازاں وہ جنگ گروپ کے ساتھ منسلک ہوگئے جہاں وہ تقریباً دو سال تک ہفت روزہ اخبار جہاں میں خدمات

انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں وہ ہفت روزہ "زندگی" میں ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۷۴ء میں انہوں نے ذاتی پبلشنگ آرگنائزیشن کا آغاز کیا۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں وہ دوبار جیل بھی گئے۔ ۱۹۷۸ء میں انہوں نے ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۹ء میں ان کی زیرِ نگرانی ہفت روزہ زندگی کا دوبارہ آغاز ہوا۔ آج کل مجیب الرحمٰن شامی روزنامہ پاکستان کے مدیرِ اعلیٰ اور چیئرمین ہیں۔ وہ زندگی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ کے چیف ایگزیکٹیو بھی رہے۔ ۳۳۵

آنچل ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۷۸ء میں کراچی سے ماہنامہ "آنچل ڈائجسٹ" کا اجراء ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں سلمیٰ کنول، زیب النساء اور رخسانہ بیگم کے نام شامل ہیں۔ "آنچل ڈائجسٹ" انجمن جرائد سندھ کا ایک رکن اور خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب پیش کرنے کا دعوے دار ہے۔

"آنچل ڈائجسٹ" کے مندرجات میں اداریہ بہ عنوان سرگوشیاں مضامین، افسانے، کہانیاں، ناول، انٹرویو، غزلیں، دسترخوان، سولہ سنگھار، بلاعنوان، یادگار لمحے، قارئین کے خطوط بعنوان درجواب آں اور قارئین کی جانب سے بھیجے گئے اقتباسات، اقوال زریں، اشعار اور لطائف وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

اس طرح اس ڈائجسٹ کے تقریباً ہر سلسلے میں قارئین کی بھرپور شرکت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ جس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

"آنچل" نے نہ صرف خواتین کے لیے دلچسپ، تفریحی و اصلاحی مواد پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا بلکہ اپنے اداریوں کے ذریعے اس نے ملکی و قومی معاملات، آزادیٔ اظہار اور دیگر سماجی مسائل پر بھی قلم اٹھایا:

ایک اداریئے میں درج ہے:

"ڈائجسٹ، رسائل وجرائد میں آتے ہیں یا نہیں۔ یہ طے پانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس وقت تو "ڈائجسٹ" ہی ادیب گری کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اگر رسائل وجرائد شائع نہ ہوں گے تو ادیب کہاں چھپیں گے؟ چھپیں گے نہیں تو پڑھے کیسے جائیں گے اور اگر پڑھے نہ گئے تو ادیب کیسے بنیں گے "؟ اشاعت ہی ادب و ادیب کی حیات ہے۔ اگر بڑے پرانے ادیب ریڈیو اور ٹی وی سے فی الوقت نشر ہو بھی گئے تو نئی نسل میں سے ادیب کیسے جلوہ گر ہوں گے؟ رسائل وجرائد کے بغیر تو ممکن نہیں۔ رسائل وجرائد بغیر ڈیکلریشن کے شائع نہیں ہو سکتے اور ڈیکلریشن ملنا مشکل ہے۔ عوام میں جوں جوں خواندگی کی شرح بڑھ رہی ہے۔ پڑھنے کا ذوق وشوق بھی پروان چڑھ رہا ہے پڑھنے کا شوق تفریحی ادب ہی سے پروان چڑھتا ہے کورس کی کتابوں سے نہیں۔ لہٰذا ہم بھی حکومت سے پرزور لفظوں میں گزارش کرتے ہیں کہ ملک میں رسائل وجرائد اور ڈائجسٹوں کی اشاعت بڑھانے کے لیے ڈیکلریشن کی پالیسی کو نرم کر دیا جائے"۳۳۶

"آنچل ڈائجسٹ" کے پلیٹ فارم سے کئی اچھے لکھنے والے ابھرے جن میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے تاہم مرد حضرات کی تحریریں بھی ڈائجسٹ کا حصہ بنیں لکھنے والوں میں مجاہد لکھنوی، زیب ملیح آبادی، سید محمد احسن، شمیمہ نقوی، سلمیٰ کنول، اور اسماء اعجاز وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

خاص نمبر شائع کرنے کی روایت آنچل ڈائجسٹ کے یہاں بھی نظر آتی ہے اور اس ڈائجسٹ کے سال گرہ نمبر، ناول نمبر، افسانہ نمبر اور دیگر خاص نمبر بھی شائع ہو کر قارئین میں قبولیت کا درجہ پا چکے ہیں۔

اس طرح "آنچل" نے اس انتہائی مصروف زندگی میں خواتین کو تفریح بہم پہنچانے کا فریضہ انجام دیا اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا۔ اس کے مدیران اور لکھنے والوں نے اپنی نگارشات کے ذریعے قارئین کے دل و دماغ میں اپنا ایک اہم مقام پیدا کر لیا ہے۔

سائنس ڈائجسٹ۔ کراچی

۱۹۸۰ء میں کراچی سے ماہنامہ "سائنس ڈائجسٹ" کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ اس کے اصل مالک و مدیر تو رضی الدین خاں تھے جبکہ مجلس ادارت میں احمد سعید قریشی، وجیہہ احمد صدیقی، سید عبدالودود شاہ اور سید تنویر حسین شیرازی کے نام شامل تھے۔

"سائنس ڈائجسٹ" کے کل صفحات ۱۹۲، سائز "۵.۷×۴.۵" انچ اور فی شمارہ قیمت ۱۰ روپے تھی اور اسے پبلشرز احمد سعید قریشی، وسیم احمد صابری پرنٹر کے زیر اہتمام، شیخ سلطان ٹرسٹ پریس سے چھپوا کر کراچی سے شائع کرتے تھے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ ڈائجسٹ مکمل طور پر سائنسی مضامین سے مزین ہوتا تھا اس کے سرورق پر درج جملہ کچھ یوں ہے: "عمومی سائنس وفنیات کا دلچسپ قومی جریدہ" اس ڈائجسٹ میں صنعت، نباتیات، طبعیات، فروغ سائنس، ادویاتی کیمیا، فلکی طبعیات، حیوانیات، عمرانیات، آبی حیاتیات، امور مالیات، کمپیوٹر سائنس، طب، ذرائع ابلاغ اور اسپورٹس جیسے شعبوں کا احاطہ کیا جاتا تھا۔ ڈائجسٹ کے مندرجات میں ڈائجسٹ کلینک، سائنس ڈائجسٹ کلب، جہاں سائنس، بچوں کے صفحات، الیکٹرانکس، نظمیں، غزلیں، سائنسی مضامین، سائنسدانوں کی روداد اور احوال، سائنسی کمالات و کرشمے، سائنسی معلومات، آپ کے تاثرات اور قوس وقزح وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف صفحات پر چوکھٹوں میں لطائف، معلومات، اقتباسات اور جیٹ طیاروں سے متعلق معلومات بھی ڈائجسٹ کا حصہ ہوتی تھیں۔ اسٹوڈنٹ لائبریری، وجود باری تعالیٰ کی تلاش اور سائنس اور آئی ٹی پارک وغیرہ "سائنس ڈائجسٹ" کے مستقل عنوانات ہیں۔

اس ڈائجسٹ نے ملک میں سائنس کی ترقی کے لیے ہر ممکن آواز اٹھائی۔ ایک اداریے میں مدیر رقم طراز ہیں:

"سائنس دانوں اور سائنسی برادری پر آج کل ایک گہری مایوسی اور یاس کی کیفیت ہے۔ سائنسی اور تحقیقی اداروں میں ناانصافیوں اور حق تلفیوں کا جو سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے ابھی تک اس کی روک تھام نہیں ہوسکی ہے۔ کام کرنے اور سرگرم نتائج حاصل کرنے والے سائنس دانوں کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی اور ستائش کا سرے سے فقدان ہے۔ عام طور پر سائنسی ادارے میں کام کوئی کرتا ہے اور اس کا کریڈٹ کوئی دوسرا لے جاتا ہے"۳۳۷

مزید درج ہے:

"سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں نتیجہ خیز کامیابی حاصل کرنے کے لیے صبر آزما مدت اور انتظار کا تصور ناپید ہوجانے کے سبب باصلاحیت ذہن بھی پست ہمت ہوجاتے ہیں اور یہ جاہلانہ انداز فکر اور غیر معقول طرز عمل اہل اور قابل سائنس دانوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کردیتا ہے اور وہ آخر کار دل برداشتہ ہوکر کسی ترقی یافتہ ملک جا بستے ہیں"۳۳۸

اپنے موضوع کے تخصیصی نوعیت کے باعث "سائنس ڈائجسٹ" کو مالی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا کیوں کہ تفریحی مواد کم ہونے کے باعث اس طرح کے رسالوں کو اشتہارات وافر تعداد میں نہیں ملتے، دوسرا کاغذ کی قیمتوں میں اضافے کے باعث بھی رسالے کی اشاعت تعطل کا شکار ہوتی رہی۔ اس حوالے سے ایک شمارے میں درج ہے:

"مالی پریشانیوں کے باوجود ویسے تو قارئین اور حلقۂ احباب کے تعاون اور حوصلہ افزائی سے شمارہ جیسے تیسے، دیر سویر سے شائع ہو رہا تھا، مگر گذشتہ دو ماہ کے دوران خصوصاً اخباری قیمت میں اضافے کے باعث شمارے کی اشاعت ناممکن ہوگئی۔ یقین کیجئے کہ گذشتہ دو ماہ سے شمارہ پریس میں چھپنے کے لیے تیار تھا، مگر مہنگے کاغذ نے اس کو اشاعت کے قابل نہ چھوڑا"۳۳۹

"سائنس ڈائجسٹ" نے سائنس اور جدید علوم کو عام قارئین میں مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جدید تحقیقات سے عوام کو آسان زبان میں روشناس کرانے میں اس کی خدمات گراں قدر ہیں۔ افسوس کہ حکومت اور اہل وطن کی ناقدری کے سبب یہ مفید معلوماتی رسالہ بند ہوگیا۔

تجزیہ

پاکستان میں ۱۹۶۰ء کی دہائی سے ڈائجسٹ صحافت مقبول ہونا شروع ہوئی۔ جب الطاف حسن قریشی نے ریڈرز ڈائجسٹ کے طرز پر "اردو ڈائجسٹ" کی داغ بیل ڈالی۔ "اردو ڈائجسٹ" کو بے انتہاء پذیرائی ملی اور جلد ہی اس کی اشاعت ۷۵ ہزار تک پہنچ گئی۔ ایک بے حد کم شرح خواندگی رکھنے والے پاکستانی معاشرے میں یہ تعداد اشاعت حیرت انگیز تھی۔ اردو ڈائجسٹ رجحان ساز رسالہ ثابت ہوا۔ اس کی مقبولیت نے ملک میں ڈائجسٹ صحافت کا راستہ ہموار کیا اور اس کی دیکھا دیکھی ایک کے بعد ایک ڈائجسٹ نکلنے لگے۔ پاکستان میں شائع ہونے والے ڈائجسٹوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلے زمرے میں وہ ڈائجسٹ ہیں جن میں متنوع موضوعات پر مواد شامل ہوتا ہے۔ سیاست، ادب، شکاریات، مہم جوئی، صحت وطب، دل چسپ حیرت انگیز واقعات غرض یہ کہ اس کے دائرے میں سبھی موضوعات آجاتے ہیں۔ اس قسم کے ڈائجسٹوں کا مقصد قارئین کو صحت مند تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات بہم پہنچانا ہے۔ ان ڈائجسٹوں میں اردو ڈائجسٹ، سیارہ ڈائجسٹ، قومی ڈائجسٹ، حکایت ڈائجسٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ دوسرے زمرے میں وہ ڈائجسٹ ہیں جن میں بیشتر جاسوسی کہانیاں اور دیومالائی قصے وغیرہ شامل ہوں۔ ان ڈائجسٹوں میں جرم وسزا پر مبنی کہانیاں جو بالعموم انگریزی سے ترجمہ کی جاتی ہیں اور جن میں بڑی حد تک سنسنی خیزیت اور تجسس کا عنصر پایا جاتا ہے شائع ہوتی ہیں۔ اس نوع کے ڈائجسٹوں کا آغاز "سب رنگ ڈائجسٹ" سے ہوا۔ تاہم کوئی بھی ڈائجسٹ معیار کے اعتبار سے سب رنگ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ اس طرح کے ڈائجسٹوں میں جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ تیسرے زمرے میں وہ ڈائجسٹ آتے ہیں جو عام طور پر خواتین کے ڈائجسٹ کہلاتے ہیں جن میں افسانے، ناول، رومانی کہانیاں، کھانے پکانے کی ترکیبیں، انٹرویو وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ جیسے خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ وغیرہ۔

ڈائجسٹ صحافت کا مزاج بہ حیثیت مجموعی نیم ادبی، نیم معلوماتی، نیم تفریحی اور نیم سیاسی ہوتا ہے۔ یہ ڈائجسٹ اپنے متنوع رنگا رنگ موضوعات اور ادبی اسلوب تحریر سے قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ اتنی متنوع تحریروں کے ساتھ نکلنے والے ڈائجسٹوں نے کوئی علمی و ادبی خدمت انجام دی ہو یا نہیں مگر انھوں نے قارئین میں عادت مطالعہ کو ضرور پروان چڑھایا ہے۔ ایک زمانے میں جب ڈائجسٹ صحافت مقبولیت کی بلندیوں پر تھی، ان کے بارے میں یہ کہا جانے لگا کہ سستی جذباتیت کو ابھارتے ہیں جس کی وجہ سے کم ذہنی استعداد رکھنے والا طبقہ معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ پھر جرائم کی کہانیاں ان میں کثرت سے شائع کی جاتی ہیں جن کے مطالعے سے اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے ذہن جرائم کی طرف مائل ہوں گے۔ پھر ان رسائل میں تخیل پرستی پر زور دیا جاتا ہے۔ ڈائجسٹوں میں چھپنے والی پراسرار دیومالائی داستانوں کو پڑھ کر قارئین کا ذہنی رشتہ حقیقت سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو داستانی ماحول کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں۔ بے جا تخیل پرستی ان سے قوت عمل چھین لیتی ہے اور وہ خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے لگتے ہیں۔ اکثر ڈائجسٹ کہانیوں میں مافوق الفطرت قوتوں کی بالادستی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان کہانیوں کے مرکزی کردار پراسرار قوتوں کے مالک ہوتے ہیں، جس کے بل بوتے پر وہ ایک ایسی جادوئی طاقت حاصل کر لیتے ہیں جس کی مدد سے وہ دوسروں کے دماغوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ معترضین کا اعتراض یہ تھا کہ یہ بعید از کار حقیقت کہانیاں دل چسپ تو ہوتی ہیں لیکن مفید نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس پڑھنے والوں کے ذہن اور ان کے سیرت و کردار پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ان نکتہ چینیوں کے باوجود ڈائجسٹ قارئین کے وسیع حلقوں میں مقبول رہے۔ ان ڈائجسٹوں کو اعلیٰ معیار کے ادیبوں کا قلمی تعاون بھی نہیں ملتا۔ مقبولیت کے باوجود (سوائے "سب رنگ" کے جس میں کرشن چندر اور شوکت صدیقی جیسے معیاری ادیبوں نے لکھا) ڈائجسٹ کے لیے لکھنے والوں کا ایک حلقہ متعارف ہوا۔ یہ لکھنے والے قارئین کی "ڈیمانڈ" کو پیش نظر رکھ کر لکھتے

ہیں۔ اعلیٰ ادب کے مقابلے میں پاپولر ادب کی پیش کش ان کی ترجیح ہے۔ چنانچہ ڈائجسٹ عوام پسند ادب کو فروغ دے رہے ہیں۔ جاسوسی ڈائجسٹ ہوں یا خواتین کے ڈائجسٹ ان کے قارئین بالعموم متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوسط درجے کے پڑھے لکھے اور متوسط گھرانوں کی خواتین جو اپنی الجھی زندگیوں اور معاشرتی مسائل و پریشانیوں سے فرار حاصل کرنے اور وقتی ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے ان ڈائجسٹوں کا سہارا لیتی ہیں۔ ڈائجسٹوں میں چھپنے والا مواد تھوڑی دیر کے لیے ان قارئین کو تخیلاتی اور تصوراتی دنیا کا اسیر کر دیتا ہے۔ وہ ان کے مطالعے سے کچھ دیر کے لیے زندگی کی تلخیوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہی ان ڈائجسٹوں کے مطالعے کا حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ڈائجسٹ افیون کی طرح ہیں کہ ان کا چسکا ایک دفعہ پڑ جائے تو پھر مشکل سے ہی پیچھا چھوٹتا ہے۔

بچوں کے رسائل

مستقبل کے معمار کی حیثیت سے بچے کسی بھی ملک کا ایک اہم سرمایہ ہوتے ہیں اور ان کی ذہنی وفکری نشوونما کے لیے ان کو ہر ممکن وسائل اور ذرائع فراہم کرنا بچوں کا بنیادی حق ہے۔

اقوام متحدہ نے بھی بچوں کے حقوق متعین کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ:

"نوع انسانی بچوں کے معاملے میں اخلاقی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ انہیں ہر وہ چیز فراہم کرے جو ان کے قبضے میں ہے" ۳۴۰

دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کو صحت مند تفریح فراہم کرنے کے لیے ایسا ادب تخلیق کیا جاتا ہے جو ان کی فکر و عمل کی ترقی میں معاون و مددگار ثابت ہو بچوں کے ادب میں رسائل و جرائد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ لیکن بچوں کے رسائل میں کچھ چیزوں کو ضرور مدنظر رکھا جانا چاہئے تاکہ ان کی فطری جبلتوں کی تسکین ہو سکے اور ان کی نظریاتی تربیت کا اہتمام ہو سکے۔

وہ چند نکات جن کا خیال رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے یہ ہیں:

۱۔ بچوں کا ادب ان کے ذہنی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

۲۔ زندگی کو سمجھنے میں ان کی مدد کر سکے۔

۳۔ اس میں تخیل کی رنگ آمیزی اور تصور کی سحر کاری ہو

۴۔ اس میں تفریح کا سامان ہو۔

۵۔ زبان، تہذیب اور مذہب کے بارے میں واقف کر سکے۔

۶۔ اظہار اور ابلاغ کے قرینوں سے واقف کر سکے۔

۷۔ ان میں کشادہ قلبی اور وسعت نظری پیدا کر سکے

۸۔ انہیں نامعلوم سے معلوم تک لے جا سکے۔ ۳۴۱

مجلّاتی صحافت میں بچوں کے رسائل کے ضمن میں کیا کیا رجحانات پائے جاتے ہیں اس کا جائزہ لینے کے لیے قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے بچوں کے رسائل پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔

قیام پاکستان سے قبل بھی مجلاتی صحافت خصوصاً بچوں کے رسائل اپنے عروج پر تھے تاہم موضوعات، کرداروں اور کہانیوں میں زیادہ تنوع نہیں تھا۔

محمد سلیم مغل "مصحف" میں شائع ہونے والے اپنے مقالے میں رقم طراز ہیں:

"قیام پاکستان سے قبل بچوں کے جو قابل ذکر اردو رسائل ہمیں برصغیر میں نظر آتے ہیں۔ ان میں ماہنامہ پھول، کھلونا ہفت روزہ غنچہ اور جامعہ ملیہ کا پیام تعلیم اہم ہیں۔ چونکہ رسائل کے پڑھنے والے مسلمان اور ہندو دونوں طرح کے بچے ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کی کہانیوں میں ہندو کرداروں اور ہندو عقائد کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ یہ رسائل چونکہ سیاسی نوعیت کے نہیں تھے۔ اس لیے آزادی کی تحریک میں ان کا کردار انقلابی نوعیت کا تو ہو بھی نہیں سکتا تھا البتہ آزادی کے حوالے سے جو تھوڑی بہت تحریریں نظر آتی ہیں وہ آزادیٔ پاکستان کے بجائے تقسیم ہند سے متعلق زیادہ ہیں ۳۴۲

قیام پاکستان کے بعد جہاں رسائل و جرائد کے مضامین میں تبدیلیاں رونما ہوئیں وہیں بچوں کے لیے مخصوص رسائل و جرائد میں بھی ان تبدیلیوں کو محسوس کیا گیا۔

محمد سلیم مغل لکھتے ہیں:

"قیام پاکستان کے ابتدائی دور میں بچوں کے لیے جو رسائل ہمیں نظر آتے ہیں ان میں کھلونا، پھلواری،، غنچہ، کھلاڑی، بھائی جان اور بچوں کی دنیا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد نور، بچیوں کا ماہنامہ، بتول اور پھر تعلیم و تربیت اور نونہال کے نام آتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ان رسائل کے عمومی موضوع مافوق الفطرت کرداروں پر مبنی دیو مالائی کہانیاں، جنوں بھوتوں کے قصے اور شہزادوں اور پریوں کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ مگر ان سب کے ساتھ ساتھ بچوں کی اخلاقی تربیت اور قومی یکجہتی کے حوالے سے کہانیاں، مضامین یا گیت اور نظمیں بھی شامل ہوا کرتے تھے" ۳۴۳

قیام پاکستان کے فوراً بعد شائع ہونے والے بیش تر رسائل جنوں، پریوں اور شہزادے شہزادیوں کے قصے کہانیوں کو ہی اپنا موضوع بنائے ہوئے تھے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال تبدیل ہوئی اور بچوں کے رسائل نے تعمیر وطن ملی وحدت اور مذہب کے حوالے سے بچوں کی تفریح اور تربیت کے لیے بہتر سے بہتر مواد شائع کرنا شروع کیا۔ سائنسی ترقی کے اس دور نے جہاں دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا ہے وہیں بچوں کے رسائل میں بھی موضوعات کا تنوع سامنے آیا ہے۔ ان کی ظاہری اور باطنی حیثیت میں بھی تبدیلی آئی ہے اور رسائل کی کتابت، طباعت، اسکیچز، کہانیوں کے موضوعات اور اسلوب سبھی کچھ تبدیل ہوئے ہیں۔ خصوصاً غیر ملکی ادب سے بچوں کی کہانیوں کے تراجم اور دلچسپ کامکس کی اشاعت کا نیا

رجحان سامنے آیا۔ جس سے ان رسائل میں نہ صرف بچوں بلکہ بڑوں کو بھی دلچسپی پیدا ہوئی اس کے علاوہ مختلف سیاسی وسماجی واقعات کے پس منظر میں تحریر کی جانے والی کہانیوں نے بچوں کو دلچسپ اور ہلکے پھلکے انداز میں حالات وواقعات کو درست طور پر پرکھنے اور تجزیہ کرنے میں مدد دی ہے یہی وجہ ہے کہ آج کے بچے پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ باشعور اور سمجھ دار ہیں۔ ۳۴۴

قیام پاکستان سے لے کر اب تک تقریباً ۶۰ کے قریب بچوں کے رسائل شائع ہوئے، جن میں زیادہ تر ماہنامے ہیں۔ تاہم چند ایک سہ ماہی اور پندرہ روزہ رسائل بھی سامنے آئے۔ ان رسالوں کی اکثریت کراچی اور لاہور سے شائع ہوتی ہے۔ پاکستان کے دیگر شہروں سے اکا دکا رسائل شائع ہوتے ہیں جبکہ قیمت، صفحات کی تعداد اور سائز میں بھی تنوع دیکھنے میں آیا۔

ذیل میں ان چند اہم بچوں کے رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیام پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ ان میں ان کے تاریخ اجراء، مشتملات کا جائزہ، معاشرتی حالات اور مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تعلیم وتربیت۔ لاہور

۱۹۴۰ء میں لاہور سے بچوں کے لیے ماہنامہ "تعلیم وتربیت" کا اجراء ہوا، جس کے حلقۂ ادارت میں ڈاکٹر عبدالوحید خان اور عبدالسلام خان کے نام شامل تھے۔ اس رسالے کی فی شمارہ قیمت ۷۵ پیسے تھی اور یہ مطبع فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور کے تحت شائع ہوتا تھا۔

"تعلیم وتربیت" بچوں کا ایک لائق مطالعہ رسالہ ہے جس کے مندرجات میں دلچسپ اور اصلاحی کہانیاں، نظمیں، اقتباسات، پہیلیاں، معلومات، مذہبی، سماجی، سائنسی مضامین، بلاعنوان، اقوال زریں، لطائف، اور مختلف سائنسی معلومات بعنوان "کیوں، کیسے، کیونکر" شامل ہوتی تھیں۔

یہ رسالہ اسم باسمّہ تھا۔ چناں چہ اس نے بچوں کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اگست ۱۹۷۰ء کے شمارے کے صفحۂ اول پر درج ہے:

"تعلیم وتربیت" ہر وہ بچہ پڑھتا ہے:

- جو بڑا ہو کر دنیا میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے۔
- جو چاہتا ہے کہ دنیا میں سچ کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہو۔
- جو ایسے کام کرنا چاہتا ہے جس سے اس کی اور قوم کی نیک نامی ہو۔
- جو تعلیم اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ ملک سے جہالت، غریبی اور بیماری کو مٹائے۔
- جو اپنے اخلاق کو سنوارنے کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کو بھی طاقت ور بنانا چاہتا ہے تاکہ وقت پڑنے پر ظالم کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے" ۳۴۵

"تعلیم وتربیت" کو اپنی اشاعت جاری رکھنے میں مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ "پہلے یہ پڑھیئے" کے عنوان سے ایک اداریئے میں مدیر بچوں سے مخاطب ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس بار سے ہم آپ کے پیارے "تعلیم وتربیت" کی قیمت میں معمولی اضافہ کررہے ہیں۔ پہلے ایک لمبے عرصے سے کاغذ کی مہنگائی اور دوسری اجرتوں میں غیر معمولی اضافے کے باوجود ہم نے آپ کو یہ رسالہ صرف ڈیڑھ روپے میں مہیا کیا۔ جبکہ بچوں کے دوسرے بعض پرچوں نے یہ اضافہ بہت پہلے کردیا تھا۔ ہم نے حالات سے مجبور ہوکر ایک پرچے کی قیمت میں صرف ۲۵ پیسے کا اضافہ کیا ہے۔۔۔ ہم نے آپ کو بتایا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ بھی مجبور ہوکر کیا ہے۔ آپ اطمینان رکھیئے کہ اگر ہم نے کسی موقع پر پھر مجبور ہوکر کچھ اضافہ اور کیا تو ہم آپ کے اس رسالے کے کچھ صفحے بھی بڑھانے کی کوشش کریں گے لیکن ابھی نہیں" ۳۴۶

"تعلیم وتربیت" میں ملک کے بڑے بڑے ادیب اور لکھاری اپنے قلم کے جوہر دکھایا کرتے تھے۔ اس کے مضمون نگاروں میں مولوی تاج الدین طپش، مقبول انور داؤدی، محمد یونس حسرت، آغا شیدا کاشمیری، کشور سلطانہ، زیب النساء، زاہد، ساجدہ حفیظ، عفت گل اعزاز، مرزا ادیب، روحی کنجاہی، سیما شہاب اور شہباز بٹ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

"تعلیم وتربیت" پہلے بڑے سائز پر شائع ہوتا تھا۔ بعد میں اس کا سائز چھوٹا کردیا گیا اور پیش کش کے معیار میں بھی واضح فرق دیکھنے میں آیا۔ تاہم ان تمام تبدیلیوں کے باوجود "تعلیم وتربیت" نے اپنے مضامین اور کہانیوں کے ذریعے اپنی جگہ بنائی اور مختلف انعامی سلسلوں کے ذریعے بچوں کو بھی اس رسالے میں منہمک رکھا، جو اس کی ایک بڑی کامیابی ہے۔

بھائی جان۔کراچی

۱۹۵۰ء میں میر خلیل الرحمٰن اور شفیع عقیل کی ادارت میں روزنامہ جنگ کراچی کے تحت ماہنامہ "بھائی جان" کا اجراء کیا گیا۔ تقریباً ۱۰۶ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "9.5 x "6.5 اور قیمت فی شمارہ بارہ آنے تھی۔

اس رسالے میں بچوں کی دل چسپی کے لیے تصویری، مزاحیہ کہانیاں، مزاحیہ نظمیں، پہلیاں، ننھے ادیب، انعامی مضامین، دلچسپ اور عجیب، قلمی دوستی، آپ کا دسترخوان، معلوماتی مضامین، مختلف تقریبات اور نمائشوں کا دلچسپ احوال، لطائف، دنیا بھر کی معلومات اور کراچی کے مختلف مقامات کی تصاویر وغیرہ شائع ہوتی تھیں۔

"بھائی جان" کے اداریے "اپنے متعلق" کے عنوان سے شائع ہوتے تھے۔ جس میں ننھے قارئین کو نہایت ہلکے پھلکے انداز میں مختلف معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا کام بھی کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی رسالے کی اشاعت کے ضمن میں پیش آنے والے مسائل سے بھی آگاہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً رسالے کی اشاعت میں تاخیر پر مدیر بھائی جان کچھ ان الفاظ میں بچوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

"اس دفعہ سب سے پہلے تو ہمیں "بھائی جان" پڑھنے والوں سے معذرت کرنی ہے۔ ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ ستمبر کا پرچہ شائع نہ ہونے سے "بھائی جان" کے پڑھنے والوں کو زحمت ہوئی ہے اور پھر کچھ اس لیے بھی کہ اکتوبر کا یہ مشترک شمارہ بھی اپنے وقت پر شائع نہیں ہو رہا۔ اس سلسلے میں ہمیں افسوس ہے لیکن اس موقع پر معذرت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل کچھ کتابت وطباعت کی ایسی الجھنیں آپڑی تھیں کہ باوجود کوشش کے پرچہ نہ نکل سکا۔ اس وقت بھی ہم پرچہ مارا ماری میں نکال رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو آئندہ ماہ سے یہ شکایت نہ ہوگی۔ ہم کوشش کریں گے آئندہ سے "بھائی جان" باقاعدگی سے شائع کر کے اس تاخیر کا ازالہ کر دیں اور ہمارے پڑھنے والوں کو جو پریشانی ہوئی ہے اس کا بدلہ چکا دیں"۔ ۳۴۷

"بھائی جان" نے خاص نمبر اور سالنامے شائع کرنے کی روایت کو نہایت خوبصورتی سے نبھایا۔ اس کے خاص نمبر اپنے ناموں کی طرح خاص ہوتے تھے۔ اہم خاص نمبروں میں شرارت نمبر، جھوٹ نمبر، پٹائی نمبر، لطیفہ نمبر، انتخاب نمبر، بور نمبر اور سالنامے شامل ہیں۔ "جھوٹ نمبر" کے حوالے سے مدیر لکھتے ہیں:

"جھوٹ نمبر" کی رنگارنگی اور خوبصورتی کے متعلق ہم اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے ادیب اور شاعر اپنے بچپن کے دل چسپ اور نصیحت آموز جھوٹ لکھ رہے ہیں۔ ہماری کوشش تو یہی ہے کہ "جھوٹ نمبر" بھائی جان کے شایان شان نکلے"۔ ۳۴۸

"بھائی جان" کے پلیٹ فارم سے بچوں کا ادب تخلیق کرنے والے کئی قلم کار ابھرے۔ ان میں ضمیر سہارنپوری، شاہنواز پروین، ساجد لدھیانوی، آصف جاوید، عنبر چغتائی، نسیم درانی، جگن ناتھ آزاد، شاد عارفی، فرحت عزیز، ضیاء اکبر آبادی، شہلا ابوبکر، برجیس اختر، صفدر صدیقی، غافل کرنالی، غلام محی الدین نظر، منور نامی اور دیگر بے شمار مصنفین شامل ہیں۔ الغرض اس رسالے میں بچوں کی دلچسپی اور تفریح طبع کے لیے ہر طرح کا مواد شائع کیا جاتا تھا، تاہم یہ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا اور بند ہو گیا۔

نونہال۔ کراچی

۱۹۵۲ء میں حکیم حافظ محمد سعید نے کراچی سے بچوں کے لیے ماہنامہ نونہال کا اجرا کیا۔ جس کی ادارت مسعود احمد برکاتی کے سپرد کی گئی۔

ہمدرد ایجوکیشن سٹی، ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا یہ رسالہ تقریباً ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا سائز "۵x"۸.۷ ہے۔ "نونہال" بچوں میں ابتدا ہی سے میں مقبول رہا ہے۔ جس کے مندرجات میں حمد و نعت، مذہبی مضامین، دلچسپ کہانیاں، انگریزی کہانیوں کے تراجم، نظمیں، لطیفے، صحت کے مسائل، ننھے ادیب، انعامی مقابلے اور ذہنی آزمائش کے سلسلے وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

مسعود احمد برکاتی بحیثیت مدیر "پہلی بات" کے عنوان سے اداریئے تحریر کرتے ہیں، جس میں وہ نونہالوں سے نہایت شفیق انداز میں مخاطب ہوتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا کہنا ہے:

"میں اداریہ اکثر موضوعاتی لکھا کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ رسالے کے قارئین کے متعلق امور پر بھی لکھنا پڑتا ہے تو چند برس سے میں نے اس کی یہ راہ نکالی ہے کہ بچوں کو ذہنی غذا یعنی فوڈ فار تھاٹ دینے کے لیے ایک دو جملوں میں کوئی موضوع دے دوں، جس کو پڑھ کر وہ اپنی بساط کے مطابق غور کریں اور خیال کو "ڈیویلپ" کریں۔ ۳۴۹ء

ہمدرد "نونہال" حکیم محمد سعید شہید کی بچوں کے ادب کے لیے ایک بہت بڑی خدمت تھی وہ "جاگو جگاؤ" کے عنوان سے ننھے قارئین کی ذہنی وفکری تربیت کا کام سرانجام دیتے تھے۔

"ہمدرد نونہال" کا ایک اہم سلسلہ "آدھی ملاقات" ہے جس میں نونہال اپنے خطوط کے ذریعے نہ صرف رسالے کے مندرجات پر اظہارخیال کرتے ہیں بلکہ اپنے مفید مشوروں اور تجاویز سے بھی نوازتے ہیں اور ان تجاویز پر عملدرآمد کرنا مدیر "نونہال" کی دیرینہ روایت ہے۔

ہمدرد "نونہال" نے بے شمار خاص نمبر اور سالنامے شائع کیے، جو اس کی ادارتی ٹیم کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس حوالے سے مسعود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

"خاص نمبر بنانے کے لیے یوں تو پورا سال ہی ہمارا ذہن کام کرتا ہے، لیکن آخر کے تقریباً دو مہینے تو پورے ہی لگ جاتے ہیں۔ میں اور میرے ساتھی تو اس میں اپنی پوری توجہ اور پورا وقت خرچ کرتے ہیں۔ دن اور رات کا فرق ختم کر دیتے ہیں، چھٹی کا دن بھول جاتے ہیں۔ میں ان کا کیا شکریہ ادا کروں انھوں نے محنت کی تو رسالہ بہتر سے بہترین بنا" ۳۵۰ء

اس رسالے کے مستقل لکھنے والوں میں حکیم محمد سعید شہید، مرزا ادیب، مسعود احمد برکاتی، علی ناصر زیدی، وحیدہ نسیم اور سرور بجنوری کے نام قابل ذکر ہیں۔

الغرض ہمدرد "نونہال" محض بچوں کی دلچسپی کا ایک رسالہ ہی نہیں ہے۔ یہ ایک پورا عہد ہے جس نے نونہالوں کی کم از کم تین نسلوں کی ذہنی اور فکری تربیت کی ہے لیکن اس کی مقبولیت اور معیار میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس رسالے نے بچوں کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں علم وادب کی جوت جگانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

مسعود احمد برکاتی

مسعود احمد برکاتی، بھارت کے صوبے راجستھان کے شہر ٹونک میں ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید محمد احمد ایک طبیب اور مصنف تھے جبکہ دادا علامہ حکیم سید برکات بھی ایک معروف شخصیت تھے۔ سوا سال کی عمر میں ہی والد کا انتقال ہو گیا، جس کے بعد دادی اور والدہ نے گھر کی ذمہ داری اٹھائی۔ مسعود احمد برکاتی کل ایک بہن اور تین بھائی تھے، مسعود احمد برکاتی کی ابتدائی تعلیم ان کے دادا کے قائم کردہ "دارالعلوم خلیلیہ" میں مکمل ہوئی، جہاں انہوں نے عربی، فارسی، اردو اور طب کی تعلیم حاصل کی جبکہ انگریزی کی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔

مسعود احمد برکاتی کو بچپن سے ہی مطالعے اور لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ محض چودہ برس کی عمر میں انھوں نے ایک قلمی رسالہ "البرکات" جاری کیا۔ قیام پاکستان کے بعد پندرہ برس کی عمر میں تن تنہا ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور جب گھر سے منی آرڈر آنا بند ہو گئے تو پھر ٹیوشن پڑھا کر گزارا کیا۔

آپ انجمن ترقی اردو کے رسالے "معاشیات" میں بھی لکھتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں حکیم محمد سعید سے ملاقات ہوئی اور وہ ہمدرد فاؤنڈیشن سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۵۳ء میں بچوں کے رسالے "نونہال" میں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۶۷ء میں اس رسالے کے معاون مدیر اور ۱۹۸۰ء میں مدیر اعلیٰ کے درجے پر فائز ہوئے اور تا حال وہ اس کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ ۳۵۱

سائنس بچوں کے لیے۔ کراچی

۱۹۷۱ء میں پاکستان میں بچوں کا واحد سائنسی رسالہ، ماہنامہ "سائنس بچوں کے لیے" کراچی سے جاری ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں آفتاب حسن، ڈاکٹر منظور احمد اور عظمت علی خان کے نام شامل تھے۔

"۸.۹ x "۶.۸ سائز کے حامل اس رسالے کے صفحات تقریباً ۷۶ ا جبکہ قیمت فی شمارہ ۲ روپے تھی اور اسے ناشر آفتاب حسن، انجمن پریس، کراچی سے چھپوا کر سائنٹفک سوسائٹی پاکستان، شعبۂ حیوانیات جامعہ کراچی کے زیر اہتمام شائع کرتے تھے۔

اس رسالے میں بچوں کے لیے سائنسی مضامین، سائنسی معلومات، سائنسی خبریں، سائنسی تجربات و ایجادات کے حوالے سے مضامین اور تحریریں وغیرہ دلچسپ اور سادہ انداز میں شائع کی جاتی تھیں۔

اس رسالے نے بچوں کو سائنس و ٹیکنالوجی کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے مدیر "سنو بچو!" کے عنوان سے اپنے اداریے میں لکھتے ہیں:

"بچوں! یاد رکھو کہ آج کی کوئی قوم سائنس اور ٹیکنالوجی یعنی فنیت اور ہنر پر عبور حاصل کئے بغیر باعزت طور پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تم قوم کے مستقبل ہو، اس لیے تمہارا ان مضامین کی طرف مائل ہونا، ان کو سمجھنے، جاننے اور برتنے کی کوشش کرنا اچھی علامت ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہارا یہ رسالہ ہماری نئی پود میں سائنسی علوم سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے" ۳۵۲

اسی طرح ایک اور اداریے میں مدیر رقم طراز ہیں:

"سائنس کا قافلہ اس تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے کہ گرد پا بھی اس کا پتہ نہیں دے سکتی۔۔۔ شاید تمھیں یہ نہیں معلوم کہ سائنس میں کوئی چیز حرف آخر نہیں ہے۔ سائنس جس چیز کی آج تصدیق کرتا ہے، ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصے بعد وہی سائنس اس کا انکار کر دے، لیکن سخت محنت کے باعث ہم آخر صحیح چیز پا ہی لیتے ہیں۔ یہی ترقی کا راز ہے۔ اسے ہی ہم سائنس کہتے ہیں" ۳۵۳

اس رسالے کو مالی مشکلات اور کاغذ کی قلت جیسے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مدیر کچھ ان الفاظ میں بچوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

"پہلی بات تو یہ کہ رسالہ دیر سے کیوں نکلا؟ تو میاں بات دراصل یہ ہے کہ رسالہ تو وقت پر تیار تھا لیکن۔۔۔ کاغذ بازار سے غائب تھا۔ بڑی بھاگ دوڑ اور انتظار کے بعد وہ کاغذ جو پہلے ہم بائیس (۲۲) روپے ریم خریدتے تھے اب ساٹھ روپے ریم ملا ہے نتیجے میں رسالہ وقت پر نہ نکل سکا۔ اور اسی وجہ سے اسے دو ماہ کا کرنا پڑا بہر حال آئندہ ماہ سے رسالہ وقت پر نکلے گا چاہے کاغذ کتنا ہی گراں خریدنا پڑے"۳۵۴؎

"سائنس بچوں کے لیے" کے لکھنے والوں میں آفتاب حسن، سید خالد نعمان، محمد عبدالحیٔ، نگار عباس، صابرہ بیگم اور سلیم جلالی کے نام اہم ہیں۔

یہ اپنی طرز کا ایک بہترین اور منفرد ماہنامہ تھا۔ جس نے بچوں کو سائنسی معلومات نہایت دلچسپ انداز میں فراہم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا۔

ٹوٹ بٹوٹ

۱۹۷۷ء میں بچوں کے لیے دل چسپ ماہنامہ "ٹوٹ بٹوٹ" کا اجراء عمل میں آیا۔ جس کے ایڈیٹر انچیف مسرور رائو تھے جبکہ مجلس ادارت میں اسلم فصیح، ثمینہ راؤ، سعدیہ اقبال اور حنیف سحر کے نام شامل تھے۔

پاکستان نیوز انٹرنیشنل کے زیر انتظام شائع ہونے والا یہ رسالہ "۸ سال سے ۸۰ سال تک کے بچوں کا پسندیدہ ماہنامہ" ہونے کا دعویٰ دار تھا۔ اس کے مندرجات میں حمد و نعت، آپس کی باتیں (اداریہ)، دل چسپ واصلاحی کہانیاں، مضامین، لطائف، معلومات اور اقوال زریں بھی شامل ہوتے تھے۔ رسالے کی ایک منفرد خصوصیت اس میں انگریزی کہانیوں اس کے تراجم کی موجودگی تھی۔

"ٹوٹ بٹوٹ" کے مدیران اپنے ننھے قارئین کی ذہنی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں ان کے حقوق سے واقف کرانے میں بھی اپنا کردار ادا کر رہے تھے "آپس کی باتیں" کے عنوان سے مدیر اعلیٰ رقم طراز ہیں:

"سواس بار بھی ہم نے اپنے تئیں سیاہ حرفوں میں چھپے سارے اجالے جمع کرنے اور جمع کر کے آپ تک پہنچانے کی پوری کوشش کی ہے۔ ان اجالوں سے آپ کو اور باقی سب دوستوں کو کتنی روشنی ملی، جو جس قدر سیراب ہوگا۔ اس سے ہمیں اتنی ہی خوشی ملے گی۔ زیرِ نظر شمارہ یونیسیف اور دعوۃ اکیڈمی کی تحریک پر بچوں کے انہی شوق کی وضاحتوں اور مراحتوں سے مزین ہے، جنہیں اقوام متحدہ نے منظور کیا ہے اور سب ہی رکن ملکوں نے ان حقوق کو تسلیم کر کے اس مسودے پر دستخط کیے ہیں۔ چنانچہ یونیسیف دنیا بھر میں ان حقوق کی awareness یعنی زیادہ سے زیادہ واقفیت اور آگہی پھیلانے کے لیے اپنے انداز سے ایسی کوششوں میں مصروف ہے جن سے بچوں کے حقوق نہ صرف سب ہی چھوٹے بڑوں کے علم میں آئیں

بلکہ ان حقوق کا احترام کرتے ہوئے بچوں کو یہ حقوق عملی طور پر دیئے بھی جائیں تا کہ سماج میں سب ہی بچوں کا مستقبل محفوظ ہو اور وہ سکھ چین سے رہیں اور خوب مزے سے زندگی جئیں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کریں"۳۵۵

"ٹوٹ بٹوٹ" میں بچوں کی دل چسپی کے مواد کے ساتھ ساتھ مختلف انعامی سلسلے بھی شامل ہوتے تھے۔ ننھے بچے اپنی تخلیقات، اپنی تصاویر کے ساتھ بھیج کر داد و تحسین پاتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کئی سلسلے اور عنوانات بچوں کی پسند کے مطابق اس رسالے میں شامل کئے جاتے تھے یعنی یہ ایک ایسا بہترین رسالہ تھا جو بچوں کی پسند کے عین مطابق تھا اور ننھے منے قارئین اس رسالے سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔

آنکھ مچولی۔ کراچی

جولائی ۱۹۸۶ء میں کراچی سے بچوں کے لیے ماہنامہ رسالہ "آنکھ مچولی" کا اجراء کیا گیا، جس کے سرپرست ڈاکٹر ابواللیث صدیقی تھے مدیر اعلیٰ ظفر محمود شیخ مدیر اعزازی طاہر مسعود، مدیر منتظم ایم اے فاروقی جبکہ مجلس مشاورت امجد اسلام امجد، مشفق خواجہ، اور مجلس ادارت میں منیر احمد راشد اور محمد عمر احمد خان کے نام شامل تھے۔

تقریباً ۳۲ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۵.۷x"۵.۵ اور قیمت ۱۰ روپے تھی۔ اور اسے ناشر ظفر محمود شیخ، لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی سے شائع کرتے تھے۔ اس رسالے کو گرین گائیڈ اکیڈمی کی جانب سے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کی زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی و علمی صلاحیتوں کی نشوونما اور کردار سازی کے لیے شائع کیا گیا تھا۔

رسالہ "آنکھ مچولی" "نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار" ہونے کا دعویٰ دار تھا۔ اس کے مندرجات میں تاریخی سبق آموز واقعات، بچوں کے لیے دل چسپ و اصلاحی کہانیاں، نظمیں، مضامین، معلومات، لطائف بعنوان گلگلے، پہلیاں بعنوان بوجھو تو جانیں، بچوں کی تحریریں بعنوان قلم تتلے، قارئین کے خطوط بعنوان بخدمت جناب، آنکھ مچولی البم، ننھے بچوں کا تعارف، انعامی مقابلے اور دلچسپ رنگا رنگ مواد شامل ہوتا تھا۔

وقت کے ساتھ رسالے کے مختلف سلسلے اپنے نام بدلتے رہے، تاہم رسالے کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنی بچوں کو تفریح کے ساتھ معلومات و اخلاقیات سے آگاہ کرنا اور ان کے ناپختہ ذہنوں کی تعمیر سازی اور فکری و علمی اصلاح میں اپنا کردار ادا کرنا، تا کہ ان بچوں کو معاشرے کا ایک کارآمد فرد بنایا جا سکے۔

"آنکھ مچولی" کے اداریے، اس کے مدیر کی فکری بلندی اور اصلاح اطفال کے جذبے کے عکاس ہوتے ہیں۔ ماہ رواں کی پہلی بات کے عنوان سے ایک اداریے میں مدیر، بچوں سے کچھ یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"عزت ان ہی کو ملتی ہے، جو دوسروں کی عزت کرتے ہیں۔۔۔ آپ نے ایسے نوجوان بھی دیکھے ہوں گے جو بدتمیز بھی ہوتے ہیں اور بدکلام بھی۔ کسی نہ کسی وجہ سے ان کا دماغ غرور سے بھرا ہوتا ہے اور وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتے ہی

نہیں ہیں۔ بزرگوں کا احترام کرنا اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا جنھیں آتا ہی نہیں۔ جن کی یہ خواہش تو ہوتی ہے کہ دوسرے انہیں اہمیت دیں، ان پر توجہ کریں لیکن دوسروں کے معاملے میں ان کا اپنا رویہ شائستہ اور مہذب نہیں ہوتا۔۔۔ یہ صحیح ہے کہ سارے نوجوان اس مزاج اور کردار کے نہیں ہوتے، لیکن ان نوجوانوں کی محبت اچھے گھرانوں کے لڑکوں کو بھی بگاڑ دیتی ہے۔۔۔"۳۵۶

نوجوانوں کو علم کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے، اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے مدیر مزید لکھتے ہیں:

"تعلیم کا مقصد آدمی کو مہذب بنانا ہے اور انکساری اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اور معاشرے میں اپنے مقام کو پہچانے۔ بزرگوں کی عزت اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک دن آپ کا شمار بھی بزرگوں میں ہونا ہے۔ اگر بزرگوں کے ادب کرنے کی روایت کو آپ نے آج قائم نہ رکھا تو کل آنے والی نسل آپ کو بھی عزت و احترام سے محروم کردے گی۔۔۔ لہذا یہ فیصلہ آپ کو ابھی کرنا ہے کہ باادب ہوکر آپ بانصیب بننا چاہتے ہیں یا بے ادب ہوکر بدنصیب۔۔۔!"۳۵۷

"آنکھ مچولی" معمول کی اشاعتوں کے علاوہ خاص نمبر شائع کرنے میں بھی پیش پیش رہا۔ "کرکٹ اسپیشل نمبر"، "قہقہہ نمبر"، "خوفناک نمبر"، "حیرت ناک نمبر"، "اطفال نمبر"، "عالمی ادب نمبر"، "کشمیر نمبر"، اور "ایجادات نمبر" شائع کرکے اس رسالے نے بچوں کے ادب کے سرمایے میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس رسالے کی ایک انفرادیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر شمارے کے ساتھ بچّوں کو کوئی نہ کوئی تحفہ دیا کرتا تھا۔ مثلاً کرکٹ نمبر کے ساتھ اس نے سر پہ پہننے کے لیے کیپ کا تحفہ دیا۔

"آنکھ مچولی" بچوں کو ہلکی پھلکی تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر قومی وسماجی امور اور مسائل پر بھی کڑی نظر رکھتا تھا۔ "آنکھ مچولی کی اپیل" کے عنوان سے اکتوبر ۱۹۹۲ء کے شمارے میں درج ہے:

"رسالے کی کاپیاں پریس میں جارہی تھیں کہ وطن عزیز پہ آزمائش کی سخت گھڑی آپہنچی۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق منہ زور سیلاب سیکٹروں گاؤں، دیہاتوں اور قصبوں کو ڈبو چکا ہے۔ ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ لاتعداد افراد بے گھر ہوکر کھلے آسمانوں کے نیچے بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ مویشی بہہ گئے ہیں اور کھیت کھلیان ڈوب چکے ہیں۔ ملک کو اربوں روپوں کا نقصان پہنچ چکا ہے۔۔۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس آفت ناگہانی کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہوجائیں اور سیلاب سے متاثرہ اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے جو کچھ بھی بن پڑسکتا ہے۔ ضرور کریں"۳۵۸

اس طرح "آنکھ مچولی" نے نہ صرف بچوں کی تفریحی ضروریات کو مدنظر رکھا بلکہ اپنے دیگر معلوماتی مضامین اور سلسلوں کی مدد سے ان کی فکری و ذہنی نشوونما میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ یہ رسالہ بچوں کے رسالوں میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔

ساتھی۔کراچی

۱۹۸۸ء میں کراچی سے "نسل نو کا منفرد ادبی ترجمان"، ماہنامہ "ساتھی" جاری کیا گیا، جس کے مدیر نجیب احمد حنفی اور مجلس ادارت میں عمیر صفدر، شمعون قیصر، فصیح اللہ حسینی، سید شمس الدین، حامد محی الدین، محمد عمر قریشی اور قاضی سراج کے نام سامنے آتے ہیں۔

تقریباً ۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۷.۷x"۳.۵ اور فی شمارہ قیمت ۲۰ روپے ہے اور اسے ناشر سرفراز احمد، بیلہ پرنٹنگ اینڈ پیکجنگ کارپوریشن لمیٹڈ، کراچی سے چھپوا کر شائع کرتے ہیں۔ حقیقتاً یہ رسالہ طلبہ کی معروف تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کی مالی معاونت اور سرپرستی میں نکلتا ہے

"بزم ساتھی" کے تحت شائع ہونے والے اس رسالے میں بچوں کے لیے مزے مزے کی دلچسپ کہانیاں، نظمیں، لطائف، قرآن محفل، کوچۂ اشعار، معلوماتی کوئز، دلچسپ ومختصر اقوال، معلومات، اقتباسات اور مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

"ساتھی" میں بچوں کی تفریح طبع کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے، خصوصاً اداریوں میں ننھے قارئین کو نہایت سبق آموز باتیں بتائی جاتی ہیں تاکہ وہ ایک اچھے مسلمان اور معاشرے کا ایک اہم رکن بن سکیں۔

مثلاً ایک اداریے بعنوان "ہم اللہ کے نائب" میں تحریر ہے:

"ساتھیو! اکثر آپ یہ بات سنتے اور کتابوں میں پڑھتے ہوں گے کہ خدا نے انسان کو اپنا نائب بنا کر زمین پر بھیجا ہے۔۔۔۔ لیکن آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے تو نائب کا کیا سوال؟ تو ساتھیو! اللہ نے انسان کو تخلیق ہی اس لیے کیا کہ زمین کا نظام اس کے ہاتھ میں دے کر اس کی صلاحیتوں کا جائزہ لے، کیونکہ زمین اللہ کی ہے، لہٰذا صرف نظام چلانے کے لیے انسان کو مامور کیا گیا ہے۔ اللہ کا بتایا ہوا نظام حق پر مبنی ہے اور نظام باطل شیطان کا ایجاد کردہ ہے"۳۵۹

اس طرح "ساتھی" نے بچوں کے رسائل کے ضمن میں ایک اہم مقام حاصل کیا یہ رسالہ آج بھی جاری ہے اور بچوں میں اسی طرح مقبول ہے جس طرح روز اوّل اس نے بچوں کے دلوں میں جگہ بنائی تھی۔

تجزیہ

اردو صحافت میں بچوں کے رسائل کے اجراء کا سلسلہ مولوی محبوب عالم کے رسالے "بچوں کا اخبار" (۱۹۰۲ء) سے ہوتا ہے۔ یہ نہایت مفید اور معیاری ماہنامہ تھا جسے اپنے زمانے کے نامور اہل قلم کا قلمی تعاون حاصل تھا ان میں شاعر مشرق علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ جن کی نظم "محنت" اس رسالے کی زینت بنی۔ بچوں کا دوسرا اہم اور قابل ذکر رسالہ "پھول" (۱۹۰۹ء) تھا جسے اردو ادب کے معروف ڈرامہ نگار امتیاز علی تاج کے والد اور اپنے زمانے کے ممتاز صحافی مولوی

ممتاز علی نے نکالا تھا۔ یہ رسالہ کامیابی سے ۱۹۵۸ء تک نکلتا رہا۔ اس کی ادارت سے غلام عباس جیسے بلند پایہ افسانہ نگار وابستہ رہے اور اس کے لکھنے والوں میں خواجہ حسن نظامی، قرۃ العین حیدر، احمد ندیم قاسمی، پطرس بخاری، حجاب امتیاز علی، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، دین محمد تاثیر جیسے ممتاز ادباء وشعراء شامل تھے۔ ۱۹۹۰ء سے یہ رسالہ نوائے وقت گروپ کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے۔ بچوں کے اہم رسائل میں "نونہال"، "تعلیم و تربیت" اور "آنکھ مچولی" کے نام آتے ہیں۔ یہ تینوں رسالے بالترتیب ہمدرد فاؤنڈیشن، فیروز سنز اور احمد فوڈ انڈسٹریز کے ماتحت نکلتے ہیں۔ (آخر الذکر رسالہ بند ہو چکا ہے)

ملک میں بچوں کے رسائل کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ تاہم ان میں "ساتھی" رسالے کو چھوڑ کر جو اسلامی جمعیت طلبہ کے پلیٹ فارم سے شائع ہوتا ہے اور معیاری ہونے کے علاوہ جس کی اشاعت بھی نہایت معقول ہے، بیشتر بچوں کے رسائل انفرادی ذوق وشوق کا نتیجہ ہیں۔ ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر میں بچوں کی بڑھتی ہوئی دل چسپی سے ان رسائل کی مقبولیت اور اشاعت متاثر ہوئی ہے۔ پھر بھی بچوں کی ایک بڑی تعداد اب بھی ان رسائل کی قاری ہے۔ ان رسائل کو جن مسائل کا سامنا ہے، ان میں ایک تو اشتہارات کی کمیابی کا مسئلہ ہے۔ سرکاری وصنعتی ادارے بچوں کے رسائل کو اشتہارات مشکل ہی سے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ رسائل مالی مشکلات سے دوچار رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان رسائل کو سینئر ادیبوں اور شاعروں کا قلمی تعاون حاصل نہیں ہے۔ آج کے ادیب بچوں کے لیے نہیں لکھتے یا برائے نام لکھتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کے لیے لکھنے والوں کی جو نئی کھیپ منظر عام پر آئی ہے ان میں زیادہ تر نوجوان اہل قلم ہیں۔ ظاہر ہے ان نوجوان اہل قلم سے تحریر کی پختگی اور اعلیٰ تخیل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کے باوجود ان نئے لکھنے والوں میں بہت سوں نے اپنی تخلیقی صلاحیت کو پڑھنے والوں سے منوایا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سینئر ادیب بھی بچوں کے لیے لکھیں۔

ملک میں بچوں کے ادب کو فروغ دینے اور نوجوان اہل قلم کی فکری ونظریاتی تربیت کرنے میں دعوہ اکادمی اسلام آباد کے شعبہ بچوں کا ادب نے بڑا بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ ادارہ گذشتہ دو دہائیوں سے نئے لکھنے والوں کی تربیت وحوصلہ افزائی کے لیے متواتر سیمینار، ورکشاپ اور تحریری مقابلوں کا انعقاد کرتا رہا ہے۔ بہترین نوجوان ادیبوں کو انعامات سے نوازتا رہا ہے۔ بچوں کے رسائل کو تعمیری موضوعات دے کر ان کے خصوصی نمبر کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ان کوششوں کے نتیجے میں نوجوان لکھنے والوں کی ایک نئی ٹیم سامنے آئی ہے جو ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

بچوں کے ادب کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے حکومت اور تجارتی وصنعتی اداروں کو بچوں کے رسائل کی سرپرستی کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ رسائل بچوں کی ذہنی نشوونما اور ان کی سیرت وکردار کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

خواتین کے رسائل

انیسویں صدی کے وسط میں مسلمان خواتین کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی گئی اور ایسی کتابوں کی تصنیف عمل میں لائی گئی جس سے ان خواتین کی ذہنی سطح بلند ہو اور ان کی تعلیم وتربیت کی جا سکے۔ برصغیر میں خواتین کی اور تعلیم وتربیت

کے حوالے سے سب سے پہلا رسالہ "عصمت" تھا، جو ایک عرصے تک خواتین میں مقبول رہا۔ اس رسالے نے نہ صرف خواتین میں علم وشعور اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کیا بلکہ خواتین کو لکھنے کی جانب بھی راغب کیا۔

قیام پاکستان سے قبل جس قدر بھی زنانہ اخبارات ورسائل نکلے، خواہ ان کے نکالنے والے مرد ہوں یا خواتین، سب نے حقوق نسواں اور تعلیم نسواں کے لیے آواز بلند کی۔ ان رسائل میں زنانہ مجلسوں اور کانفرنسوں کی روداد یں وغیرہ شائع ہوتی تھیں۔ ۳۶۰ جن میں خواتین کی تعلیم وتربیت زندگی ان کے مسائل سے نبرد آزما ہونے پر زور دیا جاتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد صحافت نے اپنا رخ بدلا۔ اب اس کے مقاصد وہ نہیں رہے تھے جو اس سے پہلے تھے۔ پہلے ایک گھٹا ہوا ماحول تھا۔ ایک ایسی ثقافت تھی جس کے پس منظر میں ہندو مسلم معاشرے کی رنگ آمیزی تھی۔ ایک ایسا نظام تعلیم وسیاست تھا جس کی باگ ڈور غیر ملکی آقاؤں کے ہاتھ میں تھی، جو اپنی تہذیب ومعاشرت کو ہندوستانیوں پر مسلط کر رہے تھے۔ اس وقت صحافت نے دوہرا کام سرانجام دیا۔ ایک طرف تعلیم وتربیت کی فضا پیدا کی تو دوسری طرف درآمدہ نظریات وعقائد اور تہذیب وتمدن کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوششیں کیں۔ اور اسلامی معاشرت وتہذیب کے خدوخال اجاگر کرنے کی سعی بلیغ بھی۔ ۳۶۱

آزادی کے بعد تعلیم نسواں میں اضافہ ہوا اور لڑکیوں کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ تعلیم اور نوکری کی غرض سے باہر نکلنے والی یہ خواتین معاشرے اور زمانے کے بدلتے ہوئے انداز سے بہ خوبی واقف تھیں۔ قیام پاکستان سے قبل جاری ہونے والے "عصمت' نے کراچی سے اپنے دوبارہ آغاز کے ساتھ ہی خواتین کی تعلیم وتربیت اور اصلاح نسواں کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا تھا، لیکن اب اس سفر میں اس کے ساتھ "زیب النساء"، "چلمن"، "حور"، "طاہرہ"، "شہناز"، "اصلاح نسواں" اور "بتول" جیسے رسالے بھی شامل ہو چکے تھے جن کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خواتین کو باشعور بنانا اور ان کی اصلاح کرنا۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک لگ بھگ ۳۰ کے قریب نسوانی رسائل جاری ہوئے۔ جن میں سے اکثریت کراچی اور لاہور سے شائع ہوئی۔ تاہم گوجرانوالہ اور اسلام آباد سے بھی ایک آدھ نسوانی رسالے کے اجراء کا سراغ ملتا ہے۔ ان رسالوں کی قیمت ۶ آنے سے ۵۰ روپے کے درمیان اور صفحات کی تعداد ۴۰ سے ۲۰۰ کے درمیان رہی جبکہ سائز کے لحاظ سے ہر رسالہ دوسرے سے منفرد نظر آیا۔ یہ رسالے زیادہ تر ماہنامے ہیں صرف ایک رسالہ ایسا تھا جو ماہنامہ نہیں تھا۔

اگرچہ صحافت پر کسی مخصوص صنف کی چھاپ لگا دینا درست نہیں تاہم برصغیر میں نسوانی رسائل کو یکسر الگ زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ ان رسائل نے ہر دور میں خواتین کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے، ان میں شعور اجاگر کرنے اور انہیں ایک ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں اپنے فرائض بہتر طور پر سرانجام دینے کی تلقین کی۔ اصلاح نسواں ان رسائل کا سلوگن تھا۔

ابتداء میں زیادہ تر مرد قلم کار ہی ان رسائل میں لکھتے تھے، تاہم بعد میں خواتین نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان رسائل میں لکھنے اور ادارت کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس میں کامیاب بھی رہیں۔ ان رسائل نے وقت کے ساتھ اپنی روش بدلی اور اب ان میں خواتین کی دل چسپی کا مواد بہ کثرت شائع ہوتا ہے۔ ان رسائل نے خواتین کو محض امور خانہ داری اور آرائش حسن تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرے کے نت نئے چیلنجوں سے نمٹنے میں بھی خواتین رہنمائی کی۔

اب یہ رسائل خواتین کی روایتی تعلیم و تربیت سے ہٹ کر انہیں خالصتاً جدید معاشرے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ اس ضمن میں خواتین کے ڈائجسٹ بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں جو خواتین کو معاشرتی و سماجی ناہمواریوں اور اس کی باریکیوں سے آگاہ کر رہے ہیں۔

ذیل میں اُن چند اہم خواتین کے رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اِس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ اور مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

عصمت۔ دہلی / کراچی

۱۵ جون ۱۹۰۸ء کو دہلی کے مخزن پریس سے ماہنامہ "عصمت" کا اجراء ہوا۔ اس رسالے کے بانی مولانا راشد الخیری جبکہ حلقۂ ادارت میں شیخ محمد اکرام اور مسز محمد اکرام کے نام شامل تھے۔

"عصمت" کے اجراء کے حوالے سے مولانا راشد الخیری کے صاحبزادے جو بعد میں عصمت کے مدیر بھی رہے لکھتے ہیں:

"اس پرچے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور مخزن پریس دہلی سے "مخزن" ہی کے معیار کا ایک زنانہ رسالہ جاری کرنے کی خواہش خواتین کی طرف سے کیوں کی گئی، اس کی یہ وجہ تو کچھ زیادہ وزنی نہیں کہ دہلی میں کوئی زنانہ پرچہ نہ تھا اصل سبب حضرت علامہ راشد الخیری کی بے کس اور مظلوم عورتوں کے ساتھ وہ ہمدردی تھی، جس کا چرچا شروع ہو چکا تھا اور جس کا بعض کٹر، سنگ دل، سفاک مرد مضحکہ اڑاتے تھے" ۳۶۲

واضح رہے کہ علامہ راشد الخیری کے بے شمار مضامین اور افسانے "مخزن" میں شائع ہو کر قبولیت کا درجہ پا چکے تھے اور ان میں سے بیش تر خواتین پر ہونے والے ظلم و ستم یا مظلومیت کی داستانوں پر مبنی ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ علامہ کے مضامین و افسانے "مخزن" میں پڑھنے کے بعد خواتین کی اکثریت کی طرف سے عورتوں کے لیے ایک علیحدہ رسالہ نکالنے کی درخواست کی گئی۔ علامہ راشد الخیری سرکاری ملازم ہونے کے ناتے رسالے کے ایڈیٹر نہیں بن سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ مخزن پریس کے مہتمم شیخ محمد اکرام اور ان کی اہلیہ کو "عصمت" کی ادارت کے فرائض سونپے گئے جبکہ مضامین وغیرہ علامہ راشد الخیری تحریر کیا کرتے تھے۔

سرعبدالقادر مرحوم "غمِ راشد" میں رقم طراز ہیں:

"ان دنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک رسالہ عورتوں کے فائدے کے لیے بھی جاری کیا جائے۔ مشورہ سے یہ قرار پایا کہ مسز محمد اکرام اس رسالے کی ایڈیٹر ہوں اور مولانا راشد الخیری اس کے لیے مضامین لکھیں جو لڑکیوں کے لیے خاص طور پر موزوں ہوں۔ انہیں پڑھنے سے انہیں دل چسپی ہو اور ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہو"۔۳۶۳؎

"عصمت" کے پہلے شمارے میں شیخ محمد اکرام نے حسب ذیل مقاصد بیان کیے:

۱۔ جرم کی حرمت قائم رکھنا　　۲۔ عالم نسواں کی ترقی

۳۔ تعلیم نسواں کی حمایت　　۴۔ معلومات عامہ و خاصہ

۵۔ علمی، ادبی، تاریخی، معاشرتی سوشل غرض ہر قسم کے مضامین کا ذخیرہ فراہم کرنا

۶۔ زنانہ لٹریچر کو وسعت دینا۳۶۴؎

"عصمت" کے پہلے پرچے کے مضامین و مندرجات کے عنوان یہ تھے:

۱۔ عصمت (اداریہ)

۲۔ ہمارا تعلیمی نصاب

۳۔ ہماری موجودہ تعلیم

۴۔ تعلیم و تربیت

۵۔ گھر کی صفائی

۶۔ شہرت کی خواہش

۷۔ اخبار و رسائل

۸۔ عصمت کا خیر مقدم

۹۔ ایک دلچسپ مکالمہ

۱۰۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ

۱۱۔ نند کا خط بھاوج کے نام

۱۲۔ روضہ تاج محل

۱۳۔ عصمت میں نظمیں کیسی ہوں گی۔

۱۴۔ شمع و پروانہ (نظم)

۱۵۔ پیاری بہنو (نظم)

۱۶۔ کپڑا (نظم)

۱۷۔ بزم عصمت۔۳۶۵؎

عصمت ابتدائی چار سال تک اسی شان سے شائع ہوا۔ جس شان سے پہلا پرچہ نکلا تھا۔ "عالم نسواں" کے تحت ملکی اور غیر ملکی خبریں موثر انداز میں تفصیل کے ساتھ ہوتی تھیں۔ "بزم عصمت" کی سرخی سے خواتین کے ساتھ استفسارات درج رسالہ ہوتے تھے۔ "ایوان نعمت" بھی مستقل عنوان تھا۔ جس کے تحت کھانے پکانے کی ترکیبیں درج کی جاتی تھیں۔ "کام کی باتیں" میں خانہ داری کے تجربوں پر مبنی مفید مشورے ہوتے تھے۔ بعض مضامین مسلسل کئی پرچوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ جیسے سیر یورپ، عورت کے من گھڑت مسئلے، بچوں کا رکھ رکھاؤ، بیمار اور تیمارداری، سوکن کا جلاپہ، آفرنیش الہی کی حکایات، زنانہ دستکاری، مہذب گھر، شمرو کی بیگم، تذکرہ خواتین دکن، قوم پارسی، بچوں کی پرورش، بیگمات خاندان مغلیہ، علم طبعیات اور سلائی کڑاہی وغیرہ۔۳۶۶؎

۱۹۰۹ء میں جب شیخ محمد اکرام لندن جانے لگے تو مولانا راشد الخیری کو مدیر بنانے کی تجویز دی گئی۔ چنانچہ علامہ راشد الخیری نے اپنی ملازمت کو خیر باد کہہ کر "عصمت" کی ادارت سنبھال لی۔ "عصمت" کے ایڈیٹروں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شیخ محمد اکرام۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۰ء

۲۔ علامہ راشد الخیری ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۲ء

۳۔ رازق الخیری ۱۹۲۲ء سے ۱۹۷۹ء

۴۔ بیگم آمنہ نازلی، صائمہ خیری اور طارق الخیری۔ ۱۹۸۰ء سے آگے۔۳۶۷؎

عصمت کا بنیادی مقصد خواتین کو تعلیم و تربیت فراہم کرنا اور انہیں روشن خیال بنانا تھا۔ اپنے مضامین کے ذریعے اس نے اصلاح نسواں کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا۔ "عصمت" کا سفر کئی ادوار پر محیط ہے اور ہر دور کی ایک الگ کہانی اور انجام ہے۔

پہلا دور ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۵ء پر محیط ہے، جب "عصمت" پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہا تھا۔ اس دور میں اگر چہ اسے وہ مقام و مرتبہ تو حاصل ہو گیا تھا جو اس کا حق تھا، تاہم مشکلات کا سمندر بھی بہت وسیع تھا۔ ہندوستان کی خواتین میں تعلیم کو عام کرنا اور باشعور بنانے کے ساتھ ساتھ "عصمت" کے مقاصد میں اولین مقصد اہل قلم خواتین کا ایک طبقہ پیدا کرنا تھا تا کہ وہ اپنے تجربات سے دوسری بہنوں کو فائدہ پہنچائیں اور خواتین پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کر سکیں۔۳۶۸؎

یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ہندوستان کی خواتین میں لکھنے کا شوق پروان چڑھا بہتر مضامین پر انعامات دینے کی روایات بھی "عصمت" نے ڈالی اور خواتین کی حوصلہ افزائی کی۔ جس سے نہ صرف "عصمت" میں خواتین لکھاریوں کی تحریریں نظر آنے لگیں بلکہ دیگر نسوانی رسائل بھی "عصمت" کے نقش قدم پر چلنے لگے۔

"عصمت" کا دوسرا دور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۲ء تک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس دور میں "عصمت" مالی پریشانیوں اور اشاعت کی بے قاعدگی کا شکار رہا۔ لیکن ان مشکل حالات میں بھی علامہ راشد الخیری نے اپنے فرزند علامہ رازق الخیری کے ہمراہ مل کر "عصمت" کو سنبھالا دیئے رکھا اور اس کے بلند مقاصد میں کمی نہ آئی یعنی تعلیم نسواں کے فروغ کی کوششیں، حقوق نسواں کے لیے آواز بلند کرنا، طبقۂ نسواں کی معاشی، معاشرتی ترقی کے لیے کوشاں رہنا، خواتین اہل قلم کا ایک طبقہ پیدا کرنا۔ ۳۶۹

مولانا رازق الخیری اس دور کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ دور اتنا شان دار نہ تھا جتنا دور اول تھا، تاہم "عصمت" اپنے اصولوں سے نہ ہٹا اور اصل روح ہمیشہ موجود رہی۔ اس دور میں "عصمت" نے مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی اور بہت سی ہونہار لکھنے والیاں پیدا کیں۔ جن میں اکثر نے مستقبل میں کام یاب مضمون نگار کی حیثیت سے نام پیدا کیا" ۳۷۰

"عصمت" کا تیسرا دور ۱۹۲۶ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۵ء پر ختم ہوتا ہے۔ اسے اس کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے اس دور میں اس کی ادارت علامہ رازق الخیری کے سپرد رہی۔

جنوری ۱۹۲۶ء سے "عصمت" اس شان سے نکلنا شروع ہوا۔ جیسے دور اول کے ابتدائی سالوں میں نکلتا تھا۔ اب اس کی اشاعت اور بھی بڑھ گئی تھی اور وہ اپنے اولین مقاصد کے تحت روز بروز بڑھ رہا تھا۔ تاریخی، معاشرتی، سائنسی، امور خانہ داری، سیر و سیاحت، تنقید و تعلیمی، غرض ہر قسم کے مضامین جو طبقۂ نسواں کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔ اس میں شامل ہوتے تھے۔ افسانے، ڈرامے، نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ پرانی لکھنے والیوں کے ساتھ نئی لکھنے والیوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو رہا تھا اور وہ تمام خواتین اہل قلم جو اپنی نگارشات کے سبب ملک گیر شہرت حاصل کر چکی تھیں۔ بزم "عصمت" میں شریک ہو رہی تھیں۔ ۳۷۱

یہ دور وہ ہے جب ملک کے مایۂ ناز اہل قلم بھی "عصمت" میں لکھ رہے تھے ان میں تلوک چند محروم، مرزا فرحت اللہ بیگ، منشی پریم چند، سید علی عباس حسینی، ڈاکٹر سعید احمد بریلوی، عشرت لکھنوی، آغا شاعر قزلباش، نصیر الدین ہاشمی، ضیاء الدین برنی، مرزا عظیم بیگ چغتائی، عشرت رحمانی، سید محمود الحسن صدیقی، اور ڈاکٹر ممتاز حسن وغیرہ شامل ہیں۔ ۳۷۲

"عصمت" کے چوتھے دور کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوا جب علامہ راشد الخیری اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یہ دور ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ ہندوستان کی فضا اس وقت بے چینی، انتشار اور جلسے جلوسوں کی زد میں تھی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ لیکن اس دور میں بھی "عصمت" اپنی سابقہ روایات کے ساتھ ثابت قدمی کے ساتھ نکلتا رہا اور معاشرے کے اس مظلوم طبقے کی رہنمائی کے فرائض انجام دیتا رہا۔ جس کی اصلاح و تربیت کا اس نے روز اول بیڑا اٹھایا تھا۔ معاشرے کا ہر وہ پہلو جس سے طبقۂ نسواں کا تعلق تھا حسب سابق "عصمت" کا موضوع بنا رہا۔ امور خانہ داری ہو کہ تربیت اطفال، تعلیم نسواں کی ضرورت و اہمیت ہو کہ اخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی کا اسلامی معیار، سیاسی و تمدنی حالات ہوں کہ ادب و

شاعری، تمام موضوعات کو برقرار رکھا اور ان کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کی۔ نئی لکھنے والیوں کو ابھارا اور نئے حالات سے نبرد آزما ہونے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھنے کی تلقین کی۔۳۷۳

قیام پاکستان کے بعد سے "عصمت" کا پانچواں دور شروع ہوتا ہے۔ جب "عصمت" نے مولانا رازق الخیری کے ہمراہ دہلی سے کراچی ہجرت کی اور نئے سفر کا آغاز کیا۔ اس دور میں "عصمت" کے مدیر نے خواتین پاکستان کو مغربیت کے جھوٹے بتوں سے نجات دلانے اور اسلامی شعائر سے روشناس کروانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ مولانا رازق الخیری نے مضامین، افسانوں اور دیگر مواد کے ساتھ ساتھ اداریوں کے ذریعے بھی خواتین کی تعلیم و تربیت میں اپنا حصہ ڈالا۔

۱۹۷۹ء میں مولانا رازق الخیری کے انتقال کے بعد بیگم آمنہ نازلی، صائمہ خیری اور طارق الخیری نے "عصمت' کی ادارت کے فرائض سنبھالے اور علامہ راشد الخیری کے لگائے ہوئے اس پودے کی آبیاری کی۔

"عصمت" کے یادگار نمبروں میں "طلائی جوبلی" نمبر ۱۹۵۸ء اور "الماسی جوبلی" نمبر ۱۹۶۸ء شامل ہیں ان پرچوں میں مولانا رازق الخیری نے "عصمت" کی داستان حیات پر جو مضمون سوانحی صورت میں لکھا ہے اسے ان خصوصی شماروں کا حاصل شمار کیا جاسکتا ہے۔۳۷۴

ابتداء میں عصمت ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ۳ روپے اور فی پرچہ چار آنے تھا۔۳۷۵ تاہم بعد میں اس کے صفحات اور سائز میں تبدیلی آتی رہی۔ یہ رسالہ نہ صرف مضامین بلکہ پیش کش کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا۔

الغرض جب "عصمت" کی پوری تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ رسالہ اپنے اندر ایک پوری تحریک سموئے ہوئے ہیں جس کے بنیادی مقاصد میں خواتین کو باشعور بنا کر ان کا رشتہ قلم و قرطاس سے جوڑنا ہے۔ انہیں زندگی برتنے کا گر سکھانا ہے۔ رشتوں کو نبھانے کے طریقے بتانے ہیں، زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھانا ہے اور عصمت نے یہ سب کر دکھایا۔ اپنے مضامین، افسانوں، نظموں کے ذریعے عصمت نے خواتین کو وہ کچھ سکھا دیا جو عام حالات میں وہ اتنے بہتر انداز میں نہ سیکھ پاتیں۔ خواتین کے رسائل میں عصمت کا ایک بلند مقام ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسز محمد اکرام

مسز محمد اکرام کا پورا نام شمس النساء بیگم تھا شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لاء سے شادی ہوئی تو مسز محمد اکرام ہوگئیں۔ شیخ محمد اکرام لاہور کے رہنے والے تھے۔ سر عبدالقادر کے دوستوں میں سے تھے اور مخزن کی ادارت میں ان کے شریک کار تھے۔ ۱۹۰۷ء میں جب "مخزن" دہلی منتقل ہوا تو شیخ صاحب بھی ان کے ساتھ دہلی آگئے اور دفتر "مخزن" ہی میں مقیم ہوئے۔ جون ۱۹۰۸ء میں جب دہلی سے "عصمت" جاری ہوا تو اس کے ایڈیٹر شیخ محمد اکرام اور جوائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام مقرر ہوئیں۔

مسز محمد اکرم نے "عصمت" کی ترتیب میں شیخ صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ عصمت میں مضامین وغیرہ لکھے۔ تعلیم نسواں کے فروغ کے لیے عملی کوششیں بھی کیں۔ انجمنیں بھی قائم کیں اور خواتین کو لکھنے پر آمادہ کیا۔

۱۹۱۱ء میں شیخ محمد اکرام بیرسٹری کی تعلیم کے لیے لندن چلے گئے اور عصمت کی ادارت مولانا راشد الخیری نے سنبھال لی۔ مسز محمد اکرام اس زمانے میں رسالے کی جوائنٹ ایڈیٹری سے ہٹ گئیں۔ طبقۂ نسواں کی اصلاح و تربیت کا جو جذبہ ان کے دل میں موجزن تھا وہ اس کے لیے کام کرتی رہیں۔ جون ۱۹۳۹ء میں شیخ محمد اکرام نے ایک زنانہ رسالے "انیس نسواں" دہلی سے جاری کیا تو وہ جوائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئیں۔ شیخ محمد اکرام کو فالج ہوا تو تنہا مسز اکرام ہی "انیس نسواں" کو مرتب کر کے شائع کرتی تھیں۔ ۱۹ مئی ۱۹۴۱ء کو شیخ صاحب کا انتقال ہوا تو انہوں نے رسالے کی ادارت سنبھالی اور "اکرام نمبر" شائع کیا۔ ۳۷۶

زیب النساء۔ لاہور

۱۹۳۴ء میں لاہور سے ایک نسوانی رسالے "زیب النساء" کا اجراء ہوا، جس کی سرپرست محترمہ بیگم جہاں آراء شاہنواز تھیں جبکہ حلقہ ادارت میں صغرا ہمایوں مرزا حیا، رشیدہ عصمت اور شبیر خالدہ ادیب فاضل کے نام سامنے آتے ہیں۔

شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ صغرا ہمایوں نے اپریل ۱۹۲۰ء میں حیدر آباد دکن سے ایک زنانہ پرچہ "النساء" کے نام سے جاری کیا تھا یہ پرچہ تین سال تک نکلتا رہا اور ۱۹۲۴ء میں ان کے یورپ جانے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ ۳۷۷

"زیب النساء" ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کی سالانہ قیمت تین روپے تھی اس کے سرورق پر" زنانہ علمی و ادبی دل چسپیوں کا ماہانہ مرقع" اور "زیب النساء" اپنے دوسرے روپ میں" میں تحریر ہے گویا یہ رسالہ "النساء" دکن کا جدید ایڈیشن تھا۔ ۳۷۸

"زیب النساء" کو خواتین، پاک و ہند کا محبوب ماہنامہ ہونے کا دعویٰ ہے اس کے مندرجات میں ادبی، علمی، تاریخی، معاشرتی مضامین، پرورش اور تربیت اطفال، حسن و آرائش، خانہ داری، زبیی دستر خوان، دل چسپیاں، الجھنیں، کشیدہ کاری، باغبانی، بزم زیب النساء اور قارئین کے خطوط شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ نظمیں، افسانے اور کہانیاں بھی اس رسالے کا حصہ ہوتی تھیں۔

ابتداء میں اس رسالے میں علمی و ادبی مضامین کثرت سے شائع ہوتے تھے بعد میں ہلکے پھلکے معاشرتی مضامین وغیرہ شائع ہونے لگے۔ نظموں، غزلوں اور افسانوں کی تعداد ان میں زیادہ نظر آنے لگی اور ہر پرچے میں ایک ڈراما بھی دیا جانے لگا۔ یہ بات ضرور تھی کہ افسانوں میں اصلاحی پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ ۳۷۹

"زیب النساء" کے مضامین میں بھی خواتین کے ساتھ ہمدردی کا سارویہ روا رکھا جاتا تھا اور انہیں اپنے جائز حقوق کے حصول کے لیے آواز اٹھانے پر اکسایا جاتا تھا اور زندگی کی سچائیوں اور حقیقتوں سے روشناس کرایا جاتا تھا۔

ایک مضمون بہ عنوان "مرد عورت کا غلام" میں جناب ڈاکٹر جی ایم ناز رقم طراز ہیں:

"ہماری عورتوں کا یہ احساس کہ وہ غلام ہیں حقیقت میں اس بناء پر نہیں کہ وہ واقعی غلام ہیں۔ بلکہ یورپ کی عورت کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھتی ہیں اور دور ہی سے ان کی آزادی اور اپنی غلامی کا مقابلہ کرتی ہیں لیکن وہ یورپ کی عورتوں کی دشواریوں کو محسوس نہیں کرتیں" ۳۸۰

"زیب النساء" میں لکھنے والی خواتین کا ایک مخصوص حلقہ ہے، جس میں وحیدہ نسیم، رضیہ بٹ، بشریٰ رحمٰن، عفت موہانی، ثریا یاسمین، فریال، رابعہ سجاد، شعور فاطمہ، سلمٰی اعوان، اسماء غنی اور سلطانہ فخر کے نام اہم ہیں۔ ۳۸۱

خواتین کے ساتھ ساتھ کچھ مرد حضرات بھی اس رسالے میں لکھا کرتے تھے لیکن ان کی تعداد نہایت کم تھی۔ بعض معروف نام یہ ہیں سید ضمیر جعفری، غلام دستگیر ناجی، احمد ندیم قاسمی، اور اختر شیرانی وغیرہ۔ ۳۸۲

"زیب النساء" نے بے شمار خاص نمبر شائع کیے اور اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔ اس کا بنیادی مقصد خواتین کی ادبی و سماجی اصلاح تھا اور اپنے مضامین اور مواد کے ذریعے اس رسالے نے اس فریضے کو بخوبی سرانجام دیا اور خواتین میں مقبولیت حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی "زیب النساء" کافی عرصے تک جاری رہا اور خواتین میں علم و ادب کی شمع جلانے کے ساتھ ساتھ ان کی فکری و علمی تربیت و اصلاح میں بھی اپنا کردار کما حقہ ادا کرتا رہا۔

صغریٰ ہمایوں مرزا

صغریٰ بیگم نام اور حیا تخلص تھا۔ ۱۸۸۴ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ڈاکٹر صفدر علی مرزا افواج حیدرآباد میں سرجن تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر والدہ مریم بیگم سے حاصل کی جو سر آغا خان کی چچازاد بہن تھی، فارسی پر دسترس رکھتی تھیں اور "خادمہ" نامی ایک زنانہ رسالہ بھی نکالتی تھیں بعد میں دیگر معلمین سے درسی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۰۱ء میں پٹنہ کے سید عاشق حسین ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لاء سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ یہ خاندان علم و ادب اور شعر و سخن کے سبب شہرت رکھتا تھا۔ اس فضا میں صغرا ہمایوں مرزا کو بھی شعر و ادب اور قومی مسائل سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ آپ نے ۱۹۰۲ء میں "زنانہ سوشل ایسوسی ایشن" کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۱۲ء میں (انجمن خواتین اسلام دکن) قائم کی اور ایک عرصہ تک اس کی سیکریٹری رہیں۔

صغریٰ ہمایوں مرزا نے اپنے اصلاحی کاموں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مضامین لکھنے کی طرف خصوصی توجہ دی اور مختلف موضوعات پر بے شمار مضامین سپرد قلم کیے جو اپنے زمانے کے مقتدر رسائل میں طبع ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی پہلی تصنیف شائع ہوئی۔ "مشیر نسواں، تحریر النساء، مجموعہ نصائح، سفینہ

نجات، آوازغیب، سفرنامۂ عراق، سیر بہادو بنگالہ، روزنامہ بھوپال، دہلی وآگرہ، سفرنامہ پونا، والشیر مدراس، سیر نیل گیری، سرگزشت ہاجرہ، سفرنامہ یورپ، مقالات صغرا، وغیرہ پندرہ کے قریب ان کی تصانیف ہیں۔

صغرا ہمایوں مرزا نے ۱۹۲۰ء میں میدان صحافت میں قدم رکھا اور "النساء" کے نام سے ایک زنانہ پرچہ جاری کیا جس کی ایڈیٹری خود ہی تھیں۔

انہوں نے اپنے رسالے کو تفریح سے زیادہ اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ رسالے کو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر قسم کے موضوعات پر مضامین کا مجموعہ بنادیا۔ خود بھی اصلاحی کہانیاں لکھیں۔

بعد میں یہی رسالہ ۱۹۳۴ء میں کچھ عرصے کے تعطل کے بعد "زیب النساء" کے نام سے لاہور سے نکلا اور تقسیم کے بعد بھی ان ہی کی ادارت ونگرانی میں نکلتا رہا۔ یہ ان کی صحافیانہ صلاحیتیں تھیں کہ "زیب النساء" ایک طویل عرصے تک دیگر زنانے رسائل کے ساتھ ساتھ برابر نکلتا رہا۔ ان کے خلوص اور لگن کا نتیجہ ہی ہے کہ آج تک برابر نکل رہا ہے۔ ۳۸۳؎

چلمن۔ لاہور

جنوری ۱۹۷۰ء میں لاہور سے نسوانی ماہنامہ "چلمن" جاری ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں ظفر اللہ خان، اکرام غازی، عابدہ ظفر، قدسیہ ہما، فریدالدین احمد، محمد عبداللہ عابد اور نگینہ اکرام وغیرہ کے نام سامنے آتے ہیں۔

تقریباً ۷۴ صفحات اور "۷.۱۰ x "۸.۷ سائز کا حامل ہے۔ اس رسالے کی قیمت ۱۸ روپے تھی اور یہ میٹرو پرنٹرز، لاہور سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

رسالے کے اجراء کے مقاصد کے بارے میں قدسیہ ہما رقم طراز ہیں:

"جہاں تک اس پرچے کے اجراء کے مقاصد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں شروع ہی سے ہمارا ایک مقصد رہا ہے کہ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خواتین کو صاف ستھرا اور معیاری ادب مہیا کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ ان کی جملہ دل چسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر طرح کا مواد شائع کیا جائے۔ اس میں خانگی مسائل سے لے کر کھانا پکانا اور کشیدہ کاری اور جدید فیشن کے متعلق تمام چیزیں ہوں" ۳۸۴؎

"چلمن" کے مندرجات میں شعروادب، غزلیں، ڈائری، قسط وار ناول، افسانے، ناولٹ، ملاقات، طب وصحت، تعارف، گھر پیارا گھر، کشیدہ کاری، اظہار خیال (خواتین / قارئین چلمن کے خطوط)، آرائش جمال اور دیگر تاریخی وسماجی مضامین شامل ہوتے تھے۔

"چلمن" کے اداریوں میں ملکی وسماجی معاملات پر نہایت گہری نظر رکھی جاتی تھی اور نہایت جذباتی معاملات کو اٹھایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک اداریئے میں مدیر کا قلم لکھتا ہے:

"افسوس قوم نے اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ اس کی آنکھیں آزادی کی چمک سے ایسی چندھیا گئیں کہ انھوں نے اپنی پوری توجہ اور قوتیں دنیاوی مفادات کے حصول پر صرف کر دیں اور یہ نہیں دیکھ سکیں کہ دین اسلام کا مفاد کیا ہے۔ اس مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے" ۳۸۵؎

اس رسالے میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی جامع اور معلوماتی مضامین شامل کئے جاتے تھے۔ مثلاً فرید الدین احمد کا تحریر کردہ ایک مضمون بہ عنوان "عورت کی حفاظت کا مسئلہ (دوسری قسط) میں تحریر ہے:

"موجودہ دور ہم سب کے لیے گونا گوں مسائل کا دور ہے۔ خواتین بھی اقتصادی بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے مردوں کے دوش بدوش میدان عمل میں اتر رہی ہیں خواتین کو چاہئے کہ محترمہ فاطمہ جناح کے ارشادات کو ذہن میں رکھیں اور گھر سے باہر نکلتے وقت سادگی کو اپنا شعار بنالیں" ۳۸۶؎

مزید لکھا گیا ہے:

"اسلام نے عورت کے تین بنیادی تصورات دیئے ہیں۔ ماں، بیوی، بہن اور یہ تینوں تصور اپنی جگہ انتہائی متبرک ہیں اور ان کی بنیاد پر اٹھنے والا معاشرہ نہایت صحت مند اقدار کا حامل ہوتا ہے، لیکن اب ان پاکیزہ تصورات کو مغرب کی اندھی تقلید نے سخت نقصان پہنچایا ہے اور ہمیں ہر لحاظ سے تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے" ۳۸۷؎

"چلمن" کے لکھاریوں میں زیادہ تعداد خواتین کی تھی۔ جن میں حمیدہ جبیں، رفیعہ بٹ، الطاف فاطمہ، فرخندہ لودھی، شکیلہ فردوس سنبل، سلمیٰ ناز قاضی، رخسانہ محمود، طاہرہ خانم، آسیہ رزاقی، نگہت پروین، کوثر جاوید اور تہذیب کاظمی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ ۳۸۸؎

"چلمن" نے خواتین کی دل چسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے خالصتاً ان کی فرمائشوں پر خاص نمبر بھی شائع کیے۔ جن میں یوم پاکستان نمبر اور ننگ نمبر وغیرہ شامل ہیں۔ اس رسالے میں مختلف انعامی مقابلے اور سلسلے بھی شامل ہوتے تھے تاکہ خواتین اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے سکیں۔

یہ ایک اصلاحی اور دیدہ زیب رسالہ تھا۔ جس نے خواتین کو وقت کے دھارے کے ساتھ چلنا سکھایا اور انہیں تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کے درس سے بھی روشناس کرایا۔ خواتین کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں "چلمن" کا کردار قابل ذکر ہے۔

قدسیہ ہما

قدسیہ ہما ایک تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ والد طب کے پیشے سے وابستہ ہونے کے ساتھ اچھے شاعر بھی تھے۔ قدسیہ ہما کو ابتدا ہی سے لکھنے کا شوق تھا۔ والدین کی ہمت افزائی اور اساتذہ کی رہنمائی میں یہ شوق پروان چڑھنے لگا۔ انہوں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ لیکن والد کے اچانک انتقال کی وجہ سے تعلیم ترک کر کے ملازمت اختیار کرنی

پڑی اس کے لیے انہوں نے شعبہ صحافت کو منتخب کیا تا کہ لکھنے لکھانے کا سلسلہ برقرار رہے۔ انہوں نے ماہ نامہ "چلمن "لاہور کی ادارت سنبھال لی جو جنوری ۱۹۷۰ء میں لاہور سے جاری ہوا تھا۔اس رسالے کو انہوں نے اپنی محنت اور لگن سے مزید سنوارا اور ادارت کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری کا شغل بھی جاری رکھا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے بھی پروگرام لکھے اور ہر شعبے میں اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔۳۸۹ع

تجزیہ

برصغیر پاک وہند کی خواتین صدیوں تک تعلیمی پسماندگی کا شکار رہی ہیں۔مسلمانوں میں سرسید احمد خان نے جدید تعلیم کی روشنی پھیلانے کی جدوجہد کا آغاز کیا توان کی تعلیمی اسکیم میں بھی عورتوں کو نظرانداز کیا گیا۔اگر ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ممتاز علی اور علامہ راشدالخیری نے عورتوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اوران میں شعوروآگہی پیدا کرنے کی ضرورت پرزور نہ دیا ہوتا اوراس ضمن میں رائے عامہ کی بیداری کی تحریک نہ چلائی ہوتی تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان عورتیں کب تک تعلیمی پس ماندگی سے دوچار رہتیں۔مسلمان عورتوں کی فکری آبیاری کے لیے ڈپٹی نذیر احمد نے ناول لکھے تو مولوی ممتاز علی نے عورتوں کا اخبار "تہذیب نسواں" اور علامہ راشدالخیری نے نسوانی رسالہ "عصمت" کا اجراء کیا۔

"عصمت" عورتوں کا پہلا رسالہ تھا جس نے ان میں شعوروآگہی پیدا کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔"تہذیب نسواں" اور "عصمت" سے قبل گھروں میں مقید عورتوں کے شعروادب کے نزدیک بھٹکنے کو بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔اس زمانے میں مرد حضرات زنانہ ناموں سے رسالوں میں لکھا کرتے تھے۔تہذیب نسواں کے بعد "عصمت" پہلا رسالہ ہے جس نے لکھنے لکھانے کی شوقین خواتین میں اپنے نام سے لکھنے اور چھپنے کا اعتماد پیدا کیا۔چناں چہ یہ کریڈٹ "عصمت" ہی کو جاتا ہے کہ آزادی کے بعد اس کی تقلید میں عورتوں کے رسائل نکلنے لگے۔ان رسالوں کی ادارت کی ذمہ داری بھی عورتوں ہی کے پاس تھی۔ایسے رسائل کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے۔ان میں عورتوں کی دل چسپی کا حامل مواد شائع ہوتا رہا ہے۔ کہانیوں سے لے کر کھانا پکانے کی ترکیبوں اور کشیدہ کاری کے نمونوں تک، یہ رسالے عورتوں کی پسندیدگی کا محور رہے ہیں۔ تاہم "عصمت" کے بعد خواتین کا کوئی ایسا رسالہ منظرعام پہ نہیں آیا جسے رجحان ساز کہا جاسکے یا جس نے اپنے مشتملات کی انفرادیت کی بناء پر خواتین میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی ہو۔اس کی دو وجوہ تھیں۔اول یہ کہ آزادی کے بعد جب ڈائجسٹ صحافت کے رجحان نے زور پکڑا تو خواتین کے ڈائجسٹ بھی نکل آئے جس نے گھریلو اور تعلیم یافتہ خواتین کے ذوقِ مطالعہ کو سیراب کیا۔ نتیجے میں روایتی انداز میں نکلنے والے عورتوں کے رسائل کی مانگ کم ہوگئی۔دوم، عورتوں میں تعلیم پھیلنے کے بعد عورتوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا جذبہ پیدا ہوا اوران کی دل چسپی سیاست، معیشت، کھیل، ادب، تعلیم، غرض ہر شعبہ ہائے زندگی سے ہوگئی۔حالاں کہ ان میں متعدد شعبے ایسے تھے جو مردوں سے مخصوص تصور کئے جاتے تھے۔خواتین کی دل چسپی کا دائرہ پھیلا اور دیگر ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات اور عمومی نوعیت کے رسائل

میں بھی گھرداری، بچوں کی تعلیم و تربیت، امور خانہ داری وغیرہ کے موضوعات پر معلومات کی فراہمی شروع ہوئی تو عورتوں کے روایتی رسالوں کی ضرورت نہ رہی۔ اس کے باوجود آج بھی خواتین کے یہ رسالے نکل رہے ہیں۔ چوں کہ جدید دنیا کی ضرورتوں اور تقاضوں پہ یہ رسالے پورے نہیں اترتے اس لیے ان کی اشاعتیں بے حد محدود ہیں۔ اور ان کے اثرات بھی خواتین پر بہت موثر نہیں رہے۔ حیرت ہے اس کے باجود یہ رسالے "پھر بھی چھپے جاتے ہیں"۔

سماجی رسائل

سماجی رسائل یا سوسائٹی میگزین، مجلاتی صحافت کی وہ صنف ہے جو معاشرتی زندگی کے تمام تر موضوعات کو ہلکے پھلکے، سادہ اور مزاحیہ انداز میں موضوع گفتگو بناتے ہیں۔ ان رسائل میں معاشرے کے ہر طبقے، عمر اور ذوق کے حامل افراد کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے مواد شامل کیا جاتا ہے۔

یورپ میں سماجی رسائل کی تاریخ بہت پرانی ہے اور پاکستان میں رسائل کا تصور بھی یورپ سے ہی لیا گیا ہے۔ ابتداء میں پاکستان میں سماجی رسائل انگریزی زبان میں شائع ہوتے تھے، جن میں "مرر"، "ہیرالڈ"، اور "شی" اہم ہیں۔ ان رسائل کی دیکھا دیکھی پاکستان کی اکثریتی اردو بولنے والی آبادی کے لیے بھی سماجی رسائل کا آغاز کیا گیا۔ ابتداء میں جاری ہونے والے سماجی رسائل میں "اخبار خواتین" اور "اخبار جہاں" اہم ہیں یہ رسائل کراچی سے جاری ہوئے اور انھوں نے اپنے مواد کے تنوع اور پیش کش کی وجہ سے قارئین کی ایک بڑی تعداد کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ یہ دونوں ہفت روزے پاکستان کے متوسط طبقے کے لیے تفریح کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوئے۔

لاہور سے ایک رسالہ "دھنک" جاری ہوا، جس نے معیار اور پیش کش کے لحاظ سے پہلے سے جاری سماجی رسائل کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس کے بعد سماجی رسائل کی لمبی فہرست مرتب ہونا شروع ہوگئی۔ ان رسائل میں فیملی، عقاب، پلک، روپ، پہچان، نکھار، جلترنگ، چلتن، شہنائی، تصویر، مہک اور جھنک وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہ تمام رسائل اپنے اپنے اشاعتی ادوار میں بے پناہ مقبولیت کے حامل رہے لیکن مناسب سرپرستی نہ ہونے کے باعث جلد ہی زوال پذیر ہوگئے اور صرف وہی سماجی رسائل اپنی بقاء جاری رکھ سکے جو کسی نہ کسی صحافتی ادارے یا گروپ کی ملکیت میں تھے، کیونکہ رسائل کی طباعت، پیش کش اور گیٹ اپ کثیر سرمائے کا متقاضی ہوتا ہے۔

لاہور سے جاری ہونے والا "دھنک" بھی جلد ہی بند ہوگیا۔ "اخبار خواتین" بھی زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا۔ اس وقت پاکستان میں جنگ گروپ کا "اخبار جہاں" اور نوائے وقت گروپ کا "فیملی" اپنی مقبولیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک پاکستان میں تقریباً ۱۳۰ کے لگ بھگ سماجی رسائل شائع ہوئے۔ جن میں زیادہ تر ماہنامے تھے، دوسرے نمبر پر ہفت روزے اور اکا دکا سہ ماہی سماجی رسائل بھی سامنے آئے۔ زیادہ تر رسالوں کا اجراء کراچی

اورلاہور سے ہوا جبکہ اسلام آباد، کوئٹہ، سکھر، گجرات، ملتان، سرگودھا اور پتوکی سے بھی چند ایک رسائل جاری ہوئے۔ تقریباً تمام رسالوں کی قیمت، سائز اور صفحات کی تعداد میں تنوع پایا گیا۔

دورِ جدید کی مصروف اور تھکا دینے والی زندگی اور برقیاتی ذرائع ابلاغ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باوجود بھی سماجی رسائل، خصوصاً اخبار جہاں اور فیملی میگزین ہر گھر کے ڈرائنگ روم کی زینت ہوتے ہیں اور قارئین میں اپنی مقبولیت برقرار رکھے ہوئے ہیں، جوان رسائل کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

ذیل میں اُن چند اہم سماجی رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ، اور مدیران کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

اخبارِ خواتین۔ کراچی

اپریل ۱۹۶۶ء میں کراچی سے ہفت روزہ "اخبارِ خواتین" کا اجرا ہوا، جس کے حلقۂ ادارت میں ضیاء الاسلام انصاری، فرہاد زیدی، اقبال زبیری، شمیم اختر اور حسن عابدی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تقریباً ۵۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۹.۱۴x"۸.۱۰ اور قیمت ۷ روپے تھی اور یہ مشرق پریس، کراچی سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

"اخبارِ خواتین"، خواتین کی دلچسپی کا ایک سماجی رسالہ تھا، جس کے مندرجات میں نقطۂ نظر، سماجی، مذہبی، سیاسی اور حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے مضامین، قانونی مسائل، باورچی خانہ، حسن وصحت، مسائل ومشورے، کشیدہ کاری، شعروسخن، ناول، افسانے، ستاروں کا حال، اس ہفتے کی خاتون اور ادبی محفلوں کے احوال وغیرہ شامل ہوتے تھے۔

روزنامہ "مشرق" کے صفحۂ خواتین کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اخبارِ خواتین" کا اجراء کیا گیا، جو نہ صرف خواتین بلکہ مرد حضرات میں بھی یکساں مقبول تھا۔ عبدالرشید شاہد اپنی کتاب "خطاطی کا شہنشاہ" میں لکھتے ہیں:

"اپریل ۱۹۶۶ء کو اخبارِ خواتین کا اجراء ہوا۔ روزنامہ "مشرق" میں خواتین کے صفحے کی بھرپور پذیرائی کے بعد یہ بات بھی سامنے آئی کہ اسے مرد حضرات بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اس تجربے کی بناء پر اخبارِ خواتین کے ساتھ یہ لاحقہ بھی لگا دیا گیا۔ "اخبارِ خواتین" جسے سمجھدار مرد حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں"[۳۹۰]

رسالے کے مندرجات کے حوالے سے حسن عابدی کا کہنا ہے:

"اخبارِ خواتین" میں عام عورتوں کی دل چسپی کی چیزیں ہوتی تھیں یہ ایک صاف ستھرا پرچہ تھا جسے مائیں خود پڑھنے کے بعد اپنی بیٹیوں کو بھی کسی اندیشے کے بغیر دے سکتی تھیں۔ نیم خواندہ یا نیم خواندگی سے آگے بڑھی ہوئی خواتین کو پہلی بار ایک ایسا ہفت روزہ ملا تھا، جس میں صرف ان کے کام کی چیزیں ہوتی تھیں، ایک بات دوسری یہ کہ اس میں خانہ داری کے سلسلے کے مضامین مثلاً نٹنگ اور کشیدہ کاری کے مضامین ہوتے تھے۔ اس میں قصے، کہانیاں اور قسط وار ناول بھی ہوتے

تھے۔سوشل کنٹری بھی ہوتی تھی تو یہ چیزیں ان کو اچھی لگتی تھیں۔رفتہ رفتہ ان کا اعتماد اس پرچے پر اتنا ہوا کہ اکثر خواتین کے بقول ہمارے گھر میں اور بھی پرچے آتے ہیں تو ان کو بچیوں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے تکلف ہوتا ہے۔یہ اخبار ایسا ہے کہ ہم آزادی سے انہیں دے دیتے ہیں"۳۹۱

"اخبار خواتین"،خواتین کا ایک نہایت عمدہ سماجی رسالہ تھا،جس نے انہیں معلومات اور تفریح فراہم کرنے کی بھرپور ذمہ داری اٹھائی،لیکن تمیز و شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔اس حوالے سے عبدالرشید شاہد لکھتے ہیں:

"اخبار خواتین کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ پاک وصاف اخبار تھا۔عنایت اللہ صاحب کہتے تھے کہ اخبار کو ایسا ہونا چاہئے کہ بہن بیٹی اور بہو کے سامنے پڑھا جاسکے اخبار خواتین میں اگر چہ خواتین کی تصاویر شائع ہوتی تھیں،لیکن ان میں فحاشی،عریانی یا لچر پن کا شائبہ تک نہ ہوتا"۳۹۲

اس رسالے نے خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں باشعور بنانے کی سعی کی۔ادب میں خواتین کی شمولیت کے حوالے سے ایک مضمون بہ عنوان "ادب میں،زنانہ ڈبہ،بنانے کی ضرورت نہیں" میں درج ہے:

"ایک زمانہ تھا،جب خواتین کے مسائل پر مرد قلم کار لکھا کرتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔عورت کے مسائل دکھوں بھری داستان کے سوا اور ہو بھی کیا سکتے ہیں اور ان مسائل پر لکھنے والوں نے معاشرے میں پھیلی ہوئی داستانوں پر کہانیاں لکھ لکھ کر مصورِ غم کے خطاب پائے۔پھر یوں ہوا کہ عورت نے خود قلم اٹھایا۔اپنے مسائل پر وہ خود لکھنے لگی مگر داستان ہائے رنج و الم کچھ ایسا رواج پا چکی تھی کہ بیش تر لکھنے والیاں آنسوؤں بھری کہانیاں لکھ لکھ کر داد پانے لگیں۔لکھنے والوں نے بھی عورت اور آنسو کو لازم و ملزوم سمجھ لیا"۳۹۳

مزید تحریر کیا گیا:

"زنانہ ادب،مردانہ ادب کے شعبے سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔وہ بہنیں جو الگ بزم اہل قلم خواتین بنانا چاہتی ہیں،ان سے گزارش ہے کہ الگ شعبہ بنانے کے بجائے دوسری تنظیموں میں شامل ہو کر آگے بڑھیں اور زنانہ ڈبہ بنانے کے بجائے ایسی تنظیم بنائیں جو نئی لکھنے والی خواتین کے لیے اصلاحی ادارے کا کردار ادا کرے۔ادب کا عمل سست رفتار دریا کی طرح ہے۔آپ بھی دریا کی طرح اپنا سفر جاری رکھیں"۳۹۴

الغرض "اخبار خواتین" نے خواتین کی ہر طرح کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی،لیکن یہ رسالہ اپنی بقاء کی جنگ زیادہ عرصے تک جاری رکھ سکا اور بالآخر اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

کتاب "محسن صحافت" میں حسن عابدی "خواتین کا محسن" کے عنوان سے لکھے گئے اپنے مقالے میں کہتے ہیں۔

"اخبار خواتین" میں عنایت اللہ نے موضوع کے انتخاب سے لے کر اظہار و بیان تک متعدد تجربے کیے،خواتین کے اس نئے مجلّے کے ساتھ اس مفہوم کا اعلان کہ اسے سمجھ دار مرد بھی پڑھ سکتے ہیں ایک لطیف اشارہ تھا،چنانچہ خواتین کا یہ پہلا مجلّہ تھا جسے مردوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔زنانہ پرچے تہذیب نسواں کے دور سے لے کر زمانہ حاضر تک

خامی بڑی تعداد میں شائع ہوتے رہے ہیں لیکن ان پر مردوں کی پسندیدگی کی چھاپ نہ لگ سکی۔ حالانکہ کشیدے اور کروشیے کے نام اور نئے نئے پکوان کے علاوہ کہانیوں اور ادبی تحریروں کا انتخاب جو عام قارئین کے لیے پرکشش ہوسکتا ہے، ان جرائد میں بالا التزام چھپتا رہا ہے۔ دراصل اخبار خواتین نے روایت سے انحراف کرتے ہوئے اخبار کو صرف اخبار سمجھا اور اسے ماہناموں کی گھسی پٹی روش سے بچائے رکھا۔ قارئین کے مذاق اور مطالبوں سے مفاہمت بھی کی لیکن اخباریت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سماجی، تعلیمی، تہذیبی اور سیاسی موضوعات اور زمانہ حاضر کے مسائل، جن میں خواتین کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے۔ اخبار خواتین میں زیر بحث آتے رہے پھر مضامین کی پیش کش کا اسلوب اور ان کے بیان کا انداز اتنا دوٹوک، صاف ستھرا اور تکلف عبارت اور حشو دوزاہد سے پاک رہا کہ قارئین اس کا پہلا ہی شمارہ دیکھ کر پھڑک اٹھے اور دیکھتے دیکھتے اس کی سرکولیشن ۵۵ ہزار تک جا پہنچی"۳۹۵ؔ

حسن عابدی

حسن عابدی ملک کے ایک سینئر اور کہنہ مشق صحافی تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد لاہور سے اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا اور کوئی ایک عشرہ روزنامہ " آفاق "ہفت روزہ "لیل ونہار" اور روزنامہ مشرق میں کام کیا۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں وہ کراچی منتقل ہوگئے اور ایک عرصہ ادارہ مشرق کے ہفت روزہ جریدے "اخبار خواتین" سے ایڈیٹر انچارج کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ ۷۱-۱۹۷۰ء کے دوران جب "لیل ونہار" کراچی سے شائع ہوا تو حسن عابدی دوبارہ اس رسالے سے وابستہ ہوگئے۔ "لیل ونہار" کے بند ہوجانے پر وہ واپس اخبار خواتین میں چلے گئے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے میں مشرق اور اس کے دیگر رسائل کے بند ہونے پر وہ انگریزی اخبار "ڈان" سے وابستہ ہوگئے۔

حسن عابدی صحافی ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے اور ان کے تین شعری مجموعے، نوشت، جریدہ، اور "فرار ہونا ایک حروف کا" شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ بچوں کے لیے ان کی نظمیں" کاغذ کی کشتی" کے نام سے جبکہ کہانیاں" شریر کہیں کے" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ ۳۹۶ؔ

اخبار جہاں۔ کراچی

۱۹۶۷ء میں، جنگ گروپ آف نیوز پیپرز کے زیر اہتمام، کراچی سے ہفت روزہ "اخبار جہاں" کا اجراء ہوا۔ جس کے بانی میر خلیل الرحمٰن، ایڈیٹر انچیف میر جاوید الرحمٰن جبکہ حلقۂ ادارت میں شفیع عقیل، انوار علیگی، نعیم ابرار، محمد ادریس خان، محمود مودی اور محمد نعیم اختر کے نام قابل ذکر ہیں۔

تقریباً ۶۶ صفحات کے حامل اس رسالے کا سائز "۱۵.۹۴x"۱۱ اور قیمت فی شمارہ ۴۵ روپے ہے اور یہ جاوید پریس، کراچی سے چھپ کر شائع ہوتا ہے۔

"اخبار جہاں" ملک کا مقبول ترین سماجی ہفت روزہ ہے، جو ہر عمر اور ذوق کے قارئین کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا جاتا ہے۔اس کے مندرجات میں سیاسی مضامین، تجزیئے، تبصرے، جائزے، کالم، شہروں کی ڈائریاں، ملکی و بین الاقوامی خبریں، سماجی، معاشی، معاشرتی موضوعات پر رپورٹس، فیچر، سلسلے وار کہانیاں اور ناول، کھیل کی دنیا سے مضامین و معلومات اور جہاں فن کے عنوان سے لالی وڈ، بالی وڈ اور ہالی وڈ کی چٹ پٹی خبروں کے علاوہ فلم، ٹی وی اور اسٹیج کے اداکاروں کے اسکینڈلز وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔اسکے ساتھ ساتھ مستقل سلسلوں میں مکتوبات، یہ ہفتہ کیسا رہے گا، شادی مبارک، تین عورتیں تین کہانیاں، بزم اطفال، خواب اوران کی تعبیر، کتاب وسنت کی روشنی میں، کٹ پیس اور گوشۂ ادب شامل ہوتے ہیں۔سائنس وٹیکنالوجی کی معلومات، کھانا پکانے کی تراکیب، حسن وصحت اور فیشن بھی رسالے کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔

"اخبار جہاں" کو ڈرائنگ روم میگزین کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا رسالہ ہے، جس سے ہر شخص چاہے وہ کسی بھی ذوق اور عمر کا حامل ہو، فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس میں وہ تمام مواد اور معلومات فراہم کی جاتی ہیں جو آج کے دور کا قاری پڑھنا چاہتا ہے۔

"اخبار جہاں" نہ صرف مواد بلکہ پیش کش کے لحاظ سے بھی نہایت عمدہ ہوتا ہے۔اس کی طباعت اور کاغذ کا معیار دیگر رسالوں کی نسبت بہت بہتر ہوتا ہے۔رسالے کے وسطی صفحات روغنی ہوتے ہیں جن پر کسی ماڈل یا اداکارہ کے فوٹو شوٹ کے ساتھ اس کا انٹرویو دیا جاتا ہے۔اس کا سرورق بھی موٹے کاغذ پر چھپنے کے باعث نہایت دیدہ زیب ہوتا ہے۔

"اخبار جہاں" کے اداریوں میں مختلف عوامی وسماجی معاملات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ عوام کو تفریح طبع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل کی بہتری کے لیے بھی کوشاں ہے۔

"صرف کراچی ہی میں لوڈ شیڈنگ کیوں؟" کے عنوان سے ایک اداریے میں اخبار جہاں لکھتا ہے:

" کراچی کے شہریوں پر اس وقت مختلف اقسام کے عذاب مسلط ہیں اور ان عذابوں میں ایک، کے ای ایس سی بھی ہے۔بجلی کی فراہمی کے اس ادارے نے ملک کے اس سب سے بڑے شہر کے عوام کو گزشتہ چند برسوں سے جس پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے اس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔لوڈ شیڈنگ کا بحران اب اتنی شدت اختیار کر گیا ہے کہ شہر کے صنعتکار بھی سڑکوں پر نکل آئے ہیں" ۳۹۷

اسی طرح ایک اور اداریے میں عوامی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"سیاسی ہنگامہ آرائی، بحث ومباحثے، عدالتی فیصلے اور ان کے نتائج وغیرہ سب اپنی جگہ لیکن اصل مسئلہ عوام کے جینے مرنے اور امن وامان کا ہوتا ہے" اور اسی مسئلے کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔عوام سے بجلی، پانی، روزگار، چین سکون، حتیٰ کہ امید بھی چھین لی جائے تو وہ جئیں کیسے؟ ۳۹۸

"اخبار جہاں" میں شامل ہونے والے قارئین کے خطوط بھی ان کے دل کی آواز ہوتے ہیں، جن میں وہ اپنے تمام مسائل وخدشات کا ذکر کرتے ہیں اور ان خطوط کو نہایت نمایاں کر کے چھاپنا بھی "اخبار جہاں" کا خاصہ ہے۔

ایک بڑے اشاعتی ادارے سے منسلک ہونے اورعوام میں نہایت مقبول ہونے کے باعث "اخبار جہاں" کو ملنے والے اشتہارات کی تعداد بھی کافی زیادہ ہوتی ہے، جن میں سے اکثر اشتہارات اخبار جہاں میں مستقل بنیادوں پر شائع ہوتے ہیں۔

الغرض "اخبار جہاں" ایک ایسا میگزین ہے، جو قارئین کے فارغ وقت کا بہترین ساتھی ہے۔ یہ انہیں کبھی بھی بور نہیں ہونے دیتا اور انہیں دنیا جہاں کی معلومات، تفریح، اور دلچسپیاں ایک ہی رسالے میں فراہم کر دیتا ہے۔ موجودہ انٹر نیٹ کے دور میں اخبار جہاں کا الیکٹرانک ورژن بھی بہت خوب ہے، جس سے قارئین دنیا کے کسی بھی کونے سے اس رسالے سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

میر جاوید الرحمٰن

جنگ گروپ کے بانی میر خلیل الرحمٰن کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ میر جاوید الرحمٰن دہلی میں ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ جامعہ کراچی سے ایم اے کی سند حاصل کرنے کے بعد مزید حصول تعلیم کے لیے برطانیہ روانہ ہوگئے، جہاں انھوں نے یونی ورسٹی آف ویلز، برطانیہ سے اخبارات کی انتظام کاری کے موضوع پر تعلیم حاصل کی۔ چار دہائیوں سے وہ ذرائع ابلاغ کی دنیا سے وابستہ ہیں وہ جنگ گروپ کے گروپ پبلشر، پرنٹر، گروپ چیئرمین اور ایگزیکٹیو ایڈیٹر ہیں وہ جنگ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام لندن سے نکلنے والے جنگ اور دی نیوز کے چیئرمین اور چیف ایگزیکٹیو بھی ہیں۔

پاکستان کے مقبول ہفت روزہ "اخبار جہاں" کے ایڈیٹر ان چیف بھی ہیں۔ اخبار جہاں اپنے مشتملات اور ترتیب و پیش کش کے حوالے سے مرد و خواتین اور بچوں میں یکساں مقبول ہے۔

وہ آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی کے صدر اور تین مرتبہ سیکرٹری جنرل رہ چکے ہیں وہ کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر کے بھی ممبر ہیں بین الاقوامی سطح پر وہ انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ کے ممبر، کامن ویلتھ پریس یونین لندن اور پیرس کی ایڈیٹر ایسوسی ایشن کے ممبر بھی ہیں۔ ۳۹۹؎

فیملی۔ لاہور

نوائے وقت گروپ آف نیوز پیپرز کے زیر اہتمام، ۱۹۹۰ء میں ہفت روزہ "فیملی" میگزین کا اجراء ہوا۔ یہ رسالہ لاہور سے جاری کیا گیا جو کراچی سے شائع ہونے والے "اخبار جہاں" اور "اخبار خواتین" کی طرح ایک سماجی رسالہ ہے۔

اس رسالے کے چیف ایڈیٹر مجید نظامی جبکہ ایڈیٹر فلمی صحافت کا ایک اہم نام علی سفیان آفاقی ہیں۔ تقریبا ۶۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۹.۱۵x "۱۱ اور قیمت ۳۵ روپے ہے اور یہ ندائے ملت پریس، لاہور سے چھپ کر شائع ہوتا ہے۔

یہ ایک مکمل فیملی میگزین ہے۔ جس میں تمام افراد کی پسند و ناپسند کے مطابق مواد شامل کیا جاتا ہے۔ اس کے مندرجات میں اداریہ، خبر ساز، قومی سیاست، خصوصی مضامین، فیچرز، فیملی فیچر، سلسلہ وار کہانیاں، رنگ برنگ، اسپورٹس اور شوبزنس وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

فیملی میگزین کے اداریوں میں اہم ملکی و قومی معاملات کا اجاگر کیا جاتا ہے اور قارئین کو تفریح و معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اہم نازک معاملات سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔ ایک اداریے میں تحریر ہے:

"امریکا کا کہنا ہے کہ "جن شرائط پر معاہدہ ہوا ہے فی الحال اس کی تفصیل نہیں بتا سکتے" گویا یہ این آر او کی قسم کا کوئی معاہدہ ہے جس میں نہ عوام کو اعتماد میں لیا گیا نہ پارلیمنٹ کو۔ ہمارے حکمراں پارلیمنٹ کی بالادستی کا تذکرہ تو کرتے رہتے ہیں مگر پارلیمنٹ ربڑ اسٹمپ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ حکمراں ہی ملک و قوم کے بارے میں تمام فیصلے کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک ایسے ملک میں ہو رہا ہے جہاں نام نہاد جمہوریت بحال ہو چکی ہے اور حکومت اپنے جمہوری طرز عمل پر فخر کرتی ہے" ۳۰۰

اس طرح فیملی میگزین کے اداریوں نے رائے عامہ کی ہمواری اور تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ رسالہ اپنے سیاسی مضامین، جائزوں اور تبصروں کی وجہ سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں مقبول ہے۔ خصوصاً انٹرنیٹ ایڈیشن کی بدولت دنیا کے کسی بھی کونے سے اس رسالے تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

"فیملی" کا ایک اہم سلسلہ "ہنسی علاج غم ہے" کے عنوان سے کارٹونوں کی اشاعت ہے جس میں سیاسی، سماجی مسائل و معاملات کو طنز و تشنیع اور مزاح کے پردے میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک بڑے اشاعتی ادارے سے منسلک ہونے کے باعث فیملی کو دیگر سماجی رسالوں کی طرح معاشی مشکلات اور اشتہارات کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، یہی وجہ ہے کہ اس رسالے کی طباعت اور پیشکش کا معیار نہایت بہتر ہوتا ہے۔ رسالے کا سرورق آرٹ پیپر پر چھپتا ہے۔ اس کے علاوہ درمیانی صفحات میں بھی روغنی کاغذ پر کسی ماڈل یا اداکارہ کا فوٹوشوٹ اور انٹرویو دیا جاتا ہے جس سے رسالے کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

فیملی میگزین ایک اہم سماجی رسالہ ہے جو تقریباً تمام گھروں میں ڈرائنگ روم کی زینت بنتا ہے۔ مضامین و مواد کے تنوع کے باعث یہ ہر عمر، طبقے اور ذوق کے افراد کا پسندیدہ رسالہ ہے اور اسکی مقبولیت کا گراف آج تک نیچے نہیں آیا۔

علی سفیان آفاقی

علی سفیان آفاقی، ۲۲؍ اگست ۱۹۳۳ء کو ریاست بھوپال کے شہر سیہور میں پیدا ہوئے۔ چند سال بعد بھوپال آ گئے۔ بعد ازاں اپنے خالو کے ہمراہ میرٹھ چلے آئے اور فیض عام انٹر کالج میں داخل ہوئے، جو مسلمانوں کے ایک ٹرسٹ کے تحت چلایا جاتا تھا اور اس کے بورڈ آف ٹرسٹیز میں علی سفیان کے خالو بھی شامل تھے۔ اُن دنوں علی سفیان آفاقی، اپنے

خالو کے ساتھ میرٹھ سے ڈیڑھ دو میل دور چھاؤنی کے علاقے میں رہتے تھے۔ میرٹھ اور بھوپال اُن کے خاندان اور خاندانی یادوں کے مضبوط حوالے ہیں۔ جون ۱۹۴۹ء میں وہ اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان آ گئے۔ وہ تحریکِ پاکستان کے عینی شاہدین میں سے ہیں۔

بچپن میں ہی انھوں نے اپنے خالو کی ذاتی لائبریری میں موجود سیرۃ النبی ﷺ، ہندوستان اور انگلستان کی تاریخ، اسلامی تاریخ، سوانح عمریاں، افسانے، ناول، سیاست، طنز و مزاح، شعر و شاعری، دیوان اور علمی و ادبی سمیت متعدد موضوعات پر کتابیں پڑھ ڈالی تھیں۔

لکھنے لکھانے اور صحافتی جراثیم اُن میں بچپن سے ہی تھے، جب اسکول کے زمانے میں انھوں نے ''چغل خور'' کے نام سے ایک اخبار بنا کر گھر بھر کی خبروں کو عام کر دیا تھا۔ اُن کے باقاعدہ صحافتی کیریئر کا آغاز روزنامہ ''تسنیم'' سے ہوا اور پھر انھوں نے روزنامہ ''آفاق'' ہفت روزہ ''چٹان''، روزنامہ ''نوائے وقت''، ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' اور ماہنامہ ''سرگزشت'' کراچی، غرض ہر جگہ اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی کہانیوں کے نقوش چھوڑے۔ ۱۹۹۰ء میں نوائے وقت نے ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' کا آغاز کیا تو وہ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ اُن کی تحریریں، فلمی الف لیلہ کا روپ دھار کر برسوں سے جاری ہیں۔ لکھنا اور فلموں کی پروڈکشن اور ہدایت کاری علی سفیان آفاقی کے دو بنیادی فن رہے ہیں، تاہم اب انھوں نے خود کو صرف لکھنے لکھانے تک ہی محدود کر لیا ہے۔ علی سفیان آفاقی نے بیسیوں سفرناموں، انٹرویوز اور بے شمار طویل کہانیوں کی بدولت اُردو کی مجلاتی صحافت میں اپنا ایک مخصوص مقام حاصل کیا ہے، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔[۱۰۹]

تجزیہ

سماجی رسائل جنھیں عرف عام میں ڈرائنگ روم میگزین بھی کہا جاتا ہے،۔ پاکستان کی مجلاتی صحافت میں تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوئے۔ ان رسالوں میں معاشرتی زندگی کے تمام موضوعات کو ہلکے پھلکے سادہ انداز میں سمیٹ لیا جاتا ہے ان میں سیاست، معیشت، معاشرت، ادب، اسپورٹس، فلم، ٹیلی ویژن غرض یہ کہ تمام ہی موضوعات شامل ہیں۔ کثرت سے تصاویر کی اشاعت اور دیدہ زیب لے آؤٹ کی وجہ سے ان کے حسن و دلکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان رسائل میں ٹھوس علمی و ادبی بحثوں سے گریز کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس قسم کے رسالوں کی ابتداء زبیدہ حمید اللہ کے انگریزی رسالے "مرر" سے ہوئی۔ اردو میں سماجی رسالے کا آغاز ۱۹۶۶ء میں "اخبار خواتین " سے ہوا، جس کے مالک عنایت اللہ تھے اور روزنامہ "مشرق" نکالتے تھے۔ یہ دور ایوب خان کے مارشل لاء کا تھا۔ حکومت نے تمام قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی سیاست پر پابندی نے قارئین کے لیے دل چسپی کے دیگر موضوعات کے دروازے کھول دیئے۔ "اخبار خواتین" مقبول ہوا کیوں کہ وہ خواتین ہی نہیں مردوں کے ذوق مطالعہ کی بھی تسکین کرتا تھا اور سیاست سے قطع نظر تمام ہی موضوعات پر دل چسپ ہلکے پیرائے میں مواد فراہم کرتا تھا۔ ایک سال بعد جنگ گروپ نے کراچی سے ۱۹۶۷ء میں "اخبار

جہاں" نکالا جو اچھوتے موضوعات منفرد اسلوب اور ترتیب و پیش کش میں ایجاد و اختراع کے حوالے سے ایسا رسالہ تھا جس کی نظیر مجلاتی صحافت میں اس سے قبل نہیں ملتی تھی۔ بہت بعد میں لاہور سے "دھنک" جاری ہوا۔ "دھنک" دیکھتے ہی دیکھتے چھا گیا۔ اس کے مالک و مدیر سرور سکھیرا نے اس رسالے میں لکھنے والوں کی نہایت عمدہ ٹیم بنائی پالیسی کے اعتبار سے یہ رسالہ بے باک اور بے جھجک واقع ہوا تھا۔ تاہم اپنے مدیر کی غیر مستقل مزاجی اور ان کے بدلتے ہوئے شوق کی وجہ سے یہ رسالہ چند برس نکلنے کے بعد بند ہو گیا۔ اس کی بندش کے بعد اسی طرز کے کئی سماجی رسالے جاری ہوئے مثلاً عقاب، کراچی اور "پلک" لاہور وغیرہ لیکن یہ سماجی رسالے بھی شعلۂ مستعجل ثابت ہوئے اور چند برسوں کے اندر اندر دم توڑ گئے۔ "اخبار خواتین" جو سماجی رسائل کا پیش رو تھا۔ نیشنل پریس ٹرسٹ میں ضم ہونے کے بعد سرکاری رسالہ بن گیا۔ سرکاری ٹرسٹ توڑا گیا تو "اخبار خواتین" بھی بند ہو گیا۔ یہ ۱۹۹۵ء کا واقعہ ہے۔

۱۹۹۰ء میں نوائے وقت گروپ نے "فیملی" میگزین کا آغاز کیا۔ اس کے مندرجات بھی کم و بیش اخبار جہاں جیسے ہی تھے۔ مستحکم اشاعتی گروپ کی پشت پناہی کے باعث اخبار جہاں اور فیملی آج بھی باقاعدگی سے نکل رہے ہیں۔ یہ رسائل وقت گزاری کا بہترین ذریعہ ہیں اور جن سے گھر بھر کے افراد استفادہ کر سکتے ہیں۔ اخبار جہاں قارئین میں بہت مقبول ہے اور ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب اس کی اشاعت سوا لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ فیملی میگزین بھی معیاری سماجی رسالہ ہے، تاہم مقبولیت میں وہ اخبار جہاں سے بہت پیچھے ہے۔

مذہبی رسائل

مذہب انسانی زندگی میں اہم مقام اا ور حیثیت کا حامل ہے اور اپنے مذہبی عقائد کی ترسیل و تبلیغ ہمیشہ سے انسانی تاریخ کا خاصہ رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے خصوصی طور پر رسائل و جرائد کا سہارا لیا گیا، تا کہ بہتر اور جامع انداز میں اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات کو عام کیا جا سکے۔

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے قبل، اس خطہ میں ایک سے زیادہ قومیں بستی تھیں، جن میں مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان سبھی شامل تھے۔ ان میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ دوسری بڑی قوم مسلمانان ہند کی تھی۔ برصغیر میں انگریزوں کی حکومت کے دوران یہاں کی قومیتوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اس کے علاوہ تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنی تعلیمات کا پرچار کرنے کی بھی آزادی تھی۔ عیسائیت کے پرچار کے لیے مشنریوں کو سرکاری اعانت بھی حاصل تھی اس سلسلہ میں مذہبی نوعیت پر مبنی مواد کی ترجمانی اور نمائندگی کے لیے مقامی زبان کو استعمال میں لایا گیا۔ اس طرح برصغیر میں مذہبی رسائل و جرائد کی اشاعت کی روایت بہت قدیم ہے۔۲۰۲

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں تقریباً ۳۰۰ کے لگ بھگ مذہبی رسائل جاری ہوئے یہ رسالے ملک کے تقریباً تمام شہروں سے جاری ہوئے، تاہم زیادہ تر تعداد کا تعلق کراچی اور لاہور سے ہے۔ زیادہ تر رسالے ماہنامے ہیں، اس کے

بعد بالترتیب سہ ماہی اورہفت روزہ مذہبی جرائد دیکھنے میں آئے۔ صفحات، سائز اور قیمتوں کے حوالے سے بھی ہر رسالہ دوسرے سے مختلف نظر آیا۔

اہم مذہبی رسالوں میں فکر ونظر، ترجمان القرآن، طلوع اسلام، البلاغ، ترجمان الحدیث، فرقان، پیام حق، چراغ راہ، محدث، الارشاد، درس قرآن، معارف، اسلامک اسٹڈیز اور تحریک جدید وغیرہ شامل ہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک بے شمار مذہبی رسائل سامنے آئے، لیکن ان میں کوئی بھی بین الاقوامی اہمیت حاصل نہ کرسکا۔ ہر رسالہ مخصوص مکتبہ فکر یا فرقے کی ترجمانی اور نمائندگی کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ ان رسائل کی مخصوص نظریاتی اور مذہبی وابستگی اور پیش کش کا بہترین معیار نہ ہونے کے باعث ان کی اشاعت اور حلقۂ قارئین بھی نہایت محدود ہوتا ہے۔

اگرچہ چند ایک ایسے رسائل بھی ہیں جو قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر کی تشریح تعلیم احادیث اور اسلامی تاریخ اور مشاہیر اسلام سے متعلق مضامین، قارئین تک پہنچاتے ہیں تاہم ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ زیادہ تر تعداد ان رسائل کی ہے جو عوام میں فرقہ پرستی اور تنگ نظری کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اور ان کی اشاعت کا مقصد محض اشتہارات کے ذریعے پیسے کمانا ہوتا ہے۔ پاکستان میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب مثلاً احمدیت اور عیسائیت کے حوالے سے بھی مذہبی رسائل وجرائد شائع ہونے کا سراغ ملتا ہے، جس سے یہاں پر مذہبی آزادی کے تصور کو تقویت ملتی ہے۔

ذیل میں اُن چند اہم مذہبی رسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اِس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ اور مدیران کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

ترجمان القرآن۔ لاہور

۱۹۲۵ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک مذہبی رسالہ "ترجمان القرآن" جاری کیا۔ یہ رسالہ "علوم قرآنی وحقائق فرقانی کا ذخیرہ" تھا۔ تقریباً ۸۸ صفحات اور ۹×۶ انچ سائز پر مبنی اس رسالے کی قیمت فی شمارہ ۲۰ تھی۔ پہلے یہ ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر وپبلشرز، لاہور کے تحت طبع ہو کر دفتر رسالہ ترجمان القرآن، لاہور سے شائع ہوتا تھا اور بعد میں اس کی طباعت ملک عید محمد پرنٹرز، اچھرہ، لاہور سے ہونے لگی۔

"ترجمان القرآن" ایک مذہبی رسالہ تھا جو مولانا مودودی کے افکار اور نظریات کی بھرپور ترجمانی کرتا تھا۔ اس کے مندرجات میں اشارات کے عنوان سے اداریہ، مقالات، معارف القرآن، مطبوعات اور دیگر مذہبی وتحقیقی مضامین شامل ہوتے تھے۔ رسالے کے اجراء کے مقاصد کے حوالے سے اس کے صفحۂ اول پر درج ہوتا تھا:

"تمام ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کا ایک ہی ماہوار رسالہ ہے۔ اس کا مقصد وحید اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ دنیا میں جو افکار وتخیلات اور اصول تہذیب وتمدن پھیل رہے ہیں ان پر قرآنی نقطۂ نظر سے تنقید کرنا اور

فلسفہ وسائنس، سیاست ومعیشت، تمدن ومعاشرت، ہر چیز میں قرآن وسنت کے پیش کردہ اصولوں کی تشریح کرنا اور زمانہ جدید کے حالات پر ان اصولوں کو منطبق کرنا، اس رسالہ کا خاص موضوع ہے۔ یہ رسالہ امت مسلمہ کو ایک نئی زندگی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ: "اپنے دل اور دماغ کو مسلمان بناؤ۔ جاہلیت کے طریقے چھوڑ کر اسلام کے صراط مستقیم پر چلو قرآن کو لے کر اٹھو اور دنیا میں غالب بن کر رہو"۔

اتنے اعلیٰ مقاصد کے تحت جاری کیا گیا یہ رسالہ جلد ہی پورے ہندوستان میں مقبول ہوگیا۔" ترجمان القرآن" نے ہر دور میں مسلمانوں کی فکری ومذہبی رہنمائی کی۔ اس دور میں جب برصغیر پاک وہند میں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے گھتم گھتا تھے اور مسلمان کسی خاص تحریک سے خود کو منسلک کرنے میں اپنی بقاء و عافیت سمجھ رہے تھے تو مولانا مودودی کچھ ان الفاظ میں ان سے مخاطب ہوئے۔ "تمام مسلمانوں کو جان لینا چاہئے کہ بحیثیت ایک مسلم جماعت ہونے کے ہمارا تعلق اس تحریک سے ہے جس کے لیڈر انبیاء علیہم السلام تھے۔ ہر تحریک کا ایک خاص نظام فکر اور ایک خاص طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام فکر اور طریق کار وہ ہے جو ہم کو انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں میں ملتا ہے۔ ہم خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ میں ہوں اور ہمارے گرد وپیش زندگی کے مسائل ومعاملات خواہ کسی نوعیت کے ہوں ہمارے لیے مقصد ونصب العین وہی ہے، جو انبیاء کا تھا اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ وہی ہے جس پر انبیاء ہر زمانہ میں چلتے رہے۔۔۔ ہمارا معیار قدر وہی ہونا چاہئے جو ان کا تھا اور ہماری اجتماعی پالیسی انہی خطوط پر قائم ہونی چاہئے جن پر انہوں نے قائم کی تھی۔ اس مسلک کو چھوڑ کر اگر ہم کسی دوسرے مسلک کا نظریہ اور طرز عمل اختیار کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے "۳۰۳

مولانا مودودی کو حق وسچ کا پرچار کرنے میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً مالی مشکلات رسالے کی اشاعت کی راہ میں حائل ہوتی رہیں، مولانا لکھتے ہیں:

"چند مہینوں سے اس رسالہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر واقع ہو رہی ہے حتی کہ ربیع الاول وربیع الاخر کا مشترک نمبر رجب کے وسط میں شائع ہوا۔ جس سے ناظرین رسالہ کا پیمانہ صبر بالکل ہی لبریز ہوگیا اور دفتر میں شکایات کا انبار لگ گیا۔ اب اس تاخیر کا اصلی سبب ظاہر کرنے پر میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔ دراصل اس کا سبب وہ شدید مالی مشکلات ہیں جو پچھلے چند مہینوں سے اس رسالے کو پیش آرہی ہیں۔ دو تین سال ادھر جن خیالات کی تبلیغ ان صفحات میں شروع کی گئی تھی، ان سے بعض جماعتیں ناراض ہوئیں تو بعض خوش بھی ہوئیں۔ بعض نے مقاطعہ کیا تو بعض نے گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید بھی کہا، لیکن وہ روش اصل مقصد کی محض تمہید تھی۔ جب تمہید ختم ہوئی اور اصل مقصد بے نقاب ہو کر سامنے آیا تو ہندوستان کی مختلف الخیال جماعتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہ تھی جس کو اس سے اتفاق ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسالہ کے خریداروں کی تعداد بڑی تیزی کے ساتھ گھٹنی شروع ہوگئی۔۔۔ ایک طرف آمدنی کا یہ نقصان اور دوسری طرف جنگ کی وجہ سے کاغذ کی قیمت بڑھتے بڑھتے دو چند ہوگئی۔ ان دونوں اسباب نے مل جل کر وہ مواقع پیدا کر دیئے ہیں، جن کی وجہ سے پرچہ کو بروقت شائع کرنا مشکل ہوگیا ہے "۳۰۴

ان مشکل حالات میں بھی مولانا کے پایۂ استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور انہوں نے رسالے کی مالی مشکلات سے نمٹنے کے لیے اس کی پالیسی میں تبدیلی کو ہرگز گوارہ نہ کیا وہ لکھتے ہیں:

"اس امر کی توقع کسی کو مجھ سے نہ رکھنی چاہئے کہ محض رسالہ کو زندہ رکھنے کے لیے میں اس کی پالیسی میں کوئی ایسی ترمیم کردوں گا جو لوگوں کو خوش کرنے والی ہوا (کم از کم میرے علم کے مطابق) خدا کو ناخوش کرنے والی ہو، وہ لوگ جو میرے مقصد اور طرزِ عمل سے اتفاق رکھتے ہیں تو ان سے بھی میں کسی ہمدردی واعانت کی درخواست نہیں کرتا وہ اپنے ضمیر سے فتویٰ لیں کہ جس مقصد کے لیے میں کام کر رہا ہوں، وہ مقصد حق ہے یا نہیں اور جس راستہ پر چل کر میں نے دنیا بھر سے اختلاف مول لیا ہے، وہ صراط مستقیم ہے یا نہیں" ۵۰۴

"ترجمان القرآن" قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔ آزادی سے قبل جہاں مولانا مودودی ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی آزادی کی تحریک میں صراط مستقیم پر چلنے کا درس دے رہے تھے۔ آزادی کے بعد انہوں نے مسلمانان پاکستان کی ذہنی، علمی وفکری تربیت میں اپنا کردار ادا کیا اور اس رسالے کے ذریعے ان کی رہنمائی کی۔

"ترجمان القرآن" تجارتی مقاصد سے بالاتر ہو کر خالصتاً ایک مقصد، ایک نصب العین کے تحت جاری کیا گیا تھا اور وہ مقصد تھا ہندوستان کو دارالاسلام بنانا اور اس خطے میں خالص مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ تشکیل دینا جو ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کے بل بوتے پر اسلام اور نیکی کا پیغام عام کرلے۔ یہ ایک بہترین اور پرتحقیق مذہبی رسالہ تھا جو مذہبی حلقوں میں آج تک پسند کیا جاتا ہے اور جسے مولانا مودودی کا ایک شاندار کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا کے انتقال کے بعد اس کے مدیر مولانا نعیم صدیقی مقرر ہوئے۔ ان دنوں رسالے پر مدیر کے طور پر پروفیسر خورشید احمد کا نام آتا ہے۔ جو ترجمان میں سیاسی امور ومسائل پر اشارات بھی لکھتے ہیں تاہم عملاً ادارت مسلم سجاد کے ہاتھوں میں ہے۔ مولانا مودودی کے اس رسالے کی ملکیت ان کے بعد ان کے بیٹے حیدر فاروق مودودی کو منتقل ہو گئی انھوں نے جماعت اسلامی کے اکابرین کو اسے شائع کرنے سے منع کردیا۔ چناں چہ اب یہ رسالہ "عالمی ترجمان القرآن" کے نام سے شایع ہو رہا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۲۵ ستمبر ۱۹۰۲ء کو اورنگ آباد حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ مولانا مودودی کے والد سید احمد حسن اہل سادات سے ہیں۔ ان کا ننھیال ترکی الاصل ہے۔ وہ صوفیاء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا کا سلسلۂ نسب مشہور صوفی بزرگ خواجہ قطب الدین چشتیؒ (۴۳۰ھ ۔ ۵۲۷ھ) سے جاملتا ہے۔

مولانا نے صحافتی زندگی کا آغاز ۱۷ سال کی عمر میں کیا۔ ان کی صحافتی زندگی کا آغاز ہفت روزہ "تاج" (جبل پور) سے ہوا۔ جس کی ادارت کے فرائض ان کے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی اور خود مولانا نے انجام دیئے اس اخبار کا دورانیہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک ہے۔

۱۹۲۱ء میں مولانا کی ملاقات مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صدر و ناظم جمعیت علمائے ہند سے ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے ایک اخبار "مسلم" نکالا۔ اس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا مودودی کی تفویض کی گئی۔ یہ اخبار اپریل ۱۹۲۳ء میں بند ہوگیا۔ ۱۴مئی ۱۹۲۸ء، الجمعیہ کے مدیر مسئول (محرر خصوصی) کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ الجمعیۃ کی ادارت سے خیر باد کہنے کے بعد مولانا دہلی سے حیدرآباد دکن آگئے اور ۱۹۲۹ء سے ۱۹۲۷ء تک حیدرآباد میں ہی قیام کیا۔

قیام حیدرآباد کے دوران ۱۹۳۲ء میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ ترجمان القرآن کی اشاعت ان کی زندگی کا سب سے اہم دور ہے۔ اسی اثناء میں مولانا "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکہ آراء کتاب لکھ چکے تھے۔ ترجمان قرآن کی اشاعت نے ہی دراصل ایک تحریک کی شکل اختیار کی اور جماعت اسلامی کے قیام کے لیے راہیں ہموار کیں، قیام حیدر آباد کے دوران ہی "دینیات" جیسی مقبول عالم کتاب پندرہ دن میں مکمل کی۔ اس رسالہ "دینیات" اور "ترجمان القرآن" نے مولانا کو پورے برّعظیم میں روشناس کرایا۔ مولانا مودودی کی شادی ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ علامہ اقبال کی دعوت پر مولانا مودودی اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ پٹھان کوٹ (ضلع گورداس پور) کے قریب جمال پور کی بستی میں مارچ ۱۹۳۸ء میں منتقل ہو گئے۔

دار اسلام پٹھان کوٹ ۱۱۲کتوبر ۱۹۳۸ء کو ایک اجتماع میں تین دن کے بحث و مباحثہ کے بعد قائم ہوا۔ مولانا اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس ادارے کی حیثیت علمی اور تحقیقاتی ہے۔ یہ اکیڈمک اور تربیتی ادارہ تھا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی نظریاتی اور فکری تربیت کی جائے۔

جنوری ۱۹۳۹ء سے وسط ۱۹۴۲ء تک مولانا کا قیام لاہور میں رہا۔ لاہور کے قیام کے دوران مولانا نے اسلامیہ کالج لاہور میں کچھ مدت اسلامیات کے اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے درس دیا۔

۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی قائم کی گئی تو دار اسلام پٹھان کوٹ کو اس میں ضم کر دیا گیا۔ جماعت اسلامی کے ارکان کی تعداد ۷۵ تھی۔ آزادی کے بعد مولانا مودودی ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان پہنچے۔ اور پاکستانی معاشرے کو اسلامی وفلاحی خطوط پر استوار کرنے کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ انھوں نے اسلامی دستور کی تدوین میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ تاہم ان کی جماعت کو انتخابات میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

جماعت کی امارات سے سبکدوشی کے بعد مولانا نے اپنی تمام سرگرمیوں کو محدود کرلیا۔ اس عرصے میں "تفہیم القرآن" کی بقیہ جلدوں کو مکمل کیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۹ء کو امریکہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ ۶۰۶

فکر و نظر۔ راولپنڈی/اسلام آباد

۱۹۶۳ء میں راولپنڈی/اسلام آباد سے ماہنامہ فکر و نظر کا اجراء ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، محمد سرور اور ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

تقریباً ۱۴٦ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۷.۹x"۸.٦ اور قیمت ۱۰۰ روپے ہے اور یہ شعبہ مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تحت چھپ کر شائع ہوتا ہے۔

یہ ایک اعلیٰ پایے کا مذہبی و تحقیقی رسالہ ہے جس کے مندرجات میں علم قرأت کی تدوین وارتقاء، فن حدیث کے حوالے سے مضامین ومقالات، سلسلۂ مجددیہ کے مکتوبات کی روشنی میں مختلف مسائل کا جائزہ، سوانحی خاکے، اسلام اور دیگر مذاہب اور فقہوں کے تقابلی جائزے، شرعی مسائل پر مدلل مضامین، احکام شرعیہ، قرآن کا معاشی رجحان، اسلامی معیشت کا جائزہ، انتقاد، تعارف وتبصرۂ کتب اور دیگر مذہبی، علمی و تحقیقی مضامین شامل ہوتے تھے۔

فکرونظر کے اجراء کے موقع پر "شذرات" میں رب تعالیٰ کے حضور شکر گزاری کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا:

"ہمارا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جتنی بار بھی سجدہ ہائے شکر بجالائے کم ہے کہ اس نے ہمیں ادارۂ تحقیقات اسلامی کے اردو ترجمان یعنی ماہنامہ "فکرونظر" کو پاکستان کے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت ارزانی فرمائی۔ ہماری انتہائی خوش نصیبی ہے کہ ہم "فکرونظر" کا پہلا شمارہ یکم اگست سنہ ۱۹٦۳ء، مطابق ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۳ھ کو پیش کررہے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ماہ پیدائش ہونے کی جہت سے اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت کا حامل اور بیش بہا برکتوں اور سعادتوں کا امین تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہم انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ الٰہیٰ میں دست بدعاء ہیں کہ وہ اس ماہنامے کو اسلام کے نور بصیرت کو مزید عام کرنے کا ذریعہ بنائے اور ہماری ناچیز کوششوں کو قبول فرما کر مسلمانوں میں بھی انہیں قبول عام کا شرف بخشے۔ آمین!"۷۰۴

رسالہ "فکرونظر" خالصتاً علمی و تحقیقی مشاغل کو عام کرنے کے لیے جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے اجراء کے مقاصد اور پالیسی کے حوالے سے پہلے شمارے میں درج کیا گیا:

"فکرونظر"، کا مطمع حیات، تحقیق و تدقیق اور ریسرچ کے کام کو آگے بڑھانا، اسے ترقی دینا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ کسی خاص نہج کے نتائج فکر کی تبلیغ واشاعت یا ان کی وکالت کرنا اور ان کو قوم کے اذہان میں زبردستی ٹھونسنا نہیں ہے۔ اس لیے جو مضامین "فکرونظر" میں شائع ہوں، ان کے متعلق یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خود ادارہ کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یا جو نتائج فکر ان میں پیش کیے گئے ہیں وہ خود ذمہ داران ادارہ کے اپنے نتائج فکر بھی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم ان نتائج فکر سے متفق ہوں اور ہوسکتا ہے کہ ہمیں ان سے اختلاف ہو۔ ہمارا مقصد غور وفکر، تدبر و تفکر اور تحقیق و تدقیق کی حوصلہ افزائی کرنا ہے اگر کسی مضمون میں ان عناصر کی نمائندگی ہوسکی ہے تو "فکرونظر" کے صفحات اس کے لیے حاضر ہیں۔ ملت کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ صاحب مضمون کی تحقیق و تدقیق اور غور وفکر کہاں تک حقیقت کی نقاب کشائی کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ ہم ملت سے اس کے اس حق کو چھیننا نہیں چاہتے"۷۰۸

رسالہ "فکرونظر" مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے ترجمان کے طور پر شائع کیا گیا اس ادارہ کے قیام کے مقاصد یہ تھے:

۱۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق عقلی انداز پر وسیع النظری کے ساتھ اسلام کی توجیہہ کرنا اور دیگر امور کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی مقاصد مثلاً عالمی اخوت، رواداری اور معاشرتی انصاف کی توضیح کرنا۔

۲۔ اسلامی تعلیمات کی ایسے انداز پر تعبیر کرنا جو دنیائے جدید کے عقلی اور سائنسی ارتقاء میں اسلام کی جاندار خصوصیات کو نمایاں کر سکے۔

۳۔ اسلام نے فکر، سائنس اور ثقافت کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس پر اس انداز سے تحقیق و تدقیق کرنا کہ مسلمان ان میدانوں میں اپنے نمایاں اور برتر مقام کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔

۴۔ اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون اور اصول فقہ وغیرہ میں تحقیق کے لیے ایسے اقدامات عمل میں لانا کہ تحقیق و تدقیق کا کام منظم طریقہ پر ہو سکے اور اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ ۴۰۹

"فکر و نظر" کے بھی کم و بیش یہی مقاصد تھے۔ جن کی تکمیل کا اس رسالے نے بیڑا اٹھایا اور اپنے تحقیقی و علمی مضامین اور مقالات کے ذریعے قارئین کے اذہان کے دروازے پر دستک دی۔ انہیں علم و فکر کی طرف راغب کیا اور انہیں یہ بتایا کہ "علم و فکر" نہ کسی خاص فرد یا طبقہ کی جاگیر ہے اور نہ کسی فرد یا طبقہ کی میراث کہ اس میدان میں کوئی دوسرا فرد یا کوئی دوسرا طبقہ قدم ہی نہ رکھ سکے" ۴۱۰

اس رسالے نے نہ صرف علم و تحقیق کے دروازے کھولے بلکہ مثبت تنقید اور اختلاف رائے کو بھی جگہ دی اور اپنے مقالات اور مضامین کے ذریعے تعلیم یافتہ طبقے میں صحیح دینی فکر کو فروغ دیا۔ مذہبی رسائل میں یہ رسالہ اپنے تحقیقی مزاج کی وجہ سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

تجزیہ

دستور کی رو سے پاکستان ایک مذہبی ریاست ہے۔ جس کے باشندوں کی اکثریت اسلامی عقائد رکھتی ہے۔ چناں چہ پاکستانی معاشرے پر مذہب کا اثر بہت گہرا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یہاں مذہبی کتابیں سب سے زیادہ فروخت ہوتی ہیں۔ اسی طرح مذہبی رسائل کی یہاں بہتات ہے۔ مختلف مذہبی مکاتب فکر اپنے عقائد و نظریات کی ترجمانی کے لیے رسالے نکالتے ہیں۔ متعدد دارالعلوم کے شعبہ ہائے نشر و اشاعت کے تحت بھی، مذہبی رسالے اشاعت پذیر ہوتے ہیں۔ مذہبی اسکالرز اور علماء بھی انفرادی سطح پر اس نوع کے رسائل کی ادارت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ تاہم دو ایک مذہبی رسالوں سے قطع نظر کم و بیش تمام ہی مذہبی رسائل کا مواد معیار اور موضوعات کے اعتبار سے فروتر اور یکسانیت کا شکار ہے۔ ان میں ایک تعداد ایسے مذہبی رسائل کی بھی ہے جس کی پالیسی مذہبی فرقہ واریت کو ہوا دینا ہے۔ بسا اوقات ان میں سے کچھ رسالے مخالف فرقوں سے مناظروں اور فروعی مسائل پر بحث و مباحثے میں بھی الجھے نظر آتے ہیں ہر چند کہ ان مباحث کا کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکلتا۔ لیکن ان سے مالکان و مدیران رسائل کے فرقہ وارانہ جذبات کو ضرور تسکین مل جاتی ہوگی۔

جماعت اسلامی کے معیاری مذہبی ماہنامے "ترجمان القرآن" اور اسلامی ریسرچ اکادمی اسلام آباد کے مذہبی رسالے "فکر ونظر" ان معدودے چند رسائل میں ہیں، جو نہ صرف فرقہ واریت اور مذہبی تنگ نظری سے بلند ہیں بلکہ جن کے مواد و مشتملات بھی عمدہ اور لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔ مذہبی رسائل کا المیہ یہ بھی ہے کہ تقریباً تمام ہی رسائل بک اسٹالوں اور کتب فروشوں کی دکانوں پر دستیاب نہیں ہوتے۔ بیشتر مذہبی رسائل بغیر کسی معاوضے کے بذریعہ ڈاک افراد اور اداروں کو بھیجے جاتے ہیں۔ البتہ مذکورہ دونوں رسائل اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اسلامی معاشرے کے قیام، اسلامی اقدار کے پرچار، اسلامی تعلیمات کے حقیقی معاشرتی زندگی میں نفاذ اور مدبرانہ انداز میں اسلامی عقائد و تصورات کی تشریح اور ان کے تحت لوگوں کو زندگی گزارنے کی ترغیب دینے میں بھی مذہبی رسائل بالعموم ناکام رہے ہیں۔ معاشرے پر ان کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا سبب ان رسائل کی محدود اشاعتیں اور ان کا غیر متاثر کن مواد ہے۔

زیادہ تر ان رسائل کی ادارت کی ذمہ داری غیر پیشہ ور افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ جس کی وجہ سے مواد کے علاوہ ان رسائل کا گیٹ اپ، کاغذ اور لے آوٹ بھی دیدہ زیب نہیں ہوتا اور نہ یہ رسائل منافع کماتے ہیں۔ قادیانیوں اور عیسائیوں کے ترجمان رسائل کی طرح مسلمانوں کے مختلف مذہبی مکاتب فکر کے ان رسالوں کے قارئین کا حلقہ بھی اپنے مقلدوں کے محدود دائرے سے آگے نہیں بڑھتا۔

ایسے مذہبی رسائل کی اشاعت کا ڈول ڈالا جائے جن کی ادارت پیشہ ور صحافیوں کے ہاتھوں میں ہو اور جو پڑھنے والوں کو اسلامی تعلیمات کے مثبت اور روشن پہلو دکھائیں اور یہ تمام تفرقوں کو ختم کر کے مذہبی یک جہتی کو فروغ دیں معاشرے سے فرسودہ رسوم و رواج، مذہبی تنگ نظری اور فرقہ واریت کو ختم کرنے میں موثر کردار ادا کریں۔

کھیلوں کے رسائل

کھیل نہ صرف تفریح بلکہ صحت مند تفریح کا ذریعہ ہیں۔ دنیا بھر میں کھیل اور کھلاڑی کو اہمیت حاصل ہے اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے کھیلوں سے متعلق رسائل جاری کرنے کی ابتداء ہوئی تا کہ قارئین اپنے پسندیدہ کھیل اور کھلاڑیوں کے بارے میں مکمل معلومات سے آگاہ ہوسکیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اردو صحافت کی ابتداء کے ایک طویل عرصے بعد تک کھیلوں سے متعلق کسی رسالے کے اجراء کے شواہد نہیں ملتے، تاہم قیام پاکستان کے بعد روزنامہ "پاکستان ٹائمز" نے "اسپورٹس ٹائمز" کے نام سے انگریزی میں ماہانہ رسالہ جاری کر کے اس روایت کی داغ بیل ڈالی۔ جس کی دیکھا دیکھی روزنامہ اخبارات میں کھیلوں کے لیے صفحات مختص کیے گئے اور بعد میں چند علیحدہ جرائد بھی شائع ہوئے۔

کھیلوں کے حوالے سے پورے پاکستان میں اردو کے اب تک تقریباً دس کے قریب رسائل جاری ہوئے۔ یہ رسالے ماہنامے ہیں اور تقریباً تمام کا اجراء کراچی سے ہوا۔ چند ایک رسائل ہفت روزے بھی ہیں ان کے صفحات کی تعداد ۲۰ سے ۶۰ کے درمیان اور قیمت ۵ سے ۵۰ روپے ہے جبکہ سائز ہر رسالے کا مختلف ہے۔

چند اہم رسالوں میں کرکٹر، اخبار وطن، اسپورٹس نیوز اور اسپورٹس انٹرنیشنل شامل ہیں، جن میں کھیلوں سے متعلق مکمل تکنیکی معلومات، مضامین اور کھلاڑیوں کے احوال درج کیے جاتے ہیں۔ ساتھ میں ان کی تصاویر بھی تا کہ شائقین اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں کے حوالے سے باتصویر مضامین سے لطف اندوز ہوسکیں۔ اس وقت چونکہ پاکستان میں کرکٹ، دیگر کھیلوں کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہے، اس لیے زیادہ تر رسالے کرکٹ سے ہی متعلق ہیں، یا شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے اکثر رسالوں کے مالکان یا مدیران کا تعلق کرکٹ کے شعبے سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرکٹ پر زیادہ رسالے شائع ہوتے ہیں اور قارئین میں بے حد مقبول بھی ہیں۔

ذیل میں اُن چند اہم کھیلوں کے رسائل کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد مختلف ادوار میں جاری ہوئے۔ اس میں اُن کے اجراء، مشتملات کا جائزہ اور مدیران کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

اخبار وطن۔ کراچی

۱۹۷۶ء میں کراچی سے ماہنامہ "اخبار وطن" کا اجراء ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں منیر حسین، اقبال منیر اور اختر منیر وغیرہ کے نام شامل ہیں جبکہ ادارۂ تحریر میں انور فرہاد اور مشتاق احمد وغیرہ کے نام سامنے آتے ہیں۔

تقریباً ۵۶ صفحات اور "۹. ۱۰x" ۸ سائز کے حامل اس رسالے کی قیمت ۵۰ روپے ہے اور یہ فلک پرنٹنگ پریس، کراچی سے طبع ہو کر شائع ہوتا ہے۔

یہ رسالہ کرکٹ کا انٹرنیشنل میگزین ہونے کا دعوے دار ہے۔ جس میں کرکٹ سے متعلق مضامین، تبصرے، انٹرویو، دل چسپ واقعات وغیرہ کے ساتھ ساتھ چند ایک ادبی تحریریں بھی شائع ہوتی ہیں۔

"اخبار وطن" ایک مکمل رسالہ ہے، جس میں کرکٹ سے متعلق تمام موضوعات کو نہایت دل چسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے کبھی مختلف کھلاڑیوں کے بچپن کی تصاویر شائع کر کے قارئین سے انہیں بوجھنے کے لیے کہا جاتا ہے تو کہیں کھلاڑیوں کے انٹرویو، حالات زندگی، ان کے فن پر تبصرے، میچوں اور سیریز کی تازہ ترین رپورٹیں اور کرکٹ اسکینڈلوں پر مضامین شائع کر کے قارئین کو ان کے پسندیدہ کھیل سے آگاہ رکھا جاتا ہے۔

ایک اور دلچسپ سلسلہ "ان کے نام" ہے، جس میں قارئین کرکٹ اور کھلاڑیوں کے نام اپنے پیغامات اشعار کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ "امپائرز کارنر" کے عنوان سے شائع ہونے والے سلسلے میں ماہر امپائر قارئین کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں اور انہیں تکنیکی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھلاڑیوں کی فٹنس کی داستانیں، گراونڈ کے اندر اور باہر کے قصے، سب "اخبار وطن" کو ایک مکمل کھیلوں کا رسالہ بناتے ہیں۔

"اخبار وطن" کے مدیر منیر حسین کھیل کی دنیا کی ہمہ جہت شخصیت ہیں ان کی شخصیت کا پرتو اس رسالے میں بھی جا بجا نظر آتا ہے۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کے شمارے میں "ایک خط ہزار باتیں" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایڈیٹرز کالم کا پرانا نام ایک خط ہزار باتیں" بحال کرنے پر میرے فیصلے کو آپ سب نے پسند کیا۔ ایک خاتون نے بڑی دل چسپ بات پوچھی کہ میں ایسی باتیں کس وقت سوچتا ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اخبار وطن فلم ایشیا اور دہلیز شائع کرنے کے علاوہ کمنٹری بھی کرتا ہوں۔ بڑی پابندی سے ہر ہفتہ جنگ میں مضمون بھی لکھتا ہوں بلکہ اب تو شاعری کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ تصوف کا انداز میں نے اپنایا ہے، جسے بے حد پسند کیا جا رہا ہے۔ ان خاتون کا کہنا ہے کہ میری تصویریں اخبارات میں بحیثیت مہمان خصوصی بھی نظر آتی ہیں۔ بیرونی ممالک بھی جاتا رہتا ہوں۔ وہ کہتی ہیں ظاہر ہے آپ گھر والوں کو بھی کچھ نہ کچھ وقت ضرور دیتے ہوں گے۔ یار دوستوں کی محفلیں بھی سجاتے ہوں گے، سوتے بھی ہوں گے، تو پھر یہ ڈھیر سارے تحریری کام آپ کیسے کرتے ہیں"[۴۱۱]

اخبار وطن میں سفرنامے شائع کرنے کی روایت کو بھی جگہ دی گئی۔ اس حوالے سے مدیر رقمطراز ہیں:

"سفرنامے اچھی یادوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ میں نے کئی سفرنامے لکھے ہیں۔ قارئین نے انہیں پسند بھی کیا، مگر بعض اوقات یہ کرکٹ سے زیادہ ذاتی واقعات کی نمائندگی کرنے لگتے ہیں۔ جن سے بعض قارئین کو بوریت محسوس ہونے لگتی ہے۔ شارجہ کا دورہ تو اب پرانا ہو گیا۔ اس کی روداد ایک ماہ بعد کچھ عجیب سی لگے گی۔ انشاء اللہ زندگی رہی تو ورلڈ کپ سے سفرناموں کا آغاز کروں گا اور یہ وعدہ رہا کہ یہ سلسلہ پابندی سے جاری رہے گا"[۴۱۲]

"اخبار وطن" کا کوئی بھی موضوع، مضمون، تجزیہ یا تبصرہ بوریا خشک نہیں ہوتا ہے مثلاً عمران خان کی ریٹائرمنٹ کے حوالے سے عالیہ رشید کے تحریر کردہ مضمون بعنوان "الوداع۔ ہوم گراؤنڈ" میں درج ہے:

"محبت کا کوئی قبیلہ نہیں ہوتا۔ کوئی ذات اور تقسیم نہیں ہوتی۔ محبت کی پہچان خود محبت ہی ہے۔ عمران بلاشبہ اس خوش بخت کا نام ہے، جسے بلوچستان سے لے کر سندھ اور سرحد سے لے کر پنجاب تک ہر شخص کی محبت حاصل ہے۔ کرکٹ کی سمجھ نہ رکھنے والا ٹرک ڈرائیور ہو یا گوداموں اور فیکٹریوں میں پسینہ بہانے والا مزدور ہر شخص عمران خان کو جانتا ہے"[۴۱۳]

اس طرح "اخبار وطن" نے کرکٹ کی دنیا کی بھرپور ترجمانی کی اور قارئین کو اس کھیل سے متعلق ہر طرح کی معلومات بہم پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس ضمن میں شگفتگی اور تروتازگی کے عنصر کو ملحوظ خاطر رکھا۔ کھیلوں کے رسائل میں "اخبار وطن" ممتاز مقام کا حامل ہے۔

کرکٹر۔کراچی

۱۹۷۸ء میں کراچی سے کھیلوں کا رسالہ ماہنامہ " کرکٹر" جاری ہوا۔ جس کے چیف ایڈیٹر حنیف محمد جبکہ ایڈیٹر ریاض احمد منصوری تھے۔ تقریباً ۱۰۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۵.۱۰x"۵.۷ ,جبکہ قیمت ۱۵ روپے ہے اور یہ ابن احسن پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے طبع ہو کر شائع ہوتا ہے۔

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، یہ رسالہ کرکٹ کے کھیل کے بارے میں ہے۔۔اس کے مندرجات میں کرکٹ کے حوالے سے جامع اور معلوماتی مضامین، کرکٹ اور کھلاڑیوں سے متعلق مختصر خبریں، کرکٹ کی تکنیکی معلومات کے حوالے سے نیوز فیچرز، کھلاڑیوں کی خوبصورت اور رنگا رنگ تصاویر اور "چیدہ چیدہ" کے عنوان سے مختلف کھلاڑیوں کے مزاحیہ کارٹون مع ان کے بیانات شائع کیے جاتے ہیں۔

" کرکٹر" کے مدیران کی کرکٹ کے تکنیکی مسائل پر گہری نظر ہوتی ہے۔۔"ہاؤزیٹ" کے عنوان سے ریاض احمد منصوری ایک جگہ لکھتے ہیں:

" کرکٹ کا کھیل کس طرف جا رہا ہے؟ ہر روز ایک نیا ہنگامہ کھڑا نظر آتا ہے۔ امپائرنگ کے مسائل منہ پھاڑے ہر سیریز میں دونوں ٹیموں کے سروں پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ میزبان ٹیم اپنی میزبانی کے اصولوں کو پورا کرتے نہیں تھکتی اور مہمان ہر طرح سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ سامنے والوں کو نیچا دکھائیں، ہر ایک چیز پر تنقید کریں "۱۴؎

اسی طرح"لٹل ماسٹر کمنٹ " کے عنوان سے ایک جگہ درج ہے:

" کرکٹ شریفوں کا کھیل ہے اگر اس کھیل کے بانی اور رکھوالے اسے شریفوں کا کھیل رہنے دیں تو بہتر ہوگا، ورنہ جتنی تیزی سے اس کھیل میں پروفیشنلزم آ رہا ہے۔ اتنی ہی تیزی سے اس کے مسائل میں بھی اضافہ ہوگا۔ گزشتہ چند عرصے سے ہم نے اس کھیل میں بڑی پے چیدگیاں دیکھی ہیں۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ امپائرنگ کا رہا ہے۔ دورہ کرنے والی ٹیم کبھی بھی میزبان ملک کی امپائرنگ سے خوش نہیں ہوتی۔ امپائرنگ پر نکتہ چینی ایک فیشن بن گیا ہے "۱۵؎

کھیل میں ہار اور جیت تو ہوتی ہی ہے لیکن پاکستانی کرکٹ میں ہارنے والی ٹیم کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ واقعی غور طلب ہے۔" کرکٹر' میں اس مسئلے کو بھی اجاگر کیا گیا۔ انیلا سعید خان اپنے مضمون بعنوان" کرکٹ، سیاست اور جنگ "میں رقم طراز ہیں:

" شکست پر واویلا ایک عام سی بات بن چکی ہے۔ ٹیم کے ہارنے کی دیر ہوتی ہے کہ ادھر ادھر سے طنز و تشنیع کے تیر برسنے شروع ہو جاتے ہیں اور ایسے میں کچھ لوگوں کی بن آتی ہے کہ جو کسی خاص کھلاڑی کے خلاف سرگرم عمل ہوں۔۔۔ان کے شدید ردعمل کی وجہ سے اکثر اوقات کئی کھلاڑیوں کا مستقبل ہی تاریک ہو جاتا ہے۔ کپتانوں کی تبدیلی تو ایک عام سا عمل سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان تو اس معاملے میں، ایک زمانے میں اس قدر بدنام ہوا کہ بقول کسے یہاں کپتان گندی قمیضوں کی طرح بدلے جاتے ہیں "۱۶؎

ماہنامہ " کرکٹر" نہ صرف اپنے مضامین اور سلسلوں بلکہ طباعت اور پیش کش کے اعتبار سے بھی بہترین ہے۔ لیکن اس رسالے نے اپنے قارئین کو ایک بہترین اور دیدہ زیب رسالہ فراہم کرنے میں کبھی کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس حوالے سے ایک اداریے میں درج ہے:

"رنگین صفحات پر مضامین کی چھپائی سے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس سے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور ایک نیا نکھار آتا ہے۔ جو قارئین تصاویر جمع کرنے کا شوق رکھتے ہیں ان کے لیے ہم ہر ماہ کچھ تصاویر بغیر مضامین کے بھی شائع کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ پھر یہ کہ آپ کو اب ایک ہی صفحے پر کئی کھلاڑیوں کی تصاویر بھی تو مل جاتی ہے۔ اس پر ہمارے اخراجات بھی زیادہ آتے ہیں مگر پرچے کی انفرادیت اور خوبصورتی کے باعث اسے ہم برداشت کر رہے ہیں"۱۷۱

" کرکٹر" کے پلیٹ فارم سے کئی بہترین لکھنے والے ابھرے جن میں جلال الدین، مرغوب علی بیگ، انیلا سعید خان، خالد محمود، عالیہ رشید احمد، ذوالقرنین شاہد، عبدالعزیز بھٹی، انصار علی زیدی اور محمد یوسف وٹو کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ رسالہ اپنی طرز کا ایک مکمل اور بہترین رسالہ ہے جس نے شائقین کرکٹ تک ہر طرح کی معلومات بہم پہنچانے میں اپنا کردار بخوبی ادا کیا ہے۔ اس رسالے میں قارئین بھی کرکٹ کے مسائل و معاملات پر کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں۔

ریاض احمد منصوری

ریاض احمد منصوری جو ایک سیلف میڈ صحافی ہیں، یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء کو مدھیہ پردیش، ریاست بھوپال، بھارت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں انھوں نے اپنے والدین کے ہمراہ کراچی، ہجرت کی۔ انہوں نے پریمیئر کالج، کراچی سے بی کام کیا۔

اسکول کے زمانے سے ہی ریاض احمد منصوری نے ریڈیو سے اپنے صحافتی کیریئر کا آغاز کر دیا اور مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔ تاہم ان کا بچپن اور جوانی کا ایک عرصہ نہایت غربت و افلاس میں گذرا۔ انھوں نے حصول معاش کے لیے سڑکوں پر چنے بیچے اور فٹ پاتھوں پہ راتیں گذاریں لیکن ہمت نہ ہاری۔ مسلسل جد و جہد کے نتیجے میں وہ اس قابل ہوئے کہ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے اپنا ماہنامہ رسالہ "دی کرکٹر" (انگریزی) اور پھر "دی کرکٹر" (اردو) جاری کیا۔ کامیابی ملتے ہی انہوں نے دیگر رسائل بھی جاری کیے، جن میں "ٹی وی ٹائمز" (انگریزی)، "ٹی وی ٹائمز" (اردو) اور اور "وومنراون" شامل ہیں۔ انہوں نے ایک انگریزی اخبار "فنانشل پوسٹ" بھی جاری کیا اور ۴ سال تک اس کے چیف ایگزیکٹیو رہے۔ حال ہی میں ریاض احمد منصوری نے ماہنامہ رسائل " گڈ فوڈ"، "دستر خوان"، "بیوٹی" اور بچوں کے لیے ایک انگریزی رسالہ "اسمیش" (Smash) بھی جاری کیا ہے۔

ریاض احمد منصوری سال ۸۸۔۱۹۸۷ءاور ۲۰۰۶ء۔۲۰۰۵ء کے لیے اے پی این ایس کے جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔ جبکہ اے پی این ایس کی ایگزیکٹیو کمیٹی میں بھی بہ حیثیت رکن وہ اپنے فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔

ریاض احمد منصوری ایک نہایت فعال اور کامیاب صحافی ہیں، جن کے جاری کیے گئے رسائل و جرائد نے مجلاتی صحافت میں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔۱۸۱

علمی، تعلیمی، سائنسی رسائل

علم وسائنس انسانی معاشرے کی ترقی و تعمیر میں بنیادی کردارادا کرتے ہیں ہیں سوچ وفکر کے نئے درواکرتے ہیں۔اس مقصد کے لیے بالعموم رسائل وجرائد کواستعمال میں لایا گیا تا کہ قارئین کے اذہان کوان خطوط پر استوار کیا جائے کہ وہ علم کی طرف راغب ہوسکیں اور سائنس وٹیکنالوجی کے میدان سے واقفیت حاصل کرسکیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی تقسیم سے قبل بے شمار علمی و تعلیمی رسائل کا اجراء ہوا۔ خصوصاً سر سید احمد خان کے تہذیب الاخلاق نے اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنی وفکری تعلیم وتربیت میں اہم کردارادا کیا۔

آزادی کے بعد پاکستان میں بھی تقریباً ۵۰ کے لگ بھگ علمی و تعلیمی رسائل کا اجراء ہوا۔ جو بالترتیب کراچی، لاہوراوراسلام آباد سے شائع ہوتے ہیں۔ چند ایک رسائل دیگر شہروں سے بھی شائع ہوتے ہیں۔ دورانیے کے لحاظ سے زیادہ تر سہ ماہی رسائل ہیں جبکہ ششماہی، دوماہی، پندرہ روزہ ہفت روزے اور ماہنامے بھی نکلتے ہیں سائز، قیمت اور صفحات کی تعدادتقریباً ہر رسالے کی مختلف ہوتی ہے۔

زیادہ تر تعلیمی وسائنسی رسائل کا اجراء کسی نہ کسی علمی، تعلیمی وتحقیقی ادارے کی جانب سے کیا گیا ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ان مجلاّت کی اشاعتیں محدود ہوتی ہیں اور اشتہارات کی قلت کے باعث یہ کاغذ اور طباعت کے اخراجات برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے، یہی وجہ ہے کہ کسی ادارے کی سرپرستی کے بغیران رسالوں کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ ان رسالوں کا حلقۂ قارئین بھی نہایت محدود ہے اور زیادہ تر رسائل محض ریکارڈ کا حصہ بننے یالائبریریوں کی زینت بننے کے لیے وجود میں آتے ہیں جو علم کی ناقدری اور لمحۂ فکریہ ہے۔

پاکستان میں جاری ہونے والے اہم تعلیمی و سائنسی رسائل میں اقبال، اقبالیات، جدید سائنس، کتاب، عملی سائنس، تعلیمی زاویے، تہذیب وروایت، اردوسائنس میگزین، افکار معلم اور ٹیچر وغیرہ شامل ہیں۔

ذیل میں مجلّہ ''اقبال'' کا تعارف اور مشتملات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

مجلہ اقبال۔ لاہور

۱۹۵۰ء میں لاہور میں بزم اقبال کا قیام عمل میں آیا اور اسی بزم کے تحت ۱۹۵۲ء میں لاہور سے علمی سہ ماہی رسالہ "اقبال" جاری ہوا۔ جس کے حلقۂ ادارت میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، میاں محمد شریف، ڈاکٹر وحید قریشی اور بشیر احمد ڈار کے نام سامنے آتے ہیں۔

یہ ایک علمی و تحقیقی مجلّہ تھا۔ جس کا سائز "۹.۳X"۶.۱ جبکہ قیمت فی شمارہ ۱۵۰ روپے تھی یہ رسالہ اردو کے تقریباً ۶۸ جبکہ انگریزی کے ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا اور حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے کا ایک شمارہ اردو میں اور ایک انگریزی میں شائع ہوتا تھا۔

رسالے کے اجراء کے مقاصد کے حوالے سے "اقبال" کے صفحۂ اول پر یہ عبارت درج ہوتی تھی:

"اقبال (مجلّہ بزم اقبال) جس کا مقصد اقبال کے افکار اور علوم و فنون کے ان شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ جن سے انہیں دل چسپی تھی۔ مثلاً اسلامیات، فلسفہ، تاریخ، عمرانیات، مذہب ادب، فن وغیرہ"۔

"اقبال" ایک اعلیٰ معیار کا علمی و تحقیقی پرچہ تھا، جس میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین معلومات افزا اور فکر انگیز ہوتے تھے۔ یہ رسالہ بلند ذوق کے حامل مدیران اور لکھاریوں کے سائے میں پروان چڑھا، اقبال کا غالب موضوع اقبالیات پر مبنی تھا۔ اقبالیات کو ۱۹۵۲ء میں ایک ایسے موضوع کی حیثیت حاصل تھی جس پر زیادہ کام نہیں ہوا تھا اور اس کام کرنے کی گنجائش بہت زیادہ موجود تھی۔ رسالہ "اقبال" نے اس موضوع کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اقبالیات کے متعدد نئے گوشوں کو منور کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹؎

اقبال اور ملا ۲۰؎، اقبال شعراء فارسی کی صف میں ۲۱؎، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں ۲۲؎، اقبال کی شاعری میں عشق کا مفہوم ۲۳؎ اور اس جیسے نہ جانے کتنے ہی مضامین و مقالات سہ ماہی "اقبال" میں وقتاً فوقتاً شائع ہو کر قارئین اور صاحب علم افراد سے داد و تحسین پاتے رہے اور اقبال کی زندگی اور شاعری کے نت نئے اور اچھوتے پہلوؤں کو سامنے لاتے رہے۔

"اقبال" نے اقبالیات پر لکھنے والوں کی ایک جماعت پیدا کی اور اس جماعت نے اقبالیات کے نہ صرف نئے موضوعات تلاش کیے بلکہ اقبال کی زندگی کی گمشدہ کڑیاں اور ان کے خطوط کی بازیافت میں بھی گراں قدر کام کیا۔ ۲۴؎

"اقبال" میں نہ صرف ملکی لکھنے والوں کو بلکہ غیر ملکی مصنفین کو بھی لکھنے کا موقع دیا گیا اس طرح نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی علمی حلقوں میں بھی اقبال کے افکار عام ہوئے اور ان کی زندگی اور فن کے گونا گوں پہلو سامنے آئے۔ یہ رسالہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا جاتا تھا تاکہ ہر طرح کے قارئین اس سے استفادہ کر سکیں۔

"اقبال" کے مصنفین میں عباداللہ فاروقی، ڈاکٹر سید عبداللہ، محمد عثمان، سید عبدالواحد، عبدالغنی نیازی، محمد مظہر الدین صدیقی اور خلیفہ عبدالحکیم کے نام قابل ذکر ہیں۔ مجلّہ "اقبال" اپنی طرز کا ایک معیاری رسالہ تھا، جس کے تحقیقی

مقالات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اس رسالے کی باقاعدہ اشاعت کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں فارسی زبان کے مضامین بھی شامل کیے اور رسالے کو ایک نئی جہت دی۔

معاشی وتجارتی رسائل

معیشت وتجارت کسی بھی مملکت کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ دنیا کے دیگر ممالک میں تجارت، معیشت، بینکاری اور دیگر پیشہ ورانہ امور سے متعلق بے شمار رسائل وجرائد جاری ہوتے ہیں، لیکن برصغیر پاک وہند میں یہ تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

برصغیر میں معیشت کے حوالے سے پہلا ماہنامہ دہلی سے ۱۹۴۶ء میں جاری کیا گیا۔ "معاشیات" نامی یہ رسالہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو کے پلیٹ فارم سے نکالتے تھے جو قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں کراچی منتقل ہو کر یہاں سے نکلتا رہا۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک کل پانچ تجارتی رسائل کے اجراء کا سراغ ملتا ہے جن میں معاشیات، بینکاری، معیشت ٹیکنالوجی، التجارۃ، اور امید شامل ہیں۔ یہ رسالے ماہنامے تھے اور ان تمام کا اجراء کراچی سے ہوا ان رسالوں کے کل صفحات ۱۶ سے ۸۰ کے درمیان جبکہ قیمتیں ۱۲ پیسے سے ۲۰ روپے کے لگ بھگ تھیں سائز ہر رسالے کا منفرد اور ایک دوسرے سے الگ تھا۔

معیشت اور تجارت جیسے اہم موضوعات پر اتنے کم رسائل وجرائد کا اجراء یقیناً ایک المیہ ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ موضوع کے تخصیصی اور خشک ہونے کے باعث ان رسالوں کو خاطر خواہ تعداد میں اشتہارات نہیں ملتے۔ جس کے باعث یہ رسالے مالی طور پر غیر مستحکم رہتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کے پلیٹ فارم سے جاری ہونے والا "معاشیات" بھی معاشی طور پر مستحکم نہ ہونے کے باعث جلد ہی بند ہو گیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ رسالے اتنے اہم موضوع پر لکھنے والے ماہرین کو معقول معاوضہ نہیں دے پاتے جس کے باعث انہیں مضامین کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پیشہ ورانہ موضوعات کے جرائد کی سرپرستی کی جائے تاکہ یہ معاشی مسائل سے بلند ہو کر قارئین کو پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے ملکی معیشت کی صحیح صورت حال سے آگاہ کر سکیں اور قومی معیشت کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

ذیل میں ماہنامہ ''معاشیات'' کا تعارف اور مشتملات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

معاشیات۔ کراچی

۱۹۴۶ء میں دہلی سے انجمن ترقی اردو کی جانب سے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ماہنامہ "معاشیات" کا اجراء کیا۔ تقریباً ڈیڑھ برس تک یہ باقاعدگی سے نکلتا رہا لیکن تقسیم ہندوستان کے بعد اس کی اشاعت روکنی پڑی۔

مولوی عبدالحق اس حوالے سے کہتے ہیں:

"۱۹۴۷ء کے وسط میں ملک کی تقسیم کے بعد حالات کا نقشہ ہی بدل گیا۔ انجمن کو بھی اس سلسلے میں بہت کچھ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔۔۔سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوا کہ انجمن کی ساری علمی اور عملی جدوجہد ختم ہوگئی" ۴۲۵

قیام پاکستان کے بعد اگست ۱۹۴۹ء سے کراچی سے "معاشیات" کا دوبارہ اجراء ہوا۔ ایک مجلس ادارت ترتیب دی گئی۔ جس میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق، محمد احمد سبزواری، جناب سید منیر الہدی، ڈاکٹر انور اقبال قریشی، ڈاکٹر سردار محمد اختر، سید عبدالصمد، محمد حسن، حاتم علی علوی، الطاف گوہر، سید احمد اور غلام محمد بدرالدین کے نام شامل تھے۔ یہ سارے اصحاب یا تو حکومت کے مالیاتی اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے یا اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات میں معاشیات و تجارت اور بینکنگ کے شعبوں میں درس و تدریس سے منسلک تھے، "معاشیات" کے پلیٹ فارم" پر ان تمام قابل اور منجھے ہوئے اشخاص کو یکجا کرنے کا مقصد عوام کو معاشیات، اس کے اصولوں اور ملکی و بین الاقوامی معیشت کے رجحانات سے آگاہ کرنا تھا۔

"معاشیات" کا پہلا شمارہ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ فی پرچہ قیمت ۸ آنے تھی اور مضامین کے سلسلے میں اعلان کیا گیا تھا کہ:

"رسالے میں نظری معاشیات اور پاکستان، ہندوستان، اسلامی ممالک، غیر ممالک کے معاشی مسائل، زراعت پر صحیح معلومات کے مقالے اور مضامین شامل ہوں گے۔ اسلامی معاشیات اور علمائے اسلام کے معاشی افکار کی اشاعت کے علاوہ رسالے میں معاشی خبریں اور ضروری اعداد و شمار اور علم معاشیات کی اردو اصطلاحوں کی تشریح بھی شائع ہوا کرے گی" ۴۲۶

"معاشیات" کے پہلے ہی پرچے کو علمی و تجارتی حلقوں میں بے پناہ پسند کیا گیا۔ یہ نہ صرف اپنے مضامین بلکہ معیار اور پیش کش کے اعتبار سے بھی اعلیٰ معیار کا حامل تھا۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں لکھا گیا:

"یہ رسالہ ان لوگوں کے واسطے بے حد مفید ہے جو معاشیات اور مالیات کے دشوار مسائل سمجھنا چاہتے ہیں مگر انگریزی سے نامانوس ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں۔ انگریزی کی تعلیم بین الاقوامی روابط کے لیے ضروری ہے لیکن اس کو نقصان پہنچائے بغیر اردو کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ چنانچہ انجمن اس ذیل میں ٹھوس کام کر رہی ہے اور اس کا زیر تبصرہ رسالہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے" ۴۲۷

"معاشیات" میں شعبہ معاشیات کے تقریباً تمام اصولوں کو سمونے کی کوشش کی گئی اور تاریخ معاشیات، زراعت، صنعت، بینک کاری، مالیات، نقل و حمل، تجارت، اور منصوبہ بندی جیسے موضوعات پر اعلیٰ پائے کے علمی و عملی مقالے پیش کیے۔

اس رسالے کا ایک اہم کارنامہ اسلامی معاشی کانفرنس کے حوالے سے معاشیات "کانفرنس نمبر" کی اشاعت ہے۔ جس میں معاشی کانفرنس کی روداد، اسلامی اور ایشیائی ملکوں کی معیشت اور دیگر تجارتی امور پر روشنی ڈالی گئی، معیشت کو مضبوط بنانے کے لیے مشورہ دیتے ہوئے اداریئے میں لکھا گیا:

"اسلامی ملکوں کو اپنا ایک الگ بلاک بنالینا چاہئے اور اپنے تجارتی اور معاشی تعلقات آپس میں استوار کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس وقت زیادہ تر ان سب ملکوں کی تجارت برطانیہ اور امریکہ سے ہوتی ہے۔۔۔ یہ مناسب ہوگا کہ غیر ملکوں سے تجارت کرنے کے لیے ایک مضبوط تجارتی بلاک بنالیا جائے اور اس کے واسطے ایک مرکزی ایوان تجارت (Chamber of Commerce) قائم کرنا ضروری ہے، جس کا کسی ایک مقام پر صدر دفتر ہو اور تمام اسلامی ملکوں کے بڑے شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوں، جس کے پاس ہر قسم کی اطلاعات اور معلومات موجود ہوں اور وہ بیرونی دنیا سے مجموعی حیثیت سے کاروبار کرے، سیاست کی طرح تجارت میں بھی جس کے پاس زیادہ طاقت ہوتی ہے، وہی زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے" ۴۲۸؎

"معاشیات" میں پاکستان کی صنعتی پالیسی پر بھی کڑی نظر رکھی جاتی تھی اور اس کے اچھے اور برے پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا تھا۔ ایک مضمون بہ عنوان "پاکستان کی صنعتی پالیسی کا جائزہ" میں تحریر ہے:

"پاکستان اس زرعی نظام سے جو اسے تقسیم ملک کے وقت ورثہ میں ملا تھا، ایک نیم صنعتی معاشی نظام کی جانب بڑھ رہا ہے۔ یہ اس صنعتی پالیسی کے باعث ممکن ہوسکا جو ملک کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کے بنائی اور نافذ کی گئی ہے حکومت پاکستان نے ابتداء ہی سے ایک متوازن معاشی نظام قائم کرنے کی شدید ضرورت کو محسوس کرلیا تھا۔ اس نے زراعت کی ترقی پر اس کی اہمیت کے لحاظ سے توجہ دینے کے ساتھ یہ بھی جلد محسوس کرلیا کہ صنعتی ترقی کا قومی خوشحالی سے قریبی تعلق ہے، چناں چہ قیام پاکستان کے وقت سے ہی صنعتی ترقی کو سب سے زیادہ فوقیت دی گئی ہے" ۴۲۹؎

۱۹۵۰ء میں مولوی عبدالحق نے "معاشیات" میں سیاست کے موضوع پر بھی مواد و مضامین شامل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ قارئین سیاسی مسائل اور حالات سے بھی واقف ہوسکیں۔ تاہم ان مضامین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہی۔

"معاشیات" جنوری ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ ابتداء میں یہ ٹائپ میں چھپتا تھا لیکن بعد میں کم صفحات میں زیادہ مواد دینے کے خیال سے کتابت پر منتقل کردیا گیا۔ رسالے کے چند صفحات طالب علموں کے لیے بھی مخصوص کردیئے گئے تھے لیکن افسوس کہ اردو کا یہ معیاری علمی رسالہ چند برسوں تک بہار جانفزا دکھا کر مرجھا گیا۔" ۴۳۰؎

"معاشیات" ایک اعلیٰ پائے کا علمی رسالہ تھا جس نے معیشت کے حوالے سے گراں قدر مضامین پیش کیے۔ اپنے موضوع کی انفرادیت کے باوجود اسے ہمیشہ مالی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مضمون نگاروں کو معاوضہ دینے کی استطاعت نہ ہونے کے باعث مضامین اکھٹے کرنے میں بھی اس رسالے کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تاہم ان نامساعد حالات میں بھی اس رسالے نے کسی نہ کسی طور پر چند سالوں تک اپنی اشاعت برقرار رکھی اور قارئین کے ذہنوں میں اپنی ان مٹ یادیں چھوڑ گیا۔

شوبزنس کے رسائل

شوبزنس رسائل کا اجراء یا فلمی صحافت کا رجحان پوری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ خصوصاً یورپ میں تو اس کا تصور بہت عام سی بات ہے وہاں بے شمار شوبز رسائل نکلتے ہیں اور قارئین کے وسیع حلقے میں پڑھے جاتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کا پہلا شوبز رسالہ "فلم انڈیا" تھا، جو انگریزی زبان میں بمبئی سے جاری ہوا۔ اس کی دیکھا دیکھی اردو، بنگالی، مراٹھی، ہندوی اور دیگر مقامی زبانوں میں بھی شوبز رسائل کا اجراء ہوا اور انھوں نے مقبولیت حاصل کی۔ آزادی سے قبل لاہور سے جاری ہونے والے پہلے شوبز رسالے کا نام سینما" تھا، جس کی ادارت کے فرائض بودھراج اوبرائے سرانجام دیتے تھے۔ بعد میں "فلم ورلڈ"، اور اردو میں "شبستان"، "اداکار"، ہفت روزہ" پارس"، "چترا" اور " گورو گھنٹال" کا اجراء ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد سے لے کر اب تک پاکستان میں تقریباً ۲۰ کے قریب شوبز رسائل جاری ہوئے۔ یہ رسائل کراچی اور لاہور سے جاری ہوئے، جن میں زیادہ تر ماہنامے تھے جبکہ چند ایک ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور سہ ماہی رسائل بھی سامنے آئے۔ قیمت، سائز اور صفحات کی تعداد کے لحاظ سے ہر رسالہ دوسرے سے یکسر مختلف تھا۔

پاکستان کے اہم اور مشہور شوبز رسائل میں ماہنامہ رومان ہفت روزہ احساس لاہور، ماہنامہ الماس لاہور، شباب، ماہنامہ ٹی وی ٹائمز کراچی، پندرہ روزہ آہنگ کراچی، ماہنامہ عکاس لاہور، ماہنامہ فلم لائٹ، ماہنامہ پکچر لاہور، ماہنامہ جلوہ لاہور، ماہنامہ تلاطم کراچی اور ماہنامہ فلم آباد کراچی شامل ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ شوبز رسائل بڑی تعداد میں جاری ہوئے لیکن ان میں سے کوئی بھی خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔ پاکستان کی فلمی صنعت کے زوال کے باعث ان کے اداکاروں سے کے بارے میں پڑھنے اور جاننے کا کوئی بھی خواہاں نہیں رہا۔ خصوصاً سمجھدار اور پڑھا لکھا طبقہ ان رسالوں کے مزاج سے مطابقت پیدا نہیں کر پاتا، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے رسائل کچھ عرصے کے بعد زوال کا شکار ہو کر دم توڑ دیتے ہیں۔

ان رسالوں کی مقبولیت میں کمی کی ایک اہم وجہ سماجی رسائل بھی ہیں۔ تقریباً ہر سماجی رسالے میں شوبز کا ایک سلسلہ ضرور موجود ہوتا ہے۔ جب قارئین کو ایک ہی رسالے میں شوبز کے ساتھ ساتھ دیگر مواد بھی با آسانی مل جائے تو وہ شوبز کا رسالہ خریدنے سے گریز کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ان رسالوں کی پیشکش اور مواد کا معیار بھی بہتر نہ ہونے کے باعث یہ رسالے قارئین کے دلوں میں وہ جگہ نہ بنا سکے جو یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک میں اس قسم کے رسالوں کو حاصل ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ شوبز رسائل اپنے مواد اور پیشکش کے معیار پر نظر ثانی کریں اور قارئین کو سستی اور گھٹیا تفریح فراہم کرنے کے بجائے شوبز کی بابت سنجیدہ معلوماتی اور دل چسپ مواد بہم پہنچائیں، صرف اسی صورت میں ان رسائل کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

امور خانہ داری سے متعلقہ رسائل

مجلاتی صحافت میں سماجی رسائل کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے بعد ایک نئی صنف سامنے آئی جنہیں عرف عام میں ہم کھانے پکانے سے متعلقہ رسائل کے نام سے جانتے ہیں۔ ان رسائل کے مشتملات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ان کو ہم امور خانہ داری سے متعلق رسائل کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ رسائل اپنے معیار، پیش کش اور تزئین و آرائش کے اعتبار سے خاصے دیدہ زیب نظر آتے ہیں۔ ان رسالوں نے رفتہ رفتہ قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی اور اب یہ خواتین و حضرات میں یکساں مقبول ہیں۔

اس وقت پاکستان میں امور خانہ داری سے متعلق کئی رسائل شائع ہو رہے ہیں جن میں اہم ذائقہ، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ، شیف اسپیشل، دستر خوان، مزیدار کھانے، مسٹر کک، فوڈ اینڈ اسٹائل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ رسالے ماہنامے ہیں اور بیشتر کراچی سے شائع ہو رہے ہیں۔ قیمت، سائز اور ضخامت کے لحاظ سے ان رسائل میں کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا۔

امور خانہ داری سے متعلق میگزین کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں ملکی، بین الاقوامی کھانوں کی تراکیب اور تصاویر کے ذریعے دلکشی و جاذبیت پیدا کی جاتی ہے۔ نئے کھانوں کی تراکیب سے پاکستانی خواتین میں کھانا پکانے میں دل چسپی پیدا ہوئی ہے اور وہ صرف مشرقی کھانوں کی بجائے چائنیز، کانٹی نینٹل، عربیک اور دنیا جہاں کے کھانے پکانا سیکھ کر خاندان بھر میں اپنی سلیقہ مندی کے باعث مقبولیت حاصل کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان رسائل میں معلومات عامہ، صحت عامہ، بیماریوں سے بچاؤ، گھر اور باورچی خانے کے انتظامی امور سے متعلقہ معاملات کے حوالے سے بھی خواتین میں شعور پیدا ہو رہا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان رسائل نے خواتین کی گھریلو تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان رسائل نے اپنے ان قارئین کو بھی منا لیا ہے جو چھپے ہوئے مواد سے روٹھ گئے تھے۔ فی زمانہ کئی رنگا رنگ ٹی وی چینلز اس حوالے سے اپنے پروگرام پیش کر رہے ہیں مگر خوب صورت اور جاذب نظر دکھائی دینے والے یہ رسائل اس لیے سودمند ثابت ہو رہے ہیں کہ ان کو ایک مرتبہ خرید کر بار بار ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر ان رسائل میں صرف کھانا پکانے کی تراکیب ہی نہیں ہوتیں بلکہ تفریح طبع کا دیگر مواد بھی شامل ہوتا ہے۔ کسی سماجی رسالے کا اگر ان رسائل سے موازنہ کیا جائے تو ان میں واضح فرق سیاسی اور شوبز سے اور کھیلوں سے متعلقہ مواد کا ہے۔ مسائل سے بھرپور اس دور میں یہ رسائل تفریح طبع کا بہترین ذریعہ ثابت ہو رہے ہیں۔

ان رسالوں کی طباعت کا معیار بھی بہت بہتر ہوتا ہے۔ یہ چکنے آرٹ پیپر پر شائع ہوتے ہیں۔ موضوع کی انفرادیت اور مقبولیت کے باعث اشتہارات کے سلسلے میں بھی خودکفیل ہوتے ہیں۔ ان رسائل کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باعث یہ کہنا کچھ مشکل نہیں کہ ان رسائل کا مستقبل پاکستان میں بہت روشن ہے۔ ذیل میں چند اہم اور مقبول رسائل کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

دستر خوان۔ کراچی

۱۹۹۸ء میں کراچی سے "دستر خوان" کا اجراء ہوا۔ رسالے کے مینیجنگ ایڈیٹر ریاض احمد منصوری ہیں اور ایڈیٹر کنول بانو ہیں۔ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۸.۲x"۷.۱۰ ہے اور قیمت ۹۰ روپے ہے۔ رسالہ یقین آرٹ پریس پرائیویٹ لمیٹیڈ کراچی میں چھپتا ہے۔ رسالے کے سرورق پر رسالے کے نام کے اوپر "پاکستان کا پہلا کوکنگ میگزین" کا دعویٰ درج ہوتا ہے اور رسالے کے نام کے نیچے "آپ کی زندگی اور گھرانے کے لیے ایک راہنما جریدہ"۔ سرورق خوبصورت ہوتا ہے رسالے کا کاغذ اور رنگین چھپائی، تصاویر نہایت دیدہ زیب ہیں اس کے ایک اداریے بہ عنوان "روٹی، کپڑا، مکان اور Saving Face میں ریاض احمد منصوری لکھتے ہیں کہ:

"ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پس ماندہ علاقوں میں جہاں خواتین پر تیزاب پھینکنے کے واقعات عام ہیں وہاں بڑی اسکرینیں لگا کر Saving Face دکھائی جاتی لوگوں کو سمجھایا جاتا کہ ان عورتوں کو کیسی مشکلات کا بعد ازاں سامنا ہوتا ہے لیکن جذبات اور اشتعال کے فرق سے نابلد یہ قوم صرف کرکٹ کے میدان میں جاگتی ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایک بار پھر شکست کے غم سے دوچار کرنے کے بعد ہم بہت خوش ہیں ایشیا کپ کو جیتنا ایک شاندار کامیابی ہے لیکن کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں ہے کہ Saving Face دیکھ لی جائے"

اس رسالے کے مستقل سلسلوں میں اسلام، چھٹی آئی ہے، آپ کا صفحہ، ہیلتھ گائیڈ، آپ بھی پوچھیے، یاد رکھیں، اپنی الجھنیں سلجھائیں، ٹرینڈز، تراکیب، ہنرمند، سیر سپاٹے، آزمائش شرط ہے۔ باغبانی، اسٹار فائل، شاعری، بک شیلف، افسانے وغیرہ۔ پھر خاص الخاص، گھر آشیانہ، صحت مند، سنگھار، کڈز کارنر کے عنوان سے صفحات مخصوص ہیں اور ان پر اس حوالے سے مواد چھاپا جاتا ہے۔ چھپائی اور تصاویر اچھی ہیں۔ یہ امور خانہ داری سے متعلق ایک مکمل رسالہ ہے۔

ذائقہ۔ کراچی

۱۹۹۹ء میں کراچی سے ماہنامہ "ذائقہ" کا اجراء ہوا۔ جس کی چیف ایڈیٹر ثمینہ منیر تھیں۔ تقریباً ۶۶ صفحات اور "۱۱x"۷.۷ سائز کے حامل اس رسالے کی قیمت ۳۰ روپے ہے یہ ذکی سنز پرنٹرز سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے میں کھانوں کی تراکیب، صحت و فٹنس، آرائش حسن، مزاح اور دیگر طبی و سماجی مضامین و مواد شامل اشاعت ہوتا ہے، رسالے کی طباعت کا معیار بہتر ہے۔

ڈالڈا کا دستر خوان۔ کراچی

ڈالڈا کا دستر خوان پچھلے دس بارہ سالوں سے کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ رسالے کا پہلا دور ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۰ء تک رہا اور دوسرا دور ۲۰۱۱ء سے لے کر تا حال ہے۔ رسالہ شاہین ملک کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ رسالے کی قیمت ۱۰۵ روپے اور صفحات ۱۰۲ ہیں۔ رسالے میں خبردار کیا گیا ہے کہ ڈالڈا کا دستر خوان بنام رجسٹرڈ ٹریڈ ملک ڈالڈا فوڈز پرائیویٹ

لمیٹڈ محفوظ ہیں۔ کسی خلاف ورزی کی صورت میں ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔" ڈالڈا کا دستر خوان ڈالڈا فوڈز پرائیویٹ لمیٹڈ نے کو ئیک پروسس سے چھپوا کر شائع کیا۔ رسالے کا سائز "۸.۵x"۱۱ ہے۔

اس کے ایک اداریے میں لکھا ہے:

"دنیا بھر میں ڈبلیو۔ ایچ۔ او نے سات اپریل کو عالمی یوم صحت قرار دیا اس کی مناسبت سے ڈالڈا ایڈوائزری سروس نے اس مہینے آپ کے لیے یہ خاص شمارہ ترتیب دیا ہے۔ جس میں شامل خصوصی مضامین اور تراکیب اس خصوصی ہیلتھ ایڈیشن کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ ڈالڈا کے دستر خوان کے اس شمارے میں آپ کو صحت بخش رکھنے کے لیے نہ صرف بہت مفید مشورے شامل ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آج کے دور کی کچھ عام بیماریوں جیسے وزن میں زیادتی، ہائی بلڈ پریشر، شوگر، دل کے امراض وغیرہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحبان کی آراء اوران کا سد باب بھی پیش کیا جارہا ہے۔

ڈالڈا کا دستر خوان رنگین، بہترین، چھپائی سے مزین رسالہ ہے۔ اس کے علاوہ معلوماتی اور صحت بخش مضامین، کھانے پکانے کی تراکیب، چہرے کی خوب صورتی کے لیے مضامین، میک اپ کچھ گلاس پینٹنگ کے مضامین، وغیرہ شامل ہیں۔ یہ امور خانہ داری سے متعلق ایک مکمل رسالہ ہے۔

مسٹر کک

۲۰۰۵ء میں ایم کے خان کی سرپرستی میں ماہنامہ "مسٹر کک" کا اجراء ہوا۔ جس کی چیف ایڈیٹر شبانہ شاہد تھیں۔ تقریباً ۶۶ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۱۱ x"۸.۳ جبکہ قیمت ۳۰ روپے ہے۔ "مسٹر کک" میں کانٹینٹل، چائنیز اور پاکستانی کھانوں کی بہترین تراکیب کے علاوہ صحت وفٹنس، فیشن اور میک اپ وغیرہ کے حوالے سے بھی مواد شائع ہوتا ہے۔

مزیدار کھانے۔ کراچی

۲۰۰۷ء میں کراچی سے ماہنامہ "مزیدار کھانے" کا اجراء ہوا یہ رسالہ متحدہ عرب امارات سے بھی شائع ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۱۶ صفحات اور "۱۰.۱۰x"۸.۲ سائز کے حامل اس رسالے کی قیمت ۵۰ روپے ہے اور یہ ہمدرد پریس کراچی سے چھپ کر شائع ہوتا ہے۔ اس رسالے میں کھانا پکانے کے معروف ہنر مندوں کے کھانوں کی تراکیب فیشن، لباس اور دیگر دل چسپ ورنگارنگ مواد شامل ہوتا ہے۔

مصالحہ فوڈ میگ

۲۰۰۸ء میں مصالحہ ٹی وی فوڈ میگ کا اجراء ہوا۔ سلطانہ صدیقی رسالے کی چیف ایڈیٹر اور شہناز رضوی ایڈیٹر ہیں۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت ۹۹ روپے اور سائز "۸x۱۱" ہے۔ یونی پرنٹ نے رسالے کو ہم نیٹ ورک لمیٹڈ کے تحت شائع کیا ہے۔ اس رسالے کے اہم مشتملات میں مصالحہ کے ستارے، مقابلہ برائے بہترین کھانے کی ترکیب، شہر کی خبریں، جڑی بوٹیاں آخر ہیں کیا، سرکہ قدیم اور جدید طب کا پسندیدہ، زبیدہ طارق کے ٹوٹکے شامل ہیں۔ اس رسالے کی

خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنیادی فوکس صرف کھانوں کی تراکیب پر ہے انگریزی زبان میں بھی تراکیب کو چھاپا گیا ہے۔ طباعت خوبصورت ہے تصویروں نے رسالے کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

شیف اسپیشل۔لاہور

۲۰۰۸ء میں مسز آسیہ نیاز کی زیرِنگرانی لاہور سے ماہنامہ شیف اسپیشل کا آغاز ہوا۔جس کے چیف ایڈیٹر نبیل نیاز اور ایڈیٹر فواز نیاز ہیں۔تقریباً ۹۲ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۸.۵x۱۰.۷" جبکہ قیمت ۱۲۵ روپے ہے۔رسالے کی طباعت شرکت پرنٹنگ پریس لاہور میں ہوئی۔اس رسالے کے مشتملات میں مشہور و معروف شیف کے خصوصی کھانوں کی تراکیب شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔جون ۲۰۱۲ء کے شمارے میں تقریباً سات شیفس کی کھانوں کی تراکیب شائع کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اشتہارات اور مختلف برجوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا احوال بھی شامل اشاعت ہے۔طباعت و لے آوٹ کے اعتبار سے رسالہ خوب صورت ہے۔رسالے کے سرورق پر درج ہے:

"پاکستان کا واحد اے بی سی سرٹیفائیڈ کوکنگ میگزین ہے اور جہانگیر بکس والوں کا پروجیکٹ ہے"

ماہنامہ شیف اسپیشل کے ایک اداریہ بہ عنوان:" کچھ کہنا ہے آپ سے "میں درج ہے کہ "وقت،موسم اور تہواروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے "شیف اسپیشل" میں آپ کی دل چسپی کے تمام امور کا احاطہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے"۔

فوڈ اسٹائل۔کراچی

یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۹ء میں کراچی سے جاری ہوا۔اس رسالے کی ایڈیٹر نگہت احمد خان ہیں۔اس دوماہی رسالے کی قیمت ۵۰ روپے ہے رسالے کو پبلشر زعبدالخالق نے کراچی سے شائع کیا۔اس رسالے میں بھی عمومی طور پر امور خانہ داری سے متعلقہ امور کو مرکزیت حاصل ہے۔

طبی رسائل

جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے طب کا شعبہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔پہلے پہل صرف جڑی بوٹیوں وغیرہ سے علاج کیا جاتا تھا لیکن جیسے جیسے انسان پر ترقی کے دَروا ہوتے گئے ویسے ویسے طب کا شعبہ بھی ترقی کرتا گیا اور آج صورت حال یہ ہے کہ ایلوپیتھک،ہومیو پیتھک،آیو ویدک اور نہ جانے کون کون سے قدیم اور جدید طریقۂ علاج دنیا بھر میں رائج ہیں۔

طب کے شعبے،طریقۂ کار اور بیماریوں کے علاج واحتیاطی تدابیر سے آگاہی کے لیے بھی مجلاتی صحافت کا سہارا لیا گیا اور آج طب کے شعبے سے متعلق بے شمار رسائل و جرائد دنیا بھر میں جاری ہیں خصوصاً پاکستان میں بھی اس سلسلے میں کافی پیش رفت ہو چکی ہے اور ہر طرح کے طبی رسائل و جرائد اس وقت صحافتی میدان میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر عوام الناس،صحت عامہ،مختلف بیماریوں سے بچاؤ کے طریقۂ کار اور احتیاطی تدابیر اور مختلف اشیاء کے فوائد و استعمالات سے آگاہ رہتے ہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک تقریباً ۷۰ کے لگ بھگ طبی رسائل کا اجراء ہوا۔ یہ رسائل پاکستان کے مختلف شہروں سے جاری ہوئے تاہم زیادہ تر تعداد کا اجراء کراچی اور لاہور سے ہوا۔ بیش تر رسائل ماہنامے سے تھے، جبکہ اکا دکا پندرہ روزے ہفت روزے، سہ ماہی اور دو ماہی رسائل بھی سامنے آئے۔ قیمت ضخامت اور سائز کے حوالے سے ہر رسالے میں تنوع تھا۔۔

یہ ایک المیہ ہے کہ طب جیسے اہم شعبے سے تعلق رکھنے والے رسائل و جرائد میں سے کوئی بھی مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ سوائے ادارہ، ہمدرد یا چند ایک بڑے اداروں سے منسلک طبی رسائل کے۔ زیادہ تر طبی رسائل محض اس لیے جاری کئے گئے تاکہ نیم حکیم خطرۂ جان قسم کے ڈاکٹروں اور حکیموں کے دواخانوں اور ادویات کی تشہیر کی جا سکی یا اشتہارات حاصل کئے جا سکیں۔ اگرچہ چند ایک طبی رسائل جیسے معالج، اجالا، "جہاں طب"، "چشمہ شفا"، "نبض" اور "ندائے قاسمی" وغیرہ نے عوام الناس میں مختلف بیماریوں سے بچاؤ کا شعور، صحت عامہ اور دیگر طبی معلومات بہم پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا، تاہم بیش تر طبی مواد اور پیش کش کا معیار بہتر نہ ہونے کے باعث جلد ہی صحافت کے میدان سے غائب ہو گئے۔

زرعی رسائل

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور ملک کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار زراعت پر ہے۔ دنیا بھر میں زراعت، فارمنگ اور کاشت کاری سے متعلق معلوماتی رسائل و جرائد کا اجراء ہوتا ہے تاکہ کسان نت نئی ٹیکنالوجی اور تازہ ترین تحقیق سے آگاہ ہو سکیں اور اپنی پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لیے اقدامات کر سکیں۔ بدقسمتی سے، زرعی ملک ہونے اور زراعت پر انحصار کرنے کے باوجود پاکستان کی مجلّاتی صحافت میں اس قسم کے رسائل کے اجراء پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

اس وقت پورے ملک میں بہ مشکل ۵ کے قریب زرعی رسالے نکلتے ہیں۔ جن میں بیشتر ماہنامے ہیں اور ان کا اجراء لاہور اور کراچی سے ہوتا ہے۔ قیمت، سائز اور ضخامت میں یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

زرعی رسالوں کے اجراء یا مقبولیت میں کمی کی ایک وجہ شرح خواندگی کا کم ہونا ہے۔ ہمارے یہاں کے کسان بمشکل دو وقت کی روٹی حاصل کر پاتے ہیں، تعلیمی، تحقیقی اور زرعی رسالوں کے خریدنے اور پڑھنے کی عیاشی ان کے نصیب میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان رسالوں میں شائع ہونے والی معلومات اور زراعت پر جدید تحقیق کے ثمرات عام کسانوں تک نہیں پہنچ پاتے اور اس قسم کے رسائل محض لائبریریوں کی زینت بن جاتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کے کسانوں کو پڑھا لکھا کر اس قابل بنایا جائے کہ وہ ان رسائل سے فائدہ اٹھا سکیں اور ان میں شامل تحقیقی مضامین کی معلومات کو کاشت کاری کے شعبے میں استعمال کر کے خود کو اور ملک کو معاشی طور پر مستحکم کر سکیں۔

متفرق رسائل

زیرِ نظر تحقیق کے دوران جب قیام پاکستان کے بعد سے تا حال جاری ہونے والے رسائل و جرائد کا جائزہ لیا گیا تو بہت سے ایسے رسائل بھی نظر سے گزرے جن کو کسی مخصوص زمرے میں قید نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موضوعات اور مواد کے لحاظ سے یہ رسائل و جرائد یک سر تھے۔

ان رسائل کے موضوعات کو کھنگالا جائے تو اس میں جنسیات، علم نجوم سے متعلق رسائل مثلاً فلکیات اور فلکی اسرار، تعمیرات سے متعلق جرائد مثلاً تعمیرات، پرنٹنگ سے متعلق رسائل مثلاً پرنٹرز، جادوٹونے سے متعلق رسائل مثلاً طلسمات، قانون اور جرم وسزا سے متعلق رسائل مثلاً القانون اور جرائم انٹرنیشنل، اس کے علاوہ روحانیت اور دیگر موضوعات پر مبنی رسائل و جرائد شامل ہیں۔

پرنٹنگ سے متعلق رسالہ ماہنامہ "پرنٹرز" کراچی سے ۱۹۸۲ء میں جاری ہوا۔ رسالے کے مدیرِ اعلیٰ محمد سلیمان قریشی اور مدیر محمد عرفان قریشی ہیں۔ قیمت فی شمارہ ۶ روپے ہے۔ اس کی طباعت عرفان پریس لمیٹڈ کراچی میں ہوتی ہے۔ صفحات کی تعداد ۵۲ ہے اور سائز "۸. ۱۰x" ۸.۱ ہے۔ رسالے کے سرورق پر درج ہے کہ "پاکستان میں پرنٹنگ اور گرافک آرٹ پر شائع ہونے والا پہلا جریدہ"۔ اس کا زیرِ نظر شمارہ کیونکہ نوری نستعلیق کا خاص شمارہ ہے اس لیے تمام مضامین اسی موضوع پر لکھے گئے ہیں۔

فنِ تعمیر سے متعلق رسالہ ماہنامہ "تعمیرات" کراچی سے ۱۹۸۳ء میں جاری ہوا۔ اس کے چیف ایڈیٹر محمد علی پاشا اور ایڈیٹر شمیم شامی ہیں۔ یہ رسالہ یورپ پرنٹنگ پریس کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے صفحات ۸۲ اور سائز "۸.۳ x "۱۱.۱۰ ہے اس کے سرورق پر لکھا ہے "تعمیرات کے آرکیٹکچر، پراپرٹی انجینئر اور ہاؤسنگ سوسائیٹیز پر شائع ہونے والا پہلا اردو ماہنامہ" رسالے کی قیمت دو طرح سے تحریر کی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ دو طرح کے کاغذ پر چھپتا ہے۔ نیوز پرنٹ پر چھپنے والے رسالے کی قیمت ۱۰ روپے اور آفسٹ پرنٹ پر چھپنے والے رسالے کی قیمت پندرہ روپے ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اس میں مختلف پلانٹ، پلاٹ اور منصوبوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ آغا خان ہسپتال اور فیصل مسجد کے ڈیزائن کو موضوعِ بحث لایا گیا ہے طباعت کے لحاظ سے بھی خوبصورت رسالہ ہے۔

ماہنامہ "فلکی اسرار" کراچی سے ستمبر ۲۰۰۴ء میں سید سلیمان کاظمی کی زیرِ ادارت جاری ہوا۔ یہ رسالہ نایاب پرنٹنگ پریس کراچی سے شائع ہوا۔ ۶۶ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۹.۴ x "۷.۲ ہے اور قیمت ۵ روپے ہے۔ اس شمارے میں شامل مضامین میں علم اعداد، ماہ رجب کے فضائل، اسمائے حسنیٰ کے فوائد و اثرات، باب الخیر، نظامِ عالم، سورج چاند ستارے، صحت و تندرستی کے لیے سستا علاج، آرائش گیسو، باورچی خانہ اور روحانی مسائل شامل ہیں۔

ماہنامہ "فلکیات" کراچی سے ۱۹۶۹ء میں جاری ہوا۔ اس کے چیف ایڈیٹر لیاقت منجم، سب ایڈیٹر بیگم ناز لیاقت اور ڈاکٹر زرین ناز ہیں۔ اوکھائی پریس اردو بازار کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ ۶۶ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۹.۴ x۷.۱" ہے۔ دسمبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہونے والے شمارے میں مختلف برجوں کے بارے میں معلومات، شادی اور جذبات، نجوم اور تشخیص امراض، علم الحروف، اسمائے الٰہی برائے حصول تندرستی وغیرہ شامل ہیں۔

ماہنامہ "Stamp Connection" کراچی سے جولائی ۱۹۸۷ء میں جاری ہوا۔ یہ پاکستان کا پہلا رسالہ تھا جس نے مختلف قسم کے مشاغل کو اپنا موضوع بنایا۔ مثلاً ایک شمارے میں ٹکٹوں کے البم، ٹکٹوں کی کہانی وغیرہ پر مضامین شائع کیے گئے۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں ۱۱ صفحات اردو کے اور ۱۳ انگریزی کے ہیں۔ ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی میں طباعت ہوتی تھی۔ رسالے کا سائز "۷.۳ x " ۹.۸ تھا۔

"پائیدار ترقی" کے عنوان سے یہ رسالہ ۱۹۹۷ء میں جاری ہوا۔ یہ ایک ششماہی رسالہ ہے۔ جس کے مدیر احمد سلیم ہیں۔ پالیسی انسٹی ٹیوٹ برائے پائیدار ترقی کے تحت یہ جریدہ شائع ہوتا ہے۔ یہ ایک تحقیقی مجلّہ ہے جس کا مقصد ترقیاتی اداروں، نجی شعبوں اور سرکاری اداروں کو اپنی تحقیقی کاوشوں سے آگاہ کرنا ہے یہ رسالہ قارئین کو ماحول اور ترقی کے حوالے سے بھی باخبر رکھتا ہے۔

"ماہنامہ روحانیت" ۲۰۰۰ء میں کراچی سے جاری ہوا۔ مدیر اعلیٰ صوفی محمد ندیم محمدی تھے۔ قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے اور ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ احباب پرنٹرز لیاقت آباد کراچی میں طبع ہوتا تھا۔ اس کا سائز "۷.۴ "x۹.۵ تھا۔ روحانی اور مخفی علوم کا یہ شاہکار جریدہ تھا۔

اسی طرح "ماہنامہ پولٹری فارمر" ۲۰۰۳ء میں جاری ہوا۔ اس کی مدیر مسز ملکہ شہزاد تھیں۔ مطبع الحبیب پرنٹرز کراچی میں اس کی طباعت ہوتی تھی ۳۲ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا سائز "۸.۶ x۱۱ تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ متفرق رسائل کی تعداد تقریباً ۲۵ کے لگ بھگ ہے۔ یہ زیادہ تر ماہانہ دورانیے کے ہیں جبکہ تین ایک ہفت روزے ہیں، سہ ماہی اور ششماہی رسائل بھی منظر عام پر آئے۔ زیادہ تر رسائل کا اجراء کراچی سے ہوا جبکہ رسائل لاہور، حیدرآباد اور اسلام آباد سے نکلے۔ قیمت، سائز اور ضخامت کے اعتبار سے ہر رسالہ جداگانہ خصوصیات کا حامل ہے۔

متفرق موضوعات پہ نکلنے والے رسائل کا تخصیصی صحافت سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ رسائل اپنے مزاج اور موضوعات کے اعتبار سے کچھ تو سنجیدہ نوعیت کے ہیں اور کچھ نہایت سطحی انداز کے۔ مثلاً ماہنامہ تعمیرات ماہنامہ پولٹری فارمر اور ماہنامہ پرنٹرز اپنے نام کی نسبت سے متعلقہ شعبہ سے متعلق معلومات بہم پہنچاتے ہیں جبکہ ماہنامہ جنسیات اور روحانیت میں سطحی نوعیت کا مواد ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال؛"اردو ادب کے عصری رجحانات کے فروغ میں مجلّہ افکار کراچی کا کردار"، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۰۸ء، ص: ۳۶

۲۔ ایضاً

۳۔ شمشیر خان؛"پاکستان کے منتخبہ ادبی اردو رسائل کا تاریخی، تنقیدی و ادبی جائزہ"؛ انٹرنیشنل پریس، کراچی؛ سال اشاعت: ۱۹۷۰، ص: ۱۰۷

۴۔ ڈاکٹر انور سدید؛"پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ"ا، اکادمی ادبیات، پاکستان؛ سال اشاعت: ۱۹۹۲، ص: ۶۹

۵۔ "نیا دور"؛ شمارہ: ۱۲۔۱۱؛ ص: ۲

۶۔ روشن آراء راؤ؛"مجلّاتی صحافت کے ادارتی مسائل"؛ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد؛ سال اشاعت: ۱۹۸۹ء؛ ص: ۱۸۴

۷۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۷۰

۸۔ "اردو"؛ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء؛ شمارہ: ۴، جلد: ۶۵؛ ص: ۲۹

۹۔ ایضاً: ص ص: ۳۰۔۲۹

۱۰۔ ایضاً: ص: ۳۰

۱۱۔ ایضاً!: ص ص: ۳۱۔۳۰

۱۲ سدید، محولہ بالا: ص: ۷۰

۱۳۔ ایضاً: ص: ۷۱

۱۴۔ "اردو"؛ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء؛ محولہ بالا؛ ص: ۳۲

۱۵۔ "اردو"؛ ۲، ۱۹۷۲ء؛ شمارہ: ۲۔۱؛ جلد: ۴۸؛ ص: ۱۶۹

۱۶۔ عظمیٰ فرخ؛" کراچی کے ادبی رسائل۔ایک تجزیاتی مطالعہ"؛ پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۰۰ء؛ ص: ۴۲

۱۷۔ "اردو"؛ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء؛ محولہ بالا: ص ص: ۳۳۔۳۲

۱۸۔ طاہر مسعود، "بلند پایہ تخصیصی صحافت کے پیش رو۔ مولوی عبدالحق"؛ مشمولہ "جرنلسٹ"؛ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ ص: ۵۱

۱۹۔ ایضاً؛ ص: ۵۲

۲۰۔ ایضاً؛ ص: ۴۹

۲۱۔ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز؛"اردو افسانے کے فروغ میں ساقی کا کردار"؛ انجمن ترقی اردو پاکستان؛ ص ص: ۸۔۷

۲۲۔ "ساقی" (شاہد احمد دہلوی نمبر)؛ ۱۹۷۰ء؛ ص: ۶۲

۲۳۔ پرویز؛ محولہ بالا؛ ص: ۴۴

۲۴۔ سدید، محولہ بالا؛ ص: ۱۰۰

۲۵۔ پرویز؛ محولہ بالا؛ ص: ۴۵

۲۶۔ "ساقی" (شاہد احمد دہلوی نمبر)؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۱۲۳۔۱۲۲

۲۷۔ پرویز، محولہ بالا؛ ص: ۴۹

۲۸۔ ایضاً؛ ص: ۵۱

۲۹۔ خان؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۳

۳۰۔ پرویز، محولہ بالا؛ ص: ۵۱

۳۱۔ فرخ؛ محولہ بالا؛ ص: ۵۰

۳۲۔ پرویز؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۴۵

۳۳۔ ایضاً؛ ص: ۱۴۴

۳۴۔ ایضاً؛ ص: ۱۵۱

۳۵۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۰۳

۳۶۔ حکیم نعیم الدین زبیری، "توضیحی فہرست کتب خانہ ہمدرد، اشاعت ہائے خاص اردو رسائل"، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی؛ سال اشاعت: ۱۹۸۴؛ ص ص: ۱۵۔۱۴۷

۳۷۔ ساقی" (شاہد احمد دہلوی نمبر)؛ محولہ بالا؛ ص: ۶

۳۸۔ پرویز؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۹۷

۳۹۔ ایضاً؛ ص: ۹۱

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ پرویز؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۳

۴۲۔ ایضاً؛ ص: ۹

۴۳۔ ایضاً؛ ص: ۲۳

۴۴۔ ایضاً؛ ص: ۱۱۹

۴۵۔ ایضاً؛ ص: ۱۲۴

۴۶۔ خان؛محولہ بالا؛ص:۶۳

۴۷۔ ڈاکٹر شگفتہ حسین، "ماہنامہ ادب لطیف کی ادبی خدمات"؛ جویریہ پرنٹنگ پریس، ملتان، شعبۂ اردو، زکریا یونی ورسٹی، ملتان؛ سال اشاعت:۲۰۰۶ء؛ص:۱۹

۴۸۔ ایضاً؛ص ص:۲۱۔۲۰

۴۹۔ خان؛محولہ بالا؛ص:۶۵

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ ایضاً؛ص ص:۶۶۔۶۵

۵۲۔ زبیری؛محولہ بالا؛ص ص:۵۸۔۵۷

۵۳۔ خان؛محولہ بالا؛ص:۶۶

۵۴۔ ایضاً؛ص:۷۱

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ حسین؛محولہ بالا؛ص:۱۶۴

۵۷۔ "ادب لطیف"؛۱۹۶۱ء؛ جلد:۱۶؛شمارہ:۱؛ص:۱۴

۵۸۔ "ادب لطیف"؛اکتوبر۱۹۶۱ء؛ جلد:۴۸؛شمارہ:۳؛ص:۴۷

۵۹۔ حسین؛محولہ بالا؛ص:۱۷۱

۶۰۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۵۶

۶۱۔ ایضاً؛ص ص:۵۶۔۵۵

۶۲۔ ایضاً؛ص:۵۹

۶۳۔ ایضاً؛ص ص:۶۱۔۶۰

۶۴۔ ایضاً؛ص:۶۱

۶۵۔ زبیری؛محولہ بالا؛ص ص:۸۱۔۷۲

۶۶۔ "افکار" (جشن سیمیں ایڈیشن)؛اگست۔دسمبر۱۹۷۰؛جلد:۲۶؛ص:۳۰

۶۷۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۱۰۳

۶۸۔ "افکار" (جشن سیمیں ایڈیشن)؛محولہ بالا؛ص:۳۹

۶۹۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۱۰۵

۷۰۔ "افکار"؛مئی۱۹۹۲ء؛شمارہ:۲۶۶؛ص ص:۸۰۔۷۹

۷۱۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۱۰۶

۷۲۔ ایضاً؛ص:۱۳۸

۷۳۔ ایضاً؛ص:۵۱۷

۷۴۔ "ساقی"؛فروری۱۹۸۴ء؛شمارہ:۱۲۷؛سال:۳۹؛ص:۸۳

۷۵۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۵۳۸

۷۶۔ ایضاً؛ص:۱۳۷

۷۷۔ ایضاً؛ص:۸۱

۷۸۔ کمال؛محولہ بالا؛ص:۸۱

۷۹۔ ایضاً؛ص ص:۸۲۔۸۱

۸۰۔ ایضاً؛ص:۸۲

۸۱۔ ایضاً؛ص:۹۰

۸۲۔ ایضاً؛ص ص:۹۴۔۹۳

۸۲۔ خان؛محولہ بالا؛ص:۲۶

۸۳۔ سدید؛محولہ بالا؛ص ص:۱۱۸۔۱۱۷

۸۴۔ ایضاً؛ص:۱۱۸

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ ایضاً؛ص ص:۱۱۹۔۱۱۸

۸۷۔ ایضاً؛ص:۱۱۹

۸۸۔ "سویرا"؛ پہلی سہ ماہی؛۱۹۶۷ء؛ص:۴

۸۹۔ سدید؛محولہ بالا؛ص ص:۱۲۱۔۱۲۰

۹۰۔ خان؛محولہ بالا؛ص ص:۷۵۔۷۳

۹۱۔ فرخ؛محولہ بالا ص ص:۶۱۔۶۰

۹۲۔ ایضاً؛ص:۶۱

۹۳۔ سدید؛محولہ بالا؛ص ص:۱۴۷۔۱۴۶

۹۴۔ قومی زبان، جلد:۴۷،شمارہ:۱؛جنوری ۱۹۷۷ء،ص:۱۵۔

۹۵۔ ایضاً؛ص:۱۲

۹۶۔ "قومی زبان"؛ دسمبر ۱۹۷۷ء؛ جلد: ۴۷؛ شمارہ: ۱۲؛ ص: ۹

۹۷۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۱۴۸۔۱۴۷

۹۸۔ "جاوید"؛ خاص نمبر ا؛ ص: ۳

۹۹۔ ایضاً

۱۰۰۔ ایضاً؛ ص: ۴

۱۰۱۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۴۵

۱۰۲۔ "جاوید"؛ جلد: ۲؛ نمبر: ا؛ ص: ۶

۱۰۳۔ ایضاً؛ ص: ۵

۱۰۴۔ حسین؛ محولہ بالا؛ ص: ۴۵۔۴۶

۱۰۵۔ خان؛ محولہ بالا؛ ص ص: ۴۶۔۴۵

۱۰۶۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۳۸

۱۰۷۔ خان؛ محولہ بالا؛ ص: ۷۸

۱۰۸۔ "نقوش"؛ نومبر ۱۹۶۴ء؛ شمارہ: ۱۰۱؛ ص: ۲۱

۱۰۹۔ ایضاً

۱۱۰۔ ایضاً

۱۱۱۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۳۹

۱۱۲۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۴۰

۱۱۳۔ ایضاً

۱۱۴۔ ایضاً؛ ص: ۱۴۲

۱۱۵۔ "نقوش"؛ نومبر ۱۹۶۴ء؛ محولہ بالا؛ ص: ۲۱

۱۱۶۔ "نقوش" (میر تقی میر نمبر ۲)؛ نومبر ۱۹۸۰ء؛ شمارہ: ۱۲۶؛ ص: ۶

۱۱۷۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۴۳

۱۱۸۔ "نقوش"؛ اپریل، مئی، جون، ۱۹۶۶ء؛ شمارہ: ۱۰۵؛ ص: ۶

۱۱۹۔ "مہر نیمروز"؛ مارچ ۱۹۵۶ء؛ جلد: ا؛ شمارہ: ۲؛ ص ص: ۸۔۷

۱۲۰۔ ایضاً؛ ص: ۸

۱۲۱۔ "مہر نیمروز"؛ جولائی ۱۹۵۶ء؛ جلد: ا؛ شمارہ: ۶؛ ص: ۵۲

۱۲۲۔ "مہر نیمروز"؛ جون ۱۹۵۶ء؛ جلد:۱؛ شمارہ:۵؛ ص:۸

۱۲۳۔ فریال رشید، آصفیا خلیل، "اکابر صحافت"؛ صیغہ مطبوعاتی ابلاغ، شعبہ ابلاغ، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت:۲۰۰۱ء؛ ص ص:۱۶۱۔۱۴۸

۱۲۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۲۲

۱۲۵۔ فرخ؛ محولہ بالا؛ ص:۵۱

۱۲۶۔ ایضاً؛ ص ص:۵۲

۱۲۷۔ "نیا دور"؛ شمارہ نمبر:۲۵۔۲۶؛ ص:۱۳

۱۲۸۔ "نیا دور" (خاص نمبر)؛ اپریل/جولائی ۱۹۸۲ء؛ شمارہ:۷۵۔۷۶؛ ص ص:۱۱۔۴

۱۲۹۔ "نیا دور"؛ شمارہ:۲۹۔۳۰؛ ص:۱۴

۱۳۰۔ "نیا دور"؛ شمارہ:۱۱۔۱۲؛ ص:۲

۱۳۱۔ "صحیفہ"؛ جون ۱۹۵۱ء؛ جلد:۱؛ شمارہ:۱؛ ص ص:۸۔۷

۱۳۲۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۸۰

۱۳۳۔ ایضاً؛ ص:۱۸۱

۱۳۴۔ "صحیفہ"؛ جولائی ۱۹۷۱ء؛ شمارہ:۵۶؛ ص ص:۲۸۲۔۲۸۱

۱۳۵۔ ایضاً؛ ص:۲۸۰

۱۳۶۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۸۲

۱۳۷۔ http/ur.wikipedia.org

۱۳۸۔ سیدہ برجیس بانو؛ "فیض احمد فیض کی اردو صحافت"؛ پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت:۲۰۰۰ء؛ ص ص:۴۶۔۴۵

۱۳۹۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۷۶

۱۴۰۔ "لیل و نہار"، ۲۷ر مارچ ۱۹۶۰ء؛ ص:۵

۱۴۱۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۷۶

۱۴۲۔ ایضاً؛ ص:۱۷۷

۱۴۳۔ بانو؛ محولہ بالا؛ ص:۵۳

۱۴۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۱۷۸

۱۴۵۔ ایضاً

۱۴۶۔ ایضاً

۱۴۷۔ ایضاً:ص ص:۱۷۷۔۱۷۶

۱۴۸۔ ایضاً:ص ۱۷۸

۱۴۹۔ ڈاکٹر احسن اختر ناز؛"پاکستان میں ترقی پسند صحافت"؛ زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور؛ سال اشاعت:۲۰۰۲ء؛ص: ۱۷۴

۱۵۰۔ بانو؛محولہ بالا؛ص:۲۹

۱۵۱۔ ایضاً؛ص:۳۰

۱۵۲۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۱۹۷

۱۵۳۔ "سیارہ"؛مارچ ۱۹۸۳ء؛ جلد:۴۴؛شمارہ:۲؛ص:۲۸۵

۱۵۴۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۱۹۸

۱۵۵۔ "سیّارہ"؛مارچ ۱۹۸۳ء؛محولہ بالا؛ص:۹

۱۵۶۔ ایضاً؛ص ص:۱۰۔۹

۱۵۷۔ "سیارہ"؛ستمبر ۱۹۸۱ء؛ جلد:۴۱؛شمارہ:۳؛ص:۳۸۷

۱۵۸۔ ref:archieves.dawn.com/2002/09/36top15.htm.

۱۵۹۔ فرخ؛محولہ بالا؛ص:۸۴

۱۶۰۔ ایضاً

۱۶۱۔ ایضاً

۱۶۲۔ "سیپ" (خاص نمبر)؛شمارہ:۱۲؛ص:۱۸

۱۶۳۔ سدید:محولہ بالا؛ص ص:۲۱۴۔۲۱۳

۱۶۴۔ فرخ؛محولہ بالا؛ص:۸۵

۱۶۵۔ بی بی نازش؛"نسیم درانی بحیثیت مدیر اور رسالہ سیپ کے اداریوں کا تحقیقی جائزہ"؛شعبۂ اردو، جامعۂ کراچی؛سال اشاعت:۲۰۰۹ء؛ص ص:۲۳۔۲۱

۱۶۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص ۲۰۲

۱۶۷۔ ایضاً؛ص ص:۲۰۳۔۲۰۲

۱۶۸۔ ایضاً؛ص ص:۲۰۴۔۲۰۳

۱۶۹۔ ایضاً؛ص:۲۰۴

۱۷۰۔ ایضاً؛ص:۲۰۵

۱۷۱۔ ایضاً؛ ص ص:۲۰۶۔۲۰۵

۱۷۲۔ ایضاً؛ ص:۲۰۷

۱۷۳۔ "فنون"؛ نومبر، دسمبر۱۹۸۹ء؛ شمارہ:۲۹؛ ص:۳۲۲

۱۷۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۲۰۷

۱۷۵۔ "فنون"؛ نومبر، دسمبر۱۹۷۲ء؛ جلد:۱۵؛ ص:۱۹۸

۱۷۶۔ حسین؛ محولہ بالا؛ ص ص:۴۲۔۴۱

۱۷۷۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۲۱۵

۱۷۸۔ ایضاً؛ ص:۲۱۶

۱۷۹۔ ایضاً؛ ص:۲۱۷

۱۸۰۔ ایضاً؛ ص:۲۱۸

۱۸۱۔ ایضاً؛ ص:۲۱۹

۱۸۲۔ "اوراق" (خاص نمبر)؛ نومبر، دسمبر۱۹۸۳ء؛ جلد:۱۸؛ شمارہ:۱۱،۱۲

۱۸۳۔ http/ur.wikipedia.org.www.urdusukhan.com,
www.nat.gov.pk/uokhbareurdu/sept.2011

۱۸۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۲۲۷

۱۸۵۔ "تخلیق"؛ دسمبر۲۰۰۷ء؛ شمارہ:۱۲؛ ص:۱۰۴

۱۸۶۔ ایضاً

۱۸۷۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۲۲۷

۱۸۸۔ "تخلیق"؛ محولہ بالا؛ ص:۱۰۶

۱۸۹۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص:۲۲۸

۱۹۰۔ http/www.urdusukhan.com, http/azadduniya.com

۱۹۱۔ "پاکستانی ادب"؛ اپریل۱۹۷۵ء؛ جلد:۲؛ شمارہ:۴؛ ص:۳

۱۹۲۔ ایضاً

۱۹۳۔ "پاکستانی ادب"؛ اکتوبر۱۹۷۷ء؛ جلد:۴؛ شمارہ:۳؛ ص:۵

۱۹۴۔ ایضاً

۱۹۵۔ فرخ؛ محولہ بالا؛ ص:۱۳۴

۲۲۰۔ ایضاً؛ص:۲۲۲

۲۲۱۔ ایضاً

۲۲۲۔ شیخ؛محولہ بالا؛ص:۱۰۰

۲۲۳۔ ایضاً؛ص ص:۱۰۳۔۱۰۲

۲۲۴۔ ایضاً؛ص:۱۰۳

۲۲۵۔ بانو؛محولہ بالا؛ص ص:۵۳۔۵۲

۲۲۶۔ شیخ؛محولہ بالا؛ص:۱۰۴

۲۲۷۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی، "پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ"؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ سال اشاعت: ۱۹۹۷ء؛ص:۳۵۰

۲۲۸۔ ایضاً

۲۲۹۔ ایضاً

۲۳۰۔ "چٹان"،۱۸/اپریل۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛شمارہ:۱۶؛ص:۳

۲۳۱۔ "چٹان"،۳/مئی۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛شمارہ:۲۲؛ص:۳

۲۳۲۔ محمد ظریف؛"جدید ابلاغیات"؛مکتبۂ فریدی، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، کراچی؛ سال اشاعت:۱۹۹۶ء؛ص: ۸۷

۲۳۳۔ "چٹان"؛۱۲/ستمبر۱۹۶۶ء؛سرورق

۲۳۴۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۱

۲۳۵۔ "چٹان"،۹/مئی۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛شمارہ:۱۹؛ص:۳

۲۳۶۔ ایضاً

۲۳۷۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۱

۲۳۸۔ "نقوش"(نقوش شخصیات نمبر)؛اکتوبر۱۹۵۶ء؛ص:۱۲۳۲۔۱۲۳۰

۲۳۹۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۴

۲۴۰۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۳۹

۲۴۱۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۴

۲۴۲۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۳۹

۲۴۳۔ "زندگی"؛۱۲۔۶/مارچ۱۹۷۲ء؛ جلد:۱۰؛شمارہ:۲۸؛ص:۵

۱۹۶۔ sibte hasan,"The Battle of ideas in Pakistan"; Pakistan publishing house, Karachi, 1989.P.book cover.

۱۹۷۔ "اردوادب"؛جون۱۹۸۵ء؛جلد:۳؛شمارہ:۳۶۔۳۵؛ص:۵

۱۹۸۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۲۵۳

۱۹۹۔ "اردوادب"؛جنوری۔فروری۱۹۸۶ء؛جلد:۴؛شمارہ:۴۴۔۴۳؛ص:۴

۲۰۰۔ سدید؛محولہ بالا؛ص ص:۲۵۴۔۲۵۳

۲۰۱۔ "اردوادب"؛دسمبر۱۹۸۴ء؛جلد:۳؛شمارہ:۳۱۔۳۰؛ص:۴

۲۰۲۔ "اردوادب"؛مئی۔جون۱۸۸۶ء؛جلد:۶؛شمارہ:۴۸۔۴۷؛ص:۶

۲۰۳۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۲۵۴

۲۰۴۔ "قلم قبیلہ"؛مارچ۲۰۰۳ء؛جلد:۱۳؛ص:۲۲۳

۲۰۵۔ ایضاً؛ص:۲۲۴

۲۰۶۔ ایضاً؛ص:۲۲۳

۲۰۷۔ ایضاً؛ص:۲۳۰

۲۰۸۔ ایضاً؛ص:۱۲

۲۰۹۔ فرخ؛محولہ بالا؛ص:۶۹

۲۱۰۔ "اقدار"؛جلد:۱،شمارہ:۴۔۳؛ص:۸

۲۱۱۔ فرخ؛محولہ بالا؛ص:۷۲

۲۱۲۔ ایضاً؛ص:۷۱

۲۱۳۔ "اقدار"؛جلد:۷،شمارہ:۸۔۷؛ص:۹

۲۱۴۔ ایضاً

۲۱۵۔ "اقدار"؛جلد:۶؛شمارہ:۸۔۷؛ص ص:۱۳۶۔۱۳۵

۲۱۶۔ مہدی حسن؛"صحافت"؛حامد جمیل پرنٹرز؛عزیز پبلشرز،لاہور؛سال اشاعت:۲۰۰۱ء؛ص ص:۲۹۰۔۲۸۹

۲۱۷۔ ڈاکٹر مغیث الدین شیخ؛"سیاسی ہفت روزے مقبول کیوں نہیں ہیں"؛مشمولہ جریدہ ابلاغ عامہ؛جلد:۳،شعبۂ ابلاغ عامہ،جامعہ کراچی؛سال اشاعت:۲۰۰۵ء؛ص:۹۹

۲۱۸۔ ایس ایم شاہد؛"مطالعۂ صحافت"؛علی اعجاز پرنٹرز،لاہور؛سال اشاعت:۹۹۔۱۹۹۸؛ص:۲۲۱

۲۱۹۔ ایضاً؛ص ص:۲۲۲۔۲۲۱

۲۲۰۔ ایضاً؛ص:۲۲۲

۲۲۱۔ ایضاً

۲۲۲۔ شیخ؛محولہ بالا؛ص:۱۰۰

۲۲۳۔ ایضاً؛ص ص:۱۰۳۔۱۰۲

۲۲۴۔ ایضاً؛ص:۱۰۳

۲۲۵۔ بانو؛محولہ بالا؛ص ص:۵۳۔۵۲

۲۲۶۔ شیخ؛محولہ بالا؛ص:۱۰۴

۲۲۷۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی، "پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ"؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ سال اشاعت: ۱۹۹۷ء؛ص:۳۵۰

۲۲۸۔ ایضاً

۲۲۹۔ ایضاً

۲۳۰۔ "چٹان"، ۱۸/اپریل ۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛ شمارہ:۱۶؛ص:۳

۲۳۱۔ "چٹان"، ۲۳/مئی ۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛ شمارہ:۲۲؛ص:۳

۲۳۲۔ محمد ظریف؛ "جدید ابلاغیات"؛ مکتبۂ فریدی، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، کراچی؛ سال اشاعت:۱۹۹۶ء؛ص: ۸۷

۲۳۳۔ "چٹان"؛ ۱۲/ستمبر ۱۹۶۶ء؛ سرورق

۲۳۴۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۱

۲۳۵۔ "چٹان"، ۹/مئی ۱۹۶۶ء؛ جلد:۱۹؛ شمارہ:۱۹؛ص:۳

۲۳۶۔ ایضاً

۲۳۷۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۱

۲۳۸۔ "نقوش" (نقوش شخصیات نمبر)؛ اکتوبر ۱۹۵۶ء؛ص:۱۲۳۲۔۱۲۳۰

۲۳۹۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۴

۲۴۰۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۳۹

۲۴۱۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۴

۲۴۲۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۳۹

۲۴۳۔ "زندگی"؛ ۱۲۔۶/مارچ ۱۹۷۲ء؛ جلد:۱۰؛ شمارہ:۲۸؛ص:۵

۲۴۴۔ "زندگی"؛۱۶۔۱۰ر جنوری ۱۹۷۲ء؛ جلد:۱۰؛شمارہ:۲۰؛ص:۶

۲۴۵۔ ایضاً

۲۴۶۔ ایضاً

۲۴۷۔ "لیل ونہار"؛۲۴ر دسمبر ۱۹۷۲ء؛ جلد:۳؛شمارہ:۱۲۱؛ص:۳

۲۴۸۔ "لیل ونہار"؛۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء؛ جلد:۳؛شمارہ:۱۲۰؛ص:۳

۲۴۹۔ "لیل ونہار"؛۱۶ر مارچ ۱۹۷۳ء؛ جلد:۳؛شمارہ:۱۳۳؛ص:۳

۲۵۰۔ "لیل ونہار"؛۳۱ر دسمبر ۱۹۷۲ء؛ جلد:۳؛شمارہ:۱۲۲؛ص:۳

۲۵۱۔ "جاوید"، ۲۸ر اپریل۔۴ر مئی ۱۹۸۷؛ جلد:۱۸؛شمارہ:۲۸؛ص:۴

۲۵۲۔ ایضاً

۲۵۳۔ ناز؛محولہ بالا؛ص:۲۴۳

۲۵۴۔ "الفتح"؛۱۱۔۱۸ر جنوری ۱۹۷۳ء؛ جلد:۳،شمارہ:۳۵؛ص:۳

۲۵۵۔ "الفتح"؛۱۶۔۲۳ر نومبر ۱۹۷۲ء؛ جلد:۳؛شمارہ:۲۷؛ص:۳

۲۵۶۔ ایضاً

۲۵۷۔ "الفتح"؛۹۔۱۶ر مئی ۱۹۷۵ء؛ جلد:۵،شمارہ:۵۲؛ص ص:۴۔۳

۲۵۸۔ "الفتح"؛۲۸ر فروری۔۷ر مارچ ۱۹۷۵ء؛ جلد:۵؛شمارہ:۴۲؛ص:۳

۵۲۹۔ "طاہر"؛۱۰۔۱۶ر جولائی ۱۹۷۶ء؛ جلد:۵؛شمارہ:۵؛ص:۳

۲۶۰۔ "طاہر"؛۱۷۔۲۳ر مئی ۱۹۷۶ء؛ جلد:۵؛شمارہ:۴۲؛ص:۳

۲۶۱۔ ایضاً

۲۶۲۔ "طاہر "؛۶۔۱۲ر مارچ ۱۹۷۶ء؛ جلد:۵؛شمارہ:۳۲؛ص:۳

۲۶۳۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۵

۲۶۴۔ "افریشیا"؛۱۱۔۱۷ر مئی ۱۹۷۹ء؛ جلد:۴؛شمارہ:۴۴؛ص:۱۰

۲۶۵۔ ایضاً؛ص:۳

۲۶۶۔ ایضاً

۲۶۷۔ "افریشیا"؛۸۔۱۶ر جون ۱۹۷۹ء؛ جلد:۴؛شمارہ ۴۸؛ص:۴

۲۶۸۔ "حرمت"؛۲۰۔۲۶ر اپریل ۱۹۹۱ء؛ جلد:۱۰؛شمارہ:۱۶؛ص:۵

۲۶۹۔ "حرمت"؛۱۰۔۱۹ر اپریل ۱۹۹۱ء؛ جلد:۱۰؛شمارہ:۱۵؛ص:۶

۲۷۰۔ ظریف؛محولہ بالا؛ص:۹۱

۲۷۱۔ "تکبیر"؛۲۳/مارچ۱۹۸۴؛ص:۵

۲۷۲۔ "تکبیر"؛۱۲۔۱۸/اگست ۱۹۸۸ء؛جلد:۱۰؛شمارہ:۳۳؛ص:۵

۲۷۳۔ ایضاً؛ص:۸

۲۷۴۔ "تکبیر"؛۲۔۸/دسمبر۱۹۸۸ء؛جلد:۱۰؛شمارہ:۴۹؛ص:۷

۲۷۵۔ ظریف؛محولہ بالا؛ص:۹۲

۲۷۶۔ محمد افتخار کھوکھر، "تاریخ صحافت"؛مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد؛سال اشاعت:۱۹۹۵ء؛ص:۱۳۹

۲۷۷ رشید،خلیل،؛محولہ بالا؛ص:۵۷

۲۷۸۔ یضاً؛ص:۲۹

۲۷۹۔ ایضاً؛ص ص:۲۶۔۲۵

۲۸۰۔ ایضاً؛ص:۳۳

۲۸۱۔ "فرائیڈے اسپیشل"؛۱۶۔۲۲/دسمبر۲۰۱۱ء؛جلد:۱۶؛شمارہ:۵۰؛ص:۵

۲۸۲۔ "فرائیڈے اسپیشل"؛۲۱۔۲۷/اکتوبر۲۰۱۱ء؛جلد:۱۶؛شمارہ:۴۲؛ص:۵

۲۸۳۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۴۲

۲۸۴۔ "دوشیزہ ڈائجسٹ"؛مئی۱۹۸۳ء؛جلد:۱۱؛شمارہ:۵؛ص:۲۹

۲۸۵۔ پروفیسر محمد اسلم،پروفیسر محمد یعقوب،محمد اظہر،محمد احمد؛"صحافت"؛عبداللہ برادرز؛ص:۱۰

۲۸۶۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۵۱

۲۸۷۔ اسلم،یعقوب،اظہر،احمد؛محولہ بالا؛ص:۵۳۲

۲۸۸۔ "دوشیزہ ڈائجسٹ"؛محولہ بالا؛ص:۲۶

۲۸۹۔ اسلم،یعقوب،اظہر،احمد؛محولہ بالا؛ص:۵۴۰

۲۹۰۔ "عالمی ڈائجسٹ"؛نومبر۱۹۶۸ء؛شمارہ:۱۰؛ص ص:۱۰۔۹

۲۹۱۔ ایضاً

۲۹۲۔ "عالمی ڈائجسٹ"؛اپریل۱۹۶۶ء؛جلد:۱۱؛شمارہ:۴؛ص:۹

۲۹۳۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۵۸

۲۹۴۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۵۵

۲۹۵۔ عابد تہامی؛"جرنلسٹ"؛تہامی آرٹ پریس؛سال اشاعت:۱۹۹۵؛ص:۱۳۹

۲۹۶۔ "اردو ڈائجسٹ"؛اگست ۱۹۹۹ء؛شمارہ:۸؛جلد:۳۹؛ص:۲۱

۲۹۷۔ ایضاً؛ص:۲۳

۲۹۸۔ ایضاً:ص:۱۸

۲۹۹۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۲۵۰

۳۰۰۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۳۶۱

۳۰۱۔ تہامی؛محولہ بالا؛ص:۱۶۲

۳۰۲۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۵۹

۳۰۳۔ "حکایت ڈائجسٹ"؛نومبر ۱۹۷۱ء؛شمارہ:۳؛جلد:۳؛ص:۱۲

۳۰۴۔ "حکایت ڈائجسٹ"؛ستمبر ۱۹۷۱ء؛شمارہ:۱؛جلد:۳؛ص:۹

۳۰۵۔ ایضاً؛ص:۸

۳۰۶۔ ایضاً؛ص ص:۹۔۸

۳۰۷۔ کھوکھر؛محولہ بالا؛ص ص:۱۲۹۔۱۲۴

۳۰۸۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۵۶

۳۰۹۔ "سب رنگ ڈائجسٹ"؛دسمبر ۱۹۷۴ء؛شمارہ:۱۲؛جلد:۵؛ص:۱۱

۳۱۰۔ ایضاً

۳۱۲۔ "جاسوسی ڈائجسٹ"؛مارچ ۱۹۸۵ء؛جلد:۱۳؛شمارہ:۳؛ص:۸

۳۱۳۔ ایضاً

۳۱۴۔ "الف لیلیٰ ڈائجسٹ"؛جولائی ۱۹۸۰ء؛جلد:۹؛شمارہ:۷؛ص:۹

۳۱۵۔ ایضاً

۳۱۶۔ "دوشیزہ ڈائجسٹ"؛مئی ۱۹۸۳ء؛جلد:۱۱؛شمارہ:۵؛ص:۱۲

۳۱۷۔ ایضاً؛ص:۲۲

۳۱۸۔ ایضاً:ص:۲۳

۳۱۹۔ "دوشیزہ ڈائجسٹ"؛اکتوبر ۱۹۸۵ء؛جلد:۱۳؛شمارہ:۱۰؛ص:۱۰

۳۲۰۔ "دوشیزہ ڈائجسٹ"؛مئی ۱۹۸۳ء؛محولہ بالا؛ص:۲۰

۳۲۱۔ ڈاکٹر نسیم آراء؛"اردو صحافت کے ارتقاء میں خواتین کا حصہ"؛احمد برادرز؛سال اشاعت:۲۰۰۸ء؛ ص ص:۵۶۹۔۵۶۸

۳۲۲۔ "خواتین ڈائجسٹ"؛اپریل ۲۰۰۹ء؛جلد:۳۶؛شمارہ:۱۲؛ص:۱۴

۳۲۳۔ ایضاً

۳۲۴۔ "خواتین ڈائجسٹ"؛اپریل ۲۰۱۱ء؛جلد:۳۸؛شمارہ:۱۲؛ص:۱۴

۳۲۵۔ ایضاً؛ص:۲۷۸

۳۲۶۔ "خواتین ڈائجسٹ"؛اپریل ۲۰۰۹ء؛محولہ بالا؛ص:۲۶۶

۳۲۷۔ "پاکیزہ ڈائجسٹ"؛جون ۱۹۷۸ء؛جلد:۶؛شمارہ:۳؛ص:۱۱

۳۲۸۔ "پاکیزہ ڈائجسٹ"؛اگست ۱۹۷۸ء؛جلد:۶؛شمارہ:۵؛ص:۸

۳۲۹۔ "قومی ڈائجسٹ"؛جون ۱۹۷۸؛شمارہ:۱؛جلد:۱؛ص:۱۳

۳۳۰۔ ایضاً

۳۳۱۔ ایضاً؛ص:۱۴

۳۳۲۔ ایضاً

۳۳۳۔ "قومی ڈائجسٹ"؛جولائی ۱۹۷۸ء؛جلد:۱؛شمارہ:۲؛ص:۷

۳۳۴۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۶۰

۳۳۵۔ اے پی این ایس ڈائریکٹری؛۱۱۔۲۰۱۰ء؛ص:۱۸۲

۳۳۶۔ "آنچل ڈائجسٹ"؛نومبر ۱۹۸۳ء؛جلد:۶؛شمارہ:۸؛ص ص:۱۱۔۱۰

۳۳۷۔ "سائنس ڈائجسٹ"؛جون ۲۰۰۱ء؛جلد:۲۱؛شمارہ:۶؛ص:۱۳

۳۳۸۔ ایضاً

۳۳۹۔ "سائنس ڈائجسٹ"؛ستمبر ۲۰۰۱ء؛جلد:۲۱،شمارہ:۷؛ص:۱

۳۴۰۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ؛"مصحف"؛مشمولہ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ص:۱۳۰

۳۴۱۔ مرتضیٰ؛"مصحف"؛محولہ بالا؛ص:۱۲۸

۳۴۲۔ مرتضیٰ؛"مصحف"؛محولہ بالا؛ص:۱۲۹

۳۴۳۔ ایضاً

۳۴۴۔ ایضاً

۳۴۵۔ "تعلیم و تربیت"؛اگست ۱۹۷۰ء؛جلد:۳۰؛شمارہ:۵؛ص:۱

۳۴۶۔ "تعلیم و تربیت"؛ستمبر ۱۹۷۷ء؛جلد:۳۷،شمارہ:۶؛ص:۳

۳۴۷۔ "بھائی جان"؛اکتوبر،نومبر ۱۹۶۲ء؛جلد:۱۲؛شمارہ:۴،۵؛ص:۵

۳۴۸۔ "بھائی جان"؛ جولائی ۱۹۵۸ء؛ جلد:۸،شمارہ:۲؛ص:۵

۳۴۹۔ اریبہ شیخ، "مسعود احمد برکاتی (شخصیت اور خدمات)"؛ مشمولہ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت:۲۰۱۰ء؛ص:۱۹

۳۵۰۔ ایضاً؛ص:۲۰

۳۵۱ یضاً؛ص ص:۱۴۔۱۱

۳۵۲۔ "سائنس بچوں کے لیے"؛ دسمبر۱۹۷۲ء؛ سرورق

۳۵۳۔ "سائنس بچوں کے لیے"؛ مارچ ۱۹۷۲ء؛ جلد:۲؛ شمارہ:۳؛ص:۳

۳۵۴۔ "سائنس بچوں کے لیے"؛ اپریل،مئی۱۹۷۳ء؛ جلد:۲؛ شمارہ:۴

۳۵۵۔ "ٹوٹ بٹوٹ"؛ ۲۴/اگست ۲۰۰۱ء؛ جلد:۲۴؛ص:۱۱

۳۵۶ "آنکھ مچولی"؛ اکتوبر۱۹۹۲ء؛ جلد:۷؛شمارہ:۴؛ص:۹

۳۵۷۔ ایضاً

۳۵۸۔ ایضاً؛ص:۶

۳۵۹۔ "ساتھی"؛فروری ۱۹۹۰؛ جلد:۲؛شمارہ:۲؛ص:۳

۳۶۰۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۲۱۰

۳۶۱۔ ایضاً؛ص:۲۱۱

۳۶۲۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۲۱۳

۳۶۳۔ فوزیہ ناز؛"ماہنامہ عصمت کا تاریخی وتنقیدی جائزہ"؛مشمولہ جرنل آف ماس کمیونیکیشن،شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ جلد:۵؛ سال اشاعت:۲۰۱۰؛ص:۷۷

۳۶۴۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص ص:۲۱۴۔۲۱۳

۳۶۵۔ ایضاً؛ص ص:۲۱۵۔۲۱۲

۳۶۶۔ ناز؛"ماہنامہ عصمت کا تاریخی وتنقیدی جائزہ"؛محولہ بالا؛ص:۸۰

۳۶۷۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۲۱۵

۳۶۸۔ ایضاً؛ص:۲۲۳

۳۹۔ ایضاً

۳۷۰۔ ایضاً؛ص:۲۲۴

۳۷۱۔ ایضاً؛ص:۲۲۵

۳۷۲۔ ایضاً؛ص:۲۲۶

۳۷۳۔ ایضاً؛ص:۲۲۷

۳۷۴۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۰۸

۳۷۵۔ ناز؛"ماہنامہ عصمت کا تاریخی وتنقیدی جائزہ"؛محولہ بالا؛ص:۷۸

۳۷۶۔ نسیم آرا؛محولہ بالا؛ص ص:۲۰۶۔۲۰۵

۳۷۷۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۳۴۶

۳۷۸۔ ایضاً؛ص:۳۴۷

۳۷۹۔ ایضاً؛ص:۳۴۸

۳۸۰۔ "زیب النساء"؛اپریل ۱۹۵۸ء؛جلد:۲۵؛شمارہ:۴

۳۸۱۔ سدید؛محولہ بالا؛ص:۳۰۹

۳۸۲۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۳۴۸

۳۸۳۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص ص:۵۸۶۔۵۸۵،۵۸۴

۳۸۴۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۴۵۷

۳۸۵۔ "چلمن"؛اگست ۱۹۷۲ء؛جلد:۳؛شمارہ:۸؛ص:۷

۳۸۶۔ "چلمن"؛جولائی ۱۹۷۲ء؛جلد:۳؛شمارہ:۷؛ص:۳۲

۳۸۷۔ ایضاً؛ص:۲۹

۳۸۸۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۴۵۸

۳۸۹۔ نسیم آراء؛محولہ بالا؛ص:۵۹۵

۳۹۰۔ عبدالرشید شاہد؛"خطاطی کا شاہجہاں"؛فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، کراچی؛ سال اشاعت:۲۰۱۱ء؛ص:۱۶۱

۳۹۱۔ سید جعفر احمد، "جنوں میں جتنی بھی گزری۔۔۔ایک صحافی اور شاعر کے تجربات ومشاہدات (حسن عابدی)"، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت:۲۰۰۵ء؛ص ص:۱۱۶۔۱۱۵

۳۹۲۔ عبدالرشید شاہد؛محولہ بالا؛ص:۱۶۳

۳۹۳۔ "اخبار خواتین"؛۱۱۔۱۷ اگست ۱۹۸۴ء؛ص:۹

۳۹۴۔ ایضاً

۳۹۵۔ اقبال زبیری؛"محسن صحافت"؛ادارۂ مشرق لاہور؛ سال اشاعت:۱۹۷۸ء؛ص:۸۳

۳۹۶۔ احمد؛محولہ بالا؛ص:سرورق

۳۹۷۔ "اخبار جہاں"؛ ۲۸ر نومبر تا ۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء؛ جلد: ۴۵؛ شمارہ: ۴۸؛ ص: ۷

۳۹۸۔ "اخبار جہاں"؛ ۷۔۱۳ر مئی ۲۰۱۲ء؛ جلد: ۴۶؛ شمارہ: ۱۹؛ ص: ۷

۳۹۹۔ اے پی این ایس ڈائریکٹری؛ ۱۱۔۲۰۱۰؛ ص: ۱۸۰

۴۰۰۔ "فیملی"؛ ۲۷ر مئی۔۲ر جون ۲۰۱۲ء؛ جلد: ۲۲؛ شمارہ: ۳۶؛ ص: ۵

۴۰۱۔ www.urdudigest.pk/2012

۴۰۲۔ ڈاکٹر شفیق جالندھری؛ "صحافت اور ابلاغ"؛ اے ون پبلشرز، لاہور؛ سال اشاعت: ۲۰۰۸ء؛ ص: ۲۷۱

۴۰۳۔ "ترجمان القرآن"؛ مئی، جون ۱۹۴۰ء؛ جلد: ۱۶؛ عدد: ۳،۴؛ ص: ۱۸۲

۴۰۴۔ "ترجمان القرآن"؛ جولائی ۱۹۴۰ء؛ جلد: ۱۶؛ عدد: ۵؛ ص: ۳۴۰

۴۰۵۔ ایضاً؛ ص ص: ۳۴۱۔۳۴۰

۴۰۶۔ خالد امین، "سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اسلوبِ خطابت"، شعبۂ اردو، جامعۂ کراچی، سال اشاعت: ۲۰۰۶ء؛ ص ص: ۲۱۔۱۷

۴۰۷۔ "فکر و نظر"؛ جولائی، اگست ۱۹۶۳ء؛ جلد: ۱؛ شمارہ: ۱۰؛ ص: ۱

۴۰۸۔ ایضاً؛ ص: ۴

۴۰۹۔ ایضاً؛ ص: ۲

۴۱۰۔ ایضاً؛ ص: ۳

۴۱۱۔ "اخبار وطن"؛ دسمبر ۱۹۹۱ء؛ ص: ۲۷

۴۱۲۔ ایضاً

۴۱۳۔ "اخبار وطن؛ دسمبر ۱۹۸۶ء؛ شمارہ: ۸؛ جلد: ۱۱؛ ص: ۶۴

۴۱۴۔ " کرکٹر"؛ جنوری ۱۹۸۸ء؛ جلد: ۱۰؛ شمارہ: ۱؛ ص: ۹

۴۱۵۔ ایضاً؛ ص: ۱۵

۴۱۶۔ ایضاً؛ ص: ۱۶

۴۱۷۔ " کرکٹر"؛ مئی ۱۹۸۸ء؛ جلد: ۱۰، شمارہ: ۵؛ ص: ۵

۴۱۸۔ اے پی این ایس ڈائریکٹری؛ ۲۰۱۱ء۔۲۰۱۰ء؛ ص: ۷۶

۴۱۹۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ص: ۱۶۳

۴۲۰۔ "اقبال"؛ اکتوبر ۱۹۵۳ء؛ جلد: ۲؛ شمارہ: ۲

۴۲۱۔ "اقبال"؛ اپریل ۱۹۵۴ء؛ جلد: ۲، شمارہ: ۴

۴۲۲۔ "اقبال"، اکتوبر ۱۹۵۳ء؛ محولہ بالا

۴۲۳۔ "اقبال"؛ اکتوبر۱۹۵۲ء؛ جلد:۱؛ شمارہ:۲

۴۲۴۔ سدید؛ محولہ بالا؛ ایضاً؛ ص۱۶۳

۴۲۵ مسعود؛ محولہ بالا؛ ص:۷۰

۴۲۶۔ ایضاً

۴۲۷۔ ایضاً؛ ص:۷۱

۴۲۸۔ "معاشیات" (کانفرنس نمبر)؛ نومبر، دسمبر ۱۹۴۹ء؛ جلد:۳؛ نمبر:۴، ۵؛ ص ص:۹۔۸

۴۲۹۔ "معاشیات"؛ ستمبر۱۹۵۳ء؛ جلد:۷؛ نمبر:۹؛ ص:۴۲۴

۴۳۰۔ مسعود؛ محولہ بالا؛ ص:۷۲

پانچواں باب: پاکستان میں مجلاتی صحافت پر لگنے والی پابندیاں اور قوانین

صحافت بحیثیت ریاست کا چوتھا ستون:۔

مملکت عام طور پر تین عناصر کا مجموعہ سمجھی جاتی ہے یعنی آبادی، زمین اور اقتدار اعلیٰ، لیکن جدید دور میں جہاں نت نئی اصطلاحات وجود میں آئیں، وہیں مملکت کے "چوتھے ستون" کی اصطلاح بہت مقبول اور معروف ہوئی جو بلاشبہ اس چوتھے ستون یعنی "صحافت" کی اپنی مسلمہ اہمیت وحیثیت کی مرہون منت ہے۔[1]

کسی مہذب اور جمہوری معاشرے کی عمارت چار ستونوں پر استوار ہوتی ہے۔ مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور صحافت۔ اِن میں سے کوئی ایک ستون بھی کمزور ہو تو عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اِس لئے یہ ضروری ہے کہ یہ چاروں ادارے مضبوط اور آزاد ہوں۔ مقننہ اور انتظامیہ کو آئین کے فریم ورک کے اندر کام کرنا ہوتا ہے۔ آزاد عدلیہ کا سب سے اہم کام یہ نگرانی کرنا ہے کہ یہ دونوں آئین کی حدود میں رہیں۔ چوتھے ستون کا کام اِس سے بھی زیادہ اہم ہے یعنی جو کچھ ہو رہا ہے، اُس سے عوام کو باخبر رکھنا اور موجودہ اہم مسائل پر رائے عامہ کو منظم کرنا۔ قوم کی جانب سے صحافت پر ایک فرض عائد ہوتا ہے؛ نہ صرف رائے عامہ کی تنظیم، تربیت، نگہداشت اور اظہار کرنا بلکہ تمام متعلقہ لوگوں کے علم میں لانا کہ کون سی باتیں غلط ہو رہی ہیں، جو عوام کی آزادی، حقوق اور بہبود کو خطرے میں ڈال سکتی ہیں۔ اِس لئے صحافت کی آزادی ایک ہوش منداور صحت مند معاشرے کے لئے ناگزیر ہے۔ یہی نہیں، بلکہ اِس بات کی نگرانی کرنا بھی صحافت کا فرض ہے کہ کہیں ریاست کے باقی ستون کمزور تو نہیں ہو رہے ہیں۔[2]

ریاست کے اِس چوتھے ستون کی مختلف حیثیتوں میں مملکت پاکستان میں کیا کارفرمائیاں رہیں، مختلف حالات میں اس نے کیا کردار ادا کیا، حق بات کی ترسیل کیلئے اُسے کن کن خاروں سے الجھنا پڑا، وقت کے ساتھ اُس کی اہمیت میں کہاں تک اضافہ ہوا، اِس کے ذریعے رائے عامہ نے کس قسم کے رویے قائم کئے اور ان رویوں کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اِن نکات کو اٹھا کر چلیں تو اِس سلسلے میں مختلف وضاحتیں حاصل کرنے کیلئے ہمیں ۱۹۴۷ء سے اپنی تاریخ کا آغاز کرنا ہوگا۔[3]

آزادیٔ اظہار رائے اور آزادیٔ صحافت:۔

انسانی تہذیب، آزادیٔ تحریر اور آزادی فکر و خیال کے تصورات سے صدیوں پہلے سے آشنا ہے۔ ہم سب سمجھتے ہیں کہ آزادی صحافت کے تحفظ کا ماخذ انسان کے پیدائشی حق حریتِ خیال سے وابستہ رہا ہے۔ نظریاتی طور پر دنیا کے تمام مہذب ملک ہر فرد کے اِس بنیادی حق کو تسلیم کرتے ہیں۔[4]

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں عطا کی ہیں، اُن میں آزادی سب سے بڑی نعمت ہے، اِس کے بغیر دنیا کی تمام نعمتیں اور رنگینیاں بے معنیٰ و بے حقیقت ہیں۔ یہاں آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو تمام حدود و قیود سے آزاد سمجھ کر جو دل میں آئے، کر گزرے، بلکہ آزادی تو تحدید و توازن کا نام ہے۔

حجۃ الوداع میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ جو لوگ یہاں ہیں، اُن لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں، جو یہاں نہیں ہیں، تو اِس طرح اسلام میں صحافت کی بنیاد رکھ دی گئی اور اِس بات کو فرض کر لیا گیا کہ تمام باتیں پوری دیانت داری، احساس ذمہ داری اور آزادی کے ساتھ پہنچائی جائیں گی۔[5]

اقوامِ متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر اور دنیا کے تمام ممالک کے دساتیر میں اِس چیز کی ضمانت دی گئی ہے کہ معاشرے میں تمام انسانوں کو اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اپنے عقائد اور خیالات کا اظہار اور پرچار کرنے کی آزادی ہوگی۔ تمام جمہوری معاشروں میں افراد کو آئینی طور پر تنظیم سازی اور اظہارِ خیال کے علاوہ حکومتی پالیسیوں اور کاموں پر تنقید کرنے کی آزادی بھی مہیا کی جاتی ہے۔ آزادیٔ صحافت دراصل اِسی آئینی آزادی کے استعمال کا نام ہے۔ تاہم آزادیٔ صحافت کا مفہوم مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہے۔ عام طور پر ہم آزادیٔ صحافت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ملک کے تمام اخبارات، رسائل و جرائد، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اداروں کو مکمل آزادی دیں کہ وہ آئین اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے جس قسم کی اطلاعات اور آزادی مناسب سمجھیں، قارئین تک پہنچائیں۔[6]

پاکستان میں آزادیٔ صحافت:۔

دنیا بھر کے جمہوری معاشروں میں حکومتوں پر تنقید کرنا صحافت کا بنیادی حق ہے خواہ یہ تنقید غلط ہی کیوں نہ ہو۔ صحافت کی آزادی میں غلطیاں کرنے کی آزادی بھی شامل ہوتی ہے۔ پاکستان میں اخبار نویس آزادیٔ صحافت کو ایک اخلاقی حق تصور کرتے ہیں جو اخلاقی فرائض اور ذمہ داریاں بھی اپنے ساتھ لاتا ہے۔

صحافیوں کی تنظیم پی ایف یو جے نے اپنے قیام کے دن ہی سے اِس بات پر زور دیا ہے کہ "غلطیوں کو خود درست کرنا اور خود پر ڈسپلن قائم کرنا"، قانونی پابندیوں کی نسبت زیادہ اہم ہے اور اِسے صحافت پر چھوڑ دیا جانا چاہئے۔ اِس کے ساتھ ساتھ پی ایف یو جے نے اس پر بھی اصرار کیا ہے کہ "پریس کیلئے خصوصی قوانین غیر ضروری ہیں اور آزادیٔ صحافت کا غلط استعمال کرنے والوں کو سزا دینے کیلئے عام ملکی قوانین کو کافی سمجھا جانا چاہئے"۔ اِس نے مسلسل اِس موقف کی وکالت کی ہے کہ "صحافت پر عام شہریوں سے بڑھ کر پابندیاں عائد نہیں کی جانی چاہئیں اور عام شہریوں کی طرح اِس کے شہری حقوق کو بھی محدود یا معطل نہیں کیا جانا چاہئے"۔ اِس کا مزید کہنا ہے کہ "جب قتل، اسمگلنگ اور ایسی دوسری سرگرمیوں کے مجرموں پر ملک کے عام قوانین کے تحت مقدمہ چلایا جاتا ہے تو ریاست کے چوتھے ستون کے ساتھ خصوصی امتیاز کیوں برتا جاتا ہے؟"[7]

پاکستان کے دستور کی دفعہ ۱۹ کے تحت پریس کی آزادی کی حمایت موجود ہے، لیکن اِس آزادی کو چند شعبہ جات کیلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جس میں اسلام کی عظمت، پاکستان کے استحکام، سلامتی، دفاع، غیر ملکی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات، شائستگی، توہینِ عدالت، ہتکِ عزت اور فوج اور عدلیہ کے خلاف مواد شائع کرنا وغیرہ شامل ہے۔ ریاست کسی بھی ایسے شخص کے خلاف مقدمہ چلا سکتی ہے جو اپنے عمل، بیانات کی اشاعت یا کسی دوسری صورت میں اِن آئینی اصولوں کو توڑنے کا مرتکب ہوا ہو۔ پاکستان میں قانون اور دستور دونوں فوج اور اسلام کے خلاف اظہارِ رائے پر پابندی عائد کرتے ہیں۔۸

صحافت کے اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ صحافت کی آزادی پر عائد پابندیاں ہیں، جو ہر دور میں مختلف صورتوں میں عائد رہی ہیں۔۹

پاکستان میں مطبوعہ صحافت کو ہر دور میں اخبارات کی بندش، سیاہ صحافتی قوانین، پریس ایڈوائس، پیشگی سنسر شپ اور جزوی یا کلی طور پر کاغذ و اشتہارات کے کوٹے کی صورت میں قیود اور پابندیوں کا سامنا رہا ہے۔۱۰

پاکستان میں حکومت آزادیٔ صحافت کو محدود کرنے میں دو قسم کے دباؤ ڈالتی ہے۔

ایک مرئی دباؤ، دوسرا غیر مرئی دباؤ۔ اِس کے علاوہ یہ عناصر شامل ہیں:

۱۔ سرکاری اشتہارات کی بندش

۲۔ بلوں کی ادائیگی کو زیادہ عرصے کے لئے روک دینا۔

۳۔ حکومتی فوائد دینا اور واپس لینا۔

۴۔ نیوز پرنٹ روک لینا وغیرہ۔۱۱

اِس طرح پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد بھی ایک تو صحافت پر انگریزی سامراج کے دور کے قوانین نافذ رہے، جو ایک غیر ملکی حکمران نے عوام میں آزادی کے جذبے کو کچلنے اور صحافت کو پابند کرنے کیلئے نافذ کئے تھے، دوسرے آزاد پاکستان میں صحافت پر مزید ایسی پابندیاں بھی عائد کی جانے لگیں جو ایک غیر ملکی سامراجی دور میں بھی نہیں تھیں۔۱۲

اخبارات و جرائد کی مثبت پالیسیوں اور اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے میں ایک اور بڑی رکاوٹ حکومت کے اشتہاروں اور نیوز پرنٹ کی تقسیم کا طریق کار ہے۔ ہمارے ہاں کوئی روزنامہ یا جریدہ اپنے آپ کو مالی لحاظ سے اُس وقت تک زندہ نہیں رکھ سکتا، جب تک اُسے حکومتی اشتہارات کا سہارا حاصل نہ ہو، اِسی لئے اِن اشتہارات کے حصول کے لئے مسابقت ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔ اِن اشتہارات کی تقسیم، حکومت کی پروپیگنڈہ پالیسی اور پریس کے ساتھ رابطہ رکھنے کے ذمہ دار افراد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اِن دونوں شعبوں کے مل جانے سے اشتہارات حاصل کرنے کیلئے کس قیمت اور کن

شرائط پر تگ ودو کرنا پڑتی ہے اور ان کے ذریعے اخبارات پر کتنا دباؤ ڈالا جا سکتا ہے، اِن باتوں کا اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اصل حقائق دیکھے جائیں تو نہایت ہی مایوس کن اور افسوس ناک صورت سامنے آتی ہے۔[۱۳]

قیامِ پاکستان سے جاری یہ سلسلہ، اب تک جاری ہے اور درحقیقت پاکستانی پریس کبھی بھی کُھلی طور پر حکومتی یا دیگر دباؤ سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ پریس ایڈوائس، ترمیم شدہ پریس آرڈیننس، مارشل لاء ریگولیشن، سنسر شپ، حکومتی دباؤ اور کئی موقعوں پر حکمرانوں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ دھمکیاں اِس کا مقدر رہی ہیں۔ ایسے حالات میں عملاً ایسا ہوتا ہے کہ منتخب جمہوری حکومت کی طرف سے ایک پریس کانفرنس میں آزادیٔ صحافت کا نعرہ لگا کر پریس ایڈوائس کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور اُسی پریس کانفرنس کے فوراً بعد ایک ایڈوائس جاری کر دی جاتی ہے۔ صحافت پاکستان کے سِول اور جمہوری ادوار میں بھی زیرِ عتاب رہی۔ کئی صحافیوں کو کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں نہ صرف اپنے ڈیکلریشن سے ہاتھ دھونا پڑے بلکہ وہ پابند سلاسل بھی رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گھٹن اور جبر کے ماحول میں زبان وحکم، سچ بولنے اور لکھنے سے ہچکچانے لگتے ہیں۔ صلاحیتیں کند ہو جاتی ہیں اور صحافت عوام کی ترجمانی کے منصب سے گر کر حکمرانوں کی خوشامد میں مصروف ہو جاتی ہے اور بالآخر ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے۔[۱۴]

اِس طرح چاہے وہ سِول دورِ حکومت ہو، جمہوری یا مارشل لاء حکومت ہو، صحافت اور اُس کی آزادی پر ہمیشہ سے مختلف صورتوں میں قدغنیں لگائی جاتی رہی ہیں۔

آج پاکستان میں پریس کی آزادی کو حکومت سے زیادہ سیاسی، گروہی، مذہبی اور لسانی تنظیموں کے دھونس اور دباؤ کے خطرات لاحق ہیں۔ سیاسی جماعتیں، پریس کو حکومت کے محاسبے کے لئے مامور من اللہ سمجھتی ہیں، لیکن وہ پریس کو خود اپنے محاسبے کا حق دینے کیلئے تیار نہیں۔ جب کوئی اخبار یا جریدہ کسی سیاسی جماعت کے کردار وعمل کا ناقدانہ جائزہ لیتا ہے تو اسے "حکومت کا ایجنٹ" کہہ کر گویا گالی دی جاتی ہے اور معاملہ صرف یہیں تک محدود نہیں رہتا۔ ایسے اخبارات وجرائد سیاسی جلسوں میں نذرِ آتش کئے جاتے ہیں، "مناسب کوریج" نہ دیئے جانے پر ایسے اخبارات کا گھیراؤ کیا جاتا ہے، انہیں کھلے جلسوں میں دھمکیاں دی جاتی ہیں، اِن کے دفتروں پر حملہ کر کے توڑ پھوڑ کی جاتی ہے، پریس میں آگ لگا دی جاتی ہے اور بدقسمتی سے یہ "کارِخیر" وہ جماعتیں اور تنظیمیں انجام دیتی ہیں، جن کی زبانیں جمہوریت، اسلام اور حق پرستی کے دعوے کرتے نہیں تھکتیں۔[۱۵]

دوسری طرف پریس، سیاسی جماعتوں سے توقع رکھتا ہے کہ اُن کے لیڈروں کو صبر وتحمل، قوتِ برداشت، وسیع النظری، شائستگی وشرافت کی صفات سے متصف ہونا چاہئے،[۱۶] تاکہ باہمی اعتماد کی فضا میں آزاد اور صحت مند صحافت پروان چڑھ سکے۔

پاکستان کے صحافتی قوانین:۔

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک پاکستانی صحافت بے شمار قوانین کی زد میں رہی۔ اِن میں سے چند قوانین بتدریج ختم کر دیئے گئے، لیکن بہت سے اب تک رائج ہیں۔

پاکستانی صحافت پر جزوی یا کلی طور پر اثر انداز ہونے والے اِن قوانین کا سرسری جائزہ حسب ذیل ہے:

۱۔ پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ ۱۸۶۷ء:۔

قیام پاکستان کے وقت پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ مجریہ ۱۸۶۷ء موجود تھا۔ اِس ایکٹ میں اخبارات و جرائد کے طریق کار کی وضاحت کی گئی تھی اور دوسرے قوانین و قواعد موجود تھے۔ جن کی خلاف ورزی کی صورت میں ممکنہ سزاؤں کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ ۱۷

۲۔ سمندری کسٹمز ایکٹ ۱۸۸۵ء:۔

سمندری کسٹمز ایکٹ ۱۸۸۵ء بھی پاکستان میں نافذ رہا۔ اِس کے تحت کسٹم حکام کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایسے پارسل روک لیں جن میں ایسی مطبوعات موجود ہوں، جن کا پاکستان میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ ۱۸

۳۔ ٹیلی گراف ایکٹ ۱۸۸۵ء:۔

ٹیلی گراف ایکٹ ۱۸۸۵ء بھی پاکستان میں نافذ رہا ہے۔ اِس قانون کے تحت ہنگامی حالات میں تحفظِ عامہ کے مفاد میں تار کے ذریعے بھیجے ہوئے پیغامات رَد کیے جا سکتے ہیں۔ ۱۹

۴۔ پوسٹ آفس ایکٹ ۱۸۸۹ء:۔

پاکستان میں رائج پوسٹ آفس ایکٹ ۱۸۸۹ء کے تحت بعض قابلِ اعتراض اخبارات و جرائد کی ترسیل بذریعہ ڈاک ممنوع قرار دی جا سکتی ہے بلکہ ایسی ترسیل روکی بھی جا سکتی ہے۔ ۲۰

۵۔ سرکاری رازوں کا قانون (آفیشل سیکرٹس ایکٹ) ۱۹۲۳ء:۔

اِس قانون کی رُو سے کسی ایسی سرکاری دستاویز کی اشاعت ممنوع ہے، جس پر "خفیہ" یا "صیغۂ راز میں" کے الفاظ لکھے ہوئے ہوں۔ پریس کانفرنس یا انٹرویو وغیرہ میں "آف دی ریکارڈ" کے ضمن میں کہے گئے الفاظ کو بھی صحافی اخلاقی طور پر شائع نہ کرنے کے پابند ہیں۔ ۲۱

۶۔ پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ مجریہ ۱۹۳۱ء:۔

قیامِ پاکستان کے وقت پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ مجریہ ۱۸۶۷ء اور پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ مجریہ ۱۹۳۱ء کے نام سے صرف دو قوانین موجود تھے اور اِن قوانین کی مختلف دفعات کے تحت ہی اخبارات و رسائل کے خلاف کارروائی ہو سکتی تھی۔

پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ مجریہ۱۹۳۱ء میں پریس قوانین کی خلاف ورزی اور نئے ڈیکلریشن جاری کرنے کی صورت میں ضمانتوں کا طریق کار وضع کیا گیا تھا۔ اِس قانون میں ایسی دفعات شامل تھیں جن کے تحت ضمانتوں، چھاپہ خانوں اور اخبارات کی کاپیوں کی ضبطی عمل میں لائی جاسکتی تھی لیکن عدالتِ عالیہ کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ عدالتِ عالیہ کا ایک اسپیشل بینچ کسی حکومتی اقدام کے خلاف درخواست کی باقاعدہ سماعت کے بعد اِس قانون کے تحت ضبطی کے احکام کو کالعدم قرار دے سکتا تھا۔۲۲

۷۔ <u>قانون تعلقات خارجہ (فارن ریلیشنز ایکٹ) ۱۹۳۲ء:۔</u>

اِس قانون کے تحت یہ پابندی لگائی گئی کہ پاکستان کے پڑوس میں جن ممالک کی حکومتوں سے پاکستان کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں، اُن کے سربراہوں، فرزندوں، پارٹی عہدیداروں یا وزرائے اعظم کی ایسی ہتکِ عزت نہ کی جائے گی، جس سے دوستانہ مراسم میں رخنہ پڑنے کا احتمال ہو اور خلاف ورزی کی سزا وہی ہے جو دفعہ۱۲۴ (الف) تعزیراتِ پاکستان میں دی گئی ہے۔۲۳

۸۔ <u>پبلک سیفٹی آرڈیننس مجریہ۱۹۴۹ء:۔</u>

پاکستان بننے کے بعد پاکستان سیفٹی ایکٹ نافذ ہوا اور اِس کے بعد ۱۹۴۹ء میں پبلک سیفٹی آرڈیننس وجود میں آیا۔ اِس ایکٹ کے نمایاں پہلو یہ تھے:

۱۔ اگر کوئی تحریر امنِ عامہ کے خلاف ہو تو پرنٹرز اور پبلشرز کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔

۲۔ اخبار یا رسالے کی اشاعت پر غیر معینہ مدت کے لئے پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

۳۔ پبلشرز یا پرنٹرز کو تین سال قید اور جرمانے کی سزا سنائی جاسکتی ہے۔۲۴

۹۔ <u>سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ (ڈیفنس آف پاکستان رولز-D.P.R) ۱۹۵۲ء:۔</u>

سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ (ڈیفنس آف پاکستان رولز) کے نام سے ایک قانون ۱۹۵۲ء میں نافذ کیا گیا۔ یہ قانون متعدد دفعات کا مجموعہ ہے۔ اِس قانون کا بنیادی مقصد ایسے اقدامات کرنا ہے جس سے پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی جاسکے۔ یہ قوانین شہریوں کو پابند بناتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچ سکے۔ اِس قانون کا دائرۂ کار مسلح افواج، محکمۂ داخلہ، محکمۂ خارجہ تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اِس قانون کے تحت حکومت ہر ایسے شخص کو D.P.R کی خلاف ورزی پر گرفتار کرسکتی ہے جو پاکستان کے دفاع اور داخلی امن وامان کے خلاف سرگرمِ عمل ہو، یا وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے پاکستان کے ساتھ غیر ملکی تعلقات اور سلامتی کو نقصان پہنچے۔ D.P.R میں اخبارات ورسائل کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ ایسی تحریریں، ایسے مضامین یا ایسے مواد پر مشتمل خبریں نہ چھاپیں،

جن سے پاکستان کی داخلی سلامتی کو نقصان پہنچے یا صوبائیت اور فرقہ واریت کو ہوا ملے، چنانچہ اِس طرح D.P.R نے اخبارات وجرائد اور صحافیوں پر بالواسطہ پابندیاں لگائیں اور اِن قوانین کے تحت حکومت پاکستان کو اخبارات پر سنسر کا اختیار بھی حاصل ہو گیا۔

اِس ایکٹ کی دو دفعات اخبارات و رسائل پر پابندیاں عائد کرتی ہیں۔

۱۔ دفعہ ۱۱ کے تحت مرکزی حکومت کسی اخبار یا رسالے کے قانونی طور پر ذمہ دار حکام سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنی معلومات کے مآخذ کا انکشاف کریں، لیکن یہ اختیار صرف ایسی معلومات یا مواد تک محدود ہے، جس سے دفاع، غیر ملکی تعلقات یا پاکستان کی سلامتی کو خطرہ ہو۔

۲۔ دفعہ ۱۲ کے تحت اخبارات و رسائل پر سنسر شپ لگایا جا سکتا ہے۔ کسی مواد کی اشاعت ممنوع قرار دی جا سکتی ہے۔ کسی اخبار یا رسالے کو مقررہ میعاد کے لئے بند کیا جا سکتا ہے، لیکن اِس صورت میں کہ پاکستان کے دفاع، غیر ملکی تعلقات، سلامتی، وفاقی دارالحکومت میں امن عامہ کی صورتحال کو خراب کرنے کے لیے کچھ لکھا گیا ہو۔ ۲۵

۱۰۔ **امن عامہ کا آرڈیننس ۱۹۶۰ء:۔**

پاکستان میں ۱۹۶۰ء میں امنِ عامہ کا جو آرڈیننس لاگو ہوا، اِس کے تحت انتظامیہ کو اختیار حاصل ہے کہ جب کسی اخبار یا رسالے کو امنِ عامہ میں خلل ڈالتا پائے تو اُس کی اشاعت ایک مقررہ میعاد کے لئے معطل کر دے۔ ۲۶

دفعہ ۲۹۲ کے تحت حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فحش مواد شائع کرنے والے کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے شائع شدہ مواد ضبط کر لے، پریس کو بند کر دے اور ملزم کو جرم کے مطابق سزا دے سکے۔ ۲۷

۱۱۔ **ورکنگ جرنلسٹ آرڈیننس ۱۹۶۰ء:۔**

ورکنگ جرنلسٹ آرڈیننس ۱۹۶۰ء میں نافذ ہوا۔ اِس کے تحت کارکن صحافیوں کو پہلی مرتبہ تنخواہ، مشاہراہ اور دیگر مراعات کے ضمن میں بعض حقوق حاصل ہو گئے۔ ۲۸

۱۲۔ **پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء:۔**

ایوب خان کی مارشل لاء حکومت نے ۱۹۶۳ء میں پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس نافذ کیا، جس میں اِس اُصول کو واضح کیا گیا کہ "آمرانہ نوعیت کے ہر اقدام پر سزا کا تعین صرف عدالتی جائزے کے بعد ہو سکے گا۔ اِس میں عدالتِ عالیہ کو کچھ اختیارات دیئے گئے کہ وہ ضمانتوں کی ضبطی اور دوسری تعزیری کارروائیوں کے احکام کے خلاف اپیلوں کی سماعت کر سکے، لیکن ۲ رستمبر ۱۹۶۳ء کو صوبائی حکومت نے مغربی پاکستان میں نفاذ کے حوالے سے ایک آرڈیننس نافذ کیا، جس کی رُو سے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۰ء کے سلسلے میں صحافت اور حب الوطنی کے تسلیم شدہ اُصولوں میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے ترمیمات کر دی گئیں۔ ۲۹

پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء کو پاکستان کی صحافتی تاریخ میں "کالے قانون" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ قانون بہت سخت تھا، اِس کے تحت حکومت کی باقاعدہ اجازت کے بغیر چھاپہ خانے کا قیام اور اخبارات و جرائد کی اشاعت دونوں خلافِ قانون قرار دیئے گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو یہ حق دیا گیا کہ وہ چھاپہ خانے کے قیام کی اجازت دے یا نہ دے۔ اِن پریس قوانین کے خلاف ملک بھر میں شدید ردِّعمل ہوا۔[۳۰]

پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء کے نمایاں پہلو اور نکات درج ذیل ہیں:

☆ اِس آرڈیننس کی رُو سے حکومت کو ایسے پرنٹنگ پریسوں سے زرِ ضمانت طلب کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا جو آرڈیننس میں قائم کردہ تعریف کے مطابق قابلِ اعتراض مواد چھاپنے کے مرتکب ہوں۔

☆ قانون کے ضابطوں کی رُو سے کسی پبلشر کے لئے ڈیکلریشن حاصل کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا لازمی تھا کہ اُس کے پاس اخبارات و جرائد کی باقاعدہ اور مسلسل اشاعت کے لئے مناسب مالی ذرائع موجود ہیں۔

☆ پبلشر کے لئے لازم تھا کہ تین ماہ سے زیادہ مدّت کے لیے ملک سے باہر جانے کی صورت میں کسی ایسے شخص کو نامزد کرے جو اِس کی غیر موجودگی میں ذمہ داریاں سنبھال سکے۔ نامزد کردہ شخص کی جانب سے تحریری اقرار نامہ بھی ضروری تھا۔

☆ غیر ملکی باشندوں کے لئے مرکزی حکومت کی پیشگی اجازت کے بغیر پاکستان کے کسی اخبار/رسالے کی ملکیت کے حقوق رکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ کسی بھی صورت میں اُن کی ملکیت اخبار /رسالے کے کُل اثاثوں کی ملکیت کے ۲۵ فی صد سے زیادہ نہیں ہوسکتی تھی۔

☆ ضمانت طلب کیئے جانے کے بعد ضبط بھی کی جاسکتی ہے اور طباعتی ادارے کو کسی کتاب، اخبار یا رسالے کی اشاعت سے روکا جاسکتا ہے۔ اگر اس کے مواد سے مندرجہ ذیل خطرات ہوں:

جنسی بے راہ روی پر منحصر مواد، امن وامان میں خلل ڈالنے والی تحریر، پرتشدد اور جرم کے ارتکاب کی ترغیب یا حوصلہ افزائی، پاکستان کے قیام کی براہ راست یا بالواسطہ مذمت، کسی گروہ یا طبقے کی بابت نفرت کے جذبات اور پاکستان کے دونوں بازوؤں (مشرقی ومغربی پاکستان) کے عوام کے درمیان دشمنی پیدا کرنے کی کوشش۔

☆ ناشائستہ، فحش، ہتک آمیز یا بلیک میل کرنے والی تحریریں، ایسا مواد جو عوام میں مایوسی اور ناامیدی پیدا کرے، ایسی تحریریں جو مسلح افواج میں شمولیت کی مخالفت کریں یا اُن کے نظم وضبط اور بندوبست میں خلل پیدا کریں، آرڈیننس کی اِس دفعہ کے تحت اقدام کی مستحق تھیں۔

☆ اِس آرڈیننس کی رُو سے حکومت ناجائز طور پر چھاپے ہوئے صفحات کو ضبط کر کے تلف کر سکتی ہے، ان کے بنڈلوں کو تحویل میں لے سکتی ہے اور ڈاک کے ذریعے اِن کی نقل وحمل کی ممانعت کر سکتی ہے۔

☆ آرڈیننس کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے والے کو دو ہزار روپے تک جرمانہ یا محض ۶ ماہ تک قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔

☆ اِن ترامیم کا سب سے کریہہ پہلو یہ تھا کہ پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی کارروائی اور سپریم کورٹ کے سوا باقی عدالتوں کی کارروائی کے صرف وہی حصے شائع کر سکتے تھے، جن کی سرکاری طور پر اجازت دی گئی ہو۔ زرِضمانت کی بالائی حد دس ہزار سے بڑھا کر تیس ہزار روپے کر دی گئی۔ مرکزی یا صوبائی حکومت کے جاری کردہ پریس نوٹ یا ہینڈ آؤٹ کو لفظ بہ لفظ شائع کرنا لازمی قرار پایا۔

☆ سیشن جج سے پیشگی اجازت لینے کی شرط ہٹا دی گئی۔

☆ کارروائی کا اختیار اِس صورت میں بھی ہو گیا، جہاں عنوان یا سرخی، اِس کے تحت شائع کردہ مواد سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ ضمانت طلب کرنے کے علاوہ حکومت کو وارنٹ جاری کرنے اور ڈیکلریشن کو معطل یا منسوخ کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا اور اِن سب اُمور کے علاوہ ہائی کورٹ کو حکومت کے احکام کے خلاف اپیل کی سماعت کے اختیار سے محروم کر دیا گیا، اِس کے بجائے متاثرہ شخص صرف حکومت ہی سے اپیل کر سکتا تھا، یہ اپیلیں ایک خصوصی ٹریبونل کے سپرد کی جاتی تھیں۔[۳۱]

اِس سیاہ ترین قانون کے نفاذ کا مقصد "پریس کو صحافت اور حبِ وطن کے تسلیم شدہ اُصولوں کا پابند بنانا، ذمہ داری کے احساس کو فروغ دینا، تاکہ پریس پر غیر معقول پابندیاں عائد کرنا اور پریس کا ترقی اور صحت مندانہ صحافت کے قیام میں مدد دینا" تھا۔[۳۲]

اِس آرڈیننس کے ذریعے ۱۹۶۰ء کے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس میں درج ذیل ترامیم کی گئیں تھیں:

۱۔ پہلی ترمیم ایک نئی دفعہ ۲۱ (اے) کی شمولیت تھی، جس کی رُو سے پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر پر یہ ذمے داری عائد ہوتی تھی کہ وہ کارروائی کا صرف وہی حصہ شائع کرے، جس کی اشاعت کی حکومت کی طرف سے منظوری دی گئی ہو۔ مجاز اہلکار تحریری حکم سے کسی پرنٹر، پبلشر یا ایڈیٹر کو یہ اجازت نامہ جاری کرسکتا تھا کہ وہ کارروائی یا اِس کے اقتباسات، مذکورہ افراد کے نام اور کوائف شائع کرسکتا ہے یا نہیں۔

۲۔ دوسری بڑی ترمیم کا تعلق کسی پرنٹنگ پریس یا اخبار کے رسالے کے معاملات کی چھان بین کے لیے کمیشن مقرر کرنے کے حکومتی اختیار سے تھا۔ ۱۹۶۰ء کے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس میں دو نئی دفعات ۳۱ (اے) اور ۳۲ (اے) کا اضافہ کیا گیا، جن کے تحت حکومت کو اختیار مل گیا کہ کسی اخبار / رسالے کے معاملات کی چھان بین کرے۔ ۳۳

۱۳۔ رجسٹریشن آف پرنٹنگ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۸۸ء:۔

۲۶ سال سے زائد عرصہ "کالا قانون" کہلانے والے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کو منسوخ کر کے اس کی جگہ ۵ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو اُس وقت کے صدرِ مملکت جناب غلام اسحاق خان نے رجسٹریشن آف پبلی کیشنز اینڈ پریس آرڈیننس کے نام سے نیا قانون نافذ کردیا۔ اِس نئے قانون میں پی پی او کی ۱۷ دفعات کو یکسر ختم کردیا گیا، ۹ دفعات میں ترمیم کی گئی جبکہ ۱۲ دفعات میں معمولی تبدیلی عمل میں لائی گئی۔ اِس قانون میں صوابدیدی اختیارات ختم کردیے گئے، کوئی تعزیری دفعہ نہ رکھی گئی اور قصوروار کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ہائی کورٹ میں اپیل کرسکے، جبکہ یہ بھی رکھا گیا کہ اگر کسی اخبار کے خلاف کوئی کارروائی منظور ہو تو قانونی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

اِس نئے قانون کے دیگر نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

۱۔ کتابوں، اخباروں اور رسالوں کی پرنٹنگ کے لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ڈیکلریشن لینا ہوگا۔

۲۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اگر یقین ہو کہ ڈیکلریشن لینے والا شخص سزا یافتہ ہے یا گذشتہ پانچ سال کے دوران کسی وقت اخلاقی جرم میں ملوث رہا ہے، تو وہ ڈیکلریشن منسوخ کرسکتا ہے۔

۳۔ جو شخص سمجھے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے غلط کیا ہے تو وہ عدالت میں اپیل کرسکتا ہے۔

۴۔ اگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چار ماہ تک ڈیکلریشن کی درخواست دینے والے شخص کو ڈیکلریشن جاری نہیں کرتا تو یہ تصور کر لیا جائے گا کہ درخواست دینے والے کو ڈیکلریشن مل گیا ہے۔

۵۔ ہر اخبار/رسالے کے پرنٹر اور پبلشر کے لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے ڈیکلریشن فارم جمع کرانا لازمی ہے۔

۶۔ اکیس سال سے کم عمر کوئی بھی شخص ایڈیٹر، پرنٹر یا پبلشر نہیں بن سکتا۔

۷۔ اگر کوئی نیوز پیپر/رسالہ ڈیکلریشن کے تین مہینے بعد تک نہیں چھپتا تو اُس کا ڈیکلریشن ختم کر دیا جائے گا۔

۸۔ ایسے شخص نے اگر اخبار/رسالہ نکالنا ہو تو نیا ڈیکلریشن لینا ہوگا۔

۹۔ اگر کوئی روزنامہ مہینے میں ۱۶ دن، ہفت روزہ مہینے میں دو مرتبہ، پندرہ روزہ مہینے میں ایک مرتبہ، ماہنامہ دو مہینے میں ایک مرتبہ، سہ ماہی چھ مہینے میں ایک مرتبہ اور چھ مہینے بعد شائع ہونے والا اخبار سال میں ایک مرتبہ شائع نہیں ہوتا تو نیا ڈیکلریشن لینا ہوگا۔

۱۰۔ اگر پرنٹر اور پبلشر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو مطمئن کر دے کہ کس وجہ سے اخبار/رسالہ شائع نہیں ہو سکتا تو نیا ڈیکلریشن لینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

۱۱۔ اگر ڈیکلریشن لینے کے بعد پرنٹر اور پبلشر نے اُس کی زبان، پریس کی جگہ اور نکلنے کی مدّت میں تبدیلی کرنا ہو تو وہ اِس سلسلہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بتائے گا اور دوسرے صوبے میں تبدیلی کی صورت میں نیا ڈیکلریشن لینا لازمی ہوگا۔

۱۲۔ اگر پرنٹر/پبلشر ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے ملک سے باہر جانا چاہتا ہو تو اُسے تحریراً ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بتانا ہوگا اور یہ بھی بتانا ہوگا کہ اِس کی عدم موجودگی میں کون ذمہ دار ہوگا۔

۱۳۔ کوئی غیر ملکی، حکومت کی اجازت کے بغیر اخبار، رسالہ، پریس نہیں رکھ سکتا۔

۱۴۔ کوئی پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر قومی اسمبلی، سینیٹ یا صوبائی اسمبلی کی وہ کارروائی نہیں چھاپے گا، جسے حذف کیا گیا ہو۔ اِس کے علاوہ غیر اخلاقی، توہینِ عدالت، ہتکِ عزت والا مواد، پاکستان کی سلامتی کے خلاف، قانون کی خلاف ورزی یا فرقہ ورانہ فسادات کو ہوا دینے والا مواد شائع نہیں کرے گا۔

۱۵۔ پاکستان کی سلامتی، قانون کی خلاف ورزی، فرقہ واریت کو پھیلانے والا مواد اگر کوئی اخبار /رسالہ چھاپے گا تو حکومت اُسے قبضے میں لے لے گی اور ایسا مواد نہیں چھاپا جائے گا، جس سے حکومت اور خارجہ تعلقات میں خرابی پیدا ہو، اور جو فوج، پولیس یا کسی سرکاری ملازم کی ڈیوٹی کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا کرے۔

۱۶۔ اِس کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل ہوسکتی ہے۔

۱۷۔ ہائی کورٹ اپیل سننے کے بعد ۹ دن کے اندر اندر اسے نمٹائے گی۔

۱۸۔ جو کتاب پرنٹر نے چھاپی ہو اور اِس کے پریس سے ڈیلیور ہوتی ہے، اُس پر کتاب کی چار عدد کاپیاں بلا معاوضہ اُس آفیسر کو دینا لازمی ہے، جسے حکومت مقرر کرے۔[۳۴]

دیگر قوانین:۔

ضابطہ تعزیراتِ پاکستان کی بعض دفعات صحافت سے خاص تعلق رکھتی ہیں۔ اِن کا متن درج ذیل ہے:

دفعہ ۱۲۴۔ الف:۔

کوئی شخص جو بذریعۂ تقریر یا تحریر، علامات یا ٹھوس تشبیہات یا اور طرح سے از روئے قانون قائم شدہ حکومت کے خلاف خیالات، نفرت، حقارت یا بدخواہی پیدا کرے یا پیدا کرنے کی کوشش کرے، اُسے عمر قید یا کسی کم مدّت کی سزا دی جائے گی۔ جس میں جرمانے کا اضافہ کیا جاسکے گا یا قید کی سزا دی جائے گی، جس کی مدّت تین سال تک ہوگی یا جرمانے کی سزا یا دونوں شامل ہیں۔ نفرت، حقارت یا دشمنی کے جذبات پیدا کئے بغیر حکومت پر نکتہ چینی جرم نہیں ٹھہرے گی۔

دفعہ ۱۵۳۔ الف:۔

کوئی شخص جو بذریعۂ تحریر یا علامات یا ٹھوس تشبیہات یا اور طرح سے آبادی کے مختلف فرقوں کے درمیان دشمنی یا حقارت پیدا کرے یا اِس کی کوشش کرے تو اُسے دو سال تک سزائے قید یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ (اگر نیک نیتی کے ساتھ ایسی دشمنی یا حقارت کی اصلاح کیلئے کچھ کہا جائے تو وہ جرم نہیں سمجھا جائے گا)۔

دفعہ ۵۰۵:۔

کوئی شخص جو کوئی بیان یا افواہ یا خبر شائع کرے یا پھیلائے:۔

الف۔ اِس نیت سے یا اِس امر کے احتمال سے کہ مملکت کی بحری فوج کا کوئی افسر یا سپاہی یا ملاح بغاوت کرے یا اپنے فرائض انجام نہ دے یا انجام دینے سے قاصر رہے۔

ب۔ اِس نیت سے یا اِس امر کے احتمال سے کہ عام لوگوں یا کسی فرقے میں خوف یا گھبراہٹ پیدا ہو یا اِس کے ذریعے سے کسی شخص کو کسی جرم سرکار یا امنِ عامہ کے ارتکاب کی تحریک ہو۔

ج۔ اِس نیت سے یا اِس امر کے احتمال سے کہ کسی فرقے یا جماعت کے مقابلے میں کسی جرم کے ارتکاب کی تحریک ہو تو اُسے قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد دو سال تک ہو سکے گی یا جرمانے کی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

☆ اگر کوئی فرد یہ جانتے ہوئے کہ ایسی خبریں درست ہیں اور اِس کی نیت بری نہیں تو اُسے شائع کرنا جرم تصور نہیں ہوگا۔ بعض سرکاری دستاویزات شائع کرنا، جنھیں خفیہ یا صیغۂ راز میں رکھا گیا ہو یا دوست ممالک کے سربراہ، وزیر اعظم یا ولی عہد کی ہتکِ عزت کرنا قانوناً جرم ہے۔

☆ حکومت تار، ڈاک، کسٹم یا کسی ذریعے سے آنے والی خبر کو روک سکتی ہے یا دفعہ ۱۲ کے تحت اخبارات و رسائل پر مفادِ عامہ کیلئے سنسر شپ عائد کر سکتی ہے یا امنِ عامہ میں خلل ڈالنے والے اخبار / رسالے کی اشاعت معطل کر سکتی ہے، یا دفاع، غیر ملکی تعلقات اور پاکستان کی سلامتی کو لاحق خطرات کے پیشِ نظر کسی خبر کے ذرائع / معلومات کا انکشاف کرنے پر اخبار / رسالے کو مجبور کر سکتی ہے۔ ۳۵

صحافت پر لاگو ہونے والے چند قوانین یہ بھی ہیں:۔

قانونِ توہینِ عدالت:۔

اگر اخبار یا جریدے میں کسی مضمون، اداریے، تخلیق یا نظم و نثر کے ذریعے کسی عدالت کے فیصلوں پر نکتہ چینی کی گئی ہو یا اِس کے خلاف غلط تبصرہ شائع کیا گیا ہو تو متعلقہ عدالت اُس کا نوٹس لے کر مذکورہ اخبار یا رسالے کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے۔ حسب ذیل وجوہ کی بناء پر توہینِ عدالت کا مقدمہ درج ہو سکتا ہے۔ ۳۶

ا۔ اگر کوئی مقدمہ فوجداری یا دیوانی عدالت میں زیرِ سماعت ہو اور اُس پر اخبار / رسالے میں ایسا مواد، خبر یا تبصرے کی صورت میں چھاپا جائے، جو کسی قسم کی شہادت مہیا کرتا ہو یا اُس سے جج، جیوری، فریقین، گواہان یا وکلاء متاثر ہوتے ہوں یا اُس میں ایسا رجحان موجود ہو، جس سے منصفانہ سماعت فیصلے یا اُس پر عمل درآمد میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو تو ایسا مواد توہینِ عدالت قرار دیا جائے گا۔

۲۔ اگر ایسا مواد شائع کیا جائے جس سے مقدمے کی کارروائی متاثر ہو اور رائے عامہ پہلے ہی کسی خاص فیصلے پر پہنچ جائے یا پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس میں یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک جج یا جیوری واقعی متاثر ہو جائیں گے، ایسا مواد توہین عدالت قرار پائے گا۔

۳۔ خواہ کوئی مقدمہ زیرِ سماعت ہو یا نہ ہو، اگر کسی عدالت کو بدنام کیا جائے یا کسی جج یا مجسٹریٹ سے بددیانتی، نامعقولیت یا نااہلیت منسوب کی جائے تو یہ توہین عدالت ہوگا۔

۴۔ اگر کسی جج یا مجسٹریٹ کے ذاتی کردار اور عمومی طرزِ عمل پر تنقید شائع ہو اور اس سے کسی مقدمے کی کارروائی متاثر نہ ہوتی ہو تو یہ توہینِ عدالت نہیں ہوگا، البتہ یہ کاروائی قانون ہتکِ عزت یا ازالہ حیثیت عرفی کے ذیل میں آسکتی ہے۔

۵۔ خواہ کوئی مقدمہ زیرِ سماعت نہ ہو لیکن کارروائی ہونے والی ہو اور اخبار/رسالے کو اُس کا علم ہو، چنانچہ قبل از وقت شائع ہونے والا تبصرہ توہین عدالت کہلائے گا۔

۶۔ اگر کوئی معاملہ ابھی زیرِ تفتیش ہو اور مجرم ابھی گرفتار نہ ہوئے ہوں تو اِس معاملے پر تبصرہ توہینِ عدالت نہیں کہلائے گا، لیکن اگر ملزم زیرِ حراست ہو اور اُسے خواہ عدالت میں پیش نہ کیا گیا ہو، اُس پر تبصرہ توہینِ عدالت ہوگا۔

۷۔ کسی واقعے کی رپورٹ اِس طرح سے دینا کہ وہ غیر حقیقی ہو اور اُس کا انداز کسی ایک فریق کے حق میں کارروائی کو بڑھا چڑھا کر یا نمایاں انداز میں پیش کرنے کا ہو، تو اُسے توہینِ عدالت قرار دیا جائے گا۔

۸۔ اگر خبر یا تبصرے میں کسی فریق کو گواہی سے روکنے کی کوشش کی گئی ہو تو یہ توہینِ عدالت کہلائے گا۔

۹۔ اگر پولیس یا کسی فریق کے بارے میں الزام تراشی کی گئی ہو کہ شہادت نامناسب طریقے سے حاصل کی گئی ہے یہ بات بھی توہینِ عدالت کے ضمن میں آئے گی۔

۱۰۔ وکلاء کے خلاف کسی رائے کا اظہار یا ملزم یا کسی فریق کے خلاف قابلِ اعتراض الفاظ کا استعمال، خواہ یہ مزاحیہ انداز میں لکھے گئے ہوں، توہینِ عدالت قرار پائیں گے۔

۱۱۔ مقدمۂ زیرِ سماعت میں، کسی ایک فریق کا بیان، عرضداشت یا شہادت شائع کر دینا توہینِ عدالت ہوگا۔

۱۲۔ اپنی تحقیقات کے نتائج، دستاویزات یا پہچان سے قبل ملزم کی تصویر چھاپ دینا، جبکہ ابھی مقدمہ زیرِ سماعت ہو، توہینِ عدالت کہلائے گا۔

۱۳۔ جج یا عدالت پر خبر، اُس کی سرخی، مظاہرے یا اشتہار کی صورت میں غیر مناسب دباؤ ڈالنا توہین عدالت ہوگا۔ ۳۷

قانون ہتک عزت یا ازالہ حیثیت عرفی:۔

قانون ہر شخص کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ اُسے دوسروں کی نظر میں جو احترام حاصل ہے، وہ اُسے نقصان پہنچانے والے جھوٹے بیانات سے متاثر نہ ہو۔ حیثیت عرفی ہر شخص کا حق ہے اور اگر کوئی اِس کو دور کرتا ہے یا کم کرتا ہے تو وہ ازالہ حیثیت عرفی کا مرتکب ہے اور قانون کے تحت سزا کا مستحق ہے۔

جو بیان کسی شخص کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے، تضحیک پیدا کرتا ہے، حقارت کے جذبات پیدا کرتا ہے یا اُس کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ دوسرے اُس کی صحبت سے گریز کرتے ہیں یا جو بیان اُس شخص کو اپنے عہدے، تجارت یا پیشے میں دوسروں کی نظروں میں گراتا ہے اُسے Libel یا ازالہ حیثیت عرفی کا حامل بیان قرار دیا جاتا ہے۔

اِس کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں:

1, زبانی توہین یا Slander

2. تحریری توہین یا Defamation

مقدمہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ توہین "شائع" ہو، یعنی جس شخص کی توہین ہوئی ہو، اُس کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچی ہو۔ ۳۸

کسی بھی فرد کیلئے ذرائع ابلاغ کے خلاف تحریری اہانت کے مقدمے کو جیتنے کیلئے پانچ چیزوں کو ثابت کرنا ضروری ہے:

۱۔ مذکورہ شخص کی اِس سے واقعتاً اہانت ہوئی ہو اور شائع ہونے والے بیان سے اُس کو نقصان پہنچا ہے۔

۲۔ اُسے شناخت کر لیا گیا ہو۔ (گو لازماً اُس کے نام کے ذریعے نہ کیا گیا ہو)۔

۳۔ اہانت آمیز بیان شائع ہو چکا ہو۔

۴۔ ذرائع ابلاغ غلطی پر تھے۔

۵۔ ذرائع ابلاغ سے شائع یا نشر ہونے والا بیان جھوٹا تھا۔ ۳۹

قانون حقوق اشاعت (کاپی رائٹ ایکٹ):۔

ایک مصنف یا تخلیق کار اپنی محنت و کاوش سے تحریر کردہ کتاب خود شائع کرتا ہے یا کوئی ناشر اس کے حقوق اشاعت خرید لیتا ہے۔ اخلاقاً اور قانوناً مصنف کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی تصنیف کو شائع کرائے یا نہ کرائے یا اگر حقوق اشاعت ناشر کو

منتقل ہو چکے ہوں تو وہ اِس بات کا مجاز ہے کہ جب چاہے کسی کتاب کو چھپوائے۔ تاہم اگر کسی ادارے نے مصنف کو معاوضہ نہ دیا ہو تو اُس کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے ادارے کی چھپی ہوئی کتاب کو خود چھاپ لے۔ مصنفین اور ناشرین کے اِس حق کے تحفظ کیلئے پاکستان میں حقوق اشاعت کا قانون مجریہ ۱۹۶۲ء نافذ کیا گیا، جس کے تحت کسی مصنف کی تخلیق کو بلا اجازت شائع کرنا قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

تاہم یہ بات واضح ہے کہ اس حکم کا اطلاق صرف کتب اور ماہانہ جرائد پر ہوتا ہے۔ ہفت روزہ اور روزنامے اِس بات کے مجاز ہیں کہ مصنف کے کسی مضمون کو اُس کے نام کا حوالہ دے کر شائع کر سکتے ہیں۔ ہاں البتہ مصنف یا ناشر سے تحریری اجازت لے لی جائے تو کسی کتاب کو کوئی دوسرا شخص یا ناشر شائع کر سکتا ہے۔ اگر کسی مصنف نے اپنی کسی تصنیف کے حقوق اشاعت کسی ناشر کو منتقل کر دیئے ہوں تو مناسب تبدیلیوں کے لئے وہ اپنی تصنیف ناشر سے واپس لے سکتا ہے، لیکن کسی دوسرے ناشر کو دینے کا حق اُسے حاصل نہیں ہوگا۔[۴۰]

پاکستان میں مجلاتی صحافت پر لگنے والی قدغنوں کا سرسری جائزہ:۔

دنیا کے دوسرے تمام ممالک کی طرح پاکستان میں بھی صحافت کی آزادی، وقار اور احساس ذمہ داری کو قائم رکھنے کیلئے صحافتی اخلاقیات پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سے ضابطے اور قوانین مرتب کئے گئے تا کہ ملکی صحافت اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پابندی کرے اور ملک وقوم کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دے سکے۔[۴۱]

بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ملک وقوم کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے کا بہت کم موقع ملا، اُن کے بعد لیاقت علی خان وزیر اعظم بنے تو انہوں نے سیاسی اور انتظامی قیادت کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ لہذا وزیر اعظم کے عہدے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسلم لیگ کی قیادت بھی سنبھال لی۔ یہ ایک غیر جمہوری روایت تھی، جس کے منفی اثرات سے قومی سیاست محفوظ نہ رہ سکی اور اخبارات و جرائد بھی غیر جمہوری روایات کا نشانہ بننے لگے۔[۴۲]

سویلین حکومتوں کے گیارہ سالہ دور کے پہلے حصے میں نئی ریاست کو دو المیوں سے دوچار ہونا پڑا، جن کے نتائج بہت دوررَس ثابت ہوئے۔ قائداعظمؒ کی وفات اور وزیر اعظم کے ناگہانی قتل کے بعد چند افراد پر مشتمل ایک گروہ (سکندر مرزا، غلام محمد، چوھدری محمد علی) اقتدار پر قابض ہو گیا، جبکہ صوبوں میں گروہی چپقلش انتشار پیدا کرتی رہیں۔

"غلیظ اور خراب" سیاست کے باوجود صحافت کا ایک حصہ خطروں اور زیادتیوں کے مقابل اپنا اصل کردار ادا کرتا رہا۔ ان مصائب اور ظلم وستم کا حال درج ذیل ہے:

☆ ۱۹۴۸ء میں تین ترقی پسند جریدوں "سویرا"، "نقوش" اور "ادب لطیف" کی اشاعت پر پنجاب کی مسلم لیگ حکومت نے پابندی لگادی۔ یہ ملک میں صحافت کی آزادی پر پہلا حملہ تھا۔
"نقوش" پر سعادت حسن منٹو کا افسانہ " کھول دو" شائع کرنے کی وجہ سے پابندی لگائی گئی۔

☆ ۱۹۴۹ء میں پابندی کی میعاد ختم ہونے پر، جب "سویرا" کا تازہ شمارہ بازار میں آیا تو رسالے سے چھ ہزار روپے کا زرِ ضمانت طلب کیا گیا۔

☆ ۱۹۵۰ء میں اگلے شمارے کی اشاعت کے ساتھ ہی "سویرا" کے ایڈیٹر ظہیر کاشمیری کو سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ مہینوں کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔۴۳

☆ مارچ ۱۹۴۹ء میں، ماہنامہ "جاوید" لاہور نے، جس کے ایڈیٹر عارف عبدالمتین اور مالک نصیر انور تھے، سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹھنڈا گوشت" شائع کیا۔ اِس کی اشاعت کے ایک مہینے بعد پنجاب پریس برانچ حرکت میں آگئی۔ رسالے کے دفتر پر چھاپا مارا گیا اور اُس کی تمام غیر فروخت شدہ کاپیاں ضبط کر لی گئیں۔ منٹو، عبدالمتین اور انور کو تین ماہ قید اور جرمانے کی سزا سنائی گئی، لیکن بعد میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

☆ ۱۹۴۹ء میں جناحؒ کی وفات کے کچھ ہی عرصے بعد، پنجاب کی مسلم لیگی وزارت نے پنجاب سیفٹی ایکٹ نافذ کر دیا۔ ابراہیم جلیس نے اِس پر ایک کاٹ دار طنزیہ تحریر "پبلک سیفٹی ریزر" کے عنوان سے لکھی۔ نوائے وقت پبلی کیشنز کے ہفتہ وار رسالے "قندیل" کے مدیر احمد بشیر نے یہ مضمون نمایاں طور پر شائع کیا، اِس پر نوائے وقت پبلی کیشنز کے چیف ایڈیٹر حمید نظامی نے ایڈیٹروں سے معافی نامہ شائع کرنے کو کہا، جس سے انکار پر اُن کی برطرفی کا حکم نامہ دے دیا گیا۔

☆ ۱۹۵۲ء میں قیوم خاں کی وزارت نے پشتو کے ایک ادبی رسالہ "اسلم" کا قتل کیا، جس کے ایڈیٹر صنوبر حسین مہمند کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور انہیں پندرہ ماہ بعد رہا کیا گیا۔ اُن کی غیر موجودگی میں رسالہ شائع نہ ہوسکا۔ رہائی کے بعد انہیں بتایا گیا کہ رسالے کا ڈیکلریشن منسوخ ہو چکا ہے۔۴۴

☆ ۹ رجون ۱۹۵۲ء کو پنجاب حکومت نے دو ہفتہ وار رسالوں "چٹان" اور "ایشیا" کی اشاعت پر ایک سال کے لئے پابندی لگا دی۔ "چٹان" کے ایڈیٹر شورش کاشمیری تھے، اُن پر ناشائستہ اور غیر اخلاقی تحریریں شائع کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔۴۵

☆ جماعتِ اسلامی کے جاری کردہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" اور ہفتہ وار" کوثر" کو۱۹۵۲ء میں عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ "ترجمان القرآن" کے پرنٹر اور پبلشر مولانا ابوالخیر مودودی سے تین ہزار روپے زرِ ضمانت جمع کرنے کو کہا گیا اور پریس کے منتظم محمد بخش کی تین ہزار روپے کی ضمانت ضبط کرلی گئی۔ " کوثر" کے معاملے میں ملک نصر اللہ خان کی تین ہزار روپے کی ضمانت ضبط کرنے کا حکم ہوا اور پریس کے منتظم سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی۔ اُن کا جرم "ترجمان القرآن" میں ایک مضمون کی اشاعت تھا۔۴۶

☆ پاکستان کے قیام کے پہلے سات برس (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۳ء) کے دوران کراچی کے تین رسالے "پاکستان اکانومسٹ"، "مِرَر" اور "ورائٹی" بھی زیرِ عتاب آئے۔ اِن تینوں کی سرکاری سرپرستی بھی جو اشتہارات، سرکاری دفتروں میں خریداری اور پریس کانفرنسوں میں شرکت کی سہولت پر مشتمل تھی، ختم کردی گئی۔۴۷

☆ نومبر ۱۹۵۷ء میں بیگم زیب النساء حمید اللہ کے ماہنامہ "مِرَر" کراچی کی اشاعت پر سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ کے تحت چھ مہینے کے لئے پابندی لگادی گئی کیونکہ انہوں نے حسین شہید سہروردی کے وزیراعظم کے عہدے سے ہٹائے جانے پرتنقید کی تھی۔۴۸

☆ ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۸ءکو جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کردیا، قومی اسمبلی اور نون وزارت کو توڑ دیا، آئین کو منسوخ کردیا، تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگادی اور اپنی حکومت کے خلاف صحافتی تنقید کو ممنوع قرار دے دیا۔ یہ صحافت کے لئے زنجیروں میں جکڑ دیئے جانے کا آغاز تھا۔ پہلا حملہ پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر کیا گیا۔۴۹

☆ ایوب خان کے اقتدار میں آنے کے ایک ہفتے کے اندر اندر ہفتہ وار "لیل ونہار" کے ایڈیٹر سید سبطِ حسن کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔۵۰

☆ ایوب دورِ حکومت میں ۳۰ صفحوں پر مشتمل پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء میں نافذ کیا گیا اور ایوب خان کو بالآخر مارچ ۱۹۶۹ء میں مستعفی ہونا پڑا، جس کے بعد جنرل آغا محمد یحییٰ خان مسندِ اقتدار پر براجمان ہوئے۔۵۱

☆ یحییٰ خان کے دور میں پریس پر عائد کی جانے والی پابندیاں چھ ہفتے کے اندر اندر اٹھالی گئیں۔ساتھ ہی حکومت نے اخبارات و رسائل کو ڈیکلریشن (لائسنس) جاری کرنے کی سخت پالیسی کو نرم کردیا اور اخبارات ورسائل کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی دے دی۔ اِس حکومت نے ایک سال (۱۹۶۹ـ۱۹۷۰) کے دوران، ۲۲۰اروزناموں ہفت روزوں اور ماہناموں کے اجراء کی اجازت دی۔ مارشل لاء دور کے باوجود اِس دور میں اخبارات ورسائل کو غیر مثالی آزادی حاصل تھی، لیکن یہ آزادی اپنے اصل ثمرات کے حصول کے بجائے ملک میں عصبیتوں اور طبقاتی نفرت کو پیدا کرنے کی مرتکب ہوئی، جس کا انجام سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں سامنے آیا۔

☆ ۵ رمئی کو صوبائی حکومتوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مرکزی وزارتِ اطلاعات کی ہدایات لئے بغیر ڈیکلریشن کے سلسلے کے تمام کیسوں کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔۵۲

☆ ۲۲ رمارچ ۱۹۷۱ء کو جنرل یحییٰ نے سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی اور مکمل پریس سنسرشپ نافذ کردی، جنرل یحییٰ نے مارشل لاء ریگولیشن ۷۷ بھی جاری کیا۔ جس کے تحت پہلے سے سنسر کرائے بغیر کوئی بھی چیز پریس میں نہیں چھاپی جاسکے گی۔۵۳

☆ ہفتہ وار " آفاق "لاہور کے ایڈیٹر شوکت حسین شوکت پر ایک ملٹری کورٹ نے مارشل لاء ریگولیشن ۱۶اور ۷۷ کے تحت مقدمہ چلایا اور انہیں چھ ماہ قیدِ بامشقت اور ۵ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی۔۵۴

☆ ۲۰ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے دنیا کے پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر اقتدار سنبھالا۔۵۵

☆ ۴ رجنوری ۱۹۷۲ء کو کراچی میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے اعلان کیا کہ پریس پر عائد تمام پابندیاں اور کنٹرول ختم کردیئے گئے ہیں اور پریس آزاد ہے۔ پریس کو آزادی ہے کہ جو چاہے کہے، جو چاہے لکھے، ہماری حکومت ابھی نئی ہے۔۵۶

☆ تاہم یہ دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ سرکاری شعبوں میں رپورٹروں کے داخلے پر پابندی لگادی گئی اور تمام سرکاری ملازمین کو صحافیوں اور پریس کے نمائندوں سے رابطہ کے سلسلے میں محتاط رہنے کی تنبیہ کی گئی۔۵۷

☆ یکم اپریل کو لاہور کے دو رسالوں ہفتہ وار "زندگی" اور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" کے ڈیکلریشن مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی کے حکم سے منسوخ کر دیئے گئے۔ "پنجاب پنچ" کے پبلشر و ایڈیٹر، "زندگی" کے پبلشر و پرنٹر اور "اردو ڈائجسٹ" کے پرنٹر ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی کے خلاف مارشل لاء ریگولیشن ۸۹ اور ۱۶ (اے) کے تحت کارروائی شروع کر دی گئی اور اِن سب کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ۲۱ ر اپریل کو عبوری آئین کے نفاذ سے چوبیس گھنٹے پہلے اشاعت سے روکے ہوئے تینوں رسالوں کے ایڈیٹروں، پبلشروں اور پرنٹروں کو رہا کر دیا گیا۔ حسین نقی کا "پنجاب پنچ" پھر کبھی شائع نہ ہو سکا۔

☆ ہفتہ وار "اداکار" لاہور کے ایڈیٹر مجیب الرحمٰن شامی کا ڈیکلریشن ڈپٹی کمشنر لاہور نے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت منسوخ کر دیا اور پھر بعد میں رسالے کے پرنٹر اور پبلشر خواجہ صادق کاشمیری کو پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

☆ ہفتہ وار "اذان حق" (ایڈیٹر مجیب الرحمٰن شامی) کے ۱۳ ر ستمبر کے شمارے کی کاپیاں ڈپٹی کمشنر لاہور کے حکم پر ضبط کر لی گئیں۔

☆ حکومت پنجاب نے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت ہفتہ وار "اذان حق" سرگودھا کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔ اِس سے پہلے رسالے کے پبلشر خان زمان خاں کو گرفتار کر لیا گیا۔

☆ حکومتِ پنجاب کے حکم پر اُردو ہفتہ وار "پیپلز ڈائجسٹ" کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔

☆ سید غلام رسول شاہ، ایڈیٹر ہفتہ وار "سرتاج" میرپور خاص، کو نظر بند کر دیا گیا۔

☆ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت ہفتہ وار "کہانی"، لاہور کے نام اظہارِ وجوہ کا نوٹس جاری کیا گیا۔ ۵۹

☆ سندھی رسالے "ملیر ڈائجسٹ" کے ایڈیٹر عبدالغفور میمن کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

☆ "زندگی"، لاہور کے نمائندے سجاد میر اور "اُردو ڈائجسٹ"، لاہور کے مینیجر مشتاق احمد کو "جسارت" کے دفتر کے قریب "احتجاجی کیمپ" سے گرفتار کر لیا گیا۔

☆ حیدرآباد کے دو ہفتہ وار رسالوں "ندائے سندھ" اور "نیا زمانہ" کے ایڈیٹروں رفیق غزنوی اور ایم اقبال کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

☆ سکھر کے ہمدرد پریس اور اسٹینڈرڈ پریس کو پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت سربمہر کر دیا گیا۔

☆ ہفتہ وار "اظہار"، دادو کے ایڈیٹر محمد انور شاہ اور ہفتہ وار " قلندر"، دادو کے رپورٹر کبیر احمد شاہ کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

☆ سندھی ماہنامہ "سوہنی" کے ایڈیٹر طارق اشرف کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

☆ سی پی این ای نے کوئٹہ کے چار رسالوں "سچائی"، "ندائے بلوچستان"، "ہمت" اور "مبلغ" پر سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ کیا۔

☆ اُردو ماہنامہ " کوئٹہ " کی اشاعت پر دو ماہ کیلئے پابندی لگادی گئی۔

☆ کوئٹہ کے دو رسالوں، "ندائے بلوچستان" اور "ہمت" پر پابندی کے پہلے حکم کی میعاد ختم ہونے پر مزید دو ماہ کیلئے پابندی لگادی گئی۔

☆ لاہور ہائی کورٹ نے ہفتہ وار "ہمت" کوئٹہ اور قلات پریس کے مالک زمرد حسین کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی، جبکہ اخبار کے ایڈیٹر اور کاتب کو گرفتار کر لیا گیا۔٦٠

☆ ہفتہ وار "اداکار"، لاہور کے کوئٹہ میں مقیم نمائندے امان اللہ شاہ زئی کو اُس وقت گرفتار کر لیا گیا، جب وہ نیپ پختونخواہ کے ایک جلسے میں رپورٹر کے طور پر اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے۔

☆ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی نے ماہنامہ "سنگت" کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔٦١

☆ حکومتِ پنجاب نے "اُردو ڈائجسٹ" کی طباعت اور اشاعت پر فوری طور پر پابندی عائد کر دی۔٦٢

☆ "اُردو ڈائجسٹ" کے ایڈیٹر اور پبلشر الطاف حسن قریشی اور پرنٹر ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ٣٠ر دسمبر کو حکومتِ پنجاب نے اُردو ڈائجسٹ کا ڈیکلریشن منسوخ اور اِس کے پریس کو سربمہر کر دیا۔

☆ لاہور ہائی کورٹ نے ہفتہ وار "لیل و نہار" کے پرنٹر منظور ملک کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست منظور کر لی اور بیس ہزار روپے کی ضمانت اور اتنی ہی رقم کی شخصی ضمانت داخل کرانے کی ہدایت کی۔

☆ پنجاب اسمبلی کے سامنے "اداکار"، "الحدید" اور "طاہر" نامی رسالوں کے کارکنوں کے ایک مظاہرے پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ یہ کارکن اِن تینوں رسالوں کی اشاعت پر پابندی لگائے جانے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

☆ پابندی عائد شدہ ہفتہ وار "طاہر" کے ایڈیٹر پرویز طاہر کو کراچی جاتے ہوئے ساہیوال ریلوے اسٹیشن سے گرفتار کر لیا گیا۔٦٣

☆ حکومتِ پنجاب نے ڈی پی آر کے تحت ہفتہ وار "چٹان" لاہور اور "اسلامی جمہوریہ" ساہیوال کے ڈیکلریشن اِس بناء پر منسوخ کر دیئے کہ انہوں نے پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کی تحریک سے متعلق رپورٹس متعلقہ حکام کی منظوری کے بغیر شائع کی تھیں۔ ٦٤

☆ آخر کار ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں دھاندلی کے الزام کے بعد پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کی چلائی ہوئی تحریک کے عروج پر ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں تیسرا بلکہ پانچواں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ پی پی پی اور پی این اے کے رہنماؤں کو بشمول بھٹو سمیت حفاظتی حراست میں لے لیا گیا اور اس طرح چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا۔ ٦٥

☆ ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے بعد لاہور ہائی کورٹ نے ہفتہ وار "زندگی" کی اشاعت پر عائد کی گئی پابندی کے حق میں جاری کیا گیا حکمِ امتناعی منسوخ کر دیا اور ہدایت جاری کی کہ اِس رسالے کی اشاعت فوری طور پر بحال کی جائے جس پر ۱۹۷۱ء میں پابندی لگائی گئی تھی۔

☆ ہفتہ وار "معیار" کراچی کے ایڈیٹر اور مینیجنگ ڈائریکٹر محمود شام کو اِس بناء پر گرفتار کر لیا گیا کہ انہوں نے اسٹیٹ بینک کے نام وزارت داخلہ کا جاری کیا ہوا ایک خفیہ ہدایت نامہ شائع کر دیا، جس میں بعض افراد کے ملک سے باہر جانے پر پابندی لگائی گئی تھی۔

☆ ماہنامہ "اُردو ڈائجسٹ" لاہور کے ایڈیٹر الطاف حسن قریشی کو مارشل لاء ریگولیشن ۱۳ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ٦٦

☆ ہفتہ وار "ویو پوائنٹ" لاہور (ایڈیٹر مظہر علی خان) پر ۲ر فروری ۱۹۷۹ء سے مکمل سنسر شپ عائد کر دی گئی۔

☆ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے دوسری بار ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کو عام انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کرنے، تمام سیاسی پارٹیاں ختم کرنے، ان کے حسابات منجمد اور سر بمہر کرنے اور اخبارات و جرائد پر مکمل پری سنسر شپ نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ ٦٧

☆ مظفر آباد سے شائع ہونے والے نو اُردو ہفتہ وار رسالوں نے ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۹ء سے اپنی اشاعت اِس لیے بند کر دی، جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اعلان کے مطابق المدینہ پرنٹنگ پریس، مظفر آباد کے پرنٹنگ ڈیکلریشن کو منسوخ کر کے " اِس پریس کے نام پر تمام اخباروں کی طباعت کو غیر قانونی" قرار دے دیا گیا۔ ٦٨

☆ ۱۸ردسمبر ۱۹۷۹ء کو جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک آرڈیننس نافذ کیا، جس کے ذریعے تعزیراتِ پاکستان (۱۸۶۰ء) کی دفعہ ۴۹۹ اور ۵۰۰ اور کریمنل پروسیجرز کوڈ ۱۸۹۸ء کے شیڈول نمبر۲ میں ترمیم کردی گئی۔ اِس ترمیم کے مطابق عدالتی کارروائی کی اشاعت خواہ وہ حقیقت پرمبنی اور عوامی مفاد میں ہو، ایک قابلِ سزا جرم ہوگی۔ جس کی سزا پانچ سال قیدِ بامشقت یا جرمانہ یا دونوں سزائیں ایک ساتھ ہوں گی۔ ۶۹ے

☆ ۱۹۸۱ء کے پہلے دن کراچی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار "الفتح" کے چیف ایڈیٹر ارشاد راؤ، ایڈیٹر وہاب صدیقی، اسسٹنٹ ایڈیٹر واحد بشیر، کاتب ضامن علی شاہ اور عبدالسلام کو تخریبی لٹریچر کی خفیہ طباعت اور اشاعت کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ ۳۰رستمبر کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت نے ارشاد راؤ، ضامن شاہ اور عبدالسلام کو قابلِ اعتراض لٹریچر چھاپنے اور عوام میں شورش اور پاکستانی مسلح افواج کے خلاف بے اطمینانی پھیلانے کے الزام میں ایک سال قیدِ بامشقت اور فی کس پانچ کوڑوں کی سزا سنائی۔ ضامن شاہ اور عبدالسلام کو ایک سال بعد رہا کردیا گیا جبکہ واحد بشیر کو ایک سال چھ مہینے اور سترہ دن قید میں رہنا پڑا۔

☆ "الفتح" کا ڈیکلریشن اپریل ۱۹۷۸ء میں اِس الزام پر منسوخ کردیا گیا تھا کہ اُس نے ملتان میں پولیس اور مزدوروں کے ایک تصادم کی غلط رپورٹنگ کی تھی۔ اِس پابندی کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا، جس نے آخر کار فروری ۱۹۸۰ء میں اِس رسالے کے حق میں فیصلہ سنایا اور اُس کا ڈیکلریشن بحال کردیا۔

☆ یکم رجنوری ۱۹۸۲ء، کو پری سنسر شپ کی جگہ سیلف سنسر شپ نافذ کردی گئی۔ ۷۰ے

☆ ہفتہ وار "ویو پوائنٹ"، "کرنٹ" اور "چٹان" اور ماہنامہ "دھنک" کو اشتہارات جاری کرنے پر پابندی عائد کردی گئی۔

☆ ہفتہ وار "ویو پوائنٹ" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر امین مغل کو اُن کے گھر سے گرفتار کرلیا گیا۔

☆ ۶را کتوبر ۱۹۸۲ء کو شاعر اور ایک ادبی رسالے "خیابان" راولپنڈی کے مدیر حسن عباس رضا کی ضمانت منظور کی گئی، انہیں ۲۶ ستمبر کو قابلِ اعتراض نظمیں اور دیگر تحریریں شائع کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ۷۱ے

☆ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر نے کراچی میں اے پی این ایس کے سالانہ ڈنر کے موقع پر کہا کہ ہفتہ وار ماہناموں اور دوسرے رسالوں پر سے سنسر شپ فوری طور پر اٹھالی گئی ہے تاہم اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ پر یہ پابندی لاگو رہے گی۔۲ے

☆ کراچی سے شائع ہونے والے "الف لیلیٰ ڈائجسٹ"، "عالمی ڈائجسٹ" اور "محور" کو انتہائی قابلِ اعتراض اور فحش مواد شائع کرنے پر بیس بیس ہزار روپے کی ضمانتیں داخل کرنے کی ہدایت کی گئی۔

☆ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت ماہنامہ "انداز" کراچی کو ناشائستہ اور قابل اعتراض مواد شائع کرنے کی بناء پر ۲۰ ہزار روپے کی ضمانت داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔

☆ حکومتِ سندھ نے کراچی کے دو رسالوں "ورلڈ اسپورٹس" اور "بہائی میگزین" کے ڈیکلریشن عدم اشاعت کی بناء پر اور "نئی نسلیں" اور "کشش" کے ڈیکلریشن اِس بناء پر منسوخ کردیے کہ انہوں نے اپنا مقامِ اشاعت متعلقہ حکام کی منظوری کے بغیر تبدیل کرلیا تھا۔۳ے

☆ حکومتِ پنجاب نے لاہور کے ہفتہ وار "عوامی جمہوریت" کو پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت اظہارِ وجوہ کا ایک نوٹس جاری کیا۔۴ے

☆ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ فیصل آباد نے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کی خلاف ورزی کی بناء پر ہفتہ وار "پاکستان" کا ڈیکلریشن منسوخ کردیا۔

☆ سندھ کے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے افسروں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ فحش لٹریچر کو پرنٹنگ پریسوں اور کتابوں کی دکانوں سے ضبط کرسکتے ہیں۔۵ے

☆ حکومتِ سندھ نے دو ہفتہ وار "تمثیل" (اردو) اور "میڈیکل اسپکٹرم" (انگریزی) کے ڈیکلریشن، پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس کی دفعہ ۹ اور ۱۰ کے تحت عدم اشاعت کی بناء پر منسوخ کردیے۔

☆ سندھ کے محکمہ اطلاعات نے کراچی کی چار مطبوعات، اُردو ماہناموں "سائنس ڈائجسٹ" اور "سرگزشت"، انگریزی ماہنامہ "آرٹس انٹرنیشنل" اور اُردو ہفتہ وار "الحیدر" کے ڈیکلریشن، پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس کی خلاف ورزی اور عدم اشاعت کی بناء پر منسوخ کردیے۔۶ے

☆ ۱۹۸۵ء میں حکومت کی طرف سے آزادئ صحافت کے حوالے سے ملک کی تاریخ میں قائداعظم کے بعد پہلی مرتبہ ایک زرّیں دور کی ابتداء ہوئی۔ محمد خان جونیجو کے اِس دور میں ملکی صحافت پر لاگو سیاہ ترین قانون پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کا خاتمہ ہوا اور اخبارات و جرائد کو خاصی آزادی نصیب ہوئی۔ لیکن اِس دور (۱۹۸۸۔۱۹۸۵) میں اخبارات و جرائد پر سیاسی جماعتوں کا دباؤ بڑھ گیا اور دفاتر پر حملوں کا آغاز ہوا۔ سیاسی جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے اخبارات و جرائد ضابطہ اخلاق کی حدود پار کرنے لگے۔ اِس بات کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۸۷ء میں اِس نوعیت کے ۱۳ اور ۱۹۸۸ء میں ۲۳ پُر تشدد واقعات رونما ہوئے۔ ۷۷

☆ ۲۷ مئی کو اے پی ایم ایس او کے سینکڑوں طلبہ نے "ڈان" اور "ہیرالڈ پبلیکیشنز" کی دوسری مطبوعات "دی اسٹار"، "ہیرالڈ"، "ڈان گجراتی" اور "وطن" کے دفاتر پر مسلح حملہ کیے، انہوں نے نہ صرف اپنی خبروں کی نمایاں اشاعت کا مطالبہ کیا بلکہ یہ بھی زور دیا کہ دوسرے گروپوں کی خبریں چھاپنی بند کردی جائیں۔ ۷۸

☆ نومبر ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات کے بعد وفاق میں پیپلز پارٹی کو حکومت بنانے کا موقع ملا۔ جس طرح ہر آنے والی حکومت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ پچھلی حکومت کی طرح اخبارات و رسائل کو تنگ نہیں کیا جائے گا، پیپلز پارٹی نے بھی یہ دعویٰ کیا۔ پریس کو مکمل آزادی دینے کے ساتھ ساتھ نیشنل پریس ٹرسٹ کو توڑنے کا بھی وعدہ کیا گیا اور عملاً پریس کو آزادی دی گئی۔ ملک میں پہلی بار اپوزیشن کو ذرائع ابلاغ میں کوریج دی گئی، لیکن بعد میں ذرائع ابلاغ کا استعمال غیر متوازن ہوگیا۔ ۷۹

☆ ۱۹۸۹ء میں زیادہ تر اخبارات و رسائل نے حکومتی دباؤ سے مبرا ہوکر کام کیا۔ ۸۰

☆ وفاقی حکومت نے کاغذ کا کوٹہ سسٹم ختم کر کے کاغذ کھلی مارکیٹ میں دے دیا اور ساتھ ہی کاغذ پر درآمدی ڈیوٹی کا نفاذ کردیا۔ ۸۱

☆ پی پی پی کی حکومت کو صدر غلام اسحاق خان نے ۶ راگست ۱۹۹۰ء کو رخصت کر دیا اور ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ہونے والے انتخابات میں نواز شریف برسرِ اقتدار آئے۔ اِس دور میں صحافت پر کم جبر و تشدد کئے گئے۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کا وجود اِس دور میں بھی برقرار رہا۔ وزیرِ اعظم کو آزاد اخبار و رسائل سے ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ وہ حزبِ اختلاف کی جانب سے اُن پر کی جانے والی تنقید کی تشہیر کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ یہ زور دیتے رہے کہ صحافت کو اپنی قومی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں، جس پر انہیں ملکی پریس اور مخالف سیاسی رہنماؤں کی خاصی تنقید کا سامنا کرنا پڑا، تاہم حکومت نے اِس سلسلے میں اپنا رویہ رفتہ رفتہ تبدیل کر لیا۔

☆ ۶ ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں پی پی پی برسرِ اقتدار آئی۔ اِس دور میں ذرائع ابلاغ کے حوالے سے حکومت کی ابتداء اچھی تھی اور حزبِ مخالف کو بھی ذرائعِ ابلاغ میں مناسب جگہ ملنے لگی تھی۔ چونکہ برقیاتی ذرائع ابلاغ عام میں مقبولیت حاصل کر چکے تھے، اِس لئے اخبارات و رسائل اب حکومتی قدغنوں سے نسبتاً آزاد تھے۔۸۲؎

☆ بے نظیر بھٹو کی معزولی کے بعد ۱۹۹۷ء میں میاں نواز شریف کی پارٹی اقتدار میں آئی۔ اس دور (۱۹۹۹۔۱۹۹۷) میں آفیشل سیکریٹ ایکٹ اور سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ باقی رہا اور پبلک آرڈیننس کو مزید منظم کیا گیا، جس کے تحت بہت سے صحافیوں اور خبر رساں اداروں کو سزائیں دی گئیں۔

☆ ۱۹۹۸ء میں آزادیِ صحافت پر تشدد کے ۲۲ کیس ریکارڈ کئے گئے۔ جن میں صحافیوں کے قتل، اُن پر حملے کے کیس بھی شامل ہیں۔۸۳؎

☆ صدر پرویز مشرف ۱۲ ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو نواز شریف کی حکومت کو معزول کر کے برسرِ اقتدار آئے۔ اِس دور میں رسائل و جرائد نے اپنا آزادیٔ اظہار کا حق استعمال کیا اور موضوعات کے اعتبار سے رسائل و جرائد میں سیاسی، معاشرتی، معاشی پہلو پر بے لاگ تبصرے اور کڑی تنقید سامنے آئی ہے۔ اِس دور میں چونکہ نجی چینلوں کا اجراء تیزی سے ہوا، اِس لئے رسائل و جرائد اور اخبارات پر حکومتی پابندیوں کا خدشہ کم ہو گیا، تاہم اِس کے باوجود بھی دھمکی، دباؤ، غارت گری، املاک کو نقصان پہنچانے اور قتل کے ۵۴ واقعات رپورٹ کئے گئے۔

☆ اگست ۲۰۰۴ء میں ہتکِ عزت کا ترمیمی قانون نافذ کیا گیا، اِس ترمیمی بل کو صحافی برادری نے مسترد کر دیا کیونکہ اس کی شق نمبر ۳ کے تحت ہتکِ عزت کے خلاف مدیر، طابع، رپورٹر، تقسیم کار، حتیٰ کہ ہاکر کے خلاف بھی کارروائی کی جا سکتی تھی، لہٰذا احتجاج پر اِس میں سے شق نمبر ۳ حذف کر دی گئی۔ اِس بل میں ہتکِ عزت آرڈیننس ۲۰۰۲ء اور تعزیراتِ پاکستان میں توسیع کی گئی، جس کے تحت اِس قانون کی خلاف ورزی پر دو سال سے پانچ سال تک قید یا ایک لاکھ روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں بیک وقت دی جا سکتی ہیں۔[۸۴]

☆ ۲۰۰۸ء میں ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں پی پی پی کی حکومت اقتدار میں آئی۔ آصف علی زرداری صدر اور یوسف رضا گیلانی وزیرِ اعظم کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۲۰۰۸ء سے لے کر اب تک اگرچہ صحافت کے حوالے سے کچھ خاص سنگین قسم کے واقعات منظرِ عام پر نہیں آئے تاہم ٹی وی چینلز کی مقبولیت کے باعث برقیاتی ذرائعِ ابلاغ حکومت کے زیرِ عتاب رہے ہیں اور اخبارات و جرائد نسبتاً آسانی سے اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ؛ "پاکستانی صحافت ادوار کے آئینے میں"؛ مشمولہ "مصحف"؛ شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعۂ کراچی؛ ص:۱۱

۲۔ ضمیر نیازی؛ "صحافت پابند سلاسل"؛ پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعۂ کراچی؛ ص:۱۴۱

۳۔ مرتضیٰ؛ محولہ بالا؛ ص:۱۱

۴۔ ڈاکٹر شفیق جالندھری؛ "صحافت اور ابلاغ"؛ اے ون پبلشرز، لاہور؛ سال اشاعت: ۲۰۰۸ء؛ ص:۲۸۲

۵۔ عصمت آراء؛ "ذرائعِ ابلاغ عامہ۔ ایک جائزہ"؛ شعبۂ ابلاغِ عامہ، جناح یونیورسٹی برائے خواتین، کراچی؛ سالِ اشاعت: ۲۰۰۷ء؛ ص:۱۶۶

۶۔ جالندھری؛ محولہ بالا؛ ص:۲۸۲

۷۔ نیازی؛ محولہ بالا؛ ص ص:۱۴۲۔۱۴۱

۸۔ عصمت آراء؛ محولہ بالا؛ ص:۱۶۶

۹۔ مہدی حسن؛ "صحافت"؛ عزیز پبلشرز، لاہور؛ سالِ اشاعت: ۲۰۰۱ء؛ ص:۳۱۱

۱۰۔ طاہر مسعود؛ "صحافت اور تشدد"؛ کراچی یونیورسٹی جرنلزم المنائی ایسوسی ایشن، کراچی؛ سالِ اشاعت: ۱۹۹۰ء؛ ص:۲۰

۱۱۔ عابد مسعود تہامی؛ "جرنلسٹ"؛ تہامی آرٹ پریس؛ سالِ اشاعت: ۱۹۹۶ء؛ ص ص:۱۹۹۔۱۹۸

۱۲۔ حسن؛ محولہ بالا؛ ص:۳۱۱

۱۳۔ ڈاکٹر احسن اختر ناز؛ "صحافتی اخلاقیات"؛ ناشر: منیر احمد؛ سالِ اشاعت: ۲۰۰۵ء؛ ص ص:۱۳۳۔۱۳۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ مسعود؛ محولہ بالا؛ ص:۸۲

۱۶۔ ایضاً؛ ص:۸۳

۱۷۔ جالندھری؛ محولہ بالا؛ ص:۲۹۱

۱۸۔ تہامی؛ محولہ بالا؛ ص:۲۱۱

۱۹۔ ایضاً؛ ص:۲۱۰

۲۰۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۶۸

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ جالندھری؛محولہ بالا؛ص:۲۹۱

۲۳۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۶۸

۲۴۔ ایس ایم شاہد؛"مطالعۂ صحافت"؛پبلشرز ایمپوریم،اُردو بازار،لاہور؛سالِ اشاعت:۱۹۹۹ء۔۱۹۹۸ء؛ ص:۲۶۹

۲۵۔ ایضاً؛ص:۲۷۰

۲۶۔ تہامی؛محولہ بالا؛ص:۲۱۱

۲۷۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۶۸

۲۸۔ ایضاً؛ص:۱۶۹

۲۹۔ جالندھری؛محولہ بالا؛ص ص:۲۹۵۔۲۹۴

۳۰۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۶۹

۳۱۔ ایضاً؛ص ص:۱۷۰۔۱۶۹

۳۲۔ نیازی؛محولہ بالا؛ص ص:۱۴۸۔۱۴۷

۳۳۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۷۰

۳۴۔ تہامی؛محولہ بالا؛ص ص:۲۲۱۔۲۱۹

۳۵۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص ص:۲۸۲۔۲۸۱

۳۶۔ محمد ظریف؛"جدید ابلاغیات"؛مکتبہ فریدی،گورنمنٹ اُردو کالج،کراچی؛سالِ اشاعت:۱۹۹۶ء؛ص:۱۵۸

۳۷۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص ص:۲۷۸۔۲۷۷

۳۸۔ حسن؛محولہ بالا؛ص ص:۳۴۰۔۳۳۹

۳۹۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۴۳

۴۰۔ ظریف؛محولہ بالا؛ص:۱۶۰

۴۱۔ ناز؛محولہ بالا؛ص:۱۰۰

۴۲۔ مرتضیٰ؛محولہ بالا؛ص:۱۲

۴۳۔ نیازی؛محولہ بالا؛ص ص:۷۶۔۷۴

۴۴۔ ایضاً؛ص ص:۸۳۔۸۲

۴۵۔ ایضاً؛ص:۸۶

۴۶۔ ایضاً؛ص:۹۰

۴۷۔ ایضاً؛ص:۹۴

۴۸۔ ایضاً؛ص:۹۹

۴۹۔ ایضاً؛ص:۱۱۹

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۷۷

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ نیازی؛محولہ بالا؛ص ص:۲۰۷۔۲۰۶

۵۴۔ ایضاً؛ص:۲۰۸

۵۵۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۷۸

۵۶۔ نیازی؛محولہ بالا؛ص ص:۲۱۲۔۲۱۱

۵۷۔ ایضاً؛ص:۲۱۵

۵۸۔ ایضاً؛ص ص:۲۱۹۔۲۱۶

۵۹۔ ایضاً؛ص:۲۳۰

۶۰۔ ایضاً؛ص ص:۲۳۴۔۲۳۲

۶۱۔ ایضاً؛ص:۲۳۷

۶۲۔ ایضاً؛ص:۲۴۰

۶۳۔ ایضاً؛ص:۲۴۲

۶۴۔ ایضاً؛ص:۲۴۷

۶۵۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۸۲

۶۶۔ نیازی؛محولہ بالا؛ص ص:۲۶۱۔۲۶۰

۶۷۔ ایضاً؛ص ص:۲۶۶۔۲۶۵

۶۸۔ ایضاً؛ص:۲۶۸

۶۹۔ ایضاً؛ص:۲۷۲

۷۰۔ ایضاً؛ص ص:۲۷۵۔۲۷۴

۷۱۔ ایضاً؛ص ص:۲۸۴۔۲۸۳

۷۲۔ ایضاً؛ص:۲۸۷

۷۳۔ ایضاً؛ص:۲۹۷

۷۴۔ ایضاً؛ص:۳۰۱

۷۵۔ ایضاً؛ص ص:۳۰۸۔۳۰۷

۷۶۔ ایضاً؛ص ص:۳۱۴۔۳۱۳

۷۷۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۸۶

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ تہامی؛محولہ بالا؛ص:۲۰۵

۸۰۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۸۷

۸۱۔ تہامی؛محولہ بالا؛ص:۲۰۶

۸۲۔ عصمت آراء؛محولہ بالا؛ص:۱۸۷

۸۳۔ ایضاً؛ص:۱۸۸

۸۴۔ ایضاً؛ص:۱۸۹

چھٹا باب: مجلاتی صحافت کی ترتیب وپیشکش

رسائل اپنی نوعیت واشاعت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا حجم اور اثر یکساں نہیں ہوتا اور نہ ہی آمدنی کے کسی بھی پیمانے سے ان کے اثرات کو تولا جاسکتا ہے۔

کسی بھی معیاری رسالے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ قاری کے فکرو ذہن پر اثر انداز ہو۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ رائے ساز رسالوں کو سرکاری حکام، معلمین اور قومی معاملات پر اثر انداز ہونے والا طبقہ پڑھتا ہے جبکہ عوام الناس کی دل چسپی سماجی نوعیت کے رسالوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ رسالے نئے رجحانات پیدا کرتے ہیں۔ پیش نامے (Agendas) ترتیب دیتے ہیں۔ اطلاعات پہنچانے کا کام کرتے ہیں تقابلی جائزے لیتے ہیں۔ ٹی وی کی خبروں کی درست فہمی ممکن بناتے ہیں۔ روزمرہ کی اخباری خبروں پر جائزے وتبصرے پیش کرتے ہیں اور مستقبل کے امکانات سے آگاہ کرتے ہیں۔[1]

ایک رسالہ دوسرے رسالے سے کیسے مختلف دکھائی دے؟ رسالہ نہ صرف اپنے مشتملات بلکہ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہئے۔ کسی رسالے کا معیار اور مزاج اس کی پالیسی اور اس کے قارئین طے کرتے ہیں۔

رسائل کے معیار سے متعلق شین مظفر پوری نے لکھا ہے:

"جب ہم معیار کی بات کرتے ہیں تو اس کے دو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں یعنی صوری اور معنوی۔ معنوی سے مراد رسالے کا مواد ہے میں نے مزاج کی جو بات کی ہے اس کے مواد کا مزاج ہی مقصود ہے۔ منڈی میں رسالے کی کھپت دراصل اس کے مواد کے مزاج کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں رسالے کے قارئین کا حلقہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو تو قارئین کے ذوق اور مزاج کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے"[2]

ایک رسالے کو دوسرے رسالے سے منفرد نظر آنے میں رسائل کا موضوع بھی ایک عنصر شمار کیا جاتا ہے کسی بھی اخبار یا رسالے کی تیاری میں اہم بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ اس کی ترتیب وپیش کش کس طرح کی گئی ہیں جیسے ایک سیاسی رسالہ کسی خواتین کے رسالے سے یا ادبی رسالے سے مختلف ہوگا۔ اس کا سرورق، مشتملات اور نقطہ نظر اسے منفرد بنادیں گے۔ مگر ایک سیاسی رسالہ کسی دوسرے سیاسی رسالے سے کیوں کر مختلف ہو؟ رسالے کی پالیسی، سائز میک اپ، لے آؤٹ، ترتیب، تزئین وآرائش، تصاویر کی پیش کش، ٹائپ، کاغذ، چھپائی، یہ تمام چیزیں انہیں ایک دوسرے سے منفرد بناتی ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے اخبارات تمام ایک جیسے ہیں جن کا کام خبریں مہیا کرنا ہے۔ مگر یہ اپنی پالیسی اور مزاج کے اعتبار سے پیش کش کا انداز الگ الگ رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک جیسی خبریں ہونے کے باوجود لوگ الگ الگ قسم کا اخبار خریدتے ہیں۔ پھر صوری معیار سرکولیشن کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ بازار میں آنے والی چیز پہلے نظر کو لبھاتی ہے پھر دل کو بھاتی ہے اس لیے دل کش میک اپ اور کتابت وطباعت کی نفاست کا اہتمام بھی ضروری ہے"[3]

اخبار اگر ایک دلہن ہے تو آرٹ سیکشن اس کا بیوٹی پارلر ہوتا ہے جہاں اس کا میک اپ کیا جاتا ہے، اس کے نین نقوش سنوارنے اور خدوخال میں دلبری، دلکشی، رعنائی اور زیبائی سموئی جاتی ہے۔؎

اخبارات و رسائل کی ترتیب کا فیصلہ کرنے والے اور ان کی ترتیب و تدوین کی صورتیں طے کرنے والے چار عناصر ہیں۔

۱۔ زمان یا زمانہ

۲۔ زبان

۳۔ زمین

۴۔ ذہن یا ذہنی فضا؎

۱۔ **زمان یا زمانہ** سے مراد وہ دور ہے جس میں رسائل شائع ہو رہے ہوں۔ اس زمانے میں طریقۂ طباعت کیا ہے؟ وسائل کیا ہیں؟ لے آوٹ کیسا ہوتا ہے؟ صفحات کی تعداد کتنی ہوتی ہے۔ سرورق کس طرح چھپتے ہیں؟ رسائل کا مزاج کیسا ہے؟ کسی مشن کے تحت نکلتے ہیں یا صرف سنجیدہ مزاج لوگوں کے لیے یا صرف گلیمر کے لیے شائع ہوتے ہیں۔ تکنیکی لحاظ سے بھی طباعت میں کئی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ انیسویں صدی کے نصف اول تک پورے برصغیر کے طول و عرض میں اردو بولی اور سمجھی ضرور جاتی تھی۔ لیکن تحریری زبان اس وقت تک فارسی ہی تھی۔ نجی خط و کتابت بھی فارسی میں ہی ہوتی تھی حتیٰ کہ اردو اخبارات میں بھی اکثر خطوط فارسی زبان میں ہی شائع ہوتے تھے۔ سرکاری زبان بھی فارسی ہی تھی۔ ایک اور سبب یہ تھا کہ اردو میں چھپائی کا انتظام اچھا نہ تھا۔ ویسے تو نستعلیق اور نسخ دونوں ہی مستعمل تھے لیکن نسخ پڑھنے میں قارئین دشواری محسوس کرتے تھے اور نستعلیق بدوضع ہونے کے باوجود قابل قبول نہیں تھا۔ ۱۸۳۶ء میں لیتھو طباعت کا رواج ہوا جس کی وجہ سے اردو کو بدوضع ٹائپ سے نجات مل گئی۔؁

۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی جرائدی صحافت کا جائزہ لیا جائے تو اس دور میں بھی طباعت اور اخبارات کی صورت آرائی میں بہت اچھے تجربات ہوئے۔ طباعت کے اعتبار سے "الہلال" اور "ریاست" مثالی رسائل تھے۔ نسخ اردو ٹائپ اس دور میں بھی کوشش بسیار کے باوجود رواج نہ پا سکی۔ ؎

قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصے تک طباعت کے لیے بہت معمولی مشینیں موجود تھیں جن میں تین ہزار صفحات فی گھنٹہ سے زیادہ چھاپنے کی استطاعت موجود نہیں تھی لیکن جوں جوں اخبار کی مانگ میں اضافہ ہوا اور زیادہ اشاعت کی طرف پیش قدمی ہوئی بہتر مشینیں لگائی جانے لگیں۔ اس میں سب سے پہلے روزنامہ امروز لاہور اور روزنامہ جنگ کراچی نے روٹری مشینیں نصب کیں۔ جس سے ہم رنگی طباعت میں آسانیاں پیدا ہوئیں یعنی اخبارات و رسائل بیک وقت تین رنگوں میں چھاپے جاسکتے تھے۔ اس سے قبل لیتھو میں خبریں، مضامین اور تصاویر دو دفعہ علیحدہ علیحدہ چھاپنے پڑتے تھے۔ آفسٹ روٹری مشین نے اس مشکل کو ختم کر دیا اور ہر طرح کا تحریری مواد اور تصاویر چھپنے لگیں۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان کے تمام بڑے

اخبارات وجرائد آفسٹ کی روٹری مشین میں چھپ رہے تھے۔ جس میں تصویروں اور مختلف رنگوں کی آمیزش سے رسالوں کی حسن وآرائش میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا جو قارئین کی توجہ حاصل کرنے کا بنیادی ذریعہ بنے۔ ۸

ہر زمانے میں تکنیک اپنے اندر سہولیات رکھتی ہے مگر بدلتے وقتوں کے تقاضوں کو اخبارات ورسائل کے تکنیکی مجلے بھی آہستہ آہستہ قبول کیا۔ "ابتداء میں جب طباعت لیتھو سے آفسٹ پر منتقل ہوئی تو خوش نویسوں سے لکھا نہیں گیا۔ انہوں نے اس پر بڑی مزاحمت بھی کی مگر اب حالات تبدیل ہو رہے تھے ایسے خوشنویسوں کا قبیلہ بڑھ رہا تھا جو پرنٹنگ میں جدید طریقوں کو دیکھتے ہوئے فن کتابت میں ترویج وترقی کا خواہاں تھا۔ لیتھو پرنٹنگ کا عمل سستا اور سست تھا جبکہ آفسٹ اس مقابلے میں تیز اور مہنگا تھا مگر ساتھ ہی اس سے پرنٹنگ صاف اور زیادہ ستھری ہوتی تھی اور یہی اس کی کامیابی کی دلیل تھی۔ آج کتابت آفسٹ میں ہی ہوتی ہے۔ پیلا کاغذ جو کبھی کاتبوں کی زندگی کا جزو تھا اب ایسا عنقا ہوا ہے کہ بھولے سے بھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔ ۹

چھپائی کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ کتابت سے کمپوزنگ تک کا سفر بھی کس طرح مختلف زمانوں سے ہوتا ہوا آگے بڑھا ہے۔

یہ گزرے وقتوں کی باتیں ہیں جب کمپیوٹر نہیں تھا۔ نوری نستعلیق کے موجد احمد مرزا جمیل اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں تھے۔ اخبارات کے دفاتر میں ایک شعبۂ کتابت ہوتا تھا بلکہ یہی ایک ستون تھا جس پر لکھنے والوں کے خیالات کی عمارت کھڑی ہوتی تھی یہ خطاطوں کی دنیا تھی بلکہ ان کے حسن تحریر کو نام دینے کے لیے خود نویسی زیادہ مناسب لفظ ہے۔ ۱۰

۲۔ زبان:۔

رسالے کو ترتیب دیتے وقت اس بات کا بھی دھیان رکھا جاتا ہے کہ اس میں شامل مواد اپنی پیش کش اور لب ولہجے کے لحاظ سے کس نوعیت کا ہوگا۔ اس میں ہنگامہ خیزی، اشتعال انگیزی، عریانیت یا کون سا عنصر غالب گا۔ ابتدائی رسائل کا جائزہ لیں تو اردو اور فارسی کی آمیزش غلط نظر آتی تھی۔ مالکان کی پالیسی اور ذہن بھی زبان کے مزاج کے انتخاب میں اہمیت رکھتا ہے۔ ایک رسالے میں اداریہ، مضامین، تبصرے، کہانیاں، شاعری، کالم سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ سنجیدہ مزاج رسائل کی ترتیب سادہ اور باوقار نظر آتی ہے جبکہ عوام پسند رسائل میں بڑی جلی حروف میں سرخیاں، رنگوں کی بھرمار، بڑے سائز کی تصویر، تصاویر کی بھرمار سب کچھ نظر آتا ہے۔ آج کل کے رسائل میں اردو میں انگریزی کی آمیزش کا رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اردو رسائل کے نام انگریزی میں رکھے جا رہے ہیں۔ آج زبان کی تعلیم وتربیت رسائل کے لیے اہم نہیں ہے۔ یعنی آج نہ کوئی مشن سامنے ہے اور نہ ہی قارئین کی تعلیم وتربیت کرنے میں کسی کو دلچسپی ہے ایک کاروبار ہے جو جاری ہے۔

مشہور خطاط "عبدالرشید شاہد" اس ضمن میں کہتے ہیں:

"ویسے تو ہر ادارہ چاہتا ہے کہ ہمارا پرچہ زیادہ سے زیادہ بکے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس چیز پر توجہ دی کہ اگر خواتین کا رسالہ ہے تو اسے خواتین کا رسالہ ہی رہنے دینا چاہئے۔ اس کا لے آؤٹ بھی ویسا ہی ہو۔ ہمارے یہاں تو اب ہر چیز آپس میں ضم ہوگئی ہے"

۱۹۶۳ء سے ۱۹۸۰ء تک ہمارے یہاں تمام اخبارات و رسائل ایسے تھے جن میں تصاویر کا دھیان رکھا جاتا تھا۔ اخبارات و رسائل میں ایک شعبہ تصویروں کی ادارت کا ہوتا تھا۔ جس پر آج کل توجہ نہیں دی جاتی کوئی حادثہ ہو سب سے پہلے خون آلود تصاویر چھاپی جاتی ہیں۔ رسائل کے سرورق پر ایسی تصاویر نمایاں کر کے شائع کی جاتی ہیں۔ یہ نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے تو سیاہ و سفید میں چیزیں چھپ جاتی تھیں۔ مگر اب چار رنگوں میں تو چیزیں ویسی ہی نظر آئیں گی جیسی ہیں خون ہے تو اتنا ہی بھیانک لگے گا۔ اس وجہ سے معاشرے میں بے حسی پھیل گئی ہے اب رسائل میں زیادہ چیزیں شو بزنس اور ماڈلنگ کی دکھائی جارہی ہیں۔ اب سرورق پر جب تک بے حیائی سے مزین تصاویر نہ چھاپیں تو بات نہیں بنتی۔ پہلے کے پرچے بھی تھے، اخبار خواتین کی تعداد اشاعت ایک لاکھ تک گئی تھی۔ اس میں تو کچھ بھی عریاں شائع نہیں ہوتا تھا۔ جب تک اسکیچ لگتے رہے پرچے کی انفرادیت قائم رہی چاہے وہ قیام پاکستان سے پہلے کا زمانہ ہو یا بعد کا۔ ایک اسٹال پر پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ رسالہ شمع ہے کہ نہیں سامنے الگ ہی پہچانا جاتا تھا۔ ۱۱

ابتدائی دور میں صفحات کی ترتیب کچھ اس طرح وضع کی جاتی تھی کہ مواد اس ترتیب سے شائع کیا جائے کہ پڑھنے والا اپنے ذوق اور انتخاب کے مطابق جس صفحے کو پڑھنا چاہے اس کو منتخب کرے۔ "الہلال"، "ہمدرد" اور "خلافت" کے دور اول کی فائل دیکھیں تو وہ "فوائد الناظرین" اور "محب ہند" کی ترتیب سے بہت کم مختلف نظر آئے گا۔

لیکن رفتہ رفتہ تناسب بدلا اور صحافت میں سرمائے کی بالا دستی ہوگئی۔ اب رسائل ان ایڈیٹروں کے ہاتھوں میں نہیں رہے۔ ان پر سرمائے کی پرچھائیں گہری ہوتی گئی۔ اصل مدیروں کی جگہ مینجنگ ایڈیٹروں کا اثر و رسوخ بڑھتے بڑھتے پورے صحافتی افق پر چھا گیا تو رسائل کی ترتیب پر بھی اس کا اثر پڑنا لازم تھا۔ ۱۲

اخبارات و جرائد کی موجودہ صورت حال کے بارے میں فرہاد زیدی کا کہنا ہے کہ:

"یہ شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کرنے والا کام ہے۔ رسائل کی اشاعت جتنی زیادہ ہوگی۔ وہ اتنے ہی زیادہ دیر تک زندہ رہیں گے اب لوگوں کی توجہ ٹی وی کی جانب ہے۔ اس سے مطبوعہ صحافت مار کھا رہی ہے۔ پہلے جرائد میں رنگوں کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اب جرائد کو مختلف رنگوں کا استعمال ہوا تو ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اس ضمن میں "دھنک" رسالے نے رنگوں میں کافی تجربات کیے ہیں جس کی بناء پر یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ نظریاتی جرائد کا ایک اہم کردار ہونا چاہئے جواب نظر نہیں آتا۔ "تکبیر" اور "لیل و نہار" نظریاتی مجلوں کی بہترین مثالیں ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ختم ہوتی جارہی ہیں۔" ۱۳

رسالوں کی زبان، لے آؤٹ اور طباعت کے بارے میں مسرت جبیں نے جو سینئر صحافی ہیں۔اس طرح اظہار خیال کیا:

"۱۹۶۰ء کے اوائل میں رنگوں اور ان کے حساب سے منفرد لے آؤٹ کو " کوہستان "اور مشرق اخبار نے متعارف کروایا۔اس زمانے میں صحافتی حلقوں میں مذاق اڑایا گیا کہ اخبار نے سرخی پاوڈر لگالیا ہے مگر بعد میں سب نے اس روش کو اپنایا۔اب رسائل میں پیراگراف کا رواج ختم ہوگیا ہے۔صرف اچھا کاغذ، بہترین چھپائی ضروری نہیں ہوتی بلکہ معیاری مواد اور اس کی پیش کش بھی قارئین کے ذوق اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔"۱۴

رسائل نیوز پرنٹ پر بھی چھپ رہے ہیں۔آرٹ پیپر پر بھی اور سفید اور بھورے کاغذ پر بھی۔اچھا اور مہنگا کاغذ استعمال کرنے والے رسائل کی قیمتیں زیادہ ہیں۔آج کل مشتملات سے زیادہ توجہ معیاری اور خوب صورت کاغذ اور بہترین رنگین چھپائی پر دی جاتی ہے۔

کاغذ کے استعمال کے تکنیکی پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے عبدالرشید شاہد نے کہا:

"نوجوان طبقہ رسائل وجرائد یا کتابوں میں سفید رنگ کے کاغذ کو پسند کرتا ہے چالیس سال سے زائد عمر کے لوگ ہلکا بھوار رنگ کا کاغذ پسند کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید رنگ آنکھوں میں چمک بن کر لگتا ہے جبکہ ہلکا بھورا رنگ آنکھوں کو ٹھنڈا لگتا ہے۔چونکہ ہمارے یہاں لے آؤٹ ڈائزیننگ کی کوئی باقاعدہ تربیت نہیں ہوتی کوئی کورس نہیں کروائے جاتے اس لئے کوئی نہیں جانتا کہ کس عمر کے لوگوں کے لیے کس طرح کا کاغذ استعمال کرنا چاہئے۔"۱۵

بہترین طباعت اور بہترین رنگوں کی آمیزش والے آج کل چھپنے والے رسائل اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتے کہ ان میں لکھا ہوا مواد بھی اتنا ہی قیمتی اور معیاری ہے۔اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آج تمام رسائل غیر معیاری مواد چھاپ رہے ہیں مگر مطلوبہ معیار کا معیاری مواد آج کے قاری کو میسر نہیں ہے۔

رسائل میں رنگوں کے استعمال کے حوالے سے عبدالرشید شاہد نے کہا:

"بلیک اینڈ وائٹ رسالوں میں شکیل عادل زادہ کا "سب رنگ" وہ واحد رسالہ ہے جس نے رسالوں کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔وہ بلیک اینڈ وائٹ رنگ میں کالے رنگ کی ٹون اس انداز میں رکھتے تھے کہ وہ الگ رنگ لگتا تھا۔سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ابتداء میں جب سب رنگ کی کتابت ہاتھ سے کی جاتی تھی تو کئی افراد کا لکھا گیا مواد اتنی خوبصورتی اور یکسانیت سے کتابت کیا جاتا کہ لگتا کہ ایک ہی فرد نے تمام مواد لکھا ہے"۱۶

۳۔ زمین:۔

زمین سے یہ مراد ہے کہ رسالہ کس ملک سے تعلق رکھتا ہے؟ کس سرزمین سے اور کس خطے سے نکل رہا ہے۔اور یہ کس خطے کے لوگوں میں اپنا اثر رکھتا ہے یا رکھنا چاہتے ہیں۔اس سے بھی ترتیب متاثر ہوتی ہے۔حتیٰ کہ مختلف شہروں سے نکلنے والے رسائل کے لے آؤٹ اور ترتیب میں بھی واضح فرق نظر آتا ہے۔اسی طرح مختلف زبانوں میں نکلنے والے رسائل

کے درمیان میں بھی لے آوٹ کا فرق نمایاں نظر آئے گا۔رسائل کا سائز، کمپوزنگ کا پوائنٹ، حروف کا سائز، کالم کی تعداد، رنگین یا بلیک اینڈ وائٹ صفحات ۔ یہ تمام چیزیں کسی رسالے کا تعارف ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ رسالے کا موضوع بھی اس کی ترتیب کو متعین کرتا ہے۔ جیسے اخبار جہاں، اخبار خواتین، فیملی میگزین، اور غازی کو ایک میز پر رکھیں اور ان کی لوحیں چھپالیں اگر آپ ان رسائل کے مستقل قاری ہیں تو آپ ان کے درمیان فرق کو جان جائیں گے۔اس طرح بھارت سے شائع ہونے والے رسالے اور پاکستان سے شائع ہونے والے رسائل میں واضح فرق نظر آتا ہے۔کاغذ کا انتخاب، طباعت اور لے آوٹ سب میں فرق پایا جاتا ہے۔

۴۔ ذہنی فضا۔ذہن:۔

یعنی لوگوں کا ذہن بنانے والے کون لوگ ہیں اور جن کا ذہن بنایا جارہا ہے وہ کون لوگ ہیں۔ایڈیٹر کی شخصیت کی چھاپ رسالے پر نظر آتی ہے۔ایڈیٹر کیا چاہتا ہے۔اس کی نظر لوگوں کی تعلیم وتربیت پر ہے یا پھر وہ صرف سنسنی خیزی اور اشتعال انگیزی کو ہوا دے رہا ہے۔لیکن ہوا یہ کہ سیاست کے نشیب وفراز اور حالات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ذہن کی تبدیلی برابر رسائل کی ترتیب پر اثر انداز ہوتی گئی کچھ رسائل اپنی روش پر قائم رہتے ہیں کچھ وقت کے ساتھ اپنی ترتیب بدلتے رہتے ہیں۔

اب پڑھنے والے پر موقوف نہیں رہا کہ وہ پہلے کیا پڑھے کیا نہ پڑھے کتنا اور کتنی توجہ سے پڑھے۔ بلکہ اب لکھنے اور چھاپنے والے پر موقوف ہے کہ وہ کیا پڑھوائے کس خبر یا خیال کو کتنی اور کیسی اہمیت دے تا کہ پڑھنے والا اسی ترتیب اور اسی تاثر کے مطابق اخبار یا رسالہ پڑھے۔

آج رسائل کے سرورق پر اشتہارات شائع ہورہے ہیں۔اشتہارات آج سب سے مقدم ہیں اشتہارات کی وجہ سے مواد کی ترتیب آگے پیچھے کر دی جاتی ہے۔اس سے صفحات کا حسن متاثر ہوتا ہے۔گویا لے آوٹ اور ڈیزائنگ کوئی چیز نہیں صرف سرمایہ جو اشتہارات کی شکل میں ہے وہ اہم ہے۔اصل مدیروں کے بجائے آج مینجنگ ایڈیٹروں کا اثر ورسوخ بڑھتے بڑھتے پورے رسالے کی ترتیب پر اثر انداز ہونے لگا ہے۔

تصویری صحافت:۔

جدید صحافت مصور صحافت ہے۔ کیوں کہ آج تصاویر کے ذریعے واقعات کی عکاسی کچھ اس طرح کی جاتی ہے جو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔آج کے دور میں تصویری صحافت ابلاغ کا فرض انجام دے رہی ہے۔آج کوئی بھی اخبار یا رسالہ تصویروں سے عاری نہیں ہے۔مختلف واقعات، شخصیات یا حادثات کی تصویریں ہی رسائل کی زینت نہیں بنتیں بلکہ فیشن فوٹوگرافی اور ماڈلنگ رسائل کا لازمی جزو بن گئی ہے۔اس طرح فلمی ستاروں، کھلاڑیوں، سیاست دانوں، غرض ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی ممتاز ومقبول شخصیات کی تصاویر رسائل کے سرورق اور اندرونی صفحات پر جگمگاتی نظر آتی ہیں۔پھر اشتہارات میں شائع ہونے والی مصنوعات اور ماڈلز کی تصاویر بھی ایک پوری صنعت بن چکی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں "بنگال گزٹ" نے جب پہلا کارٹون شائع کیا تو یہ کارٹون بنگال گزٹ کے ایڈیٹر جیمس آگسٹس نے اپنے ایک مخالف تاجر سائمن ڈوز کی تحقیر کے لیے شائع کیا تھا۔ کیمرے کی ایجاد سے پہلے اخبارات ولکڑی کے بلاکوں کے ذریعے مصوروں کی بنائی ہوئی تصاویر شائع کی جاتی تھیں۔ اردو اخبارات سے قبل انگریزی اخبارات میں بھی تصویریں شائع ہوتی تھی۔ اردو اخبارات میں تصاویر کی اشاعت کا آغاز ۱۹۵۳ء میں آفسٹ طریقہ طباعت کے رائج ہونے کے بعد ہوا۔ تاہم آج کے مقابلے میں اس وقت تصاویر کم تعداد میں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۷

ڈاکٹر عبدالرشید خورشید کہتے ہیں:

"یوں تو پچھلی صدی میں اکادکا اخبار تصویریں دیتا تھا لیکن تصویری صحافت کا حقیقی آغاز اس صدی میں ہوا۔ برعظیم کی اردو صحافت میں تصویروں کا آغاہفت روزہ "الہلال" سے ہوا۔ لیکن جب وہ بند ہوا تو تصویری صحافت کی بساط الٹ گئی۔ ۱۸

بقول مہدی حسن:

"صحافت میں تصویر کاری کا عمل مختلف ادوار سے گزر کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ پوری صحافت میں یہ عمل بہت پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن برصغیر کی صحافت میں اس نے انیسویں صدی میں فروغ پایا۔ بیسویں صدی میں طباعت کے طریق کار کی عہد آفریں تبدیلی نے تصویر کاری کے امکان کو اور بھی روشن کر دیا۔ چناں نچہ جب لیتھو کی بجائے آفسٹ کے ذریعے چھپائی ہونے لگی تو اردو صحافت میں بھی دیدہ زیب تصویریں شائع ہونے لگیں۔ اب تو اخبار کا قاری بھی تصاویر کے ابلاغیاتی سحر کی گرفت میں آچکا ہے۔ ۱۹

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اور صحافت کی تاریخ کے دیگر محققین نے مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" کو اردو کا پہلا باتصویر سیاسی جریدہ قرار دیا۔ جب ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ترکی پر یورپی اقوام کی یلغار اس طرح ہوئی۔ برصغیر کے ہندو اور مسلمان دونوں ہی تحریک خلافت ترکیہ کے حامی تھے۔ ان دنوں "الہلال" محاذ جنگ کی تصاویر بڑی باقاعدگی سے شائع کرتا تھا۔ ۲۰

مشہور تصویری صحافی مرزا خورشید مسعود اس حوالے سے کہتے ہیں:

"۱۸۳۰ء میں Eastmamkodak نے کیمرہ ایجاد کیا۔ اس زمانے میں شیشے پر فلم کا پرنٹ لیتے تھے۔ مختلف سائز کے پرنٹ کے لیے مختلف شیشے ہوتے تھے۔ اس وقت تک فوٹو گرافک پیپر نہیں آیا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں فوٹو گرافی کو باقاعدہ ایک پیشے کے طور پر منوایا گیا"۔ ۲۱

پچھلی صدی کی چھٹی دہائی میں اخبارات کے درمیان تصاویر کے سلسلے میں مقابلے کی فضا پیدا ہوئی۔ امروز، کوہستان، نوائے وقت، جنگ، سب نے اخبار میں تصاویر کی تعداد بڑھادی۔ رسائل بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہے۔ ہر تقریب جلسے، جلوس، علمی و ادبی اور ثقافتی تقریبات، سیاسی اجتماعات، فنکاروں کی آمد، ملاقات وغیرہ تمام شامل اشاعت کی جاتیں تھی تصاویر کو رسائل کی آرسائش کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں مرزا خورشید مسعود کا کہنا ہے کہ:

"قیام پاکستان کے بعد کی بات کریں تو ۱۹۵۶ء میں رنگین تصویروں کی طباعت شروع ہوگئی تھی مگر سائز کی قید تھی۔ تصویر ایک پوسٹ کارڈ سے بڑی نہیں چھپ سکتی تھی۔ پھر ۱۹۶۵ء میں اگفا اور کوڈک والوں نے کیمیکل کا عمل شروع کروایا جس میں تین مہینے کا دورانیہ کم ہوکر ساڑے تین گھنٹے کا ہوگیا اور پھر آخر میں ۲۰۰۳ء میں ڈیجیٹل سسٹم متعارف کروایا۔" ۲۲

اخبار خواتین کی سابقہ مدیرہ شمیم اختر کہتی ہیں:

"جرائد و رسائل میں تصویروں کا ایک اہم کردار ہے تصویروں کے بغیر رسالے میں وہ رنگ اور انفرادیت ہی نہیں آتی جو ایک رسالے کا خاصہ ہے۔ رسالوں میں عریاں تصاویر اور فحش مواد کے چھپنے کی وجہ سے بھی ان کی شہرت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ جب تک میں اخبار خواتین میں رہی میں نے اس رسالے میں کوئی عریاں یا فحش تصویر بالکل نہیں چھپنے دی" ۲۳

عبدالرشید شاہد کے مطابق:

"اخبار خواتین میں اگرچہ خواتین کی تصاویر شایع ہوتی تھیں لیکن ان میں فحاشی، عریانی یا لچر پن کا شائبہ تک نہ ہوتا"۔ ۲۴

ولزے اور کیمبل کے بقول "میک اپ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ایڈیٹر کبھی مکمل طور پر حل نہیں کرسکتے۔ چنانچہ ان کے لیے یہ ایک مسئلہ بھی ہے اور چیلنج بھی۔ مستعد ایڈیٹر ہمیشہ زیادہ پرکشش اور بہتر میک اپ کی منصوبہ بندی کرتا رہتا ہے۔ یعنی اپنے اخبار یا رسالے کے میک اپ کے معروف و مسلمہ انداز کے خصائص کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مزید جاذب نظر بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ایڈیٹر کو میک اپ کے ایک ہی قسم کے انداز کو بدلتے رہنے کی مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہے۔

میک اپ خواہ اخبار کا ہو نا رسالے کا اخبار یا رسالہ عمدہ کاغذ پر چھپتا ہو یا گھٹیا کاغذ پر طریق طباعت بہتر اور ترقی یافتہ ہو یا غیر ترقی یافتہ صفحات کم ہوں یا زیادہ ان کا سائز چھوٹا ہو یا بڑا ان میں سے کوئی بھی بات میک اپ کی ضرورت و اہمیت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ درست ہے کہ اچھا کاغذ استعمال ہونے سے طباعت خوبصورت ہو جائے گی یا بہتر طریق طباعت سے خوب صورتی بڑھ جائے گی لیکن ان تمام امور سے قطع نظر میک اپ کو اپنی جگہ پرکشش اور جاذب نظر بنا کی ضرورت برقرار رہتی ہے کیونکہ میک اپ یعنی دینی خبروں، فیچروں، تصویروں، اشتہاروں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو صفحات پر بہتر انداز سے ترتیب دینے کا نام ہے کہ وہ خوبصورت بھی معلوم ہو اور آسانی سے پڑھی یا دیکھی بھی جاسکیں۔ میک اپ اخبار کا ہو یا رسالے کا اس میں صفحے کے کالموں کی تعداد بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ ہر صفحے پر شائع ہونے والے مواد کا ہر جزو کالم کے پیمانے ہی سے ناپا جاتا ہے اور یہی پیمانہ میک اپ میں کام دیتا ہے۔ ۲۵

الغرض آج شائع ہونے والے رسائل خواہ وہ کسی بھی صنف سے تعلق رکھتے ہوں صوری اعتبار سے خوبصورت اور دیدہ زیب دکھائی دیتے ہیں۔ تکنیکی ترقی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل ہم اس کی مزید خوبصورت اشکال دیکھیں گے۔ اس خوبصورتی اور رعنائی سے لطف اندوز ہونے میں کمپوزنگ، طباعت اور تصاویر پر تینوں برابر کے حق دار ہیں جن کے مرہون منت ہی صحافتی دنیا میں تبدیلیوں کے در وا ہوئے اور رسائل موجودہ خوبصورت شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ؛"تعارف ابلاغ عامہ"؛ صیغۂ مطبوعاتی ابلاغ، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۰۰ء؛ص ص:۱۴۹۔۱۴۸

۲۔ عابد سہیل؛ "اردو کے ادبی رسالوں کے مسائل"؛ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو؛ سال اشاعت: ۱۹۸۱ء؛ ص:۶۱

۳۔ ایضاً

۴۔ عبدالرشید شاہد؛" خطاطی کا شاہجہاں"؛ فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی؛ سال اشاعت: ۲۰۱۱ء؛ص:۴۹

۵۔ پروفیسر محمد یعقوب، محمد اسلم، محمد اظہر، محمد احمد؛"صحافت"؛ عبداللہ برادرز، اردو بازار، لاہور؛ص:۳۰۷

۶۔ مرتضیٰ؛ محولہ بالا؛ ص ص:۱۵۲۔۱۵۱

۷۔ ایضاً؛ص:۱۶۱

۸۔ روشن آراء راؤ؛" مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل" ؛ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد؛ سال اشاعت: ۱۹۸۹ء؛ ص ص:۲۳۹۔۲۳۸

۹۔ شاہد؛ محولہ بالا؛ ص ص:۷۱۔۷۰

۱۰۔ ایضاً؛ ص:۴۱

۱۱۔ عبدالرشید شاہد سے بالمشافہ ملاقات / غیر مطبوعہ انٹرویو

۱۲۔ یعقوب، اسلم، اظہر، احمد؛ محولہ بالا؛ ص:۱۳

۱۳۔ فرہاد زیدی سے بالمشافہ ملاقات

۱۴۔ مسرت جبیں سے بالمشافہ ملاقات

۱۵۔ عبدالرشید شاہد سے بالمشافہ ملاقات

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ یعقوب، اسلم، اظہر، احمد؛ محولہ بالا؛ ص:۵۱۵

۱۸۔ عبدالسلام خورشید، "فن صحافت"؛ مکتبۂ کارواں، کچہری روڈ، لاہور؛ ص:۱۹۶

۱۹۔ یعقوب، اسلم، اظہر، احمد؛ محولہ بالا؛ ص:۵۱۶

۲۰۔ ایضاً؛ ص:۵۱۹

۲۱۔ مرزا خورشید مسعود سے بالمشافہ ملاقات

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ شمیم اختر سے بالمشافہ ملاقات

۲۴۔ شاہد؛ محولہ بالا؛ ص:۱۶۳

۲۵۔ مسکین علی حجازی؛ "فن ادارت"؛ اردو سائنس بورڈ، لاہور؛ سال اشاعت: ۲۰۰۵ء؛ ص:۱۶۹

ساتواں باب:۔ مجلاتی صحافت کے مسائل وامکانات

ہمارا معاشرہ بے شمار سنگین مسائل کا شکار ہے۔ مسائل کی کوئی فہرست مرتب کرنا یہاں اس لیے سودمند نہیں کہ ہمارے یہاں تقریباً ہر اہم مسئلہ موجود ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو مسائل کا شکار نہ ہو۔ البتہ اہمیت کے اعتبار سے ہم مسائل کی درجہ بندی ضرور کر سکتے ہیں۔[1]

مجلاتی صحافت بھی ہر دور میں بے شمار مشکلات و مسائل میں گھری رہی ہے۔ مجلاتی صحافت علم صحافت کا ایک شعبہ ہے، لیکن اس کے اثرات اور مسائل کا جائزہ لیا جائے تو پوری معاشرتی زندگی میں اس کی جڑیں پھیلی ہوئی نظر آئیں گی۔ جتنے عوامل اور مسائل معاشرتی زندگی میں موجود ہیں، وہ تمام مجلاتی صحافت میں واضح اور غیر واضح کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن مسائل کی اصل بنیادوں پر اتنے دبیز پردے پڑے ہیں کہ عام حالات میں ان کی تحقیق ہی ممکن نہیں رہتی کیونکہ اجتماعی اور انفرادی سطح پر جو کچھ محسوس کیا جاتا ہے، مصلحتوں میں چھپا رہتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں سے گریز اور فرار اور دوسروں کو موردالزام ٹھہرانا، ایسا اخلاقی جرم ہے، جسے جرم کا نام بھی نہیں دیا جاتا۔ ان حالات میں کسی مسئلے کے اصل محرکات کی دریافت اور غیر جانبدارانہ تجزیہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔[2]

مجلاتی صحافت حالات و واقعات اور نظریات کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلو پیش کرتی ہے۔ سوچ کے خوبصورت دھاروں کو خوبصورت لفظوں میں ڈھال کر مجلات کی زینت بنا دیا جاتا ہے۔ وہ کبھی نثری شہہ پاروں کا روپ دھار لیتے ہیں اور کبھی نظم کے پیرائے میں ڈھل کر ماضی، حال اور مستقبل کو سمیٹ لیتے ہیں۔ جریدہ یا رسالہ قارئین کی تربیت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، واقعات کے پس منظر اور پیش منظر سے بھی آشنا کرتا ہے۔ تفریح فراہم کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے، کیونکہ ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا ماہوار رسالوں کے پاس حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے اور ان کے اثرات کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے وقت بھی ہوتا ہے، پیرایہ بیان بھی اور اسلوب بھی۔[3] لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان تمام خصوصیات کے باوجود ایک مجلے یا رسالے کو اپنی بقاء واستحکام کی جنگ لڑنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

مجلاتی صحافت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ معاشرتی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق جرائد و رسائل موجود ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک ان کے موضوعات کا دائرہ کار محدود تھا، لیکن رفتہ رفتہ معاشرتی زندگی کے شعور نے رسائل کے موضوعات کا دامن وسیع تر کر دیا ہے اور اب پاکستان میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق رسالے موجود ہیں۔[4] اور اسی مناسبت سے مسائل کا انبار بھی۔

مجلات کی بنیاد میں کردار ادا کرنے والے عوامل:۔

مجلات کی بنیاد جن عوامل پر ہے۔ان کی ترتیب کچھ یوں ہوسکتی ہے۔

۱۔ قوانین صحافت میں اجرائے مجلہ کی گنجائش ہو۔

۲۔ چھاپے خانے ہوں۔

۳۔ خاص مقصد کا تعین

۴۔ سرمایہ

۵۔ کارکن

۶۔ قلم کار

۷۔ قارئین

۸۔ کاغذ، سامان کتابت، طباعت

۹۔ جدید مشینری و پرزہ جات

۱۰۔ مواد کی فراہمی

۱۱ مواد کی ترتیب و تدوین کا جدید طریق کار

۱۲۔ تزئین و آرائش

۱۳۔ فوٹو گرافی کا سامان

۱۴۔ مالک، مدیر، کارکنوں اور قلم کاروں کے درمیان خوش گوار رابطہ

۱۵۔ قارئین سے رابطہ

۱۶۔ قارئین کی ضرورت، معیار اور رائے کے مطابق مواد موضوعات میں تبدیلی کی گنجائش

۱۷۔ مجلات کی ترسیل کے ذریعے

۱۸۔ اشتہارات کی فراہمی میں سہولتیں

ان عوامل کی بازیابی اور بہتری سے مجلّاتی صحافت جامع، پر اثر، باوقار، معاشرتی زندگی کی عکاس، ترجمان اور نمائندہ بن سکتی ہے اور ان کی کمی اور ان کی فراہمی میں رکاوٹوں سے ادارتی و دیگر مسائل جنم لیتے ہیں۔ جن سے مجلّات کے اجراء میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، مجلّات فرائض کی ادائیگی سے قاصر رہتے ہیں اور ان کا دائرہ کار محدود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اشاعتیں منسوخ و معطل ہونے لگتی ہیں اور اس خلا کو پر کرنے کے لیے غیر معیاری مجلّات میدان عمل میں اتر آتے ہیں۔۵

مختلف ادوار میں پاکستان میں مجلّاتی صحافت کے مسائل و امکانات:۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو تقسیم ہند کے بعد آبادی کی منتقلی سے نئے حالات اور نئے مسائل نے جنم لیا۔ پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقوں میں کاروبار پر ہندو قابض تھے، ان کی منتقلی سے کاروبار درہم برہم ہوئے، کیوں کہ سرمایہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا، چنانچہ کاروبار اور سرمایہ ہندوؤں کے ساتھ بھارت منتقل ہو گیا۔ پاکستان آنے والے مہاجرین محرومیوں کی طویل داستان لے کر آئے۔ منتقلی اور محرومیوں سے نوزائیدہ ملک کا ہر شعبہ بے بنیاد نظر آ رہا تھا۔۶

اس وقت یہاں صحافت کی عمر سوا سو سال کے قریب ہو چکی تھی۔ بحیثیت مجموعی برصغیر کی صحافت تین حصوں میں تقسیم رہی:

۱۔ اینگلو انڈین صحافت، جو انگریزی اخبارات و جرائد پر مشتمل تھی اور حکومت کے مفادات کا تحفظ کرتی تھی۔

۲۔ غیر مسلم صحافت جس پر اصل میں ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ یہ انگریزی، بنگالی، ہندی، اردو اور دوسری زبانوں کے بعض اخبارات و جرائد پر مشتمل تھی اور اس کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔

۳۔ مسلم صحافت جو زیادہ تر اردو اخبارات و جرائد پر مشتمل تھی۔ اینگلو انڈین اور غیر مسلم صحافت کے مقابلے میں یہ خاصی کمزور تھی۔ مسلمانوں کے پاس مالی وسائل کم تھے، وہ تعلیمی لحاظ سے بھی پسماندہ تھے۔ ان کے اخبارات و جرائد کا تناسب پندرہ بیس فیصد رہا لیکن اس میں سے بھی زیادہ تر بے حد کمزور اور محدود حلقہ ہائے اثر رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان سیاسیات، اقتصادیات اور تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے تھے۔۷

مجلّاتی صحافت بھی ان اثرات کی لپیٹ میں آ کر ہچکولے کھانے لگی۔ بہت سے اہم مجلّات جو ہندو سرمائے پر جاری تھے، بھارت منتقل ہو گئے اور جو باقی رہے وہ حالات کی کشمکش اور انتشار سے محفوظ نہ رہے۔ کچھ اہم مجلّات مہاجرین کے ساتھ ویسی ہی کسمپرسی کی داستان لیے اس سرزمین میں داخل ہوئے۔ دوبارہ اجراء کے لیے بھی بہت سی نئی مشکلات درپیش ہوئیں، جن میں مشینری اور کاغذ کی فراہمی پہلی مشکل تھی۔ قارئین کی تبدیلی سے رسالوں کی اشاعتیں متزلزل ہوئیں۔ نئ

حکومت کو استحکام کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ ان مسائل پر حکومت کی فوری گرفت ممکن نہ رہی۔ کیونکہ مہاجرین کی آبادکاری اور ملکی استحکام، ایسے مسائل تھے۔ جن میں حکومت پاکستان الجھ کر رہ گئی تھی۔ مجلاتی صحافت کو ابھرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت تھی، جس کو معاشی استحکام اور حکومت کی خصوصی توجہ سے پورا کیا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سرمائے کی کمی اور بنیادی لوازمات کے فقدان سے مجلات کی اشاعتیں محدود ہونے لگیں۔[۸]

پاکستان میں مجلاتی صحافت کو ادارتی مسائل کے اعتبار سے مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہلا دور: قیام پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک

۲۔ دوسرا دور: ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک

۳۔ تیسرا دور: ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک

۴۔ چوتھا دور: ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک

۵۔ پانچواں دور: ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۹ء تک

۶۔ چھٹا دور: ۱۹۹۹ء سے تا حال

۱۔ **پہلا دور: قیام پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک:**

اس دور کا آغاز قیام پاکستان (اگست ۱۹۴۷ء) سے ہوا، جب کچھ مجلات مہاجرین کے ساتھ بھارت سے پاکستان منتقل ہوئے۔ مہاجرین کو جن مشکلات کا سامنا ہوا، کچھ ایسی ہی مشکلات مہاجر مجلات کو بھی درپیش آئیں۔ پاکستان نوزائیدہ ملک تھا اور حکومت بھی مستحکم نہ تھی، یوں کسمپرسی میں پہنچنے والے مجلات کا سہارا بن سکتی۔ ملک میں صرف چند چھاپہ خانے کام کرر ہے تھے اس لئے طباعت کا بھی معقول انتظام نہ تھا۔ دوسرا پاکستان میں وہی صحافتی قوانین نافذ کردیئے گئے جو برطانوی سامراج کی پیداوار تھے، چنانچہ پاکستان میں مجلاتی صحافت کا آغاز پابندیوں کے سائے میں ہوا۔ پنجاب حکومت کی جانب سے ترقی پسند جریدوں "سویرا"، "نقوش" اور "ادب لطیف" پر پابندی لگادی گئی۔ یہ صحافت کی آزادی پر پہلا حملہ تھا۔ پابندی کے اختتام پر "سویرا" کے تازہ شمارے سے چھ ہزار روپے زرضمانت طلب کیا گیا۔ اگلے شمارے کی اشاعت پر اس کے ایڈیٹر کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ ماہنامہ "جاوید" اور ہفتہ وار رسالے "قندیل" میں چند مضامین کی اشاعت پر ان کے ایڈیٹروں کو قید، جرمانے اور برطرفی جیسی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ بھی کئی رسائل و جرائد اور ان کے مدیران مختلف صحافتی قوانین کی وجہ سے زیرعتاب رہے۔ ان قوانین اور پابندیوں کی موجودگی میں صحافت کی آزادی دم توڑتی رہی اور نئے اخبارات و رسائل کے لئے ماحول سازگار نہ بن سکا۔ بھارت سے پاکستان منتقل ہونے والے مجلات کی راہ میں بھی یہ قوانین بڑی رکاوٹ بنے رہے۔ کیونکہ حکومت کی مرضی کے خلاف آزادی سے لکھنا

ممکن ہی نہ تھا، چنانچہ موضوعات کا دائرہ محدود ہونے لگا۔ معاشرتی بے چینی نے قوت خرید کو اور کم کر دیا، اشاعتیں محدود ہونے لگیں اور قارئین میں وہ ذوق وشوق باقی نہ رہا، جو تقسیم ہند سے قبل تھا۔[۱۰]

قیام پاکستان کے بعد حکومت نے اپنا ایک ماہانہ رسالہ "ماہ نو" جاری کر دیا اور حکومت کے پیش کردہ اشتہارات اس کو ملنے لگے۔ اچھے قلم کار معاوضے کی طلب میں "ماہ نو" میں شامل ہونے لگے۔ بہترین گیٹ اپ، بہتر کاغذ اور کم قیمت کی وجہ سے یہ رسالہ باقی مجلات پر بازی لینے لگا۔[۱۱]

کسمپرسی کی اِس داستان اور ادبی رسائل کی مالی مشکلات کو دہلی سے کراچی پہنچنے والے "ساقی" کے شاہد احمد دہلوی نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

"زمانے کے ساتھ قدریں بدل گئی ہیں۔ اب پہلی قدر بھی روٹی ہے اور آخری قدر بھی روٹی۔ سچ ہے روٹی کی بڑی قدر ہے۔ عوام پیٹ کی مار میں آ گئے اور حکومت کی ادبی رسائل کی طرف کوئی توجہ نہیں، بلکہ حکومت نے خود کو ایک اعلیٰ درجے کا ادبی ماہنامہ "ماہ نو" جاری کر رکھا ہے، جس میں مضامین خواہ کیسے بھی ہوتے ہیں، تصویریں چھپی ہوتی ہیں۔ کاغذ بھی عمدہ اور سفید ہوتا ہے، سائز بھی ہمارے رسالوں سے بڑا ہے اور حجم بھی زیادہ ہے۔ پھر ان سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی قیمت بھی کم۔ بھلا ہم جیسے اوچھی پونجی والے حکومت کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب ہے کہ حکومت کا ایک عظیم الشان ادارہ فرد واحد سے مسابقت کرتا ہے۔ بھلا جہاں "ماہ نو" رکھا ہوگا وہاں ہمایوں، ادبی دنیا، ادب لطیف، نقوش اور ساقی کو کون خریدے گا۔ خریدار تو سستا اور بڑا رسالہ لے گا۔ چنانچہ ہمارے سب ماہناموں کو دق ہو گئی ہے۔ اس کی ذمہ دار روٹی کی کمی اور "ماہ نو" کی زیادتی ہے"[۱۲]

قیام پاکستان کے بعد سرحدوں کی تبدیلی اور پیدا ہونے والے حالات نے مجلّاتی صحافت کو بری طرح متاثر کیا۔ مہاجر رسالے تو مسائل کا شکار ہوتے ہی پاکستانی علاقوں سے پہلے سے جاری شدہ رسائل بھی اس کی لپیٹ میں آئے۔ "نیرنگ خیال" میں کلیم محمد یوسف حسن نے لکھا ہے:

"نیرنگ خیال کو ان حالات میں قائم رکھنے اور بروقت شائع کرنے میں مجھے دو تین سو روپے اپنی آمدنی میں سے نیرنگ خیال کی بھینٹ کرنے پڑتے تھے۔ ہم اس عہد کو نیرنگ خیال کا دور ثانی کہتے تھے۔ پہلا دور جتنا درخشاں تھا، دوسرا دور اتنا ہی ضعیف اور پژمردہ تھا"[۱۳]

قیام پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک ادارتی مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ سرمائے کی کمی

۲۔ جدید مشینری کا فقدان

۳۔ کاغذ اور سامان طباعت کی کمی

۴۔ پاکستانی علاقوں میں تعلیمی معیار کی بدحالی

۵۔ محدود قارئین

۶۔ مجلّات میں نئے موضوعات کا فقدان

۷۔ ادبی اور معاشرتی موضوعات کا فقدان

۸۔ حکومت کا عدم تعاون کا رویہ

۹۔ صحافتی قوانین[۱۳]

۲۔ **دوسرا دور: ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک:۔**

اس دور کی ابتداء سیاست اور صحافت پر پابندیوں سے ہوئی۔ ۱۹۶۰ء میں بدنام زمانہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ جس کے مطابق حکومت کی باقاعدہ اجازت کے بغیر چھاپے خانے کا قیام اور جریدے کی اشاعت دونوں ہی خلاف قانون قرار دیئے گئے۔ اسی دور میں سنسر شپ کو بھی صحافتی قوانین میں شامل کیا گیا۔ جرائد و اخبارات کا مواد اشاعت سے قبل سنسر کروانا ضروری تھا۔ پریس کمیشن کا قیام بھی اسی دور میں عمل میں آیا، جس نے ۱۹۵۹ء میں تجویز پیش کی کہ اخبارات و جرائد کی اشاعت کے لیے ڈیکلریشن دینے کے لیے خاص معیار مقرر کیا جائے، جس میں ناشر کے مالی وسائل اور ایڈیٹروں کی صلاحیتوں کے بارے میں شرائط طے کی گئیں۔

صحافت کو پریس ایڈوائس کے نام پر بھی پابند کیا جانے لگا، جس میں اخبارات و جرائد میں مخصوص مواد کی اشاعت سے باز رکھنے کا اختیار حکومت کے کارکن کو دے دیا گیا۔

سرکاری اشتہارات کی فراہمی میں حکومت جانب داری سے کام لیتی رہی اور صرف ان مجلّات کو سرکاری اشتہارات دیئے جاتے جو حکومتی پالیسی سے اتفاق رکھتے یا خود حکومت کی سرپرستی میں جاری ہوئے تھے۔ حکومت سے سیاسی اختلاف رکھنے والے مجلّات سرکاری اشتہارات سے محروم رہتے، چناں چہ ان مجلّات کی اہمیت مخصوص طبقے اور مخصوص دور تک محدود رہی۔ جن میں لیل و نہار، زندگی، چٹان، الفتح، نصرت، بادبان اور اردو ڈائجسٹ شامل ہیں۔ سیاسی مجلّات کی حیثیت سے جانے جانے والے یہ مجلّات، حکومت وقت کے خلاف آواز اٹھانے اور عوام کو حکومت کی کارکردگیوں سے آشنا کرنے کا کام کرتے رہے۔ مخصوص ادوار کے بعد یہ سیاسی مجلّات بھی مالی بحران کا شکار ہوئے۔ کبھی پالیسی بدلنے پر بھی مجبور ہوئے تو قارئین میں بددلی پیدا ہوئی اور اشاعتیں محدود ہوئیں اور اپنے موقف پر قائم رہے تو قوانین کی زد میں دم توڑنے لگے۔

اس دور میں صحافت کی دنیا میں انقلاب آیا۔ آفسٹ طریق طباعت سے اخبارات کا نقشہ بدل گیا۔ روزنامہ اخبارات کے مخصوص صفحات مثلاً، بچوں کا صفحہ، خواتین کا صفحہ، کھیلوں کا صفحہ، ادبی ایڈیشن اور مختلف موقعوں پر شائع ہونے والے ضمیموں نے بھی مجلاتی صحافت کی اہمیت کو کم کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۶۴ء میں قائم ہونے والے "نیشنل پریس ٹرسٹ" کے تحت کراچی سے ہفتہ وار "اخبار خواتین" جاری ہوا، جسے اردو میں پہلا سوسائٹی میگزین کہا جا سکتا ہے، جو عام پسند متنوع موضوعات، وافر مواد اور پیش کش کے اعتبار سے جدید صحافت کا نمائندہ میگزین تھا۔ مستقل کارکنوں اور قلم کاروں کو گریڈ کے مطابق تنخواہیں اور الاؤنس دینے سے ان کی کارکردگی میں اضافہ ہوا۔ تمام سرکاری اشتہارات "اخبار خواتین" کو ملنے کے باعث دوسرے مجلات مالی بدحالی کا شکار رہے اور جدید طریق طباعت اختیار کرنے کے اہل نہ ہوئے۔

اسی دور میں ڈائجسٹ رسالوں کا آغاز ہوا۔ جن سے علمی و ادبی صحافت کی اہمیت میں مزید کمی واقع ہوئی۔ معیاری علمی و ادبی ماحول اور مذاق میں کمی کے دور کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔

کاغذ کا کوٹہ اور سامان طباعت و فوٹو گرافی کی برآمد پر حکومت کا کنٹرول رہا۔ غیر جانبدار مجلات کو کاغذ اور سامان طباعت کے حصول کی مشکلات درپیش رہیں اور یہ مجلات بدستور اقتصادی بحران کا شکار ہوتے چلے گئے۔۱۵

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ علمی و ادبی ماحول کا فقدان

۲۔ تعلیمی معیار کی کمی

۳۔ محدود قارئین

۴۔ قوانین صحافت کی پابندیاں، مثلاً پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کا نفاذ اور سنسر شپ

۵۔ حکومت اور مجلاتی ایڈیٹروں کے درمیان کشمکش

۶۔ اندرونی خلفشار اور بے چینی

۷۔ اخبارات کے مخصوص صفحات

۸۔ آفسٹ طریق طباعت کا آغاز

۹۔ سوسائٹی میگزین کا آغاز

۱۰۔ تصویری صحافت کا فروغ اور تزئین و آرائش کے مختلف طریقے

۱۱۔ ڈائجسٹ رسالوں کا آغاز

۱۲۔ سیاسی کشمکش

۱۳۔ کاغذ کے کوٹے اور سامان طباعت وفوٹوگرافی کی برآمد پر حکومتی کنٹرول

۱۴۔ غیر جانبدار رسالوں کی مالی مشکلات

۳۔ تیسرا دور: ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک:۔

اس دور میں بھی وہی صحافتی قوانین جاری رہے جو دوسرے دور میں وضع کیے گئے تھے۔عوامی شعور سے سیاسی مجلّات کی اہمیت میں اضافہ ہوا، لیکن ادبی وعلمی مجلّات بدستور بدحالی کا شکار رہے کیوں کہ ان مجلّات میں موضوعات کا تنوع نہ تھا ان مجلّات میں سیاسی موضوعات پر کم سے کم لکھا جاتا تھا، جب کہ عوام کا ذوق سیاست کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ان موضوعات کی کمی نے علمی وادبی مجلّات کی اشاعتوں کو بڑھنے نہ دیا۔

اس دور میں پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس اور پریس ٹرسٹ بدستور قائم رہا "اخبار خواتین" کی کامیابی اور مقبولیت کے پیش نظر دیگر سوسائٹی میگزین بھی جاری ہوئے ،جن میں فلمی اداکاروں، ٹیلی ویژن کے فن کاروں اور ماڈل گرلز کی دلآویز تصاویر، مختلف موضوعات پر ان کے خیالات ونظریات پیش کئے جاتے تھے۔تاہم اتنی کثرت سے جاری ہونے والے سوسائٹی میگزین زیادہ دیر تک عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے، کیوں کہ مواد میں تنوع ،موضوعات میں وسعت اور سنجیدگی کے فقدان نے انہیں جلد ہی زوال کی طرف دھکیل دیا۔ان مجلّات میں کتابت وطباعت اور کاغذ کی لاگت اتنی زیادہ تھی کہ محدود اشاعتوں سے اخراجات کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا، کیوں کہ پاکستان کوئی بہت بڑا صنعتی ملک نہیں جہاں اس قسم کے کاروبار کی گنجائش زیادہ ہو محدود قارئین اور محدود سرمایہ ہر قسم کے مجلّات کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اس دور میں بھی فلمی وادبی مجلّات بدستور زوال پذیر رہے،جن کے ادارتی مسائل پر مختلف اوقات میں قلم اٹھایا گیا۔انجمن ادبی رسائل پاکستان (رجسٹرڈ) کا جلسہ ، ۷ اگست ۱۹۷۳ء کو صدر انجمن ادبی رسائل مولانا رازق الخیری کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی۔

انجمن ادبی رسائل پاکستان کا یہ اجلاس حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

۱۔ تمام علمی وادبی اور فنی رسائل کو ملا کر بلا امتیاز نیوز پرنٹ کا حسب ضرورت کوٹہ دیا جائے۔جن ممبرز رسائل کو اب تک کوٹہ نہیں دیا گیا،اُن کا فی الفور کوٹہ منظور کیا جائے اور جن ممبر رسائل کے کوٹے میں کمی کی گئی ہے،ان کا سابقہ کوٹہ فوری طور پر بحال کیا جائے۔نیز ان تمام علمی،ادبی اور فنی رسالوں کا خصوصی اشاعتوں کے لیے خصوصی کوٹہ منظور کیا جائے تا کہ وہ زندہ رہ سکیں۔

۲۔ علمی، ادبی اور فنی رسائل کو جن کی اشاعت چار ہزار تک ہو، انہیں آڈٹ کی تمام پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۳۔ علمی، ادبی وفنی رسائل کو زیادہ سے زیادہ اشتہارات، خصوصی نرخ پر عطا کر کے علم دوستی کا ثبوت دیا جائے۔

۴۔ ملک کے تمام تعلیمی اداروں اور لائبریریوں میں علمی، ادبی اور فنی رسائل کی خریداری کے لازمی احکام جاری فرمائے جائیں اور صوبائی اور مرکزی حکومتیں ان کی سرپرستی فرما کر اچھے اور معیاری ادب کی ترویج میں مدد دیں۔

۵۔ علمی، ادبی اور فنی رسائل کے مدیران کو قومی اہمیت کی تقریبوں میں نیز بیرون ممالک جانے والے ثقافتی وفود میں مناسب نمائندگی دی جائے اور صحافیوں کی طرح انہیں بھی پریس کارڈز جاری کیے جائیں تا کہ وہ بھی ان مراعات سے فائدہ اٹھا سکیں جو صحافیوں کو حاصل ہیں۔ ۱۷

۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک کی مجلاتی صحافت کے مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ دوسرے دور کے صحافتی قوانین بدستور جاری رہے۔

۲۔ سیاسی مجلات سرگرم عمل رہے اور ان کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔

۳۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس اور پریس ٹرسٹ قائم رہے۔

۴۔ سوسائٹی میگزین اور ڈائجسٹ مجلات کے فروغ وارتقاء میں اضافہ ہوا۔

۵۔ علمی وادبی مجلات کے لیے اس دور میں گنجائش پیدا نہ ہو سکی۔

۶۔ چھاپہ خانے کے قیام اور جرائد کے اجرا کی بنیاد انھی قوانین پر رہی جو سابقہ حکومت نے وضع کیے تھے۔

۷۔ مجلات کو بدستور کاغذ کی کمی، پرزہ جات کی فراہمی میں دقتوں کا سامنا رہا۔

۸۔ ڈائجسٹ رسالوں کی بڑھتی ہوئی اشاعتیں علمی وادبی مجلات کو روبہ زوال کرتی رہیں۔

۹۔ ۱۹۷۶ء سے جولائی ۱۹۷۷ء کا دور ملک میں ہنگامی حالات کا زمانہ تھا۔ معاشرتی زندگی کا ہر شعبہ بدحالی کا شکار ہوا۔ مجلاتی صحافت کو بھی بہت سی مشکلات درپیش ہوئیں۔ جن میں کاغذ کی قلت اور محدود موضوعات تھے، کیوں کہ ہر قسم کے نکتہ نظر کو پیش کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ خاص طور پر ترقی پسندانہ نکتہ نظر رکھنے والے ادیب و شاعر پس منظر میں جا چکے تھے۔ ۱۸

۴۔ **چوتھا دور: ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک:۔**

اس دور میں بھی پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس اور ۱۹۶۲ء میں حکومت کے جاری کردہ پریس نوٹ اور ہینڈ آوٹ سے متعلق آرڈیننس نافذ رہے۔ ۱۹۷۶ء میں ملک سیاسی بحران کا شکار ہوا۔ بے چینی کی اس فضا اور ماحول میں زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح مجلّاتی صحافت بھی متاثر ہوئی۔ سیاسی سرگرمیاں ختم ہونے سے سیاسی مجلات بھی پس منظر میں چلے گئے۔ بھٹو حکومت کے سیاسی نظریات کے حامی مجلّات کی گنجائش بالکل ختم ہوگئی۔ نئی حکومت سے نظریاتی ہم آہنگی رکھنے والے مجلّات کا لب ولہجہ نرم ہوا اور بعض سیاسی مجلّات نے مصلحتاً چولا بدلا۔ پالیسی کی اس تبدیلی سے رسالوں کی ساکھ متاثر ہوئی۔ دوسری طرف ڈائجسٹ رسالے اس خلا کو تیزی سے پورا کرنے لگے۔ علمی وادبی مجلّات کے ٹھوس موضوعات کی گنجائش پہلے ہی محدود ہو چکی تھی، اخبارات کے مخصوص صفحات، سپلیمنٹ اور خصوصی نمبروں نے اس ضرورت کو اور بھی کم کردیا۔[۱۹] سرمائے کی کمی، کاغذ پر حکومت کا کنٹرول، صحافتی قوانین، قارئین کی عدم دلچسپی اور اخبارات کے مخصوص صفحات ،سیاسی، علمی وادبی مجلّات کے راستے میں رکاوٹ رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ علمی وادبی جرائد معیار اور تقاضوں کے مطابق مرتب نہیں کئے گئے۔[۲۰]

مجلّاتی صحافت کے اس زوال کے حوالے سے جناب سید مسعود الحسن شہاب دہلوی، سہ ماہی "الزبیر" کے صحافت نمبر میں لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ قومی سطح کے اخبارات نے اپنے لامحدود وسائل و ذرائع کی مدد سے اپنے صفحات میں اتنی وسعت پیدا کرلی ہے کہ ان میں ہر موضوع کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہفتہ میں ایک بار میگزین سیکشن بھی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے ہفت روزہ اخبارات کی انفرادیت کو خاصا دھچکا لگا ہے۔ بعض اخبارات نے تو مستقل طور پر ہفت روزہ رسائل شائع کرنے کا اہتمام کرکے علاقائی ہفت روزہ اخبارات کی خاصی اقتصادی ناکہ بندی کردی ہے۔ ممکن ہے، مستقبل میں ماہناموں کا کاروبار بھی یہ اپنے ذمہ لے لیں اور اس طرح صحافت کی بالکلیہ اجارہ داری ان کے ہاتھ میں چلی جائے"[۲۱]

ادبی رسالوں کی محدود اشاعت پر ڈاکٹر سید عبداللہ مجلّہ "اوراق" میں "اردو ادب چند اصولی باتیں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"ادبی رسالے کیوں نہیں بکتے، اس لیے کہ پڑھنے والوں کی اکثریت کے لیے ادب میں پہلی سی کشش نہیں۔ اس تاثر پر ناراض ہونے کے بجائے اس صورت حال کا تجزیہ کرکے اس کے اسباب کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ ڈائجسٹوں اور اخبارات کے ادبی ضمیموں نے رسائل کی مانگ ختم کردی ہے، لیکن یہ وجہ کافی نہیں ہے، کچھ اسباب

اور بھی ہیں جو وزنی بھی ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ادب خواں طبقے کا بڑا حصہ اپنے ادب کو خلوص وصداقت سے خالی محسوس کرتا ہے"۲۲

۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک کے جرائد ورسائل کے مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ پچھلے ادوار کے قوانین صحافت اس دور میں بھی نافذ رہے۔

۲۔ مارشل لاء کے بعد مخالف ترقی پسندانہ نظریات کے حامل مجلّات حکومتی پالیسی کی وجہ سے بند ہو گئے۔

۳۔ سیاسی مجلّات کی کمی کو کسی حد تک اخبارات نے پورا کرنے کی کوشش کی۔

۴۔ کمپیوٹر مشینری کے قیام نے اخبارات میں انقلاب برپا کر دیا اور مجلّاتی صحافت کے لیے ان کا مقابلہ مشکل ہو گیا۔

۵۔ مارشل لاء اور صحافتی قوانین کی فضاء میں مجلّات متنوع مواد دینے سے قاصر رہے۔

۶۔ کم اشاعتوں اور زیادہ لاگت پر جاری مجلّات جدید معیار اختیار کرنے سے قاصر رہے۔

۷۔ علمی، ادبی اور تکنیکی تربیت کی کمی اچھے کارکنوں اور قلم کاروں کے فروغ میں رکاوٹ رہی۔

۸۔ جدید موضوعات کی کمی

۹۔ دلچسپی کا فقدان

۱۰۔ محدود اشاعتیں ۲۳

۵۔ پانچواں دور: ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۹ء تک:۔

اس دور میں بدنام زمانہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کا خاتمہ ہوا اور اسکی جگہ ایک نیا قانون رجسٹریشن آف پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس نافذ کیا گیا، اس کی بدولت ڈیکلریشن کا حصول بہت آسان ہو گیا، اور مختلف انواع واقسام کے مجلّات نے بہت ترقی کی۔ عمدہ کاغذ، عمدہ چھپائی، کمپیوٹر کمپوزنگ اور رنگین صفحات جیسی خصوصیات مجلّاتی صحافت میں شامل کی گئیں۔۲۴

ڈائجسٹ صحافت کے ضمن میں ایسے ڈائجسٹ سامنے آئے، جو محض اشتہارات کی خاطر شائع ہوئے۔ ایسے ڈائجسٹوں میں اشتہارات کی تعداد بیس پچیس صفحات سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن تعداد اشاعت صرف پانچ سو سے ایک ہزار تک ہے۔ ان کا مواد عام طور پر مختلف ڈائجسٹوں سے چرائے گئے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں زبان کے معیار پر کم ہی توجہ دی گئی۔۲۵

سیاسی تنظیموں کے رسائل اپنی سوچ وفکر کے فروغ کے لیے کوشاں رہے صرف ایک نقطۂ نظر پیش کیا جاتا رہا۔ مخالفین کی بیخ کنی کی جاتی رہی اوران کا کاروباری مقاصد کے علاوہ کوئی ایجنڈا نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ کوئی ایک سیاسی رسالہ بھی تمام حلقہ فکر کے لیے قابل قبول نہ ہوا۔ انھی رسالوں کی وجہ سے قوم میں مخالفانہ سیاست کی روش نے پرورش پائی، عوام کو قومی سوچ دینے کے بجائے تفریق پیدا کی گئی اور اجتماعی انداز وفکر کے بجائے انتہاپسندی کو فروغ دیا گیا۔۲۶

اس دور میں حکومتوں کی جانب سے اپنے نظریات کی تشہیر کے لیے ریڈیو اور ٹی وی کو استعمال کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا، جس سے ہفت روزہ رسالوں اور مجلّات کی ضرورت میں کمی آتی گئی، تاہم برقیاتی ذرائع ابلاغ نے مکمل طور پر مجلّاتی صحافت کو "ہائی جیک" نہیں کیا۔

اخباری کاغذ کے کوٹے اور اشتہارات کے حوالے سے بھی مجلّات کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۸۷ء کو صدر مملکت ضیاء الحق کی صدارت میں آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی کے زیر اہتمام کل پاکستان علاقائی اخبارات و جرائد کنونشن منعقد ہوا۔۲۷ جس میں مجلّاتی صحافت کے مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔ ان کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ نیوز پرنٹ کی درآمد میں سہولت کے لیے عام اجازت پر زور دیا گیا۔

۲۔ جرائد کے صحافیوں کے لیے اخبارات کے صحافیوں کی طرح ایکریڈیشن کارڈ اور دیگر سہولتوں کی فراہمی کا مطالبہ کیا گیا۔

۳۔ بڑے اخبارات کے رنگین میگزین پر پابندی عائد کرنے کی سفارش کی گئی۔

۴۔ صوبہ سرحد مین جہاں صنعتیں پسماندہ ہیں، اخبارات و جرائد کے لیے حکومت سے وافر اشتہارات کی فراہمی کا مطالبہ کیا گیا۔

۵۔ اخبارات و جرائد سے آڈٹ کی پابندی ختم کرنے اور چھوٹے جرائد کے لیے آڈٹ میں تین، چار سال کے وقفے کا مطالبہ کیا گیا۔

۶۔ اخبارات و جرائد کو دفاتر کی تعمیر اور مشینری کی خریداری کے لیے بلاسود قرضے دینے کی سفارش کی گئی۔

۷۔ علاقائی اخبارات و جرائد کا معیار بلند کرنے اور انہیں باصلاحیت افراد کے لیے باعث کشش بنانے کے لیے ویج بورڈ کی پابندی کا برقرار رکھنا ضروری ہے۔

۸۔ خواتین کے لیے نیا رسالہ نکالنے میں درپیش مشکلات پر قابو پانے کے لیے بڑے اخباری اداروں سے مطالبہ کیا گیا کہ مشینی کتابت، رعایتی نرخوں پر کرنے کا بندوبست کریں۔ صحافتی خواتین کو خصوصی مراعات دینے اور فنی تربیت کے لیے کورسز کے انعقاد پر زور دیا گیا اور ان کے مسائل پر الگ کنونشن بلانے کا مطالبہ کیا گیا۔

۹۔ حکومت سے اشتہارات کی رقم کی بروقت ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۰۔ اخبارات و جرائد کے شعبہ اشتہارات کو منظم کرنے اور اس شعبے کے کارکنوں کے لیے فنی تربیت کے انتظام کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۱۔ اخبارات و جرائد کی دوسرے ممالک میں ترسیل کے اخراجات کم کرنے کے لیے پی آئی اے کے کرایوں میں خصوصی رعایت کا مطالبہ ہوا اور بین الاقوامی پوسٹل یونین کے کرایوں میں کمی کے لیے تجویز پر غور کیا گیا۔ ۲۸

۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۹ء تک کی مجلاتی صحافت کے مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کا خاتمہ اور رجسٹریشن آف پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کا نفاذ۔

۲۔ مجلات میں عمدہ کاغذ، عمدہ چھپائی، کمپیوٹر کمپوزنگ اور رنگین صفحات جیسی خصوصیات کی شمولیت۔

۳۔ ڈائجسٹ صحافت میں غیر معیاری ڈائجسٹ کا اجراء۔

۴۔ سیاسی رسائل میں اضافہ لیکن مقبولیت میں کمی، خصوصاً تمام حلقہ فکر کے لیے۔

۵۔ برقیاتی ذرائع ابلاغ کے استعمال میں اضافہ

۶۔ اخباری کاغذ کے کوٹے اور اشتہارات کے حوالے سے مشکلات

۷۔ اشتہارات کے حصول میں برقیاتی ذرائع ابلاغ کی برتری

۶۔ چھٹا دور: ۱۹۹۹ء سے تا حال:۔

اس دور کی ابتداء میں مسلح افواج کی طرف سے حکومت سنبھالنے کے باوجود اخبارات و جرائد پر کسی قسم کی سنسر شپ عائد نہیں کی گئی۔ پریس کی آزادی برقرار رکھی گئی اور اخبارات و جرائد کو حکومتی پالیسیوں پر تنقید کی مکمل آزادی رہی۔ ۲۹

اس دور میں اخبارات و جرائد کے ساتھ ساتھ نئے نجی ٹی وی چینلوں کو ڈیکلریشن دیئے گئے، جس سے برقیاتی ذرائع ابلاغ کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ برقیاتی ذرائع ابلاغ بالخصوص کیبل کی وجہ سے ایک فرد تقریباً پانچ سو روپے ماہانہ میں دنیا بھر کے چینل دیکھ سکتا ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والے واقعات کو براہ راست دیکھنے کے ساتھ ساتھ تجزیاتی رپورٹوں اور دیگر تفریحی پروگراموں سے بھی لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مجلاتی صحافت کوئی خاص زور پکڑتی

نظر نہیں آتی۔ مختلف نیوز چینلوں پر پیش کیے جانے والے بھانت بھانت کے ٹاک شوز کے باعث سیاسی ہفتہ روزے اور مجلات دن بدن اپنی اہمیت کھوتے جا رہے ہیں۔

سوسائٹی میگزین کے ضمن میں بھی محض چند ایک کے علاوہ باقیوں کا پلڑا بھاری نہیں ہے، کیوں کہ اب تفریح کی تمام تر ذمہ داری ٹی وی چینلوں نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ خواتین میں مقبول ڈائجسٹ مثلاً، خواتین ڈائجسٹ، کرن، شعاع، پاکیزہ وغیرہ اب بھی اپنی مقبولیت برقرار رکھے ہوئے ہیں اور ایک نیا رجحان ان ڈائجسٹوں میں شائع ہونے والے مختلف ناولوں کی ڈرامائی تشکیل ہے، جس سے ٹی وی قارئین میں اضافہ ہوا ہے۔ مجلاتی صحافت کی مقبولیت میں کمی کی ایک وجہ قیمتوں کی زیادتی بھی ہے، جب کیبل پر ہر طرح کی تفریح چند سو روپوں میں دستیاب ہے تو پھر ان رسالوں کو کون خریدے گا۔

نیوز پرنٹ کی قیمتوں میں اضافے اور مالی بحران کے باعث نہ صرف اخبارات نے اپنے صفحات اور رنگین ایڈیشن کم کر دیئے ہیں بلکہ مجلات کے کاروبار سے وابستہ افراد نے بھی اس سے ہاتھ کھینچ لیے ہیں، کیوں کہ زیادہ تر اشتہارات ٹی وی کو ملنے کے باعث ان رسالوں کی بقا مشکل ہوتی جا رہی ہے۔

۱۹۹۹ء سے اب تک کی مجلاتی صحافت کے مسائل کے اہم نکات:۔

۱۔ پریس کی آزادی

۲۔ اخبارات وجرائد اور نجی ٹی وی چینلوں کو ڈیکلریشن کا اجراء

۳۔ چینلوں کی بھرمار کے باعث سیاسی وسوسائٹی میگزینوں کی مقبولیت میں کمی

۴۔ ڈائجسٹ صحافت کی مقبولیت میں اضافہ اور مختلف ناولوں کی ڈرامائی تشکیل کا رجحان

۵۔ نیوز پرنٹ کی قیمتوں میں اضافہ

۶۔ مالی بحران

۷۔ زیادہ تر اشتہارات برقیاتی ذرائع ابلاغ کو ملنے سے مجلات کی بقاء میں مشکل

مجلاتی صحافت کو درپیش اہم مسائل:۔

مجلاتی صحافت پاکستان میں ہمیشہ سے مختلف مشکلات مسائل کا شکار رہی ہے چند اہم مسائل کا احاطہ درج ذیل ہے:۔

صحافتی قوانین اور مجلاتی صحافت:۔

پاکستان میں مجلّاتی صحافت مختلف صحافتی قوانین و پابندیوں کی زد میں رہی ہے۔بیش تر ادوار میں ملک میں سخت صحافتی قوانین موجود رہے۔ مارشل لاء کے دور میں آزادی صحافت زیادہ متاثر ہوئی۔بعض جمہوری حکومتوں نے بھی اخبارات کے معاملہ میں سخت رویہ اختیار کیا۔کئی ادوار میں پاکستان میں ڈیکلریشن کا حصول بے حد مشکل رہا۔حکومت پر تنقید کرنے والے اخبارات وجرائد کو نیوز پرنٹ اور اشتہارات کے حصول میں مشکلات آتی رہیں۔۳۰

پاکستان میں ۱۹۳۱ء کے پریس ایکٹ (ایمر جنسی پاورز) کے تحت چھاپہ خانہ چلانے کے لیے ضمانت نامے کی پابندی ضروری تھی۔قومی دفاع وسلامتی کے خلاف تحریر شائع کرنے والے اخبارات ومجلّات کی اشاعت معطل ومنسوخ کی جاسکتی تھی۔ایڈیٹروں کو معلومات کے ذرائع بتانے پر مجبور کیا جاسکتا تھا اور اس کے تحت عام عدالتوں میں اپیل کا حق نہیں تھا۔

۱۹۶۰ء میں نافذ ہونے والے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کے تحت مالی طور پر مستحکم افراد ہی اخبار یا رسالہ جاری کر سکتے تھے۔ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اختیار تھا کہ وہ کسی بھی شخص کو چھاپہ خانہ لگانے سے محروم کردے۔سنسر شپ حکومتی پریس نوٹ اور ہینڈ آؤٹ کو شائع کرنا بھی ضروری قرار پایا۔

پاکستان میں اخبارات ورسائل کی جانچ پڑتال کے لیے کمیشن قائم کیا گیا۔جس کے تحت ڈیکلریشن کے لیے مالی وسائل اور ایڈیٹروں کی تعلیمی قابلیت اور تجربہ ضروری قرار پائے۔پریس کو ہدایت جاری کرنے کی رسم کا آغاز ہوا جسے پریس ایڈوائس کا قانون کہا جانے لگا۔سرکاری اشتہارات حکومت کی تحویل میں ہونے سے اخبارات ورسائل کا رنگ بدلنے لگا۔ کاغذ کی درآمد، چھاپہ خانوں کے پرزہ جات اور ڈیکلریشن کے حصول کے لیے حکومت کے حامی مجلّات، ڈائجسٹ رسالے اور سوسائٹی میگزین منظر عام پر آئے۔

نیشنل پریس ٹرسٹ قائم ہونے سے کچھ اخبارات وجرائد حکومتی تحویل میں چلے گئے۔حکومتی اخبارات وجرائد کو اشتہارات ملنے سے نجی سطح کے اخبارات وجرائد زوال پذیر ہونے لگے۔حق وصداقت لکھنے میں پابندیوں کے باعث مجلّات کے موضوعات کا دائرہ محدود ہونے لگا۔خاص طور پر سیاسی موضوعات میں بہت اتار چڑھاؤ سامنے آئے۔۳۱

الغرض قوانین و پابندیوں کی ایک طویل فہرست ہے، جس سے مجلّاتی صحافت، پاکستان میں ہر دور میں نبرد آزما رہی ہے۔

بقاء کی جنگ اور رسالوں کی ملکیت:۔

قیام پاکستان سے قبل شخصی صحافت کا دور تھا مگر پاکستان بننے کے بعد صحافت نے ترقی کی تو اسے لازماً مالی طور پر زیادہ استحکام حاصل کرنے کی ضرورت پڑی موجودہ دور میں اخبارات وجرائد کو اپنے دفتر اور پریس وغیرہ قائم کرنے کے

لیے ایک کثیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔۳۲ جب مجلات نے کسی مقصد یا مشن کے بجائے کاروبار کا روپ دھارا، تفریحی مواد کی اہمیت بڑھی، عام علمی و ادبی مجلّات میں بھی فلمی اداکاروں کی تصاویر اور اسکینڈل دیئے جانے لگے اور سوسائٹی اور ڈائجسٹ رسالوں کی مقبولیت میں اضافہ ہوا، تو عام علمی وادبی مجلّات کو ان مسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف اداروں سے وابستہ ہونا پڑا، جس سے ان کی ساکھ اور مقاصد متاثر ہوئے۔ اب کوئی قابل ذکر مجلّہ کسی اہم ادارے کے تعاون اور وابستگی کے بغیر نہ تو جاری کیا جاسکتا ہے اور نہ ترقی کرسکتا ہے۔

جب نیشنل پریس ٹرسٹ کی جانب سے قومیائے گئے اخبارات و جرائد کو تمام اشتہارات ملنے لگے تو اس کا براہ راست اثر دوسرے ہفت روزہ اخبارات و جرائد پر ہوا۔ ان کی کاروباری صورت مسخ ہوئی اور حکومت کے رسائل و اخبارات سے مقابلہ کیلیے غیر معیاری انداز اختیار کیے گئے۔ اس طرح مجلّات کی مخصوص شناخت اور خصوصیات متاثر ہوئیں اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا، تو عام علمی وادبی مجلّات کو ان مسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف اداروں سے وابستہ ہونا پڑا، جس سے ان کی ساکھ اور مقاصد متاثر ہوئے۔ اب کوئی قابل ذکر مجلّہ کسی اہم ادارے کے تعاون اور وابستگی کے بغیر نہ تو جاری کیا جاسکتا ہے اور نہ ترقی کرسکتا ہے۔

جب نیشنل پریس ٹرسٹ کی جانب سے قومیائے گئے اخبارات و جرائد کو تمام اشتہارات ملنے لگے تو اس کا براہ راست اثر دوسرے ہفتہ روزہ اخبارات و جرائد پر ہوا۔ ان کی کاروباری صورت مسخ ہوئی اور حکومت کے رسائل و اخبارات سے مقابلہ کے لیے غیر معیاری انداز اختیار کیے گئے۔ اس طرح ان مجلات کی مخصوص شناخت اور خصوصیات متاثر ہوئیں اور ان کی مقبولیت بتدریج کم ہوتی گئی۔

کاغذ کی فراہمی اور سامان کتابت وطباعت کے حصول میں بھی ان مجلّات کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان پر حکومتی کنٹرول ہے۔ ان تمام مسائل کے حل کے طور پر بہت سے مجلّات نے اپنی بقاء کے لیے مختلف اداروں کی سرپرستی حاصل کی، جس سے ان کے انفرادی نظریات، زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی دھن میں پس پشت ڈال دیئے گئے۔۳۳

اشتہارات کا حصول:۔

اشتہارات صنعتی ترقی کے متقاضی ہوتے ہیں۔ صنعت وحرفت، جدید مصنوعات، جدید اشیاء کے درمیان، خوشگوار مقابلہ کی فضا اور صارفین کی کم داموں پر اشیائے ضروریات کی طلب اور رنگین اشتہارات کے میدان کو وسیع تر کردیتی ہے۔ اشتہارات فراہم کرنے کا مرکزی ادارہ حکومت ہے جو مناسب ریٹ پر زیادہ اشتہارات حکومت کے اپنے جاری کردہ اخبارات و رسائل تک محدود رہتے ہیں یا ان مجلّات کے حصے میں آتے ہیں جو حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کو عوام میں متعارف کرواکر حکومت کی حمایت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ عام مجلّات ان اشتہارات سے اکثر محروم ہی رہتے ہیں۔۳۴

اشتہارات کے حصول کے لیے مسابقت ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔ان اشتہارات کی تقسیم حکومت کی پروپیگنڈہ پالیسی اور پریس کے ساتھ رابطہ رکھنے کے ذمہ دار افراد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ان دونوں کے مل جانے سے اشتہارات حاصل کرنے کے لیے کس قیمت اور کن شرائط پر تگ ودو کرنا پڑتی ہے اور ان کے لیے اخبارات و جرائد پر کتنا دباؤ ڈالا جاسکتا ہے، یہ اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ۳۵

اشتہارات کی وافر فراہمی میں ایک رکاوٹ ماہرین کی کمی ہے۔اشتہارات کا حصول ایک فن ہے، جو عوام وخواص سے خوش خلقی کے رویے کا متقاضی ہونے کے ساتھ ساتھ محنت وکوشش کا طلب گار رہتا ہے۔بیش تر مجلّات کے ایڈیٹر اس شعبے کی اہمیت سے بے خبر تھے۔ ۳۶ تاہم اب زمانے کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے تقریباً ہر ادارے نے شعبہ مارکیٹنگ قائم رکھا ہے جس کا کام مجلّے کی بقاء کے لیے اشتہارات کا حصول ہے۔زیادہ اشتہارات، زیادہ اشاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔جن اخبارات ومجلّات کی اشاعت زیادہ ہوتی ہے، انہیں وافر اشتہارات ملتے ہیں، تاہم اشتہارات کے حصول کے اور بھی طریقے ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر زیادہ اشتہار حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ قوت خرید رکھنے والے قارئین کا تعاون

۲۔ مجلّات کی تزئین وآرائش

۳۔ اس شعبے کے تربیت یافتہ کارکن

۴۔ ایڈیٹر کی پالیسی

۵۔ اشتہارات کے حصول کے طریق کار سے آشنائی۔

مولانا صلاح الدین نے "ادبی دنیا" کو ایک طویل عرصے تک زندہ رکھا کیوں کہ وہ اشتہارات کے حصول کا طریق کار جانتے تھے اور محنت بھی خوب کرتے تھے۔ "ساقی" کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی نے مولانا کی اس خوبی کا ذکر کچھ یوں کیا ہے:

"اشتہارات حاصل کرنے کا بھی انہیں کافی تجربہ تھا، کیوں کہ "ادبی دنیا" خریدنے سے پہلے مولانا نے ایک اشتہارات مہیا کرنے والی کمپنی قائم کی تھی" ۳۷

اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ہر چیز کی تشہیر وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے۔اگرچہ برقیاتی ذرائع ابلاغ نے اشتہاریات کے فن کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے اور زیادہ تر اشتہارات اسی ذریعہ ابلاغ کو ملنے لگے ہیں تاہم بیش تر ادارے پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات وجرائد کو اشتہارات دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔اگر مجلّات، اس فن کے ماہرین کی خدمات حاصل کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ مجلّات کو اشتہارات کے حصول میں مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔

نیوز پرنٹ کا حصول:۔

نیوز پرنٹ یا اخباری کاغذ کے کوٹے کا حصول ہمیشہ سے پاکستان میں مجلّاتی صحافت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنا رہا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ملک میں کوئی اہم کاغذ کا کارخانہ نہ تھا۔ تمام کاغذ درآمد کیا جاتا تھا۔ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں کھلنا کے مقام پر ایک کارخانہ قائم کیا گیا، لیکن بیرونی کاغذ کے مقابلے میں وہ مہنگا اور غیر معیاری تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان میں کاغذ کا اور بھی مسئلہ پیدا ہوا۔ اچھے کاغذ کی قیمت بھی زیادہ ہے اور حکومت لائسنس کے بغیر کسی ادارے کو کاغذ کی درآمد کا اختیار بھی نہیں دیتی۔ بڑے اخباری اداروں کے حصے میں اخبار کا زیادہ کوٹہ آتا ہے اور چھوٹے پیانے کے اخبارات ورسائل کو کاغذ کی قلت کی شکایت رہتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی اشاعتیں نہیں بڑھ سکتیں۔ عمدہ کاغذ کی درآمد پر اخراجات مزید بڑھ جاتے ہیں، مجلّات میں عام اخباری کاغذ کے بجائے اچھی کوالٹی کا کاغذ استعمال ہوتا ہے، جس کے بغیر رسالے کا گیٹ اپ، تزئین وآرائش، کتابت وطباعت سب کچھ غیر معیاری بن جاتی ہے۔ ۳۸

کاغذ کا مسئلہ صرف قلت اور زیادہ قیمت ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ صحافیوں کا غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ طریقۂ کار بھی کاغذ کے بحران کا باعث بنتا ہے۔ پاکستان میں ایسے صحافی بھی موجود ہیں جو کاغذ کا کوٹہ حاصل کرنے کے لیے کسی اخبار یا مجلّے کا ڈیکلریشن حاصل کر لیتے ہیں اور پھر چند ایک صنعت کاروں اور کاروباری افراد سے اشتہارات حاصل کر کے محدود پیانے پر چند ایک کاپیاں چھاپ کر متعلقہ حضرات اور حکومت کے متعلقہ اداروں کو روانہ کر دینے کے بعد باقی کاغذ مہنگے داموں اخبارات وجرائد کے مالکان کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی آمدنی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح کاغذ کا کوٹہ غیر معیاری صحافیوں کے ہاتھوں میں پہنچنے سے اہم جرائد کے لیے کاغذ کی قلت پیدا ہو جاتی ہے ۳۹۔ اس کے علاوہ حکومت کی جانب سے بھی نیوز پرنٹ کے کوٹے کو اخبارات وجرائد کے لیے ایک اہم حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

طباعت کے حوالے سے درپیش مسائل:۔

اردو کی طباعت پہلے پہل کتابت کے ذریعے ہوتی تھی، جس کے لیے کاتبوں کی مخصوص تعداد کام کرتی تھی۔ اول تو اچھے کاتب میسر نہیں آتے تھے، دوسرا ان کے اخراجات زیادہ ہوتے تھے، اس طرح اردو کے اخبارات وجرائد کو دوہرا خرچ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ جبکہ نسخ رسم الخط جو ٹائپ میں اختیار کیا جا سکتا تھا، حسن وآرائش کے فقدان کی بناء پر دیدہ زیب نہیں ہوتا تھا۔ آزادی کے بعد طباعت کے لیے بہت معمولی مشینیں موجود تھیں، جس میں 3 ہزار صفحات فی گھنٹہ سے زیادہ چھاپنے کی استطاعت موجود نہ تھی۔ لیکن جوں جوں اخبارات وجرائد کی مانگ میں اضافہ ہوا اور زیادہ اشاعت کی طرف پیش قدمی ہوئی، بہتر مشینیں لگائی جانے لگیں۔ روٹری مشین کے ذریعے ہم رنگی طباعت میں آسانیاں پیدا ہوئیں، اس قبل لیتھو میں

خبریں، مضامین اور تصاویر دو دفعہ علیحدہ علیحدہ چھاپنے پڑتے ہیں۔ آفسٹ روٹری مشین نے اس مشکل کو ختم کر دیا اور ہر طرح کا تحریری مواد اور تصاویر ایک ہی بار چھاپنے میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔

کمپیوٹر کمپوزنگ مشین کے آغاز نے طباعت میں بہت سہولت اور تیز رفتاری پیدا کر دی، لیکن کمپیوٹر پر طباعت سے اخراجات کہیں بڑھ جاتے ہیں اشاعت بڑھانے اور جدید مشینری نصب کرنے کے قابل ہونے کے لیے اشتہارات کا وافر ذخیرہ درکار ہوتا ہے، جو ملک کی صنعتی ترقی کی بنیاد پر ہی ممکن ہے۔

رسالے کی حسن و خوب صورتی کا انحصار طباعت کے علاوہ تصاویر پر بھی ہے۔ تصاویر کے پازیٹیو بنانے میں ماہرین اور جدید آلات مشینری کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوٹو گرافی کا سامان، سیاہی، رنگ، پریس کی مشینوں کے فاضل پرزہ جات وغیرہ بھی درآمد کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اشیاء بروقت میسر نہ آنے سے اشاعتیں تاخیر میں جا پڑتی ہیں۔ ویسے بھی رسالے ان مشینوں کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ انہیں لازماً کسی دوسرے پریس کا سہارا لینا پڑتا ہے، جن سے اخراجات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔[۴۰]

مجلاتی صحافت کا اخبارات سے مقابلہ:۔

پاکستان میں مجلّاتی صحافت کا ہر دور میں اخبارات سے مقابلہ رہا ہے لیکن اخبارات کی صنعت و کاروبار نے جس تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں، مجلّاتی صحافت اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہی۔ اخبارات روزمرہ کے حالات و واقعات کی خبروں کو تصاویر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ دوسرا سرخی کے ذریعے اہم خبر تھوڑے وقت میں مختصر الفاظ سے قاری کے ذہن میں اتر جاتی ہے اور وہ ایک نظر میں اہم واقعات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ صفحات کی تعداد میں اضافہ، خصوصی نمبروں کی اشاعت، بچوں کا صفحہ، صفحہ خواتین، فلمی صفحہ، کھیلوں کے صفحات، ادبی ایڈیشن، صنعت و حرفت ایڈیشن، جمعہ و سنڈے میگزین، مڈ ویک میگزین اور مختلف تہواروں، موقعوں اور اہم شخصیات کے سپلیمنٹ کی اشاعت، روزانہ اخبارات کی اشاعت کو لاکھوں میں پہنچا دیا ہے۔ اخبارات کی مقبولیت کی وجہ عام فہم اور سادہ زبان میں روزمرہ کے واقعات کو پیش کرنا ہے، جو علمی و ادبی مجلّات میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ وسیع اشاعتیں، وافر اشتہارات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ چناں چہ کاروباری ادارے اخبارات میں اشتہارات دینے کو اہم سمجھتے ہیں۔

اخبارات کم قیمت پر وہ تمام مواد فراہم کرتے ہیں جو کبھی رسالوں کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ کثیر الاشاعت اخبارات کو کاغذ کا زیادہ کوٹہ ملتا ہے، جس پر مجموعی لاگت کم آتی ہے، ویسے بھی اخباری کاغذ کی نسبت رسالوں میں استعمال ہونے والا کاغذ مہنگا دستیاب ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اخبارات کی ترسیل کے ذرائع رسالوں کی ترسیل کی نسبت کہیں زیادہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسالوں کے قارئین بہت محدود ہوتے ہیں اور بیش تر رسالے قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔[۴۱]

مجلّات کے محدود موضوعات:۔

ہمارے معاشرے میں ہر وقت نت نئی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ جن سے نئی سوچ، طرز فکر اور نظریات جنم لیتے ہیں۔ زندہ ادب بھرپور معاشرتی زندگی کا عکاس اور ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی کا رہنما بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح علم کی مختلف شاخوں میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی ہیں۔

علمی و ادبی مجلّات، علم و ادب کا دائرہ وسیع کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں لیکن پاکستان میں علمی و ادبی مجلّات کے موضوعات محدود ہونے سے ان میں معاشرتی زندگی کے خدوخال واضح ہو پاتے اور عوام میں ان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

ادب میں معاشرتی زندگی کی بھرپور عکاسی سے اسے قارئین کے لیے باعث کشش بنایا جا سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں اپنے مذہب و معاشرے کی اقدار کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے مضمون "اردو ادب، چند اصولی باتیں" میں رقم طراز ہیں:

"میں ادب کو مقام و مکانی سے اٹھا کر آفاق تک پہنچانے کا قائل ہوں لیکن میں مغرب کے مادہ پرستانہ ہیومن ازم کا قائل نہیں۔ مذکورہ ہیومن ازم گھوم پھر کر پھر اقوام و افراد مغرب کی خودغرضی میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو اس انسان دوستی کی ضرورت ہے جو رب العالمین نے ہمیں سکھائی ہے۔ ہمارے آئندہ کے ادب میں ہمیں انسانیت اعلیٰ کے اصول کو اپنانا چاہیے جو مشرق و مغرب اور عرب و عجم سے بالاتر ہو"[۴۲]

الغرض اگرچہ پاکستان میں مختلف طرز کے مجلّات نے اپنی اپنی سطح پر اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی پوری کوشش کی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ موضوعات میں تنوع نہ ہونے کے باعث یہ قارئین میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے، جو کہ کرنی چاہیے تھی۔

مجلّاتی صحافت کو درپیش معاشی مشکلات:۔

بلند پایہ علمی، ادبی اور تحقیقی تخلیقات فرصت کے لمحات، ذہنی سکون اور معاشی استحکام کے بغیر وجود میں نہیں آسکتیں۔ پاکستانی ادیب ان تمام لوازمات سے محروم ہے۔ آج کا ادیب اور انشا پرداز معاشی کشمکش، مالی مشکلات اور زمانے کی چیرہ دستیوں میں اس طرح الجھا ہوا ہے کہ وہ ادبی تخلیقات اور مجلّاتی قدروں کی طرف بھرپور توجہ نہیں دے سکتا۔ جو مجلّات اہم

کاروباری اداروں سے منسلک ہیں، ان کے رویے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ ہیں جو ادیب کو خرید کر اس کی خداداد صلاحیتوں پر پہرہ بٹھا دیتے ہیں۔ بیش تر قلم کار کسی ایک مجلّہ یا رسالہ سے وابستہ ہونے کے بجائے مختلف ذرائع روزگار سے وابستہ ہو کر اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے خواستگار رہتے ہیں، چناں چہ کسی ایک صنف یا مجلّہ سے وابستگی نہ ہونے سے وہ مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں، جن میں ان کی ذہنی افتاد کا دخل نہیں رہتا۔

شاہکار تخلیقات کے فقدان نے مجلّاتی صحافت کو غیر معیاری بنا دیا ہے۔ اچھی تخلیقات پر بھی معاوضے کی ادائیگی کا رواج نہیں۔ رسالے کے غیر معیاری ہونے کی وجہ مضمون نگاروں کو معاوضات سے محروم رکھنا بھی ہے، جس سے قلم کاروں کو بہت سی معاشی واقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عام طور پر مجلّات میں مضامین کی اشاعت ہی کو معاوضے کی ادائیگی پر مختص کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علمی وادبی رسالوں سے وابستہ قلم کار بدستور مایوسیوں کا شکار ہیں۔

اقتصادی بحران اور معاشی مشکلات پر قابو پانے کے لیے ایڈیٹر کم سے کم معاوضے پر کم سے کم کارکنوں سے ہر طرح کی خدمات لینے کے خواہاں رہتے ہیں، دوسری طرف اہل فن اور اہل قلم بہ یک وقت بہت سے کاموں میں طبع آزمائی کرتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ۳۴

الغرض معاشی مشکلات اور غم روزگار میں الجھا ہوا لکھاری، قارئین کو وہ تحریر نہیں دے سکتا، جو کہ مجلّاتی صحافت کا خاصا ہوتی ہے۔

ضابطۂ اخلاق سے روگردانی:۔

معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں ضابطۂ اخلاق کی ضرورت ہے۔ صحافت کا تعلق بھی سماج اور معاشرہ سے ہے۔ جب تک صحافت نے کاروبار کی صورت اختیار نہیں کی تھی تو اخبارات ورسائل کی اشاعتیں محدود تھیں۔ محدود پیمانے کی کسی بھی چیز میں آداب کا ملحوظ رکھنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب صحافت کی اہمیت بڑھی۔ قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوا، اشاعتیں تیزی سے بڑھنے لگیں، اس وقت مقابلہ ومسابقت کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ صحافت میں بہت سی بے ضابطگیاں پیدا ہوئیں اور یہ اپنے منصب اور فرائض کی ادائیگی سے دور ہونے لگی تو ضابطہ اخلاق بھی زیر غور آنے لگا۔

مجموعی طور پر اقوام عالم جس ضابطۂ اخلاق کی پابندی کو ضروری سمجھتی ہیں، ان کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ صداقت: حالات وواقعات کے بیان میں صداقت کے اصول پر عمل پیرا ہونا ہر صحافی کا بنیادی فرض ہے۔

۲۔ صحت معلومات: مجلّاتی صحافت میں صحت معلومات کی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی کہ روزانہ اخبارات میں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صحافی معلومات حاصل کرنے کے لیے خود تحقیق وتفتیش کرے۔ اگر یہ معلومات کتابوں سے حاصل کی گئی ہوں تو ان کا حوالہ دیا جائے۔

۳۔ شائستگی: معاشرتی زندگی میں شائستگی کا عمل ہر سطح پر ضروری ہے۔ سوچ، فکر، عمل، کردار، انداز بیان اور پیشکش میں معاشرتی زندگی کے شائستہ رویوں کو اختیار کر کے صحافی خود اپنا مقام بنا سکتا ہے۔

۴۔ معاشرتی اقدار کی حفاظت صحافی کا فرض ہے، وہی ادب اور صحافت معاشرتی زندگی کو ترقی کے امکانات سے روشناس کر سکتا ہے، جس میں گذشتہ اقدار روایات کے ساتھ جدید نظریات کی ہم آہنگی ہو۔ ایک صحافی کا فرض ہے کہ وہ معاشرتی اقدار و روایات کے حوالے سے قوم کو معلومات فراہم کرے اور ان کی آبیاری کرے۔

۵۔ کسی بھی طبقے کے بارے میں رائے دیتے وقت غیر ذمہ دارانہ اور غیر اخلاقی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ مذہبی فرقوں کے بارے میں غیر محتاط رائے، حکومت وقت کے خلاف تمسخر آمیز رویہ ضابطہ اخلاق کے منافی ہے۔ اسی طرح فوج میں بغاوت کی ترغیب، ملک کے سربستہ راز کو افشا کرنا، عوام میں بداخلاقی، فحاشی و عریانیت کو فروغ دینا، صحافت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

صحافت کا ضابطۂ اخلاق تقریباً ہر معاشرے میں موجود ہے، لیکن اصل مسئلہ اس کی پابندی کا ہے کہ صحافیوں کو کس طرح اس ضابطے کا پابند کیا جائے۔ اگر اس کی ذمہ داری انتظامیہ کے ہاتھ میں دی جاتی ہے تو وہ قانون کا حصہ بن کر آزادی صحافت کی راہ میں حائل ہے۔ اسی لیے آزادی صحافت کو برقرار رکھنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں رضا کارانہ صحافتی عدالتیں قائم ہیں، جن کا مقصد صحافت کے معیار کو بلند کرنا اور آزادی کی حفاظت کرنا ہے۔[۴۴]

تاہم ہمارے اخبارات و جرائد ضابطہ اخلاق کی پابندی سے اپنے آپ کو بری الذمہ کہتے ہیں۔ ضابطۂ اخلاق پر عمل پیرا ہو کر صحافت کی آزادی کو برقرار رکھنا سب سے آسان ہے اور اس سے پہلو تہی کے نتیجے میں غیر معیاری اور غیر سنجیدہ، عامیانہ صحافت کے بڑھنے کے امکانات واضح ہو جاتے ہیں، جیسا کہ پاکستان میں غیر معیاری اور غیر معروف ڈائجسٹ رسالوں اور سوسائٹی میگزین کا وجود ظاہر کرتا ہے۔[۴۵]

<u>مجلاتی صحافت میں اعلیٰ مقصدیت اور مشن کا فقدان:۔</u>

زندگی کے کسی بھی شعبے میں ترقی کی بنیاد مقصدیت پر ہے۔ مقصد جتنا بڑا اور عظیم ہوگا، اسی قدر خلوص، محبت، لگن اور محنت درکار ہوگی۔

ماہنامہ "طالب علم" کراچی کے اجرا پر مدیر، قاسم محمود اپنے اداریہ میں لکھتے ہیں:

"طالب علم" کوئی رسالہ نہیں جو کسی نے جاری کیا ہو، یہ تو وقت کا تقاضا ہے جو از خود اپنی جگہ پر کرنے کے لیے پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا سنجیدہ، سوچنے والے، غور کرنے والے، پریشان و متفکر، انسانیت کے مستقبل کی فکر کرنے والے، پڑھنے لکھنے والے "نوجوانوں" کے لیے قدرت نے کام کا اچھا پلیٹ فارم فراہم کر دیا ہے۔ اس کھیل میں ایک طرف دقت ہے،

دوسری طرف مٹھی بھر نوجوان ۔گینداب ان کے کورٹ میں ہے۔ان کو چاہئے کہ آگے بڑھ کر موقع سے فائدہ اٹھائیں، لکھیں، بہت لکھیں، اچھا لکھیں"۴۶

اسی طرح ہفت روزہ "الہلال" کے اجرا پر مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی اعلیٰ مقصد کی اہمیت کو واضح الفاظ دیتے ہوئے اداریہ میں لکھا:

"ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں بلکہ تلاشِ زیاں ونقصان میں آئے ہیں۔صلہ وتحسین کے نہیں بلکہ نفرت ودشنام کے طلب گار ہیں۔عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش واضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں۔دنیا کے ذبح کو قربان کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے تئیں قربان ہونے آئے ہیں"۴۷

لیکن آج کے دور میں جہاں ہر شعبۂ زندگی کو کاروباری نظر سے دیکھا جانے لگا ہے، وہیں صحافت خصوصاً مجلاتی صحافت بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔اب صحافیوں اور قلم کاروں سے یہ توقع رکھنا محال ہے کہ وہ صحافت کو بطور مشن اختیار کر کے اپنی ساری توانائیاں اور محنت صرف کریں گے۔یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ان کو معاشی طور پر مشکلات درپیش نہ ہوں اور ان کی خدمات کا صلہ انہیں بہتر معاوضے کی صورت میں ملتا رہے۔۴۸

مجلاتی ادب میں ابلاغ کا فقدان:۔

ادبی رسائل شائع کرنا قطعی تخلیقی نوعیت کا کام ہے۔ادب اور شاعری کی ترسیل وتوسیع میں ادبی ماہناموں کی جتنی اہمیت ہے، اتنی کتابوں کی بھی نہیں۔ ماضی سے تاحال کئی بڑے تاریخ ساز ادبی رسائل نے اپنے اپنے عہد میں تازہ بہ تازہ شاہکار نظم ونثر اور تخلیقات پیش کیں۔ بہت بڑی تعداد میں ادیب، نقاد اور شاعر پیدا کیے اور علمی وادبی مباحث کو زیادہ سے زیادہ موضوع بنا کر علم وفن کو آگے بڑھایا۔۴۹

لیکن گذشتہ برسوں میں علمی وادبی مضامین کی زبان اور انداز بیان ایسا بن گیا ہے کہ عام قاری اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔۵۰ تقریباً ہر علمی و ادبی رسالہ میں ایک آدھ افسانہ ضرور ہوتا ہے۔ ہر دور میں کسی نہ کسی طبقے کو افسانہ نگاروں سے ضرور شکایت رہی ہے کہ ان کے فن میں ابلاغ موجود نہیں لیکن آج جب افسانہ علامتی تحریک کے پس منظر میں لکھا جانے لگا ہے تو افسانے میں ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہوا، کیوں کہ یہ افسانے کسی سطح سے بھی قاری کے ذہنی معیار، سوچ اور فکر سے مطابقت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان میں معاشرتی زندگی کی عکاسی نظر آتی ہے۔ جناب اے بی اشرف لکھتے ہیں:

"روایت سے عدم واقفیت ابلاغ کا مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ یار لوگوں نے انتظار حسین کی تقلید میں بغیر سوچے سمجھے علامتیں بنانا شروع کیں۔مبہم علامتیں، بعید از قیاس علامتیں۔ افسانے کے اسٹرکچر میں الٹ،شنٹ تجربے کیے۔نتیجہ ابہام، بے معنویت اور اکتاہٹ نکلا۔لوگوں نے ایسی کہانی کو Reject کر دیا۔ جب ادیب یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہمارا مسئلہ اظہار ہے، ابلاغ نہیں تو پھر حضرات ہمیں سنانے، رسالوں میں چھپوانے، کتابیں بنانے کا کیا مصرف ہے؟"۵۱

ابلاغ کا یہ مسئلہ صرف افسانے تک محدود نہیں۔تمام تر نثری اور شعری اصناف کی یہی حالت ہے۔۵۲ ابلاغ کا صحیح اُصول یہ ہے کہ پڑھنے والا الفاظ اور انداز بیان میں اجنبیت محسوس نہ کرے۔ عام طور پر علمی وادبی مجلّات میں ابلاغ کے صحیح اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔علمی موضوعات میں وضاحت کا فقدان ہوتا ہے اور ادبی مضامین، افسانوں اور انشائیوں میں علامتی زبان سے کام چلانے کی کوشش کی جاتی ہے، جس سے مفہوم غیر واضح رہتا ہے۔گذشتہ روایات اور جدید زبان میں رابطے کے فقدان سے تحریر واضح نہیں رہتی۔مشکل الفاظ واصطلاحات کے استعمال سے بھی ابلاغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، چناں چہ علمی وادبی اور شعری تخلیقات سے مانوسیت کا دائرہ محدود ہونے کی وجہ سے ان موضوعات پر مشتمل مجلّات کی بھی اہمیت محدود نظر آتی ہے۔۵۳

مجلّاتی صحافت سے وابستہ کارکنوں کے مسائل:۔

مجلّاتی صحافت سے وابستہ کارکنوں اور صحافیوں کو بہت سے مسائل کا سامنا رہتا ہے جن میں اہم مسئلہ گریڈ کا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کارکن سرکاری ملازم ہیں۔اخبارات کے صحافی تنخواہیں گریڈوں کے مطابق حاصل کرتے اور دیگر الاونسز پاتے ہیں، لیکن رسالوں کے کارکن صحافی بدستور ان سہولتوں سے محروم ہیں۔سرکاری اداروں کے نمائندہ مجلّات کو چھوڑ کر باقی کارکن صحافی قومی گریڈ سے محروم ہیں۔سرکاری اداروں کے نمائندہ مجلّات کو چھوڑ کر باقی کارکن صحافی قومی گریڈ سے محروم رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ مختلف اداروں میں کام کرتے رہتے ہیں۔اور مجلّات ان کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے۔

اخبارات اپنے مستقل قلم کاروں کو بھی معاوضات سے نوازتے ہیں، اس کے برعکس مجلّات مضامین ونگارشات کی اشاعت کو ہی قلم کاروں کے لیے باعث اعزاز قرار دیتے رہتے ہیں، جس سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔

مجلّات میں صرف ایک شخص یعنی ایڈیٹر سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے۔وہ ایسے کارکنوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کم معاوضہ پر زیادہ سے زیادہ کام سرانجام دے سکیں۔ مثلاً، سب ایڈیٹر جسے اشتہارات کا تجربہ نہیں، اشتہارات کے حصول میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ اکثر وبیش تر اعزازی مدیر کی خدمات حاصل کر کے اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور محض رسالے پر نام چسپاں کرنے کے لیے اس سے بہت ہی خدمات لی جاتی ہیں۔مجلّاتی کارکنوں کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایڈیٹر کے ساتھ ان کا رویہ خوشامدانہ رہتا ہے، اس خوف سے کہ ایڈیٹر انہیں نکال کر نئے آدمی نہ لے آئے۔ دوسری طرف کارکن اسے جواب نہ دے جائیں۔اس قسم کے ماحول میں دونوں طرف عدم استحکام اور خلوص اور محبت سے عادی رویے ماحول کا سازگار نہیں ہونے دیئے۔۵۴

۱۔ ان کارکنوں کو فیلڈ ورک کرنا پڑتا ہے۔ انٹرویو کے لیے، معلومات کے حصول میں اور فیچرز مواد حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں تک رسائی کے لیے جانا ہوتا ہے۔ چند ایک رسالوں کے علاوہ اکثر ادارے خاطر خواہ معاوضہ ادا نہیں کرتے، جس سے ان کو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ اکثر رسالے کارکنوں کو باقاعدہ تنخواہ نہیں دیتے۔ خاص طور پر نئے کارکن تنخواہوں سے محروم رہتے ہیں اور انہیں صرف ٹی اے، ڈی اے دے دیا جاتا ہے۔

۳۔ تنخواہ دار صحافیوں کی تنخواہیں بھی خاطر خواہ نہیں ہوتیں اور ان محدود تنخواہوں کی ادائیگی میں بھی تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔

۴۔ فیشن میگزین اور سوسائٹی میگزینوں میں کام کرنے والے کارکن مختلف اداروں اور شخصیات سے مراعات حاصل کر لیتے ہیں، یا اچھی تقریبات میں شرکت ان کے لیے تفریح طبع بن جاتی ہے، ان کے مقابلے میں علمی و ادبی جرائد میں کام کرنے والے صحافی اپنے آپ کو زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے محسوس کرتے ہیں۔۵۵

لائبریریوں میں مجلّات کی فراہمی:۔

علمی، ادبی اور تعلیمی وفنی معیار کی بہتری و بلندی کا انحصار تمام موضوعات پر کتابوں، اخبارات و جرائد کی فراہمی پر ہے، جسکے لیے لائبریریاں قائم کی گئی ہیں۔ لیکن تعلیمی اداروں کی لائبریریاں صرف وہاں کے طلبا کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ سرکاری لائبریریوں سے عام قارئین بھی اتنی آسانی سے مستفید نہیں ہوسکتے، کیوں کہ ان تک رسائی اور کتابوں کا حصول زیادہ آسان نہیں۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں سے منسلک لائبریریوں میں بھی مجلّات بہت کم فراہم کیے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر اہم مجلّات کے خصوصی نمبر ہی دستیاب ہوسکتے ہیں۔ سرکاری لائبریریوں میں بھی ان کی فراہمی کا اہتمام بہت کم ہوتا ہے۔ اور مجلّات جاری کرنے پر بھی پابندی رکھی جاتی ہے، یعنی لائبریریوں سے مخصوص تعداد میں کتب جاری تو کروائی جاسکتی ہیں، رسالے جاری نہیں کروائے جاسکتے، چناں چہ مجلّات کے محدود موضوعات، پڑھنے کے رجحان کا فقدان اور فراہمی میں دقت مجلّات پڑھنے کے ذوق میں بڑی رکاوٹیں ہیں، جن کا اثر براہ راست مجلّات کی اشاعت کو محدود کیے رکھتا ہے۔۵۶

مجلّات کو درپیش ترسیل یا مارکیٹنگ کے مسائل:۔

مجلّات کی اشاعت کے بعد انہیں بک اسٹالوں اور قارئین تک پہچانے کے لیے یا تو پبلشر ہی اس کے ذمے دار ہوتے ہیں یا پھر ڈسٹری بیوٹر اداروں کو یہ کام سونپا جاتا ہے، کہ وہ تمام رسالے یا کتب کا اسٹاک چالیس فیصد کمیشن پر فروخت

کریں۔ اس طرح الگ الگ ہر ادارہ ماہرین کی خدمات حاصل کر کے بروقت رسالوں کو قارئین تک پہنچانے کا بندوبست کر دیتا ہے، لیکن عام طور پر اس طریق کار پر عمل نہیں کیا جاتا، بلکہ اشاعت کرنے والا ادارہ ہی ترسیل کے فرائض سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ خسارے کے اندیشے اور مالی بچت کے خیال سے اشاعتی ادارے جدید طریقہ ترسیل اختیار کرنے سے متاثر ہوتی ہے۔

ڈائجسٹ رسالے اور سوسائٹی میگزین تو اخبارات کی طرح باآسانی پیش تر بک اسٹالوں پر دستیاب ہوتے ہیں، لیکن ادبی و علمی مجلّات کا حصول اتنا آسان نہیں اور ترسیل کے مناسب انتظامات نہ ہونے سے اکثر بیشتر رسائل قارئین کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ ۵۷

مجلّاتی صحافت کو درپیش مسائل کی روشنی میں ان کے حل کے لیے تجاویز:۔

مجلّاتی صحافت پاکستان میں کوئی نئی چیز نہیں اور نہ ہی اس سے متعلق مسائل ہر دور میں مجلّاتی صحافت کو اسی قسم کے یا اس سے ملتے جلتے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ابتداء میں مالی بے سروسامانی کے باعث نئے مجلّات کا آغاز ایک مسئلہ تھا، دوسرا جو رسائل پہلے سے جاری شدہ تھے، ان کی اشاعت کو برقرار رکھنے میں بھی بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جوں جوں حالات سازگار ہوتے گئے، نئے مجلّات نے جنم لینا شروع کیا، اور ساتھ میں مختلف مسائل نے بھی۔ سب سے اہم مسئلہ تھا معاشی استحکام کا، جو ایک نوزائیدہ مملکت کے لئے بہت مشکل تھا۔ دوسرا مختلف صحافتی قوانین کی پابندیوں کے باعث مجلّات ہمیشہ زیر بار رہے۔ کبھی حکومت کی جانب سے نیوز پرنٹ کے کوٹے کی بندش کا ڈراوا دیا جاتا اور کبھی اشتہارات روک لیے جاتے۔ غرض یہ اور اسی قسم کی پابندیوں اور مشکلات کے بیچ پروان چڑھنے والی پاکستانی مجلّاتی صحافت وہ خاطر خواہ قسم کی کامیابیاں حاصل نہ کرسکی، جن کی اس سے امید کی جارہی تھی۔

اس مقالے کی تکمیل کے دوران جتنے بھی رسالے نظروں سے گزرے، ان میں سے بہت کم ایسے تھے جنہیں معیاری رسالہ کہا جاسکے۔ زیادہ تر رسالے مذہبی نوعیت کے نظر آئے لیکن یہ محض اپنے مسلک یا فرقے کی تبلیغ یا رہنمائی کے لیے شائع کیے گئے یعنی اجتماعی طور پر قوم میں مذہبی و اسلامی شعور پیدا کرنے میں ان رسالوں کا ذرا بھی ہاتھ نظر نہ آیا، دوسرا ان رسالوں میں دی جانے والی معلومات بھی بہت سطحی نوعیت کی تھیں، جن کی صداقت میں بھی بہت سے ابہام نظر آئے۔

سیاسی رسائل اور ہفت روزے بھی پاکستان میں بڑی تعداد میں شائع ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ چند ایک کے علاوہ اکثر گمنام ہی رہتے ہیں۔ سیاسی رسائل کے ضمن میں بھی ایسے رسائل نظر آئے جو مخصوص سیاسی تنظیموں کے نمائندہ رسائل ہیں اور ان کے نظریات کی حمایت اور دیگر سیاسی جماعتوں اور اداروں پر تنقید ان کا بنیادی کام ہے۔ لیکن عوام میں سیاسی شعور کی بیداری میں ان کا کوئی خاطر خواہ کردار نظر نہیں آتا۔

ڈائجسٹ رسالوں کی بھی ایک بڑی تعداد نظر سے گزری، جو عوام میں بے پناہ مقبول ہیں، خصوصاً خواتین کی دلچسپی کے چند رسائل کا معیار خاصا بہتر ہے اور مختلف معاشرتی اور خاندانی مسائل کو اجاگر کرنے میں یہ رسائل اہم کردار ادا کرتے ہیں تاہم کچھ طبقۂ فکر کی جانب سے ان ڈائجسٹوں کو صنف نازک کو بگاڑنے کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ البتہ فکشن، سنسنی خیزی اور جرم و سزا کے موضوعات سے مزین بے شمار ڈائجسٹ بھی سامنے آئے، جن کا کام محض قارئین کو سستی تفریح فراہم کرنا ہے، ان واقعات کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہے اور پڑھا لکھا اور سنجیدہ طبقہ ان ڈائجسٹوں کو پڑھنا پسند نہیں کرتا۔

سماجی رسائل بھی بڑی تعداد میں شائع ہوئے اور اب بھی ہوتے ہیں لیکن چند ایک کے علاوہ کسی نے بھی خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کی اور گمنام ہی رہے۔ شاید اس کی ایک وجہ ان کامیاب سماجی رسالوں کا بڑے اشاعتی اداروں سے منسلک ہونا بھی ہے۔ زیادہ اشتہارات ملنے کی وجہ سے ان رسالوں کے صفحات اور مواد کا معیار اب تک برقرار ہے اور یہ قارئین میں مقبول ہیں۔

بچوں کی دلچسپی کے لیے شائع ہونے والے رسائل میں سے بھی بہت کم ایسے ہیں جنہون نے اب تک اپنی مقبولیت برقرار رکھی ہے۔ موجودہ سائنس، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے دور میں، جب کہ بچے ویسے ہی کتاب اور مطالعہ سے دور ہیں، ان رسائل کو اپنے مواد اور پیش کش پر نظر ثانی کرنی چاہئے، تا کہ بچوں میں رسائل پڑھنے کی عادت کو پروان چڑھایا جاسکے۔

رسالوں میں ایک بڑی تعداد طبی رسائل کی بھی ہے، لیکن کوئی بھی رسالہ اس مقبولیت کا حامل نظر نہیں آیا جو اس موضوع کے رسائل کا حق ہے۔ اس میں ایک بڑا ہاتھ ان رسالوں کی پیش کش اور مواد کے معیار کا بھی ہے۔ زیادہ تر رسالے دواخانوں اور حکیموں، طبیبوں کے مخصوص نظریات، عقائد اور دواؤں کے ترجمان نظر آئے۔ عوام میں صحت و تندرستی اور صفائی و پاکیزگی سے متعلق شعور اجاگر کرنے میں کچھ حد تک ان رسالوں کا ہاتھ نظر آیا، لیکن مناسب مارکیٹنگ نہ ہونے کے باعث اکثر رسالے قارئین کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ علمی اور تعلیمی اور شوبز اور اسپورٹس سے متعلق رسائل بھی پاکستان میں شائع ہوئے۔ لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور شائع ہونے والے رسائل نے بھی کوئی خاص قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں۔

رسالوں کے ضمن میں ایک اہم صنف ادبی رسائل کی بھی ہے۔ بے شمار ادبی رسائل کے اجراء کے باجود پاکستانی معاشرہ ادب سے محروم رہا اور اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ ادبی رسائل محض گنے چنے افراد ہی پڑھتے ہیں۔ روزگار اور دیگر مسائل کی چکی میں پسے ہوئے پاکستانی ادبی موضوعات پڑھنے کے شائق نہیں۔ دوسرا ادبی رسائل کو ہمیشہ سے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہی وجہ ہے کہ یہ رسائل بھی اکثر و بیشتر قارئین کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

قصہ مختصر پاکستان میں مجلّاتی صحافت نے خاطر خواہ کامیابی و مقبولیت کیوں حاصل کی نہیں، ان تمام مسائل کا ذکر تو ہو چکا، اب ضرورت ہے ان چند ضروری اقدامات کی، جن کی بدولت پاکستانی مجلّاتی صحافت کی مشکلات میں کمی کی جاسکتی ہے اور ایسے قارئین میں وہ مقبولیت دلوائی جاسکتی ہے جو اس کا حق ہے۔

☆ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو پاکستان میں شائع ہونے والے تمام رسائل کی ایک فہرست مرتب کی جانی چاہیے ۔جس میں رسالوں کو ان کی نوعیت یعنی ادبی، سماجی، سیاسی وغیرہ کے حساب سے ترتیب دیا جانا چاہیے اور اس فہرست کو تمام بک اسٹالوں اور لائبریریوں میں فراہم کیا جانا چاہیے تاکہ قارئین کم از کم مجلّات کی موجودگی اور ناموں سے آگاہ ہوسکیں۔

☆ مجلّات کو سرکاری اشتہارات بھی دیے جائیں۔اس کے علاوہ مجلّات کے مالکان و مدیران کو چاہیے کہ وہ مارکیٹنگ پر خاص دھیان دیں۔ ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں، تاکہ مجلّات کو زیادہ سے زیادہ اشتہارات کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے۔

☆ مسابقت کی اس دوڑ میں جبکہ اخبارات اپنے رنگین ایڈیشنوں اور سنڈے میگزین وغیرہ کے ساتھ مارکیٹ میں موجود ہیں تو مجلّات کو اپنی انفرادیت اور اہمیت برقرار رکھنے کے لیے اپنے موضوعات اور پیش کش کے ساتھ معیار کو بھی جدید دور کے انداز کے مطابق ڈھالنا ہوگا، ورنہ قارئین یکسانیت کا شکار ہو جائیں گے۔

☆ مجلّاتی کارکنوں کو بھی تنخواہیں اور مالی مراعات دی جائیں تاکہ وہ معاشی پریشانیوں سے بالاتر ہو کر مجلّاتی صحافت کی بہتری کے لیے کام کرسکیں، اور نئے لوگ بھی اس شعبے کو اپنانے کے بارے میں سوچیں۔

☆ مجلّاتی صحافت کے ضمن میں لائبریریوں کا تذکرہ اس لحاظ سے کیا جاسکتا ہے کہ بے شمار علمی و ادبی رسائل اکثر مارکیٹ میں آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے اور لائبریری میں موجود رسائل تک پہنچ بھی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اکثر لائبریرین اس سلسلے میں تعاون نہیں کرتے اور مطلوبہ رسائل قارئین کی پہنچ سے دور رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ رسائل گھر لے جانے کے لیے بھی جاری نہیں کیے جاتے، یہی وجہ ہے کہ لائبریری میں بھی یہ رسائل اکثر و بیشتر قارئین سے محروم رہتے ہیں۔

یہ تو محض چند نکات یا تجاویز ہیں جن پر فوری عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ درحقیقت مجلّاتی صحافت کی ترقی و بہتری کے لیے اصلاحات خصوصاً معاشرتی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ ملک میں شرح خواندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسے میں مجلّاتی صحافت کس طرح صحیح خطوط پر پنپ سکتی ہے۔ یہ سوچنا ہمارا اور آپ کا کام ہے اور اس سلسلے میں اقدامات کرنے کے لیے حکومت کے ساتھ ہمیں بھی اپنا حصہ ڈالنا ہوگا، تاکہ پاکستانی مجلّاتی صحافت اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ میڈیا کے آئینے میں مسائل کا چہرہ؛مشمولہ "مصحف"؛شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ص:۵۵

۲۔ روشن آراء راؤ؛ "مجلّاتی صحافت کے ادارتی مسائل"؛ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد؛ سال اشاعت :۱۹۸۹ء؛ ص:۹

۳۔ ایضاً؛ص:۱۳

۴۔ ایضاً؛ص:۱۴

۵۔ ایضاً؛ص ص:۱۵۸۔۱۵۶

۶۔ ایضاً؛ص:۱۸

۷۔ مسکین حجازی؛ '' پاکستان میں ابلاغیات (ترقی اور مسائل) ''؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ سال اشاعت:۱۹۹۰ء؛ص ص:۱۰۔۸

۸۔ راؤ؛محولہ بالا؛ص ص:۱۸۱۔۱۸۰

۹۔ ایضاً؛ص:۱۸۲

۱۰۔ ایضاً؛ص ص:۱۸۴۔۱۸۳

۱۱۔ ایضاً؛ص:۱۸۱

۱۲۔ ایضاً؛ص ص:۱۸۵۔۱۸۴

۱۳۔ ایضاً؛ص:۱۸۶

۱۴۔ ایضاً؛ص:۱۸۷

۱۵۔ ایضاً؛ص ص:۱۹۱۔۱۸۷

۱۶۔ ایضاً؛ص:۱۹۰

۱۷۔ ایضاً؛ص ص:۱۹۴۔۱۹۱

۱۸۔ ایضاً؛ص ص:۱۹۹۔۱۹۸

۱۹۔ ایضاً؛ص ص:۲۰۱۔۲۰۰

۲۰۔ ایضاً؛ص:۲۰۲

۲۱۔ ایضاً؛ص ص:۲۰۴۔۲۰۳

۲۲۔ ایضاً؛ص:۲۰۷

۲۳۔ ایضاً؛ص ص:۲۰۹۔۲۰۸

۲۴۔ پروفیسر محمد یعقوب، پروفیسر محمد اسلم، محمد اظہر، محمد احمد؛"صحافت"؛عبداللہ برادرز، لاہور؛ص ص:۴۹۳۔۴۹۲

۲۵۔ "جریدہ ابلاغ عامہ"؛شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی؛ جلد:۳؛سال اشاعت:۲۰۰۵ء؛ص:۹۵

۲۶۔ ایضاً؛ص:۱۰۰

۲۷۔ راؤ؛محولہ بالا:۲۱۱

۲۸۔ ایضاً؛ص ص:۲۱۷۔۲۱۶

۲۹۔ ڈاکٹر شفیق جالندھری؛"صحافت اور ابلاغ"؛اے ون پبلشرز، لاہور؛سال اشاعت:۲۰۰۸ء؛ص:۳۰۸

۳۰۔ حجازی؛محولہ بالا؛ص:۲۹

۳۱۔ راؤ؛محولہ بالا؛ص ص:۲۲۶۔۲۲۵

۳۲۔ ایس ایم شاہد؛"مطالعۂ صحافت"؛پبلشرز ایمپوریم، لاہور؛سال اشاعت:۹۹۔۱۹۹۸ء؛ص:۱۷۰

۳۳۔ راؤ؛محولہ بالا؛ص ص:۲۲۸۔۲۲۶

۳۴۔ ایضاً؛ص:۲۲۹

۳۵۔ شاہد؛محولہ بالا؛ص:۱۷۳

۳۶۔ راؤ؛محولہ بالا؛ص:۲۲۹

۳۷۔ ایضاً؛ص:۲۳۳

۳۸۔ ایضاً؛ص:۲۳۴

۳۹۔ ایضاً؛ص ص:۲۳۷۔۲۳۶

۴۰۔ ایضاً؛ص ص:۲۴۱۔۲۳۸

۴۱۔ ایضاً؛ص ص:۲۴۳۔۲۴۱

۴۲۔ ایضاً؛ص ص:۲۴۶۔۲۴۴

۴۳۔ ایضاً؛ص ص:۲۵۱۔۲۴۸

۴۴۔ ایضاً؛ص ص:۲۵۶۔۲۵۴

۴۵۔ ایضاً؛ص:۲۵۹

۴۶۔ ایضاً؛ص:۲۶۰

۴۷۔ ایضاً؛ص:۲۶۱

۴۸۔ ایضاً؛ص:۲۶۲

۴۹۔ یعقوب،اسلم،اظہر،احمد؛بحولہ بالا؛ص۳۱۹

۵۰۔ راؤ؛بحولہ بالا؛ص:۲۶۳

۵۱۔ ایضاً؛ص:۲۶۴

۵۲۔ ایضاً؛ص:۲۶۵

۵۳۔ ایضاً؛ص:۲۶۶

۵۴۔ ایضاً؛ص ص:۲۶۸۔۲۶۷

۵۵۔ ایضاً؛ص:۲۶۹

۵۶۔ ایضاً؛ص ص:۲۷۱۔۲۷۰

۵۷۔ ایضاً؛ص ص:۲۷۳۔۲۷۲

ماحصل (Conclusion):

صحافت ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد اپنی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ صحافت اور طباعت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ طباعت کے ابتدائی دور میں پتھر، لکڑی، درختوں کی چھالوں، جانوروں کی کھالوں اور ریشم کے کپڑوں پر پیغام رسانی کی جاتی تھی۔ چینیوں نے ٹھپے کی چھپائی کا آغاز کر کے طباعت کو ایک نئی جہت عطا کی۔ یورپ میں باقاعدہ چھاپہ خانہ ۱۴۵۴ء میں جرمنی میں جوہان گوٹن برگ نے قائم کیا۔ اس کے بعد اٹلی، فرانس، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور برطانیہ میں چھاپہ خانے قائم ہوئے اور بے شمار کتابیں طبع کی گئیں۔

برصغیر پاک وہند میں چھاپہ خانہ سولہویں صدی میں پرتگیزیوں نے قائم کیا۔ انگریزی دور میں بمبئی میں ۱۶۷۴ء میں ایک چھاپہ خانہ وجود میں آیا۔ تقریباً ایک صدی بعد کلکتہ اور مدارس میں بھی چھاپہ خانے کھل گئے اور بنگالی، فارسی اور عربی کے ٹائپ تیار ہو گئے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں اردو نستعلیق ٹائپ کا رواج ڈالا گیا جس کی جگہ ۱۸۳۶ء میں لیتھو طباعت نے لے لی۔

دنیا بھر میں مطبوعہ اخبار نویسی سے پہلے دیواری اعلانات، ڈھنڈرچیوں اور پمفلٹوں کا رواج عام تھا جس کے ذریعے عوام الناس تک خبریں پہنچائی جاتی تھیں لیکن دنیا کا پہلا اخبار "ٹی پاؤ" (محل کی خبریں) تھا، جس کا آغاز چین سے ہوا اور ۱۹۱۱ء تک یہ "پیکن گزٹ" کے نام سے جاری رہا۔

یورپ میں صحافت کا آغاز سترہویں صدی کے اوائل میں ہوا یورپ کا باقاعدہ اخبار شہر آگس برگ سے ۱۶۰۹ء میں جاری ہوا۔ اس کے بعد فرانس، اٹلی، بیلجیئم، ہالینڈ، آسٹریلیا اور سوئٹزرلینڈ سے بھی اخبارات کا اجراء ہوا اور یوں باقاعدہ صحافت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہ اخبارات ایک ورق پر مشتمل ہوتے تھے، جنہیں ضمیمہ کہا جا سکتا ہے۔ ان میں انگلستان کے سوا تمام یورپ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ انگلستان کی خبریں نہ چھپنے کی وجہ حکمران طبقہ تھا جو عام لوگوں کو حکومت کے امور سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔

برصغیر میں مطبوعہ صحافت سے قبل قلمی اخبارات کا رواج رہا جبکہ پہلا باقاعدہ مطبوعہ اخبار " ہکی بنگال گزٹ یا کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر" تھا۔ جس کا آغاز ۱۷۸۰ء میں جیمس آگسٹس ہکی نے کیا۔

انگریزوں نے برصغیر میں فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کرنے کے لیے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا اور اردو کے ممتاز ادیبوں سے آسان اردو میں کتابیں لکھوانی شروع کیں تاکہ فارسی کی جگہ اردو زبان کو رواج دیا جا سکے اولین اردو اخبار " جام جہاں نما" کے اجراء کے بعد مختلف شہروں سے اردو اخبارات نکلنے لگے اور اردو اخبارات کے اجراء واشاعت نے باقاعدہ رجحان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی مجلّاتی صحافت کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔ مجلّہ یا رسالہ سے مراد وقفوں کے بعد شائع ہونے والا جریدہ ہے۔ جو ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ، دوماہی، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ بھی ہوسکتا ہے۔ رسالوں کا مواد ایک اخبار کے مواد سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ وقتی نوعیت کا نہیں بلکہ مستقل نوعیت کا ہوتا ہے۔ جس میں علمی وادبی، سیاسی وثقافتی، معاشی و تاریخی مضامین و مشتملات کو جگہ دی جاتی ہے۔

جب اردو صحافت کی ابتداء ہوئی تو اس وقت اردو میں اخبارات ورسائل میں فرق غیر واضح تھا۔ خود اردو نثر ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے پیش برصغیر میں مجلّاتی صحافت کئی اعتبار سے مستحکم ہوچکی تھی اور بے شمار اہم اور وقیع رسائل منظر عام پہ آچکے تھے بلکہ علمی وادبی اور سیاسی لحاظ سے مجلّاتی صحافت کا سنہرا دور تخلیق پاکستان سے قبل کا ہی رہا ہے۔

برصغیر میں مجلّاتی صحافت کو مختصراً دو ادوار میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور: آغاز سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک

دوسرا دور: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تقسیم ہند یعنی ۱۹۴۷ء تک

برصغیر پاک وہند میں مجلّاتی صحافت کا آغاز "خیر خواہ ہند" سے ہوا جسے مرزاپور سے پادری آرسی ماتھر نے جاری کیا تھا۔ یہ اپنے مشتملات کے حوالے سے اردو کا پہلا رسالہ قرار دیا جاتا ہے۔

اس دور میں اردو رسائل کے اجراء کے دو بڑے مراکز دہلی اور لاہور تھے۔ ان مقامات سے جاری ہونے والے رسالوں کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی کیونکہ وہ برصغیر کے عوام کو جدید سائنسی ترقی اور علوم وفنون سے آشنا کروانا چاہتی تھی تاکہ عوام مغربی تہذیب کی برتری تسلیم کرلیں اور مغربی افکار وخیالات عام لوگوں میں منتقل ہوسکیں۔

دہلی کالج جدید علوم وفنون کی اشاعت کا پہلا تعلیمی ادارہ تھا۔ جس میں مقامی باشندوں کو تعلیم دی جاتی تھی اس کالج کے پرنسپل مسٹر اشپرنگر نے ۱۸۴۵ء میں "قرآن السعدین" کے نام سے ایک علمی ہفت روزہ جاری کیا یہ اردو کا پہلا باتصویر مجلّہ تھا جس میں سائنس، ادب اور حکومتی پالیسیوں سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔

دہلی کالج کے ایک استاد ماسٹر رام چندر نے بھی مجلّاتی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور دو رسائل "فوائد الناظرین" (۱۸۴۵ء)، اور "محبّ ہند" (۱۸۴۷ء) جاری کیے، پنجاب سے پہلا رسالہ پندرہ روزہ "ہمائے بے بہا" (۱۸۵۳ء) میں منشی دیوان چند نے لاہور سے جاری کیا۔ جس میں جدید سائنسی اور تعلیمی موضوعات پر مضامین چھاپے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل پنجاب کے اہم رسائل میں "خورشید پنجاب" قابل ذکر ہے۔ جنگ آزادی سے قبل تخصیصی موضوعات پر رسائل کے اجراء کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ مثلاً شعروشاعری کے فروغ کے لیے اردو کا پہلا گلدستہ "گل رعنا" ۱۸۴۵ء میں مولوی کریم الدین نے دہلی سے جاری کیا۔ ایک قانونی جریدہ ہفت روزہ "فوائد الشائقین" کا اجراء ۱۸۴۶ء میں ہوا۔ اس کے علاوہ "معدن قوانین" ۱۸۵۶ء میں آگرہ سے جاری ہوا "اخبار

طباعت "پشاور سے جاری ہونے والا پہلا طبی رسالہ تھا۔ جس میں طب اور جراحی سے متعلق خفیہ معلومات فراہم کی جاتی تھیں تاہم یہ رسائل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ہونے والے ہنگاموں کی نذر ہو گئے ۔ جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خان نے ۱۸۷۰ء میں "تہذیب الاخلاق" جاری کیا جو ادب، تعلیم و تدریس اور اصلاح معاشرہ کا علمبر دار تھا۔

پنجاب سے ۱۸۶۵ء میں "رسالہ انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب" جاری ہوا۔ جس کی ادارت مولانا محمد حسین آزاد کے سپرد تھی۔ مولانا عبدالحلیم شرؔر نے ۱۸۸۸ء میں ماہنامہ "دلگداز" لکھنؤ سے جاری کیا۔ جس میں تاریخی مضامین اور ادبی مقالات ناول غیرہ شائع ہوتے تھے۔ انیسویں صدی کے اواخر تک چند اور اہم رسالے جاری ہوئے جنھوں نے علم و ادب کی آبیاری اور تعلیمی وفنی شعور کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ ان مجلوں میں ۱۸۸۷ء میں رسالہ "حسن" حیدر آباد دکن سے ۱۸۹۵ء میں ماہنامہ "اودھ ریویو" لکھنو سے ۱۸۹۴ء میں "علی گڑھ منتھلی" اور ۱۸۹۸ء میں "معارف" علی گڑھ سے شائع ہوا۔

اپریل ۱۹۰۱ء میں سر شیخ عبدالقادر نے ماہنامہ "مخزن " کا اجراء کیا۔ یہ جدید انداز کا پہلا ادبی و علمی رسالہ تھا جس نے بعد میں اس طرز کے رسائل کی اشاعت کی راہ ہموار کی ۔ اس طرح شرؔر کے رسالہ "دلگداز" نے اردو ادب میں ادبی ورومانی رجحان کی بنیاد رکھی مولانا حسرت موہانی کے "اردوئے معلیٰ" (۱۹۰۴ء) کا مزاج سیاسی و ادبی تھا۔ اس دور کے چند اہم رسائل وجرائد درج ذیل ہیں:

۱۹۰۹ء میں "الناظر" لکھنو، ۱۹۰۳ء میں "زمانہ"، ۱۹۱۶ء میں "معارف" اعظم گڑھ، ۱۹۲۳ء میں "جامعہ" دہلی، ۱۹۰۴ء میں "الندوہ"، شاہ جہاں پور سے، ۱۹۰۳ء میں "عصر جدید"، میرٹھ سے، ۱۹۰۳ء میں "علی گڑھ منتھلی" علی گڑھ سے، ۱۹۱۰ء میں "ادیب"، الہ آباد سے، ۱۹۱۸ء میں " کہکشاں" لاہور سے، ۱۹۳۰ء میں "ساقی" دہلی سے، ۱۹۲۱ میں سہ ماہی "اردو" اورنگ آباد دکن سے، ۱۹۲۷ء میں "ہزار داستان" لاہور سے، ۱۹۱۳ء میں "نقاد" آگرہ سے، ۱۹۲۲ء میں ماہنامہ "نگار" لکھنو سے، ۱۹۲۰ء میں "ہمایوں" اور ۱۹۲۴ء میں "نیرنگ خیال" لاہور سے، ۱۹۲۵ء میں ماہنامہ "نقاد" لاہور سے، ۱۹۲۴ء میں "عالمگیر" لاہور سے، ۱۹۲۵ء میں "شمع" آگرہ سے، ۱۹۲۵ء میں "اورینٹل کالج میگزین" لاہور، ۱۹۲۲ء میں "ادبی دنیا"، ۱۹۰۸ء میں "عصمت" دہلی، ۱۹۲۵ء میں "ادب لطیف" لاہور، ۱۹۴۱ء میں "ادیب" دہلی اور ۱۹۴۶ء میں "سویرا" شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اس نوزائیدہ مملکت کو دیگر شعبہ جات کی طرح صحافت کے شعبے میں بھی بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت نہ صرف پریس کی صورت حال دگرگوں تھی بلکہ شرح خواندگی بھی بے حد کم تھی۔ آزادی کے بعد ہندوؤں اور دیگر جماعتوں کے رسائل وجرائد یا تو بند ہو گئے یا پھر بھارت منتقل ہو گئے اسی طرح کئی رسائل نے اپنے مدیران کے ہمراہ بھارت سے پاکستان ہجرت کی اور لاہور رسائل وجرائد کا سب سے بڑا مرکز بن گیا جہاں سے بیشتر ادبی رسائل وجرائد ہی شائع ہوتے تھے۔ جس میں "ادبی دنیا"، "ادب لطیف"، عالمگیر"، "خیالستان" "رومان"، "شاہکار" اور "ہمایوں" معروف ادبی رسائل تھے جو آزادی سے قبل لاہور سے جاری ہوئے تھے۔

پٹھان کوٹ سے لاہور منتقل ہونے والا "ترجمان القرآن" ایک مذہبی ماہنامہ تھا جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ "الطبیب" یونانی طب اور "ڈاکٹر" طبی ماہنامے تھے۔ "سہیلی" اور "زیب النساء" خواتین کے رسائل تھے۔ فلمی رسالہ "فلمستان" کھیلوں کا رسالہ "اسپورٹس" اور تعلیم کے حوالے سے جاری ہونے والا رسالہ "ناشر العلوم" تھا۔ پشاور سے ایک نیم ادبی ونیم سیاسی ماہنامہ "سفیر وسخن" جاری ہوتا تھا۔ جبکہ آزادی کے وقت سندھ اور بلوچستان میں کسی اردو ماہنامے کی موجودگی کا سراغ نہیں ملتا۔

تقسیم کے بعد کراچی ایسا شہر تھا جہاں ہجرت کرنے والے بڑی تعداد میں آکر مقیم ہوئے۔ بھارت سے آنے والے دانشوروں، ادیبوں اور صاحبان علم نے کراچی میں پڑاؤ ڈالا اور دیکھتے دیکھتے کراچی لاہور پر سبقت لے گیا اور یہاں سے متعدد ادبی وعلمی رسائل کا اجراء ہوا جس نے اردو ادب پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔

پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں میں مختلف شہروں سے مجموعی طور پر ۳۴۹ رسائل و جرائد نکلے۔ ان رسائل کے مواد و مندرجات میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ تقسیم سے قبل یہ رسائل حصول آزادی کے جذبے سے سرشار تھے تقسیم کے بعد ان رسائل و جرائد کے موضوعات نوزائیدہ مملکت کو درپیش مسائل اور ان کے حل کی تلاش تھا۔

آزادی کے بعد ریاست کے چوتھے ستون کے افق پر بھی مصائب کے بادل منڈلانے لگے اور سیاسی ناہمواریوں کے اثرات صحافت پر بھی پڑے حکومتی پالیسیوں اور اقدامات کے خلاف آواز اٹھانے والے اخبارات و رسائل پر صحافتی قوانین، پریس ایڈوانس، سنسر شپ اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے آزادیٔ اظہار رائے کے دروازے بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا حملہ قیام پاکستان کے ایک سال بعد ۱۹۴۸ء میں ہوا جب پنجاب کی حکومت نے تین ترقی پسند جریدوں "سویرا"، "نقوش" اور "ادب لطیف" کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی صحافتی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ کبھی کسی رسالے کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا کبھی مدیران کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر جرمانہ لگا دیا گیا کبھی پرنٹنگ پریس کو سربمہر کر دیا گیا کبھی اخبارات و جرائد کے دفاتر کو آگ لگا دی گئی اور رسائل و جرائد سے زرضمانت طلب کیا گیا یا ضبط کر لیا گیا۔ ان سب اقدامات کا مقصد حق وصداقت کو دبا کر صحافت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا تھا۔

یوں تو پاکستان میں مختلف ادوار میں مختلف صحافتی قوانین لاگو رہے لیکن چند اہم قوانین میں پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ (۱۸۶۷ء)، سرکاری رازوں کا قانون (۱۹۲۳ء)، پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ (۱۹۳۱ء)، قانون تعلقات خارجہ (۱۹۳۲ء)، پبلک سیفٹی آرڈیننس (۱۹۴۹ء)، سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ (۱۹۵۲ء)، امن عامہ آرڈیننس (۱۹۶۰ء)، ورکنگ جرنلسٹ آرڈیننس (۱۹۶۰ء)، پریس اینڈ پبلی کیشنز (۱۹۶۳ء)، رجسٹریشن آف پرنٹنگ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس (۱۹۸۸ء)، قانون توہین عدالت، قانون حقوق اشاعت (کاپی رائٹ ایکٹ) اور ازالہ حیثیت عرفی کے قوانین شامل ہیں۔ ان تمام قوانین میں جس قانون نے صحافت کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس (۱۹۶۳ء) ہے۔ جسے ملک کی صحافتی تاریخ میں کالے قانون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان تمام پابندیوں اور قدغنوں کے باوجود پاکستان کی مجلاتی صحافت نے ہمت نہ ہاری اور اپنے طور پر اطلاعات ومعلومات کی فراہمی اور رائے سازی کے ساتھ ساتھ قارئین کی فکری تربیت اور ذہنی نشوونما کے فرائض سرانجام دیتی رہی۔ یہ رسائل آج بھی نہ صرف معنوی بلکہ صوری تزئین و آرائش کے ذریعے بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہیں بلکہ ابتدائی دور کی نسبت اب رسائل و جرائد کمپوزنگ وطباعت، لے آؤٹ، ڈیزائننگ، تصاویر اور عمدہ کاغذ کے استعمال کی بدولت زیادہ منفرد، دلکش اور دیدہ زیب نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اشتہارات کی بھرمار نے ان رسالوں کے حسن اور معیار کو کچھ متاثر کیا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ رسالوں کی بقاء ان اشتہارات کی بدولت ہی ممکن ہے۔ رسائل و جرائد میں کمپیوٹر اور رنگین تصاویر، عکسی کاغذ اور اسی طرح کی دیگر اختراعات نے ان کو دیدہ زیب بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان میں مجلاتی صحافت ہر دور میں مشکلات کا شکار رہی مجلات کو اپنی بقا کی جنگ لڑنے کے لیے جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان میں صحافتی قوانین، ملکیت کے مسائل، اشتہارات کا حصول، نیوز پرنٹ کا حصول، طباعت کے مسائل، اخبارات سے مقابلہ، معاشی مشکلات، ضابطہ اخلاق کے مسائل، اعلیٰ مقصدیت، مشن اور ابلاغ کا فقدان، مجلاتی کارکنوں کے مسائل اور مجلات کی ترسیل اور مارکیٹنگ کے مسائل شامل ہیں۔

ان تمام مشکلات ومسائل کے باوجود مجلاتی صحافت نے ہر اعتبار سے ترقی کی تاہم قارئین تک رسائی کے اعتبار سے خاطر خواہ کامیابی اس کا مقدر نہ بن سکی۔ ابتدائی دور کے ادبی رسائل سے قطع نظر کوئی بھی ادبی وعلمی رسالہ عوام میں مقبولیت حاصل نہ کرسکا۔ چناں چہ بدقسمتی سے آج کا عام قاری ادب اور ادبی رسائل سے ناواقف ہے۔ دقیع ادبی رسائل دم توڑ چکے ہیں اور جو ادبی رسائل نکل رہے ہیں وہ مدیر رسالہ کے ذاتی ذوق وشوق کا ثمر ہیں۔ کچھ یہی حال مذہبی رسائل کا ہے جو کثرت سے نکل رہے ہیں اور اپنے اپنے فرقے کے عقائد ونظریات کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔ مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنا ان رسائل کی ترجیح میں کبھی شامل نہیں رہا لہذا یہ رسائل اپنے مسلک کے ماننے والوں کے دائرے سے باہر عام قارئین میں مقبول نہ ہوسکے۔

سیاسی رسائل بیشتر ہفت روزوں کی شکل میں منظر عام پہ آئے مگر مخصوص سیاسی نظریات کا پرچار کرنے کے باوصف حکومتی پالیسیوں اور رائے عامہ پر ان کا اثر ونفوذ برائے نام رہا۔

پاکستان میں مجلاتی صحافت میں سب سے زیادہ مقبولیت ڈائجسٹ رسالوں کو حاصل ہوئی جو کم قیمت میں تفریحِ طبع کا مواد قارئین کو پہنچانے میں کامیاب رہے۔ اس کے علاوہ امور خانہ داری سے متعلق رسائل، بچوں کے رسائل، طبی رسائل، علمی وتعلیمی رسائل، کھیلوں اور شوبزنس سے متعلق رسائل بھی شائع ہو رہے ہیں۔ مگر پاکستانی معاشرے کی صورت گری میں ان کا کوئی واضح کردار نظر نہیں آتا۔

زیرنظر تحقیق کا موضوع "پاکستان میں اردو کی مجلّاتی صحافت، ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ" ہے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ برصغیر میں مجلّاتی صحافت کا آغاز بطور مشن ہوا۔ معاشرتی حالات کو بہتر بنانے، لوگوں کے ذہنوں کے بند دریچوں کو کھولنے اور انہیں سماجی و معاشرتی مسائل کے بارے میں سوچنے پر آمادہ کرنے کے لیے ادب کو وسیلہ بنایا گیا اور یوں قیام پاکستان سے قبل کی مجلّاتی صحافت پر ادب کا غلبہ زیادہ رہا اور نامور ادیبوں نے ہی معروف رسائل کا اجراء کیا۔ ادبی رسائل نے کبھی عوامی صحافت کی حیثیت حاصل نہ کی اس نے صرف پڑھے لکھے تہذیب یافتہ مزاج کے حامل افراد پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ یہ کبھی مالی اعتبار سے منافع بخش صحافت نہ رہی۔

عام طور پر پاکستان میں مجلّاتی صحافت دو دائروں میں منقسم رہی۔ ایک تو وہ رسائل زیادہ معروف ہوئے جو کسی معروف علمی و ادبی شخصیت کی زیر سرپرستی شائع ہوئے ان رسائل نے اردو کے شعری و افسانوی ذخیرے میں قابل قدر اضافہ کیا۔ اور ان نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جو آگے چل کر اردو کے نامور ادیب بنے۔ دوسرے وہ رسالے جن کو معروف شخصیات کی سرپرستی تو حاصل نہ تھی مگر انہوں نے اپنے مشتملات کے ذریعے مقبولیت حاصل کرنے کی سعی کی یہ رسائل عوامی سطح پر تو ضرور مقبول ہوئے لیکن انہوں نے قارئین کی ذہنی وفکری تربیت کا فریضہ انجام نہیں دیا۔

آزادی سے قبل اور اس کے فوراً بعد کے ادبی و علمی رسائل کی اپنی اہمیت تھی ان میں چھپنے والا مواد نہ صرف مستقل اہمیت کا حامل ہوتا تھا بلکہ دنوں تک علمی و ادبی حلقوں میں زیر بحث رہتا تھا۔ آج صوری اعتبار سے رسائل ترقی یافتہ ہو گئے ہیں مگر مشتملات کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ کیوں کہ مالکان رسائل کی زیادہ توجہ اشتہارات کے حصول پر ہے۔ پیشہ ورانہ معیارات بدل گئے ہیں۔ برقیاتی ذرائع ابلاغ کی مقبولیت اور اخبارات میں شامل میگزینوں نے رسائل و جرائد کی ضرورت ومقبولیت پر منفی اثر ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوایک مقبول سوشل میگزینوں سے قطع نظر اب رسائل کا اجراء محض انفرادی شوق رہ گیا ہے۔

کتابیات:

۱۔ احسن اختر ناز، صحافتی اخلاقیات، لاہور، تہامی آرٹ پریس، ۲۰۰۵ء

۲۔ ایس۔ایم۔شاہد، مطالعۂ صحافت، لاہور: پبلشرز ایمپوریم، ۱۹۹۹ء-۱۹۹۸ء

۳۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد دوئم کا پہلا حصہ)، دہلی: جدید پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۶ء

۴۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد اول)، دہلی، ۱۹۵۲ء

۵۔ اقبال زبیری، محسن صحافت، لاہور: ادارۂ مشرق، ۱۹۷۸ء

۵۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد پنجم)، دہلی: جمال پریس

۷۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد سوئم)، دہلی: جدید پرنٹنگ پریس

۸۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم)، دہلی: پوتھن پریس، ۱۹۷۴ء

۹۔ انور سدید، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۲ء

۱۰۔ انور علی دہلوی، اردو صحافت، دہلی: ثمر آفسٹ پرنٹر، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ احسن اختر ناز، پاکستان میں ترقی پسند صحافت، لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۲۰۰۲ء

۱۲۔ فریال رشید، آصفیا خلیل، اکابر صحافت، صیغۂ مطبوعاتی ابلاغ، کراچی: شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۱ء

۱۳۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، پاکستان کے اردو اخبارات اور رسائل (کتابیات) جلد دوم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی، ۱۹۸۵ء

۱۴۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۵ء

۱۵۔ امداد صابری، اردو کے اخبار نویس (جلد اول)، دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۳ء

۱۶۔ پروفیسر جعفر رضا عبدالحلیم شرر، دہلی، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۸ء

۱۷۔ ڈاکٹر تطہیر حسنین زیدی، مولانا ظفر علی خاں بحیثیت صحافی، کراچی: عظیمی پرنٹرز، ۱۹۸۵ء

۱۸۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، محمد حسین آزاد حیات اور تصانیف، کراچی؛ انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۰ء

۱۹۔ ملا وجہی، سب رس، کراچی: انجمن ترقی اردو، اشاعت ششم، ۲۰۰۹ء

۲۰۔ حکیم نعیم الدین زبیری، توضیحی فہرست کتب خانہ ہمدرد (اشاعت ہائے خاص اردو رسائل)، کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ۱۹۸۴ء

۲۱۔ روشن آرا راؤ، مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء

۲۲۔ سید جعفر احمد، جنوں میں جتنی بھی گزری۔ایک صحافی اور شاعر کے تجربات ومشاہدات (حسن عابدی)، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء

۲۳۔ سجاد حیدر پرویز، اردو افسانے کے فروغ میں ساقی کا کردار، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۵ء

۲۴۔ سید جعفر احمد، مغنی آتش نفس۔ سجاد ظہیر، کراچی: حوری نورانی مکتبۂ دانیال، ۲۰۰۸ء

۲۵۔ سمیع اللہ، فورٹ ولیم کالج۔ ایک مطالعہ، فیض آباد: نشاط آفسٹ، ۱۹۸۹ء۔

۲۶۔ سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخ انجمن ترقی اردو (پنج سالہ)، کراچی: مشہور آفسٹ پریس، ۱۹۸۷ء

۲۷۔ سید جعفر احمد، جہاتِ حسرت، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء

۲۸۔ سیدہ برجیس بانو، فیض احمد فیض کی اردو صحافت، کراچی: ناشر: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۰ء

۲۹۔ سیمیں ثمر فضل، ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اردو ناولوں کا حصہ، دہلی: اے ون فوٹو آفسٹ، ۱۹۹۱ء

۳۰۔ شفیق جالندھری، صحافت اور ابلاغ، لاہور: محمد ایوب، اے ون پبلشرز، ۲۰۰۸ء

۳۱۔ شگفتہ حسین، ماہنامہ ادب لطیف کی ادبی خدمات، ملتان: جویریہ پرنٹنگ پریس، شعبہ اردو زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء

۳۲۔ شمشیر خان، پاکستان کے منتخب ادبی رسائل کا تاریخی، تنقیدی اور ادبی جائزہ: کراچی: انٹرنیشنل پریس، ۱۹۷۰ء

۳۳۔ صفدر علی، جدید اردو صحافت، لاہور: فاروق سنز

۳۴۔ طاہر مسعود، صحافت اور تشدد، کراچی: کراچی یونیورسٹی جرنلزم المنائی ایسوسی ایشن، ۱۹۹۰ء

۳۵۔ طاہر مسعود، اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۲ء

۳۶۔ طاہر مسعود، اردو صحافت انیسویں صدی میں، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۲۰۰۴ء

۳۷۔ ضمیر نیازی، صحافت پابند سلاسل، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء

۳۸۔ عابد مسعود تہامی، جرنلسٹ، لاہور، تہامی آرٹ پریس، ۱۹۹۶ء

۳۹۔ عابد سہیل، اردو کے ادبی رسالوں کے مسائل، لکھنو: اُتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۱ء

۴۰۔ عبدالسلام خورشید، کاروان صحافت، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۴ء

۴۱۔ عبدالرشید شاہد، نظاطی کا شاہ جہاں، کراچی: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء

۴۲۔ عبدالسلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں؛ لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء

۴۳۔ عظمیٰ فرخ، کراچی کے ادبی رسائل (ایک تجزیاتی مطالعہ)، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۰ء

۴۴۔ عصمت آراء، ذرائع ابلاغ عامہ۔ ایک جائزہ، کراچی: شعبۂ ابلاغ عامہ، جناح یونیورسٹی برائے خواتین، ۲۰۰۴ء

۴۵۔ عبدالسلام خورشید، داستان صحافت، مکتبہ کاروان، لاہور، ۱۹۸۹ء

۴۶۔ عابد رضا بیدار، اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، ۱۹۶۹ء

۴۷۔ عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۸۹ء

۴۸۔ عبدالقیوم قریشی، نیو صحافت (جرنلزم)، لاہور، پرنٹ بارڈر، ۱۹۹۹ء

۴۹۔ عبدالسلام خورشید، روشن آراء راؤ، تاریخ تحریک پاکستان (حصہ اوّل)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

۵۰۔ عابد رضا بیدار، اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبا، دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۹ء
۵۱۔ فاطمہ حسن، ز۔ خ۔ ش (حیات وشاعری کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ)، کراچی، انجمن ترقی اردو، ناظم آباد، ۲۰۰۷ء
۵۲۔ کنور محمد دلشاد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، پاکستان: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء
۵۳۔ گارساں دتاسی، خطبات حصّہ دوم، پاکستان: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴ء
۵۴۔ گارساں دتاسی، خطبات حصّہ دوم، پاکستان: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۷۹ء
۵۵۔ مہدی حسن، صحافت، لاہور: عزیز پبلشرز، ۲۰۰۱ء
۵۶۔ محمد ظریف، جدید ابلاغیات، کراچی: مکتبۂ فریدی، ۱۹۹۶ء
۵۷۔ محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء
۵۸۔ متین الرحمن مرتضیٰ، تعارف ابلاغِ عامہ، صیغۂ مطبوعاتی ابلاغ، کراچی: شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۰ء
۵۹۔ مسکین علی حجازی، فنِ ادارت، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء
۶۰۔ مسکین علی حجازی، پاکستان میں ابلاغیات (ترقی اور مسائل)، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۱۹۹۰ء
۶۱۔ محمد یعقوب، پروفیسر محمد اسلم، محمد اظہر، محمد احمد، صحافت، ڈوگر برادر، ۱۹۹۹ء
۶۲۔ محمد الدین فوق، اخبار نویسوں کے حالات، لاہور: رفاع اسٹیم پریس، ۱۹۱۲ء
۶۳۔ مسکین علی حجازی، پاکستان وہند میں مسلم صحافت کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: نیاز احمد، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء
۶۴۔ مسکین علی حجازی، خیابان صحافت، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء
۶۵۔ مفتی ابولبابہ شاہ منصور، تحریر کیسے سیکھیں، کراچی: الفلاح، ۲۰۰۸ء
۶۶۔ محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، کراچی: انڈس پبلیکیشنز، ۱۹۸۰ء
۶۷۔ محمد عتیق صدیقی، صوبہ شمال ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۲ء
۶۸۔ محمد حمزہ فاروقی، مہر اوران کا عہد (مولانا غلام رسول مہر کی سیاسی اور صحافتی خدمات)؛ کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء
۶۹۔ محمد اشرف کمال، اردو ادب کے عصری رجحانات کے فروغ میں مجلّہ افکار، کراچی کا کردار، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۸ء
۷۰۔ مسکین علی حجازی، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۷ء
۷۱۔ محمود الحسن، پاکستان کے اردو اخبارات اور رسائل کتابیات (جلد اوّل)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۵ء
۷۲۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، پاکستان میں اردو اخبارات اور رسائل: کتابیات (حصہ دوم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء

۷۳۔ مولوی عبدالحق، چند ہم عصر، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۱ء

۷۴۔ نسیم آرا، اردو صحافت کے ارتقاء میں خواتین کا حصہ، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۲۰۰۹ء

۷۵۔ رازق الخیری، عصمت کی کہانی، دہلی: عصمت بک ڈپو، سن ندارد

۷۶۔ سعود بن محمود، جدید اردو صحافت، ایجوکیشنل ایڈز پاکستان

۷۷۔ خالد محمود عالی، اردو صحافت (تاریخ فن)، لاہور: ندیم یونس پرنٹرز

۷۸۔ ہمایوں ادیب، صحافت پاکستان میں، لاہور، عزیز پبلشر، ۱۹۸۴ء

۷۹۔ عتیق صدیقی، (مرتبہ) ۱۸۵۷ء اخبار اور دستاویزیں، دہلی: مکتبہ شاہراہ اردو بازار، ۱۹۶۶ء

۸۰۔ نادر علی خان، اردو صحافت کی تاریخ (۵۷۔۱۸۶۶ء)، علی گڑھ: شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۷ء

۸۱۔ ایم۔ ایس۔ ناز، اخبار نویسی کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز چوک اردو بازار، ۱۹۸۰ء

۸۲۔ طاہر نسیم، سرسید اور اردو صحافت، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۰ء

۸۳۔ سید عرفان علی یوسف، مطالعہ ابلاغیات، کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، ۱۹۸۶ء

۸۴۔ کنور محمد دلشاد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء

تحقیقی مقالہ جات:۔

۱۔ مہرین بی بی، خواتین کے مختلف ڈائجسٹ جرائد میں بنیادی اقدار کا جائزہ، کراچی، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۱۱ء

۲۔ اریبہ شیخ، مسعود احمد برکاتی (شخصیت وخدمت) کراچی، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی ۲۰۱۱ء

۳۔ عائشہ سرور الحسینی، الفاروق، شمس العلماء، شبلی نعمانی، کراچی شعبۂ اردو جامعہ کراچی، ۱۹۹۸ء

۴۔ محمد رئیس، اردو کا معروف رسالہ ادبی دنیا، کراچی، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، ۲۰۰۱ء

۵۔ خالد امین، سید ابوالاعلی مودودی کا اسلوب خطابت، کراچی، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۶۔ بی بی نازش، نسیم درانی بحثیت مدیر اور رسالہ "سیپ" کے اداریوں کا تحقیقی جائزہ"، کراچی، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، ۲۰۰۹ء

تحقیقی جرائد:

۱۔ جریدہ ابلاغ عامہ، کراچی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۱۰ء

۲۔ مجلّہ ابلاغ عامہ (جلد اول، شمارہ اول، کراچی، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء

۳۔ جریدہ ابلاغ عامہ (جلد دوم، شمارہ اول، کراچی، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء

۴۔ مجلّہ ابلاغ عامہ (جلد سوم)، کراچی، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء

۵۔ متین الرحمٰن مرتضٰی، مصحف، کراچی، مشمولہ شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی۔

۶۔ مشمولہ جرنلسٹ، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی

۷۔ مشمولہ، جرنل آف ماس کمیونیکیشن، (جلد ۵)، شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۲۰۱۰ء

Bibliography

1. Tony Harcup,"Journalism Principles and Practice",Vistaar Publications, New Delhi, 2005
2. Terry Mohan,Helen McGregor,Shirley Saunders, Ray Archee, "Communicating as Professionals", Nelson Australia Pty Limited,2004
3. Shahida Kazi, "Black White & Grey", Hashmi Printer,Pakistan,2005
4. Stephen W.Littlejohn, Karen A.Foss, " Theories of Human Communication", Scratchgravel Publishing Services,Canada, 2004
5. Maithre Wickramasinghe, "From Theory to Action -Women gender & Development", Friedrich Ebert Stiftung,Colombo,2000
6. Farooq Bajwa, " Pakistan -A Historical and Contemporary Look", Oxford University Press,Pakistan, 1999
7. W.Phillips Davison, James Boylan, Frederick T.C. Yu, " Mass Media-Systems And Effects" (Second Edition), CBS College Publishind, Canada, 1982
8. Zamir Niazi,"Fettered Freedom",Pakistan Study Centre,University of Karachi,Pakistan, 2005
9. Khawaja Muhammad Sharif,"The West Pakistan Press & PUblications Ordinance (of 1963)",Mansoor Book House,Lahore
10. John Wilson,"Understanding Journalism",Routledge International Thomson Publishing Company,Britain,1996
11. R.E.Wolseley and Laurence R.Campbell,"Exploring Journalism",Prentice H.all.Inc.America,1943
12. John HohenBerg," The Professinal Journalist", Oxford & IBh Publishing Co.New Delhi,1978
13. Richard Rudin,Trevor Ibbotson,"An Introduction to Journalism", Focal Press,Oxford,Britain,2002
14. Anthony Davis,"Magazine Journalism Today",Heinemann Professional Publishing Ltd.,Oxford,Britain, 1988
15. James R. Wilson, Stan Le Roy Wilson, "Mass Media / Mass Culture", Fourth Edition, Mc Graw-Hill. Inc, America, 1998.
16. Joseph R. Dominick, " The Dynamics of Mass Communications", 8th edition, Mc Graw Hill. International edition, America, 2005.
17. Sibte Hasan, "The Battle of Idea in Pakistan"; Pakistan Publishing House, Karachi,1989.

رسائل:

ا

- الف لیلیٰ ڈائجسٹ، کراچی، جولائی ۱۹۸۰ء
- آنچل ڈائجسٹ، کراچی، نومبر ۱۹۸۳ء
- الہلال، جولائی ۱۹۱۲ء، متفرق شمارے
- اردو ادب، راولپنڈی، مئی، جون ۱۸۸۶ء
- اردو ادب، راولپنڈی، دسمبر ۱۹۸۴ء
- اردو ادب، راولپنڈی، جون ۱۹۸۵ء
- اردو ادب، راولپنڈی، جنوری، فروری ۱۹۸۶ء
- اوراق، لاہور، نومبر، دسمبر، ۱۹۸۳ء
- ماہنامہ 'اقدار'، کراچی، متفرق شمارے
- سہ ماہی 'اردو'، کراچی، اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۹ء
- اردو ڈائجسٹ، لاہور، اگست ۱۹۹۹ء
- ماہنامہ 'افکار'، کراچی، جشن سیمیں ایڈیشن، اگست، دسمبر ۱۹۷۰
- ماہنامہ 'افکار'، کراچی، مئی ۱۹۹۲ء
- ماہنامہ 'ادب لطیف'، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۱ء، متفرق شمارے
- اخبار جہاں، کراچی، دسمبر ۲۰۱۱
- اخبار جہاں، کراچی، مئی ۲۰۱۲
- اخبار خواتین، کراچی، اگست ۱۹۸۴ء
- اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء
- اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۲ء، متفرق شمارے
- ماہنامہ 'اخبار وطن' کراچی، دسمبر ۱۹۸۶ء
- ماہنامہ 'اخبار وطن'، کراچی، دسمبر ۱۹۹۱ء
- آنکھ مچولی، کراچی، اکتوبر ۱۹۹۲ء
- سہ ماہی اردو، کراچی، ۱۹۷۲ء
- ہفت روزہ 'افریشیا' لاہور، ۱۹۷۹ء، متفرق شمارے

- ہفت روزہ 'الفتح'، کراچی، نومبر ۱۹۷۲ء
- ہفت روزہ 'الفتح'، کراچی، جنوری ۱۹۷۳ء
- ہفت روزہ 'الفتح'، کراچی، ۱۹۷۵ء، متفرق شمارے

ب

'بھائی جان'، کراچی، جولائی ۱۹۵۸ء

'بھائی جان'، کراچی، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۲ء

پ

پاکستانی ادب، کراچی، اپریل ۱۹۷۵ء

پاکستانی ادب، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۷ء

پاکیزہ ڈائجسٹ، کراچی، ۱۹۷۸ء، متفرق شمارے

ت

- ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۴۰ء، متفرق شمارے
- تخلیق، لاہور، دسمبر ۲۰۰۷ء
- تعلیم و تربیت، لاہور، اگست ۱۹۷۰ء
- تعلیم و تربیت، لاہور، ستمبر ۱۹۷۷ء
- ہفت روزہ 'تکبیر'، کراچی، مارچ ۱۹۸۴ء
- ہفت روزہ 'تکبیر'، کراچی، ۱۹۸۸ء، متفرق شمارے

ٹ

- ٹوٹ بٹوٹ، اگست ۲۰۰۱ء

ج

- ماہنامہ 'جاوید'، لاہور، خاص نمبر ا
- ہفت روزہ 'جاوید' خیر پور، اپریل، مئی ۱۹۸۷
- جاسوسی ڈائجسٹ، کراچی، مارچ ۱۹۸۵ء

چ

- ہفت روزہ 'چٹان' لاہور، ۱۹۶۶ء، متفرق شمارے

ح

- حکایت ڈائجسٹ، لاہور، ۱۹۷۱ء، متفرق شمارے
- ہفت روزہ 'حرمت' اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۱ء، متفرق شمارے

خ

- خواتین ڈائجسٹ، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء
- خواتین ڈائجسٹ، کراچی، اپریل ۲۰۱۱ء

د

- ماہنامہ 'دوشیزہ ڈائجسٹ'، کراچی، ۱۹۸۳ء
- ماہنامہ 'دوشیزہ ڈائجسٹ'، کراچی، اکتوبر ۱۹۸۵ء
- دلگداز، مئی ۱۹۱۲ء
- دلگداز، ستمبر ۱۹۱۳ء
- دلگداز، نومبر ۱۹۱۷ء

ز

- ہفت روزہ 'زندگی' لاہور، ۱۹۷۲ء، متفرق شمارے

ص

- صحیفہ، لاہور، جون ۱۹۵۱ء
- صحیفہ، لاہور، جولائی ۱۹۷۱ء

ط

- ہفت روزہ 'طاہر'، لاہور، ۱۹۷۶ء، متفرق شمارے

ع

- عالمی ڈائجسٹ، کراچی، اپریل ۱۹۶۶ء
- عالمی ڈائجسٹ، کراچی، نومبر ۱۹۶۸ء

ف

- فنون، لاہور، نومبر، دسمبر ۱۹۷۲ء
- فنون، لاہور، نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ء
- ہفت روزہ 'فیملی' کراچی، ۲۷ مئی۔۲ جون
- فکر ونظر، راولپنڈی/اسلام آباد، اگست ۱۹۶۳ء
- ہفت روزہ 'فرائیڈے اسپیشل' کراچی، ۲۰۱۱ء، متفرق شمارے

ق

- قومی ڈائجسٹ، کراچی، ۱۹۷۸ء، متفرق شمارے
- قومی زبان، کراچی، اپریل ۱۹۶۴ء
- قومی زبان، کراچی، ۱۹۷۷ء، متفرق شمارے
- سہ ماہی 'قلم قبیلہ' کوئٹہ، مارچ ۲۰۰۳ء
- ماہنامہ 'کرکٹر' کراچی، ۱۹۸۸ء، متفرق شمارے

ل

- ہفت روزہ 'لیل ونہار'، لاہور، مارچ ۱۹۶۰
- ہفت روزہ 'لیل ونہار'، لاہور، دسمبر ۱۹۷۲ء، متفرق شمارے
- ہفت روزہ 'لیل ونہار'، لاہور، دسمبر ۱۹۷۳ء

م

- مہر نیم روز، کراچی، ۱۹۵۶ء، متفرق شمارے
- ماہنامہ 'نقوش'، لاہور، سالنامہ، اپریل، مئی، جون ۱۹۶۶ء
- ماہنامہ 'نقوش'، لاہور، نومبر ۱۹۶۴ء
- ماہنامہ 'نقوش'، لاہور، میر تقی میر نمبر ۲، نومبر ۱۹۸۰ء
- ماہنامہ 'معاشیات'، کراچی، کانفرنس نمبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۹ء
- ماہنامہ 'معاشیات'، کراچی، ستمبر ۱۹۵۳ء
- معیار، جنوری۔ جون ۲۰۱۲ء، شعبہء اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

- علی گڑھ منتھلی،۱۹۰۴ء
- مخزن، سالگرہ نمبر، مارچ ۱۹۲۹ء

ن

- ماہنامہ 'نیا دور'
- نقوش آپ بیتی نمبر، لاہور
- نقوش شخصیات نمبر ۲، لاہور اکتوبر، ۱۹۵۶ء

س

- ماہنامہ 'سویرا'، لاہور، پہلی سہ ماہی، ۱۹۶۷
- سائنس ڈائجسٹ، کراچی، ۲۰۰۱ء، متفرق شمارے
- ماہنامہ 'ساقی'، کراچی، شاہد احمد دہلوی نمبر، ۱۹۷۰ء
- ماہنامہ 'ساقی'، کراچی، فروری ۱۹۸۴ء
- سیپ، کراچی، خاص نمبر۔
- سب رنگ ڈائجسٹ، کراچی، دسمبر ۱۹۷۴ء
- ساتھی، کراچی، فروری ۱۹۹۰ء
- سائنس بچوں کے لئے، کراچی، مارچ ۱۹۷۲ء، متفرق شمارے
- سائنس بچوں کے لئے، کراچی، اپریل، مئی ۱۹۷۳ء

- List of Periodicals and Newspapers, 1988-89, Lahore, The Quaid-e-Azam Library.
- List of Weeklies, Fortnightlies, Monthlies, Bi monthlies, Quarterlies, Six monthlies and Annual Magazines from Press Information Department, Govt of Sindh.

ضمیمہ جات

APPENDICES

(فہرست برائے اردو رسائل)

ضمیمہ (الف)

ادبی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	محب ہند	ادبی	۔	۱۸۴۷ء	ماہنامہ	ماسٹر رام چندر	ماسٹر رام چندر	۔	مطبع العلوم	۔	۵۰
۲۔	مفید الخلائق	ادبی	آگرہ	۱۹۵۶ء	ماہنامہ	منشی شیو نارائن	۔	۔	مفید الخلائق پریس	سالانہ چندہ ۹ روپے	۸
۳۔	انجمن اسلامی	ادبی	کلکتہ	۱۸۶۳ء	ماہنامہ	۔		عبداللطیف خان		۔	۔
۴۔	گیا پترکار	ادبی	لاہور	۱۸۶۵ء	ماہنامہ	پنڈت مکندرام کشمیری	پنڈت مکندرام کشمیری			سالانہ ۴ روپے	۔
۵۔	رسالہ انجمن پنجاب	ادبی	لاہور	۱۸۶۵ء	ماہنامہ	جی ڈبلیو لائٹرز	جی ڈبلیو لائنڈ	جی ڈبلیو لائٹز	مطبع انجمن پنجاب	۔	۔
۶۔	مجمع الفنون	ادبی	گوجرانوالہ	۱۸۶۱ء	ماہنامہ	منشی گیان چند		۔	گیان پریس	۔	۔
۷۔	رسالہ دہلی سوسائٹی	ادبی		۱۸۶۶ء	ماہنامہ	ماسٹر پیارے لال	سوسائٹی کا سیکریٹری	۔	۔	۔	۔
۸۔	ذخیرہ بالگوبند	ادبی	آگرہ	۱۸۶۸ء	ماہنامہ	بال گوبند ماتھر		۔	آگرہ اردو	سالانہ ۶ روپے ۱۲ آنے	۴۳
۹۔	مظہر العلوم	ادبی	شاہجہاں پور	۱۸۶۸ء	ماہنامہ	سید اصغر علی	فضل کریم	۔	محمد	سالانہ ۴۴ روپے	
۱۰۔	زمانہ	ادبی	آگرہ	۱۸۸۱ء	ماہنامہ	مولوی خواجہ یوسف علی		۔	آگرہ اخبار	سالانہ چندہ دس پیسے	۴۰
۱۱۔	دلگداز	ادبی	لکھنؤ	۱۸۸۷ء	ماہنامہ	مولوی عبدالحلیم شرفا	مولوی عبدالحکیم شرفا	۔	قومی پریس	سالانہ چندہ ایک روپیہ	۲۰
۱۲۔	ادیب	ادبی	لکھنو	۱۸۸۷ء	ماہنامہ	ہدایت رسول	۔	۔	۔	سالانہ ۲ روپے	۳۴
۱۳۔	کشف الحقائق	ادبی	بمبئی	۱۸۹۵ء	ماہنامہ	حسام الدین	حسام الدین	۔	یونیورسل پریس	سالانہ بارہ آنے	۱۶
۱۴۔	خدنگ نظر	ادبی	لکھنؤ	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	نوبت رائے نظر	نوبت رائے نظر	۔	آصفی پریس	سالانہ ۲ روپے	۴۸
۱۵۔	ادیب	ادبی	آگرہ	۱۸۹۹ء	ماہنامہ		سیما اکبرآبادی		مفید عام آگرہ	سالانہ چار آنے	۵۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۶۔	مخزن	ادبی	لاہور	۱۹۰۱ء	ماہنامہ	شیخ عبدالقادر	شیخ عبدالقادر	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۷۔	تحفۂ آرزو	ادبی	بہار شریف	۱۹۰۱ء	ماہنامہ	-	سید شاہ فدا حسین	-	-	-	-
۱۸۔	اردوئے معلی	ادبی	علی گڑھ	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	سید فضل حسین حسرت موہانی	سید فضل حسین حسرت موہانی	-	احسن المطابع علی گڑھ	چار آنے	۴۸
۱۹۔	لسان الصدق	ادبی	کلکتہ	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	ابوالکلام آزاد	-	ہادی المطابع	سالانہ ایک روپے چھ آنے	۴۲
۲۰۔	ہمدرد	ادبی	آگرہ	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	نواب وقارالملک	محمد قادر علی صوفی	-	مفید عام آگرہ	سالانہ ۳ روپے	-
۲۱۔	تفریح الاحباب	ادبی	جے پور	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	-	مضطر جے پوری	-		سالانہ سوا روپیہ	۴۸
۲۲۔	زبان	ادبی	دہلی	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-	خواجہ فہد حسن ناز	اتم اکبرآبادی	زبان پریس دہلی	سالانہ ۳ روپے	۸۰
۲۳۔	فصیح الملک	ادبی	لاہور	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	مولوی وجاہت حسین جھنجھانوی	-	-	-	-	۴۸
۲۴۔	ید بیضاء	ادبی	سکندر آباد	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	حکیم سید محمد سعید		منشی ہرپرشاد بلند شہر	سالانہ ۳ روپے	-
۲۵۔	معیار	ادبی	لکھنؤ	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	-	حکیم سید علی خان اکبر لکھنوی	-	معیار پریس	سالانہ ۶ روپے	۳۲
۲۶۔	شمس بنگالہ	ادبی	کلکتہ	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	-	مولوی بدر الزماں	-		چار آنے	۴۰
۲۷۔	تنویر الشرق	ادبی	کلکتہ	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	مولوی قاضی ابو مظفر	-	رضوان پریس	سالانہ ۲ روپے	۳۲
۲۸۔	زبان	ادبی	دہلی	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	ساحل دہلوی، منشی موہن لال	-	تحفۂ سید دہلی	ساڑھے چار آنے	۶۰
۲۹۔	صدائے عام	ادبی	دہلی	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	میر ناصر علی	میر ناصر علی	-	ناصری فراش خانہ	سالانہ ۶ روپے	۳۲
۳۰۔	ادیب	ادبی	الہ آباد	۱۹۱۰ء	ماہنامہ	-	منشی نوبت رائے نظر	-	انڈین پریس الہ آباد	سالانہ چار روپے	۴۸

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۳۱۔	زبان اردو	ادبی	شاہ جہاں پور	۱۹۱۰ء	ماہنامہ	نواب ناظم علی خان ہجر شاہ جہاں پوری	نواب ناظم علی خان ہجر شاہ جہاں پوری	-	تاجی پریس	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۴۰
۳۲۔	خلاصہ	ادبی	علی گڑھ	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	-	محمد عبدالاسلام	-	فیض عام علی گڑھ	سالانہ ۲ روپے	۳۲
۳۳۔	تمدن	ادبی	دہلی	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	شیخ محمد اکرام، راشد الخیری	-	تمدن پریس	چار آنے	۷۲
۳۴۔	اردو	ادبی	جالندھر	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	فتح محمد خان جالندھری	فتح محمد خان جالندھری	-	روز بازار اسٹیم پریس	-	۵۶
۳۵۔	الحجاب	ادبی	بھوپال	۱۹۱۱ء	پندرہ روزہ	-	سید محمد یوسف قیصر	-	-	سالانہ ۵ روپے	-
۳۶۔	بہار بزم	ادبی	سہارن پور	۱۹۱۱ء	ماہنانہ	-		منشی محمد جعفر	-	سالانہ سوا روپیہ	۳۲
۳۷۔	پرہیزگار	ادبی	لاہور	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	شیین سہائے آزاد	-	-	-	۴۰
۳۸۔	آفتاب اردو	ادبی	لدھیانہ	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	مولانا احسان اللہ خان	تاجور نجیب آبادی	-	-	-	
۳۹۔	تاج	ادبی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	غلام محمد وفا	-	-	-	۴۸
۴۰۔	المضمون	ادبی	مدراس	۱۹۱۲ء		-	منشی محمد اظفرالدین	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۴۴
۴۱۔	ادیب	ادبی	دہلی	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-		-	-	سالانہ ساڑے چار روپے	۴۸
۴۲۔	ادب	ادبی	پٹیالہ	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	-	مولوی مصطفیٰ خان صاحب	-	-	سالانہ ۳ روپے	۴۰
۴۳۔	شاہد سخن	ادبی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	گوندر پرشاد شاہ	گوندر پرشاد شاہ احسان	-	انیکا پریس	فی پرچہ چار آنے	۴۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۴۔	العلم	ادبی	کان پور	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	حکیم ابوالعلامہ احمد ناطق لکھنوی	حکیم ابوالعلامہ احمد ناطق لکھنوی	۔	سالانہ چندہ ۴ روپے	۴۸
۴۵۔	نقاد	ادبی	آگرہ	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	سید نظام الدین دلگیر	۔	شمسی آگرہ	سالانہ ۳ روپے	۵۲
۴۶۔	تنویر	ادبی	انبالہ	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	حکیم سید ذاکر حسین	منشی کریم اختر بخش	بلدی اسٹیم پریس	سالانہ ۲ روپے	۴۸
۴۷۔	اردو	ادبی	لاہور	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	مولوی فتح محمد خان جالندھری	۔	۔	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۴۸۔	کیلاش	ادبی	فیروز پور	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	اذاں فیروز آبادی	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۳۲
۴۹۔	جوہر سخن	ادبی	جے پور	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	مولوی سید نظر حسین	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۵۰۔	فانوس خیال	ادبی	پٹھان کوٹ	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	ابورشید عبدالحمید سالکیالوی	۔	مجیدی پریس امرتسر	سالانہ تین آنے	۶۴
۵۱۔	الرشید	ادبی	دیوبند	۱۹۱۶ء		۔	مولوی حبیب الرحمٰن	۔	قاسمی دیوبند	سالانہ ۵ روپے	۳۲
۵۲۔	نظارہ	ادبی	میرٹھ	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	۔	محمد عبدالحمید میرٹھی علیگ	۔	۔	پانچ آنے	۴۰
۵۳۔	پیام امید	ادبی	محمود آباد	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	۔	بیگم اظہر علی آزاد	منشی عبدالعزیز	عزیزی پریس آگرہ		۴۸
۵۴۔	شعلہ	ادبی	دہلی	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	۔	مولانا سید ناصر جلالی اور حافظ غلام احمد نور دہلوی	۔	۔	ڈھائی روپے	۴۸
۵۵۔	ادیب	ادبی	لاہور	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	فخر الدین محمود	۔	جارج اسٹیم پریس	سالانہ ۳ روپے	۴۰

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۵۶۔	پیام یار	ادبی	لاہور	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	صوفی پرتھی سنگھ	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۳۲
۵۷۔	افادہ	ادبی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	مرزا نظام شاہ حبیب	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۸
۵۸۔	اتحاد	ادبی	امرتسر	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	منشی مولا بخش کشتہ	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۳۲
۵۹۔	گلشن	ادبی	لاہور	۱۹۱۷ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۴۰
۶۰۔	سخن سنج	ادبی	لکھنؤ	۱۹۱۷ء	سہ ماہی	۔	۔	۔	۔	سالانہ ۹ آنے	۴۴
۶۱۔	کہکشاں	ادبی	لاہور	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	۔	امتیاز علی تاج	غلام قادر مسیحی	۔	۔	۶۲
۶۲۔	صبح امید	ادبی	لکھنؤ	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	۔	برج نارائن چکبست	پنڈت کشن پرشاد	ہندوستانی پریس	سالانہ ۳ روپے	۶۶
۶۳۔	ثمرۃ الادب	ادبی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	۔	عبدالواسع	۔	۔	سالانہ ۲ روپے	۴۸
۶۴۔	نظام	ادبی	لاہور	۱۹۱۹ء	ماہنامہ	۔	محمد الدین فوق	۔	گلزار محمدی اسٹیم پریس	فی پرچہ چار آنہ	۵۶
۶۵۔	دلکش	ادبی	مرادآباد	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	۔	اوتار کشن اگروال	۔	منوہر پریس مرادآباد	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۶۶۔	شباب اردو	ادبی	لاہور	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	۔	خان محمد حسین	۔	۔	سالانہ ۵ روپے	۴۸
۶۷۔	ادیب	ادبی	ناگ پور	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	۔	خان مولوی عبدالحق	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۰
۶۸۔	جواہرات	ادبی	دہلی	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	۔	سراج حکیم	حافظ حمید اللہ بیگ	ماہر دہلوی	سالانہ چندہ آٹھ آنے	۱۶
۶۹۔	اردو	ادبی	اورنگ آباد	۱۹۲۱ء	سہ ماہی	۔	مولوی عبدالحق	۔	۔	سالانہ ۱۰ روپے	۴۸
۷۰۔	مرتضوی	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	۔	خواجہ حسن مرتضوی	۔	۔	سالانہ ۲ روپے	۶۴

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۷۱۔	آئینہ	ادبی	الہ آباد	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	–	ڈاکٹر عطاء اللہ	–	–	سالانہ ۵ روپے	
۷۲۔	تحفہ خوشتر	ادبی	گورکھپور	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	–	بابو پردوست سنگھ	–	–	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۷۳۔	بہار	ادبی	ناسک	۱۹۲۱ء	دوماہی	–	بسمل لکھنوی	–	–	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۳۲
۷۴۔	ہزارداستان	ادبی	لاہور	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	–	حصہ نظم، سید مختار الحسین	–	–	–	۴۸
۷۵۔	ارتقاء	ادبی	حیدرآباد	۱۹۲۱ء		–	مولوی افضل شریف	–	–	–	۴۸
۷۶۔	نگار	ادبی	بھوپال	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	–	نیاز فتح پوری	–		سالانہ چار روپے	
۷۷۔	تصوف	ادبی	لاہور	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	–	محمد حفیظ اللہ قریشی	–	کریمی اسٹیم پریس	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۷۸۔	حسن ادب	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۲ء		–	جناب ابوالکلام لطف لکھنوی	–	–	سالانہ ۲ روپے آٹھ آنے	۴۰
۷۹۔	ادبی دنیا	ادبی	لاہور	–	ماہنامہ	تاجور نجیب آبادی	تاجور نجیب آبادی	–	–	سالانہ ایک روپیہ	۹۶
۸۰۔	جادو	ادبی	ڈھاکہ	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	–	خواجہ محمد عادل	–	حقیقت پریس باورجی ٹولہ	سالانہ ۱۲ روپے	۴۸
۸۱۔	الصالح	ادبی	دہلی	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	–	غلام احمد خان برہان الخیر	–	–	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۸۲۔	پیمانہ	ادبی	آگرہ	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	–	علامہ سیماب اکبرآبادی اور ساغر نظامی	–	–	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۸۳۔	سوز و ساز	ادبی	دہلی	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	–	حضرت قوی امروہی	–	–	سالانہ چار روپے	۴۶
۸۴۔	ترچھی نظر	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	–	–	–	–	سالانہ ۳ روپے	۴۸

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۸۵۔	تحفۂ	ادبی	حیدرآباددکن	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	محب اللہ عالی	۔	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۸۶۔	دلفگار	ادبی	لاہور	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔	خواجہ غلام نقشبندی نقاش	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۳۲
۸۷۔	معراج الکلام	ادبی	امروہہ	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	۔	محمد فیاض علی خان امروہوی	۔	اخبار پریس	سالانہ ایک روپیہ	۲۴
۸۸۔	نیرنگ خیال	ادبی	لاہور	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	۔	حکیم محمد یوسف	۔	کریمی پریس لاہور	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۸۹۔	کشاف	ادبی	امرتسر	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	۔	محمد غریب	۔	آفتاب برقی پریس	فی پرچہ تین آنے	۲۴
۹۰۔	نوید	ادبی	پٹنہ	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	۔	عبدالہادی محمد سیاقی	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۲۴
۹۱۔	شادمان	ادبی	جے پور	۱۹۲۵ء		۔	حکیم نورالحسن صدیقی	۔	۔	سالانہ چندہ ۵ روپے	۳۲
۹۲۔	سہیل	ادبی	علی گڑھ	۱۹۲۵ء	سہ ماہی	سید احمد صدیقی	سید احمد صدیقی	۔	۔	سالانہ آٹھ روپے	۶۲
۹۳۔	نشتر	ادبی	آگرہ	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	شہاب اکبرآبادی	۔	۔	سالانہ ۲ روپے	۴۰
۹۴۔	نشتر	ادبی	احمدآباد	۱۹۲۵ء	ماہنامہ		جناب عیسیٰ خان	۔	۔	سالانہ ۳ روپے	۶۴
۹۵۔	پروین	ادبی	آگرہ	۱۹۲۵ء	ماہنامہ		بابو پربھوپال شام اکبرآبادی	۔	۔	۔	۴۸
۹۶۔	حسن ادب	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۵ء	ماہنامہ		ابوکمال محمد واحد علی عطف لکھنوی	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۹۷۔	تجلی	ادبی	دہلی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ		مولوی ظہور احمد	۔	تجلی پریس	سالانہ ۲ روپے	۳۲
۹۸۔	پیشوا	ادبی	دہلی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ		سید عزیز حسن بقائی	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۳۲

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۹۹۔	افغان	ادبی	ہوتی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	ابوالمعانی آزاد	-	-	-	۴۸
۱۰۰۔	سہیل	ادبی	علی گڑھ	۱۹۲۶ء	سہ ماہی	-	آزادسیداحمد صدیقی	-	-	سالانہ ۷روپے	۸۰
۱۰۱۔	اقتباس	ادبی	بمبئی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	بشارت بدایونی	-	-	سالانہ ۳روپے	۴۸
۱۰۲۔	بہارستان	ادبی	لاہور	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	اختر شیرانی	-	-	سالانہ ۵روپے	۸۸
۱۰۳۔	منادی	ادبی	دہلی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	خواجہ حسن نظامی	-	-		۱۲
۱۰۴۔	پیمانہ	ادبی	لاہور	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	سیماب اکبرآبادی	ساغر نظامی	-	-	ساڑے پانچ روپے سالانہ	۸۰
۱۰۵۔	ادبستان	ادبی	بمبئی	۱۹۲۶ء	ماہانہ	-	رشید احمد صدیقی	-	-	۴روپے سالانہ	۶۴
۱۰۶۔	تجلی	ادبی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	سید سردار علی	-	-	سالانہ تین روپے	-
۱۰۷۔	آفتاب	ادبی	کلکتہ	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	مولانا حسرت کاشمیری	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۱۰۸۔	دل	ادبی	آگرہ	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	سید حکیم سعید الحسن شہاب اکبرآبادی	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۱۰۹۔	سہیل یمن	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	سید نواب علی رضوی	-	نورالمطابع	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۰۔	فردوس	قادبی	فیض آباد	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	-	ماسٹر امداد حسین ناشاد	-	-	-	۴۰
۱۱۱۔	پیمانہ	ادبی	دربھنگہ	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	مولانا تھوروی	-	-	-	-

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۱۲۔	تفریح	ادبی	بجنور	۱۹۲۷ء	ماہنامہ	-	آغا رفیق بلند شہر	-	نجات حسین پریس بجنور	سالانہ ۲ روپے	۵۶
۱۱۳۔	زبان	ادبی	کاٹھیاوار	۱۹۲۷ء	ماہنامہ	-	عبدالرحمٰن خوشتر	-	-	سالانہ ۴ روپے	۵۶
۱۱۴۔	مرقع ادب	ادبی	انبالہ	۱۹۲۷ء	ماہنامہ	-	محمد اسماعیل	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۵۔	ادیب	ادبی	پشاور	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	آغاجی اے گل	مولانا عبدالمجید سالک	-	-	۳ روپے سالانہ	۴۴
۱۱۶۔	سفینہ	ادبی	مدراس	۱۹۲۸ء	سہ ماہی	-	مولوی عبدالحق	-	-	-	۱۹
۱۱۷۔	آزاد	ادبی	آگرہ	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	خواجہ محمد امیر صبا اکبر آبادی	-	-	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۱۱۸۔	ارمغان	ادبی	دہلی	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	سید وصی اشرف	-	دہلی پرنٹنگ پریس	سالانہ ایک روپیہ	۴۰
۱۱۹۔	صحیفہ عثمانی	ادبی	کھام گاؤن	۱۹۲۹ء		-		-	-	-	۴۸
۱۲۰۔	غالب	ادبی	آگرہ	۱۹۲۹ء	ماہانہ	محمد شفیع کاشف اکبر آبادی	مقبول حسین قابل اکبر آبادی	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۱۲۱۔	مونس	ادبی	گوجرانوالہ	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	لالہ گروبادی	-	-	سالانہسوا تین روپے	۴۸
۱۲۲۔	متصر	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	ابوالعلاء ناطق حکیم شیفتہ	-	-	سالانہ چار روپے	۴۸

X

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۳۔	ادب	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	سید اعظم حسین	-	-	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۲۴۔	روح ادب	ادبی	لاہور	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	محمد نذیر حسین	-	-	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۲۵۔	ساقی	ادبی	دہلی	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	شاہد محمد زیدی	اشتیاق حسین	دہلی پرنٹنگ پریس دہلی	سالانہ ۳ روپے	۶۴

علمی، تعلیمی، سائنسی رسائل ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	فوائد الناظرین	مضامین اور تاریخی	دہلی	۱۸۴۵ء	ماہنامہ بعد میں پندرہ روزہ	-	ماسٹر رام چندر	-	-	ماہانہ دو آنہ	چار صفحے پھر آٹھ صفحے
۲۔	ہمائے بے بہا	سائنسی، تعلیمی	لاہور	۱۸۵۳ء	پندرہ روزہ	-	-	-	-	-	-
۳۔	معلم ہند	تعلیمی	لاہور	یکم جولائی ۱۸۵۴ء	ماہنامہ	-	-	-	محمد حسن احسن کلانوری	سالانہ ڈھائی روپے	۳۰
۴۔	معلم العملہ	تعلیمی/ادبی	آگرہ	جنوری ۱۹۵۵ء	ماہنامہ	-	-	منشی سدا سکھ لال	مطبع نور العباد	سالانہ چار روپے	۱۲
۵۔	خورشید پنجاب	علمی/سائنسی	لاہور	جنوری ۱۸۵۶ء	ماہنامہ	منشی ہر سکھ رائے	-		مطبع کوہ نور	سالانہ چار روپے	۵۰
۶۔	انسٹی ٹیوٹ	تعلیمی	مظفر نگر	یکم جون ۱۸۶۷ء	ماہنامہ	-	-	محمد زکریا	مطبع گلشن فیض	سالانہ چھ روپے بارہ آنے	۸
۷۔	ڈی بے ٹنگ سوسائٹی	تعلیمی	میرٹھ	۱۸۶۸ء	ماہنامہ	-	-	-	مطبع محب کشور ہند	سالانہ چھ روپے بارہ آنے	۲۶۰
۸۔	اتالیق پنجاب	علمی	پنجاب	یکم جنوری ۱۸۷۰ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	-
۹۔	تہذیب الاخلاق	علمی/تعلیمی	علی گڑھ	۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء	ماہانہ/پندرہ روزہ	-	سرسید احمد خان	-	-	سالانہ تین روپے	-
۱۰۔	انجمن مناظرہ	تعلیمی	دہلی	مئی ۱۸۷۱ء	-	-	نذیر علی	-	مطبع محمدی	سالانہ تین روپے	-
۱۱۔	مراسلہ کشمیر	-	-	۱۸۷۲ء	ماہنامہ	-		پنڈت شیو نرائن بہار	مطبع نول کشور	-	۶۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۔	مخزن الفوائد	علمی	حیدرآباد	۱۲ مئی ۱۸۷۴ء	ماہنامہ	-	مولوی سعید حسین	مسیح الزمان	دارالطبع سرکار عالی	سالانہ آٹھ روپے	۸۰
۱۳۔	کلیہ امتحان مڈل اسکول انٹرنس	تعلیمی	گوجرانوالہ	۱۸۷۷ء	ماہنامہ	-	-	منشی محبوب عالم	مطبع خادم التعلیم	سالانہ ڈیڑھ روپے	۲۴
۱۴۔	کاشی پترکا	علمی	بنارس	۱۵ جنوری ۱۸۷۸ء	پندرہ روزہ	رامانند	-	پنڈت کشمیر شنکر بی اے	مطبع چندر پربھا پریس	سالانہ چھ روپے بارہ آنے	۳۲
۱۵۔	خزینۃ العلوم	تعلیمی	سیتاپور	۱۸۷۹ء		ماسٹر منی لال	-	-	مطبع صبح صادق	سالانہ ایک روپے دو آنے	
۱۶۔	ہندوستانی اردو لغت	-	-	یکم نومبر ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	منشی سید احمد دہلوی	-	-	-	-	۲۴
۱۷۔	معلم شفیق	علمی	حیدرآباد دکن	۱۸۸۲ء	ماہنامہ / ہفت روزہ	مولوی محمد حسین	محب حسین	-	-	سالانہ چھ روپیہ	-
۱۸۔	اردو انسٹرکٹر		بمبئی	۱۸۸۲ء	ماہنامہ	منشی شیخ حاجی غلام محمد خان		-	مطبع گیرنتھ پرکاش	سالانہ دس روپے	۲۸
۱۹۔	ست پرکاش	علمی	بانس بریلی	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	-	پنڈت مچھیری لال	اے کشن لال	مطبع وبدقیصری	سالانہ پانچ روپے	۸
۲۰۔	گلشن ریاضی	تعلیمی	آگرہ	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	خواجہ یوسف علی، منشی امیر الدین	-	-	مطبع آگرہ	سالانہ چھ روپے	۲۴
۲۱۔	جامع العلوم		مرادآباد	یکم جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	منشی نرائن داس	-	منشی پریشر داس	سندر پریس		۱۶
۲۲۔	رفیق دکن	تعلیمی	حیدرآباد	یکم اگست ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	-	ماسٹر عزیز الدین	دارالطبع سرکار	سالانہ ڈھائی روپیہ	۴۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۳۔	معلم ہند	تعلیمی	لاہور	یکم جولائی ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	حسن احسن کلاضوری	-	-		سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۲۴۔	ذخیرہ تعلیم	تعلیم	حیدرآباد دکن	یکم نومبر	-	مولوی عزیز الدین	-	-	دار المطبع سرکار عالی	سالانہ تین روپیہ	۴۸
۲۵۔	افسانہ ایام	تعلیمی	دہلی	یکم جولائی ۱۸۸۵ء	-	مولوی نصرت علی خان قیصر	-	-	نصرت المطابع	سالانہ دس روپیہ	۲۰
۲۶۔	انجینیئرنگ گائیڈ	تعلیمی	لاہور	یکم جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ		-	مولوی کریم بخش	-	سالانہ چھ روپے	۱۲
۲۷۔	اسٹوڈنٹ گائیڈ	تعلیمی	لاہور	یکم نومبر ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	ہربھگت سنگھ	-	دیوان مایا سنگھ	-	سالانہ دو روپے	۲۴
۲۸۔	سرمایہ قراست	تعلیمی	بھوپال	یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	-	مولوی غضنفر حسین	-	-	سالانہ دو روپے	۱۶
۲۹۔	مجموعہ العلوم الفنون	تعلیمی	لاہور	یکم اپریل ۱۸۸۶ء	-	-	مولوی عبداللہ خان	-	-	سالانہ دو روپے	۸
۳۰۔	مرقع عالم	علمی	ہردوئی		ماہنامہ	حکیم محمد علی خان		-	-	سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے	
۳۱۔	پنجاب ریویو	علمی	امرتسر	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	-	پادری رجب علی	-	مطبع وکیل ہند	سالانہ بارہ روپے	۱۵۶
۳۲۔	خادم الطلباء	تعلیمی	دہلی	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	سہ ماہی	مولوی خواجہ الطاف حسین		-		سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۱۶
۳۳۔	رسالہ حسن	علمی	-	اگست ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	-	حسن بن عبداللہ عماد نواز جنگ	-	مطبع خاص حیدرآباد دکن	سالانہ نو روپے	-
۳۴۔	محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین	علمی	علی گڑھ	جنوری ۱۸۹۳ء	ماہنامہ	-	مولانا شبلی نعمانی	-	فیض عام پریس علی گڑھ	سالانہ تین روپے	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۳۵۔	انتخاب لاجواب		لاہور	۱۸۹۵ء	ماہنامہ	مولوی محبوب عالم		۔	مطبع خادم التعلیم	۔	۔
۳۶۔	افسر	علمی	حیدرآباد دکن	۱۸۹۷ء	ماہنامہ	۔	طب حسین	۔	حیدرآباد پریس	سالانہ چار روپے	۵۰
۳۷۔	المعلومات	علمی	جے پور	جنوری ۱۸۹۹ء	ماہنامہ	۔		۔	۔	۔	۳۳
۳۸۔	شرارہ	علمی	مرادآباد	جنوری ۱۸۹۹ء	پندرہ روزہ	۔		منشی ایم فضل محمد	شمس المطابع مرادآباد	سالانہ دو روپے چھ آنے	۲۴
۳۹۔	علی گڑھ منتھلی	علمی	علی گڑھ	جنوری ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	۔	سید ولایت حسین	۔	ریاض ہند پریس علی گڑھ	سالانہ چار روپے	
۴۰۔	البرہان	علمی	شاہ جہاں پور	اکتوبر ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	۔	محمد کفایت اللہ	۔	مطبع اسلامی پریس شاہ جہاں پور	سالانہ چار روپے	۸
۴۱۔	الندوہ	علمی	شاہ جہاں پور	جولائی ۱۹۰۴ء	ماہنامہ	۔	مولانا شبلی نعمانی	۔	مطبع مفید عام آگرہ	سالانہ چار روپے	۳۱
۴۲۔	ہمدرد	علمی	الہ آباد	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	۔		مولوی جمال الدین	۔	سالانہ ۱۵ روپے	
۴۳۔	معین الطلباء	تعلیمی	لاہور	اپریل ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	منشی طالب علی پابند		۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۴۴۔	صحیفہ	علمی	حیدرآباد دکن	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	۔	رضی الدین حسن کیفی	۔	۔	سالانہ چار روپے	۴۸
۴۵۔	الفیض	علمی مذہبی	فیض آباد	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	۔	محمد یوسف شمس	۔	۔	سالانہ تین روپے	۱۰۰
۴۶۔	رہنمائے تعلیم	تعلیمی	پنڈی کیمپ	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	ماسٹر جگت سنگھ		منشی محمد بشیر	راولپنڈی پریس	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۳۲
۴۷۔	آفتاب	علمی	راجپوتانہ	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	۔	سید محمد حسین رضا رضوی	۔	مطبع احمدی علی گڑھ	سالانہ دو روپے	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۸۔	رفیق الطلبہ		گل برگہ	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	عبدالعلیم	-	مطبع آصفیہ	سالانہ سوا روپیہ	-
۴۹۔	الناظر	علمی	لکھنو	جولائی ۱۹۰۹ء		-	ظفر الملک علوی	-		سالانہ دو روپے	-
۵۰۔	ادیب الاطفال	بچوں کا رسالہ	حیدرآباد دکن	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	-	مرزا احمد اللہ بیگ آغائی ابوالعلائی	-	مطبع اختر دکن	سالانہ ایک روپیہ چودہ آنے	-
۵۱۔	اولڈ بوائے	تعلیمی	بنارس	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	-	ابوحامد عشرت حسین	مولوی رشید احمد انصاری	طبع احمد	سالانہ تین روپے	۳۲
۵۲۔	دربار	تعلیمی	لکھنؤ	۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	منشی رام سہائے تمنا لکھنوی	-	اودھ پریس تحصین گنج لکھنؤ	سالانہ دو روپے	۳۶
۵۳۔	تعلیمی گزٹ	تعلیمی	امرتسر	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	-	-	-		-
۵۴۔	لسان الہند والعجم	علمی	حیدرآباد دکن	جنوری ۱۹۱۳ء		-	نواب عزیز جنگ ولا	-	عزیز المطابع حیدرآباد دکن	سالانہ ایک روپیہ	-
۵۵۔	اقبال	علمی	لدھیانہ	۱۹۱۳ء		-	صاحبزادہ محمد صابر درانی	-	-	سالانہ دو روپے	-
۵۶۔	استاد	تعلیمی	فیروز پور	جنوری ۱۹۱۴ء	ماہنامہ	-	-	محمد ابراہیم	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۵۷۔	شوق	علمی	لاہور	اپریل ۱۹۱۴ء	ماہنامہ	-	شوق لاہوری		برہمن اسٹیم پریس لاہور	سالانہ تین روپے	۵۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۵۸۔	معلومات	علمی	لکھنؤ	جولائی ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	-	عبدالوالی	-	دلگداز پریس لکھنؤ	سالانہ ۵ روپے	۶۴
۵۹۔	القاسم	علمی	دیوبند	جولائی ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	-	مولوی حبیب الرحمٰن	-	مطبع قاسمی دیوبند	سالانہ ۵ روپے	۳۲
۶۰۔	ذخیرہ	علمی	حیدرآباد	نومبر ۱۹۱۵ء	ماہنامہ	سید عمرالحسن جوش بلگرامی		-	صفدر دکن پریس کالی کمان حیدرآباد	سالانہ ۴ روپے	۴۸
۶۱۔	دارالعلوم	علمی	فیض آباد	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	-	مایونی پرشاد سنگھ	-	تعلقہ دار پریس رکاب گنج فیض آباد	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۶۲۔	فریاد	علمی	میرٹھ	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	-	بابو مکند مرادی مختار	-	-	سالانہ ایک روپیہ	-
۶۳۔	رفیق التعلیم	تعلیمی	لاہور	جنوری ۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-	لالہ رگھوناتھ سہائے		مفید عام پریس لاہور	سالانہ تین روپے	-
۶۴۔	اتالیق	بچوں کا رسالہ	حیدرآباد دکن	۱۹۱۷ء		-	عبدالرب	-		سالانہ ۳ روپے	۶۴
۶۵۔	تعلیم و تربیت	تعلیمی	لاہور	۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-	-	-		سالانہ دو روپے	-
۶۶۔	روشنی	علمی	لاہور	نومبر ۱۹۱۸ء	ماہنامہ	-	لالہ حسین		پرکاش اسٹیم پریس لاہور	سالانہ دو روپے	۴۸
۶۷۔	کانفرنس گزٹ	علمی	علی گڑھ	۱۹۱۸ء		-	-	-	-	سالانہ تین روپے	۸۸
۶۸۔	ہم جولی	نوجوانوں کے لیے	امروہہ	جولائی ۱۹۱۹ء	ماہنامہ	-	-	-	-	سالانہ تین روپے	۶۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۶۹۔	دلنواز		ملتان	۱۹۱۹ء		-	دلنواز احمد خان	-	-	سالانہ بارہ آنے	۳۲
۷۰۔	علی گڑھ میگزین	علمی	علی گڑھ	جنوری ۱۹۷۰ء	ماہنامہ	-	رشید احمد صدیقی	-	-		۶۵
۷۱۔	تہذیب الاخلاق		امرتسر	ستمبر ۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-	عبداللہ العمادی	-	-	سالانہ تین روپے	۳۲
۷۲۔	نونہال	بچوں کا رسالہ	حیدرآباد	۱۹۲۰ء	-	-	مرغوب الدین	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۷۳۔	تحریک	علمی	لاہور	مارچ ۱۹۲۱ء	ماہنامہ	-	حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۷۴۔	ہمایوں	علمی	لاہور	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	-	میاں بشیر احمد	-	مرچنٹ پریس لاہور	سالانہ پانچ روپے	۶۴
۷۵۔	نظام کالج میگزین	تعلیمی	حیدرآباد	جنوری ۱۹۲۲ء		-	میر محمد خان	-	-	سالانہ چار روپے	۴۰
۷۶۔	معلم العلوم		حیدرآباد دکن	مارچ ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	خواجہ محی الدین جدت	سراج الدین	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۷۷۔	مظاہر جدید	علمی	دہرہ دون	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	-	-	-	سالانہ تین روپے	۴۰
۷۸۔	المعلم	تعلیمی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۳ء	-	-	مولوی عظمت اللہ	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۷۹۔	ترجمان	علمی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۴ء	-	-	ابوالنور اللہ	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۸۰۔	الفیض	علمی	امرتسر	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	مولانا مولوی نور محمد	ابوالبیان محمد داود فاروقی	-	برقی پریس امرتسر	سالانہ تین روپے	۶۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۸۱۔	شمع تجلی	علمی	دہرہ دون	۱۹۲۴ء	-	-	عبدالعزیز	-	-	سالانہ ایک روپے بارہ آنے	۳۲
۸۲۔	المعلم	علمی	حیدرآباد	۱۹۲۴ء	-	-	نواب مولوی سید محمد حسین	-	-	سالانہ تین روپے آٹھ آنے	۳۲
۸۳۔	اورنیٹل کالج میگزین	علمی	لاہور	فروری ۱۹۲۵ء	سہ ماہی	-	پروفیسر محمد شفیع	-	-	سالانہ تین روپے	۹۶
۸۴۔	گل کدہ	علمی	بریلی	اپریل ۱۹۲۵ء	-	-	مولوی محمد اعتمادالدین	احمد عرش فاروق	مطبع سنگل پرنٹنگ پریس	سالانہ دو روپے	۳۲
۸۵۔	گلدستہ	بچوں کا رسالہ	لاہور	۱۹۲۵ء	-	-	لالہ رگھوناتھ سہائے	-	-	سالانہ پانچ روپے	
۸۶۔	طلیحہ	تعلیمی	علی گڑھ	۱۹۱۵ء	ماہنامہ	-	عبدالشکواء	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۸۷۔	نورس	علمی	اورنگ آباد کالج	۱۹۲۵ء	دوماہی	-		-	-	-	
۸۸۔	قوس وقزح	علمی	لاہور	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	محمد وحید گیلانی	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۸۹۔	یاران قدیم		دہلی	مارچ ۱۹۲۶ء		-	سید محمد روف علی	-	محبوب المطابع دہلی	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۰۔	ادبستان	علمی	بمبئی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	رشید صدیقی، منیر حسین	-	-	-	۶۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۹۱۔	مجلّہ عثمانیہ	علمی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۶ء	سہ ماہی	-	معین الدین قریشی	-	-	سالانہ چار روپے	۹۶
۹۲۔	الامین	علمی	بہار شریف	جنوری ۱۹۲۷ء		-	سید محمد شفیع	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۳۔	موٹر کار	تعلیمی	گورکھ پور	یکم مارچ ۱۹۲۷ء	ماہنامہ	-	عبدالرحمان	-	رفاہ عام پریس گورکھ پور	سالانہ چھ روپے	
۹۴۔	تحفہ	علمی	برما	۱۹۲۷ء		-	عبدالغفار خان	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۹۵۔	تعلیم و تربیت	-	-	فروری ۱۹۲۸ء	سہ ماہی	-	ڈاکٹر ظفر الحسن	-	-	سالانہ چھ روپے	
۹۶۔	کیمیاء	علمی	لکھنؤ	مئی ۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	سید عشرت حسین نقوی	-	-	سالانہ چار روپے	۴۸
۹۷۔	انجینئرنگ	-	لاہور	۱۹۲۸ء	-	-	ڈاکٹر گیان چند	-	-	سالانہ تین روپے	۶۴
۹۸۔	نظام کالج اردو میگزین	علمی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۸ء	-	-	غلام حیدر	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۹۔	کیف اجمیر	علمی	اجمیر شریف	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-		-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۰۰۔	مسلم یونی ورسٹی اسکول میگزین	تعلیمی	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	سید محمد	-	-	-	-
۱۰۱۔	مجلّہ مکتبہ		حیدرآباد دکن	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	عبدالقادر سروری	-	مکتب ابراہیم	-	۸۰

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۰۲۔	حیدرآباد ٹیچر	تعلیمی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۰۳۔	سائنس	علمی	اورنگ آباد	۱۹۲۹ء	سہ ماہی	۔	مولانا عبدالحق دہلوی	۔	۔	سالانہ آٹھ روپے	۶۴
۱۰۴۔	خاتونِ مشرق	علمی	میرٹھ	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	۔۔	ڈاکٹر حشمت آراء حجاب	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۰۵۔	ہونہار	علمی	لاہور	۱۹۳۰ء	۔	۔	اکرام	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۱۶
۱۰۶۔	ہونہار	بچوں کا رسالہ	دہلی	جنوری ۱۹۳۰ء	۔	۔	فیاض حسین	۔	۔	سالانہ سوا تین روپے	۴۰
۱۰۷۔	جامع العلوم	تعلیمی		مارچ ۱۹۳۰ء	۔	۔	حکیم مولوی محمد فاروق	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۳۲
۱۰۸۔	جامعہ	علمی	گرداس پور	۱۹۳۰ء	سہ ماہی	۔	مرزا احمد صادق	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲

سیاسی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	ڈگ درشن	سیاسی		۱۸۱۸ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	-
۲۔	تاریخ بغاوت	سیاسی	آگرہ	جولائی ۱۸۵۹ء		-	مکندلال	-	مفید خلائق	آٹھ آنے	
۳۔	تیرہویں صدی	سیاسی	آگرہ	۱۸۷۹ء	ماہنامہ	مولوی ناصر علی	مولانا ناصر علی ناصح، حافظ رحیم اللہ صبا اکبرآبادی	-	آگرہ اخبار پریس	سالانہ چندہ ۵ روپے	۳۰
۴۔	تائیدالاسلام	سیاسی	مرادآباد	۲۹ جون ۱۸۸۱ء	ماہنامہ	مولوی امجد علی	مولوی قاضی احتشام الدین	-	مطبع العلوم	سالانہ چندہ ۵ روپے	۳۰
۵۔	مخبردکن	سیاسی	مدراس	۲۷ جون ۱۸۹۵ء	ماہنامہ	سید عبدالقادر	-	-	سلطانی پریس		۱۲
۶۔	زمانہ	سیاسی	بریلی	۱۹۰۳ء	ماہنامہ		منشی شہوبرت لال ورمن	-	مطبع قیصری بریلی	سالانہ چندہ ساڑھے تین روپے	-
۷۔	افسانہ	سیاسی	حیدرآباد دکن	۱۹۰۳ء		مولانا ظفر علی خان	-	-	-	-	-
۸۔	دکن ریویو	سیاسی	حیدرآباد دکن	۱۹۰۴ء			مولانا ظفر علی خان			سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ	۱۲
۹۔	احسن	سیاسی	کاکوری ضلع لکھنؤ	اپریل ۱۹۰۶ء	پندرہ روزہ		احمد علی جودت کاکوری		قومی پریس چوک لکھنو	دو آنے	۳۰
۱۰۔	ماہ نامہ راجپوتہ گزٹ	سیاسی	لاہور	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	ٹھاکرساکھر امداس	ٹھاکرساکھر امداس	-	-	-	-
۱۱۔	العین	سیاسی	چین	جنوری ۱۹۰۵ء			مولانا مقبول احمد سروری	-	-	-	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۔	آزاد	سیاسی	لاہور	۱۹۰۷ء	-	-	شین سہائے آزاد	-	کشمیری پریس لاہور	چھ آنے	۲۸
۱۳۔	پنجاب جنرل	سیاسی	سیالکوٹ	۱۹۰۷ء	-	-	غلام قادر فصیح	غلام قادر فصیح	-	سالانہ دو روپے	-
۱۴۔	شمس	سیاسی	کلکتہ	۱۹۰۷ء	-	-	حبیب النبی ماں صولت	-	شمس پریس کلکتہ	سالانہ چار روپے	۱۶
۱۵۔	سرکلر آزادی	سیاسی	آرک لینڈ	۱۹۰۸ء	-	-	لالہ رام ناتھ پود	-	-	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	-
۱۶۔	گنگا	سیاسی	جالندھر	۱۹۰۸ء	-	لالہ پریم چند	امر سنگھ صاحب بلیڈر	-	-	سالانہ چندہ تین روپے	-
۱۷۔	پنجاب ریویو	سیاسی	گوجرانوالہ	اگست ۱۹۱۰ء	-	-	مولانا ظفر علی خان	-	-	-	-
۱۸۔	اسلامک فریٹرنٹی	سیاسی	ٹوکیو	۱۹۱۰ء	-	-	مولانا برکت اللہ بھوپالی	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	-
۱۹۔	چودھویں صدی	سیاسی	راولپنڈی	۱۹۱۰ء	ماہنامہ	-	قاضی سراج الدین	-	-	-	-
۲۰۔	افادہ	سیاسی	آگرہ	نومبر ۱۹۱۳ء	ماہنامہ	نواب حاجی محمد اسماعیل	نواب حاجی محمد اسماعیل	-	عزیزی پریس آگرہ	سالانہ دو روپے	۴۲
۲۱۔	فتح	سیاسی	گورداس پور	جنوری ۱۹۱۹ء	-	-	سردار گنڈا سنگھ	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۲۲۔	نقیب	سیاسی	بدایوں	۱۹۱۹ء	-	-	-	وحید احمد زیدی	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۲۳۔	لیل و نہار	سیاسی	فیض آباد	جولائی ۱۹۲۲ء	-	-	سید نجم الدین جعفری، سید مہدی رضوی	بابو شیو دیال بھٹناگر	مطبع آفتاب فیض آباد	سالانہ تین روپے	۳۰
۲۴۔	درپن	سیاسی	لاہور	۱۹۲۲ء	-	-	موہن لعل بھٹناگر	-	-	سالانہ چار روپے	۸۲
۲۵۔	ترقی	سیاسی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۲ء	-	-	ابوالپکادم محمد انوار اللہ	-	-	سالانہ چار روپے	۸۰
۲۶۔	فروغ ہند	سیاسی	دہلی	مئی ۱۹۲۴ء	-	-	منشی ہرگوبند پرشاد نگم	-	فروغ ہند پریس دہلی	سالانہ تین روپے	۶۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۷۔	تلک	سیاسی	لاہور	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	-	اشبہام داس	-	-	سالانہ دو روپے	۴۸
۲۸۔	خلافت	سیاسی	بنارس چھاؤنی	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	شاہ عزت حسین	-	-	سالانہ ۵ روپے	۸۰
۲۹۔	انقلاب	سیاسی	لاہور	۱۹۲۶ء	-	-	فتح چند نسیم، مسٹر کھیا لال ثاقب آزد	-	-	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۳۰۔	رعیت	سیاسی	حیدر آباد دکن	نومبر ۱۹۲۷ء	ہفتہ وار	-	نرسنگھ راؤ	-	-	سالانہ ۶ روپے	۱۲
۳۱۔	تاج	سیاسی	آگرہ	۱۹۲۸ء	-	-	سیماب اکبرآبادی	-	-	سالانہ ۳ روپے	۴۸

خواتین کے رسائل ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	خاتون	نسوانی	علی گڑھ	جولائی ۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	شیخ محمد عبداللہ	سعید احمد	مطبع احمدی علی گڑھ	سالانہ تین روپے	۲۶
۲۔	پردہ نشین	نسوانی	آگرہ	۱۹۰۷ء	-	-	مسز خاموش	-	عزیزی پریس آگرہ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۳۳
۳۔	عصمت	نسوانی	دہلی	۱۹۰۸ء	-	-	شیخ محمد اکرام	-	مخزن پریس	سالانہ تین روپے	۵۶
۴۔	شریف بی بی	نسوانی	لاہور	۱۹۰۹ء	-	منشی محبوب عالم		-		سالانہ ڈھائی روپے	۶۸
۵۔	الحجاب	نسوانی	بھوپال	۱۹۰۹ء	-	-	سید محمود یوسف قیصر بھوپالی	-	عزیزی پریس آگرہ	سالانہ دو روپے چار آنے	۵۸
۶۔	گوہر شہوار	نسوانی	لکھنؤ	جنوری ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-		سید زوار حسین طرار	طرار پریس لکھنؤ	سالانہ دو روپے چھ آنے	۱۲
۷۔	احمدی خاتون	نسوانی	قادیان	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	شیخ یعقوب علی تراب احمدی	-	مطبع خادم الاسلام قادیان	سالانہ دو روپے	۴۰
۸۔	ظل السلطان	نسوانی	بھوپال	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	-	محمد امین زبیری	-	حمیدیہ آرٹ پریس بھوپال	سالانہ تین روپے	۴۲
۹۔	استانی	نسوانی	دہلی	اکتوبر ۱۹۱۹ء	-	خواجہ حسن نظامی	بانو	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۰۔	النساء	نسوانی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۹ء	-	-	صغریٰ بیگم	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۔	خادمہ	نسوانی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۲ء	-	-	مریم بیگم	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۱۲۔	حور	نسوانی	کلکتہ	ستمبر ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	بیگم قتیل انصاری	-	-	سالانہ تین روپے	۴۰
۱۳۔	سرتاج	نسوانی	ملتان	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	قمر جہاں بیگم	-	-	سالانہ چار روپے	۸۰
۱۴۔	کوکب	نسوانی	اودھ	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	محمد علی	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۱۵۔	نور جہاں	نسوانی	امرتسر	۱۹۲۶ء	-	-	سادات سلطانہ	-	-	سالانہ پانچ روپے	۸۰

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۶۔	تبلیغ نسواں	نسوانی	دہلی	اپریل ۱۹۲۶ء	ماہنامہ	خواجہ حسن نظامی	خواجہ بانو	۔	حمیدیہ پریس دہلی	سالانہ تین روپے	۱۰۰
۱۷۔	معین نسواں	نسوانی	علی گڑھ	۱۹۲۶ء	۔	۔	عطیہ بیگم، حافظ علی بہادر خان	۔	۔	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۸۔	سرتاج	نسوانی	ملتان	جون ۱۹۲۶ء	ماہنامہ	۔	امتیاز فاطمہ تاج بیگم	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۱۹۔	عفت	نسوانی/ادبی	پٹنہ	دسمبر ۱۹۲۶ء	۔	۔	صبا خاتون	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۲۰۔	ثریا	علمی/ادبی	آگرہ	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	۔	منظر صدیقی	۔	۔	سالانہ تین روپے	۶۴
۲۱۔	سرتاج	نسوانی	لاہور	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	بیگم محمد شفیع	سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۴۸
۲۲۔	سفینۂ نسواں	نسوانی	حیدرآباد دکن	ستمبر ۱۹۲۹ء	ماہنامہ	۔	صادقہ قریشی اختر قریشی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۰
۲۳۔	ہم جولی	نسوانی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۹ء		۔	بیگم ابوبکر خوشگی	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸

سماجی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	مراۃ الہند	سماجی	لکھنؤ	۱۵ اکتوبر ۱۸۷۵ء		-	-	پنڈت کشن نرائن	مطبع بہار کشمیر	سالانہ تین روپے	۳۰
۲۔	چشمہ فیض	سماجی	گوجرانوالہ	۱۸۷۲ء	ماہنامہ	گیان چند شوق	-	برج لال	مطبع گیان	سالانہ ایک روپے دو آنہ	۱۲
۳۔	تہذیب الاثار	سماجی	سیتاپور	یکم ستمبر ۱۸۷۹ء	ماہنامہ	منی رال بلگرامی	-	منشی فرزند حسن احسن	مطبع صبح صادق	سالانہ ایک روپیہ دو آنے	۱۶
۴۔	محمڈن نیشنل میگزین	سماجی	سیالکوٹ	یکم اگست ۱۸۹۳ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	-
۵۔	دبدبہ آصفی	سماجی	حیدرآباد دکن	۱۸۹۸ء	ماہنامہ	مہاراجہ سرکشن پرشاد	پنڈت ناتھ سرشار	-	-	-	-
۶۔	معارف	سماجی	علی گڑھ	جولائی ۱۸۹۸ء	ماہنامہ	محمد اسماعیل	مولوی وحید الدین	-	-	سالانہ چار روپیہ	۲۳
۷۔	مہر درخشاں کوہ کن	سماجی	بمبئی	۱۹۰۱ء	ماہنامہ	منشی عبدالکریم	-	-	-		-
۸۔	ترقی	سماجی	لاہور	جنوری ۱۹۰۲ء	ماہنامہ	-	-	-	فیض اسٹیم پریس	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۷۶
۹۔	قوم	سماجی	جے پور	جنوری ۱۹۰۲ء	ماہنامہ	-	مولوی احساس الدین احمد نیم	-	خاور راجستھان پریس	سالانہ آٹھ آنے	۲۰
۱۰۔	کشمیر درپن	سماجی	الہ آباد	جنوری ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	پنڈت سرنج بہادر	-	انڈین پریس الہ آباد	سالانہ ۳ روپے	۳۶
۱۱۔	منروا	سماجی	امرتسر	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	غلام قادر رخ امرتسری	پنڈت سروپ نارائن	ریاض ہند پریس امرتسر	سالانہ سوا روپے	۲۰
۱۲۔	الہادی	سماجی	سیالکوٹ	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	حافظ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	منشی علی	-		سالانہ ڈھائی روپے	-
۱۳۔	الاخلاق	سماجی	جے پور	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-	-	-	بال چندر پریس جے پور	سالانہ دس آنے	۳۸

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۴۔	میونسپل گزٹ	سماجی	لاہور	جولائی ۱۹۰۵ء	ماہنامہ		منشی دین محمد	-	-	-	-
۱۵۔	تہذیب	سماجی	رام پور	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	صاحبزادہ ناظم مصطفیٰ علی	سعید اللہ خان عیش	--	مطبع سعید رام پور	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۶۔	کشمیر میگزین	سماجی	لاہور	جنوری ۱۹۰۶ء	ماہنامہ	محمد الدین فوق لاہوری		مولوی عبدالحق	اسٹیم پریس لاہور	سالانہ دو روپے دو آنے	۴۸
۱۷۔	المشرق	سماجی	ڈھاکہ	اکتوبر ۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	حکیم حبیب الرحمٰن الحسن	-	رضوان پریس کلکتہ	-	-
۱۸۔	گل بھاسکر	سماجی	الٰہ آباد	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	-	شہزادہ احمد پرشاد	-	-	سالانہ سوا روپیہ	۳۲
۱۹۔	انسان	سماجی	امرتسر	اپریل ۱۹۱۲ء	-	-	منشی غلام قادر فرخ	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	-
۲۰۔	آرائیں گزٹ	سماجی	امرتسر	۱۹۱۳ء	-	-		-	-	سالانہ دو روپے	-
۲۱۔	القریش	سماجی	امرتسر	۱۹۱۵ء	-	-	شیخ محمد رونق	-	-	سالانہ دو روپے	-
۲۲۔	وگیانی	سماجی	لاہور	۱۹۱۵ء	-	-		-	-	سالانہ تین روپے	۳۲
۲۳۔	النظامیہ	سماجی	لکھنؤ	۱۹۱۵ء	-	-	محمد صبغت اللہ انصاری	-	مطبع مفید عامبجالہ لکھنؤ	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۲۴۔	مغلیہ گزٹ	سماجی	لاہور	۱۹۱۷ء	-	-	مرزا محمد بیگ	-	-	سالانہ دو روپے	۴۲
۲۵۔	سودیشی	سماجی	دہلی	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-	پروفیسر نتھو ناتھ چوپڑہ	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۲۶۔	مرج البحرین	سماجی	دہلی	جولائی ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	حکیم محمد اشرف علی	حافظ محمد باقر علی	حکیم محمد اشرف علی	قاسمی پریس	سالانہ دو روپے	۴۸
۲۷۔	حنیف	سماجی	لدھیانہ	اگست ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	غازی محمود دھرم پال	-	حفیظ پریس نودیا	سالانہ چھ روپے	۸۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۸۔	ہاتف	سماجی	پشاور	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	–	مرزا اسلم بیگ چغتائی	–	حامد تعلیم پریس		۳۲
۲۹۔	سرحدی	سماجی	پشاور	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	–	مولوی عبدالرحمٰن	–	–	سالانہ چار روپے	۲۴
۳۰۔	بہار کشمیر	سماجی	لاہور	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	–		–	–	سالانہ تین روپے	۴۰
۳۱۔	کامیابی	سماجی	دہلی	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	–	ڈاکٹر سعید احمد	–	–	سالانہ تین روپے	۶۴
۳۲۔	ضیاء القریش	سماجی	امرتسر	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	–	قاضی عنایت علی	–	آفتاب ترقی پریس امرتسر	سالانہ دو روپے	۳۲
۳۳۔	بیدار	سماجی	سہارن پور	۱۹۲۹ء		–	غفور حسین قریشی	–	–	سالانہ پانچ روپے	۱۶
۳۴۔	قیام الدین	سماجی	لکھنؤ	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	–	حسن انصاری	–	–	سالانہ چار روپے	۴۸
۳۵۔	طور	سماجی	دہلی	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	منصور عصمانی	سید مقبول حسین	اعلیٰ پریس دہلی	سالانہ تین روپے	۴۸

قانونی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	معدن القوانین	قانون	آگرہ	۱۸۵۶ء	ماہنامہ	سید حسین علوی	-		-	-	۳۲
۲۔	گنج شائگاں	قانون	لاہور	۱۸۶۰ء	ماہنامہ	منشی ہرسکھ رائے	-	مولوی فضل الدین	-	-	۱۲
۳۔	مخزن القوانین	قانون	بنارس	یکم جنوری ۱۸۶۴ء	ماہنامہ	مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن	پیارے موہن بنرجی	ٹھاکر پرشاد	مہاراجہ بنارس	-	-
۴۔	آئینہ علم	قانون	الہ آباد	۱۸۶۴ء	ماہنامہ		-	-	نورالابصار	سالانہ تین روپے	۲۶
۵۔	گلشن کشیر	قانون	لکھنؤ	مارچ ۱۸۶۸ء	ماہنامہ	پنڈت دیبی پرشاد	-	-	مطبع کشمیر		۱۲
۶۔	گنجینۂ احکام	قانون	مرادآباد	۱۵ دسمبر ۱۸۶۸ء	ماہنامہ	منشی شیام سروپ	-	ضیاء الدین حسین	مطبع خورشید	سالانہ پانچ روپے	۴۰
۷۔	مخزن القوانین	قانون	آگرہ	۱۸۶۹ء	ماہنامہ	خواجہ یوسف	-	منشی میر الدین	ڈپوکیشنل پریس	سالانہ بارہ روپے	۳۶
۸۔	اردو رپورٹ	قانون	مرادآباد	۱۸۷۰ء	ماہنامہ	-	-		مطبع خورشید	سالانہ سات روپے آٹھ آنے	۳۸
۹۔	گنجینۂ قانون	قانون	لاہور	یکم جولائی ۱۸۷۵ء	ماہنامہ	-	پنڈت سورج بھان وکیل	باداسنگھ وکیل	مطبع نور	سالانہ سات روپے بارہ آنے	۵۰
۱۰۔	گنجینۂ نظائر	قانون	لاہور	۱۸۷۶ء	ماہنامہ	منشی ہرسکھ رائے	-	جرنجی لال	مطبع کوہ نور	سالانہ سوا انیس روپے	۵۶
۱۱۔	انتخاب قوانین و نظائر شام لال	قانون	کان پور	یکم جنوری ۱۸۷۸ء	ماہنامہ	لالہ شیام لال وکیل	-	منشی ہیرا لال	مطبع لاء پریس	سالانہ چار روپے	۴۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۔	مجموعہ نظائر ہند	قانون	گیا	۳۰ جنوری ۱۸۷۸ء	ماہنامہ	-	-	بابو ہری سندر بوس	مطبع گلدستہ نظائر	سالانہ ۲۶ روپے	۴۴
۱۳۔	نظائر قانونی ہند	قانون	الہ آباد	جنوری ۱۸۷۸ء	ماہنامہ	-	-	لالہ شمبھو دیال	مطبع نظائر قانون ہند	سالانہ پچیس روپے چار آنے	۴۸
۱۴۔	آئینہ آئین ہند	قانونی	گوجرانوالہ	۱۸۷۹ء	-	-	مولوی فاخر حسین	منشی برج لال	مطبع گیاں پریس	سالانہ ایک روپے دو آنے	۱۲
۱۵۔	نظائر قانون ہند	قانونی	لاہور	یکم جنوری ۱۸۸۰ء	-	رائے ہر سکھ	-	جگت نرائن	مطبع کوہ نور	سالانہ بارہ روپے	۱۱۰
۱۶۔	لیگل ریفرنسز	قانونی	الہ آباد	جنوری ۱۸۸۰ء	ماہنامہ	سید اکبر حسین وکیل ہائی کورٹ	-	-	مطبع جلالی	-	۳۲
۱۷۔	خزینۃ القوانین	قانونی	لاہور	۱۸۸۰ء	پندرہ روزہ	سید نادر علی شاہ بھٹ سیٹھی	-	-	مطبع سیفی	سالانہ چار روپیہ	۴۰
۱۸۔	انڈین لاء رپورٹ	قانونی	فتح پور	یکم جنوری ۱۸۸۱ء	ماہنامہ	گنج بہاری لال وکیل	-	لالہ اینکا پرشاد	مطبع نسیم ہند	تین روپے آٹھ آنے	۳۰
۱۹۔	کلیہ قوانین	قانونی	لاہور	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ		گیانی لالہ ڈکی رام	-	-	-	-
۲۰۔	مفتاح القوانین	قانونی	اجمیر شریف	۱۸۸۳ء	ماہنامہ	منشی کشور	-	-	-	سالانہ تین روپے آٹھ آنے	۱۶
۲۱۔	قانون معاہدہ کا رسالہ	قانونی	دہلی	یکم جولائی ۱۸۸۴ء	-	مہتاب رائے وکیل	-	-	-	سالانہ چھ روپے	-
۲۲۔	آئین دکن	قانونی	حیدرآباد دکن	ستمبر ۱۹۲۶ء	-	-	فدا حسین	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸

صنعتی وتجارتی رسائل ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	معلم تجارت	تجارتی	اندور	جنوری ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	احمد علی خان شوق	-	-	-	سالانہ تین روپے	-
۲۔	تجارت	تجارتی	شاہ جہاں پور	یکم جنوری	پندرہ روزہ	-	بانکے لال اختر	-	میتھوڈسٹ پبلشنگ لکھنؤ ہاؤس	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۴
۳۔	بزم تجارت	تجارتی	دہلی	۱۹۱۷ء		-	-	-	-	ماہوار چار آنے	۵۲
۴۔	دستکاری	تجارتی	دہلی	جون ۱۹۱۸ء		-	-	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۲۴
۵۔	سفیر التجار	تجارتی	دہلی	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	دیوان	-	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۶۔	دلچسپ	تجارتی	ڈیرہ اسماعیل خان	۱۹۲۴ء	ماہنامہ		-	-	-	-	۵۰۰
۷۔	صنعت وتجارت	تجارتی	لاہور	جنوری ۱۹۲۵ء		-	سید محبوب علی شاہ	-	-	سالانہ ۳۰ روپے	۴۸
۸۔	صنعت وتجارت	تجارتی	سہارن پور	جنوری ۱۹۲۵ء		-	اسماعیل لاہوری	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸

تاریخی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	سوانح عمری	تاریخی	لاہور	یکم اپریل ۱۸۸۲ء	ماہنامہ		-	منشی نتھو رام رام ندہ	مطبع چراغ پریس	سالانہ دو روپے تین آنے	۳۸
۲۔	راوی بے نظیر	تاریخی	لاہور	یکم فروری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	رائے سالگ رام	پنڈت شیو ناتھ		مطبع آریہ پریس	سالانہ چار روپے	۳۱
۳۔	افسانہ ایام	تاریخی	دہلی	یکم جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	موری نصرت علی خان قیصر	-	-	نصرت المطابع	سالانہ دس روپے	۳۰
۴۔	تاریخ اسلام	تاریخی	سیالکوٹ	جولائی ۱۹۱۱ء			منشی غلام قادر فصیح	-	-	-	۴۸
۵۔	انسان	تاریخی	امرتسر	اپریل ۱۹۱۲ء		-	-	-	-	-	۵۰۰
۶۔	مورخ	علمی، ادبی	مدراس	نومبر ۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	مولوی محمد بدیع الدین فاروقی	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۷۔	مورخ	تاریخی	لکھنؤ	۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-	محمد صدیق حسین	-	-	سالانہ پانچ روپے چھ آنے	۸۰
۸۔	انتخاب	تاریخی	مارہرہ	ستمبر ۱۹۱۹ء	ماہنامہ	-	حکیم عبداللہ شاہ	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۶۰
۹۔	مشاہیر	تاریخی	بدایوں	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	-	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۰۔	کوکب ہند	تاریخی	دہلی	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	مہر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی	-	-	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۱۔	شمع	تاریخی	آگرہ	جنوری ۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	محمد حبیب، حسن عابد جعفری	-	مطبع آگرہ	سالانہ چھ روپے	۹۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۔	ککے زئی	تاریخی	گوجرانوالہ	۱۹۲۵ء	سہ ماہی	-	امام خان نوشہری	-	-	سالانہ سوا روپیہ	۱۶
۱۳۔	خزینہ تاریخ	تاریخی	حیدرآباد	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	یوسف	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	۱۴۷
۱۴۔	تاریخ	تاریخی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۹ء	سہ ماہی	-	حکیم شمس الدین قادری	-	-	سالانہ چار روپے	۸۰

طبی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	اخبار طباعت	طبی	پشاور	۱۸۶۱ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	-
۲۔	مروۃ الطباعت	طبی	امرتسر	۱۸۷۵ء	ماہنامہ	ڈاکٹر چیتن شاہ	-	ڈاکٹر امیر کابل	مطبع وکیل	سالانہ تین روپے چھ آنے	۲۴
۳۔	معدن الحکمت	طبی	آگرہ	جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	صادق علی قیصر	-	-	مطبع عزیزی	سالانہ سوا روپیہ	۸
۴۔	حافظ صحت	طبی	لاہور	یکم فروری ۱۸۷۸ء	ماہنامہ	-	زہرہ الحکماء، غلام نبی	-	مطبع پنجابی	سالانہ ایک روپیہ چودہ آنے	۸
۵۔	آستانہ حکمت	طبی	آگرہ	۱۸۷۹ء	ماہنامہ	حاجی سید الطاف علی	-	-	مطبع میڈیکل	سالانہ تین روپے	۳۰
۶۔	تکمیل الحکمت	طبی	لاہور	یکم اپریل ۱۸۸۰ء	ماہنامہ	حکیم احمد علی	ڈاکٹر سید اکبر شاہ	بابو عبداللہ	مطبع قانون ہند		۵۶
۷۔	جامع مسائل علم طب	طبی	کپورتھلہ	۱۸۸۳ء	ماہنامہ	سردار بوٹا سنگھ	حکیم عاشق علی	-	مطبع دھرم پرکاش	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	-
۸۔	تکملہ	طبی	آگرہ	یکم جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	-	منشی کرامت علی	مطبع حسینی	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۰
۹۔	طب حیوانات	طبی	لاہور	یکم جولائی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	ڈاکٹر محمد دینا	ڈاکٹر محمد دینا	مطبع گلزار محمد	سالانہ تین روپے	۲۴
۱۰۔	فلاسفر	طبی	آگرہ	۱۵ جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	-	منشی کرامت علی کمال	مطبع محمدی	-	۱۳
۱۱۔	میڈیکل ریفارم	طبی	آگرہ	یکم مارچ ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی سید اولاد علی	-	-	مطبع ممتازیہ	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۱۲۔	حرز جاں	طبی	فتح گڑھ	یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	حکیم اصغر حسین قریشی	-	-	مطبع حسینی	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۱۳۔	طبیب لاہور	طبی	لاہور	۳۰ جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	حکیم حافظ فخر الدین	-	-	مطبع وکٹوریہ	سالانہ دو روپے	۲۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۴۔	گلدستہ حکمت	طبی	لاہور	یکم جولائی ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	حکیم احمد الدین حکیم الہ دین	-	مولوی غلام حسین مدراس	ملا دو پیازہ پریس	سالانہ دو روپیہ	۳۲
۱۵۔	عطار	طبی	کان پور	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	-	-	عبدالغنی غوث بخش	مطبع نامی	سالانہ چار روپے	-
۱۶۔	انتخاب الحکمت	طبی	گورداس پور	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	گیان دام	گیام رام	عبدالحمن پریس	عبدالرحمن پریس	سالانہ ایک روپیہ دو آنہ	۱۶
۱۷۔	مجلہ طبیہ دہلی	طبی	دہلی	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	حکیم اجمل خان	مرزا عبدالغفار سید محمد عمر	-		۴۲
۱۸۔	مسیحا	طبی	امرتسر	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	مولا بخش کشتہ	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۳۰
۱۹۔	المصباح	طبی	جے پور	جولائی ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-		-	قاسمی پریس دہلی	سالانہ دو روپے	
۲۰۔	رہنما	طبی	ٹوہانہ	۱۹۰۸ء	پندرہ روزہ	-	حکیم بھگت رام	منشی کریم بخش	بلالی سٹیم ساڈھورہ	سالانہ ساڑھے تین روپے	۴۴
۲۱۔	میڈیکل ڈائریکٹر	طبی	امرتسر	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	ایس پی گم	-	سنائن دھرم اسٹیم پریس امرتسر	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۲۲۔	الکمال	طبی	جے پور	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	حکیم سیف واجد علی خان مسیح	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۲۳۔	حکمت	طبی	لاہور	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	حکیم محمد فیروز الدین		-	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	-
۲۴۔	اشاعت الحکمت	طبی	لاہور	فروری ۱۹۱۲ء		-	مرزا عبدالحمید بیگ	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۳۶
۲۵۔	مفتاح الاسرار	طبی	جالندھر	اپریل ۱۹۱۳ء		-	حکیم محمد بخش	-	آریہ مسلمین پریس	سالانہ ڈھائی روپے	-
۲۶۔	مفتاح الحکمت	طبی	لاہور	۱۹۱۶ء	پندرہ روزہ	-	حکیم مفتاح الدین	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۷۔	حکیم بہلول	طبی	پنجاب	۱۹۱۳ء	-	-	بھگوان سنگھ عارف	-	-	سالانہ ایک روپیہ چودہ آنے	
۲۸۔	الحاذق	طبی	بریلی	جون ۱۹۱۵ء	-	-	حکیم سید فرید احمد عباسی	-	مطبع تعلیمی بریلی	سالانہ دو روپے	۴۰
۲۹۔	دار الشفاء	طبی	فیض آباد	۱۹۱۵ء	-	-	بابو بنی پرشاد سنگھ	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۳۰۔	الحکیم	طبی	لاہور	نومبر ۱۹۱۵ء	ماہنامہ	-	حکیم محمد فیروز الدین	-	رفیق المطابع پریس لاہور	سالانہ سوا روپیہ	۲۸
۳۱۔	معالج	طبی	لکھنؤ	اپریل ۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-		-	-		-
۳۲۔	المعالج	طبی	حیدر آباد دکن	۱۹۱۷ء	-	-	حکیم بشیر احمد	-	-	سالانہ پونے دو روپے	۴۸
۳۳۔	المعالج	طبی	امرتسر	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	-	حکیم علیم الدین صاحب	-	-	سالانہ دو روپے	۴۸
۳۴۔	الحیات	طبی	لکھنؤ	۱۹۱۹ء	ماہنامہ	-	حکیم مسیح اللہ آزاد ربانی	-	-	سالانہ تین روپے	
۳۵۔	المسیح	طبی	دہلی	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	-	حکیم کبیر الدین	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۳۶۔	مشیر الاطباء	طبی	لاہور	۱۹۲۳ء		-	شفاء الملک محمد حسین قریشی	-	-	سالانہ تین روپے دس آنے	۴۸
۳۷۔	تبصرہ الاطباء	طبی	لاہور	۸۱۹۲۳	پندرہ روزہ	-	احمد دین	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	-
۳۸۔	مسیحا	طبی	دیواری شریف	۱۹۲۳ء	-	مولوی عبد المنائن	حکیم عبد الکریم ندوی	-	-	سالانہ دو روپے	۴۸
۳۹۔	طبی گزٹ	طبی	دہلی	۱۹۱۸ء	-	-	خواجہ شریف الحسن	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۰۔	الطبیب	طبی	سرام بہار	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	-	حکیم کریم الدین احمد	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۴۱۔	شفاء	طبی	کلکتہ	-	-	-	حکیم احسان اللہ	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۴۲۔	شہر صحت	طبی	لاہور	جنوری ۱۹۲۷ء	-	-	امان اللہ	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۴۳۔	حکمت	طبی	لاہور	۱۹۲۵ء	-	-	سید نوازش علی	-	-	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۵۰

مذہبی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	خیرخواہ ہند	مذہبی	مرزاپور	۱۸۳۷ء	-	پادری ایف جی برایت	پادری ماتھر	ڈاکٹر حیدر	مطبع اسکول	سالانہ ۳ روپے	۱۲
۲۔	تائیدالحق	مذہبی	بمبئی	۱۸۵۰ء	پندرہ روزہ	سید عبدالفتاح الحسینی قادری	مفتی عبداللطیف	-	فضل الدین	-	۳۶
۳۔	کوہ نور	مذہبی	گوجرانوالہ	۱۸۶۲ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	۱۲
۴۔	روئیداد مدرسہ اسلامی	مذہبی	دیوبند	۱۸۶۳ء	-	-	-	مولوی رفیع الدین	مطبع ہاشمی	سالانہ ۳ روپے	۱۳۷
۵۔	حقائق عرفاں	مذہبی	امرتسر	۱۸۶۸ء	ماہنامہ	-	پادری عماد	-	مطبع آفتاب پنجاب	-	-
۶۔	منگل سماچار	مذہبی	علی گڑھ	۱۸۷۰ء	ماہنامہ	ٹھاکر گور پرشاد سنگھ	منشی پیارے لال	پنڈت دوارکا پرشاد	-	-	۲۰
۷۔	مبلغ	مذہبی	دیوبند	یکم اپریل ۱۸۷۳ء	ماہنامہ	-	-	-	-	سالانہ ۲ روپے	-
۸۔	خیرخواہ اطفال	مذہبی	لکھنؤ	یکم اپریل ۱۸۷۳ء	ماہنامہ	پادری سمور	-	پادری کریون	مشن پریس	-	۱۶
۹۔	ہندو باندھو	سماجی	لاہور	یکم اپریل ۱۸۷۵ء	ماہنامہ	پنڈت شیو نارائن اگن ہوتری	-	-	مطبع کوہ نور	سالانہ ۲ روپے	۲۰
۱۰۔	انجمن اسلام	سماجی	لکھنؤ	۱۸۷۵ء	ماہنامہ	-	منشی سید امتیاز علی علوی	-	مطبع مجمع العلوم	سالانہ ۱۲ روپے	۲۶
۱۱۔	انجمن تہذیب	سماجی	کان پور	اکتوبر ۱۸۷۵ء	سہ ماہی	-	-	سید حافظ عبداللہ بلگرامی	مطبع نظامی	سالانہ ۳ روپے	۴۴
۱۲۔	ناصرالایمان	سماجی	لاہور	۱۸۷۵ء	ماہنامہ	سید نادر علی شاہ سیفی	-		مطبع سیفی	سالانہ ۲ روپے ۱۲ آنے	۱۶
۱۳۔	دھرم پرکاش	سماجی	گوجرانوالہ	۱۸۷۷ء	ماہنامہ	-	-	منشی برج لال	مطبع گیان	سالانہ ۱ روپیہ ۲ آنے	۱۶

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۴۔	اشاعت السنہ	مذہبی	لاہور	۱۸۷۸ء	ماہنامہ	مولوی ابوسعید محمد حسین	۔	۔	۔	سالانہ ۷ روپے ۸ آنے	۳۲
۱۵۔	دھرم پرچارک	مذہبی	فتح گڑھ	یکم اگست ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	نب پرشاد	۔	منشی صدیق حسن منت	منشی لال	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۸
۱۶۔	انجمن علمی	مذہبی	لکھنؤ	اگست ۱۸۸۲ء	ماہنامہ		۔		اختر پریس لکھنؤ	سالانہ ایک روپیہ ۱۲ آنے	۱۶
۱۷۔	جین پرکاش ہندوستان	مذہبی	قصبہ فرخ نگر	یکم مئی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	پنڈت چودھری منشی نبی جیا لال	۔	۔	مطبع نوق کاشی دہلی	سالانہ ڈھائی روپے	۸
۱۸۔	جاءالحق	مذہبی	دہلی	یکم مئی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	۔	۔	سید منور علی	مطبع قادریہ	سالانہ ۳ روپے ۶ آنے	۱۶
۱۹۔	رسالہ انجمن حمایت اسلام	مذہبی	لاہور	۱۸۸۴ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	وکٹوریہ پریس لاہور		۔
۲۰۔	وظائف خلد	مذہبی	میسور	یکم جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	عبداللہ خوشحال بن احمد سیٹھ	۔	علی محمد خان بیدار	مطبع نبوی	سالانہ آٹھ آنے	۔
۲۱۔	نور بصیرت	مذہبی	کلکتہ	۱۵ جون ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	ظفریاب خان	غلام حضرت	اسفندیار خان	مطبع قادریہ	سالانہ ۳ روپے ۶ آنے	۳۲
۲۲۔	نورالاسلام	مذہبی	پٹنہ			مولوی حسن علی	۔	۔	یونین پریس	سالانہ ایک روپیہ ۸ آنے	۳۶
۲۳۔	اشاعت اسلام	مذہبی	راولپنڈی	اگست ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	محمد امین حنفی قادری	۔	۔		سالانہ ایک روپیہ	۱۲
۲۴۔	نصرف السنّت	مذہبی	بنارس	۱۰ دسمبر ۱۸۸۵ء		مولوی محمد سعید	۔	۔	مطبع صدیقی	سالانہ ۶ روپیہ	۱۲
۲۵۔	نورالاسلام	مذہبی	پٹنہ	دسمبر ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	مولوی حسن	۔	۔	یونین پریس	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۔

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۶۔	ذکرالحبیب	مذہبی	جے پور	۱۸۸۶ء	ماہنامہ		مولوی سراج الحق		یوسفی پریس		-
۲۷۔	حامئ اسلام	مذہبی	لکھنؤ	جنوری ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	مولوی شیخ عبدالغفار انصاری	-	منشی حاجی شیخ بہادر	مطبع روزانہ اخبار لکھنؤ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۴
۲۸۔	رسالہ مدرسہ علوم اسلامیہ	مذہبی	لاہور	۱۸۸۸ء	-	-	منشی تاج الدین	-	مصطفائی پریس		-
۲۹۔	قمر	مذہبی	سندیلہ	۱۸۹۱ء	ماہنامہ	-	سید قمرالدین قمر سندیلوی	-	قومی پریس	سالانہ ۲ روپے	۲۴
۳۰۔	تحفۂ محمدیہ	مذہبی	کان پور	۱۸۹۲ء	ماہنامہ	-		سعید صاحب تاجر	مطبع نامی	سالانہ ایک روپیہ	-
۳۱۔	روشنی	مذہبی	لکھنؤ	۱۸۹۴ء	ماہنامہ	-	مرزا عبدالغنی قزلباش	-	مطبع ریاض الاخبار اشرف آباد	سالانہ ۳ روپیہ	-
۳۲۔	آریہ پتر	مذہبی	بریلی	جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	-	-	مطبع دبدبہ قیصری	سالانہ سوا روپیہ	-
۳۳۔	الہادی	مذہبی	پٹنہ	مارچ ۱۸۹۷ء	ماہنامہ	-	-	-		سالانہ ایک روپیہ	-
۳۴۔	تذکرۃ القرآن	مذہبی	پٹیالہ	دسمبر ۱۸۹۸ء	ماہنامہ	مولوی محمد خان	-	-	مطبع حسینی آگرہ	سالانہ دو روپے	۲۰
۳۵۔	آریہ مسافر	مذہبی	جالندھر	اکتوبر ۱۸۹۹ء	ماہنامہ	-	-	قدیر چند	ویدک دھرم پرچار پریس	سالانہ ۳ روپے	۹۰
۳۶۔	خادم الاسلام	مذہبی	کلکتہ	یکم ستمبر ۱۹۰۰ء	ماہنامہ	-	-	حافظ محمد موسیٰ	نظامی پریس	سالانہ دو روپے	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۳۷۔	ریویو آف ریلیجز	مذہبی	گرداس پور	جنوری ۱۹۰۲ء	ماہنامہ	-	چودھری الہاد	-	میگزین پریس قادیانی	سالانہ دو روپے	-
۳۸۔	ضیاء السنہ	مذہبی	کلکتہ	فروری ۱۹۰۲ء	ماہنامہ	مولوی ضیاالدین قمر پوری	-	-	-	فی پرچہ چار آنے	۲۴
۳۹۔	النذیر	مذہبی	میرٹھ	مارچ ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	منشی نذیر حسین	-	-	النذیر پریس میرٹھ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۵۲
۴۰۔	کاشف العلوم	مذہبی	دہلی	اپریل ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	محمد یعقوب بیگ دہلوی	-	مطبع مصطفائی	سالانہ دو روپے نو آنے	۴۸
۴۱۔	شیعہ	مذہبی	سارن	۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	سید حیدر حسین	-	مطبع انیس ہند کوجھوہ	دو روپے سالانہ	۴۸
۴۲۔	آریہ ورین	مذہبی	شاہجہاں پور	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	
۴۳۔	الہدیٰ	مذہبی	لاہور	جنوری ۱۹۰۵ء		-	اصغر علی روحی	مولوی کریم بخش	اسلامیہ اسٹیم پریس	سالانہ ۳ روپے	۴۸
۴۴۔	النجم	مذہبی	لکھنؤ	جنوری ۱۹۰۵ء	پندرہ روزہ	مولوی عبدالشکور فاروقی	-	-	عمدہ المطابع لکھنؤ	سالانہ ۳ روپے	۳۲
۴۵۔	تعلیم الاسلام	مذہبی	بنارس	مارچ ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	حاجی شیخ حفیظ الدین سراج	-	-	مطبع نبل مرادآباد	سالانہ دو روپے	-
۴۶۔	البلاغ	مذہبی	جے پور	مارچ ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-	سید محمد عبدالسلام	-	-	سالانہ چار روپے	۶۴
۴۷۔	اسلام	مذہبی	جالندھر	اگست ۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-	-	منشی عبدالقیوم جالندھری	-	سالانہ دو روپے	۳۶
۴۸۔	الفیض	مذہبی	فیض آباد	۱۹۰۵ء	ماہنامہ	-	محمد یوسف شمس	-	-	سالانہ تین روپے	۱۰۰

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۹۔	تجلی	مذہبی	لاہور	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۴۸
۵۰۔	ضیاء الاسلام	مذہبی	مرادآباد	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	ابوالافضال محمد فضل حسین	-	افضل المطابع	سالانہ چار روپے	۸
۵۱۔	سادھو	مذہبی	لاہور	۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	بابو حرت لال ورمن	-	-	-	۴۴
۵۲۔	مرقع قادیان	مذہبی	امرتسر	۱۹۰۷ء	-	-	مولوی ثناء اللہ امرتسری	-	مطبع اہل حدیث	سالانہ ایک روپیہ	۳۶
۵۳۔	اتحاد مذاہب عالم	مذہبی	رنگون	۱۹۰۸ء	-	-	مولانا محمد حسین	-	مطبع سلمانی بنارس	سالانہ ایک روپیہ دو آنہ	۷۰
۵۴۔	المجدد	مذہبی	لاہور	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	مولوی تاج الدین، تاج مدنی نقشبندی	شیخ محمد عبداللہ	-	سالانہ دو روپے	-
۵۵۔	مسلمان	مذہبی	امرتسر	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	مولوی ثناء اللہ امرتسری	-	مطبع اہل حدیث امرتسر	سالانہ سوا روپیہ	۲۶
۵۶۔	سیاح الاسلام	مذہبی	کان پور	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	مولانا آزاد سبحانی سکندر پوری	محمد عبدالواحد	نظامی پریس کان پور	سالانہ دو روپے	۳۸
۵۷۔	المجدد	مذہبی	لاہور	جنوری ۱۹۰۹ء	-	منشی تاج الدین	-	-	-	-	-
۵۸۔	صوفی	مذہبی	ضلع گجرات	جنوری ۱۹۰۹ء	ماہنامہ	محمد الدین آوارہ چشتی نظامی	-	-	بلالی اسٹیم ساڈھورہ	ایک روپیہ سالانہ	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۵۹۔	نظام المشائخ	مذہبی		۱۹۰۹ء	ماہنامہ	–	خواجہ حسن نظامی	–	–	–	
۶۰۔	گئوماتا	مذہبی	لاہور	اکتوبر ۱۹۰۹ء	–	–	بابو اللہ یار خان جوگی	–	–	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	
۶۱۔	الہدایت	مذہبی	دہلی	–	–	–	مولوی محمد رفعت اللہ	انجمن ہدایات اسلام	مطبع خادم الاسلام	سالانہ تین روپے	۶۴
۶۲۔	الوعظ	مذہبی	دہلی	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	مولوی محمد اسحاق	–	–	تحفہ ہند پریس دہلی	سالانہ ۵ روپے	۴۰
۶۳۔	تفسیر القرآن	مذہبی	لاہور		ماہنامہ	مولوی انشاء اللہ	–	–	حمیدیہ پریس لاہور	–	۴۸
۶۴۔	نظارہ سلف	مذہبی	دہلی	جنوری ۱۹۱۰ء	ماہنامہ	–	حافظ الرحیم الدین	–	–	سالانہ دو روپے	
۶۵۔	تشحید الاذہان	مذہبی	قادیان	۱۹۱۰ء	–	–	صاحبزادہ مرزا البشیر الدین محمد احمد	–	اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور	سالانہ ۲ روپے	۴۰
۶۶۔	البرہان	مذہبی	لاہور	دسمبر ۱۹۱۰ء	–	–	مولوی سید محمد سبطین	–	رفاہ عام اسلم پریس	سالانہ ڈھائی روپے	۳۴
۶۷۔	اتحاد اسلام	مذہبی	مراد آباد	۱۹۱۰ء	ماہنامہ	–	جوہر امروہوی	–	–	سلانہ دو روپے چار آنے	۵۰
۶۸۔	احمدی	مذہبی	دہلی	جنوری ۱۹۱۱ء	ماہنامہ	–	حکیم نور الدین	–	–	–	–
۶۹۔	قومی رپورٹ	مذہبی		۱۹۱۲ء	ماہنامہ	–	–	–	–	–	–
۷۰۔	درویش	مذہبی	پنجاب	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	–	مخدوم محمد	–	–	سالانہ دو روپے	۴۰
۷۱۔	انوار الصوفیہ	مذہبی	لاہور	جنوری ۱۹۱۳ء		–	منشی حسام الدین	–	یونین مسلم پریس لاہور	سالانہ سوا دو روپیہ	۴۴
۷۲۔	شمس العلوم	مذہبی	بدایوں	ستمبر ۱۹۱۴ء	ماہنامہ	–	عبد الماجد بدائی	–	مطبع قادری	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۳۲

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۷۳۔	معارف	مذہبی	پٹنہ	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	سید محمد مظہر الحق چشتی	۔	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۷۴۔	دھرم ہیر	مذہبی	لاہور	۱۹۱۳ء	۔	۔	۔	۔	۔	سالانہ دوروپے آٹھ آنے	۱۶
۷۵۔	صحیفۃ القمر	مذہبی	دہلی	۱۹۱۳ء	۔	۔	مولانا قمر الدین دہلوی	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۲۴
۷۶۔	الرشاد	مذہبی	سہارن پور	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	۔	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	۔	آسیہ المطابع سہارن پور	سالانہ دوروپے چار آنے	۳۲
۷۷۔	رسالت	مذہبی	کلکتہ	جولائی ۱۹۱۶ء		ابوالقاسم، رفیق دلاور	۔	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۰
۷۸۔	اشاعت اسلام	مذہبی	لاہور	جولائی ۱۹۱۳ء	۔	۔	مولوی حیدرالدین، خواجہ کمال الدین	۔	یونین اسٹیم پریس لاہور	سالانہ تین روپے	۴۸
۷۹۔	اسوہ حسنہ	مذہبی	میرٹھ	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	شوکت علی	۔	۔	عصر جدید پریس میرٹھ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۶۰
۸۰۔	خدام الکعبہ	مذہبی	بمبئی	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ دوروپے چار آنے	۴۰
۸۱۔	المسلم	مذہبی	لدھیانہ	۱۹۱۶ء	۔	۔	غازی محمود	۔	۔	سالانہ دوروپے	۔
۸۲۔	البلاغ	مذہبی	مالیرکوٹلہ	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ چار روپے	۶۴
۸۳۔	آریہ پتر	مذہبی	بریلی	جنوری ۱۸۱۵ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۔
۸۴۔	القمر	مذہبی	دہلی	۱۹۱۵ء	۔	۔	مولوی محمد عبدالعزیز	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۲۴
۸۵۔	خدا	مذہبی	جالندھر	۱۹۱۵ء	۔	۔	پنڈت موہال سوامی	۔	۔	سالانہ دوروپے	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۸۶۔	معارف	مذہبی	اعظم گڑھ	جولائی ۱۹۱۶ء	-	-	علامہ سید سلیمان ندوی	-	مطبع معارف اعظم گڑھ	سالانہ چار روپے	۶۴
۸۷۔	العرفان	مذہبی	بنگلور	جنوری ۱۹۱۷ء	سالانہ	-	محمد اسحاق	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	-
۸۸۔	مرشد	مذہبی	دہلی	۵ مارچ ۱۹۱۸ء	ماہنامہ	مشرف الدین	خواجہ حسن نظامی	-	محبوب المطابع جامعہ مسجد دہلی	سالانہ تین روپے	۳۲
۸۹۔	ہدایات الاسلام	مذہبی	دہلی	۱۹۱۸ء	-	-	مولوی عبدالمجید	-	-	سالانہ تین روپے ۴ آنے	۴۰
۹۰۔	اعجاز القرآن	مذہبی	امرتسر	مارچ ۱۹۱۹ء	-	-	مولوی اعجاز احمد	-	-	سالانہ دو روپے	۴۸
۹۱۔	محقق	مذہبی	دہلی		-	-		-	-	-	-
۹۲۔	المذہب	مذہبی	دہلی	نومبر ۱۹۱۹ء	-	-	قاری عباس حسین	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۳۔	النظر	مذہبی	میرٹھ	۱۹۱۹ء	-	-	مولوی ابورحمت حسن	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۹
۹۴۔	فرات	مذہبی	دہلی	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-	زی الواسطی	-	مطبع یوسفی دہلی	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۹۵۔	صحیفہ الوارث	مذہبی	بارہ بنکی	جولائی ۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-		-		سالانہ تین روپے چھ آنے	۴۲
۹۶۔	الرسول	مذہبی	میرٹھ	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	-	منشی شمس الدین احمد شمس	-	-	سالانہ ایک روپے پانچ آنے	-
۹۷۔	مرتضوی	مذہبی	لکھنؤ	مارچ ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	خواجہ حسن مرتضوی	-	-	سالانہ دو روپے	۲۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۹۸۔	مسلمان	مذہبی	گوجرانوالہ	۱۹۲۱ء	-	-	مولوی عبدالحمید خان	-	-	-	۴۰
۹۹۔	دین ودنیا	مذہبی	دہلی	۱۹۲۱ء	-	-	احسان اللہ	-	-	سالانہ دوروپے	-
۱۰۰۔	تصوف	مذہبی	لاہور	جنوری ۱۹۲۲ء	-	-	محمد حفیظ اللہ قریشی نقشبندی	-	کریمی اسٹیم پریس لاہور	سالانہ دوروپے	۴۸
۱۰۱۔	قادری نوشاہی	مذہبی	لاہور	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	-	چودھری سلطان علی	-	-	-	۴۰
۱۰۲۔	المومن	مذہبی	کلکتہ	جنوری ۱۹۲۲ء	ماہنامہ	-	محمد یحیٰ	-	-	-	-
۱۰۳۔	الہلال	مذہبی	دہلی	مارچ ۱۹۲۳ء	-	-	مولانا زاہد القادری اثر دیوی	-	ہلال پریس	سالانہ ایک روپیہ	۵۶
۱۰۴۔	الزاہد	مذہبی	دہلی	دسمبر ۱۹۲۳ء	-	-	مولانا زاہد القادری	-	ہادی پریس دہلی	سالانہ ایک روپیہ	-
۱۰۵۔	النور	مذہبی	حیدرآباد دکن	دسمبر ۱۹۲۳ء	-	-	سید باقر حسین طارق	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۰۶۔	مسلمان	مذہبی	گوجرانوالہ	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	مولوی عبدالحمید خادم	-	-	سالانہ دوروپے چار آنے	۴۸
۱۰۷۔	تبلیغ	مذہبی	لاہور	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	-	غلام حیدر خاں	-	-	سالانہ چار روپے	۴۸
۱۰۸۔	بلاغ	مذہبی	امرتسر	۱۵ مارچ ۱۹۲۴ء	-	-	-	-	ثنائی برقی پریس	سالانہ تین روپے	۴۰
۱۰۹۔	جماعت	مذہبی	امرتسر	مئی ۱۹۲۴ء	-	-	پیر عبدالعزیز مخدومی	-	-	سالانہ تین روپے	۳۴
۱۱۰۔	شمۂ شریعت	مذہبی	کانپور	۱۹۲۴ء	-	-	جے بہادر حسرت شاہ	-	-	سالانہ سوا روپیہ	۳۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۱۱۔	پیغام صلح	مذہبی	لاہور	۱۹۲۳ء	ہفتہ وار	۔	۔	۔	۔	سالانہ ۵ روپے	۸
۱۱۲۔	الحافظ	مذہبی	لاہور	جنوری ۱۹۲۵ء	۔	۔	ایم ایم عبداللہ	۔	پرکاش اسٹیم پریس لاہور	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۱۳۔	روحانیت	مذہبی	گورکھپور	جنوری ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔	مولانا آزاد سبحان	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۴۔	امامیہ گزٹ	مذہبی	انبالہ	مارچ ۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	سید مہدی اکبر زیدواسطی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۶
۱۱۵۔	ہادی	مذہبی	میرٹھ	۲۵ مئی ۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	مولانا یوسف حسین	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۶
۱۱۶۔	سائیں کی صدا	مذہبی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	بھوانی پرشاد	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۱۱۷۔	الامداد	مذہبی	مظفرنگر	۱۹۲۵ء	۔	۔	مولانا اشرف علی تھانوی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۱۸۔	اردو معلی	مذہبی	آگرہ	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	مولانا شہابی	۔	۔	۔	۔
۱۱۹۔	اسرار تصوف	مزہبی	لاہور	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	ملک چمنن الدین نقشبندی	۔	۔	سالانہ تین روپے	۳۲
۱۲۰۔	انوار القدس	مذہبی	بمبئی	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	چودھری شریف احمد راز لکھنوی	۔	۔	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۲۱۔	الہادی	مذہبی	دہلی	مئی ۱۹۲۶ء	۔	۔	مولوی عثمان عامی	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۴۰
۱۲۲۔	اسوۂ حسنہ	مذہبی	لاہور	مئی ۱۹۲۶ء	۔	۔	۔	۔	۔	۔	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۳۔	رازونیاز	مذہبی	دہلی	دسمبر ۱۹۲۶ء	ماہنامہ	-	نظر احمد	-	جید برقی پریس	سالانہ تین آنے	
۱۲۴۔	الاشرف	مذہبی	لاہور	اکتوبر ۱۹۲۷ء	-	-	پیر محمد اشرف	-	لاہور پرنٹنگ پریس	سالانہ ایک روپیہ ایک آنہ	۶۴
۱۲۵۔	مجدد اعظم	مذہبی	سرہند پنجاب	۱۹۲۸ء	-	-		-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۲۶۔	اخوت	مذہبی	لاہور	۱۹۲۸ء	-	-	پادری احمد مسیح	-	-	-	۳۲
۱۲۷۔	پیام حق	مذہبی	کان پور	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	مولوی محمد فاروق	-	-	سالانہ تین روپے	
۱۲۸۔	خلیق	مذہبی	حیدرآباد دکن	ستمبر ۱۹۲۹ء	-	-	امام بیگ رونق	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۲۹۔	کوثر	مذہبی	دہلی	نومبر ۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	پروفیسر ظفر	-	-	سالانہ ایک روپے آٹھ آنے	۴۸
۱۳۰۔	البلاغ	مذہبی	نظیرآباد	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	مولوی سید محمد افضل	-	-	سالانہ ۵ روپے	۶۴
۱۳۱۔	مباہلہ	مذہبی	قادیان	۱۹۲۹ء		-	-	-	-	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۳۲
۱۳۲۔	اسلام	مذہبی	امرتسر	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	-	میر الدین	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۳۳۔	ارشاد	مذہبی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۹ء	-	-	یوسف الدین	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۳۴۔	بصیرت	مذہبی	لاہور	مئی ۱۹۳۰ء	-	-	عبدالحق دربار علی عصمت اللہ	-	-	سالانہ ساڑھے چار روپے	۴۸

گلدستہ شعر و شاعری، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	کریم الاخبار و گل رعنا	گلدستے	دہلی	۱۸۴۵ء	ماہنامہ	-	مولوی کریم الدین	-	-	-	-
۲۔	گلدستہ شعراء	گلدستے	لکھنؤ	۱۸۵۹ء		-	-	شیخ قادر بخش	-	-	-
۳۔	گلدستہ شعراء	گلدستے	فتح گڑھ	۱۸۶۵ء	ماہنامہ	-	-	منشی شنکر سروپ نجات	مطبع دلکشا	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۸
۴۔	گلدستہ نظائر	گلدستے	گیا	۱۸۷۱ء	ماہنامہ	بابو رمیش چندر سرکار	-	-	مطبع گل دستہ نظائر	سالانہ پندرہ روپے	۲۴
۵۔	گلدستہ بدایوں	گلدستے	بدایوں	یکم دسمبر ۱۸۷۴ء	ماہنامہ	چودھری سعید الدین حسین کھیڑہ	-	-	مطبع فیض بخش سرکاری پریس	سالانہ تین روپے	۸
۶۔	گلدستہ شعراء	گلدستے	لکھنؤ	۱۸۷۴ء	-	-	-	مولوی فتح محمد ثابت	مطبع آزاد محمدی پریس	سالانہ تین روپے	۱۶
۷۔	گل کدہ ریاض	گلدستے	حیدر آباد	۱۸۷۵ء	ماہنامہ	منشی ریاض احمد	-	حافظ نظام احمد	مطبع ملع درخشاں	سالانہ ڈیڑھ روپے	۲۶
۸۔	گلدستہ سخن	گلدستے	لکھنؤ	۲۴ جولائی ۱۸۷۶ء	ماہنامہ	لالہ پورن چند	-	لالہ رام سہائے تمنا	مطبع تمنائی	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۱۶
۹۔	ریاض الاشعار	گلدستے	لکھنؤ	۱۸۸۱ء	ماہنامہ	محمد یوسف	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ تیرہ آنے	-
۱۰۔	گلدستہ نتیجہ سخن	گلدستے	کلکتہ	۱۸۸۲ء	ماہنامہ	شیخ محمد وزیر	مولوی حکیم عبدالصمد خان کری	-	مطبع دین پریس	سالانہ دو روپے بارہ آنے	۵۴
۱۱۔	گلدستہ بہار انجمن	گلدستے	فیض آباد	۵ مئی ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	-	عباس مرزا ہوش	نواب عباس مرزا خان محیط	مطبع قادری	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۲۔	گلدستہ سخن	گلدستے	آگرہ	۱۱۵ کتوبر ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	احمد خان صوفی	-	وزیر خان	مطبع مفید عام	سالانہ تین روپے	-

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۳۔	گلدستہ پیام یار	-	لکھنؤ	جون ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	-	-	منشی نثار حسین نثار	مطبع گنگا پرشاد	سالانہ ایک روپیہ	-
۱۴۔	مشاعرہ دہلی	-	دہلی	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	-	-	-	محمود المطابع	سالانہ تین روپے چودہ آنے	۲۴
۱۵۔	گل کدہ شفق	-	غازی پور	۲۸ فروری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	بابو شیو پرشاد	-	محمد یاسین شفق	مطبع صبح بنارس	-	۱۶
۱۶۔	گل دستہ پیام عاشق	-	فرخ آباد	۱۴ اپریل ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	-	-	منشی بھگو خان رحیم	مطبع رحیمی	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۱۷۔	گلدستہ فیض سخن	-	لکھنؤ	۲۴ مئی ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مرزا عباس حسین ہوش	-	-	مطبع شوخ اودھ	سالانہ ڈھائی روپے	-
۱۸۔	گلدستہ گل کدہ مشتاق	-	حیدرآباد	۱۵ جون ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مشتاق احمد	-	-	-	سالانہ تین روپے بارہ آنے	۱۶
۱۹۔	گل دستہ گل کدہ زینت سخن	-	-	۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مرزا اشتیاق حسین	لیاقت علی	مرزا عاشق حسین	مطبع انیس سنز	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۱۶
۲۰۔	گلدستہ مذاق سخن	-	حیدرآباد	۱۵ ستمبر ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مشتاق احمد	-	مشتاق احمد	مطبع علم وفنون	سالانہ تین روپے چھ آنے	-
۲۱۔	گلدستہ رعنا		لکھنؤ	یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	منشی سید عاشق حسین	-	-	افضل المطابع	سالانہ ایک روپیہ	-
۲۲۔	گلدستہ انجمن	-	-	یکم نومبر ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	-	مولوی سیف الحق ادیب	-	-	-	-
۲۳۔	گلدستہ شگوفہ	-	حیدرآباد دکن	۱۵ نومبر ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مولوی سید احمد بلگرامی	-	سید حسین جشن بلگرامی	مطبع ہزار داستان	سالانہ تین روپے	۳۸
۲۴۔	گلدستہ فیض سخن	-	لکھنؤ	۱۴ مئی ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مرزا عباس حسین ہوش	-	-	مطبع شوخ اودھ	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	-

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۵۔	سلام		دہلی	۲۴ جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	امیر سنگھ	۔	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۲۶۔	مرقع نگار		لکھنؤ	۲۴ فروری	ماہنامہ	خواجہ محمد وزیر	عاشق حسین عاشق	۔	مطبع گلزار محمدی	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۲۷۔	نالۂ عشاق		مدراس	۱۵ فروری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	سید محسن رعنا آتش	منشی محی الدین حسین خان علیم	۔	حسینی	سالانہ بارہ آنے	۱۴
۲۸۔	گلدستۂ شمع سخن		بنگلور	۳۰ اپریل ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	مولانا عبدالحق تحقیق	۔	غلام محمد شریف ادب	چام راج پریس	سالانہ ایک روپیہ	۔
۲۹۔	نامۂ یار		رتلام	۲ مئی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	فیاض الرحمٰن	۔	مشرف یار خاں	مطبع رتن پرکاش	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۳۰۔	تحفۂ عشاق		لکھنؤ	۱۰ مئی ۱۸۸۴ء		مولوی معصوم علی محشر	۔		قیصر المطابع	۔	۲۸
۳۱۔	گلدستۂ ناز		دوناکی	۱۰ جون ۱۸۸۴ء		بلقیس جہاں بیگم ناز	۔	منشی ریاض علی عاشق	۔	سالانہ سوا روپیہ	۲۰
۳۲۔	گلدستۂ چمن سخن		بانس بریلی	جولائی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	۔	مولوی علی امجد حسین امجد بدایونی	مولوی علی امجد حسین امجد بدایونی	مطبع صبح بدایوں	سالانہ ایک روپیہ	۔
۳۳۔	گلدستۂ کرشمۂ دلبر		خیرآباد	۱۰ ستمبر ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	منشی افتخار حسین	۔	۔	مطبع گلزار محمدی	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۳۴۔	چمنستان سخن		کان پور	۲۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	قیصر المطابع	۔	۳۸
۳۵۔	نالۂ عشاق		اجمیر	یکم نومبر ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	سید نظر حسین سحا	۔	۔	مطبع سیٹھ نظیر علی	سالانہ ایک روپیہ	۲۴
۳۶۔	گلدستۂ مضامین		متھرا	یکم اپریل ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	چوہدری شیام لال	منشی گنگا پرشاد	منشی بانکے لال زار بدایونی	متھرا پریس	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۳۷۔	گلدستہ انتخاب		لکھنو	یکم نومبر ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	منشی سخاوت علی موج	-	-	قیصر المطابع	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۴
۳۸۔	گلدستہ آشوب محشر		فرخ آباد	یکم جون ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی جگر پرشاد	منشی یوسف ظریف و ظہیر	بابو ذوقی رام	مطبع گلزار ہند	سالانہ ایک روپیہ	۲۸
۳۹۔	گلدستہ بہار سخن		رتلام	یکم جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	بابو رام کشن جوش	-	مطبع رتن پرکاش	مطبع رتن پرکاش	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۴۰۔	جادو		دہلی	یکم جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	رکن الدین جادو	-	منشی سید بدیع الزماں	مطبع مجتبائی		۱۲
۴۱۔	گلدستہ ہمایوں		بدایوں	یکم جنوری ۱۸۸۵ء		مولوی افضل علی	-	منشی محمد جعفر نجم	افضل المطابع		-
۴۲۔	گلدستہ ریاض سخن		رام پور	۲۰ جنوری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	احمد علی خان	-		تاج نیر اعظم	سالانہ دو روپے	-
۴۳۔	گلدستہ آفتاب سخن		بنگلور	یکم جون ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	محمد ابراہیم ملیش	-	عبد القادر	مطبع گلزار ہند	سالانہ دو روپے	۱۶
۴۴۔	گلدستہ دامن گل چیں		لکھنو	یکم فروری ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	محمد احمد قمر	-	منشی شیخ امجد علی	اردو پریس	سالانہ دو روپے	۱۶
۴۵۔	گلدستہ خنجر عشق		لکھنو	۲۰ مارچ ۱۸۸۵ء	-	-	-	-	مطبع درگاہ پرشاد	سالانہ ایک روپیہ	-
۴۶۔	گلدستہ ریاض رنگیں		بریلی	مارچ ۱۸۸۵ء	-	حکیم محمد طاہر رمز کاکوری	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۴۷۔	گلدستہ گلزار خلد		فرخ آباد	مارچ ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی بھگو خان رحیم	-	-	مطبع رحیمی	سالانہ ایک روپیہ	۸
۴۸۔	گلدستہ گل کدہ بہار		بدایوں	یکم اپریل ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	حافظ متین معین	-	-	مطبع نسیم سحر بدایوں	سالانہ ایک روپیہ	۱۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۹۔	لخت جگر	-	کلکتہ	۱۰ اپریل ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	-	-	مولوی سید عبدالرحیم ابد	مطبع قادریہ	سالانہ ایک روپیہ تیرہ آنے	۴۰
۵۰۔	ہردل عزیز	-	لکھنؤ	۲۰ اپریل ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	-	-	-	قیصر المطابع	سالانہ چار روپے	۳۲
۵۱۔	نوبہار	-	ٹونک	یکم مئی ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	غلام علی خان	-	-	مطبع احمدی		-
۵۲۔	گلدستہ جوہر سخن	-	حیدرآباد جوہر سخن	۲۹ مئی ۱۸۸۵ء	-	عبداللہ ضیغم	-	-	مطبع آصفی	سالانہ دو روپے	-
۵۳۔	بہارستان شوخی	-	رام رتن	۱۵ مئی ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	بابو گنگا سہا تمائے	-	-	مطبع گردس گزٹ	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۵۴۔	بہار سخن	-	کان پور	۱۵ جون ۱۸۸۵ء		عنایت حسین خان	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۵۵۔	برق	-	بمبئی	یکم جولائی ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	نواب علی حسرت لکھنوی	-	ابوالحسن جوہر بریلوی	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	-
۵۶۔	چراغ کعبہ	-	بمبئی	یکم جولائی ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	بلقیس جہاں	-	-	-	سالانہ دو روپیہ	۴۳
۵۷۔	نالۂ عشاق	-	پٹنہ	-	-	منشی شیخ عابد حسین	-	-	-		۴۰
۵۸۔	گل دستہ نامہ عشاق	-	بنارس	۱۵ اگست ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی شیخ محمد رضی	محمد عمر کلیم	-	مطبع اکسیر اعظم	سالانہ ایک روپیہ	۴۰
۵۹۔	نامہ دل سوز	-	اندور چھاونی	۱۵ اگست ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	-	-	پنڈت جگ موہن ناتھ شوق	مطبع سرکاری	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۶۰۔	گلدستہ خیال یار	-	متھرا	یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء	-	-	-	لالہ دبی پرشاد	مطبع آفتاب عالم تاب لکھنؤ	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۶۱۔	گلدستہ فیروز نگار	-	امراوتی	یکم نومبر ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی صادق علی قیصر	-	نثار علی	صادق المطابع	سالانہ ایک روپیہ	۱۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۶۲۔	گلدستہ آئینۂ سخن	-	انبالہ	۲۵ ستمبر ۱۸۸۵ء	-	-	عبدالحلیم نادم	-	مطبع تمیل رحمان بازار انبالہ	سالانہ ایک روپیہ	۱۴
۶۳۔	گلدستہ تصویر سخن	-	متھرا	یکم جنوری ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	وسیع اللہ شوخ	-	-	متھرا پریس	سالانہ بارہ آنے	۱۶
۶۴۔	گلدستہ نسیم جنت	-	آگرہ	یکم جنوری ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	صادق علی قیصر	-	نثار علی	صادق المطابع	سالانہ ایک روپیہ	
۶۵۔	گلدستہ تہذیب و سخن	-	کھولاپور	۱۸۸۶ء	-	منشی کرشن لال جوش	-	-	صادق المطابع	سالانہ ایک روپیہ	۸
۶۶۔	گلدستہ کلام	-	دہلی	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	منشی امیر سنگھ	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ	-
۶۷۔	گلدستہ غنچہ مراد	-	شملہ	۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	منشی عبدالقادر نائب	-	-	مطبع مطلع انوار سہاران	سالانہ ایک روپیہ چودہ آنے	۳۲
۶۸۔	گلدستہ اعتراض	-	بمبئی	۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	امراؤ علی	-	-		سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۶۹۔	گلدستہ نالہ زخمی	-	کان پور	۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء	-	-	-	لالہ راج بہاری زخمی کاکوری	مطبع نسیم ہند فتح پور	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	
۷۰۔	گلدستہ افسوں	-	فتح گڑھ	یکم مئی ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	نصیر الزماں	-	جگر مہا پرشاد	-	سالانہ چھ روپیہ	-
۷۱۔	گلدستہ سخن	-	فتح پور	جون ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	صدیق احمد قادری	-	-	-	-	۱۶
۷۲۔	گلدستہ نعتیہ	-	فرخ آباد	یکم جولائی ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	نصیر الزماں	-	-	-	-	۸
۷۳۔	گلدستہ سحر بابل	-	فتح پور	یکم ستمبر ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	نظام الدین شوقی	بندا پرشاد عزیز	سید واجد علی وحید	-	سالانہ ایک روپیہ	۲۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۷۴۔	گلدستہ نغمۂ بہار	۔	لکھنؤ	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	سید مہدی حسن عقیل	۔	یعقوب علی خان نصرت	مطبع اردو پریس	سالانہ ایک روپیہ	۲۴
۷۵۔	نغمہ عنادل	۔	بنارس	یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	سید فدا حسین	۔	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۱۶
۷۶۔	گلدستہ ریاض النبویؐ	۔	کان پور	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	منشی راج بہادر زخمی	۔	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	
۷۷۔	گلدستہ معنی	۔	جون پور	۲۸ فروری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	منشی شیخ بشارت علی بشیر	غلام حسین	سید محمد کاظم نادر	اعظم المطابع	سالانہ ایک روپیہ	۲۰
۷۸۔	نامہ منظوم	۔	مرزا پور	یکم اپریل ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	بابو ہنومان پرشاد	پنڈت دین دیال شرما	۔	مطبع ریڈنگ روم	سالانہ دو روپیہ	۱۲
۷۹۔	گلدستہ پیکر	۔	گورکھ پور	اپریل ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	عبداللطیف خان	۔	خواجہ محی الدین لکھنویؔ	مطبع لطیف الاخبار	سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے	۱۶
۸۰۔	داغ دل	۔	بریلی	۱۵ جولائی ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	حکیم سید محمد تمین	۔	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۔
۸۱۔	گلدستہ بہار سخن	۔	گورکھ پور	۱۵ اگست ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	منشی محمد مبین	۔	منشی حافظ محمد طہ	۔	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۸۲۔	گل زار سخن	۔	حیدر آباد دکن	یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	نور الدین	۔	حاجی عبدالرحیم شرف	مطبع نور دکن	سالانہ ایک روپیہ	۲۸
۸۳۔	گلدستہ ریاض المصطفیٰ	۔	کان پور	نومبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	شیخ احمد علی	۔	۔	۔	۔	۱۶
۸۴۔	گلدستۂ گل و بلبل	۔	حیدر آباد دکن	۱۱ دسمبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	سید الطاف حسین حالی	۔	سید محمد عباس مجود	۔	سالانہ تین روپے	۳۲
۸۵۔	گلدستہ تہذیب سخن		کان پور	جولائی ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	شیخ احمد علی احمد			مطبع عزیزی		۱۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۸۶۔	گلدستہ شور عنادل	۔	علی گڑھ	۱۸۸۷ء	ماہنامہ	بنواری لال وکیل	۔	لالہ سکن لال	مطبع کالیست پرکاش	۔	۱۶
۸۷۔	گلدستہ مطلع سخن	۔	حیدرآباد دکن	۱۸۸۷ء	ماہنامہ		۔	بشیر الدین افسر		سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۸۸۔	گلدستہ داغ	۔	اجمیر	جنوری ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	مادھو پرشاد بھارگو	۔	۔	مطبع مادھو پرکاش	سالانہ ایک روپیہ	۔
۸۹۔	گلدستہ گلشن داغ	۔	رتلام	جولائی ۱۸۸۸ء	ماہنامہ	مفتی محمد عبدالرحیم صبا	مفتی محمد عبدالرحیم صبا	۔	مطبع مفید عام آگرہ	۔	۱۶
۹۰	گلدستہ انتخاب	۔	لکھنؤ	۱۸۸۹ء	ماہنامہ	۔	مولوی سید لکھنوی	اصطفی خورشید	۔	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۹۱۔	سحاب سخن	۔	جودھ پور	۱۸۸۹ء	ماہنامہ	۔	مولوی ابوالحسن شرقی	محمد ابراہیم مداح	۔		
۹۲۔	گل چیں	۔	لکھنؤ	جنوری ۱۸۹۱ء	ماہنامہ	۔	۔	سید محمد عسکری وسیم	نامی پریس لکھنؤ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۱۶
۹۳۔	گلدستہ دامن بہار	۔	آگرہ	۱۸۹۲ء	ماہنامہ	۔	۔	مرزا فدا حسین	مطبع حیدری آگرہ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۴
۹۴۔	گلدستہ رسالہ جلسہ احباب شملہ	۔	مظفرنگر	۱۸۹۳ء	پندرہ روزہ	۔	۔	ظہور الاسلام	مطبع فیض عام مظفرنگر	سالانہ دو روپے	۔
۹۵۔	گلدستہ زبان	۔	دہلی	۱۸۹۳ء	۔	۔	مولانا راسخ دہلوی	۔	مطبع مظہر العجائب		۱۶
۹۶۔	گل دستہ عروج بہار	۔	بمبئی	۱۸۹۴ء	ماہنامہ	سید اسحاق حسن شر مارہروی	۔	۔	مطبع دت پرشاد	سالانہ دو روپے	۔
۹۷۔	گلدستہ گل رعنا	۔	بھوپال	۱۸۹۵ء	ماہنامہ	۔	نورالحسن نسیم بھوپالی	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۱۶

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۹۸۔	گلدستۂ سخن	-	لدھیانہ	مئی ۱۸۹۵ء	ماہنامہ	الٰہ بخش	خلیفہ بخت	بہادر بخت	مقامی پریس لدھیانہ	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۹۹۔	گلدستہ مداح النبی	-	رہتک	۱۸۹۵ء	ماہنامہ			مولوی غلام احمد خان	مسلم پریس جھجھر	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۱۰۰۔	گلدستہ پروانہ	-	میرٹھ	اکتوبر ۱۸۹۶ء	ماہنامہ	مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی	-	-	شوکت المطابع	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۰۱۔	گلدستہ پیام محبوب	-	حیدرآباد دکن	۱۸۹۸ء	ماہنامہ	غلام حسین	غلام حسین	-	-	-	-
۱۰۲۔	جلوہ محبوب	-	حیدرآباد	۱۸۹۹ء	ماہنامہ	غلام ہمدانی گوہر	-	-	-	سالانہ چھ روپے	-
۱۰۳۔	محبوب الکلام	-	حیدرآباد دکن	۱۸۹۹ء	ماہنامہ	مہاراجہ کشن پرشاد شاد	حافظ جلیس حسین جلیل مانک پوری	-	-	-	-
۱۰۴۔	گلدستہ نسیم	-	دہلی	۱۹۰۰ء	-	محمد عبدالستار اختر	-	منشی قربان علی بسمل	رحمان پریس دہلی	سالانہ سوا روپے	۳۸
۱۰۵۔	گلدستہ منیر	-	بمبئی	جنوری ۱۹۰۱ء	ماہنامہ		شیخ احمد منیر	-	مطبع گلزار حسینی بمبئی	سالانہ ایک روپیہ چار آنے	۱۶
۱۰۶۔	ماہانہ نسیم سحر	-	گیا	جون ۱۹۰۱ء	-		شفیق عماد پوری	-	احسن المطابع پٹنہ	-	-
۱۰۷۔	گلدستہ نشوونما	-	بریلی	۱۹۰۱ء	ماہنامہ	گوپی ناتھ	-	گوپی ناتھ		سالانہ ایک روپیہ	-
۱۰۸۔	گلدستہ صحن وچمن	-	بجنور	جنوری ۱۹۰۲ء	ماہنامہ	-	سید ظفر حسین	-	مطبع مفید عام آگرہ	-	۱۴
۱۰۹۔	گلدستہ مذاق سخن	-	متھرا	اکتوبر ۱۹۰۲ء	-	-	-	-	-	-	-
۱۱۰۔	معیار الانشاد	-	حیدرآباد دکن	جولائی ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	نواب سراج الدین احمد خان	-	مطبع شمسی حیدرآباد	سالانہ تین روپے	۲۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۱۱۔	عالمگیر	۔	بردوئی	ستمبر ۱۹۰۶ء	ماہنامہ	۔	سید مقبول حسین وصل بلگرامی	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۲۴
۱۱۲۔	گلدستہ محبوب آصفیہ	۔	میسور	۱۹۰۶ء	سالانہ	۔	نواب محمد غوث علی خان افسر	--	۔	سالانہ پانچ روپے	۴۸
۱۱۳۔	صبح بہار	۔	میسور	۱۹۰۶ء	سالانہ	۔	مولوی حکیم محمد علی	۔	مطبع احمدی	سالانہ دو روپے	۱۰
۱۱۴۔	نیرنگ	۔	رام پور	۱۹۰۷ء		اولاد حسین شاداں	سعید اللہ خان عیش	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۱۵۔	اصلاح سخن	۔	لاہور	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	۔	وجاہت حسین جھنجھانوی	۔	۔	سالانہ دو روپیہ	۴۸
۱۱۶۔	فانوس خیال	۔	اجمیر	۱۹۰۸ء	۔	۔	عاشق حسین سیماب اکبرآبادی	۔	۔	سالانہ چار روپے	۳۲
۱۱۷۔	زبان اردو	۔	اجمیر	۱۹۰۹ء	۔	۔	لتاپرشاد	۔	۔	۔	۔
۱۱۸۔	کمال	۔	دہلی	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	۔	منشی پیارے لال رزاق دہلوی		امپریلنیو پریس دہلی	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۱۱۹۔	گلدستہ تصویر یار	۔	احمد آباد	نومبر ۱۹۱۹ء	۔	منشی عبدالقادر	سہیل سورتی	سہیل سورتی	محمدی پریس احمد آباد	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۶
۱۲۰۔	آفتاب سخن	۔	پونہ	۱۹۱۹ء	۔	۔	۔	شیخ محمد عثمان شاد	۔	سالانہ دو روپے	۴۴
۱۲۱۔	خورشید	۔	مدراس	۱۹۰۹ء	۔	۔	سید جلال الدین گھائل	۔	۔	سالانہ دو روپے	۷۲
۱۲۲۔	مشاعرہ	۔	لاہور	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	منشی دین محمد	۔	۔	۔	۔	۳۴
۱۲۳۔	طالب دیدار	۔	میرٹھ	نومبر ۱۹۱۱ء	ماہنامہ	شمس الدین احمد شمس میرٹھی	۔	۔	مطبع شمس الانوار میرٹھ	سالانہ سوا روپیہ	۳۲

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۴۔	نادلسٹ	-	لاہور	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	غلام قادر فصیح	-	-	سالانہ تین روپے	۳۲
۱۲۵۔	افتخار	-	جاورہ	مارچ ۱۹۱۱ء	-	-	بیدل	-	-		-
۱۲۶۔	نہال سخن	-	بریلی	۱۹۱۱ء	ماہنامہ		منشی مفتی عماد الحسن	-	-	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۲۷۔	مرصع	-	آگرہ	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	محمد فرید الدین خان گوہر	شام بابو شام	-	مطبع عثمانی آگرہ	سالانہ ایک روپیہ بارہ آنے	۱۶
۱۲۸۔	مرقع	-	شاہ جہاں پور	ستمبر ۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	مختار شاہ جہاں پوری	منشی ولی حسن فاضل انصاری	-	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	-
۱۲۹۔	ترقی سخن	-	بمبئی	اکتوبر ۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	راوی اجمیری	-	مطبع مرتضوی	سالانہ سوا روپے	-
۱۳۰۔	عندلیت	-	میرٹھ	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-	شعیب احمد ندرت	-	-	-	-
۱۳۱۔	اتحاد	-	بہار شریف	۱۹۱۲ء	ماہنامہ	-		-	-	-	-
۱۳۲۔	نالۂ بلبل	-	لدھیانہ	۱۹۱۲ء	-	-	خواجہ غلام احمد لدھیانوی	-	سول اینڈ ملٹری پریس لدھیانہ	سالانہ ڈیڑھ روپے	۴۸
۱۳۳۔	انوار قمر	-	فرخ آباد	جنوری ۱۹۱۳ء	-	-	کشوری لال قمر لکھنوی	-	چمنستان پریس فرخ آباد	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۸
۱۳۴۔	نظام	-	لدھیانہ	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	-	آزاد لدھیانوی	-	-	سالانہ ایک روپیہ چار آنے	۳۲
۱۳۵۔	اردو	-	بھرت پور	۱۹۱۳ء	-	-	مرزا غضنفر حسین عروج	-	بھرت پور کے سرکاری مطبع چھپتا تھا	-	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۳۶۔	تذکرۃ الشعر	-	علی گڑھ	جولائی ۱۹۱۴ء	سہ ماہی	-	مولانا حسرت موہانی	-	مطبع فیض عام علی گڑھ		۷۹
۱۳۷۔	بزم سخن	-	گیا	اکتوبر ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	-	جگشیر پرشاد خلش	منشی محمد علی	مفید عام پریس لکھنؤ	سالانہ سوا روپیہ	۴۴
۱۳۸۔	خیال	-	میرٹھ	جون ۱۹۱۵ء	-	-	حکیم شاہ شفیق حیدر آبادی	-	مطبع شمس الانوار میرٹھ	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۴۰
۱۳۹۔	تصویر یار	-		جنوری ۱۹۱۶ء	-	-	محمد ایوب صالح	-	داؤدی الیکٹرک پریس بمبئی	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲
۱۴۰۔	حیات اردو	-	مراد آباد	فروری ۱۹۱۷ء	-	-	منشی اسحاق بیگ مراد آبادی	-	-	سالانہ ڈیڑھ روپے	۴۸
۱۴۱۔	شمع انجمن	-	مراد آباد	مارچ ۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-	سید محمد ناصر کلیم رضوی	-	-	سالانہ دو روپے دو آنے	۴۸
۱۴۲۔	خورشید	-	لکھنؤ	جون ۱۹۱۷ء	ماہنامہ	-	اختر لکھنوی	-	-	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۳۲
۱۴۳۔	گل چیں	-	سیتاپور	۱۹۱۷ء		-	سید ریاض احمد ریاض	-	-	سالانہ ۳۰ روپے	۳۲
۱۴۴۔	برق سخن	-	آب دور واس	جنوری ۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-	منشی محمد ابراہیم قدیل	-	-	سالانہ دو روپے چار آنے	۴۸
۱۴۵۔	اعجاز	-	مراد آباد	جنوری ۱۹۲۰ء	ماہنامہ	-	اکبر امروہی	-	-		۳۲
۱۴۶۔	منظر	-	لکھنؤ	۱۹۱۸ء			آزاد لکھنوی	-	منظور پریس لکھنؤ	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۴۷۔	یادگار درد	-	دہلی	۱۹۱۹ء	ماہنامہ	مولانا سید ناصر نذیر فراق دہلوی	-	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۴۸۔	بہار نسیم	۔	برہان پور	ستمبر ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔	شیخ جمن کوثر تاجر کتب	۔	مطبع آگرہ	سالانہ ایک روپیہ	۳۰
۱۴۹۔	گلزار سخن	۔	پونہ	جنوری ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔	محمد حبیب اللہ خان حجازی	۔	مطبع حسن ادب	سالانہ تین روپے	۳۴
۱۵۰۔	خورشید	۔	میرٹھ	۱۹۲۳ء	۔	۔	۔	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۸
۱۵۱۔	شگوفہ	۔	کان پور	۱۹۲۴ء	ماہنامہ	۔	روحی	۔	۔	سالانہ ایک روپے بارہ آنے	۲۴
۱۵۲۔	انتخاب	۔	لاہور	اکتوبر ۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	اختر شرانی افغان	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۶۴
۱۵۳۔	چمنستان	۔	کان پور	۱۹۲۶ء	۔	۔	افق کان پور	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۱۶
۱۵۴۔	حسن و خیال	۔	دہلی	۱۹۲۶ء	ماہنامہ	۔	سرشار کھمنڈی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۵۵۔	مشاعرہ	۔	فرخ آباد	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	۔	سید ظہیر الدین علوی	۔	فرخ پریس	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۲

زراعتی رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	مظہر الزراعت	زرعی	میرٹھ	۲۴ مئی ۱۸۸۲ء	ماہنامہ	حکیم مغرب حسین خان رئیس	-	-	مطبع دار العلوم	سالانہ تین روپے	-
۲۔	انجمن زراعت	زرعی	بجنور	۳۰ اپریل ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	-	پنڈت لال	حافظ کریم اللہ	مطبع مہر نیمروز	سالانہ دو روپے دو آنے	-
۳۔	مفید المزارعین	زرعی	کان پور	یکم اگست ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	-	-	مولوی خواجہ سید محمد حسین	مطبع نول کشور	سالانہ ایک روپیہ چھ آنے	-
۴۔	زمیندار	زرعی	گجرانوالہ	یکم جنوری ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	-	-	منشی محبوب عالم	مطبع خادم التعلیم	سالانہ تین روپے	۵۰
۵۔	زراعت و حرفت	زرعی	بدایوں	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	-	امین الدین حیدر شیخپوری	-	نظامی پریس بدایوں	سالانہ ڈھائی روپے	-
۶۔	رہبر مزارعین	زرعی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	-	مظہر حسین	-	-	سالانہ تین روپے	۶۴
۷۔	کاشتکاران ہند	زرعی	حیدرآباد دکن	۱۹۱۸ء	ماہنامہ	-	مرزا سلطان احمد بیگ	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۸۔	دیہاتی	زرعی	جھنگ	اپریل ۱۹۲۴ء	ماہنامہ	-	مولوی معظم علی قریشی	-	-	سالانہ تین روپے	۷۰
۹۔	دیہاتی	زرعی	جھنگ	۱۹۲۸ء		-	محمد معظم قریشی	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۰۔	ہنرمند	زرعی	لاہور	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	شیخ مجیب الٰہی	-	-	-	۲۴
۱۱۔	آواز	زرعی	انبالہ	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	عاصف مولانوی	-	-	-	۳۲
۱۲۔	ساقی	زرعی	ملتان	۱۹۲۸ء	ماہنامہ	-	قادر بخش	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۳۔	دیہاتی	زرعی	ملتان	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	دین محمد نظامی	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸

متفرق رسائل، ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۔	ویکلی رپورٹ	۔	گیا	یکم مئی ۱۸۵۶ء	ماہنامہ	منشی جے جے رام مختار	۔	۔	مطبع لاسو پریس	۔	۴۸
۲۔	رسالہ نور علی علی	۔	سیالکوٹ	۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء	ماہنامہ		منشی دیوان چند		مطبع چشمہ فیض	سالانہ ۴ روپے ۱۲ آنے	
۳۔	مخزن العلوم	۔	بانس بریلی	یکم جنوری ۱۸۶۵ء	ماہنامہ	رائےبختار بہادر	کالی چرن	نواب عبدالعزیز	مطبع سوسائٹی	سالانہ ۳ روپے	۵۶
۴۔	انجمن فیض عام	۔	گوجرانوالہ	یکم جون ۱۸۶۶ء	ماہنامہ	۔	۔	منشی دیوان چند	گیان پریس	سالانہ ڈیڑھ روپے	۸
۵۔	سررشتہ تعلیم اودھ	۔		یکم جنوری ۱۸۶۸ء	ماہنامہ	۔	مولوی ابوالحسن	۔	مطبع اودھ	سالانہ ۲ روپے	۱۶
۶۔	انجمن رفاہ	۔	فیض آباد	یکم جولائی ۱۸۷۰ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	مطبع شاخ ہنگمرام پور	سالانہ ۳ روپے	۱۶
۷۔	بلند اختر	۔	مرادآباد	یکم جولائی ۱۸۷۰ء		۔	۔	قاضی سید جمشید علی	مطبع آفتاب ہند	سالانہ ۶ روپے	۱۶
۸۔	گلدستہ نظائر	۔		۱۸۷۱ء	ماہنامہ	بابو میش ہندی سرکار	۔		مطبع گلدستہ نظائر	سالانہ ۱۵ روپے	۲۴
۹۔	مفید المدارس	۔	آگرہ	۱۸۷۲ء	ماہنامہ	مچھو خان	۔	وزیر خان	مطبع الٰہی	سالانہ ۳ روپے	۱۶
۱۰۔	رسالہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ	۔	اجمیر	۱۸۷۳ء	سہ ماہی	۔	پنڈت بھاگ رام	۔	کوہ نور پریس	۔	۸۰
۱۱۔	انجمن مفید عام	۔	لاہور	۸ مارچ ۱۸۷۴ء	ماہنامہ	۔	۔	مولوی مرزا فتح محمد جنگ	مطبع قادری	سالانہ ۶ روپے	۱۶
۱۲۔	انجمن مذاکرہ علمیہ	۔	پٹنہ	۸ مارچ ۱۸۷۴ء	ماہنامہ	۔	۔	منشی حسن علی	مطبع بہار	سالانہ ۶ روپے	۳۲
۱۳۔	آریہ درپن	۔	شاہجہاں پور	یکم جنوری ۱۸۷۸ء	ماہنامہ	۔	۔	منشی بختاور سنگھ	مطبع آریہ بھوشن	سالانہ ۳ روپے ۶ آنے	۲۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۴۔	آئینہ زبای	۔	شاہجہاں پور	یکم جنوری ۱۸۷۹ء	ماہنامہ	لالہ بختاور سنگھ	۔	پنڈت اودھ بہاری سرن مشر	مطبع آریہ بھوش	سالانہ ۱۲ آنے	۱۲
۱۵۔	خضر ہند	۔	سیالکوٹ	یکم جنوری ۱۸۷۹ء	ماہنامہ	منشی دیوان چند	۔	لالہ ہزاری لال	مطبع رفاع عام	سالانہ ایک روپیہ ۱۱ آنے	۴
۱۶۔	کلکتہ پنچ	۔	کلکتہ	۔	۔	۔	۔		مطبع بشیری	سالانہ ایک روپیہ ۱۴ آنے	۸
۱۷۔	آریہ سماچار	۔	میرٹھ	۱۸۷۹ء	۔	۔	۔	منشی کلیان رائے	مطبع ودیا درپن	سالانہ ایک روپے ۱۴ آنے	۳۲
۱۸۔	انجمن اسلام	۔	جبل پور	۱۸۸۱ء	ماہنامہ	۔	۔		۔	۔	۔
۱۹۔	مہر انتخاب	۔		۱۸۸۲ء	۔	عبدالحمید حمید	۔	اسماعیل خان شوکت	۔	سالانہ ۳ روپے ۶ آنے	۔
۲۰۔	اردو جس پرکاش	۔	فیض آباد	یکم ستمبر ۱۸۸۲ء	۔	بابو کول	۔		مطبع نرائن	سالانہ ایک روپے	۱۶
۲۱۔	متھرا سماچار	۔	متھرا	یکم دسمبر ۱۸۸۲ء	ماہنامہ		۔	پنڈت رام نرائن بھارگو	مطبع متھرا پریس	۔	۲۰
۲۲۔	آئینہ ہند	۔	لاہور	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	۔	لالہ رنگی رام مختار	۔		مطبع آریہ پریس	سالانہ ۳ روپے ۶ آنے	۳۲
۲۳۔	سکھ ایک سبھا	فوجی	راولپنڈی	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	۔	۔	۔	بوتا مل آنند	مطبع گلشن پنجاب	۔	۴۰
۲۴۔	اخبار الاحصار	۔	بدایوں	۱۰ فروری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	مولوی علی امجد حسین	۔		مطبع صبح بدایوں	۔	۴
۲۵۔	رونق ہند	۔	کان پور	یکم جنوری ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	منشی گنگا پرشاد	۔		مطبع عزیزی	سالانہ ۳ روپے	
۲۶۔	داستان سیاح	۔	حیدر آباد	۱۶ مئی ۱۸۸۳ء	ماہنامہ	غوث الدین، مہر منشی	منشی سید ابراہیم	زین العابدین	۔	سالانہ ۲ روپے ۱۲ آنے	۱۶

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۲۷۔	انجمن رفاہ عام	۔	لدھیانہ	۳۱ جنوری ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	ڈپٹی قادر بخش	مرزا عبداللہ	۔	امریکن مشن پریس	سالانہ ۴ روپے	۱۶
۲۸۔	قومی کالیستھ لکم اومایان	۔	لکھنؤ	یکم جنوری ۱۸۸۴ء		لالہ دیتمی پرشاد	۔	۔	آفتاب عالم نواب	سالانہ ۳ روپے	۔
۲۹۔	لکم اومایان	۔	لکھنؤ	یکم جون ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	مطبع آفتاب عال تاب		۱۶
۳۰۔	ہریانہ اخبار	۔	جھجر	یکم جولائی ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	مولوی غلا محمد خان	۔	۔	مطبع سلیمانی	سالانہ ایک روپیہ تین آنے	۸
۳۱۔	مفید ہند	۔	دہلی	یکم نومبر ۱۸۸۴ء	ماہنامہ	امیر سنگھ	۔	۔	آئین ہند پریس	سالانہ سوا تین روپے	۱۶
۳۲۔	پنجاب لوکل سیلف گزٹ	۔	گوجرانوالہ	۱۰ نومبر ۱۸۸۴ء	۔	مرزا انور علی	مرزا انور علی	۔	۔	سالانہ ۱۴ روپے	۵۰
۳۳۔	گورکالیستھ	۔	الہ آباد	۱۸۸۴ء	۔	۔	۔	منشی سرن لال	مطبع ست پرکاش		۔
۳۴۔	سعید الاخبار	۔	بدایوں	۔	ماہنامہ	مولوی افضل علی ضد	۔	فیض محمد جعفر غم	افضل المطابع	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۱۲
۳۵۔	گل زار وجہاں	۔	کلکتہ	۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء	۔	امیر علی	۔	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۱۶
۳۶۔	کاشف الحقیقت	۔	کپورتھلہ	یکم اگست ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	بابو ہری چند	رگھو پرداس	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۴
۳۷۔	کلید جنت	۔	لاہور	۱۱۰ کتوبر ۱۸۸۵ء	۔	سردار علی اختر	۔	۔	مطبع گلزار محمدی	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۲۴
۳۸۔	عطارد	۔	فرخ آباد	۱۲۷ کتوبر ۱۸۸۵ء	ماہنامہ	منشی بال کشن	سالک رام انور	مولوی سرسید حسن		سالانہ سوا روپیہ	۸
۳۹۔	ایسٹ انڈین ریلوے	۔	کلکتہ	۲۲ جولائی ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	۔	۔	اوری ایچ وان چیف	۔	۔	۲۰

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۴۰۔	آفتاب عالم	-	شاہ آباد	۱۵ فروری ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	مرزا عنایت علی بیگ عنایت لکھنوی	مولوی حافظ حاجی حکیم عبدالکریم	-	-	سالانہ سوا دو روپیہ	۳۲
۴۱۔	موج ظرافت	مزاحیہ	ہوش نگاہ آباد	یکم مئی ۱۸۸۶ء	ہفت روزہ	مرزا عبدالکریم سوداگر	-	-	مطبع موج فریدہ	سالانہ ڈیڑھ روپیہ	۸
۴۲۔	سری گورمت پرکاشت	مذہبی	راولپنڈی	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	بابا کھیم سنگھ	-	-	جلوہ نور پریس	سالانہ ڈیڑھ دو روپیہ	۲۸
۴۳۔	باغبان	-	لاہور	یکم دسمبر ۱۸۸۶ء	ماہنامہ	منشی نور الدین ملک	بابو عزیز الدین	حکیم رحیم بخش	مطبع کوہ نور	سالانہ ۳ روپے ۱۲ آنے	۲۲
۴۴۔	جریدہ انتظامیہ	-	بھوپال	۱۸۸۶ء	ماہنامہ	نواب عبداللطیف خان	-	-	-	-	۴
۴۵۔	سحر آفریں	-	میسور	۱۸۸۶ء	ماہنامہ		-	-	مطبع گلشن علم آگرہ	سالانہ ایک روپیہ چار آنے	۲۰
۴۶۔	چشمہ حیات	-	الہ آباد	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	شیخ نظام الدین	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ	۱۲
۴۷۔	ریاض النبوی	نعتیہ	کان پور	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	منشی راج بہادر زخمی	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	-
۴۸۔	کالیتھ ریفارم ایسوسی ایشن	-	آگرہ	یکم جنوری ۱۸۸۷ء	-	-	-	-	-	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	-
۴۹۔	کہتری ہتکاری	-	آگرہ	مئی ۱۸۸۷ء	-	-	-	-	مطبع رحمانی	سالانہ دو روپے	۲۴
۵۰۔	لسان الملک	-	میرٹھ	۱۰ جون ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	مولوی سید مرتضٰی یزدانی	-	منشی احمد شفق	حدیقۃ العلوم مطبع	سالانہ دو روپے	۲۰
۵۱۔	نوید امید	-	کان پور	ستمبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	-	-	بی نظیر	-	سالانہ ایک روپیہ	۱۲
۵۲۔	ویکلی رپورٹ	-	آگرہ	ستمبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	سید عشرت حسین	-	مرزا خادم حسین	منظر علیم مطبع	-	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۵۳۔	بلال	-	بھوپال	۱۹ ستمبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	-	-	محمد حسن	-	سالانہ ۲ روپے	۸
۵۴۔	بہار ہند	-	لکھنو چوک	یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء	ماہنامہ	شیخ اصغر علی	-	مرزا محمد مرتضی	مطبع انوار محمدی	سالانہ ۲ روپے	۳۲
۵۵۔	مرقع عطا بیر	-	جودھ پور	مارچ ۱۸۹۰ء	ماہنامہ	دیبی پرشاد	-		-	سالانہ ۲ روپے	۱۶
۵۶۔	بندھیل کھنڈ پنچ	-	جھانسی	۱۵ اگست ۱۸۹۴ء	ماہنامہ	منشی نھتو پرشاد	ریاض الحسن ریاض	منشی نھتو پرشاد	بندھیل کھنڈ پریس	سالانہ ۲ روپے	۱۲
۵۷۔	آریہ پتر	-	بریلی	۱۸۹۵ء	ماہنامہ	-	حکیم گھمبیر سہائے برہان	-	آریہ ناتھ آریہ پریس	سالانہ ایک روپیہ چار آنے	۳۲
۵۸۔	رفتار زمانہ	-	پٹنہ	یکم جنوری ۱۹۰۳ء	ماہنامہ	-	-	-	-	-	-
۵۹۔	العزیز	-	آگرہ	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	-	-	-	مطبع عزیزی آگرہ	سالانہ دو روپے	۵۰
۶۰۔	کامل	-	لاہور	۱۹۰۴ء	ماہنامہ	عبدالقدیر کامل لاہوری	-	-		سالانہ چار روپے	۴۸
۶۱۔	مشیر مادر	-	لاہور	۱۹۰۵ء		-	-	-	رفاہ عام پریس لاہور	-	-
۶۲۔	الرفیق	-	رنگون	جنوری ۱۹۰۶ء		-	عبدالسلام رفیقی	سعید احمد	مطبع احمدی علی گڑھ	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۶۳۔	نشتر	-	لاہور	دسمبر ۱۹۰۶ء	ماہنامہ	-	محمد افضل خان	-	-	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۶۴
۶۴۔	جلوہ یار	-	میرٹھ	۱۹۰۷ء	ماہنامہ	-	محمد اکبر خان وارثی میرٹھی	-	مطبع شمس الانوار	سالانہ دو روپے دس آنے	۳۶
۶۵۔	شمس النہار	-	مراد آباد	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	-	محمد اسماعیل برباد	-	-	-	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۶۶۔	لطیف	-	لکھنؤ	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	محمد علی	-	-	مطبع عام پریس لکھنؤ	سالانہ ۲ روپے	۳۲
۶۷۔	اورینٹل گزٹ	-	لاہور	۱۹۰۸ء	ماہنامہ	منشی معراج الدین	-	-	-	سالانہ چار روپے	۴۸
۶۸۔	اردو ریلوے گارڈ	-	لکھنؤ	جنوری ۱۹۰۹ء	ماہنامہ		-	-	نول کشور پریس لکھنؤ	سالانہ چار روپے	-
۶۹۔	ہمدرد	-	لاہور	جون ۱۹۰۹ء	ماہنامہ	لالہ اروڑا رام	منشی طالب علم پابند قریشی	-	-	سالانہ دو روپے	۴۰
۷۰۔	یادشاعر	-	پشاور	دسمبر ۱۹۰۹ء	-	حکیم سید محمد	عبداللہ احقر	-	افغان پریس پشاور	سالانہ سوا روپیہ	۴۸
۷۱۔	دربار	-	سیالکوٹ	۱۹۰۹ء	ماہنامہ	لالہ کرم چند منشی		-	-	سالانہ دو روپے	۴
۷۲۔	استبصار	-	بریلی	جنوری ۱۹۱۰ء	ماہنامہ	-	سید محمد ضامن کشوری	-	-	سالانہ تین روپے	۴۰
۷۳۔	اڈورڈ	-	کان پور	نومبر ۱۹۱۱ء	ماہنامہ	-	شیام سندر نگم	-	نگم پریس کانپور	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۰
۷۴۔	عروج خیال	-	مدراس	۱۹۱۱ء	ماہنامہ	منشی احمد اسعد اللہ	محمد احمد محی الدین	-	-	سالانہ دو روپے	۳۰
۷۵۔	مالوہ ریویو	-	بھوپال	۱۹۱۳ء	پندرہ روزہ	-	سید محمد یوسف قیصر	-	-		۸
۷۶۔	صادق	-	لاہور	۱۹۱۳ء	ماہنامہ	-	مفتی محمد صادق	-	-	سالانہ دو روپے	۴۸
۷۷۔	ظریف	-	لاہور	دسمبر ۱۹۱۳ء		-	پیرزادہ عبدالرشید	-	-	سالانہ ایک روپیہ بارہ آنے	۳۲
۷۸۔	طریقت	-	لاہور	۱۹۱۴ء	ماہنامہ	-	منشی محمد الدین فوق	-	-	سالانہ ایک روپے دس آنے	-

۷۹۔	ترجمان	۔	لاہور	۱۹۱۶ء	۔	۔	لالہ تیرتھ رام فیروز پوری	۔	۔	سالانہ ۳ روپے	۵۰
۸۰۔	ٹمپرنس میگزین	۔	امرتسر	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	ماسٹر سنت سنگھ	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۳۲
۸۱۔	خان بہادر	۔	ہوشیار پور	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۳۲
۸۲۔	پریم	۔	امرتسر	۱۹۱۵ء	۔	۔	ندلیارام شرما	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ	۳۴
۸۳۔	تاج الکلام	۔	نجیب آباد	مئی ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	احسان اللہ خان تاجور	۔	۔	سالانہ ڈیڑھ روپے	۳۴
۸۴۔	عبرت	۔	نجیب آباد	جنوری ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ دو روپیہ	۲۴
۸۵۔	آب حیات	۔	میرٹھ	جنوری ۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۸
۸۶۔	شاہراہ ترقی	۔	بنگلور	۱۹۱۶ء	ماہنامہ	۔	ابو محمد عبداللہ	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۸۷۔	پیکر خیال	۔	بنگلور	۱۹۱۷ء	ماہنامہ	۔	عبدالباسط، برن	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲
۸۸۔	مذاق عروج	۔	بنگلور	۱۹۱۷ء	ماہنامہ	۔	منشی عبدالعلی خالق	۔	۔	سالانہ ایک روپیہ نو آنے	۴۸
۸۹۔	شعلہ	۔	حیدرآباد دکن	۱۹۱۸ء	۔	۔	سید نوازش علی حیدرآبادی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۸
۹۰۔	ضرورت	۔	امرتسر	جنوری ۱۹۱۹ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۔
۹۱۔	نقیب	۔	بدایوں	فروری ۱۹۱۹ء	ماہنامہ	۔	۔	احمد زیدی	۔	سالانہ چار روپے	۲۴
۹۲۔	وائی	۔	دہلی	فروری ۱۹۱۹ء	۔	۔	سلطان جہاں بیگم چنگیزی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۴۰
۹۳۔	الواعظ	۔	حیدرآباد دکن	مارچ ۱۹۱۹ء	۔	۔	مولوی عبدالحق	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۴۔	نقیب	گلدستہ	پھلواری	۱۹۲۰ء	ماہنامہ	۔	۔	۔	۔	۔	۔

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۹۵۔	اعجاز	۔	جالندھر	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	۔	حفیظ جالندھری	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۶۴
۹۶۔	عبرت	۔	نجیب آباد	۱۹۲۱ء		۔	مولانا اکبر شاہ	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۶۴
۹۷۔	ترچھی نظر	ادبی	لکھنؤ	۱۹۲۱ء	ماہنامہ	۔		۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۹۸۔	لسان الملک		حیدرآباد دکن	۱۹۲۳ء		۔	سید محمد ضامن کنتوری	۔	۔	سالانہ تین روپے	۶۴
۹۹۔	اختر ہند	۔	کلکتہ	۱۹۲۲ء	ماہنامہ	سید کاظم حسین مانوس لکھنوی	سید مظہر لشکر پوری	۔	۔	۔	۳۲
۱۰۰۔	نمائش	صنعتی	حیدرآباد دکن	۱۹۲۲ء	۔	۔	مرزا رفیق بیگ	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۰۱۔	راگ	موسیقی	لاہور	۱۹۲۲ء	۔	۔	پروفیسر پرتاب سنگھ	۔	۔	سالانہ تین روپے	۔
۱۰۲۔	ترچھی نظر	۔	لکھنؤ	۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔		۔	۔	سالانہ تین روپے	۱۸
۱۰۳۔	الصدق	۔	حیدرآباد دکن	۱۹۲۳ء		۔	سید محمود	۔	۔	سالانہ ڈھائی روپے	۴۸
۱۰۴ء۔	بلال	۔	۔	اکتوبر ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	۔	حضرت شیدا ناوی	۔	۔	سالانہ سوا روپیہ	۳۲
۱۰۵۔	محسن الملک		بھوپال	ستمبر ۱۹۲۳ء	ماہنامہ	نواب زادہ سعید الظفر	حامد بھوپالی	۔	۔	سالانہ پانچ روپے	۸۰
۱۰۶۔	رائفل مین	فوجی		۱۹۲۳ء	۔	۔		۔	۔	سالانہ تین روپے	۱۶
۱۰۷۔	سودمند	۔	علی گڑھ	جون ۱۹۲۵ء	۔	۔	سید جعفر حسینی	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۰۸۔	اکبر	۔	الہ آباد	۱۹۲۵ء	ماہنامہ	۔	نسیم الدین مشرقی	۔	۔	سالانہ ساڑھے چار روپے	۶۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۰۹۔	کائنات	۔	پانی پت	اکتوبر ۱۹۳۵ء	۔	۔	شیخ محمد اسماعیل	۔	محبوب المطابع دہلی	سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے	۲۴
۱۱۰۔	نقاد	۔	لاہور	۱۹۳۵ء	ماہنامہ	۔	کوثر لکھنوی	۔	۔	سالانہ تین روپے	۵۶
۱۱۱۔	چاند	۔	لاہور	فروری ۱۹۳۶ء	۔	۔	رام جی داس گا جریہ	۔	مرکنٹائل پریس	سالانہ دو روپے	۵۴
۱۱۲۔	نظارہ	۔	کان پور	۱۹۳۶ء	۔	۔	سید محمد ثاقب	۔	۔	سالانہ دو روپے	۳۲
۱۱۳۔	الجمال	۔	پنجاب	۱۹۳۶ء	ماہنامہ	۔	حکیم جمال الدین احمد	۔	لاہور پرنٹنگ پریس	سالانہ ایک روپے	۱۶
۱۱۴۔	تصویر خیال	۔	پٹنہ	۱۹۳۶ء	ماہنامہ	۔		۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۰
۱۱۵۔	جدید مخزن	۔	لاہور	مارچ ۱۹۳۷ء		۔	العاشر جالندری	۔	۔	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۱۶۔	اصلاح	۔	لاہور	اکتوبر ۱۹۳۷ء	ماہنامہ	۔	چودھری محمود حسین	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۷۔	تنظیم	۔	امرتسر	۱۹۳۷ء	ماہنامہ	ڈاکٹر سیف الدین کچلو	قریشی	۔	۔	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۱۸۔	بہارو	۔	دہلی	۱۹۳۷ء	ماہنامہ	۔	حکیم راج الرائن	۔	۔	سالانہ ایک روپے	۵۸
۱۱۹۔	مستقبل	۔	علی گڑھ	۱۹۳۷ء	ماہنامہ	۔	ساغر	۔	۔	۔	۴۸
۱۲۰۔	مکتبہ	۔	حیدرآباد دکن	۱۹۳۸ء	ماہنامہ	۔	محمد عبدالقادر	۔	۔	سالانہ چار روپے	۶۴
۱۲۱۔	فلم ریویو	۔	کلکتہ	۱۹۳۹ء	۔	۔	وائی کے طارق	۔	۔	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۴۰
۱۲۲۔	شبستان	۔	پنجاب	۱۹۳۹ء	۔	۔	اشرف	۔	۔	سالانہ چار روپے	۴۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۲۳۔	سروش	–	لاہور	۱۹۲۹ء	–	–	محمد عنایت اللہ خان حیرت	–	–	سالانہ تین روپے	۶۴
۱۲۴۔	معاون	–	گجرانوالہ	۱۹۲۹ء	ماہنامہ	–	مولوی محمد ابراہیم	–	–	سالانہ ساڑھے تین روپے	۴۸
۱۲۵۔	بائیکوپ	فلم	دہلی	۱۹۲۹ء	ہفت روزہ	–	ایم اے مفتی	–	–	سالانہ چار روپے	۴۸
۱۲۶۔	العراقی	–	گورکھپور	۱۹۲۹ء	–	–	عبدالرحمن عراقی	–	–	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۲۷۔	جام جمشید	–	لاہور	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	احسان الحق احسان کاندھلوی	–	منظور عام پریس لاہور	سالانہ دو روپے	۴۰
۱۲۸۔	خیالستان	–	لاہور	مئی ۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	اختر شیرانی	–	–	سالانہ پانچ روپے	۶۴
۱۲۹۔	الکشافہ	–	حیدرآباد دکن	دسمبر ۱۹۳۰ء	–	–	ضیاء الدین احمد محمد فاروق	–	–	سالانہ تین روپے	۳۲
۱۳۰۔	تسنیم	–	آگرہ	دسمبر ۱۹۳۰ء	–	–	فانی بدایونی	–	–	سالانہ پانچ روپے	۷۶
۱۳۱۔	ناصر	–	آگرہ	۱۹۳۰ء	ہفت روزہ	–	حکیم مبارک علی	–	–	ساڑھے تین روپے	۸
۱۳۲۔	نئی روشنی	–	دہلی	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	مولانا زاہد القادری	–	–	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۳۳۔	تذکرہ	–	اعظم گڑھ	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	ابوالعاشر اعظم	–	–	سالانہ دو روپے چار آنے	۳۲
۱۳۴۔	عزیز	–	گورکھپور	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	بدیع الزمان	–	–	سالانہ ایک روپے آٹھ آنے	۶۴
۱۳۵۔	حسن	–	لکھنؤ	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	–	نیاز فتح پوری	–	نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ	سالانہ دو روپے آٹھ آنے	۳۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	مقام اجراء	سال اجراء	دورانیہ	مالک	مدیر	مہتمم	مطبع	قیمت	ضخامت
۱۳۶۔	طور		دہلی	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	منظور حسین	-	-	سالانہ تین روپے	۴۸
۱۳۷۔	بانگ درا		امرتسر	۱۹۳۰ء	ماہنامہ	-	سالک صہبائی	-	-	سالانہ ڈھائی روپے	۳۲

ضمیمہ (ب)

ادبی رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	اردو	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۲۴ء	جمیل الدین عالی و دیگر	غزالی برادرز ناظم آباد	۱۰۰ روپے	۱۵۱۸	۵.۲x۸.۵
۲۔	قومی زبان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۲۸ء	ڈاکٹر ممتاز احمد خان	خرم پرنٹنگ پریس کراچی	۳۰ روپے	-	۷.۱x۹.۳
۳۔	ادیب	ادبی	ماہنامہ	پشاور	۱۹۳۰ء	نشتر جالندھری	-	-		۹.۵x۶.۶
۴۔	ادب لطیف	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۳۵ء	شاہد بخاری	مکتبہ جدید پریس لاہور	۶۰ روپے	۲۰۰	۵.۲x۸.۱
۵۔	سطور	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۳۹ء	پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد	پرنٹنگ محل ناظم آباد	۲۰ روپے	۵۴	۷.۲x۹.۴
۶۔	ماہ نو	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۵ء	عزیز الرحمٰن گوندل و دیگر	انتخاب جدید پریس لاہور	۳۰ روپے	۱۱۸	۱۰.۹x۸.۳
۷۔	افکار	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۵ء	ڈاکٹر حنیف فوق		۲۰ روپے	۸۴	۷.۱x۹.۲
۸۔	اعلان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۶ء	رشید جاوید	مشہور آفسٹ پریس کراچی	۲ روپے	۸۴	۷.۲x۵.۶
۹۔	سویرا	-	-	-	۱۹۴۶ء	-	-	-	-	-
۱۰۔	فردوس	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۷ء	محمد واحدی	مشہور آفسٹ پریس کراچی	۸ آنے	۱۰۴	۶.۳x۹.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۱۔	مضراب	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۷ء	قمر ہاشمی	ناظر پرنٹنگ پریس	۸ آنے	۶۴	۷.۱x۹.۴
۱۲۔	منزل	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۷ء	خالد عرفانی و دیگر	سول اینڈ ملٹری پریس	۸ آنے	۵۲	۷x۹.۱
۱۳۔	نقوش	-	-	-	۱۹۴۸ء	محمد طفیل	-	-	-	
۱۴۔	عمل	ادبی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۴۸ء	عبیداللہ قریشی	لکشمی پرنٹنگ ورکس کراچی	۸ آنے	۶۴	۷.۳x۹.۷
۱۵۔	قومی زبان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۸ء	ڈاکٹر ممتاز احمد خان	در پرنٹ لنکس پریس کراچی	۳۰ روپے	۹۴	۷.۱x۱۹.۳
۱۶۔	پیام	ادبی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۴۸ء	بشیر احمد ملک محمد سعید صدیقی	مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی	۸ آنے	۳۲	۹.۵x۶.۹
۱۷۔	ممتاز	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	حامد ظہور الدین	اتحاد پریس بل روڈ لاہور	۸ آنے	۶۶	۷.۲x۹.۲
۱۸۔	الحمراء	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	حامد علی خاں	غازی پریس لاہور	۹ آنے	۵۰	۷.۲x۹.۷
۱۹۔	جدوجہد	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	اختر واصفی	لاہر آرٹ پریس	۸ آنے	۶۴	۸.۹x۷.۲
۲۰۔	مشیر	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	محمود فاروق	آفسٹ لیتھو پریس	۸ آنے	۸۰	۶.۷x۸.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۱۔	پرچم	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	مظہر صدیقی ودیگر	پرچم پرنٹنگ پریس کراچی	۲۸ آنے	۹۰	۵.۲x۸.۱
۲۲۔	عکسِ نو	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	قدیر درانی	انٹرنیشنل پریس کراچی	۵ روپے	۷۲	۷.۲x۹.۸
۲۳۔	ریاض	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	نصیر احمد کرمانی	مکتبہ ریاض آرام باغ کراچی	۱۲ آنے	۷۴	۷x۹.۲
۲۴۔	آدابِ عرض	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۹ء	خالد بند حامد	ملک عبد محمد پرنٹرز لاہور	۸ آنے	۱۹۴	۶.۴x۵.۳
۲۵۔	جام نو	ادبی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۵۰ء	مظہر خبری	جاوید پریس کراچی	۸ آنے	۷۴	۷x۸.۹
۲۶۔	اردو ادب	ادبی	دو ماہی	لاہور	-	سعادت حسن منٹو، محمد حسن عسکری	مکتبہ فریدی لاہور	۱۲ روپے	۳۳۴	۷.۱x۶.۱
۲۷۔	زندگی	ادبی	ماہنامہ	پشاور	۱۹۵۱ء	خاطر غزنوی، کمال حیدر آبادی	منظور انجام پریس پشاور	-	۲۵۸	۴.۷x۶.۹
۲۸۔	علیگ	ادبی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۲ء	عنایت علی خان	گیلانی پریس لاہور	۴ آنے	۱۲	۹.۷x۱۴.۷
۲۹۔	سیارہ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	نسیم ہمدانی ودیگر	سفورا پرنٹنگ پریس کراچی	ایک روپیہ	۴۴	
۳۰۔	ترنگ	ادبی	ماہنامہ		۱۹۵۲ء	ضیاء الحسن چشتی	ادبی پریس	۸ آنے	۶۴	۹.۵x۲۷.۴

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۱	اقبال	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۵۳ء	شکیل احمد	بزم اقبال پریس	۴۰روپے	اردو ۲۳۰ انگریزی ۴۹	۶.۱x۷.۴
۳۲۔	محفل	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۴ء	مقبول سرمد	حیدری پریس لاہور	۲۰روپے	۴۴	۹.۳x۷
۳۳۔	منزل	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۵ء	قیسی رامپوری مظفر شیخ	ٹائمز پریس کراچی	۶آنے	۵۰	۶.۸x۸.۸
۳۴۔	صحیفہ	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۵۶ء	شہزاد احمد و دیگر	اظہر سنز پرنٹرز کراچی	۴۰	۱۷۶	۹.۴x۶.۳
۳۵۔	انشاء	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	جون ایلیاء	ادارہ ذہن جدید	۶۲پیسے	۷۰	۷.۳x۹.۴
۳۶۔	تجلی	ادبی	۔	لاہور	۱۹۵۶ء	تحسین سروری	مشہور آفسٹ پریس	۸آنے	۶۴	۶.۱x۹.۱
۳۷۔	فانوس	ادبی	ماہنامہ	پشاور	۱۹۵۶ء	محمد یعقوب خان	پاکستان ہیرالڈ پریس کراچی	ڈیڑھ روپیہ	۴۸	۱۲.۷x۹.۸
۳۸۔	چونچ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	صہبا و دیگر	ضیاء پریس کراچی	۴آنے	۱۹	۹.۸.x۱۴.۵
۳۹۔	سوغات	ادبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۵۶ء	طفیل احمد کمالزئی	نور آرٹ پریس راولپنڈی	۴آنے	۳۲	۷.۱x۹.۶
۴۰۔	مہر نیم روز	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	سید حسن مثنیٰ ندوی	انٹرنیشنل پریس کراچی	۲روپے	۱۰	۶.۸x۹
۴۱۔	رنگ زمانہ	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۷ء	ضمیر ملک	مدینہ پرنٹنگ ہاؤس	ڈیڑھ روپے	۱۶۰	۷x۹.۴
۴۲۔	سحر	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۷ء	۔	ٹائمز پریس کراچی	ایک روپیہ	۶۴	۷.۲x۹.۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۴۳۔	جائزہ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۹ء	-	ٹائمز پریس کراچی	ایک روپیہ	۹۸	۷.۳x۹.۵
۴۴۔	اقبالیات اردو	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۵۹ء	محمد سہیل عمر	اقبال اکادمی پاکستان	۳۰ روپے	۱۵۵	۶.۳x۹.۵
۴۵۔	اوراق	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۰ء	وزیر آغا	-	۱۰۰ روپے	۲۱۶	۷.۲x۹.۴
۴۶۔	دانش ور	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۶۰ء	رئیس امروہوی تنزل الرحمٰن	-	-	۹۶	۸.۴x۵.۳
۴۷۔	نگار پاکستان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۱ء	امراؤ طارق موبھر	اختر حسین ایجوکیشنل پریس	۳۰ روپے	۴۴۰	۸.۷x۵.۸
۴۸۔	داستان	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۱ء	غلام جیلانی نیازی	تعلیمی پریس	ایک روپیہ	۲۰۸	۵.۴x۷
۴۹۔	آج کل	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۲ء	ایم الیاس	انٹرنیشنل پریس	۳۷ پیسے	۴۶	۸.۸x۶.۲
۵۰۔	الزبیر	ادبی	سہ ماہی	بہاولپور	۱۹۶۲ء	ڈاکٹر شاہد حسن رضوی	گرویزی پرنٹنگ پریس بہاولپور	۱۰۰ روپے	۲۱۶	۹.۱x۶
۵۱۔	تشکیل	ادبی	ماہنامہ	پشاور	۱۹۶۳ء	ابن ذکی	-	۵۰ پیسے	۵۰	۷.۱x۹.۴
۵۲۔	طلوع سحر	ادبی	ماہنامہ	چنیوٹ	۱۹۶۳ء	-	پنجاب الیکٹرک پریس لائل پور	۵۰ پیسے	۵۲	۹.۴x۷.۲
۵۳۔	نمک دان	ادبی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۶۳ء	طفیل احمد جمالی	پرچم پرنٹنگ پریس	-	۲۶	
۵۴۔	انجم	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۴ء	محمد عبدالقیوم خان	پرچم پرنٹنگ پریس	-	۵۶	۹.۴x۷.۳

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۵۵۔	بازگشت	ادبی	ماہنامہ	گجرات	۱۹۶۴ء	فخرزمان	درسی پرنٹنگ پریس	۴روپے	۱۶۰	۹x۶.۷
۵۶۔	اردوزبان	ادبی	ماہنامہ	سرگودھا	۱۹۶۵ء	پرویزبزمی	ثنائی پریس سرگودھا	۱۰روپے	۸۰	۵.۴x۸.۳
۵۷۔	تعمیرملت	ادبی	ہفت روزہ	منڈی بہاؤالدین	۱۹۶۵ء	سجادانبالوی	تعمیرملت پبلشرز منڈی	۳۷پیسے	۳۲	۷x۹
۵۸۔	ادبی دنیا	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۶ء	محمدعبداللہ قریشی	بہاؤالدین اتحاد پریس لاہور	ایک روپیہ	۸۸	۷x۹.۴
۵۹۔	گلفشاں	ادبی	پندرہ روزہ	لاہور	۱۹۶۶ء	ایم یاسین شاہد	۔	۲روپے	۱۹۴	۵.۵x۷.۴.
۶۰۔	پیغام آشنا	ادبی	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۶۷ء	جاویداقبال قزلباش	مکتبہ لوح وقلم، ڈھاکہ	۔	۲۴۸	۶.۲x۹.۱
۶۱۔	تخلیق	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۹ء	اظہرجاوید	نکس پرنٹرز لاہور	۔	۲۱۶	۹.۱x۷
۶۲۔	ادبیات	ادبی	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۶۹ء	غلام ربانی آگرہ	کرسٹل پرنٹرز اسلام آباد	۴۰روپے	۳۱۴	۶.۳x۹.۵
۶۳۔	لوح قلم	ادبی	ماہنامہ	ڈھاکہ	۱۹۶۹ء		مکتبہ لوح وقسلم ڈھاکہ	۵۰روپے	۱۹	۱۳.۵x۸
۶۴۔	تحریریں	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	حفیظ صدیقی	گنج شکر پرنٹرز	۲۴۱۰	۲۴	۷.۲x۹.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۶۵۔	بہارِنو	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	اثر بدایونی	انٹرنیشنل پریس کراچی	ایک روپیہ	۴۸	۷.۲x۹.۴
۶۶۔	احساسات	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۰ء	ڈاکٹر تبسم اصفہانی	-	-	۱۶۰	۷.۱x۴.۲
۶۷۔	طلوعِ افکار	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	حسین انجم	-	-	۴۰	۹x۷.۱
۶۸۔	قند	ادبی	ماہنامہ	مردان	۱۹۷۰ء	آذر تاج سعید	-	۱۰روپے	۲۴۸	۹.۶x۸.۵
۶۹۔	صدائے بلوچ	ادبی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۷۱ء	قاضی عبدالرشید	بلوچی ادب گروپ	۲روپے ۵۰ پیسے	۲۴	۹.۶x۱۴.۵
۷۰۔	آسمان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱ء	اقبال عالم	ڈیسینٹ کے پریس	۵۶روپے	۱۵	۹.۸x۱۶.۸
۷۱۔	احتساب	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۱ء	عبداللہ ملک	پرنٹ آرٹ لاہور	۲۵روپے	۴۰۰	۵.۴x۸.۳
۷۲۔	الفاظ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱ء	نسیم درانی	احباب پرنٹرز لاہور	۱۵روپے	۵۸	۷.۳x۹.۱
۷۳۔	سورج	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۷۲ء	تسیم احمد تصور	ٹی ٹوپیکل پرنٹرز	۳۰روپے	۱۰۸۰	-
۷۴۔	پیامِ سحر	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۳ء	مرزا اشفاق بیگ چغتائی	ایجوکیشنل پریس	ادب منزل کراچی	۵۶	۸.۲x۱۰.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۷۵۔	پاکستانی ادب	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۳ء	صبا حسن	کتب پریس کراچی	۷روپے	۳۳۰	۸.۳x۵.۴
۷۶۔	فطرت	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۴ء	مرتضیٰ عادل	-	۸روپے	۱۱۳	۵.۴x۸.۳
۷۷۔	شام وسحر	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۴ء	ڈاکٹر سید نسیم الحسن	کوہ نور پرنٹنگ پریس	۲۰روپے	۴۸	۹.۶x۷.۱
۷۸۔	معیار	ادبی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۵ء	محمود شام	مارس پرنٹرز کراچی	۱۰روپے	۲۶	۷.۹x۱۰.۷
۷۹۔	فانوس	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۸ء	حسین ظہیر	مشرق پریس کراچی	۵روپے	۱۹۳	۵.۳x۷.۶
۸۰۔	قندیل	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۰ء	مسز ہمانی	یو پی ایل کوارٹرز کراچی	-	-	-
۸۱۔	روپ	ادبی	ماہنامہ	-	۱۹۸۰ء	سلطانہ مہر	اے ون سلمان نیرس کراچی	-	-	-
۸۲۔	اسلوب	ادبی	ماہنامہ	-	۱۹۸۱ء	مشفق خواجہ	حقی آفسٹ پریس کراچی	۱۵	۹۶	۵.۵. x۸.۴
۸۳۔	بزم دانش	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۱ء	محمد اسحاق خان شور	جاوید ریاض پرنٹرز لاہور	۱۰روپے	۴۸	۹.۵x۷
۸۴۔	اردو ادب	ادبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۸۲ء	اقبال حسین	پیرمنز پرنٹرز	۵روپے	۴۸	۷.۱x۹.۱
۸۵۔	پاک پنچ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۲ء	شہناز جمال	احباب پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰روپے	۸۲	۸x۱۱
۸۶۔	اخبار اردو	ادبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۳ء	ڈاکٹر انوار احمد	-	۵۰روپے	۳۶	۹.۴x۱۱.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۸۷۔	احباب	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۸۳ء	ابوخالد صدیقی	-	۶روپے	۸۸	۷.۱x۹.۳
۸۸۔	اردو نامہ	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۸۳ء	شہباز نواز	ٹوپیکل پرنٹرز لاہور	۳۰روپے	۱۱۰اردو ۱۴۴انگریزی	۸.۵x۱۰.۹
۸۹۔	اخبار اردو	ادبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۳ء	سید سرور احمد پیرزادہ	وِیڈ سیٹ پرنٹرز	۵۰روپے	۳۲	۸.۳x۱۰.۹
۹۰۔	صبح نو	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳ء	کشور اقبال	دستور پرنٹنگ پریس	۲۵روپے سالانہ	-	-
۹۱۔	غنیمت	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۴ء	زمان کنجاہی	طفیل آرٹ پریس لاہور	۳۰روپے	۴۸	۹.۳x۷.۲
۹۲۔	وطن دوست	ادبیا+سیاسی	-	لاہور	۱۹۸۵ء	افتخار احمد	معراج جمشید پرنٹرز لاہور	۲۰روپے	۳۴	۸.۶x۱۰.۹
۹۳۔	علامت	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۶ء	زاہدہ حنا	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰روپے	۶۸	۷x۹.۵
۹۴۔	ذوق نظر	ادبی	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۸۶ء	محمد ظہیر الدین ظہیر وارثی	اعجاز پریس	۱۰۰روپے	۶۴	۹.۷x۷.۳
۹۵۔	روایت	ادبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۸۶ء	احمد ہاشمی	قاضی سنز پرنٹرز راولپنڈی	۸۰روپے	۴۸	۷.۱x۹.۳
۹۶۔	سنہرا	ادبی	سہ ماہی	بہاولپور	۱۹۸۷ء	ملک ممتاز احمد زاہد	ضیاء اختر پرنٹنگ پریس	-	-	۷.۱x۹.۲
۹۷۔	ابلاغ	ادبی	سہ ماہی	پشاور	۱۹۸۸ء	سیدہ حنا	اورکزئی پرنٹرز پشاور	۲۰۰روپے سالانہ	۱۲۸	۷.۲x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۹۸۔	علامت	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۸ء	ضیاء جالندھری	استقلال پریس	۔	۶۴	۹.۵x۷.۳
۹۹۔	تجدید نو	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۸ء	عذرا اصغر	ندیم نویس پریس	۲۵ روپے	۱۲۰	۹.۳x۷.
۱۰۰۔	کاغذی پیرہن	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۸ء	شاہد شیدائی	مکتبہ جدید پریس لاہور	۲۰۰	۱۲۱ اردو ۶ پنجابی	۸x۱۰.۹
۱۰۱۔	سانجھاں	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۸۹ء	دلشاد ادیب	کونٹیننٹل پرنٹرز لاہور	۱۵ روپے	۱۴۴	۷.۲x۹.۴
۱۰۲	صریر	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	فہیم اعظمی	نوید پرنٹنگ پریس	۱۰ روپے	۸۶	۷.۳x۹.۵
۱۰۳	فانوس ادب	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء	حامد علی نقوی	سن پرنٹنگ پریس لاہور	۱۰ روپے	۸۶	۹.۴x۷
۱۰۴۔	حنا کے اور کارٹون	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	ضیاء الحق قاسمی	قریشی پرنٹنگ پریس کراچی	۔	۸	۱۱.۵x۱۷.۴
۱۰۵۔	دریافت	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	قمر جمیل	ایجوکیشنل پریس	۲۵ روپے	۱۲۶	۷.۲x۹.۴
۱۰۶۔	اکیسویں صدی	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء	چودھری محمد زیشان	طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور	۔	۴۸	۷x۹.۳
۱۰۷۔	آگہی	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	۔	ایجوکیشنل پریس	۔	۸۰	۸.۵x۵.۵
۱۰۸۔	عوامی ادب	ادبی	ماہنامہ	بہاولپور	۱۹۸۹ء	ناصر حسنی	دستور پرنٹنگ پریس	۔	۹۶	۷.۶x۵.۵

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۰۹	ارژنگ	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۰ء	قیصر ادیب	مطبع پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰ روپے	۴۰	۱۰.۷x۸
۱۱۰	دستاویز	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۹۰ء	اشرف سلیم	قاضی پرنٹرز گوالمنڈی	۵۰ روپے	۲۰۸	۵.۳x۸.۳
۱۱۱۔	رعنائیاں	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	سید معراج جامی	گلراز پریس کراچی	۱۰ روپے	۱۰۳	-
۱۱۲۔	مفیض	ادبی	سہ ماہی	گوجرانوالہ	۱۹۹۰ء	محمد اقبال نجمی	ایوب انجم پرنٹرز گوجرانوالہ	۵۰ روپے	۵۹۲	۵.۹x۸.۵
۱۱۳۔	قلم قبیلہ	ادبی	سہ ماہی	کوئٹہ	۱۹۹۰	بیرم غوری	اسپنز پرنٹرز لمیٹڈ	۱۵۰	۳۳۲	۵.۳x۸.۴
۱۱۴۔	ید بیضا	ادبی	ماہنامہ	سیالکوٹ	۱۹۹۰	تاب اسلم	اوک پرنٹرز	۲۰ روپے	۷۶	۹x۶.۹
۱۱۵۔	چہارسو	ادبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۹۱ء	سید ضمیر جعفری	فیض الاسلام پرنٹنگ پریس	۵۰ روپے	۱۲۰	۷.۲x۹.۳
۱۱۶۔	شعور	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۱ء	ناصر بشیر	-	-	۱۱۲	۵.۳x۸
۱۱۷۔	سفید چھڑی	ادبی	ماہنامہ	سرگودھا	۱۹۹۱ء	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال	ثناء پریس سرگودھا	۱۵ روپے	۴۰	۹.۳x۸.۳
۱۱۸۔	عصائے کلیم	ادبی	ماہنامہ	راجن پور	۱۹۹۲ء	فصیح الدین ملک	مُحسن آرٹ پریس راجن پور	۱۰۰ روپے	۳۲۸	۸x۱۰.۹
۱۱۹۔	بیاض	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۲ء	خالد احمد	بیاض گروپ آف پبلیکیشنز	۸۰	۱۷۸	۸.۳x۵.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۲۰۔	تمثال	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۳ء	راغب شکیب	ڈان پرنٹنگ پریس کراچی	۲۰ روپے	۲۱۲	۵.۱x۸.۳
۱۲۱۔	انشاء	ادبی	سہ ماہی	حیدرآباد	۱۹۹۳ء	ظہیر جعفری	احمد برادرز ناظم آباد	۵۰روپے	۱۶۰	۸.۴x۵.۴
۱۲۲۔	ارمغان	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴	سید محمد رومی	احمد برادرز کراچی	۵۰روپے	۹۶	۵.۳x۸.۴
۱۲۳۔	اقدار	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴	شبنم رومانی	ابن حسن آفسٹ پرنٹنگ پریس	۵۰	۱۶۰	۶.۳x۹.۴
۱۲۴۔	ادب دوست	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۴ء	شاہد فیروز	تاج رحمٰن پرنٹرز	۲۰روپے	-	۹.۳x۷
۱۲۵۔	فراست	ادبی	سہ ماہی	بہاولپور	۱۹۹۴	سہیل احمد	گردیزی پریس	۳۲روپے	۵۰	۹.۴x۷.۲
۱۲۶۔	متعارف	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	حسن ناصری	الفریشیا پریس کراچی	۱۰روپے	۴۸	۷x۹.۳
۱۲۷۔	کوئسٹ فار ناٹج	ادبی	ماہنامہ	کوٹری	۱۹۹۴ء	احسان عظیم صدیقی	-	۲۰روپے	۱۳۰	۵.۲x۸.۲
۱۲۸۔	لیل ونہار	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	سید سلطان انور	-	۲۵روپے	۷۰	۱۱x۷.۸
۱۲۹۔	رشحات	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۵ء	اقبال سحر انبالوی	چاچا پرنٹنگ پریس	-	-	۱۰.۷x۷.۹
۱۳۰۔	بچگنگ آمد	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۵ء	مسز ایس اعظم	-	۳۰روپے	۳۲	۱۰.۷x۷.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۳۱۔	رثائی ادب	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۵ء	ڈاکٹر بلال نقوی	-	۱۰۰	۱۲۴	۷.۳x۹.۴
۱۳۲۔	نئی عبارت	ادبی	سہ ماہی	حیدرآباد	۱۹۹۳	مسرور احمد	الفا پرنٹنگ پریس	۵۰روپے	۹۴	۸.۴x۵.۵
۱۳۳۔	آئندہ	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۵ء	محمود واحد	-	۵۰روپے	۱۶۰	۸.۵x۵.۴
۱۳۴۔	ادبی افق	ادبی	پندرہ روزہ	-	۱۹۹۶ء	نصیر احمد ناصر	پرنٹو گراف	۲۰روپے	۴۸	۹.۹x۷.۲
۱۳۵۔	تسطیر	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۹۶ء	نصیر احمد ناصر	پرنٹو گراف	۲۰روپے	۴۳۰	۸.۵x۵.۵
۱۳۶۔	لوح ادب انٹرنیشنل	ادبی	سہ ماہی	حیدرآباد	۱۹۹۷ء	شکیل احمد خاں	الائیڈ پرنٹنگ کارپوریشن	۱۰۰روپے	۱۲۸	۵.۵x۸.۵
۱۳۷۔	امبر بیل	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۷ء	یونس حسرت	انتخاب جدید پریس لاہور	۱۰۰روپے	۵۱۲	۵.۵x۷.۷
۱۳۸۔	الاقرباء	ادبی	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۹۷ء	محمود اختر سعید	ضیاء پرنٹرز اسلام آباد	۱۵۰روپے	۲۳۷	۹.۴x۶.۳
۱۳۹۔	ادبی دنیا	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۷ء	عارف شفیق	-	۶۰روپے	۱۷۶	۸.۴x۵.۲
۱۴۰۔	فردا	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء	ظہیر اختر بیدری	احمد برادرز کراچی	۱۲روپے	۱۱۲	۷.۱x۹.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مالک	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۱۔	آثار	ادبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۸ء	۔	فیصل عجمی	ورڈ میٹ آبپارہ	۱۰۰روپے	۳۰۶	۶.۵x۹.۵
۱۴۲۔	ماورا انٹرنیشنل	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۹ء	۔	عدنان خالد	شرکت پریس لاہور	۱۰۰روپے	۶۲	۔
۱۴۳۔	روشنائی	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۹ء	۔	احمد زین الدین	احمد برادرز پرنٹرز	۱۲۵	۳۵۸	۵.۴x۸.۴
۱۴۴۔	تیسرا رخ	ادبی	ہفت روزہ	اٹک	۱۹۹۹ء	۔	خاور چودھری	فہیم سعدی پریس	۵۰روپے	۱۳۶	۵.۵x۸.۶
۱۴۵۔	نوادر	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۰ء	۔	بیگم شاہین زیدی	فریدیہ آرٹ پریس	۲۰۰روپے	۱۷۶	۸.۲x۵.۳
۱۴۶۔	سخنور	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۰	۔	نقوش نقوی	ابن حسن پریس	۳۰روپے	۸۰	۹.۶x۷.۲
۱۴۷۔	الحمراء	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۰	۔	شاہد علی خان	۔	۳۰۰روپے	۴۰۰	۶.۳x۹.۳
۱۴۸۔	معاصر انٹرنیشنل	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۰ء	۔	عطاء الحق قاسمی	۔	۳۰۰روپے	۱۶۸	۹.۴x۷.۱
۱۴۹۔	مخزن	ادبی	ششماہی	لاہور	۲۰۰۰ء	۔	شہزاد احمد	عظیم اسٹار پرنٹرز	۱۰۰روپے	۴۴۸	۶.۳x۹.۳
۱۵۰۔	تعمیر ادب	ادبی	ماہنامہ	لیہ	۲۰۰۰ء	۔	محمد ندیم اختر	۔	۱۰روپے	۴	۱۴.۸x۲۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۵۱۔	ادب عالیہ انٹرنیشنل	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۰	شیخ سلیم اختر	شرکت پرنٹنگ پریس	۲۵۰روپے	۲۲۶	۸.۴x۱۰.۱۷
۱۵۲۔	کہکشاں	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۱ء	ظفر محی الدین	الرفیع پرنٹرز پریس لاہور	۶۰روپے	۱۷۲اردو ۱۲۰انگریزی	۵.۵x۸.۶
۱۵۳۔	ظرافت انٹرنیشنل	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۲ء	ضیاء الحق قاسمی	۔	۵۰روپے	۱۹۴	۹.۴x۶.۱
۱۵۴۔	ارتکاز	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۲ء	راغب شکیب	ڈان پرنٹنگ پریس کراچی	۲۰۰روپے	۵۸۴	۵.۳x۸.۴
۱۵۵۔	بادبانی	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۳ء	ناصر بغدادی	ذکی پرنٹرز کراچی	۲۰۰روپے	۴۴۸	۸.۶x۵.۴
۱۵۶۔	بہزاد ٹائمز	ادبی	پندرہ روزہ	چیچہ وطنی	۲۰۰۴ء	بہزاد جاذب	فریدیہ پریس ساہیوال	۵۰روپے	۵۰	۹.۴۲x۷
۱۵۷۔	تاریخ ساز	ادبی	سہ ماہی	گوجرانوالہ	۲۰۰۵ء	محمد اقبال جوئیہ	ایوب انجم پرنٹرز برادرز	۵۰روپے	۷۴	۱۰.۶x۸.۴
۱۵۸۔	ہمعصر انٹرنیشنل	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۶ء	عدنان صادق	عثمان عمر پرنٹرز	۲۰۰روپے	۱۷۶	۹.۱x۶.۱
۱۵۹۔	ادب معلی	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۷ء	ڈاکٹر ناصر رانا	حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز	۹۰روپے	۱۰۴	۶.۳x۹.۳
۱۶۰۔	عطا	ادبی	سہ ماہی	ڈیرہ اسماعیل خان	۲۰۰۸ء	عنایت اللہ خان گنڈہ پور	۔	۳۰روپے	۱۱۴	۷.۳x۹.۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز(انچ میں)
۱۶۱۔	کاروان ملت	ادبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۲۰۰۹ء	محمود الحسن محمود	یونائیٹڈ پریس اسلام آباد	۲۰ روپے	۵۶	۷.۲x۹.۷
۱۶۲۔	بیلاگ	ادبی	ششماہی	کراچی	۲۰۰۹ء	عامر جبران عامر انصاری	قریشی پریس اسلام آباد	۱۰۰ روپے	۱۲۰	۸.۶x۵.۴
۱۶۳۔	ارتباط	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۹ء	ڈاکٹر خلیل طوق	نیوز آرٹ پریس	۱۰۰ روپے	۶۴	۱۰.۸x۸.۵
۱۶۴۔	الامیر	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۱۰ء	سید حسین قریشی	احباب پرنٹرز کراچی	۲۰ روپے	۴۸	۹.۳x۷.۱
۱۶۵۔	مونتاج	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۱۰ء	منصور احمد	-	۱۸۰ روپے	۳۱۵	۹.۳x۷
۱۶۶۔	ادراک	ادبی	دوماہی	گوجرانوالہ	۲۰۱۰ء	خالد فتح محمد	شرکت پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	-	۸.۴x۵.۵
۱۶۷۔	آرزو	ادبی	ماہنامہ	-	-	سعید رازی	-	ایک روپیہ چار پیسے	-	۷x۷
۱۶۸۔	آپ بیتی	ادبی	ماہنامہ	کراچی	-	نجم الدین شیخ	ابن حسن پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۲۹۰	۷.۷x۵
۱۶۹۔	زنگار	ادبی	ششماہی	کراچی/فیصل آباد	-	علامہ ضیاء حسین ضیاء	شرکت پرنٹنگ پریس	۳۰۰ روپے	۵۰۴	۵۷.۴x۸.۴
۱۷۰۔	رجحان	ادبی	سہ ماہی	کراچی	-	محمد ہادی حسین	انٹرنیشنل پریس	۳ روپے	۲۰۸	۶۷.۲x۹.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۷۱۔	رابطہ انٹرنیشنل	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۔	ڈاکٹر صابر علی ہاشمی	۔	۹۰ روپے	۶۰	۸x۱۰.۹
۱۷۲۔	مشرق	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۔	بناں احمد افتخار احمد	انٹرنیشنل پریس کراچی	۸ آنے	۵۲	۷.۲x۹.۷
۱۷۳۔	خیال	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۔	انتظار حسین	پاکستان ٹائمز پریس لاہور	۱۲ آنے	۱۰۴	۵.۳x۸.
۱۷۴۔	سفینہ	ادبی	پندرہ روزہ	پشاور	۔	اخونزادہ انور علی	گولڈن پریس پشاور	۔	۱۵	۵.۵x۸.۵
۱۷۵۔	مشاہیر	ادبی	سہ ماہی	کراچی	۔	۔	احمد برادرز پرنٹرز ناظم آباد	۵۰ روپے	۱۲۰	۵.۳x۸.۴
۱۷۶۔	غزال	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۔	اثر اصفہانی ساجن	انصاف پریس کراچی	۴ آنے	۴۰	۶.۹x۹.۱
۱۷۷۔	شعور	ادبی	۔	۔	۔	مجتبی حسین	ریپلیکا پرنٹنگ پریس	۳ روپے	۔	۔
۱۷۸۔	سنگ میل	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۔	اظہر عباس ہاشمی	نشاط پریس	۳ روپے	۱۱۴	۷.۱x۹.۴
۱۷۹۔	راہ ادب	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۔	غلام شاکر خان	۔	۱۰ روپے	۶۶	۷.۱x۹.۳
۱۸۰۔	دبستان	ادبی	سہ ماہی	لاہور	۔	عباس تابش	شرکت پرنٹنگ پریس	۲۵۰ روپے	۲۷۴	۶.۳x۹.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۸۱۔	اوراق نو	ادبی	ماہنامہ	لاہور	-	ریاض قادر ناصر کاظمی	-	۸ روپے	۳۲	۶.۴x۹.۳
۱۸۲۔	مطلع	ادبی	ماہنامہ	خانیوال	-	طاہر نسیم	-	۵۰ روپے	۱۷۰	۵.۳x۸.۵
۱۸۳۔	انتخاب نو	ادبی	ماہنامہ	کراچی	-	-	مشہور آفسٹ پریس	ایک روپیہ	-	۸x۵
۱۸۴۔	میرا رسالہ	ادبی	ماہنامہ	-	۱۹۴۸	فہیم درانی	انٹرنیشنل پریس	ڈیڑھ روپیہ	-	۸x۵
۱۸۵۔	ارتکاز	ادبی	سہ ماہی	-	-	راغب شکیب	ڈان پرنٹنگ پریس کراچی	-	-	۸.۶x۵.۴
۱۸۶۔	انسان	ادبی	پندرہ روزہ	کراچی	-	مسرور انور ادیب	ادبی پریس کراچی	-	۴۳	۹.۷x۷.۲
۱۸۷۔	اردو پنچ	ادبی	سہ ماہی	اسلام آباد	-	اشرف ندیم	-	۶۰ روپے	-	۸.۲x۵.۵
۱۸۸۔	اظہار	ادبی	ماہنامہ	سیالکوٹ	۲۰۰۱	جمیل مرزا	-	۱۰ روپے	۹۵	۹.۱x۷

سیاسی رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	بصیرت	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۴۷ء	۔	استقلال پریس لاہور	چار آنے	۱۴	۱۴.۲x۸.۴
۲۔	چٹان	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۴۷ء	مسعود شورش	چٹان پرنٹنگ پریس لاہور	۶ روپے	۵۰	۷.۵x۱۰.۴
۳۔	ایشیاء	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۱ء	مرزا محمد الیاس	نفیس پرنٹرز لاہور	۔	۳۴	۱۰.۷x۸.۸
۴۔	آفتاب	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۵۱	فدا احمد عباسی	۔	۴ روپے	۱۸	۱۴.۴x۹.۴
۵۔	لاہور	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۱	یاسر زہروی	پاکستان پرنٹنگ پریس لاہور	۹ روپے	۱۵	۹.۴x۱۳.۷
۶۔	آزاد کشمیر	سیاسی	ہفت روزہ	راولپنڈی/مظفر آباد	۱۹۵۲ء	راز مراد آبادی	ہمدرد سلیم پریس راولپنڈی	۔	۱۲	۱۴.۵x۹.۷
۷۔	انصاف	سیاسی	ہفت روزہ	راولپنڈی/مظفر آباد	۱۹۵۳ء	میر عبدالعزیز	۔	۔	۔	۱۲.۳x۱۱.۳
۸۔	ایلم	سیاسی	ہفت روزہ	قلات ڈویژن	۱۹۵۹ء	۔	۔	۔	۸	۔
۹۔	پاک جمہوریت	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۹	۔	انتخاب جدید پریس، لاہور	۱۰ روپے	۴۶	۸.۵x۱۰.۹
۱۰۔	انقلاب	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۶۱ء	طفیل احمد جمالی	پاکستان ہیرالڈ پریس	۵۰ پیسے	۳۴	۱۰.۷x۷.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۱۔	کشمیر	سیاسی	ہفت روزہ	راولپنڈی/مظفر آباد	۱۹۶۵ء	اطہر مسعود	ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی	۴ روپے	۸	۱۱.۵x۱۶
۱۲۔	لیل ونہار	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۶۹ء	مجیب الرحمٰن شامی	عوامی پریس لاہور	سوا روپیہ	۳۰	۱۰.۲x۸.۹
۱۳۔	جاوید	سیاسی	ہفت روزہ	خیر پور	۱۹۶۹ء	خالد علیگ	مساوات پرنٹنگ پریس خیر پور	۱۰ روپے	۶۶	۷.۹x۱۰.۷
۱۴۔	رفاقت	سیاسی	ہفت روزہ	سرگودھا	۱۹۶۹ء	مجیب الرحمٰن شامی	اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور	-	۳۶	۷.۷x۱۰.۹
۱۵۔	لوح وقلم	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	اعجاز غنی، نایاب احمد	ناظر پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰ روپے	۵۸	۸x۱۱
۱۶۔	زندگی	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۱ء	مجیب الرحمٰن شامی	قومی پریس لاہور	۱۰ روپے	۶۰	۷.۴x۱۰.۴
۱۷۔	آثار	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۱ء	ظہور الحسن ڈار	-	۲ روپے	۲۶	۸x۱۰.۹
۱۸۔	طاہر	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۱ء	مجیب الرحمٰن شامی	لاہور آرٹ پریس، لاہور	۲ روپے	۳۴	۱۰.۷x۷.۷
۱۹۔	الایمان	سیاسی	پندرہ روزہ	-	۱۹۷۱ء	بشیر حسین قریشی	نامی پریس لاہور	ڈیڑھ روپے	۲۴	۱۱x۸.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۰۔	استقلال	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۲ء	-	سراج محمدی پریس لاہور	۵ روپے	۴۳	۷.۵x۱۰.۵
۲۱۔	الفتح	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۲ء	وہاب صدیقی	مساوات پرنٹنگ پریس	۵ روپے	۴۳	۸.۲x۱۰.۸
۲۲۔	جاوداں	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۲ء	خالد کاشمیری	شرکت پریس لاہور	۶۰ پیسے	۲۴	۷.۷x۱۰.۸
۲۳۔	تمثیل	سیاسی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۷۳ء	محمود جاوید	کتب پرنٹرز پریس کراچی	۲۵ پیسے	۲۶	۸.۱x۱۱.۱
۲۴۔	اداکار	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۴ء	ممتاز بیگم خواجہ صادق کشمیری	-	-	-	-
۲۵۔	افریشیاء	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۵ء	عبدالقادر حسن	مطبع فنون پریس لاہور	۳ روپے	-	۱۰.۷x۷.۸
۲۶۔	تکبیر	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۷ء	محمد صلاح الدین	الحمزہ پرنٹنگ پریس کراچی	۱۵ روپے	۵۰	۷x۱۰.۹
۲۷۔	پاکستان فورم	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۷ء	فیروز احمد	ہیرالڈ پریس کراچی	۳ روپے	۳۴	۷.۹x۱۰.۸
۲۸۔	محور	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۸ء	مسز شاہدہ نفیس صدیقی	-	-	-	-
۲۹۔	صحافت	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۸ء	عدنان اویس	اخبار وطن پرنٹرز لاہور	۵۰ روپے	۲۶	۸.۲x۱۰.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۰۔	اتحاد	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۸ء	انور احسن صدیقی	ہیرالڈ پریس کراچی	۲ روپے	۳۵	۸x۱۰.۹
۳۱۔	بلٹیز	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۹ء	سید الطاف احمد	افریشیا پرنٹنگ پریس کراچی	ایک روپیہ	۱۶	۱۵.۵x۱۰.۸
۳۲۔	الجمہوریہ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۰ء	حسن جلیسی	ابن حسن آفسٹ پرنٹنگ پریس، کراچی	۸ روپے	۲۶	۸.۱x۱۰.۴
۳۳۔	احسان	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۰	پیام شاہ جہاں پوری	مطبع لاہور آرٹ پریس، لاہور	۵ روپے	۴۲	۱۱x۸
۳۴۔	حرمت	سیاسی	ہفت روزہ	اسلام آباد	۱۹۸۱ء	زاہد ملک	خورشید پرنٹرز لمیٹیڈ، اسلام آباد	۵ روپے	۵۸	۷.۷x۱۰.۵
۳۵۔	تقاضے	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۱ء	پیام شاہ جہاں پوری	آرٹ پریس لاہور	۱۰ روپے	۴۲	۱۰.۵x۷.۸
۳۶۔	الضیاء	سیاسی	-	لاہور	۱۹۸۲ء	حسن عالم	-	۵ روپے	۳۲	۱۱x۸.۱
۳۷۔	آہٹ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳ء	محمد نسیم خان	خرم پرنٹنگ پریس کراچی	۸ روپے	۴۸	۱۰.۸x۸.۵
۳۸۔	باغ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۴ء	طاہرہ سحر	اشتیاق پرنٹنگ پریس کراچی	-	-	-
۳۹۔	شہ رگ پاکستان	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۵ء	مسرت حسین شاہ	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰ روپے	-	۸.۵x۱۰.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۴۰۔	الجمہوریہ	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۶ء	ضمیر الحسنین بدایونی، شمس قادری	اشتیاق پرنٹنگ پریس، کراچی	۸ روپے	۸۰	۷.۵x۹.۵
۴۱۔	تحریک خلافت	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۔	ابو مسعود	حمزہ پرنٹنگ ایجنسی، لاہور	۳ روپے	۳۴	۹.۳x۷.۳
۴۲۔	البنیان	سیاسی	ماہنامہ	پشاور	۱۹۸۷ء	استاد سیاف	۔	۴ روپے	۴۸	۹.۱x۷.۲
۴۳۔	ندا	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۷ء	اقتدار احمد	مکتبہ جدید پریس لاہور	۶ روپے	۵۰	۷.۴x۱۰.۳
۴۴۔	اشارہ	سیاسی	ہفت روزہ	۔	۱۹۸۸ء	طاہر مغل	مطبع قاضی سنز پرنٹرز	۶ روپے	۴۸	۱۰.۸x۷.۸
۴۵۔	پیپلز ریویو	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۸ء	۔	گلزار پرنٹنگ پریس کراچی	۶ روپے	۳۴	۱۰.۸x۸
۴۶۔	آواز پنجاب	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۸ء	۔	اخبار وطن پرنٹرز لاہور	۶ روپے	۔	۱۰.۲x۷.۸
۴۷۔	عوام دوست	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۸ء	سیدہ پارس نفیس	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۲۵ روپے	۵۰	۸x۱۰.۶
۴۸۔	احوال	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۸ء	محمد احمد صدیقی	مطبع النور پبلیکیشنز	۹ روپے	۵۰	۱۰.۸x۸
۴۹۔	عدالت	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۹ء	ارشاد بلوچ	طباعت پرنٹرز کراچی	۸ روپے	۴۸	۱۰.۸x۸.۵

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۵۰۔	آغاز	سیاسی	ہفت روزہ	مظفرآباد	۱۹۸۹ء	-	الشیخ پرنٹنگ پریس مظفرآباد	۲روپے	-	۱۵.۶x۱۱.۲
۵۱۔	الختار	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۹ء	ایم اے کھوری	ناظر پرنٹنگ پریس	-	۳۲	۱۰.۸x۸.۱
۵۲۔	عزم	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۹ء	مشتاق سرور	عزم گروپ پرنٹرز لاہور	۱۰۰روپے	۶۰	۸.۶x۱۱.۱
۵۳۔	لوح	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰	محمد طلحہ صدیقی	اے بی سی پرنٹنگ پریس	۱۰روپے	۵۰	۷.۹x۱۰.۸
۵۴۔	الفتح	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی/اسلام آباد	۱۹۹۰ء	طلعت راؤ	پرنٹ لائن بلیوایریا	۱۰روپے	۵۰	۷.۹x۱۰.۸
۵۵۔	اخلاقی جنگ	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۹۰ء	بہادر خان	شیخ سلطان ٹرسٹ پریس	۶روپے	۵۰	۷.۹x۱۰.۷
۵۶۔	آج کی آواز	سیاسی		کراچی	۱۹۹۰ء	ح۔م طالب صدیقی	مطبع احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۱۰روپے	۶۴	۱۱.۲x۷.۹
۵۷۔	اخبار اعظم	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	ڈاکٹر سلیم اعظم	-	۱۰روپے	۱۱۸	۱۰.۹x۷.۹
۵۸۔	سماجی لوگ	سیاسی	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۹۰ء	خوشنود خان	زاہد پرنٹنگ پریس، حیدرآباد	۱۵روپے	۴۸	۸.۱x۱۰.۶
۵۹۔	تحریر و تصویر	سیاسی	ماہنامہ	حیدرآباد	اگست ۱۹۹۰	ظہیر احمد	بیلہ پرنٹنگ اینڈ پیکجنگ لمیٹڈ، حیدرآباد	۱۲روپے	۳۸	۸.۱x۱۱.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۶۰۔	صدائے حریت	سیاسی	پندرہ روزہ	مظفر آباد/راولپنڈی	۱۹۹۰ء	ایس امین	الشیخ پرنٹنگ پریس، مظفر آباد	۱۰ روپے	۱۶	۱۴.۹x۱۱.۴
۶۱۔	پاکیشیا	سیاسی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۹۱ء	ایچ اقبال	احباب پرنٹرز کراچی	۱۵ روپے	۶۴	۸x۱۰.۸
۶۲۔	بیت المقدس	سیاسی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۳ء	راجہ ذاکر خان	۔	۱۵ روپے	۴۲	۷x۹.۳
۶۳۔	محاذ کشمیر	سیاسی	ماہنامہ	مظفر آباد/راولپنڈی	۱۹۹۵ء	پیرزادہ رسول شاہ	۔	۵۰ روپے	۴۸	۸.۴x۱۱
۶۴۔	فرائیڈے اسپیشل	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۵ء	۔	سٹی پریس کراچی	۱۵ روپے	۴۲	۷.۹x۱۰.۶
۶۵۔	تقاضے	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۹۶ء	پیام شاہ جہاں پوری	لاہور آرٹ پریس لاہور	۱۰ روپے	۴۲	۸.۱x۱۰.۶
۶۶۔	روبرو	سیاسی	پندرہ روزہ	اسلام آباد	۱۹۹۷ء	احمد ولید گوندل	روحانی آرٹ پریس اسلام آباد	۲۰ روپے	۴۶	۸.۵x۱۱.
۶۷۔	تکبیر ٹائمز	سیاسی	ماہنامہ	فیصل آباد	۱۹۹۷ء	شفیق کاشف	ظفر اینڈ فضل پرنٹر فیصل آباد	۳۰ روپے	۵۸	۷.۸x۱۰.۸
۶۸۔	ٹاک	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۸ء	طیبہ بخاری	جدید پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰ روپے	۴۴	۸.۴x۱۰.۸
۶۹۔	غازی	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۹۹ء	سجاد عباسی	الحمزہ پرنٹنگ پریس، کراچی	۱۰ روپے	۵۰	۸.۱x۱۰.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۷۰۔	پاکستان پوسٹ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	نوید شاہ آرائیں	پالمی پرنٹرز کراچی	۱۵۰روپے	۷۴	۸x۱۱
۷۱۔	بدلتی دنیا	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۰ء	ڈاکٹر توصیف احمد	ابن حسن پرنٹنگ پریس، کراچی	۳۰روپے	۵۶	۸.۶x۱۰.۷
۷۲۔	ایقاظ	سیاسی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۰ء	حامد کمال الدین	۔	۸۰روپے	۲۰۸	۵.۲x۸.۴
۷۳۔	پولیٹیکل سین	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	فرحت عباس شاہ	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور	۳۰روپے	۴۸	۸x۱۰.۸
۷۴۔	نیا زمانہ	۔	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	محمد شعیب عادل	عالمین پریس لاہور	۳۰روپے	۴۸	۷.۹x۱۰.۷
۷۵۔	ڈیٹ لائن ایشیا	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۱ء	پروفیسر سلیم ایم میاں	مطبع احمد پرنٹرز کراچی	۳۰روپے	۷۴	۱۰.۹x۷.۹
۷۶۔	لیگل ایڈیشن	سیاسی	ماہنامہ	ملتان	۲۰۰۲ء	سکندر جاوید	حافظ پریس ملتان	۱۵روپے	۴۰	۷.۱x۹.۵
۷۷۔	لیہ ٹائمز	سیاسی	ماہنامہ	لیہ	۲۰۰۳ء	۔	ہمروز پرنٹنگ	۴۵	۔	۔
۷۸۔	بساط	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴ء	ڈاکٹر طاہر مسعود	۔	۲۰روپے	۶۲	۸.۷x۱۱
۷۹۔	چارج شیٹ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴ء	ظفر امام (اعزازی)	ابن حسن پرنٹنگ پریس، کراچی	۲۵	۴۰	۔

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۸۱۔	لہک	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۵ء	خورشید پیرزادہ		۲۰ روپے	۴۸	۷.۸x۱۰.۸
۸۱۔	کرائم زون	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۵	کاشف عمران	ذاکر پرنٹ انٹر پرائز کراچی	۴۰ روپے	۵۰	۸.۴x۱۰.۸
۸۲۔	پوائنٹ آف آرڈر	سیاسی	ماہنامہ	لیہ	۲۰۰۶ء	محمد عمران خان	قادری پرنٹرز لیہ	۳۰ روپے	-	-
۸۳۔	نظریہ	سیاسی	ماہنامہ	اسلام آباد	۲۰۰۶ء	ممتاز لیاقت	-	۲۵ روپے	۲۶	۸.۱x۱۰.۹
۸۴۔	آفاقی	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۶ء	سید سخاوت علی	اوکھائی پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۳۴	۸x۱۰.۲
۸۵۔	ضیائے آفاق	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۶ء	سجاد حیدر	ارشد عثمانی پرنٹرز لاہور	-	۵۴	۷.۸x۱۰.۲
۸۶۔	زاویۂ نگاہ	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۷ء	نصرت مرزا	زی پرنٹنگ پریس کراچی	۳۰ روپے	۸۰	۸x۱۰.۲
۸۷۔	محور	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	راجہ ذاکر خان	-	۲۴ روپے	۳۴	۷.۹x۱۰.۸
۸۸۔	نوٹ بک	سیاسی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۸ء	جاوید رشید صدیقی	کمپن گرافکس پرنٹرز کراچی	۶۰ روپے	۸۴	۸.۳x۱۰.۹
۸۹۔	تجزیات	سیاسی	ماہنامہ	اسلام آباد	۲۰۰۹ء	سجاد اظہر	روحانی آرٹ پریس اسلام آباد	۵۰ روپے	۱۲۸	۵.۵x۸.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۹۰۔	ذوالفقار	سیاسی	ہفت روزہ	گھوٹکی	-	واحد بشیر	سید پریس گھوٹکی	۵روپے	۵۲	۷.۳x۱۰.۸
۹۱۔	الطاہر	سیاسی	ہفت روزہ	کراچی	-	سید طاہر حسین	مطبع انجمن پریس کراچی	۵۰ پیسے	۱۶	۱۴.۶x۹.۴
۹۲۔	استحکام	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	-	منظر مسعود شیخ	مکتبہ جدید لاہور	-	۳۰	۲۲.۵x۹.۷
۹۳۔	محنت کار	سیاسی	ماہنامہ	-	۱۹۸۹ء	صفدر حسین صدیقی	شرکت پرنٹنگ پریس	۱۰روپے	۴۸	۱۱x۷.۹
۹۴۔	کشمیر	سیاسی	پندرہ روزہ	-	۱۹۷۲ء	-	پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس اسلام آباد	-	-	۱۰.۶x۸.۵
۹۵۔	البلاغ	سیاسی	ہفت روزہ	راولپنڈی	۱۹۶۲ء	حبیب اللہ سعدی	ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی	ایک روپے	-	۱۰.۷x۸
۹۶۔	چودھویں صدی	سیاسی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۰	محمد اکرم	پاکستان ٹائمز پریس لاہور	-	۱۸	۱۱x۷.۹

ڈائجسٹ رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	عالمی ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	جون ایلیا، شکیل عادل زادہ	جاوید پریس کراچی	سوا روپیہ	-	-
۲۔	طبی ڈائجسٹ	طبی	ماہنامہ	حیدر آباد	۱۹۵۷ء	حکیم محمد صلاح الدین نعمانی	سعید آرٹ پریس حیدر آباد	۲۵ پیسے	-	-
۳۔	انجمن ڈائجسٹ	اسلامی کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۸ء	مولوی ریاض الدین احمد	ڈیسنٹ پریس آرام باغ کراچی	-	-	-
۴۔	اردو ڈائجسٹ	سیاسی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۰ء	ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی	-	۳۵ روپے	۲۷۲	۵.۴x۷.۷
۵۔	انتخاب نو ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	کراچی	مارچ ۱۹۶۳ء	اختر حقانی	-	-	-	-
۶۔	سیارہ ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۴ء	امجد روف خان	اللہ والا پرنٹر لاہور	۳۵ روپے	۲۴۰	۴.۸x۷.۵
۷۔	میڈیکل ڈائجسٹ	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۴ء	سعود حفیظ رفاعی	آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس	۱۵ روپے	۳۲	۵.۱x۷.۲
۸۔	ویمن ڈائجسٹ	خواتین	ماہنامہ	کراچی	جنوری ۱۹۶۵ء	مسرت عزیز	-	-	-	-
۹۔	اسوہ ڈائجسٹ	سماجی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۵ء	معین کمالی	آفسٹ پریس کراچی	ایک روپیہ	۹۸	۴.۸x۷.۷
۱۰۔	زرعی ڈائجسٹ	زراعت	ماہنامہ	فیصل آباد	۱۹۶۶ء	ڈاکٹر تنویر احمد خان لودھی	ظفر علی پبلشرز پریس فیصل آباد	۷۵ پیسے	۱۰۸	۴.۸x۷.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۱۔	حکایت ڈائجسٹ	تاریخی کہانیاں	ماہنامہ	لاہور	ستمبر ۱۹۶۸ء	عنایت اللہ	پاکستان ہیرالڈ پریس کراچی	۔	۔	۔
۱۲۔	سب رنگ ڈائجسٹ	کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۹ء	شکیل عادل زادہ		۲ روپے ۲۵ پیسے	۔	۔
۱۳۔	کلید صحت ڈائجسٹ	طب	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۹ء	حکیم سید عبدالرشید تلمیذ جیلانی	محمد شفیع پرنٹر لاہور	۲ روپے	۔	۔
۱۴۔	اکسیر صحت ڈائجسٹ	طبی	دوماہی	کراچی	۱۹۷۰ء	شفیق احمد	ضیاء برقی پریس کراچی	۔	۔	۔
۱۵۔	پاک ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۰ء	عبدالکریم شمر	ایورگرین پریس کراچی	ایک روپے	۔	۔
۱۶۔	جاسوسی ڈائجسٹ	کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	شکیل عدنان	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۳۵ روپے	۳۲۲	۔
۱۷۔	دوشیزہ ڈائجسٹ	کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱ء	رخسانہ سہام	۔	۔	۔	۔
۱۸۔	سسپنس ڈائجسٹ	سماجی کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱ء	عذرا رسول	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۵۰ روپے	۲۹۰	۵.۲x۷.۶
۱۹۔	الف لیلیٰ ڈائجسٹ	حقیقی کہانیاں	ماہنامہ		۱۹۷۱ء	شمیم نوید	شیخ سلطان فرسٹ			
۲۰۔	خواتین ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۲ء	نادرہ خاتون	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۳۵ روپے	۳۲۲	۵.۴x۷.۶
۲۱۔	پاکیزہ ڈائجسٹ	کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	اپریل ۱۹۷۲ء	معراج رسول	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۴۰ روپے	۳۲۲	۵.۵x۷.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
"	قومی ڈائجسٹ	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۷ء	مجیب الرحمٰن شامی	قومی پریس لاہور	۱۲روپے	۲۵۶	۴.۸x۷.۵
۲۳۔	آنچل ڈائجسٹ	سماجی	ماہنامہ	کراچی	دسمبر ۱۹۷۸ء	سلمیٰ کنول	-	-	-	-
۲۴۔	کرن ڈائجسٹ	سماجی	ماہنامہ	کراچی	اپریل ۱۹۷۸	محمود بابر فیصل	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۳۵روپے	۲۹۰	۵.۵x۷.۷
۲۵۔	روحانی ڈائجسٹ	روحانیت	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۸ء	شمس الدین عظیمی	عظمیٰ پرنٹرز کراچی	۸روپے	۱۳۰	-
۲۶۔	پندرہویں صدی		ماہنامہ		۱۹۷۸ء	شیخ سلطان ٹرسٹ کراچی	-	۱۰روپے	۲۲۵	۷.۶x۵۴
۲۷۔	ضیاء ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۹ء	سردار محمود	-	-	-	-
۲۸۔	گھرانہ ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۱۰ جنوری ۱۹۷۹	پروین صدف	-	-	-	-
۲۹۔	سائنس ڈائجسٹ	سائنس	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۰ء	رضی الدین خان	شیخ سلطان ٹرسٹ پریس	۱۰روپے	۱۹۲	۵.۲x۷.۵
۳۰۔	خاتون ڈائجسٹ	کہانیاں	ماہنامہ	بہاولپور	۱۹۸۱ء	سید آصف شاہ	-	-	-	-
۳۱۔	سرگزشت	ناول	ماہنامہ	کراچی/دہلی	مارچ ۱۹۸۲	امینہ ہاشمی	-	۱۰روپے	-	-
۳۲۔	ثنا ڈائجسٹ	روحانیت	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳	کیفی میاں	-	۱۰روپے	-	-
۳۳۔	عورت ڈائجسٹ	خواتین	ماہنامہ	کراچی	جولائی ۱۹۸۴		ابن حسن پرنٹنگ پریس	۱۵روپے	-	-
۳۴۔	شعاع ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	ستمبر ۱۹۸۵ء	محمود ریاض	-	۴۰روپے	۲۹۰	۵.۵x۷.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۵۔	اقراء ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۵ء	محمد جمیل خان	-	۱۰ روپے	۲۹۰	۵.۲x۷.۳
۳۶۔	مسرت ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	جنوری ۱۹۸۶	بشریٰ صدیقہ	ابن حسن پریس کراچی	۱۲ روپے	-	-
۳۷۔	پیغام ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۷ء	طلحہ ادریس	میٹرو پرنٹر لاہور	۲۰ روپے	۹۶	۵.۳x۸.۱
۳۸۔	پیغام ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۸ء	اشفاق احمد خان	-	۱۲ روپے	۹۶	۵.۴x۷.۵
۳۹۔	بیدار ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء		شرکت پرنٹر پریس	۲۰ روپے	۴۴	۷..۸x۱۰.۷
۴۰۔	الیکٹرونکس ڈائجسٹ	ٹیکنالوجی	دوماہی	لاہور	۱۹۸۹ء	عبدالغفار شیخ	عبدالرشید پرنٹنگ لاہور	۲۵	۴۸	۷.۹x۱۰.۸
۴۱۔	تعلیمی ڈائجسٹ	اصلاحی کہانیاں	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۰ء	افضل جاوید	اخبار وطن پرنٹر لاہور	۱۰ روپے	۲۶	۷.۲x۹.۳
۴۲	ڈر ڈائجسٹ	خوفناک کہانیاں	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء		خالد پرنٹر لاہور	۳۰ روپے	۳۴۲	۷.۸x۵.۶
۴۳۔	پاکستان ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰	سید قاسم محمود	ملت پریس کراچی	۱۵ روپے	۱۲۰	۵.۳x۸.۱
۴۴۔	پیغام اقبال	سماجیات	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۹۹ء	رسل خان بابر	پیغام پبلیکیشنز راولپنڈی	۱۵ روپے	۹۸	۵.۸x۷.۸
۴۵۔	بک ڈائجسٹ	ادبی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۳ء	اظہر سہیل	شرکت پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۱۲۸	۵.۵x۸.۴
۴۶۔	بنات حفصہ	اسلامی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴	ابن شیخ علی	زی پرنٹنگ پریس کراچی	۲۵ روپے	۱۴۲	۷.۸x۵.۵
۴۷۔	کامیابی ڈائجسٹ	سماجیات	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴	سید عرفان احمد	قریشی پریس	۳۵ روپے	۴۸	۷.۲x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز
۴۸۔	ساگر ڈائجسٹ	فیملی ڈائجسٹ	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۶ء	طارق اسمعیل ساگر	مطبع الجدید	۵۰ روپے	۲۳۲	۵.۵x۷.۶
۴۹۔	کراچی ڈائجسٹ	علمی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰	جمیل ایوبی	رشید اینڈ سنز کراچی	ڈیڑھ روپے	۱۹۵	۷.۴x۵.۴
۵۰۔	عورت ڈائجسٹ	-	ماہنامہ	-	۱۹۸۴	شہزادہ عالمگیر	ابن حسن پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰ روپے	۲۵۸	۸.۹x۵.۵
۵۱۔	افسانہ ڈائجسٹ	ادبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	سید عاصم محمود	عظمی پرنٹرز	۲۰ روپے	۱۶۰	۸.۳x۵.۴
۵۲۔	اسلامی ڈائجسٹ	مذہبی	ماہنامہ	لاہور		-	فالکن پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰ روپے	۹۶	۷.۱x۵.۵

بچوں کے رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	تبسم	بچے	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۴۸ء	غیاث اقبال	لکشمی پرنٹنگ پریس کراچی	۳ آنے	۲۲	۷.۱x۹.۲
۲۔	تحفہ	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	عبدالباسط نعیم	کوآپریٹیو کیپٹل پریس لاہور	۵ آنے	۳۲	۶.۹x۹
۳۔	بچپن	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۸ء	حبیب صدیقی	نذیر پریس کراچی	۳ آنے	۲۸	۷.۳x۹.۶
۴۔	بچوں کا شاہین	بچے	ماہنامہ	کوئٹہ	۱۹۵۰ء	کمال الدین	البرٹ پریس کوئٹہ	۶ آنے	۳۲	۷.۲x۹.۵
۵۔	بھائی جان	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۰ء	میر جمیل الرحمٰن، شفیع عقیل	-	۱۲ آنے	۱۰۶	۶.۵x۹.۵
۶۔	بچہ	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲	-	مطبوعہ رئیس پریس کراچی	۴ آنے	۳۲	۹.۲x۷.۱
۷۔	ٹارزن	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	عادل جہانگیری	-	۴ آنے	۳۵	۶.۳x۷.۴
۸۔	ستارہ	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۴ء	مسعود اختر جامعی	-	۲ پیسے	-	-
۹۔	سیارہ	بچے	سہ ماہی	کراچی	۱۹۵۹	بسم اللہ نیازی	آفسٹ لیتھ پریس کراچی	ایک روپیہ	-	-
۱۰۔	تسخیر الاذہان	بچے	ماہنامہ	ربوہ	۱۹۵۹ء	نصیر احمد قمر	ضیاء الاسلام پریس ربوہ	چار روپے	۵۶	۹.۵x۷.۳
۱۱۔	سائنس بچوں کے لیے	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱ء	آغا محسن	انجمن پریس کراچی	۲ روپے	۱۷۶	۶.۸x۸.۹
۱۲۔	جگنو	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۳ء	سلطان محمد تنولی	بدر پریس لاہور	۳۰ روپے	۷۶	۶.۳x۶.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۳۔	کوثر	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۴ء	ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ	مکتبہ جدید پریس لاہور	۱۵روپے	۶۴	۵.۴x۸.۲
۱۴۔	ذہین	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۵ء	ابووقاص	تجارت پریس لاہور	۱۵روپے	۸۶	۵.۴x۷.۸
۱۵۔	ساتھی	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۸ء	نجیب احمد حنفی	۔	۲۰روپے	۱۱۴	۵.۳x۷.۷
۱۶۔	ایڈونچر	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۷ء	فہمیدہ	ابن حسن پرنٹنگ پریس	۳۵روپے	۲۹۰	۵.۴x۷.۷
۱۷۔	بچوں کا وحدت اسلامی	بچے	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۸ء	۔	۔	۔	۲۱	۵.۴x۸.۳
۱۸۔	ٹوٹ بٹوٹ	بچے	ماہنامہ	۔	۱۹۷۷ء	مسرور راؤ	مارس پرنٹرز کراچی	۔	۱۳۰۔۱۴۵	۱۰x۷.
۱۹۔	نونہال	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	مسعود احمد برکاتی	ہمدرد ایجوکیشن سٹی	۔	۱۲۰	۷.۸x۵
۲۰۔	پھول	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۰ء	مجید نظامی	ندائے ملت پریس لاہور	۲۰روپے	۷۰	۸.۱x۱۰.۷
۲۱۔	انوکھی کہانیاں	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	محبوب الہی مخمور	فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ	۲۵روپے	۹۸	۵.۴x۷.۸
۲۲۔	بزم قرآن	بچے	ماہنامہ	پشاور	۱۹۹۷ء	صلاح الدین ایوبی	سلمان پریس پشاور	۱۰روپے	۶۴	۵.۵x۸.۳
۲۳۔	قلمی روشنی	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۷ء	عروج خان	ڈیلٹا پرنٹنگ پریس کراچی	۱۵روپے	۱۲۳اردو ۱۹انگریزی	۸.۵x۱۰.۸
۲۴۔	بزم قرآن	بچے	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	محمد صالح لاشاری	قریشی آرٹ پریس کراچی	۱۲روپے	۶۵	۸x۵.۱
۲۵۔	آنکھ مچولی	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۹ء	قمر علی خان	میٹرو پریس لاہور	۲۰روپے	۱۲۰	۷.۲x۵.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۶۔	فانوس اطفال	بچے	ماہنامہ	-	۲۰۰۰ء	حامد علی نقوی	بک سین پرنٹنگ پریس لاہور	۱۵ روپے	۴۰	۶.۹x۹.۴
۲۷۔	اجالا	بچے	سہ ماہی	اسلام آباد	۲۰۰۱ء	سید ابرار گردیزی	-	۱۰ روپے	۴۸	۷.۸x۱۰.۹
۲۸۔	جاسوس بھوت	بچے	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۳ء	شہزادہ عالمگیر	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور	۲۰ روپے	۸۸	۶.۱x۶.۹
۲۹۔	بقعۂ نور	بچے	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۳ء	بنت مجتبیٰ مینا	اللہ والا پرنٹرز لاہور	۱۵ روپے	۸۶	۷.۱x۵.۳
۳۰۔	جنگل منگل	بچے	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۵ء	علی حسن ساجد	شیری پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۲۱۰	۵.۴x۸.۹
۳۱۔	بچوں کا گوگو	بچے	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۶ء	راؤ اعجاز	ذاکر پرنٹ انٹرپرائز	۲۵ روپے	۱۲۲	۵.۴x۷.۷
۳۲۔	بزم گل لالہ	بچے	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۷ء	عمر فاروق منصوری	میٹرو پریس لاہور	۱۵ روپے	۸۰	۵.۴x۸.۴
۳۳۔	مسلمان بچے	بچے	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	محمد زاہد	مکتبہ ابن مبارک لاہور	۲۰ روپے	۱۰۰	۵.۴x۷
۳۴۔	فاختہ	بچے	ماہنامہ	اسلام آباد		ارشد مالک چودھری	پرنٹ لائن پرنٹنگ پریس	۷ روپے	۵۲	۸.۵x۱۱.۱
۳۵۔	بچوں کی باجی	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	-	-	۸۲	۷x۷
۳۶۔	منزل	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	افتخار غزالی	-	-	۵۰	۵.۵x۸.۴
۳۷۔	اچھا ساتھی	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	رشید ارشد	-	۶ آنے	۴۹	-
۳۸۔	لڑکپن	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	-	ناظر پرنٹنگ پریس	۴ آنے	۳۶	۹.۸x۷.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۹۔	چندا ماموں	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	پروس پرنٹرز لاہور	-	۷۶	۷x۶
۴۰۔	اسلام	بچے	ماہنامہ	اسلام آباد	-	-	اسلام آباد پبلیکیشنز	-	۳۳	۱۱x۸.۵
۴۱۔	چاند ستارے	بچے	ماہنامہ	اسلام آباد	-	-	اشتیاق پبلیکیشنز	-	۹۰_۱۲۰	۷.۵x۵
۴۲۔	ہونہار	بچے	ماہنامہ	اسلام آباد	-	-	شیخ شوکت علی پرنٹرز	-	۱۲۸	۸x۵.۵
۴۳۔	بچوں کا رسالہ	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	رخسانہ سہام مرزا	وسیم احمد صابری	-	۱۱۴	۷.۵x۵.۵
۴۴۔	بچوں کا ڈائجسٹ	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	طارق اسمعیل ساگر	نیازی پرنٹنگ پریس لاہور	-	۱۱۲	۷.۳x۵.۵
۴۵۔	کھلونا	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	زاہد پرنٹرز	-	۵۰	۸x۵.۵
۴۶۔	شاباش	بچے	ماہنامہ	کراچی	-	-	ابن حسن آفسٹ پریس	-	۹۰_۱۰۰	۸x۵.۵
۴۷۔	نور	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	اللہ والا پرنٹرز	-	۸۶	۷.۵x۵.۳
۴۸۔	جگنو	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	ارشد نیاز	میرا پرنٹنگ پریس	-	۸۵	۷x۷
۴۹۔	بچوں کی دنیا	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور	-	۷۵	۷x۷
۵۰۔	تعلیم و تربیت	بچے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۰ء	ڈاکٹر الوحید خان	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور	۸ روپے	۵۶	۱۱x۸.۵
۵۱۔	بچوں کا باغ	بچے	ماہنامہ	لاہور	-	-	وصی پرنٹنگ پریس	-	۵۶	۷x۷

خواتین رسائل

۱۹۴۷ء سے تاحال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	زیب النساء	ملے جلے مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۳۳ء	محمد سجاد	مطبوعہ گنج شکر پرنٹرز	۳۰ روپے	۶۴	۹.۳x۶.۹
۲۔	اصلاح نسواں	تعلیم و تربیت	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۱ء	رئیس الدین آزاد	-	۱۲ آنے	۹۶	۶.۸x۸.۹
۳۔	تبسم	اصلاحی و اخلاقی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	عائشہ احسان	ادبی پریس کراچی	۶ آنے	۱۷۲	۶.۹x۸.۸
۴۔	عفت	علمی ادبی واصلاحی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۲ء	عبدالوحید خان	پاکستان پرنٹنگ ورکس	ایک روپیہ	۹۴	۶.۷x۹
۵۔	شہباز	علمی و ادبی	ماہنامہ	کراچی	مارچ ۱۹۵۳ء	خالد عرفانی	کلیم پریس لارنس روڈ	۶ روپے	-	۹x۶.۵
۶۔	چلمن	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۹ء	محمد عبداللہ عابد	میٹرو پرنٹرز لاہور	۱۸ روپے	۷۴	۷.۸x۱۰.۷
۷۔	آنسہ	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۸ء	خالد محمود	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۵ روپے	۹۸	۸x۱۰.۸
۸۔	الحمراء	ملے جلے مضامین	ماہنامہ	-	۱۹۸۱ء	عمرانہ رشید	-	۵ روپے	۸۰	۶.۷x۹
۹۔	والضحیٰ	مذہبی مسائل پر مضامین	ماہنامہ	گوجرانوالہ	۱۹۸۹ء	محمد عمیر کھوکھر	-	۲۵ روپے	۵۶	۱۰.۸x۸
۱۰۔	دختران اسلام	شعور و آگہی	ماہنامہ	-	۱۹۹۳ء	قراۃ العین فاطمہ	-	۲۵ روپے	۵۶	۹.۳x۶.۱
۱۱۔	خواتین میگزین	مذہبی مضامین	ماہنامہ	-	۱۹۹۴ء	عابدہ عباس	شرکت پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۲۶	۸.۲x۱۱
۱۲۔	طاہرہ	مذہبی مضامین	-	-	۱۹۹۷ء	حیدر عباس عابدی	محرم پریس پاکستان چوک	۳۰ روپے	۴۸	۱۱.۲x۸.۵
۱۳۔	مندوب	سماجی	-	کراچی	۱۹۹۷ء	انوار احمد	خرم پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۵۲	۱۰.۲x۷.۸

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	مدرز گائیڈ	سماجی	سالانہ	کراچی	۱۹۹۷ء	لبنیٰ ہارون	-	۵۰روپے	۵۹	۱۰.۹x۸.۹
۱۵۔	آواز خواتین	سماجی	ہفت روزہ	کراچی	۲۰۰۰ء	الیاس شاکر	نیو اسکائی پرنٹرز	-	۷۰	۸.۱x۱۱
۱۶۔	طیبات	مذہبی تربیتی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	ام حماد	-	۱۲روپے	-	۱۰.۶x۸.۱
۱۷۔	شوہر نامدار	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	شائستہ ایس حسن	لکشمن پرنٹنگ پریس	۳۰روپے	-	۷.۸x۱۰.۸
۱۸۔	بتول	ملے جلے مضامین	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۳ء	بنت مجتبیٰ مینا	میٹرو پرنٹرز	۲۵روپے	۸۰	۷x۹
۱۹۔	عفیفہ	شعور و آگہی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	نورین امانت	مطبع گنج شکر پرنٹرز لاہور	۱۰روپے	-	۸.۲x۵.۴
۲۰۔	احوال	-		کراچی	-	ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی	افریشیاء پرنٹنگ پریس	۵روپے	۴۰	۷.۵x۱۰.۳
۲۱۔	ندائے نسواں	شعور و آگہی	سہ ماہی	اسلام آباد	-	سید سلیم رضوی	-	-	-	-

سماجی رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	طوفان	سماجی	-	ملتان	۱۹۴۷ء	صبوحی دہلوی	ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان			۱۴.۸x۱۰.۱
۲۔	گل خنداں	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	وسیم احمد بخاری	تعلیمی پریس	۴۰ روپے	۴۰	۹.۳x۷.۱
۳۔	اقدام	سماجی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۰ء	میاں محمد شفیع ،مختار احمد خان	پاکستان پرنٹنگ پریس	۴ آنے	۲۳	۹.۴x۱۴.۴
۴۔	بانگ درا	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	عباس شاہین	جاوید پریس میکلورو ڈ	۶ آنے	۲۴	۷.۱x۹.۳
۵۔	الفقیر	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۲ء	-	-	-	۸	۱۴.۴x۹.۶
۶۔	دیکھتا چلا گیا	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۵۲ء	سرور قریشی	ضیاء برقی پریس	۳ آنے	۱۶	۱۴.۴x۹.۶
۷۔	تہذیب الاخلاق	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۳ء	تسلیم احمد شعور	مطبع شرکت پرنٹنگ پریس	۶۰ روپے	۶۸	۸.۵x۱۰.۹
۸۔	رہنما	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۵۴ء	محمد حسام الدین خان غوری	-	۴ آنے	۲۰	۹.۷x۱۴.۵
۹۔	مزدور	-	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۵ء	حماد رحیم	ڈاٹ کیئر پریس	۱۰ روپے	۳۴	۱۰.۷x۸.۵
۱۰۔	استقلال	-	پندرہ روزہ	لاہور	۱۹۵۵ء	عبدالصمد خان	-	۳ آنے	۲۲	۱۴.۳x۸.۵
۱۱۔	پیام سندھ	-	ہفت روزہ	-	۱۹۵۶ء	-	پاک لیتھو پریس سکھر	۴ آنے	۱۸	۱۴.۲x۹.۶
۱۲۔	امن	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۵۶ء	شجاعت حسین	-	۴ آنے	۱۱	۱۴.۷x۹.۷
۱۳۔	معاشرتی بہبود	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۷ء	ملک نذیر احمد ایم اے	اردو پریس میکلورو ڈ لاہور	۵۰ پیسے	۵۰	۷x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	تبصرہ	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۹ء	کے ایس مرزا	وفاق پرنٹنگ پریس لاہور	۵ روپے	۵۶	۸x۱۱
۱۵۔	پاک جمہوریت	-	-	لاہور	۱۹۵۹ء	محمد ضیاء آفتاب	ملک عید محمد پرنٹرز لاہور	۱۰ روپے	۲۲	۸.۱x۱۰.۸
۱۶۔	تہذیب	-	-	لاہور	۱۹۵۹ء	عشرت رحمانی عظمت بشیر	علمی پرنٹنگ پریس لاہور	۵۰ پیسے	۲۲	۷x۹.۳
۱۷۔	آج کل	-	-	کراچی	۱۹۶۰ء	کنور افضالی	ناظر پرنٹنگ پریس کراچی	۱۰ پیسے	اردو ۱۴۳ انگریزی ۲۸	۸x۹.۹
۱۸۔	شہاب	-	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۶۰ء	کوثر نیازی	-	۷ آنے	-	۱۴x۹
۱۹۔	الشجاع	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۱ء	-	ٹائمز پریس مینسفلڈ اسٹریٹ	۵ روپے	-	۷.۴x۹.۶
۲۰۔	آئین	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۲ء	مرزا محمد الیاس	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۲۴ روپے	۱۱۴	۵.۳x۸.۳
۲۱۔	اصلاح	-	ہفت روزہ	-	۱۹۶۳ء	ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی	نیازی پرنٹنگ پریس لاہور	۳ روپے	۲۷	۱۱.۱x۷.۸
۲۲۔	تعمیر قوم	-	ہفت روزہ	-	۱۹۶۴ء	ایم اکبر رانا	-	۵ روپے	۱۵۶ اردو ۱۱۴ انگریزی	۸x۱۰.۸
۲۳۔	تقاضے	-	-	ملتان	۱۹۶۳ء	رشید ترین	سید الیکٹرک پریس ملتان	-	۱۶	۹.۷x۱۴.۹
۲۴۔	جہاں نما	-	-	لاہور	۱۹۶۶ء	طارق فاروق	-	سالانہ ۱۳۰ روپے	۵۲	۷.۸x۱۰.۵
۲۵۔	اخبار جہاں	-	-	کراچی	۱۹۶۷ء	نعیم ابرار	جاوید پریس کراچی	۴۵ روپے	۷۱	۱۰.۸x۱۵.۸
۲۶۔	زنجیر	-	پندرہ روزہ	لاہور	۱۹۶۸ء	محمد سعید اظہر	لاہور آرٹ پریس لاہور	۱۰ روپے	۱۰۰	۸.x۱۰.۱۰.

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۷۔	محاسبہ	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۸ء	ریاض انور	ملک محمد عارف دین محمدی پریس	۵۰ پیسے	۴۸	۷.۲x۹.۱
۲۸۔	فلاح	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۹ء	سید فخر الدین بلے	ایورگرین پریس لاہور	۷۵ پیسے	۶۴	۷.۴x۹.۴
۲۹۔	الجلیل	۔	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۰ء	خلیق احمد خلیق	شاہنواز پرنٹنگ پریس لاہور	۵۰ پیسے	۳۲	۸.۳x۱۰.۸
۳۰۔	متاع کارواں	۔	ماہنامہ	سکھر	۱۹۷۰ء	۔	نور پرنٹرز سکھر	ایک روپیہ	۹۰	۵.۴x۸.۴
۳۱۔	ارتباط	۔	۔	ملتان	۱۹۷۰ء	شفیق الرحمٰن الہ آبادی	منزل آرٹ پریس ملتان	۱۰ روپے	۔	۹.۵x۷.۱
۳۲۔	انجم	۔	۔	لاہور	۱۹۷۰ء	اقبال حنفی	مطبع نامی پریس	۸۰ پیسے	۴۴	۸.۸x۶.۷
۳۳۔	مشرب	۔	۔	کراچی	۱۹۷۱ء	سید عبدالقوی	فیروز سنز پرنٹرز کراچی	۵۰ پیسے	۵۸	۹.۹x۶.۶
۳۴۔	دھنک	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۲ء	سرور سکھیرا	غلام علی پبلشرز لاہور	۱۱ روپے	۱۰۶	۹.۵x۱۴.۵
۳۵۔	الحیدر	۔	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۳ء	منصور حیدری	سپر آرٹ پریس	۷۵ پیسے	۱۳۸ اردو ۴۸ سندھی	۷.۱x۹.۱
۳۶۔	اورنگی	۔	سہ ماہی	۔	۱۹۷۳ء	سجاد بخش	مطبع احمد برادرز ناظم آباد	۱۰ روپے	۴۴	۱۰.۷x۸.۶
۳۷۔	السیف	۔	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۷۵ء	سعود احمد	مطبع غلام علی پبلشرز	۵ روپے	۱۲۱	۱۳x۹.۵
۳۸۔	البلاغ	۔	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۷۵ء	۔	چٹان پریس	۴ روپے	۴۸	۱۰.۹x۷.۹
۳۹۔	پیغام	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۶ء	کریم عشی خالد	انٹرنیشنل پریس کراچی	۔	۸۸	۹.۳x۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۴۰۔	اشتراک	سماجی	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۶ء	-	ابن حسن آفسٹ پریس	۳روپے	۵۰	۱۰.۸x۷.۹
۴۱۔	افق	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۷۷ء	ظہور الحسن بھوپالی	قدسیہ پرنٹرز	۴روپے	۵۰	۸.۱x۱۰.۸
۴۲۔	پلک	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۷ء	طارق فاروق	طیب اقبال پرنٹرز لاہور	۲۵روپے	۱۱۸	۱۰.۹x۷.۸
۴۳۔	الانسان	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۸ء	سید شاہد علی	احباب پرنٹرز نارتھ کراچی	۳۰روپے	۶۰	۷x۸.۱
۴۴۔	روش	-	ہفت روزہ	راولپنڈی	۱۹۷۹ء	عبدالودود قریشی	ٹی ایس پرنٹرز گوالمنڈی	۳روپے	۳۶	۷.۷x۱۰.۵
۴۵۔	روپ	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۰ء	نسیمہ قاضی	رماوش پرنٹرز سروسز کراچی	۱۲روپے	۱۳۰	۷.۵x۱۰.۸
۴۶۔	جذبہ	-	پندرہ روزہ	گجرات	۱۹۸۱ء	شاویز ملک	گرین لائٹ پریس گجرات	۶روپے	۵۸	۷.۵x۱۰.۴
۴۷۔	جواب	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۱ء	عبدالقادر حسینی	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۵روپے	۵۶	۷.۷x۱۰.۹
۴۸۔	الخیال	-	پندرہ روزہ	لاہور	۱۹۸۲ء	سرحدی لشکروری	نیاری پرنٹنگ پریس لاہور	۳روپے	۳۲	۷.۲x۹.۴
۴۹۔	دوست	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۲ء	منیر الدین منیر	ایجوکیشنل پریس	۱۰روپے	۹۸	۱۰.۹x۷.۸
۵۰۔	آئینہ پاکستان		پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۸۳ء	ریحان اشفاق	ابن حسن آفسٹ پریس	۱۳۶اردو ۱۴انگریزی	۱۲	۸.۴x۱۰.۸
۵۱۔	باغ	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۴ء	طاہرہ سحر	احباب پرنٹرز لیاقت آباد، کراچی	-	۱۰	۱۰.۸x۸
۵۲۔	تلاش	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۴ء	انجم شمیم	انجمن پریس کراچی	۱۰روپے	۸۲	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز
۵۳۔	اپنا گھر	سماجی	پندرہ روزہ	-	۱۹۸۴	یوزید تاثیر	ابن حسن پریس	۱۲ روپے	۱۳۴ اردو ۱۱۲ انگریزی	۱۰.۸x۷.۹
۵۴۔	پہچان	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۴ء	فرید احمد	المخزن پرنٹرز	۱۰ روپے	۶۶	۱۱x۷.۸
۵۵۔	نکھار	-	ہفت روزہ	اسلام آباد	۱۹۸۵	رخسانہ صولت سلیمی	اوکے پرنٹرز			
۵۶۔	انتخاب	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۶ء	حبیب الرحمٰن عثمانی	انتخاب پبلیکیشنز	۶ روپے	۵۴	۸x۱۰.۹
۵۷۔	آواز جہاں	-	ماہنامہ	لاہور	نومبر ۱۹۸۸	رفعت صاحبہ	-	۱۵۰ سالانہ	۷۸	
۵۸۔	حقیقت	-	پندرہ روزہ	بہاولپور	۱۹۸۸ء	سعید احمد	گردیزی پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۸۳	۱۰.۵x۷.۹
۵۹۔	اعوان	-	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۸ء	ملک اللہ یار اعوان	پروفائل پریس اسلام آباد	۲۵ روپے	۴۲	۸.۴x۱۰.۹
۶۰۔	آواز جرس	-	ہفت روزہ	لاہور، بہاولپور	۱۹۸۸ء	سید ظفر معین بلے	تجارت پرنٹرز لاہور			
۶۱۔	روشناس	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۸ء	ہما وحید	قریشی آرٹ پریس کراچی	۴۰ روپے	۶۰	۸.۵x۱۱
۶۲۔	تعاقب	-	-	کراچی	۱۹۸۸ء	انور جہاں	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۱۲ روپے	۷۲	۸x۱۰.۸
۶۳۔	مفہوم	-	-	اٹک	۱۹۸۸ء	اے ڈبلیو مخلص	ٹی ایس پرنٹرز راولپنڈی	۸ روپے	۴۸	۷.۲x۱۰.۶
۶۴۔	انسانیت	-	-	کراچی	۱۹۸۸	ایم ایچ مجتبیٰ حسین نقوی	کتابستان پرنٹرز کراچی	۱۵ روپے	-	۹.۱x۷.۳
۶۵۔	انس	-	ہفت روزہ	اسلام آباد	۱۹۸۹ء	-	النور پرنٹنگ پریس اسلام آباد	۱۱۵ روپے	۵۶	۱۰.۹x۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز
۶۶۔	جوبلی	سماجی	ہفت روزہ	راولپنڈی	۱۹۸۹ء	-	ارکان پرنٹرز چوک تیلی	-	۴۸	۸x۱۱
۶۷۔	لہریں	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	سیدہ نقوی	ونڈور کمیونیکیشن کراچی	۱۲روپے	۸۴	۸x۱۰.۵
۶۸۔	میلہ انٹرنیشنل	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء	افسر علی خان	گلیکسی پرنٹرز لاہور	۱۰روپے	۸۰	-
۶۹۔	جلترنگ	-	ماہنامہ	ملتان	۱۹۸۹ء	اختر عزیز	علی بھائی پریس ملتان	۴۰روپے	۶۸	۸x۱۱
۷۰۔	جواں فکر	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	مجیب الرحمٰن شامی	نقوی فاٹوگراف شیر شاہ	۱۰روپے	۷۲	۸.۳x۱۰.۸
۷۱۔	اثبات	-	سہ ماہی	لاہور	۱۹۸۹ء	بیگم نسیم اختر	نصرت پریس سرکلر روڈ لاہور	۵روپے	۶۴	۶.۴x۸.۱۱
۷۲۔	بت شکن	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۸۹ء	سید محسن منتو	ابن حسن آفسٹ پرنٹنگ پریس	۱۰روپے	۵۴	۸x۱۰.۶
۷۳۔	مفکر العصر	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	ڈاکٹر ضامن سید	-	۱۸روپے	۴۰	۸.۸x۱۰.۸
۷۴۔	بات چیت	-	-	کراچی	اپریل ۱۹۸۹	عظمیٰ شہر بانو	خرم پرنٹنگ پریس	سالانہ ۸۰۰روپے	۵۰	-
۷۵۔	افہام	-	-	سیالکوٹ	۱۹۹۰ء	زہیر کنجاہی	نیلم جاوید پرنٹنگ پریس	-	۵۰	۷.۸x۱۰.۹
۷۶۔	پذیرائی	-	-	لاہور	۱۹۹۰	ذوالفقار حسین زلفی	وحشی پرنٹرز لاہور	۱۵روپے	۵۰	۷.۲x۹.۶
۷۷۔	ماہ رواں	-	-	کراچی	۱۹۹۰ء	ارجمند آراء	احمد برادرز پرنٹرز کراچی	۱۰روپے	-	۸x۱۰.۱۰
۷۸۔	پیام راجپوت	-	-	کراچی	۱۹۹۱ء	رانا خالد محمود قیصر	یورپ پرنٹنگ پریس	۸روپے	۱۲۸اردو۴۴انگریزی	۸x۱۰.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۷۹۔	اوورسیز انٹرنیشنل	سماجی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۲ء	شاہدہ لطیف	کرسٹل پرنٹنگ پریس، اسلام آباد	۵۰ روپے	۸۰	۱۱.۸x۸.۵
۸۰۔	اسلامی اتحاد	۔	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۳ء	سید محمد ذیشان جعفری	خرم پریس کراچی	۔	۱۰۴	۸.۶x۱۰.۹
۸۱۔	فکر جدید	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۳ء	یوسف زبیر	فیکون پرنٹرز کراچی	۱۰ روپے	۔	۷.۹x۱۰.۸
۸۲۔	تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۳ء	ملک عباس اختر اعوان	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۱۰ روپے	۲۸	۸.۵x۱۱
۸۳۔	عوامی جدوجہد	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۳ء	۔	احمد برادرز پرنٹرز	۱۵ روپے	۴۸	۱۰.۸x۸.۶
۸۴۔	ینگ چینل	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۹۴	سید حسن رضا بخاری	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۲۰ روپے	۴۸	۸x۱۱
۸۵۔	کرائم اسٹوری	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۹۵ء	جاوید رشید صدیقی	امیج پرنٹنگ پریس کراچی	۱۲ روپے	۴۸	۸x۱۰.۷
۸۶۔	گارڈ انٹرنیشنل	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۹۵	شاہد رضوی	الیس عنایت پرنٹرز	۳۰ روپے	۳۸	۱۱x۸.۳
۸۷۔	چلتن	۔	ماہنامہ	کوئٹہ	۱۹۹۵ء	محمد سعید	یونائیٹڈ پرنٹنگ پریس کوئٹہ	۱۰ روپے	۷۲	۱۰.۹x۷.۹
۸۸۔	راحت		ماہنامہ	پتوکی	۱۹۹۵ء	محمد جاوید قمر	پتوکی پرنٹنگ پریس پتوکی	۱۵ روپے	۵۸	۸.۶x۱۱
۸۹۔	لنک اون	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۵ء	ام لیلیٰ	احباب پرنٹنگ پریس	۵۰ روپے	۱۱۰	۸.۴x۱۱
۹۰۔	اسلام علیکم پاکستان	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۹۶ء	خلیل اللہ فاروقی	۔	۴۰ روپے	۱۰۲	
۹۱۔	طاہرہ	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۹۷ء	دردانہ حیدر	خرم پریس کراچی	۳۰ روپے	۴۸	۸.۶۱x۱۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۹۲۔	راجپوت فیملی	سماجی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۷ء	منورائے مجید	اے بی سی پرنٹرز کراچی	۲۵ روپے	۵۲	۸x۱۰.۱۰
۹۳۔	تخلیقات	۔	ماہنامہ	شیخوپورہ	۱۹۹۸ء	کریم الدین خلجی	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۱۰ روپے	۴۸	۵.۴x۸.۳
۹۴۔	پاکستانی	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء	محمد شفیق خان	احباب پرنٹنگ پریس کراچی	۲۰ روپے	۵۲	۸x۱۰.۸
۹۵۔	چائلڈ ایجوکیشن	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء	محمد اسلم قریشی	حریت پرنٹنگ پریس	۱۵ روپے	۱۸۳ اردو ۷۵ انگریزی ۱۲ سندھی	۵.۵x۷.۸
۹۶۔	محافظ حق	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	عرفان شاہ	یورپ پرنٹنگ پریس کراچی	۲۰ روپے	۶۰	۸.۲x۱۰.۷
۹۷۔	الخبیر	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	ظفر محی الدین	ورگو کیئر پرنٹرز کراچی	۵۰ روپے	۷۰	۸.۳x۱۱
۹۸۔	اعراف انٹرنیشنل	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	ملکہ افروز روحیلہ	القادر پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۸۲	۸x۱۰.۹
۹۹۔	آب حیات	۔	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	طاہر محمود	جعفر پریس لاہور	۲۰ روپے	۔	۸.۵x۵.۴
۱۰۰۔	خالقیہ	۔	سہ ماہی	سرگودھا	۲۰۰۰ء	محمد ایوب	ثنائی پرنٹنگ پریس سرگودھا	۲۵ روپے	۴۸	۱۱x۸.۲
۱۰۱۔	معاشرہ	۔	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۰ء	یعقوب کردپوری	ابن حکیم پریس کراچی	۱۵ روپے	۲۲	۸.۴x۱۱
۱۰۲۔	نوائے اخلاق	۔۔		راولپنڈی	۲۰۰۱ء	شکور رافع	پرنٹ ماسٹر راولپنڈی	۲۵ روپے	۵۶	۹.۳x۷
۱۰۳۔	فرنٹ اسٹار	۔	پندرہ روزہ	کراچی	۲۰۰۱ء	عرفان شاہ	احباب پرنٹرز کراچی	۳ روپے	۴	۱۱.۳x۱۵.۱۰
۱۰۴۔	تحریک الایمان	۔	ماہنامہ	گجرات	۲۰۰۳ء	ڈاکٹر عامر شہزاد	۔	۱۸ روپے	۳۰	۱۰.۹.۱x۸.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۰۵۔	خوشیاں	سماجی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۳ء	حکیم چغتائی	سٹی پریس کراچی	۲۵روپے	۷۰	۱۱x۸.۱
۱۰۶۔	روزن انٹرنیشنل	سماجی	ماہنامہ	گجرات	۲۰۰۳ء	محمد افضل راز	روزن پرنٹرز	۳۰روپے	۶۸	۱۰.۸x۸.۵
۱۰۷۔	اسٹار ٹائمز	سماجی	ہفت روزہ	گوجرانوالہ	۲۰۰۳ء	فیصل فاروق ساگر	صدارت پرنٹنگ پریس گوجرانوالہ	۵۰روپے	۶۰	۸.۴x۱۱
۱۰۸۔	بصیرت	سماجی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴ء	محمد اسماعیل	پنجاب پریس کراچی	۲۵روپے	۶۴	۸۱x۱۱
۱۰۹۔	ہنر	سماجی	۔	حیدرآباد	۲۰۰۴ء	شکیل احمد خان	بتول پرنٹنگ پریس	۳۰روپے	۳۶	۱۰.۹x۸.۱
۱۱۰۔	فرسٹ آپشن	سماجی	۔	گوجرانوالہ	۲۰۰۴ء	سیف اللہ امان	صدارت پرنٹنگ پریس، گوجرانوالہ	۵۰روپے		۸.۴x۱۰.۸
۱۱۱۔	تارکین وطن	سماجی	۔	لاہور، لندن	۲۰۰۵ء	شاہد فیاض حیدر	شرکت پریس لاہور	۔	۶۹	۱۰.۷x۸.۳
۱۱۲۔	لالہ موسیٰ نیوز	سماجی	۔	گجرات	۲۰۰۵ء	ڈاکٹر شیخ محمد ارشد	سلیمان بجنور پرنٹرز گجرات	۲۰روپے	۱۰۲	
۱۱۳۔	ایشیاٹک نیوز	سماجی	۔	۔	۲۰۰۵ء	راشد چغتائی	بی اینڈ سی پرنٹرز کراچی	۳۰روپے	۴۵	۱۱.۱x۸.۶
۱۱۴۔	چشمہ بیدار	سماجی	۔	لاہور	۲۰۰۶ء	ملک احمد سرور		۳۰روپے	۱۱۲	۸.۴x۵.۵
۱۱۵۔	دھنک رنگ	سماجی	۔	۔	۲۰۰۷ء	رمانہ قادری	عشبہ پبلشنگ انٹرنیشنل		۳۲	۱۱x۷.۹
۱۱۶۔	اقدار ملت	سماجی	۔	اسلام آباد	۲۰۰۷ء	سجاول خان رانجھا	زویا پرنٹرز	۳۵روپے	۳۰	۔
۱۱۷۔	اذان فجر	سماجی	۔	لاہور	۲۰۰۸ء	محمد زبیر اکہاری	زیمانی پرنٹرز لاہور	۲۰روپے	۵۰	۱۲x۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۱۸۔	فلک رنگ	سماجی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	ریاض صحافی	سرزمین پرنٹنگ پریس	۳۰روپے	۴۲	۱۴x۹.۵
۱۱۹۔	جنت گھر	۔	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۸ء	مقبول حسین	خرم پرنٹنگ پریس کراچی	۶۰روپے	۶۴	۸x۱۰.۷
۱۲۰۔	بیوٹی البم	۔	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۹ء	صفورا خیری	ماس پرنٹرز کراچی	۶۰روپے	۴۸	۸.۴x۱۱
۱۲۱۔	نوائے جرس	۔	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۹ء	کرنل (ر) محمد عدیل		۲۰روپے	۴۸	۵.۴x۷.۷
۱۲۲۔	امید	۔	ماہنامہ	سرحد	۲۰۰۹ء	حمید اللہ خٹک		۱۵روپے	۵۲	۸.۱x۵.۴
۱۲۳۔	فانوس	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹	حفیظ انصاری	ابن حسن آفسٹ پریس	۵روپے	۸۲	۷x۹.۴
۱۲۴۔	ایجوکیشنل میگ	۔	ماہنامہ	کراچی	۔	۔	احباب پرنٹرز کراچی	۱۵روپے	۱۵۹اردو ۱۵انگریزی	۱۱x۷.۹
۱۲۵۔	پرورش	۔	ماہنامہ	کراچی	۔	شہود رضوی	۔	۔	۔	۱۱.۸x۸.۳
۱۲۶۔	ایشین ٹائم	۔	ماہنامہ	کراچی	۔	رشید احمد مرزا	آفسٹ پرنٹنگ پریس	۱۰روپے	۵۴	۔
۱۲۷۔	آئیڈیل	۔	ماہنامہ	لاہور	۔	۔	۔	۳۰روپے	۳۲	۸.۵x۱۱.۱
۱۲۸۔	معیار	۔	ماہنامہ	لاہور	۔	احسان شاگر	ابوطعالی پرنٹرز	۳۰روپے	۵۴	۱۰.۹x۷.۸

مذہبی رسائل،

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	طلوع اسلام	مذہبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۷ء	محمد لطیف چوہدری	آفتاب عالم پریس	۱۰ روپے	۸۰	۹.۳x۷
۲۔	طلوع اسلام	مذہبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۷ء	-	ہمانی پرنٹرز	۲۵ روپے	۱۶۰ اردو ۱۴ انگریزی	۶.۸x۹
۳۔	اسلام	مذہبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۸ء	قاضی محمد انعام اللہ علیگ	ادبی پریس کراچی	۳ آنے	۲۴	۷x۹
۴۔	الجامعہ	مذہبی	ماہنامہ	جھنگ	۱۹۴۸	ثاقب خوشنود احمد	-	۱۵ روپے	۵۶	۷.۹x۱۰.۶
۵۔	اسلامی زندگی	مذہبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	مولانا محمد حنیف ندوی	کوآپریٹو پریس	آٹھ آنے	۵۶	۹.۳x۷.۱
۶۔	الاعتصام	مذہبی	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۴۸ء	عطاء اللہ حنیف بھوجیانی	پرنٹ بارڈ پرنٹرز لاہور	۱۲ روپے	۳۲	۹.۲x۷.۱
۷۔	فیض اسلام	مذہبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۴۸ء	ڈاکٹر رشید نثار	فیض عام پرنٹنگ پریس راولپنڈی	۵ روپے	۸۰	۷.۱x۹.۳
۸۔	پیام حق	مذہبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	قاری احمد پیلی بھیتی	مطبع سعید کراچی	۷۵ پیسے	۲۳	۷.۳x۹.۵
۹۔	النجف	اہل تشیع کیلئے	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۴۹ء	رند کیفی	مطبع رئیس پریس کراچی	۲ آنے	۳۲	۹.۲x۶.۲
۱۰۔	المصلح	مذہبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	محمد شفیع خان	مطبع ضیاء پریس	۳۰ روپے سالانہ	-	۹.۲x۶.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۱۔	البیان	مذہبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۰	قمرالدین قمر	کپور آرٹ پرنٹنگ پریس	۸ آنے	۵۸	۶.۱x۹.۱
۱۲۔	مجلہ بشارت	مذہبی مضامین	۔	کراچی	۱۹۵۱ء	محفوظ الحق علمی	آفسٹ لیتھو پریس کراچی	۔	۱۶	۷.۱x۹.۵
۱۳۔	ایشیا	مذہبی مضامین	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۵۱ء۔	مرزا محمد الیاس	نفیس پریس پرنٹرز	۱۵ روپے	۳۴	۱۰.۵x۷.۹
۱۴۔	الشرق	۔	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۵۱	احمد عبداللہ المسدوسی	۔	۔	۳۰	۱۴.۵x۹.۳
۱۵۔	میثاق	فکری مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۱ء	حافظ عاکف سعید	مکتبہ جدید پریس	۲۵ روپے	۹۶	۵.۵x۸.۴
۱۶۔	الصدیق	۔	ماہنامہ	ملتان	۱۹۵۱ء	عبدالکریم	صدیقہ پریس ملتان	۸ پیسے	۴۸	۶.۱x۹.۱
۱۷۔	ایمان	مذہبی و اصلاحی رسالہ	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۵۱ء	خواجہ راحت حسین	۔	۲ آنے	۳۲	۹.۴x۱۴.۳
۱۸۔	مجلہ درویش	مضامین	۔	لاہور	۱۹۵۲ء	شوکت ہاشمی	لاہور آرٹ پریس لاہور	۸ آنے	۷۴	۶.۷x۸.۹
۱۹۔	انوار العلوم	نظریاتی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۲ء	محمد نجم الحسن تھانوی	۔	۹ آنے	۵۶	۶.۱x۹
۲۰۔	القرآن	مذہبی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	مظہر صدیقی خلیل احمد اختر	آرمی پریس کراچی	۶ آنے	۴۰	۷.x۹.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۱۔	المجلس	مذہبی و اصلاحی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	محمد جیلانی	جاوید پریس کراچی	۵۰ پیسے	۴۸	٦x٨.٩
۲۲۔	الارشاد جدید	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۲ء	حافظ عبدالوکیل	باب الاسلام پرنٹنگ پریس	۷۵ پیسے	۴۸	٧.٣x٩.٥
۲۳۔	پیغام وفا	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۵۲ء	آل محمد رزمی	اقبال سنز	۔	۱۰۰	٩.٦x٧.١
۲۴۔	اذان	اہل تشیع مذہبی و اصلاحی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۴ء	محمد اسمعیل خان عاقل اکبر آبادی	۔	۸ آنے	۴۲	٧x٩.٢
۲۵۔	مقام رسالت	مذہبی، معلوماتی مضامین	ماہنامہ	۔	۱۹۵۵ء	محمد سلیم الدین شمسی	۔	٦ آنے	۳۲	٦.٩x٨.٩
۲٦۔	المنبر	مذہب اور دور جدید	ماہنامہ	فیصل آباد	جنوری ۱۹۵۴	ڈاکٹر زاہد اشرف	ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۔	٨.٤x٥.٤
۲۷۔	معارف اسلام	سیرت طیبہ	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۴ء	شیخ غیاث الدین	تعلیمی پریس لاہور	ایک روپیہ	۱۱۴	٦.١x٩.٥
۲۸۔	المؤتمر	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۵ء	ملک ابوالفضل عبدالحنان علی	ادبی پریس کراچی	۴ روپے	۴۸	٧.٣x٩.٥
۲۹۔	المصطفےٰ	تفسیر قرآن	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۵۵ء	حکیم ذوقی مصطفائی	سعید آرٹ پریس	۸ آنے	۴۸	٧.٢x٩.٤
۳۰۔	آئینہ	بزرگان دین	۔	لاہور	۱۹۵۵ء	محمد تسلیم شرق پوری	علی پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰ پیسے	۲٦	٩.١x٦.٧

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۱۔	پیامی	مذہبی واصلاحی مضامین	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۵۵ء	صاحبزادہ خواجہ ظفر حسین	نور آرٹ پریس راولپنڈی	-	۲۶	۷.۳x۹.۴
۳۲۔	تاج	مذہبی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	بابا عاطف شاہ	ایجوکیشنل پریس کراچی	-	۱۵۹ اردو ۱۲۰ انگریزی	۸.۴x۵.۴
۳۳۔	امام	دینی، تبلیغی، تعلیمی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۶ء	سید سیفی ندوی	انٹرنیشنل پریس کراچی	۷۵ پیسے	۶۶	۸.۹x۶.۶
۳۴۔	بلاغ القرآن	مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۶ء	پروفیسر عبدالرزاق	یونس ندیم پرنٹنگ پریس	۴ روپے	۳۲	۷x۹.۳
۳۵۔	آستانہ زکریا	مذہبی وروحانی مجلہ	ماہنامہ	ملتان	۱۹۵۷ء	مخدوم محمد سجاد حسین قریشی	سید الیکٹرک پریس ملتان	۵۰ پیسے	۴۰	۷.۲x۹.۶
۳۶۔	المبلغ	مضامین	ماہنامہ	سرگودھا	۱۹۵۷ء	ملازم حسین اصغر	ثنائی پریس سرگودھا	۷ روپے	۳۲	۷.۱x۹.۶
۳۷۔	معین	مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۷ء	سید شفیق احمد چشتی	مسلم پریس کراچی	۱۲ روپے	۶۶	۶.۹x۹.۱
۳۸۔	رضائے مصطفی	مذہبی	ماہنامہ	گجرانوالہ	۱۹۵۸ء	محمد حفیظ نیازی	الجدہ پرنٹرز اردو بازار	۲ روپے	۳۲	۹.۴x۷.۱
۳۹۔	غرقات	تبلیغی مضامین	-	لاہور	۱۹۵۸ء	ڈاکٹر محمد سرفراز زہری	طباعت اسلام پریس لاہور	۱۰ روپے	۴۵	۸.۸x۵.۴
۴۰۔	المبشر	مسیحی کلیساؤں کے بارے میں مضامین	سہ ماہی	راولپنڈی	۱۹۵۸ء	یوسف خلیل	فیروز سنز لمیٹڈ	۱۰ روپے	۱۱۷۴ اردو ۱۱۳۳ انگریزی	۶.۷x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۴۱۔	روائے مصطفیٰ	-	ماہنامہ	گجرانوالہ	۱۹۵۸ء	الحاج محمد حفیظ نیازی	-	۲۰ روپے	۳۲	۷x۷
۴۲۔	خدام دین	بچوں کی کہانیاں	-	لاہور	۱۹۵۸ء	صاحبزادہ احمد علی ثانی لاہوری	-	۲۰ روپے	۲۵	۷.۹x۱۰.۵
۴۳۔	لقائے رب	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۹ء	ایم ضمیر بیگ	انٹرنیشنل پریس میکلوروڈ	۸ آنے	۳۲	۹x۷.۳
۴۴۔	الحب	مخصوص عقائد ونظریات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۹ء	ایم اے ہلال شیری	انجمن پریس	۸ آنے	۳۲	۲.۲x۹.۳
۴۵۔	ارشاد	-	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۵۹ء	مشیر ضیا عراقی	انٹرنیشنل پریس کراچی	۴ آنے	۱۲	۱۰x۱۵
۴۶۔	آئینہ	اولیائے کرام کے حالات زندگی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۰ء	نجم اعظم	تعلیمی پرنٹنگ پریس	۸ آنے	۶۲	۸.۹x۶.۷
۴۷۔	المنظر	-	-	لاہور	۱۹۶۰ء	-	نقوی پریس لاہور	۱۵ روپے	۱۳۵ اردو ۱۳ انگریزی	-
۴۸۔	الحجت	-	ماہنامہ	پشاور	۱۹۶۰ء	آغا سید محمد شاہ رضوی	منظور عام پریس پشاور	ایک روپیہ	۷۲	۷.۲x۹.۵
۴۹۔	فروغ اسلام	تاریخ اسلام مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۰	زاہد حسین انصاری	نقوش پریس لاہور	۸ آنے	۵۶	۷x۹.۴
۵۰۔	المعرفت	علمی	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۶۱ء	مولانا حشمت علی ممتاز	مطبع پاسبان پریس	ڈھائی روپے۔	-	۹.۵x۷.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۵۱۔	بہائی میگزین	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۱ء	اسرار حسین صدیقی	مشہود آفسٹ پریس کراچی	۵۰ پیسے	۔	۹.۶x۷.۲
۵۲۔	تعمیر القرآن		ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۶۱	مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی	سرفراد طاہر پریس راولپنڈی	۳۰ روپے	۵۶	۶.۲x۹.۳
۵۳۔	اسلامی دنیا	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۲ء	علی سلطان حسین	ایجوکیشن پریس کراچی	۳۷ پیسے	۔	۸.۹x۶.۴
۵۴۔	اسوۂ	۔	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۶۲ء	سید معروف شاہ شیرازی	تعمیر پریس راولپنڈی	۵۰ روپے	۸۰	۔
۵۵	تسلیل	تصوف پر مضامین	۔	لاہور	۱۹۶۲ء	۔	تارا کمپنی لاہور	۲۵ روپے	۴۰	۸.۲x۵.۵
۵۶۔	الوارث	تعلیمات قرآن	۔	کراچی	۱۹۶۳ء	ایم ارشاد وارثی	مطبع اکیڈمک آفسٹ پریس	۷ روپے	۴۰	۹.۸x۶.۶
۵۷۔	بصائر	تحقیقی مضامین	سہ ماہی	کراچی	۱۹۶۳ء	ڈاکٹر سید حسین الحق	۔	۱۰ روپے	۲۰۸	۶.۳x۹.۶
۵۸۔	لولاک	۔	ہفت روزہ	فیصل آباد	۱۹۶۳ء	مولانا تاج محمود	۔	ایک روپیہ	۱۶	۷.۸x۱۰
۵۹۔	الرحیم	علمی مجلّہ	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۶۳ء	محمد سرور	سعید آرٹ پریس حیدرآباد	۷۵ پیسے	۔	۔
۶۰۔	فکر و نظر	تحقیقی	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۶۳ء	ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد	۱۰۰ روپے	۱۴۶	۶.۸x۹.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۶۱۔	تحریک جدید	-	ماہنامہ	ربوہ	۱۹۶۴	-	ضیاالاسلام پریس ربوہ	۵ روپے	۱۱۶ اردو ۱۳۲ انگریزی	۸.۹x۶.۸
۶۲۔	الحق	علمی رسالہ	-	-	۱۹۶۵ء	حافظ راشد الحق سمیع حنان	منظور عام پریس	-	-	-
۶۳۔	المعارف	-	سہ ماہی	کراچی	۱۹۶۵ء	رشید احمد جالندھری	مکتبہ جدید پریس لاہور	۲۵ روپے	۱۳۲ اردو ۱۲۵ انگریزی	۵.۵x۸.۴
۶۴	البلاغ	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۵ء	مولانا تقی محمد عثمانی	پرنٹنگ پریس کراچی	۴۵ روپے	۶۱	۹.۲x۶.۳
۶۵۔	محور حیات	اسلامی اور مغربی معیشت کا تقابل	ماہنامہ	سیالکوٹ	۱۹۶۶ء	خلیفہ محمد سعید	ناصر محمود پریس	۵۰ پیسے	۱۱۲	۵.۲x۸.۱
۶۶۔	ترجمان الحدیث	تبلیغی مضامین	-	لاہور	۱۹۶۷ء	احسان الٰہی ظہیر	فالکن پرنٹنگ پریس لاہور	۳ روپے	۵۰	۶.۱x۹.۱
۶۷۔	محدث	عالمی اصلاحی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۸ء	ڈاکٹر حافظ حسین مدنی	شرکت پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۸۰	۸.۲x۵.۶
۶۸۔	الحدیث	-	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۶۹ء	بشیر انصاری	احد پرنٹنگ پریس لاہور	۱۲ روپے	۳۸	۱۱.۱x۸.۵
۶۹۔	الارشاد	قرآنی تفسیر	-	اٹک	۱۹۷۰ء	قاضی محمد زاہد الحسینی	لقمان آرٹ پریس اٹک	۲۰ روپے	۷۰	-
۷۰۔	ترجمان اہل سنت	-	-	کراچی	۱۹۷۰	میر حسان الحیدری	جیوے پاکستان پبلیکیشنز	۵۰ روپے	-	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۷۱۔	تنظیم الاسلام	-	-	لاہور	۱۹۷۰ء	-	حیدری پریس لاہور	-	۴۴	۹.۴x۷.۳
۷۲۔	ضیائے حرم	تبصرے و تجزیے	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۰	پروفیسر حفظ احمد بخشی	جمیل پرنٹرز	۳۰روپے	۷۲	۸.۸x۶
۷۳۔	الاحرار	سیاسی و مذہبی	-	لاہور	۱۹۷۰ء	سید محمد معاویہ بخارہ	ملک عید محمد پرنٹرز	۱۵روپے	۴۸	۸x۱۰.۸
۷۴۔	ارشاد	اسلامی لٹریچر	ماہنامہ	سیالکوٹ	۱۹۷۱	-	اعوان پرنٹنگ پریس	۲روپے	۱۷۶	۷.۳x۵.۱
۷۵۔	درویش	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۱	-	مشہود آفسٹ پریس کراچی	ایک روپے	۶۴	۹.۳x۷.۱
۷۶۔	الرشید	تبلیغی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۱	عبدالرشید ارشد	عدنان جہانگیر پرنٹرز	۱۵روپے	۱۴۴	۵.۴x۸.۴
۷۷۔	مرچنٹ	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۱ء	شیخ صفدر علی	المکہ پریس لاہور	۶۰ پیسے	۸۰	۷.۱x۹.۴
۷۸۔	آستانہ پاک	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۳ء	-	مطبع دین محمد پریس	ڈھائی روپے	۸	۹.۴x۷.۱
۷۹۔	صدائے اسلام	توہین رسالت پر مضامین	ماہنامہ	پشاور	۱۹۷۳ء	محمد آصف قریشی	منظور عام پریس	۱۰روپے	-	۹.۶x۶.۴
۸۰۔	بصیر	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۴ء	ظفر حمید دہلوی	انجمن پریس کراچی	ڈیڑھ روپیہ	۸۲	۹.۲x۷.۴

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۸۱۔	الاسلام	-	ہفت روزہ	-	۱۹۷۴ء	بشیر انصاری	-	۲ روپے	۱۸	۹.۲x۷.۴
۸۲۔	اوقاف	مذہبی مضامین	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۷۷ء	سید ضمیر الدین بلے	-	۵ روپے	۷۶	۸x۱۰.۳
۸۳۔	المرشد	مذہبی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۹ء	چودھری محمد اسلم	انتخاب جدید پریس	۲۵ روپے	۵۶	۸x۱۰.۸
۸۴۔	الاشرف	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۹ء	ڈاکٹر ابوبکر سید محمد اشرف جیلانی	الاشرف آفسٹ پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۴۸	۹.۴x۷.۲
۹۵۔	معارف رضا	امام احمد رضا کے اصلاحی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۰ء	پروفیسر ڈاکٹر مجید رضا قادری	حریت پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۵۶	۹.۴x۷.۲
۸۶۔	ختم نبوت	عالمی مجلس ختم نبوت کا ترجمان	ہفت روزہ	-	۱۹۸۱	مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری	القادر پرنٹنگ پریس	-	۳۶	۱۰.۲x۸
۸۷۔	الشفاء	-	ماہنامہ	ملتان	۱۹۸۱ء	حافظ محمد یوسف چغتائی	نوبہار پرنٹنگ پریس	-	۸	۱۴.۶x۹.۸
۸۸۔	الخیر	مشاہیر اسلام کے مضامین	ماہنامہ	ملتان	۱۹۸۱	محمد ازھر	منزل آرٹ پریس	۲۵ روپے	۵۶	۶.۱x۹.۱
۸۹۔	انوار الفرید	-	ماہنامہ	ساہیوال	۱۹۸۱ء	ابوالنظر منظور احمد شاہ	لیاقت چوک پرنٹرز	۲۰ روپے	۳۲	۹.۱x۸.۱
۹۰۔	آج کل	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۱ء	فضل مسکین	-	۸ روپے	۵۸	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۹۱۔	حکمت القرآن	علوم قرآنی کا جائزہ	سہ ماہی	لاہور	۱۹۸۱	حافظ عاطف وحید	-	۵۰ روپے	۷۳ اردو ۱۲۸ انگریزی	۹.۱x۶.۲
۹۲۔	تعمیر انسانیت	اصلاحی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۱ء	شیخ محمد انور	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۵ روپے	۶۴	۵.۳x۸.۲
۹۳۔	روحانی پیغام	مضامین	-	فیصل آباد	۱۹۸۲ء	افتخار احمد چشتی	لائل پور نفیس پرنٹنگ پریس	۲ روپے	۱۴	۶.۲x۹.۳
۹۴۔	تصوف	اسلامی شخصیات کے بارے میں مضامین	سہ ماہی	کراچی	۱۹۸۲ء	فرید قریشی	-	۱۵ روپے	۱۶۰ اردو ۱۴ انگریزی	۵.۵x۸.۶
۹۵۔	تدریس القرآن	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳	شیخ محمد تقی شمسی	-	۳۰ روپے	۶۴	۶.۱x۹.۱
۹۶۔	الحرمین	-	-	کراچی	۱۹۸۳ء	محمد حنیف سرور شاہ زیب عالم	نشیمن پریس	۱۵ روپے	۶۴	۱۰.۱x۷.۷
۹۷۔	تبیان	-	-	کراچی	۱۹۸۴ء	مولانا شاہ حسین گردیزی	-	دو روپے	۳۲	۶.۳x۹.۲
۹۸۔	الفاروق	ملے جلے مضامین	-	کراچی	۱۹۸۴ء	مولانا عبید اللہ	القادر پریس	۳۰ روپے	۶۴	۷.۹x۱۰.۸
۹۹۔	النصیحۃ	-	-	پشاور	۱۹۸۴ء	مولانا غلام محمد صادق	مطبع غنی سنز پرنٹرز	۴۰ روپے	۴۸	۹.۵x۶.۲
۱۰۰۔	عقیدت	دینی ادبی مضامین	-	حیدرآباد	۱۹۸۴ء	سید زبیر علی جعفری	پاسبان پریس	۲۰ روپے	۲۶	۹.۳x۷.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۰۱۔	الحسن	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۵ء	محمد عبداللہ مفتی	ملک عید محمد لاہور	-	۲۶	۸.۸x۷.۹
۱۰۲۔	اوج روحانی	قرآنی وروحانی سائنس کا ترجمان	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۶ء	ڈاکٹر فرقان سرور	مطبع احمد برادرز ناظم آباد	۱۰روپے	۴۸	۱۰.۸x۷.۷
۱۰۳۔	منہاج القرآن	سیرت النبی سے متعلق مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۶ء	محمد یوسف	منہاج القرآن پرنٹرز	۵۰روپے	۱۴۴	۶.۱x۹.۱
۱۰۴۔	انیس اہلسنت	سیاسی مذہبی	ماہنامہ	فیصل آباد	۱۹۸۶ء	قاری محمد ضیاء المصطفیٰ	الرفیق افضالی پرنٹنگ پریس	۲۰روپے	۴۸	۷x۱۰.۹
۱۰۵۔	اتحاد المسلمین انٹرنیشنل	مذہبی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۷ء	حافظ عبدالقادر سرباری	-	۲۵روپے	۳۲	۹x۶
۱۰۶۔	نعت	نعتیہ اشعار	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۷ء	راجا رشید محمود	جسیم پرنٹرز لاہور	۱۵روپے	۱۱۱	۵.۴x۸.۴
۱۰۷۔	سلوک واحسان	تصوف واصلاحی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۷ء	مولانا محمد یوسف	شکیل پرنٹنگ پریس	۱۰روپے	۲۴	۵.۴x۸.۲
۱۰۸۔	افکار معلم	مشاہیر اسلامی پر مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۷ء	پروفیسر خالد محمود	میٹرو پریس لاہور	۲۰روپے	۸۰	۵.۳x۸.۱
۱۰۹۔	حق چار یار	صحابۂ کرام پر مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۷ء	محمد مسعود	-	۱۸روپے	۴۸	۸x۶

نمبرشمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز(انچ میں)
۱۱۱۔	اسلامی انقلاب	ارکان اسلام کی وضاحت	۔	لاہور	۱۹۸۸ء	قاری انیس الرحمٰن اظہر قادری	المطبع العربیہ لاہور	۱۰ روپے	۳۲	۵.۵x۸.۳
۱۱۲۔	فیض عالم	اہلسنت کا ترجمان	۔	بہاولپور	۱۹۸۸ء	محمد فیاض احمد	۔	۱۵ روپے	۲۴	۷.۱x۹.۴
۱۱۳۔	دعوت تنظیم الاسلام	۔	۔	گجرانوالہ	۱۹۸۸ء	۔	ناصر باقر پرنٹرز	۵۰ روپے	۔	۔
۱۱۴۔	اشراق	۔	۔	لاہور	۱۹۸۸ء	خورشید احمد	۔	۳۰ روپے	۷۲	۹.۳x۶
۱۱۵۔	المذاہب	اسلامی مضامین	۔	لاہور	۱۹۸۸ء	محمد اسلم رانا	زاہد بشیر پرنٹرز	۵۰ روپے	۲۴	۷.۳x۹.۴
۱۱۶۔	فیض عالم	۔	۔	بہاولپور	۱۹۸۸ء	صاجزادہ عطاالرسول اولیس رضوی	مہتاب پریس بہاولپور	۵ روپے	۲۴	۹.۵x۷.۲
۱۱۷۔	احتشام	۔	۔	کراچی	۱۹۸۸ء	احترام الحق تھانوی	۔	۸ روپے	۱۱	۱۴.۶x۹.۲
۱۱۸۔	والضحیٰ	خواتین کا مذہبی رسالہ	ماہنامہ	گوجرانوالہ	۱۹۸۹ء	محمد عمیر کھوکھر	اومنی پرنٹرز لاہور	۲۵ روپے	۴۸	۱۰.۸x۸
۱۱۹۔	نقیب	اسلامی افکار	ماہنامہ	ملتان	۱۹۸۹ء	سید محمد کفیل بخاری	تشکیل پرنٹرز	۲۰ روپیے	۶۴	۶.۱x۹.۳
۱۲۰۔	نغمۂ توحید	۔	۔ماہنامہ	گجرات	۱۹۸۹ء	سید رضا اللہ شاہ بخاری	پنجاب پرنٹنگ پریس گجرات	۲۰ روپے	۵۶	۶.۳x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۲۱۔	سبیل ہدایت	سنت نبوی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹	مخدوم انجم شہزادہ قریشی	اسکارٹ پرنٹرز۔	۔	۳۲	۹.۳x۷.۱
۱۲۲	الشریعۃ	۔	۔ماہنامہ	گجرانوالہ	۱۹۸۹	محمد عمار خان ناصر	مسعود اختر پرنٹرز	۱۲۰روپے	۴۸	۹.۱x۶
۱۲۳۔	رشد	مذہبی و اصلاحی رسالہ	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹	حافظ انس نقر مدنی	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۱۰روپے	۱۱۴	۵.۴x۸.۴
۱۲۴۔	اپنی باتیں	تبلیغی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	رئیس احمد عفی	۔	۳روپے	۲۱	۵.۴x۸.۵
۱۲۵۔	الصّیانۃ	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۰۰ء	وکیل احمد شیرانی	پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰روپے	۱۲۸	۹.۱x۶.۱
۱۲۶۔	المدینہ	اصلاحی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	حامد محمود قادری	۔	۲۵روپے	۶۶	۷.۹x۱۰.۹
۱۲۷۔	الملتقیہ	روحانی علمی جریدہ	ماہنامہ	اوکاڑہ	۱۹۹۰ء	صاحبزادہ خواجہ اظہار الحق	۔	۴۰روپے	۶۴	۷.۴x۹.۴
۱۲۸۔	الہادی	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	مسعود شاہ، حافظ مشاق احمد عباس	شفق پرنٹنگ پریس	۱۵روپے	۶۴	۵.۶x۸.۳
۱۲۹۔	حرمین	اہل حدیث کا علمبردار	ماہنامہ	جہلم	۱۹۹۰ء	حافظ احمد حقیق	مطبع دارالسلام	۲۰روپے	۴۸	۹.۳x۶
۱۳۰۔	پندرہویں صدی	اسلامی نظریات کا پرچار	ماہنامہ	گجرانوالہ	۱۹۹۰ء	مرزا غلام ہوشیار پوری	مکتبہ العربیہ لاہور	۶روپے	۵۰	۵.۵x۸.۵

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۳۱۔	ایقان انٹرنیشنل	-	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۰ء	صبیح رحمانی	نظامی اکادمی	۸ روپے	۱۳۱ اردو ۱۳ انگریزی	۷.۳x۹.۷
۱۳۲۔	ندائے خلافت	مذہبی مضامین	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۹۱ء	حافظ عاکف سعید	مکتبہ جدید پریس	۱۲ روپے	۱۶	۷.۶x۱۰.۵
۱۳۳۔	ترجمان دین	-	-	پشاور	۱۹۹۱ء	-	تاج پرنٹنگ پریس پشاور	۵ روپے	۲۴	۱۱x۷.۹
۱۳۴۔	الصیانۃ	صحابہ کرام کی زندگی پر مضامین	-	لاہور	۱۹۹۱ء	-	شرکت پرنٹنگ پریس	-	۶۴	-
۱۳۵۔	قائدوقت	شرعی احکام	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۲ء	محمد عامر صدیقی	احباب پرنٹنگ پریس	سالانہ ۲۰۰ روپے	۳۲	۷.۲x۹.۳
۱۳۶۔	انوار مدینہ	مشاہیر اسلام پر مضامین	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۲ء	-	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور	۱۷ روپے	۶۴	۶.۲x۹.۲
۱۳۷۔	السّعید	-	ماہنامہ	ملتان	۱۹۹۳ء	سید طاہر سعید کاظمی	الخطاط پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۱۵۱ اردو ۷ انگریزی	۹.۲x۷.۱
۱۳۸۔	الفجر	مذہبی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۳ء	سلیمان طاہر	مطبع وامان پرنٹرز کراچی	-	-	۸.۴x۵.۴
۱۳۹۔	دعوۃ	سیرت النبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۳ء	زبیر طارق	ادارہ عقیات اسلامی پریس	سالانہ ۲۰۰ روپے	۱۱۶	۶.۸x۹.۶
۱۴۰۔	بزم قاسمی انٹرنیشنل	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	مولانا اسد دیوبندی خطیب	گلزار پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۳۲	۹.۹x۸.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۱۔	خطیب	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۴ء	عبدالوحید سلمانی	شرکت پرنٹنگ پریس	۱۵روپے	-	-
۱۴۲۔	الحماد	مسائل کا شرعی حل	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	مولانا قاسم عبداللہ	الجت پرنٹنگ پریس	۲۰روپے	۶۴	۹.۲x۶.۲
۱۴۳۔	نشور	-	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۹۴ء	تسنیم احمد	-	۱۰روپے	۳۲	۵.۸x۸.۹
۱۴۴۔	اسلامک سالیڈریٹی	-	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۴ء	پروفیسر سیف اللہ خالد	منزل پرنٹرز اسلام آباد	-	۱۸۶اردو ۲۶عربی	۸.۳x۱۱
۱۴۵۔	التجوید	تجویدی تشریح	-	فیصل آباد	۱۹۹۵ء	ڈاکٹر قاری محمد طاہر	الرفیق افغانی پرنٹنگ پریس	-	۳۲	۵.۴x۸.۳
۱۴۶۔	الغدیر	اہل تشیع	-	لاہور	۱۹۹۵ء	ایس ڈی زیدی	-	۱۵روپے	۳۲	۱۰.۳x۷.۸
۱۴۷۔	صوت الحق	مذہبی مضامین	-	کراچی	۱۹۹۵ء	-	نیو مجاز پریس	۲۵روپے	-	۹.۴x۶.۹
۱۴۸۔	ثقلین	مذہبی کتابوں پر تبصرے	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۹۵ء	سید غلام حسین نقوی	اسلام آباد پبلیکیشنز	۳۰روپے	۱۱۷۵اردو ۱۲۵انگریزی	۹.۲x۶.۲
۱۴۹۔	العصر	قرآنی تعلیمات	ماہنامہ	پشاور	۱۹۹۵ء	مفتی غلام الرحمٰن	وحدت پرنٹنگ پریس	-	۲۲۴	۹.۳x۶.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز(انچ میں)
۱۵۰۔	البرہان	مذہبی مضامین	-	لاہور	۱۹۹۵ء	ڈاکٹر محمد امین	شرکت پرنٹنگ پریس	۳۵روپے	۵۶	۸.۳x۵.۴
۱۵۱۔	معلومات	تفسیر القرآن	-	کراچی	۱۹۹۶ء	حافظ عماد	شرکۃ العافیہ پرنٹنگ پریس	۱۵روپے	۵۸	-
۱۵۲۔	حفصہ	تعلیم القرآن سوسائٹی آف پاکستان	-	پشاور	۱۹۹۶ء	ڈاکٹر محمد دین	تاج پرنٹنگ پریس	-	۳۴	۷.۲x۹.۴
۱۵۳۔	القاسم	جامعہ ابوہریرہ کا ترجمان	-	نوشہرہ	۱۹۹۶ء	حافظ محمد قاسم	-	۲۵روپے	۸۱	۵.۳x۸.۳
۱۵۴۔	حفظ القرآن	سیرت نبوی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۹۶ء	پروفیسر ڈاکٹر سکندر النساء	ماس پرنٹرز ناظم آباد	۳۰روپے	۶۴	۵.۵x۸.۵
۱۵۵۔	انوار القرآن	علمی تبلیغی اصلاحی رسالہ	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۶ء	عبدالرشید انصاری	القادر پریس	۱۵روپے	۶۶	۶.۳x۹.۱
۱۵۶۔	پیام عمل	اہل تشیع	ماہنامہ	لاہور		سید وحید الحسن ہاشمی	-	-	۳۶	۷.۴x۹.۴
۱۵۷۔	ضیائے اسلام	نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا داعی	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۹۷ء	عبدالرزاق اختر القادری	الائیڈ پرنٹنگ کارپوریشن	۱۰روپے	۵۰	۵.۵x۸.۳
۱۵۸۔	بزم قاسمی	مذہبی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۷ء	حسن محمود	گلزار پرنٹنگ پریس	۲۰روپے	۴۲	۷.۷x۱۰.۹
۱۵۹۔	پیام	مذہبی تنظیم سیاسی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۷ء	خواجہ شجاع	شجاع سنز آب پارہ	۳۰روپے	۵۸	۹.۳x۷.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۶۰۔	فلاح آدمیت	درس قرآن پر مضامین	ماہنامہ	گوجرانوالہ	۱۹۹۸ء	احمد رضا خان	معراج دین پرنٹرز	۳۰ روپے	۴۲	۵.۳x۸.۴
۱۶۱۔	صحیفہ اہل حدیث	-	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۹۸ء	حافظ عبدالجبار سلفی	خرم آفسٹ پرنٹرز کراچی	۱۵ روپے	-	۹.۳x۷
۱۶۲۔	کاروان قمر	-	-	-	۱۹۹۸ء	ڈاکٹر محمد صحبت خان	زمزم پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	-	-
۱۶۳۔	الاخوۃ	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۸ء	حافظ ابتسام الٰہی ظہیر	احد پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۴۸	۱۰.۸x۷.۷
۱۶۴۔	محاسن اسلام	اسلامی مسائل اور حل	ماہنامہ	ملتان	۱۹۹۸ء	محمد اسحاق ملتانی	سلامت اقبال پریس	۱۰ روپے	۴۰	۵.۶x۸.۴
۱۶۵۔	ظلال قرآن	-	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۸ء	سید عارف شیرازی	ایف آئی پرنٹرز اسلام آباد	۱۵ روپے	-	۱۹.۳x۷.۱
۱۶۶۔	دعوت الحق	-	-	کراچی	۱۹۹۸ء	سید قدیر احمد	-	۵ روپے	۳۲	۸.۷x۵.۶
۱۶۷۔	المصطفیٰ	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	محمد فاروق برکاتی	مکتبہ المصطفیٰ پاکستان	-	۱۶	۵.۵x۸.۳
۱۶۸۔	تجلیات حبیب	-	-	چکوال	۱۹۹۹ء	مولانا محمد نعیم اللہ فاروقی	نصرت پریس لاہور	۵ روپے	۱۱۲	۶.۱x۹.۴
۱۶۹۔	الابرار	جامعہ اشرف المدرس کراچی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	مولانا حکیم محمد ماہر	القادر پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۶۴	۹.۵x۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۷۰۔	المسلم	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	ایم عابد حسین	الجت پرنٹنگ پریس	۱۰ روپے	۵۶	۱۰.۷x۷.۷
۱۷۱۔	مومن	-	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۹ء	مزین رسول ہاشمی	پہچان پبلیکیشنز	۲۰ روپے	۵۰	۸x۱۰.۷
۱۷۲۔	مجلۃ المسلمین	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	محمد یوسف	الجت پرنٹنگ پریس	۱۵ روپے	۵۰	۷.۲x۹.۴
۱۷۳۔	الامداد	جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کا ترجمان	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۹ء	خلیل احمد تھانوی	ہاشم اینڈ حماد پریس	۱۰ روپے	۶۴	۵.۴x۸.۳
۱۷۴۔	الفیض	مذہبی و اصلاحی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۰ء	محمد عامر صدیقی	گلزار پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۳۲	۷.۲x۹.۴
۱۷۵۔	مجلۃ النور	تعمیر ملت کے داعی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۰ء	مولانا محمد منصور احمد	-	۱۵ روپے	۵۰	۶.۱x۹.۲
۱۷۶۔	قیل وقال	-	ماہنامہ	بھیرہ شریف سانگلہ ہل	۲۰۰۰ء	حکیم محمد اظہر تارڑ	بک سن پرنٹنگ پریس	-	۳۴	۸x۱۰.۶
۱۷۷۔	الاخوۃ	اہل حدیث پاکستان کا ترجمان	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	ابوبکر صدیق حضوری	احد پرنٹنگ پریس لاہور	۲۰ روپے	۴۰	۷.۲x۱۰.۲
۱۷۸۔	ضرب طیبہ	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	حمید الحسن	جدید پریس	۱۲ روپے	۵۱	۱۰.۷x۷.۹
۱۷۹۔	خیر البشر	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۰ء	ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد یونس	لاہور آرٹ پریس	۱۵ روپے	۳۴	۱۰.۸x۷.۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۸۰۔	التبیٰ الخاتم	علمی و تحقیقی	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۰ء	-	کراچی یونیورسٹی پریس	-	۱۲۰ انگریزی ۱۵۸ اردو	۷.۱x۹.۷
۱۸۱۔	دعوت اہل حدیث	اہل حدیث	-	حیدرآباد	۲۰۰۱ء	حافظ عبدالحمید گوندل	-	۱۰ روپے	-	۹.۵x۷.۳
۱۸۲۔	ندائے خیر	دینی معلوماتی اصلاحی مجلّہ	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۱ء	خواجہ احمد الرحمٰن	-	۲۰ روپے	۴۸	۷.۲x۹.۳
۱۸۳۔	ظلال القرآن	قرآن وسنت پر مبنی مضامین	ماہنامہ	اسلام آباد	۲۰۰۱ء	شاہ شیرازی	ایف آئی پرنٹرز	۲۰ روپے	۱۱۴ انگریزی ۱۳۱ اردو ۵ عربی	۹.۳x۷.۲
۱۸۴۔	عالمی امامیہ خبرنامہ	اہل تشیع	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۱ء	اے ایس حسینی	-	۱۵ روپے	۳۴	۷.۲x۹.۵
۱۸۵۔	مولانا مصلح الدین	-	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۱ء	شیخ شہزاد احمد قادری	شعبۂ نشر واشاعت جماعت اہل سنت	۲ روپے	۶۴	۸.۲x۵.۳
۱۸۶۔	انوار رحمانی	درس قرآن و حدیث	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۱ء	حافظ اعجاز الوارث ممتازی	-	-	۶۴	۷.۲x۹.۴
۱۸۷۔	منبر اسلام	مدرسہ عربیہ اسلامیہ مظہر العلوم	-	-	۲۰۰۲ء	مولانا محمود الحسن	الصادق چھاپ گھر	۳۰ روپے	۸۰	۷.۱x۹.۵
۱۸۸۔	المظہر	سلسلہ مجددی نقش بندی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۲ء	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری	-	-	۴۸	۵.۳x۸.۲
۱۸۹۔	ندائے الجامعہ	علمی دعوتی	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۲ء	شفیق الرحمٰن فرخ	عبداللہ آرٹ پریس	۲۵ روپے	۴۸	۷x۹.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۹۰۔	صوت الاسلام	قادیانیت کے خلاف مضامین	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۲ء	ڈاکٹر عامر عبداللہ محمدی	قریشی آرٹ پریس	۱۵۰	۵۰	۸x۱۱
۱۹۱۔	اعتزال	مذہبی مضامین	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۳ء	جیلانی قریشی	-	۲۰ روپے	۴۸	۸.۳x۵.۵
۱۹۲۔	الضیاء	مذہبی امور سے متعلق مضامین	سہ ماہی	فیصل آباد	۲۰۰۳ء	شہزادہ ریحان محمود ضیاء	-	۱۲ روپے	۳۴	۱۰.۷x۷.۷
۱۹۳۔	مسیحائی	-	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۳ء	حافظ سید عزیز الرحمٰن	خرم پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۱۷۶	۸x۱۰.۶
۱۹۴۔	تحریک الایمان	-	ماہنامہ	گجرات	۲۰۰۳ء	ڈاکٹر عامر شہزاد	مطبع اخوان پرنٹرز	-	-	۱۰.۸x۸.۱
۱۹۵۔	عالمی امامیہ میگزین	اہل تشیع	-	-	۲۰۰۳ء	الحاج سید آصف شاہ حسینی	-	-	۳۹	۹.۵x۷.۳
۱۹۶۔	چراغ اسلام	مذہبی مضامین	ماہنامہ	-	۲۰۰۳ء	مولانا ضیاء الرحمٰن	میٹرو پرنٹرز لاہور	-	۱۴۴	۸.۲x۵.۸
۱۹۷۔	زاد راہ	-	-	فیصل آباد	۲۰۰۴ء	مولانا صابر سرہندی	ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس	-	۲۶	۹.۴x۷.۱
۱۹۸۔	ارمغان حمد	مذہبی مضامین	-	کراچی	۲۰۰۴ء	حافظ محمد نعمان طاہر	احمد برادرز	۷۰ روپے	۴۸	۸.۵x۵.۶
۱۹۹۔	فکر مستقبل	نعت، قرآن جدید علوم	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۴ء	پروفیسر محمد عارف خان	-	-	۹۶	-

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۰۰۔	المہدی	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	سید حسنین رضا شیرازی	کوہ نور پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	-	۸x۱۰.۷
۲۰۱۔	المقصود	اہل بیت سے متعلق مضامین	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۴ء	محمد ابرار نقشبندی	-	۱۰ روپے	۵۶	-
۲۰۲۔	مدینۃ العلم	-	ماہنامہ	-	۲۰۰۴ء	قاری محمد الیاس مدظلہ	ظفر پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۴۸	۶.۱x۹.۳
۲۰۳۔	ملّیہ فیصل آباد	-	ماہنامہ	فیصل آباد	۲۰۰۴ء	حماد الرحمٰن لدھیانوی	-	۲۰ روپے	۴۸	۶x۹.۲
۲۰۴۔	ملّیہ	-	ماہنامہ	-	۲۰۰۴ء	ابن رئیس مولانا حبیب الرحمٰن	ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۴۸	۹.۲x۶.۱
۲۰۵۔	بیداری	-	ماہنامہ	حیدر آباد	۲۰۰۴ء	محمد وموسیٰ بھٹو	یادگار پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۸۰	۸.۹x۵.۴
۲۰۶۔	کنز الایمان	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	محمد رضوان قادری	محمد نسیم چاچا پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۶۴	۵.۳x۸.۲
۲۰۷۔	علم و آگہی	-	ماہنامہ	فیصل آباد	۲۰۰۴ء	محمد سرور طارق	-	-	۳۲	۱۰.۷x۸.۴
۲۰۸۔	نداء اسلام	دوس قرآن	ماہنامہ	پشاور	۲۰۰۴ء	مرزا حبیب الرحمٰن بیگ	آفاق پرنٹنگ پریس	-	۳۲	۸.۴x۱۱
۲۰۹۔	معراج انسانیت	ہادی عالم ٹرسٹ کا ترجمان	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	پروفیسر ڈاکٹر اے امتیاز	عوامی اخبار پرنٹرز	۳۰ روپے	۵۰	۷x۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۱۰۔	الرجیل	-	سہ ماہی	اسلام آباد	۲۰۰۴ء	ڈاکٹر محمد رفیق مرزا	-	-	۴۰	۹.۴x۶.۳
۲۱۱۔	علم و عمل	-	ماہنامہ	فیصل آباد	۲۰۰۴ء	خالد اشرف	-	۶ روپے	۳۰	۷x۹.۵
۲۱۲۔	الصدید	-	سہ ماہی	لاہور	۲۰۰۴ء	معظم الحق محمودی	-	۵۰ روپے	۹۶	۸.۹x۶
۲۱۳۔	الدعوۃ الخاتۃ	-	ماہنامہ	-	۲۰۰۴ء	-	عنا پرنٹرز	-	۳۶	۸.۳x۵.۴
۲۱۴۔	علوم اسلامیہ	-	ششماہی	-	۲۰۰۴ء	ڈاکٹر شیر احمد صاحب	خرم پرنٹنگ پریس	-	۸۴۸	۸.۴x۵.۶
۲۱۵۔	امیر اہلسنت	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	حافظ محمد وسیم قادری	-	۱۲ روپے	۴۸	۷x۹
۲۱۶۔	بیداری	مذہبی مضامین	-	حیدرآباد	۲۰۰۴ء	محمد موسیٰ بھٹو	یادگار پرنٹنگ پریس	-	۸۰	۸.۴x۵.۴
۲۱۷۔	الحمود	تفسیر قرآن	-	جھنگ	۲۰۰۴ء	غلام اللہ انور	-	-	۳۲	۵.۵x۸.۲
۲۱۸۔	روح بلند	جدید طرز زندگی اور اسلام	-	لاہور	۲۰۰۵ء	کرنل ریٹائر عبدالعظیم	گنج شکر پرنٹرز لاہور	-	۶۴	۹.۲x۶.۲
۲۱۹۔	مدینۃ المنورہ	سلامی و اصلاحی تصانیف	-	کراچی	۲۰۰۶ء	مفتی ثناء الرحمٰن	-	۳۰ روپے	۱۳۲ اردو ۱۱۲ انگریزی	۸.۳x۱۰.۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۲۰۔	فلاح دارین	دارالعلوم فلاح درفیف کا ترجمان	-	کراچی	۲۰۰۶ء	مفتی شاہ الرحمٰن	-	۲۰ روپے	۴۸	۵.۲x۸.۲
۲۲۱۔	المفکر ۃ الاسلامیہ	عالم اسلام کے مضامین	سہ ماہی	گجرات	۲۰۰۶ء	محمد عمر عثمانی، محمد عثمان حیدری	روزن پرنٹرز گجرات	۱۰ روپے	۵۲	۵.۳x۸.۲
۲۲۲۔	سلطان الفقر	اولیائے کرام کے بارے میں مضامین	-	لاہور	۲۰۰۶ء	محمد اسد خان سروری	آرٹی پرنٹرز	۳۰ روپے	۵۲	۱۰.۹x۸
۲۲۳۔	الاسلام	مذہبی و اصلاحی مضامین	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۶ء	عمران احمد قریشی	نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز	۲۰ روپے	۲۶	۵.۵x۷.۸
۲۲۴۔	فقاہت	مذہبی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۷ء	عبدالوحید اشرفی	اے این اے پرنٹرز	۲۰ روپے	۳۲	۹.۳x۷.۱
۲۲۵۔	ندائے آل عمران	تنظیم غلامان آل عمران	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۷ء	الحاج ممتاز علی مرزا	معراج پریس	۵۰ روپے	۱۱۲	۷x۹.۳
۲۲۶۔	عبادالرحمٰن	اصلاحی مضامین	ماہنامہ	ملتان	۲۰۰۷ء	حبیب الرحمٰن	سلامت اقبال پریس ملتان	۱۰ روپے	۳۲	۸.۴x۵.۵
۲۲۷۔	پیام حرم	تعلیمات اسلامی پر مضامین	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۷ء	علامہ مولانا اختر حسین نقشبندی	خرم پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۵۶	۷.۱x۹.۱
۲۲۸۔	نوائے افغان جہاد	مذہبی مضامین	ماہنامہ	-	۲۰۰۷ء	-	-	۱۵ روپے	۵۶	۱۰.۷x۷.۸
۲۲۹۔	پیام حق	-	ماہنامہ	نوشہرہ	۲۰۰۸ء	مولانا محمد اویس	-	-	-	۹.۳x۶.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۳۰۔	عفیفہ	مذہبی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	نورین امانت	گنج شکر پرنٹرز	۱۰ روپے	۳۲	۸.۳x۵.۴
۲۳۱۔	ندائے اجود	اسلامی تحقیقی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	حافظ محمد توصیف عباسی	عکاظ پرنٹرز لاہور	۳۰ روپے	۹۳	۵.۳x۸.۳
۲۳۲۔	خزینہ علم وعمل	دینی معلومات	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	حافظ علی مقبول	محمدی پرنٹرز	۲۰ روپے	۴۸	۹.۲x۷.۱
۲۳۳۔	الغفور	درس قرآن کریم	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	مولانا عبدالغفور سروہی	۔	۱۰ روپے	۳۲	۸.۱x۵.۵
۲۳۴۔	اذان فجر	سیاسی ومذہبی مضامین	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۸ء	ڈاکٹر محمد عزیز	کمالی پرنٹرز پریس	۲۰ روپے	۵۱	۱۲x۸
۲۳۵۔	افق	مذہبی شخصیت نگاری	۔	کراچی	۲۰۰۸ء	السید عقیل انجم	۔	۲۵ روپے	۔	۱۱x۸
۲۳۶۔	ایوان اسلام	مذہبی واصلاحی	۔	کراچی	۲۰۰۹ء	مولانا مفتی ابوزرمحی الدین	الجنت پرنٹنگ پریس	۴۰ روپے	۴۶	۱۰.۹x۸
۲۳۷۔	نوائے انوار مدینہ	صحابۂ کرام کی زندگی	۔	لاہور	۲۰۰۹ء	صوفی محمد شوکت علی قادری	الرحیم پیکجز		۶۲	۵.۳x۸
۲۳۸۔	نور علےٰ نور	مشاہیر اسلام کے حالات زندگی	۔	فیصل آباد	۲۰۰۹ء	مولانا عبدالرشید انصاری	ظفر اینڈ فضل انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۴۳	۷.۷x۱۰.۹
۲۳۹۔	کاروان ملت	۔	۔	اسلام آباد	۲۰۰۹ء	عنایت الرحمٰن فریدی	نیو یونائیٹڈ پریس	۱۵ روپے	۴۸	۲.۳x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۳۳۰۔	الایام	مذہبی نیم ادبی	ششماہی	کراچی	۲۰۱۰ء	ڈاکٹر نگار	مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ	۲۰۰ روپے	-	۸.۴x۵.۵
۳۳۱۔	الاقتصاد	مذہبی اسلامی مضامین	ششماہی	-	۲۰۱۱ء	ابوالفقیل	-	-	۱۷۶	۸.۵x۵.۹
۳۳۲۔	عالمی ترجمان قران	-	ماہنامہ	لاہور	۲۰۱۱ء	پروفیسر خورشید احمد	-	۳۰ روپے	۱۱۲	۸.۲x۵.۳
۳۳۳۔	تدبر	تفاسیر وتبصرے	-	لاہور	-	عبداللہ غلام احمد	ادارہ تدبر القرآن	۱۵ روپے	۵۶	-
۳۳۴۔	اخلاص	شرعی تصوف	-	کراچی	-	فیصل عزیز خان	-	۳۰ روپے	۴۸	۵.۵x۸.۳
۳۳۵۔	نوائے ملک	-	-	کراچی	-	شاہنواز ملک	قریشی آرٹ	۱۵ روپے	۳۲	۹.۵x۷.۲
۳۳۶۔	اہلسنت	-	-	گجرات	-	محمد جمیل عظمی	-	۲۰ روپے	۴۰	۷.۳x۹.۲
۳۳۷۔	تبیان	اسلامی مسائل کا جائزہ	-	مردان	-	مولانا سلیم شاہ	جدون پرنٹنگ پریس	۱۵ روپے	۳۶	۸.۷x۵.۶
۳۳۸۔	صدائے ثقلین	مضامین	سہ ماہی	-	-	-	-	۵۰ روپے	-	۶.۵x۹.۳
۳۳۹۔	الحنیف	مضامین جامعہ حنیفہ کا ترجمان۔	-	-	-	-	-	۱۵ روپے	۵۲	۱۰.۶x۸

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۵۰۔	مہر منیر	مذہبی رسالہ	-	اسلام آباد	-	حافظ شیخ عبدالحمید چشتی	-	۴۰روپے	۵۰	-
۲۵۱۔	الحامد	جامعہ مدینہ لاہور	-	-	-	-	-	۲۰روپے	۶۴	۹.۳x۶.۳
۲۵۲۔	ضیاء القرآن و السنۃ	-	-	فیصل آباد	-	حافظ ذوالقرنین بیگ	-	۱۰روپے	۲۶	۱۰.۸x۸.۴
۲۵۳۔	صدائے اسلام	-	سہ ماہی	-	-	مولانا عبدالحمید لدھیانوی	-	-	-	-
۲۵۴۔	اسلام	-	-	-	-	قاضی محمد انعام اللہ علیگ	-	-	۱۵آنے	۹.۵x۷.۲
۲۵۵۔	اخوۃ اسلامیہ	-	ہفت روزہ	-	-	محمد اسحاق ظفر	عابد حسن پرنٹرز	۲روپے	-	۱۰.۸x۸.۸
۲۵۶۔	پکار	-	-	کراچی	-	فریحہ مبارک	نظامی پریس کراچی	۷روپے	۹۸	۹.۳x۷.۲
۲۵۷۔	البنوریہ	-	-	کراچی	-	مفتی محمد نعیم	-	۱۲روپے	۱۳۸اردو ۱۲انگریزی	۱۰.۸x۸
۲۵۸۔	الاحسن		ماہنامہ	کراچی	-	مفتی محمد زاری		۲۵روپے	۶۴	۹.۴x۶.۴
۲۵۹۔	فیضان حرم	کتابوں پر تبصرہ	-	حیدرآباد	-	یسریٰ قادر	-	-	۴۴	۷.۲x۹.۱
۲۶۰۔	آئینہ عام	-	-	گوجرانوالہ	-	حافظ اعلیٰ حافظ	المطبعۃ العربیہ محمد درس قرآن	-	۸۰	۸.۱x۵.۶

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۶۱۔	نداء اسلام	درس قرآن	ماہنامہ	پشاور	۲۰۰۴ء	مرزا حبیب الرحمٰن بیگ	آفاق پرنٹنگ پریس	۔	۳۲	۸.۴×۱۱
۲۶۲۔	معراج انسانیت	ہادی عالم ٹرسٹ	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	پروفیسر ڈاکٹر آرائے امتیاز	عوامی اخبار پرنٹرز	۳۰ روپے	۵۰	۷×۹

کھیلوں کے رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	اخبار وطن	کرکٹ	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۵ء	منیر حسین	فلک پرنٹنگ پریس کراچی	۱۲ روپے	۱۲۴	۱۰.۵x۷.۵
۲۔	کرکٹر	کرکٹ	ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۸ء	منصور علی بیگ	ابن حسن آفسٹ پرنٹنگ پریس کراچی	۱۵ روپے	۱۰۴	۷.۵x۱۰.۵
۳۔	اسپورٹس بلیٹن	-	ہفت روزہ	کراچی	۱۹۹۴ء	مرزا محمد ساجد	ذکی پرنٹر پریس کراچی	۵ روپے	۱۹	۱۶.۳x۱۰.۹
۴۔	اسپورٹس نیوز	-	ماہنامہ	-	-	رؤف شیرازی	ملت پرنٹنگ پریس کراچی		۴۲	۱۰.۷x۷.۷

علمی، تعلیمی و سائنسی رسالے، ۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	آموزش	علمی	ماہنانہ	لاہور	۱۹۴۸ء	بشیر ہاشمی	علمی پرنٹنگ پریس	دس آنے	۷۲	-
۲۔	رضوان	علمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	سید محمود احمد رضوی	تعلیمی پریس لاہور	۵۰ روپے	۵۲	۹.۳x۶.۱
۳۔	ترجمان افکار	علمی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۱ء	اعظم ہاشمی	برقی پریس کراچی	آٹھ آنے	۴۴	۹x۶.۷
۴۔	اقبال	علمی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۵۳ء	ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار	حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور	۱۵۰	۱۶۸ اردو ۱۲۷ انگریزی	۹.۳x۶.۱
۵۔	انجمن اسلامیہ میگزین	علمی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۸ء	انتظام اللہ شہابی	مطبع سعیدی کراچی	۸ آنے	۶۴	۶.۱x۹.۱
۶۔	آفتاب مشرق	علمی	ہفت روزہ	بہاولپور	۱۹۵۸ء	حیات میرٹھی	عزیز المطابع بہاولپور	ایک روپیہ	۶۴	۷.۱x۸.۹
۷۔	طالب علم	علمی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۵۸ء	برکات عالم	ادبی پریس	۶ آنے	۳۰	۱۴.۵x۹.۶
۸۔	اقبالیات	علمی	سہ ماہی	-	۱۹۵۹ء	محمد سہیل سحر		۳۰ روپے	۱۵۵	۶.۳x۹.۵
۹۔	جدید سائنس	سائنس	-	-	۱۹۶۱ء	نعیم الحسن نقوی	انجمن پریس	۱۰ روپے		۷.۳x۹.۶
۱۰۔	مجلہ تحقیقات پاکستان	علمی، تعلیمی	-	لاہور	۱۹۶۳ء		مطبع فیروز لاہور	-	۱۰۸	۹.۱x۶.۱
۱۱۔	کتاب	علمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۶۵ء	ذوالفقار احمد تابش	جمیل پرنٹرز لاہور	۵ روپے	۴۸	۹.۳x۷.۲
۱۲۔	عملی سائنس	تکنیکی	ماہنامہ	-	۱۹۷۰ء	سلمان بن یوسف	ابن حسن پرنٹنگ پریس	-	-	۱۱x۸
۱۳۔	تعلیمات	تعلیمی	ماہنامہ	-	-	-	النور پرنٹرز لاہور	۲ روپے	۴۸	۹.۳x۶.۱

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	وحدت اسلامی	تعلیمی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۵ء		-	-	۶۰	۸.۵x۱۱
۱۵۔	تعلیمی زاویے	علمی، تعلیمی	سہ ماہی	-	۱۹۸۹ء	محمد ابراہیم خالد		۱۵۰ روپے	۱۲۰	۶.۱x۹.۲
۱۶۔	تہذیب و روایت	علمی، تعلیمی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۹۰ء	محمد سہیل عمر	طیب اقبال پرنٹرز لاہور	۲۵ روپے	۷۴۶	۵.۴x۸.۲
۱۷۔	انٹرنیشنل جرنل آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ	علمی، تعلیمی	-	کراچی	۱۹۹۶ء	فاروق جویش	تحقیق پبلیکیشنز	۱۰۰ روپے	۱۳۲ انگریزی ۱۶۴ اردو	۹.۷x۷.۲
۱۸۔	گلوبل سائنس	علمی، تعلیمی	-	-	۱۹۹۷ء	وسیم احمد		۵۵ روپے		۹.۷x۷.۴
۱۹۔	الاقرباء	علمی، تعلیمی	سہ ماہی	اسلام آباد	۱۹۹۷ء	سید منصور عاقل	مطبع ضیاء پرنٹرز اسلام آباد	۲۰۰ روپے	۲۲۸	۹.۲x۶.۲
۲۰۔	تعمیر افکار	علمی، تعلیمی	-	-	۱۹۹۹ء	حافظ حقانی میاں قادری	احمد برادرز پرنٹرز کراچی	۲۵ روپے	۶۴	
۲۱۔	معارف اسلامی	علمی، تعلیمی	ششماہی	اسلام آباد	۲۰۰۱ء	ڈاکٹر محمد سجاد	مطبع مارشل پرنٹنگ پریس		۱۴۱ اردو ۳۲ انگریزی	۹.۴x۶
۲۲۔	ٹیچر	علمی، تعلیمی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۱ء	زبیر احمد خان	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۲۵ روپے	۸۵	۸.۱x۱۱
۲۳۔	اردو سائنس میگزین	علمی، تعلیمی	سہ ماہی	-	۲۰۰۳ء	فیضان اللہ خان	غلام اینڈ سنز لاہور	۴۰ روپے	-	۹.۷x۷
۲۴۔	شاہراہ تعلیم	علمی، تعلیمی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۴ء	عبدالخالق محمود				
۲۵۔	مجلہ تحقیق معاشرتی علوم	علمی، تعلیمی	ششماہی	-	۲۰۰۴ء				۱۱۱۲ اردو ۱۶۰ انگریزی	۹.۳x۶.۹

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۶۔	التفسیر	-	سہ ماہی	کراچی	۲۰۰۶ء	ڈاکٹر محمد شکیل اوج		۵۰ روپے	۱۰۵ اردو ۲۳ انگریزی	-
۲۷۔	شاہکار میگزین	علمی، تعلیمی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۶ء	سید قاسم محمود	شرکت پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۵۸	۸x۱۰.۸
۲۸۔	اسکول لائف	علمی، تعلیمی	-	-	-	ضمیر آفاقی	تایا پرنٹرز	۲۰ روپے		۱۰.۵x۷.۸
۲۹۔	نظم کائنات	علمی، تعلیمی	-	کراچی	-	شاہین حبیب	خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز	۵۵ روپے		۱۰x۷.۲
۳۰۔	تعلیم نامہ	علمی، تعلیمی	سہ ماہی	کراچی	-	حسین منصور	-	-		۱۱x۸.۹
۳۱۔	السیر قوعالمی	علمی، تعلیمی	ششماہی	-	-	سید فضل الرحمٰن	مطبع اڑان پرنٹنگ پریس	۲۰۰ روپے		
۳۲۔	آواز	علمی، تعلیمی	سہ ماہی			شعیب عادل	مطبع زاہد بشیر پرنٹرز	۸۰ روپے	۳۴۴	
۳۳۔	التعلیم	علمی، تعلیمی	-	-	-	سید ضمیر اختر نقوی	-	۲۵۰ روپے	۲۸۶ اردو ۱۱۸ انگریزی	۸.۵x۵.۶
۳۴۔	معارف مجلہ تحقیق	-	-	-	-	محمد اسحاق منصور	-	۲۰۰ روپے	۱۱۲ اردو ۱۸۰ انگریزی	-
۳۵۔	تعلیم نامہ	-	سہ ماہی			حسین منصور	-	-	-	۱۱x۸.۹
۳۶۔	ہماری دنیا	تدریسی وتربیتی	پندرہ روزہ	راولپنڈی	۱۹۹۴ء	ایڈون ٹیکسن	-		-	۱۱.۲x۸.۸
۳۷۔	العلم	-	سہ ماہی	کراچی	۱۹۵۱ء	سید مصطفٰی علی بریلوی	مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی	۸۰ روپے	-	-
۳۸۔	افکار معلم	اسلام نظام تعلیم	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۷ء	پروفیسر راؤ جلیل احمد	مطبع میٹرو پریس لاہور	۲۰ روپے	-	۸.۳x۵.۳

تجارتی رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	معاشیات	تجارت	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۶ء	۔	انجمن ترقی اردو	۱۲ پیسے	۴۰	۷.۲x۹.۶
۲۔	بینکاری	بینکاری	ماہنامہ	۔	۱۹۸۲ء	محمد اجمل	ابن حسن پرنٹنگ پریس، کراچی	۲۰ روپے	۵۰	۱۱.۱x۸.۱
۳۔	معیشت ٹیکنالوجی	صنعت	ماہنامہ	۔	۱۹۸۶ء	طلعت فریدی	۔	۲۰ روپے	۷۲	۸.۴x۱۱
۴۔	التجارۃ	تجارتی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	مرتضیٰ غنی	سپاری والا بلڈنگ کراچی	۔	۴۴	۱۰.۷x۸.۲
۵۔	امید	تجارتی	ماہنامہ	کراچی	۔	۔	ڈان پرنٹنگ پریس	۔	۱۶	۱۱.۱x۸.۱

شوبزنس سے متعلقہ رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱	عکاش	فلمی	ماہنامہ	لاہور	۔	طاہر میر	میر ملاپ پریس لاہور	آٹھ آنے	۸۶	۷.۵x۹.۷
۔۲	فلم لائٹ	فلمی خبریں	ماہنامہ	۔	۱۹۳۷ء	خان عیسیٰ غزنوی	نقوش پریس لاہور	ساٹھ پیسے	۹۴	۷x۹.۱
۔۳	آہنگ	ریڈیو	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۴۷ء	عابدہ خالد	فیروز سنز کراچی	۵ روپے	۔	۱۰.۵x۷.۵
۔۴	الماس	فلمی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۸ء	۔	حجازی پریس لاہور	آٹھ آنے	۶۰	۹.۵x۷.۱
۔۵	احساس	۔	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۴۹ء	انور حمید	دین محمد پریس لاہور	۶ روپے		۱۴.۵x۹.۶
۔۶	فلم آباد	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۵۰ء	ایس آئی وحید	ڈان کمرشل پرنٹنگ کراچی	۸ آنے	۶۲	۸.۶x۱۰.۷
۔۷	تلاطم	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۵۰ء	ایچ اے مسرت دہلوی	۔	۔	۷۴	
۔۸	پکچر	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۵۶ء	نظر زیدی	پاکستان ٹائمز پریس لاہور	۳ روپے		۸.۵x۶.۵
۔۹	پکچر	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۷ء	شباب کیرانوی	رشید آرٹ پریس	۶۰ پیسے	۔	۹.۴x۷
۔۱۰	مصور	۔	ہفت روزہ	۔	۱۹۷۱ء		ابوالمعالی پرنٹر	۳ روپے	۱۸	۱۵.۹x۱۱
۔۱۱	ٹی وی ٹائمز	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۴ء	جاوید صباء	۔	۳۰ روپے	۹۶	۸x۱۰.۸
۔۱۲	ملاقات	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۵ء	یونس ہمدم کراچی	احمد برادرز	۱۰ روپے	۹۰	۸.۱x۱۰.۴
۔۱۳	ایشیا	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۵ء	منیر حسین	فلک پرنٹنگ پریس کراچی	۲۵ روپے	۱۰۸	۸x۱۰.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	موسیقی	موسیقی	سہ ماہی	لاہور	۱۹۸۷ء	غزالہ عرفان	سلمان آرٹ پریس لاہور	۶۰ روپے	۵۶	۸.۴x۱۰.۷
۱۵۔	ثمر	فلمی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۸ء	عمران احمد	خرم پرنٹنگ پریس کراچی	۱۵ روپے	۲۸	۸.۱x۱۰.۳
۱۶۔	جلوہ	۔	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء	صبا پرویز	رہبر پرنٹرز	۲۰ روپے	۱۲۲	۷.۸x۱۱
۱۷۔	اسٹار اینڈ اسٹائل	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۸۸ء	حنیف سحر	۔	۶۰ روپے	۹۸	
۱۸۔	آڈیو ویڈیو سیٹلائٹ	۔	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۵ء	عمر خطاب خان	محمود کیمپین گرافکس کراچی	۵۰ روپے	۸۲	۸.۱x۱۰.۸
۱۹۔	رومان	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۵۰ء	جاوید غنی دہلوی	آفسٹ پریس کراچی	۸ روپے	۱۰۰	۹.۱x۷
۲۰۔	بی فور میڈیا	۔	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۶ء	بلقیس سیما	کراچی یونیورسٹی پریس		۱۸ اردو ۱۲ عربی ۱۲۴ انگریزی	۸.۵x۱۰.۹

زرعی رسائل

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	ٹریکٹر	زرعی	ماہنامہ	۔	۱۹۵۳ء	۔	۔	چار آنے	۲۴	۸.۹x۶.۸
۲۔	اپنی زمین	زرعی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۶ء	عدیم ہاشمی	پرنٹو گراف لاہور	۵روپے	۶۸	۱۰.۷x۸.۴
۳۔	ایگری ریسرچ	زرعی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	مرزا انیس بیگ	الیاس سنز کراچی	۱۰روپے	۴۲	۔

طبی رسائل

۱۹۴۷ء سے تاحال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	اسرار حکمت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۴۷ء	حکیم عبدالرشید چوہان	مختار اینڈ سنز لاہور	۱۵ روپے	۳۲	۷.۱x۹.۳
۲۔	صحت	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۸ء	حکیم سید احمد عثمانی	-	-	-	۷x۹.
۳۔	طبی میگزین	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء		سعیدی قرآن محل	۷۵ پیسے	۳۲	۹.۵x۷.۳
۴۔	مجلہ طبیہ	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۰ء	-	لاہور آرٹ پریس		۱۶	۹.۳x۶.۳
۵۔	مشیر الصحت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۲ء	حکیم منور الحق خان لودھی	مکتبہ جدید پریس لاہور	سالانہ ۱۰۰ روپے	۸	۷.۳x۱۰
۶۔	اخبار الطب	طبی	پندرہ روزہ	کراچی	۱۹۵۴ء	حکیم نعیم الدین زبیری		۲ روپے	۴۷	۷.۲x۹.۳
۷۔	صحت وحیات	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۵۶ء	چودھری جلال الدین	گلزار عالم پریس	سالانہ سات روپے ہے	۶۰	۷.۳x۹.۳
۸۔	راہنمائے صحت	طبی	ماہنامہ	فیصل آباد	۱۹۵۷ء	ڈاکٹر زاہد اشرف	ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۳۴	۷.۱x۹.۲
۹۔	قومی صحت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۷۰ء	اقبال احمد قریشی	نیو لائٹ پریس لاہور	۲۵ روپے	۴۸	۷x۹.۶
۱۰۔	مداوا	طبی	ماہنامہ	لائل پور	۱۹۷۱ء	ڈاکٹر محمد صدیق اکبر	نفیس پرنٹنگ پریس	سوا روپیہ	۵۰	۷x۹.۳
۱۱۔	کمال سکھ	ہومیو پیتھک	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۷۴ء	ڈاکٹر پرویز اختر صدیقی	ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی	۳۰ روپے	اردو ۲۶ انگریزی ۸	۷.۲x۹.۶
۱۲۔	ترجمان نظریہ مفرد اعضاء	طبی	ماہنامہ	ملتان	۱۹۷۴ء	-	الیکٹرک پریس ملتان	۲ روپے	۱۶	۹.۶x۷.۱
۱۳۔	معالج	-	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳ء	منصور یوسف	ایم پریس پرنٹرز	۱۵ روپے	۴۰	۷.۲x۹.۵

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	روشِ طب	طبی	-	دادو	۱۹۸۱ء	عبدالحمید اخوند	قلندری پرنٹنگ پریس	۲۰ پیسے	۳۲	۹.۹x۷.۵
۱۵۔	الحکمت	طبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۸۲ء	حکیم غلام یزدانی قریشی	مطبع حبیبیہ پبلیکیشنز	۳۰ روپے سالانہ	۳۲	۹.۳x۷.۲
۱۶۔	اجالا	پاکستان آئی بینک	-	کراچی	۱۹۸۴ء	-	مشا پرنٹنگ پریس	-	-	۱۱x۸.۵
۱۷۔	دنیائے طب	طبی	-	کراچی	۱۹۸۵ء	ڈاکٹر حسین مرزا	مطبع یقین آرٹ پریس	۱۰ روپے	-	۱۷.۸x۱۱.۳
۱۸۔	آدرش	طبی	-	کراچی	۱۹۸۶ء	شائستہ سیف	-	۱۰ روپے	-	۱۱x۸
۱۹۔	الشفا	طبی	-	ملتان	۱۹۸۶ء	-	نوبہارستان پرنٹنگ پریس	۵ روپے	۴۸	۹.۴x۶.۲
۲۰۔	ذیابیطس اور صحت	طبی	سہ ماہی	کراچی	۱۹۸۸ء	ڈاکٹر نجیب خان	مطبع ایجوکیشنل پریس		۷	۱۳.۷x۹.۸
۲۱۔	قانون مفرد اعضاء	طبی	ماہنامہ	دیناپور	۱۹۸۸ء	حکیم محمد الیاس	مشرقی پریس ملتان	۳۵۰ سالانہ	۱۳۲	۷.۲x۹.۳
۲۲۔	حکیم حاذق گجرات	طبی	ماہنامہ	گجرات	۱۹۸۸ء	حکیم ثناء اللہ	سلمان تیمور پرنٹرز	۲۰ روپے	۳۴	۷.۱x۹.۳
۲۳۔	مشیر الحکماء	طبی	ماہنامہ	جھنگ	۱۹۸۹ء	حکیم سید تقی جی یٰسین شاہ	سلطان باہو پرنٹنگ پریس		۴۴	۷.۳x۹.۵
۲۴۔	دی ورلڈ میں انٹرنیشنل	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۸۹ء	قاضی ایم اے خالد	اردو آرٹ پریس لاہور	۲۵ روپے	۱۴۳ اردو ۱۱۱ انگریزی	۷x۹.۲
۲۵۔	ذیابیطس	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	بیگم ز۔ح خواجہ	ماس پرنٹرز		۱۸	۱۱.۱x۷.۸
۲۶۔	چشمۂ شفاء	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۰ء	ڈاکٹر اسلام حمید	-	۶ روپے	اردو ۴۸ انگریزی ۹	۷.۲x۹.۲

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۷۔	مجلّہ طبیہ	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۰ء	حکیم وید محمد جمیل خان	-	۱۳۲	-	۷.۱x۹.۴
۲۸۔	مخلص	طبی	سہ ماہی	ملتان	۱۹۹۳ء	حکیم غلام یزدانی	سید الیکٹرک پریس ملتان	۱۰ روپے	۲۴	۷.۳x۹.۱
۲۹۔	ضیاء الحکمت	طبی	ماہنامہ	-	۱۹۹۴ء	حکیم ضیاء الرحمٰن	خورشید آفاق پرنٹنگ پریس		۳۲	۷x۹.۳
۳۰۔	صدائے قاسمی	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۴ء	حکیم نسیم احمد قاسمی	ماس پرنٹرز ناظم آباد		۵۲	۷.۲x۹.۳
۳۱۔	جہاں طب	طبی	ماہنامہ	پاک پتن	۱۹۹۵ء		طیب اظہار پرنٹرز	۱۵ روپے	۳۲	۷.۱x۹.۳
۳۲۔	ہومیو پیتھک ورلڈ	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۶ء			۸ روپے	۱۲	۱۱.۲x۱۰
۳۳۔	نبض	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۶ء		فضلی سنز کراچی	۳۵ روپے	۱۱۲	۵.۵x۸.۱
۳۴۔	ندائے قاسمی	طبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۱۹۹۷ء	حکیم محمد قاسم صدیقی	ہمراز پرنٹرز کراچی	۱۰ روپے	۵۲	۷.۹x۹.۲
۳۵۔	صحت و دوا	طبی	ماہنامہ	میانوالی	۱۹۹۷ء	گلزار خالد رانا	سعادت آرٹس پریس لاہور	۱۲ روپے	۳۲	۷.۱x۹.۴
۳۶۔	روشناس	طبی	ہفت روزہ	گجرات	۱۹۹۷ء	وحید اختر ثنائی	سلمان تیمور پرنٹرز	۵ روپے	۴	۱۱.۳x۷.۳
۳۷۔	اجمل	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۸ء		گلستان آرٹ پریس لاہور	۱۰ روپے	۳۱	۷.۲x۹.۴
۳۸۔	اخبار صحت	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء	ڈاکٹر غزالہ حکیم	-	۲۵ روپے	۱۳۶ اردو ۴ انگریزی	۷.۲x۹.۳
۳۹۔	نوائے ہومیو پیتھی	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۸ء	سید افتخار حسین شاد	-	۱۰۰ روپے	۱۱۴ اردو ۲ انگریزی	۷.۳x۹.۷

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۴۰۔	ہومیوٹائمز	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۸ء	ڈاکٹر سید راشد علی	اظہر پرنٹرز لیاقت آباد	۱۵ روپے	۱۳۰ اردو ۱۴ انگریزی	۸x۱۰.۷
۴۱۔	مرحبا صحت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۱۹۹۹ء	حکیم محمد عثمان	الحنیف آرٹ پرنٹرز	۲۰ روپے	۴۲	
۴۲۔	جہان صحت	طبی	ماہنامہ	کراچی	۱۹۹۹ء	مجاہد قریشی	دارین پرنٹنگ پریس	۱۲۵ روپے	۲۶	۸.۳x۱۰.۸
۴۳۔	شفا نیوز	طبی	ماہنامہ	اسلام آباد	۲۰۰۰ء	ڈاکٹر اظہر احمد	-	۸۵ روپے	۱۳۸ اردو ۲۰ انگریزی	۸x۱۰.۹
۴۴۔	محبوب طب	طبی	ماہنامہ	اوکاڑہ	۲۰۰۰ء	حکیم محمد اقبال شاہد	دیپالپور پرنٹنگ پریس	۱۲ روپے	۲۶	۷.۲x۹.۳
۴۵۔	غذا اور صحت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۱ء	حکیم محمد اشرف مرزا	فیسکو پریس لاہور	۳۰ روپے	۴۰	۷x۹.۱
۴۶۔	ڈینٹل ہیلتھ	طبی	ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۲ء	ڈاکٹر محمد فیروز جہانگیر	-	۳۵ روپے	۱۸	۹.۳x۱۳.۸
۴۷۔	نرس مڈوائف	طبی	ماہنامہ	-	۲۰۰۲ء	ڈاکٹر شیر شاہ سید	-	۳۰ روپے	۳۸	
۴۸۔	برکات طب	طبی	ماہنامہ	ڈیرہ غازی خان	۲۰۰۳ء	حکیم شجاع احمد طاہر	-	۳۰ روپے	۳۲	۷x۹.۳
۴۹۔	دانائی	طبی	ماہنامہ	گوجرانوالہ	۲۰۰۳ء	حکیم طاہر پرویز	-	۲۰ روپے	۳۲	۷x۹.۳
۵۰۔	شعور صحت	طبی	ماہنامہ	شیخوپورہ	۲۰۰۳ء	حکیم محمد یوسف	شریف پرنٹنگ	۱۵ روپے	۴۴	۷.۱x۹.۲
۵۱۔	ہیلتھ کلب	طبی	ماہنامہ	حیدرآباد	۲۰۰۳ء	یسین راہی	-	-	۱۳۵ اردو ۱۵ انگریزی	۸.۲x۱۰.۹
۵۲۔	گلہائے صحت	طبی	ماہنامہ	لاہور	۲۰۰۵ء	حکیم منظور احمد	-	۲۰ روپے	۳۲	۷x۹.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۵۳۔	ورلڈ ہومیو نیوز	طبی	ماہنامہ	راولپنڈی	۲۰۰۶ء	شیخ محبوب اللہ	۔	۔	۳۴ انگریزی ۳۰ اردو	۸.۲x۱۰.۸
۵۴۔	حکمت بالغہ		ماہنامہ	جھنگ	۲۰۰۶ء	مختار فاروقی	۔	۔	۶۴	۵.۳x۸.۱
۵۵۔	صحت نامہ	۔	دوماہی	کراچی	۲۰۰۶ء	سطوت حیدر	ابن حسن پرنٹنگ پریس	۱۵۰ روپے	اردو ۱۱۱ انگریزی ۱۵ سندھی ۶	
۵۶۔	صادق الحکمت		ماہنامہ	گوجرانوالہ	۲۰۰۶ء	حکیم محمد نسیم صادق	۔	۵ روپے	۴	۱۴.۸x۲۲.۷
۵۷۔	طبی نیوز		ماہنامہ	مردان	۲۰۰۷ء	حکیم حاجی عبدالواحد	شمس پرنٹنگ ایجنسی	۵۰ روپے	۱۶	۷.۲x۹.۴
۵۸۔	میڈیل راؤنڈ اپ		ماہنامہ	ملتان	۲۰۰۸ء	رانا عبدالستار	اشرف احسن پرنٹنگ پریس	۳۰ روپے	۴۸	۷.۱x۹.۳
۵۹۔	بہار فیض		ماہنامہ	حیدرآباد	۲۰۰۸ء	حکیم کریم غوری	اے این پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۳۲	۷.۲x۹.۱
۶۰۔	جلیس صحت انٹرنیشنل میگزین		ماہنامہ	کراچی	۲۰۰۹ء	ڈاکٹر سید اظہر احمد	احمد برادرز پرنٹرز کراچی	۱۰۰ روپے	۶۸ اردو ۱۲۱ انگریزی	۸.۵x۱۰.۹
۶۱۔	طبیب حاذق		ماہنامہ	گجرات	۱۹۲۸ء	حکیم ندیم اختر	مہمدہ پرنٹنگ پریس گجرات	۲۰ روپے		۷.۳x۹.۶
۶۲۔	ہومیو پیتھک میگزین		ماہنامہ	لاہور	۱۹۳۰ء	ڈاکٹر خاور الیاس مسعود	مکتبہ جدید پریس	۲۰ روپے	۱۳۰ اردو ۱۳۰ انگریزی	۷.۳x۹.۴
۶۳۔	تجدید طب		ماہنامہ	لاہور		حکیم منور احمد	۔	۲۵ روپے	۳۲	۷.۱x۹.۳

متفرق

۱۹۴۷ء سے تا حال

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۔	جنسیات	جنس	ماہنامہ	کراچی	۱۹۴۹ء	خلیل احمد	حکیم پریس کراچی	۸آنے	۱۰۰	۵.۲x۸.۱
۲۔	طلسمات	طلسم		۔	۱۹۵۴ء	محبوب صدیقی	ضیاء پریس		۵۸	۹.۵x۶.۹
۳۔	الجہاد	۔		۔	۱۹۶۴	محمد بن محمود	پاکستان پریس	۱۲روپے	۔	۔
۴۔	طلوع	۔	ماہنامہ	۔	۱۹۶۶ء	۔	ٹریڈ اینڈ انڈسٹری پبلیکیشنز	۵۰ پیسے	۵۲	۱۱.۵x۸.۸
۵۔	بیان ادب	۔	سہ ماہی	۔	۱۹۶۷ء	۔	علمی پرنٹنگ پریس لاہور		۸۰	۶.۱x۹.۳
۶۔	فلکیات	نجوم	ماہنامہ	کراچی	۱۹۶۹ء	لیاقت نجم	اوکھائی پریس کراچی	۳۵روپے	۶۶	۷.۱x۹.۴
۷۔	اسلامی جمہوریہ		ہفت روزہ	۔	۱۹۶۹ء	ایس ایم مسعود	نامور آرٹ پریس	۵روپے	۔	۱۱x۷.۹
۸۔	آرٹس انٹرنیشنل		ماہنامہ	کراچی	۱۹۷۰ء	نسیم درانی	مطبع گارڈن آفیسر مراد خان	۲روپے	۔	۹.۴x۷
۹۔	پرنٹرز	پرنٹنگ گرافکس آرٹ	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۲ء	محمد عرفان قریشی	عرفان پرنٹنگ پریس	۶روپے	۵۲	۸.۱x۱۰.۸
۱۰۔	تعمیرات	تعمیرات	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۳ء	شمیم شامی	یورپ پرنٹنگ پریس	۱۵روپے	۸۲	۸.۱x۱۰.۱۱
۱۱۔	عقیدت	اسلام اور نظریہ پاکستان	ماہنامہ	حیدرآباد	۱۹۸۴ء	۔	پاسبان پریس حیدرآباد	۳روپے	۳۴	۹.۳x۷.۲
۱۲۔	StampConnention	مشاغل	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۷ء	۔	ابن حسن پرنٹنگ پریس	۵	۱۱۱اردو ۱۱۳انگریزی	۹.۸x۷.۳
۱۳۔	آتش بیان	۔	ہفت روزہ	لاہور	۱۹۸۸ء	تجارت پرنٹرز لاہور	۳۵روپے	۔	۔	۸.۵x۵

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۱۴۔	فوجی ٹائمز	ملے جلے مضامین	ماہنامہ	کراچی	۱۹۸۹ء	-	گلزار پرنٹرز ناظم آباد کراچی	۱۲ روپے	۱۵۰ اردو ۱۱۴ انگریزی	۷.۹x۱۰.۸
۱۵۔	پائیدار ترقی	تحقیقی مجلّہ	ششماہی	-	۱۹۹۷ء	احمد سلیم	-	-	-	-
۱۶۔	جرائم کراچی انٹرنیشنل	جرائم	ماہنامہ	-	۱۹۹۹ء	ندیم احمد جمال	ابن کلیم پرنٹنگ پریس	۲۰ روپے	۱۵۲ اردو ۱۶ انگریزی	۷.۹x۱۰.۷
۱۷۔	القانون	قانونی مسائل	ماہنامہ	اسلام آباد	۱۹۹۹ء	الطاف قریشی	قادریہ پرنٹرز اسلام آباد	-	۱۴۴ اردو، ۱۹ انگریزی	۷.۹x۸
۱۸۔	ذائقہ	گھریلو	ماہنامہ	-	۱۹۹۹ء	شمیم منیر	ذکی سنز پرنٹرز	۳۰ روپے	۶۶	۷.۷x۱۱
۱۹۔	روحانیت	علمی، تعلیمی	ماہنامہ		۲۰۰۰ء	صوفی محمد ندیم محمدی	احباب پرنٹرز لیاقت آباد	۳۰ روپے	۴۸	۹.۵x۷.۴
۲۰۔	پولٹری فارمر	-	ماہنامہ	-	۲۰۰۳ء	مسز ملکہ شہزاد	مطبع الحبیب پرنٹرز	-	۳۲	۱۱x۸.۶
۲۱۔	فلکی اسرار	مسائل و معلومات	-	-	۲۰۰۴ء	سید سلیمان کاظمی	نایاب پرنٹنگ پریس	۲۵ روپے	۶۶	۷.۲x۹.۴
۲۲۔	مسز کک	گھریلو	-		۲۰۰۵ء	شبانہ شاہد	-	۳۰ روپے	۶۶	۸.۳x۱۱
۲۳۔	مزیدار کھانے		ماہنامہ		۲۰۰۷ء		ہمدرد پریس کراچی	۵۰ روپے	۱۱۶	۸.۲x۱۰.۱۰
۲۴۔	جہاں سیرت	-	-	کراچی	۲۰۰۹ء	حافظ محمد عارف کھانچی		۶۰ روپے	۱۲۰	۵.۵x۸.۲
۲۵۔	تدبیر نو	-	-	-	-	-	مکتبہ تدبیر نو	-	-	۸.۲۵.۳

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	دورانیہ	مقام اجراء	سال اجراء	مدیر	مطبع	قیمت	ضخامت	سائز (انچ میں)
۲۶۔	ذہن	-	-	-	-	اظہر علی رضوی	-	۶ روپے	۹۲	۱۹.۳x۶.۳
۲۷۔	بحر و بر	-	پندرہ روزہ	چشتیاں بہاولپور	-	-	ضیاء اختر پرنٹرز بہاولپور	-	۳۱	۹x۷.۶